مسلم قانون

جلد اوّل

سیّد امیر علی

مترجم

محمد رضا علی خاں



قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان،

وزارتِ ترقی انسانی وسائل،

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-I، آر-کے پورم، نئی دہلی-110066

Muslim Qanoon Vol. I

By : Syed Amir Ali

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2001ء شک 1923ء

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : -/265

سلسلۂ مطبوعات : 869

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

طابع : فہمی کمپیوٹرس، 900 دین دنیا ہاؤس، جامع مسجد، دہلی-110006

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جاسکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

ترتیب

ضمیمہ

تعارف کتاب

(ا) اصل کتاب

1849ء میں موجودہ ہندوستانی ریاست مغربی بنگال میں علوم شرقیہ کے ممتاز عالم سید سعادت علی خاں کے یہاں، جو کہ ایرانی نسل کے تھے اور ابتدا میں اڑیسہ کے مقام کٹک میں رہ کر ہگلی میں بس گئے تھے، ایک روشن تقدیر بچے نے جنم لیا۔ اس بچے کے لیے جس کا نام سیّد امیر علی رکھا گیا، مادر وطن کے ممتاز ترین سپوتوں میں شامل ہونا مقسوم تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں امیر علی ہگلی کالج میں داخل ہوئے اور 1869ء میں تاریخ میں ایم اے اور قانون کی ڈگریاں لے کر فارغ ہوئے۔ پھر وہ انگلستان روانہ ہوئے اور 1873ء میں بیرسٹر بنے۔ وطن واپسی پر امیر علی نے قانون کے پیشہ ورانہ اور علمی دونوں پہلوؤں میں دلچسپی لی۔ انہوں نے بطور بیرسٹر کلکتہ ہائی کورٹ میں وکالت کی، کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو بنے اور پریسڈنسی کالج میں اسلامی قانون پڑھایا۔ عرصہ تک پریسڈنسی مجسٹریٹ رہنے اور چیف پریسڈنسی مجسٹریٹ کے طور پر کام کرنے کے بعد 1890ء میں وہ کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔

1884ء میں امیر علی نے کلکتہ یونیورسٹی میں اسلامی قانون جائداد کے بعض پہلوؤں پر اپنے معرکتہ الآرا "ٹیگور قانونی خطبات" دیئے۔ مئی 1904ء میں ملازمت سے اپنی سبکدوشی کے بعد وہ انگلستان گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ اس مدت میں امیر علی کو پریوی کونسل کا پہلا ہندوستانی جج بنائے جانے کا اعزاز حاصل ہوا اور اس حیثیت میں انہوں نے 1928ء تک کام کیا۔ اسی سال انگلستان کے مقام سسکس میں انہوں نے وفات پائی۔

پیدائشی طور پر سید امیر علی اسلامی قانون کے اثنا عشری شیعہ مذہب سے تعلق

رکھتے تھے اور انھوں نے پوری پیشہ ورانہ اور علمی زندگی میں اس میں بھرپور دلچسپی لی۔ تاہم وہ اسلامی قانون کے حنفی، شافعی اور مالکی مذاہب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور انھوں نے مسلم علم قانون کی تمام شاخوں سے اپنی واقفیت کا اپنی متعدد تصانیف میں زبردست مظاہرہ کیا۔ علاوہ ازیں ان کے کچھ عدالتی فیصلے ہندو قانون سے بھی ان کی گہری واقفیت کی شہادت دیتے ہیں۔

سیّد امیرؔ علی کی کتاب "مسلم قانون" کا جز اوّل ابتدامیں اسلامی قوانین ہبہ، اوقاف اور وصایا پر ان کے ٹیگورؔ قانونی خطبات پر مشتمل تھی جو کہ انھوں نے 1884ء میں کلکتہ یونیورسٹی میں دیئے تھے۔ بعد میں انھوں نے اپنے اصل کام کو مختلف طور پر بڑھا کر اور اس میں قوانین شفعہ اور تحویل پر دو ابواب اور قوانین وقف پر ایک دو جزوی ضمیمے کا اضافہ کر کے اسے اسلامی قانون جائداد و نقل جائداد پر ایک مکمل تصنیف کی شکل دے دی۔ 1892ء میں یہ تصنیف اصل کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے طور پر شائع ہوئی۔ امیرؔ علی نے خود اس کے دو مزید ایڈیشن تیار کئے جو کہ یکے بعد دیگرے 1904ء اور 1912ء میں شائع ہوئے۔

امیرؔ علی کی کتاب "مسلم قانون" کے دوسرے جز میں، جس کا ذیلی عنوان "مسلمانوں کا شخصی قانون" ہے، اسلامی عائلی قانون پر ان کے وہ لکچر شامل ہیں جو انھوں نے کلکتہ کے پریسڈنسی کالج کے طلباء قانون کے لیے دیئے تھے۔ اس کا حصہ اوّل، جو انھوں نے بعد میں شامل کیا، اسلامی قانون وراثت سے متعلق ہے۔ یہ حصہ اوّلاً 1881ء میں شائع ہوا تھا۔ اس معرکتہ الآرا تصنیف کے مصنف کے خود تیار کردہ تین اور ایڈیشن شائع ہوئے۔ 1928ء میں اپنی وفات سے کچھ قبل امیرؔ علی نے اس حصہ کا ایک اور ایڈیشن

تیار کیا تھا۔ یہ نیا پانچواں ایڈیشن ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔

اس طور پر امیر علی کی موجودہ کتاب کا دوسرا جزو پہلے سے زیادہ قدیم ہے۔ شاید دونوں جز پہلے الگ الگ کتابوں کے طور پر تیار اور شائع کیے گئے تھے اور بعد میں انہیں ایک مشترکہ کتاب کا حصہ اوّل اور حصہ دوم قرار دیا گیا۔

امیر علی کی "مسلم قانون" کے جز اول (چوتھا ایڈیشن) 1912ء میں تیس ابواب شامل ہیں۔ پہلے چھ باب اسلامی قانون ہبہ پر ہیں۔ اگلے تیرہ باب مسلم او قاف سے متعلق ہیں اور ایک ضمیمہ دو جزوی ضمیمہ کے ساتھ مل کر حصہ اول کا ضخیم تر جز بنتے ہیں۔ اس کے بعد اگلے آٹھ ابواب میں قانون وصایا سے بحث کی گئی ہے۔ پھر دو ابواب میں قانون شفعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ضمیمہ سے قبل آخری باب میں مختصراً قانون تحویل پیش کیا گیا ہے۔

جز اوّل کے برعکس جز دوم دو علیحدہ حصوں میں منقسم ہے۔ آٹھ ابواب پر مشتمل پہلے حصے کا عنوان "قانون وراثت" ہے اور اس میں قواعد توریث سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس جز کے دوسرے حصے کا نام "قانون حیثیت" ہے۔ اس کی شروعات احوال شخصیہ کے ضمن میں تضادات قانون پر ایک باب سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد قانون اطفال (صحت نسب، اقرار بنوہ، بلوغ، ولایت، حضانت اور نفقہ) سے ابواب ۲ تا ۵ اور پھر ۱۶ اور ۱۷ میں بحث کی گئی ہے۔ درمیان میں ابواب ۶ تا ۱۵ قانون نکاح و طلاق سے متعلق ہیں۔ اس جز میں تین ضمیمے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو (جو کہ نکاح کی رسومات اور تعداد ازدواج سے متعلق ہیں) حصہ دوم کے باب ۶ کے ساتھ پڑھے جانے چاہئیں۔ تیسرا ضمیمہ (جس میں ولایت مال پر مزید مواد پیش کیا گیا ہے) باب ۱۷ کا حصہ سمجھا جانا چاہیے۔

اپنی کتاب کے دونوں اجزا میں امیر علی نے حنفی قانون، اثنا عشری قانون (جسے

انھوں نے "شیعہ قانون" کہا ہے)اور شافعی قانون سے بحث کی ہے۔کیونکہ یہ تینوں برصغیر ہند میں رائج ہیں۔ کہیں کہیں انھوں نے مالکی قانون کی بھی بات کی ہے؛جب کہ دنیا کے اس حصے میں اس کے پیرو نہیں ہیں۔اسلامی قانون کے چوتھے سنّی مذہب فقہ حنبلی کے بارے میں(جس کے پیرو بھی برصغیر میں نہیں ہیں)ان کی کتاب میں بہت کم بات کی گئی ہے۔اسمٰعیلی شیعہ قانون پر(جس نظام سے ہندوستان کے خوجے اور بوہرے متعلق ہیں)ان کی تصنیف تقریباً خاموش ہے۔

بہ حیثیت مجموعی امیؔر علی کی کتاب ایک عظیم فقہی ذخیرے پر محتوی ہے۔ برصغیر ہند میں مجالس قانون ساز، عدالتوں اور کتابوں کے مصنفین کے ہاتھوں اسلامی قانون کے ارتقا میں اس کے اثرات اتنے معروف ہیں کہ ان کی تفصیل بیان کرنا غیر ضروری ہے۔

1912ء اوراور 1929ء کے درمیان آخری بار شائع شدہ امیؔر علی کی یہ معرکتہ الآرا تصنیف کئی لحاظ سے پرانی ہو چکی ہے۔1928ء میں ان کی وفات کے بعد کسی نے اس پر نظر ثانی کی جرأت نہیں کی کیوں کہ بلاشک وشبہ یہ ایک سخت مشکل کام ہوتا۔ گذشتہ پچاس برسوں میں اس مضمون پر کئی نئی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن امیؔر علی کی بے حد عالمانہ کتاب اب تک کسی نئے ایڈیشن کی منزل تک نہیں پہنچ سکی ہے۔1965 میں پاکستان کے راجہ سعید اکبؔر خاں نے اصل کتاب میں چند نئے وضعی قوانین اور بعض جدید عدالتی نظائر کے حوالے شامل کر کے اس کو نئے "ایڈیشن" کے عنوان سے شائع کروایا تھا۔

موجودہ کتاب کوئی نیا ایڈیشن نہیں بلکہ صرف ایک نئی طباعت ہے۔اس کے ناشرین کی درخواست پر میں اس کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کر رہا ہوں جس میں امیؔر علی

کی اصل کتاب کے ابواب کے حوالوں کے ساتھ 1928ء کے بعد سے اب تک اسلامی قانون کے میدان میں عالم اسلام میں کیے گئے اقدامات پر بس ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

(1985ء کی نئی ہندوستانی طباعت پر میرے پیش لفظ کا اردو ترجمہ)

(ب) موجودہ اردو ترجمہ

امیر علی کی کتاب کی جلد اول کا یہ ترجمہ اب سے تقریباً اٹھارہ سال قبل سابق ترقی اردو بیورو حکومت ہند کے لیے راجستھان کے ایک سبکدوش ضلع جج مرحوم رضا علی خاں نے کیا تھا۔ مختلف وجوہات سے یہ ضخیم ترجمہ منزل اشاعت تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند نے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ فاضل مترجم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس لیے ان کی اس عرق ریزی کو ضائع نہ ہونے دینے کا فیصلہ مناسب ہی ہے۔

اس قدر ادق مضمون، اس پر سو برس سے بھی پہلے کی لکھی ہوئی کتاب اور وہ بھی سید امیر علی جیسے جید قانون داں کی تصنیف کردہ۔ ظاہر ہے کہ مرحوم نے بڑی جوکھم والا کام اپنے سر لیا تھا۔ افسوس کہ موت کے فرشتے نے انھیں اپنے کام پر نظر ثانی کی مہلت نہ دی جس کی یقیناً اشد ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے۔ اردو کونسل کی طرف سے ترجمے کا ٹائپ شدہ مسودہ میری تحریک پر سید امین الحسن رضوی صاحب کے پاس بھیجا گیا تھا جنھوں نے بڑی محنت سے جہاں تک ہو سکا اس کی تصحیح کر دی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ کہ باقی ماندہ اغلاط کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ اردو کونسل اس کی آئندہ اشاعت اور صحیح اور بہتر بنا سکے۔ امیر علی کی کتاب کی جلد دوم کا بھی ترجمہ کروانے اور شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس پر حیدر آباد میں کام ہو رہا

ہے۔ ضرورت ہوئی تو بعد تصحیح مزید پہلی جلد کا یہ ترجمہ دوسری جلد کے ترجمے کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جاسکتا ہے۔

میں محبی ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ، ڈائرکٹر اردو کونسل کا مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے اس عظیم قانونی ورثہ کے اردو ترجمہ پر یہ معروضات پیش کرنے کا موقعہ دیا۔

پروفیسر طاہر محمود

3/اپریل 2001

معروضات مترجم

ترقی اردو بورڈ کی فرمائش پر جسٹس امیر علی کی تصنیف "محمڈن لا" کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

ترجمہ کا فن مشکل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ مشکل اصل شوق نہ ہونے تک ہے ورنہ یہ بہت ہی دلچسپ علمی مشغلہ ہے۔ انگریزی سے اردو ترجمہ میں مترادفات کی تلاش، سیاق و سباق کے مطابق مناسب الفاظ کا انتخاب، زور بیان، سلاست وروانی تاایں کہ ترجمہ اصل تصنیف معلوم ہو، بڑے ریاض کا کام ہے اور صحیح شوق ہی ریاض کا محرک ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ترجمہ الفاظ کا نہیں بلکہ مفہوم کا ہونا چاہئے۔ ادب کے لیے تو یہ اصول قابل عمل ہے مگر اصطلاحی علوم اور قوانین کے ترجمہ پر یہ کلیہ منطبق نہیں ہوتا۔ انگریزی ادب کے شائقین جب کسی قانون کی کتاب کا انگریزی میں مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں اجنبیت، غیر مانوس پن اور اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ قانون کا انگریزی میں ایک خاص اسلوب ہے، اس لئے قانون کی کسی کتاب کے انگریزی سے اردو ترجمہ میں ادبیت، روانی اور برجستگی کی تلاش نہ مترجم کے ساتھ انصاف ہے اور نہ قانون کے ساتھ۔ اگر قانون کی کتابوں کے اردو ترجموں میں سلاست اور ادبی اسلوب نہ ہو تو اس سے نہ ترجمہ میں کوئی نقص وارد ہوتا ہے اور نہ مترجم لائقِ سرزنش۔ مثلاً ادب کے ترجمہ میں ایک ہی لفظ کی تکرار گراں گذرتی ہے مگر قانون کے ترجمہ میں یہی تکرار ناگزیر ہے ورنہ اصل مفہوم ہی سرے سے خبط ہو جاتا ہے۔

قانون کی مشہور کتابوں میں بعض ایسی ہیں جن کا امتداد زمانہ کے باوجود مُہتم بالشان مقام ہے۔ یہ روشنی کے ان مناروں کے مثل ہیں جو سمندر کی تاریکیوں میں جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ یہی کیفیت جسٹس امیر علی کی شہرہ آفاق تصنیف "محمڈن لا" کی ہے۔ قانون کی تاریخ میں اس کا ایک بنیادی اور دوامی مقام ہے۔ کتابِ مذکورہ کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اور آج ایک صدی سے زیادہ گزرنے کے بعد اب

اس کا اردو ترجمہ ہو رہا ہے۔

علوم و فلسفہ کا مطالعہ ہو یا الٰہیات وطبیعات کی منزل بلا جگر کاوی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اقبالؔ نے خون جگر کو ہی اساس قرار دیا ہے۔

مردہ ہے وہ یا نزع کے عالم میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے

لوح وقلم کی پرورش ہو یا درو بام حرم کی زینت یا لب ور خسار کی رعنائی یہ سب خون جگر کے ممنون ہیں۔ اردو کے دل کش لباس میں مترجم کے خون جگر کی رنگینی آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اُردو ترجمہ اور وہ بھی ایک کتاب قانون کا اصطلاحی علوم کی کتابوں کے ترجمے کی افادیت اور اس کی دشواریوں سے متعلق ایک مشہور مصنف کا قول رہ رہ کر یاد آتا ہے اور یہی تاثر میری حقیر کوششوں کا محرک ہے: ”ترجمہ آسان کام نہیں ہے بالخصوص انگریزی سے اردو کا ترجمہ کرنا اور ایسا ترجمہ کرنا کہ وہ ایک مستقل تصنیف معلوم ہو نہایت دشوار ہے۔ مترجم شکریہ کا مستحق ہے کیونکہ اگر دنیا میں مترجم نہیں ہوتے تو زمین پر علم کی جھیلیں اور دریا تو بہتیرے ہوتے مگر ان کو ملا کر علم کا بحر ناپیدا کنار بنانے والا کون ہوتا“۔

محمد رضا علی خاں
جے پور، یکم جون 1983ء

پیش لفظ (اشاعت اوّل)

قانون اسلام کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے جو نہ اسلام میں پیدا ہوئے اور نہ اس میں نشوونما پائی کافی مشکل ہے۔ سر دست اس موضوع پر انگریزی میں تصانیف کمیاب ہیں۔ مگر فرانسیسی زبان میں اس پر وافر ذخیرہ ہے۔ اگرچہ علم فقہ اور مسائل واحکام شرعیہ پر متقدمین فقہاء کی گراں قدر تصانیف زبان عربی میں دستیاب ہیں۔ مگر اس زبان پر عبور حاصل کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنی کہ اس کے اسالیب کی کثرت ہے۔

ہندوستان میں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں علم فقہ کا مطالعہ اگرچہ متروک نہیں ہوا مگر شاذ ونادر ہی رہ گیا ہے۔ بہت کم لوگ اس کا علم برائے علم یا ایک تحقیقاتی و تجرباتی موضوع سمجھ کر جائزہ لیتے ہیں۔ علم فقہ کی تحصیل میں مصروف رہنے والے محض احکام میراث کے چند خشک وغیر مفید قواعد کا مطالعہ کرتے ہیں ہیں جو بے سود ہیں۔ یہ صورتِ حال لارڈ ولیم بینٹنگ کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کو دیگر فرقوں پر خاص امتیاز حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ اسلامی ادب اور علم فقہ کی متواتر گورنروں نے سرپرستی کی۔ ان کی روایات کا احترام کیا اور ملک کے سابق فرمانروا وحاکم کے اعتبار سے ان کی منزلت قائم رکھی۔ مگر لارڈ ولیم بینٹنگ کے دور حکومت میں ہوا ہی بدل گئی اور مسلمان اہانت اور عدم توجہی کا شکار ہو کر نظرانداز کیے گئے۔ ان کے آئین وقوانین روبہ زوال ہوئے۔ مولویوں اور مفتیوں کے قدیم طبقات جنھوں نے لارڈ ویلزلی اور وارن ہیسٹنگز کے عہد کو رونق اور تابانی بخشی تھی ناپید ہوگئے۔ اس کے برعکس حکومت فرانس الجیریا میں علم فقہ، عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہی۔ حتیٰ کہ عوامی فلاح کی خاطر مقامی اداروں کی زرکثیر و بیش از بیش مالی امداد واعانت سے ہمت افزائی کی گئی۔ دوسری طرف ہندوستان کے انگریز حکمران اسلامی علوم وفنون کے ہر شعبہ کو تباہ کررہے تھے۔ اس غلط حکمت عملی سے جو نقصان پہنچا اس کا قرار واقعی اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اسلامی علم فقہ، اسلامی تمدن ومعاشرہ اور اسلامی رسوم وقوانین سے عدم واقفیت کا اب بھی یہ نتیجہ ہے کہ اعلیٰ ترین عدالتیں بھی بعض مقدمات کا فیصلہ

اصول فقہ اور شرع کے خلاف صادر کرتی ہیں۔ پس کوئی تعجب نہیں کہ ہندوستان میں شرع کے خلاف ایسے غیر منصفانہ فیصلوں سے برٹش حکومت کے خلاف عوامی ذہن میں طویل فرد جرم میں ایک مزید جرم کا اضافہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ پچھلے کچھ عرصہ سے بعض صوبائی حکومتوں، خاص کر حکومت ہائے بنگال و مدارس، نے کسی حد تک تلافی کی کوشش کی ہے تاکہ ان تکالیف کا ازالہ ہو سکے، جو مسلسل نصف صدی میں قصداً غفلت سے پہنچائی گئی ہیں۔ تاہم مسلمانوں کے معاملات میں حصول دادرسی کے لیے عدل وانصاف کی بنا پر کوئی مثبت عملی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کے مختلف فقہی مذاہب میں وسیع اختلاف کی بنا پر شریعت اسلامیہ کے کسی شعبہ میں قدرت حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ شرع کے شخصی قوانین کا مطالعہ۔

یہ کتاب جو میں عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں اس کی غرض مسائل شرعیہ میں پیش آنے والی دقتوں کو رفع کرنا اور مسلمانوں کے شخصی قوانین سے متعلق ایک جامع و محقق تصنیف کی کمی پورا کرنا ہے۔ اس کتاب میں ان لیکچروں کا خلاصہ بھی شامل ہے جو میں نے پریسڈنسی کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے شرع شریف پر دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ شیعہ و سنی قانون میراث متعلق فرائض کی ایک فہرست بھی شامل ہے۔ اس کے بعد کے صفحات میں مسائل شرعیہ کا تقابلی تجرباتی جائزہ لیا ہے۔ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں یہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ انگریزی ادب میں یہ کتاب اپنی نوعیت کی "نقش اوّل" ہے نیز جامعیت اور امتیازی خصوصیت میں منفرد تجربہ۔ تاہم مجھے امید ہے کہ ناظرین ناگریز فروگزاشتوں کے باوجود اس کا مطالعہ کریں گے۔ اپنی اس خواہش کے پیش نظر کہ مصروف قانون دان، طلباء اور شائقین علم مستفید ہو سکیں، میں نے نظائر کا بغور جائزہ لیا ہے اور مسائل شرعیہ کی صحت پر کافی توجہ دی ہے۔

علم فقہ پر اصل اسناد کے حوالہ سے قبل شرع شریف پر یورپین زبانوں میں جو کتابیں میرے زیر مطالعہ رہیں ان کا حوالہ بھی ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ

ہو گا۔ قابل ذکر تصانیف میں میکناٹن کی کتاب اصول و نظائر مسلم قانون، ہملٹن کا فارسی ترجمہ ہدایا، بیلی کا ڈائجسٹ، شیاما چرن سرکار کے لیکچرس اور ریمزے کا انگریزی میں قانون میراث ہیں۔ مسلم قانون پر میکناٹن کی تصنیف تاحال سب سے زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے، اگرچہ بعد میں ججوں اور وکلاء کی نظر میں اس کی منزلت بہت کم ہو گئی ہے۔ میکناٹن کا حنفی اور شیعہ قانون میراث کا پبلک امتحانات میں شامل ہونے والے طلباء کے لیے مفید ترین سمجھا جاتا ہے۔ ہیملٹن کا فارسی ترجمہ ہدایا ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو مختلف فرقہ ہائے اہلِ سنت کے مسائل میں فرق و امتیاز نہ کر سکتے ہوں۔ مگر ہدایا میں فقہ حنفی کے اصولوں کی مُلا نشاندہی میں بیشتر وکلاء کی دشواری سے اس کی افادیت کم ہو گئی ہے۔ بیلی کے ڈائجسٹ میں فتاویٰ عالمگیری اور شرائع الاسلام کے حصص کے آزاد ترجمے ہیں اور یہ گراں قدر تصانیف مسلم فقہ پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے بہت مفید ہیں۔ بیلی کے ڈائجسٹ میں ان کی علمی نوعیت کے باوجود بہت سی غلطیاں ہیں۔ ان میں فاش غلطی مسماۃ اسلو کے مقدمہ میں ظاہر ہوئی جس پر توجہ دلائی گئی ہے۔ بیلی کے ڈائجسٹ کی افادیت بلاشبہ کہیں زیادہ ہوگی اگر ہر مقدمہ میں محولہ کتب و اسناد فقہ کا ترجمہ بھی مثل ان مسائل کے ترجموں کے شامل ہوتا، جیسا کہ انھوں نے بعض صورتوں میں کیا ہے۔ اس کمی کو کسی حد تک بابو شام چرن سرکار نے پورا کیا۔ ان کے لیکچرس دوسرے اعتبار سے اصلاً شرع محمدی کی نقول ہیں۔ اور یہ ان تمام قانون پیشہ حضرات کے لیے جو مسلم فقہ کا بدقت نظر مطالعہ کرنا چاہتے ہوں بیش بہا اضافہ ہیں۔ رمزے کا ڈائجسٹ فقہ حنفی کے احکام میراث پر ایک گراں قدر اور جامع تصنیف ہے۔ شرع شریف اور علم فقہ پر فرانسیسی تصانیف نے انگریزی تصانیف کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

۱۷۷۸ء میں شاہ سوئڈن کی زیرسرپرستی چھپی ہوئی کتاب الموسوم بہ ٹیبلیکس جنرل ڈی ایمپائر اوتومون، مصنف ڈی اوسن مغرب کی غیر معمولی تخلیقی ذہانت، طباعی، جانکاہی اور علمیت کی ایک عظیم الشان دائمی یادگار ہے۔ یہ فقہ حنفی کے ان دیوانی، فوجداری، سیاسی اور اخلاقی قواعد کا سب سے معتبر اور مکمل خلاصہ ہے جو ممالک عثمانیہ میں نافذ ہیں۔ ڈی اوسن کی متذکرہ تصنیف کے علاوہ علمائے فرانس مثل برزن، ستائیرہ،

سیسی،لاسیل،ڈی میز ومل،ڈی کری،ونسیٹ اور دوسروں نے اسلامی فقہ میں بیش بہا اضافوں سے فرانسیسی ادب کو مالامال کیا ہے۔

مندرجہ بالا تصانیف سے بھی کتاب ہذا کی تیاری میں مجھے گراں قدر مدد ملی ہے۔اس کے مقدمہ کے تاریخی حصہ کی بنیاد ابن الافہر کی "العاقل" پر اور قانونی حصہ کی بنیاد امام فخرالدین رازی کی تصنیف "المحصول" پر ہے۔نیز ابن خلدون کی تصنیف کسکادمات، شہرستانی کی ملل والنحال اور ڈی لیس کی ٹیبلکس جنرل پر مبنی ہے۔

شیعہ فقہ کے اصول شرائع الاسلام۔مفاتیح۔ارشاد الحلامہ۔اور جامع الشتات سے لیے گئے ہیں۔مؤخرالذکر تصنیف شیعہ نظائر کا بیش بہا مجموعہ ہے۔اور یہ نظائر مشمولہ فتاویٰ عالمگیری(احناف) کے مثل مستند ہیں۔مذکورہ بالا کے ماسوا میں نے نیل المرام، جامع عباسی، مبسوط اور تحریر الاحکام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور شیعہ احادیث کے سلسلہ میں بحر الانوار سے بھی مستفید ہوا ہوں۔

تصانیف محولہ کے علاوہ فقہ حنفی کے سلسلہ میں کتب فتاویٰ میں کنزالدقائق کا فارسی ترجمہ، ہدایا کے انگریزی اور فارسی ترجمے، فصول العمادیہ،غنایہ،کنایہ،درالمختار، ردّالمختار اور ابراہیم حلیبی وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا ہے۔شافعی ومالکی مذاہب فقہ کے سلسلہ میں کتاب الانوار،المحرر،اختلاف الائمہ اور میرن کا ترجمہ سیدی خلیل، ستاریہ وغیرہ بھی پیش نظر رہے ہیں۔ متذکرہ کتب کے علاوہ دیگر تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے اور میرے نوٹس میں ان کا خاص طور پر حوالہ ہے۔اس موقع پر وہ مختلف تصانیف جن سے فیضیاب ہوا ان کی احسان مندی کا اعتراف کرتے ہوئے میں ڈاکٹر روسٹ اور اے۔جی میکفرسن مشیر قانونی(سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا)کا بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے بلاکسی پابندی یا روک کے انڈیا آفس میں علوم شرقیہ کی لائبریری و قانون کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع دیا۔میں ذاتی طور پر مسلمانوں کے غیر معروف مگر اہم فلسفیانہ فقہی عقیدہ معتزلہ سے وابستہ ہوں۔اسی لیے ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف العقائد فرقوں کے تجزیہ میں مجھے زیادہ آسانی ہے۔وہ تحریک جو پچھلے کچھ عرصہ سے جاری ہے اس کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔تمدنی اصطلاحات،ترقی پسند تصورات اور عزائم نو نے مسلمانوں کو بھی مثل دیگر

فرقوں کے متاثر کیا ہے اور نئی نسل غیر شعوری طور پر معتزلہ عقائد کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ ان میں کہن سال اگر وہ شیعہ ہیں تو اصلی اور سنی ہیں تو وہابی مسلک کو اختیار کر رہے ہیں۔ یہ تحریک مذہبی عقیدہ میں کمزوری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ حقیقی اسلام کو اپنانے کی گہری خواہش ہے۔ دراصل اس کا مقصد ان زوائد کو دور کرتا ہے جنہوں نے اسلام کی عظمت وشان کو دھندلا کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں ترقی پسندانہ ذہن کا یہ ثبوت ہے کہ تعداد ازدواج، غلامی اور طلاق بلااجازت قاضی کے متعلق اکثریت کے خیالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ تمدن کے ابتدائی دور میں تعداد ازدواج کی خواہ کیسی ہی ضرورت ہو مگر موجودہ زمانہ میں اس کو نہایت قبیح اور مذموم سمجھا جاتا ہے۔ ان ترقی پسندانہ خیالات اور کلام پاک کے معنی پر فکر وتدبر کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان عام طور پر تعدادِ ازدواج کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے شخصی قوانین میں عظیم تغیرات آئیں گے۔ مگر یہ کیسے اور کس کے ذریعہ آئیں گے؟ آیا علما وفقہائے اسلام کی ایک عام مجلس شوریٰ کے ذریعہ یامقننہ کے منظور شدہ ایکٹ کے نفاذ سے، یہ اس وقت بتانا ناممکن ہے۔ الغرض مسلمانان ہند میں اس وقت خیالات کی ایک غیر محسوس لہر جاری ہے جو شاید غیروں کو محسوس نہ ہو، مگر مسلمان حالات کے رخ کو خوب سمجھ رہے ہیں۔ پس ملک کے موجودہ فرمانراؤں کو لازم ہے کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین پر خاص توجہ دیں۔ اس لیے کہ ہندوستان میں یہی ایک ایسی قوم ہے جو ہر اعتبار سے یکساں وہم آہنگ واحد ملت ہے۔

اگر یہ کتاب مسلمانوں کے شخصی قوانین سے متعلق عام معلومات کے اضافہ میں مفید ثابت ہوئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس کی تالیف پر میری زمانہ تعطیل کی محنت وصول ہو گئی۔

امیر علی

۲۶ر دسمبر ۱۸۸۰ء

مقدمہ

فصل اوّل: مسلم قانون کا اطلاق

ہندوستان میں مقننہ نے شرع اسلام کے قوانین متعلق وراثت وانتقالات کو بعینہ قائم رکھا ہے۔

بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس ملک میں سوائے ان مخصوص قوانین کے جنہیں قوانین ملکی کہنا مناسب وموزوں ہوگا کوئی مقامی قوانین نہیں ہیں۔

ہندوستان میں اصلاً شخصی قوانین رائج ہیں جن سے نہ صرف وضع قانون کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ حصول دادرسی میں بھی مزید نقص کا اندیشہ رہتا ہے۔

فقہ اسلام جس کا بیشتر حصہ نامانوس زبان میں ہے اسکے قواعد کا تعین اور ان کا نفاذ اکثر بہت ہی مشکل ہے۔ اسکا بظاہر یہی سبب ہے کہ مسلم لا کے اصولوں کو نافذ کرنے میں کسی حد تک تامل ہوتا ہے اور اسی لئے احکام شرع کے لیے انگریزی قانون اور بعض اوقات ہندو قانون کی تائید حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح احکام شرع کی تنسیخ کی بالواسطہ کوشش انگریزی قانون (موضوعہ) کے اصل منشاء سے بالراست متصادم ہوتی ہے۔

برطانوی حکومت نے اس ملک میں اپنے دور فرمانروائی کے آغاز میں پارلیمنٹ کے باضابطہ ایکٹ کی رو سے ہندوستانیوں کو ان کے ذاتی قوانین اور رسم ورواج کے بحال رہنے کا یقین دلایا تھا جیسا کہ تمہید ایکٹ مذکور (مقصد ۲) میں بتایا گیا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو ان کے دیرینہ قوانین، روایات، حقوق، اور مراعات کے استعمال اور ان سے استفادہ کے لیے ہر طرح کا تحفظ کیا جائے گا۔ اگر یہ امر غیر منفصلہ ہوتا تو مسئلہ کی نوعیت صریحاً اس طرح متنازعہ ہوتی کہ آیا مجلس قانون ساز کا واقعی یہ منشا تھا کہ اس ملک کے باشندوں (خواہ وہ کسی طبقہ یا مذہب کے ہوں) کے شخصی قانون میں تبدیلی کی جائے۔

اس سلسلہ میں مقدمہ مصلح بنام مصلح اور دیگر مقدمات کے فیصلوں سے ظاہر ہے کہ عدالت کا یہی رجحان رہا ہے کہ تمام شخصی قوانین کا نفاذ خاص کر ہندو اور مسلمانوں تک محدود رکھا جائے۔

مقننہ کا اصل منشا معلوم کرنے کے لیے کہ آیا اس ملک کے رہنے والوں (قطع نظر ان کی نسل اور عقائد کے) کے قوانین شخصیہ میں کوئی تبدیلی کی جائے یہ مقدمہ اور دوسرے فیصلے قابل توجہ ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ عدالتوں کا رجحان یہ تھا کہ قوانین شخصیہ خاص کر ہندو مسلمانوں کے قوانین ان کے نفاذ کو محدود کر دیا جائے۔

قواعد مابعد میں جی، ای، او، ۳ کی دفعات ایکٹ ۱۳، ۱۸، ۸۷ کا در اصل اہم حصہ ہیں اور انگریزی حکومت کے دیے اہم ترین تحفظات میں سے ہیں جن کی ہندوستان کے باشندوں کو یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ دفعہ ۱۷ کے نفاذ کو محض جانشینی اور وراثت تک محدود رکھنے کی کوشش واضح طور پر خود دفعہ کے الفاظ کے قطعاً برعکس ہے۔ اس کی تمام نظائر اور منشائے مقننہ سے تائید ہوتی ہے۔ اصل لفظ (معاملات) میں انتقالات بھی شامل ہیں۔ مزید برآں مقننہ نے واضح طور پر یہ طے کر دیا ہے کہ جب کسی خاص مسئلہ کے متعلق کوئی مخصوص قانون نہ ہو تو عدالتوں کو معدلت گستری اور نیک نیتی کے اصول پر عمل کرنا چاہئے۔

عدالت عالیہ کلکتہ کے دو فاضل ججان Steer اور Levineg نے یہ طے کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے عام معاملات بسلسلہ انتقال جائیداد مسلم لا کے مطابق طے کرنا عین انصاف اور نیک نیتی کے مطابق ہے۔

بمقدمہ ظہور الدین سردار بنام نور اللہ سردار میں ہر دو فاضل ججان نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے "مدعی جوابدہ (انتقالات) کے وکلاء نے ہمارے سامنے یہ بحث کی ہے کہ عدالت کے سامنے جس نوعیت کا معاہدہ ہے اس پر مسلم لا کا اطلاق نہیں ہوتا اور ۱۷۹۳ء کے ریگولیشن ۴ کی دفعہ ۱۵ کے مطابق عدالت کو صرف وراثت، شادی اور حصہ کے مسائل ہی مسلم لا کے مطابق طے کرنا ہیں مگر چونکہ عدالت کے سامنے معاملہ ہذا متذکرہ بالا نوعیت کا نہیں ہے اس لئے عام اصول انصاف و قانون کے مطابق یہ طے ہونا چاہئے۔

اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس ملک کی عدالتوں نے مسلم لا کا دیگر مختلف معاملوں پر بھی عملاً اطلاق کیا ہے جو وراثت' شادی اور برادری کے امور کے ماسوا ہیں۔ حتیٰ کہ دیرینہ اور مسلمہ اصول کی بنا پر عدالت کے فعل کو اگر جائز قرار نہ بھی

دیا جائے تب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسی حالت میں جب عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں ان کے قانون پر عمل کرتی ہیں تو وہ انصاف، حق اور سچائی کے خلاف عمل پیرا ہیں۔ اسی طرح کا ایک عذر یوسف علی بنام کلکٹر تی پارہ کے مقدمہ میں کیا گیا تھا لیکن فاضل ججان Garth اور Mecdonell نے مسلم لا کی بنیاد پر ہی اس مسئلہ کا فیصلہ کیا۔

عدالت عالیہ بمبئی نے نہایت پر زور طریقہ پر اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں کی تحریر شدہ دستاویزات جو منتقلی جائیداد سے متعلق ہوں ان پر مسلم لا ہی لاگو ہونا چاہئے۔

مسٹر جسٹس Bitleston نے بمقدمہ ایچ ایچ غرایم النسا بیگم بنام کلیمنٹ ڈیل میں 27 اور B.E - CAP 6 اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ آیا یہ معاملات ہندو اور مسلمانوں پر منطبق ہوتے ہیں،اس طرح اپنا اظہار خیال کیا Ch Ret 358 Mister میں ہے کہ وہ قانون جو کہ B Eti Cap V ہے اور جس کا اطلاق ہندوستان میں بھی معلوم ہوتا ہے بلکہ ایک ایسے مقدمہ میں جو کہ ہندو اور مسلمانوں کے علاوہ انگریزی رعایا کے درمیان تھا، میں یہی خیال کرنے پر مائل ہوں کہ مقدمہ Freemaan v/s Cap Fairlie 365 اور Mayur of Lizons v/s the E Cap' 1175 کے اصول کی روشنی میں ہے، کو بھی غور کرنا چاہئے لیکن اس مقدمہ میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو ہبہ کیا تھا اور اسکے جواز کے سلسلہ میں میرے خیال میں مسلم لا کے مطابق فیصلہ ہونا ضروری ہے۔

یہ درست ہے اگر چہ مدعا علیہ مسلمان نہیں ہے بلکہ ایک یورپین برٹش رعایا ہے اور وہ اشخاص جن کی جانب سے وہ مدعی ہے وہ نواب کے قرض خواہ ہیں اور ایک مقدمہ Turnbull's Gardens میں مسلمان نہیں تھے بلکہ East Indian تھے جن پر کہ انگلش لا لاگو ہوا مگر اس سے مدعی کے مطالبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سپریم کورٹ کے منشور کی دفعات اس طرح ہیں:

''مسلمانوں'' کے مقدمات مثلاً وراثت اور زمین پر جانشینی کرایہ داری اور مال واسباب اور معاہدہ سے متعلق دونوں فریقوں کے درمیان معاملات مسلمانوں کے رواج اور قانون کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ اور جب فریقین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو

تو مدعا علیہ کے قانون اور رواج کے مطابق طے ہوں گے لیکن اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ اگر کسی مقدمہ میں یورپین برٹش رعایا ہے تو سوائے انگلینڈ کے قانون کے پچھلے لین دین کے جواز کے تعین کے لیے جو اس مقدمہ میں زیر غور ہو لاگو کیا جائیگا۔

میرے خیال میں صرف اس کا ایک ہی نتیجہ ہے کہ جب دو فریقین کے درمیان جن میں سے ایک مسلمان ہو، کوئی معاملہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی مقدمہ دائر کیا جائے تو ان فریقین کے نزاع کا مدعا علیہ کے قانون کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔ لیکن ایسا معاملہ جس پر کہ مدعی کی حقیت کا انحصار ہو گو وہ محض مسلمانوں کے درمیان ہو اور خواہ واہب کا ایسے لوگوں سے جو کہ مسلمان نہ رہا ہو واسطہ رہا ہو اور وہ مسلم لا کے پابند نہ ہوں تو چونکہ مدعیہ ایسے مسئلے میں فریق نہیں تھی اسلئے نواب کے فعل کی وجہ سے سوائے مسلم لا کے وہ اور کسی قانون کی پابند نہیں ہو سکتی۔

بمقدمہ فضل بذل الرحمٰن بنام شمس النسا بیگم پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے کلکتہ کی صدر عدالت کے ججوں کی اس رائے کے بارہ میں جب کہ انہوں نے مقدمہ ہذا میں مسلم لا کے لاگو کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ لکھا:

"دیر لارڈ شپس (فاضل ججان) پُر زور طریقہ پر اس اخذ کردہ نتیجہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں وہ نتیجہ برٹش انڈیا کی عام پالیسی کے اصول کے برعکس ہے۔ خاص کر محولہ بالا قانون (Reg IV of 1793, Sec 15) جس میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ججوں کو شادی، ذات پات اور تمام مذہبی رسم ورواج اور اداروں سے متعلق مسلمانوں کے مقدمات مسلم لا کے مطابق اور ہندوؤں کے معاملات کو ہندو لا کے مطابق (عام اصول کے مطابق) غور کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔

مسلم قوم کے واجب اندیشوں کا وہ اس سے زیادہ تصور نہیں کر سکتے جبکہ بربنائے فیصلہ ہائے عدالت وہ قوانین شخصیہ جن کا اطلاق ان کے لیے جائز طور پر محفوظ کر دیا گیا تھا اس کو ایسے مسئلہ پر نظر انداز کر دیا گیا جس کا ان کی خانگی زندگی سے تعلق تھا۔

فصل دوم: مسلم فقہ کا ارتقا

تمام طریقہ ہائے قانون میں تاریخی اعتبار سے فقہ اسلامی کا ارتقا سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ چھوٹی سی ابتدا سے اس نے مقابلتہً بہت ہی کم عرصہ میں نشو ونما کر کے تعجب خیز ترقی کی ہے حتیٰ کہ مہذب دنیا کے سب سے اہم قوانین میں اس قانون کو نمایاں ترین مقام حاصل ہے

اسلامی فقہ کی شاندار تعمیر کی بنیاد کلام پاک کے قوانین اور آنحضرت ﷺ کی احادیث پر مبنی ہے لیکن اس بلند تعمیر میں مزید اضافہ بغداد، بخارا شام اندلس اور فارس میں ہوا۔ میں نے کسی دوسری جگہ اسلامی قانون اور یہودیوں کے قانون میں مشابہت کا حوالہ دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ان فقہائے اسلام کے بہت سے اقوال کا بھی حوالہ ہے جو مسلمانوں کے اوج و ترقی کے دور کی یادگار ہیں جو کہ رومن لا کے مشترکہ موضوعات سے حیرت انگیز اور قوی مماثلت رکھتے ہیں اور اکثر یہ مماثلت اس قدر تحیر خیز ہے کہ ایک بالغ نظر محقق خود ہی سوال کرتا ہے کہ کیا یہ مشابہت ایک امر اتفاقی ہے یا باہمی عمل اور رد عمل کا نتیجہ ہے۔ ہر دو اقوام کے قریب تر تعلق اور اسکول و کالج کے میدانوں اور ہال میں مسلسل رابطہ پر غور کرنے کے بعد ایسا قیاس کرنا ناممکن ہے کہ رومیوں کے خیالات کا کوئی اثر عرب فقہا کے تصورات قانون پر نہیں ہوا۔

شیعہ اور سنی فقہ

وہ ناخوشگوار اختلاف جو آج اسلامی دنیا کو دو بڑے طبقوں، شیعہ اور سنی میں تقسیم کئے ہوئے ہے اس کی اصل بنا وہ دنیوی اسباب تھے جو بالآخر ان کے فقہی مسائل میں بھی وسیع اختلاف کا باعث ہوئے۔ یہ اختلاف خاندانی نزاع سے شروع ہوا جس سے قانونی و اعتقادی مسائل پیدا ہوئے۔ شیعوں کا عظیم گروہ بھی چار مذاہب میں تقسیم ہے اور ان میں بھی اعتقادی اور قانونی امور میں اتنے ہی زیادہ اختلافات ہیں جتنے بڑے شیعہ اور سنی مذاہب میں سے کسی ایک میں۔ تاہم ایک دوسرے مذاہب میں آپس میں اتنی تلخی نہیں ہے جتنی کہ مشترکہ شیعوں کے خلاف ہے اس کی ظاہر وجہ مسئلہ امامت پر ان دو بڑے طبقوں میں اختلاف ہے۔

مسئلہ امامت

مسئلہ امامت اہل اسلام کی روحانی سربراہی سے متعلق ہے اور یہی شیعوں اور سنیوں کے درمیان مابہ الامتیاز ہے جس سے ہر دور کے نظریاتی عقائد کو ایک خصوصی ہیئت ملتی ہے۔ شیعہ، پیشوا کے انتخاب میں جماعت (رائے عامہ) کے اختیار کو (آنحضرت ﷺ کی نشاندہی کے باوجود) مسترد کرتے ہیں اور جائز حقوق کو یقینی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سنّی اجماع کے فیصلوں کو (خواہ کسی طرح حاصل کئے گئے ہوں) عالمگیر اہمیت دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہی زیر بحث اور تصفیہ طلب ہوا۔ اس لئے کہ خلیفہ یا آنحضرتؐ کے جانشین کا انتخاب اسلام کی سربراہی کے لیے ضروری ہو گیا۔ بنی ہاشم اور آنحضرت کے اقربا کا یہ اصرار تھا کہ اس منصب پر چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے جانشین اور وصی کیلئے حضرت علیؓ کیلئے خیال ظاہر فرمایا تھا اس لئے ان کا اصرار تھا کہ اس منصب پر حضرت علی کا حق ہے۔ ادھر قریش جو اپنے طور پر بنی ہاشم کے مخالف تھے' انہوں نے انتخاب پر اصرار کیا۔ جب کہ بنو ہاشم آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جن کو مکہ میں پختگی رائے اور منصب کی بنا پر ایک بلند مقام حاصل تھا' قریش کی کثرت رائے سے منصب خلافت کے لیے منتخب ہو گئے۔

اسلام کے خلیفہ اوّل

حضرت ابو بکرؓ کا دور خلافت کے تیسرے سال انتقال ہو گیا اور حضرت عمرؓ (ابن الخطاب) ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے دور میں مسلمانوں کو شام، مصر، اور فارس کی فتوحات حاصل ہوئیں۔ انکے وصال کے بعد حضرت علیؓ کو اس شرط پر خلافت پیش کی گئی کہ وہ اول دو خلفا کے مقررہ اصول کے مطابق خلافت کی ذمہ داریوں کو انجام دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے یہ اصرار کیا کہ تمام معاملات جن میں کوئی واضح حکم یا آنحضرت کا فیصلہ نہ ہو وہ اپنی رائے پر انحصار کرتے ہوئے فیصلہ کریں گے پس انہوں نے منصب خلافت سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ کی یہ اہم رائے شیعہ اور سنیوں کے درمیان اختلاف کی ایک اور بنا ہوئی اس پر حضرت عثمانؓ کو خلافت پیش کی گئی انہوں نے انتخابی جماعت کی شرائط کو قبول کر لیا۔

فقہی اختلاف

سنی اور شیعہ کے مابین مسائل شرعیہ میں اسی واقعہ سے اختلاف کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے مقررہ اصولوں پر حضرت عثمانؓ کی بلا چون وچرا رضامندی اور ان اصولوں کو بدلتی ہوئی انسانی ضروریات کو بلا کسی وجہ جانے منطبق کرنے کی بنا پر سنی فقہ میں ایک اور امتیازی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ ہر دو اپنے دوران خلافت حضرت علیؓ کے وضع کردہ اصول شرع کا پاس رکھتے تھے۔ اور حضرت علیؓ کی توضیحات احادیث کے مطابق فیصلے صادر کرتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک مختلف مثال قائم کی۔ آپ نیک طینت اور سادہ مزاج خلیفہ تھے اور کلیتہً اپنے سکریٹری و عزیز معاویہؓ (جو کہ بعد میں خلیفہ ہوئے) کے مشورہ پر عمل کرتے تھے۔ وہ ایک عرصہ تک خلافت کرنے کے بعد سپاہ مصر کے ہاتھوں جس کے سردار محمد ابن ابو بکر تھے ایک پر آشوب دور حکومت کے بعد شہید کردئے گئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے ان کا منصب خلافت پر فائز ہونا مخالف گروہ کے لیے دو شدید بغاوتوں کا اشارہ تھا۔ ایک کی سربراہ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ تھیں جسے بلا کسی مشکل کے فرو کردیا گیا لیکن دوسری زیادہ کامیاب رہی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں اپنے عزیز معاویہ پسر ابو سفیان کو شام کا گورنر بنادیا تھا۔ اس جاہ طلب سردار نے حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اپنی قوت میں اضافہ کا موقع حاصل کرلیا اس طرح یہ بغاوت بالواسطہ ان بہت سی تباہیوں کا پیش خیمہ بنی جو اسلام کو پیش آئیں۔ انہوں نے کئی لڑائیوں میں متواتر ہزیمت کے بعد ثالثی کے ذریعہ نزاع طے کرنے کی اپیل کی جسے حضرت علیؓ نے مزید خونریزی بچانے کیلئے قبول کرلیا۔ ابو موسیٰ الاشعری اہل بیت (آنحضرت ﷺ) کی جانب سے اور عمر بن العاصؓ، معاویہؓ کی جانب سے حکم مقرر ہوئے۔

عمر بن العاصؓ نے ان زخموں کے اندمال کیلئے جو اسلامی دنیا کے وجود پر آئے تھے یہ تجویز رکھی کہ دونوں کو معزول کردیا جائے اور کسی دیگر شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ ابو موسیٰ نے اس تجویز سے اتفاق کرلیا مگر جب لوگ ثالثوں کا فیصلہ سننے جمع ہوئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت معاویہؓ و حضرت علیؓ دونوں کو معزول کردیا گیا

ہے۔ اس کے بعد عمر بن العاص نے اعلان کیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے میں ابو موسیٰ سے متفق ہیں مگر معاویہ کے منصب خلافت کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ منصوبہ جس جسارت اور بد نیتی سے بروئے کار لایا گیا اس سے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے ثالثی کو اسلام میں مزید خونریزی روکنے کا ایک ذریعہ سمجھا تھا شدید مایوسی ہوئی۔ عمر ابن العاصؓ کے اس عمل سے بنی فاطمہ غضبناک ہوئے اور ہر دو فریق یہ قسم کھا کر جدا ہوئے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف نہ مٹنے والی نفرت جاری رکھیں گے۔ کچھ ہی عرصہ بعد کوفہ کی ایک مسجد میں حضرت علیؓ اثنائے نماز میں شہید کر دئے گئے۔ انکی شہادت سے معاویہ کو موقع ملا اور انہوں نے شام اور حجاز میں اپنی حکومت کو مضبوط کر لیا۔

معاویہؓ

امیر معاویہؓ کے منصب خلافت پر فائز ہونے تک اولین خلفا نے اپنی اعلیٰ صفات سے منصب خلافت کو مقدس و متبرک بنا دیا تھا۔ اس وقت تک کسی بھی فریق کو نہ کوئی جداگانہ (امتیازی) لقب دیا گیا تھا نہ اس نے اختیار کیا تھا اور اس وقت تک حضرت علیؓ کے حامی (طرف دار) محض بنو ہاشم کہلائے جاتے تھے لیکن معاویہ کے عہد میں اہل بیت کے پیرو شیعہ یا وابستگان کہلائے جانے لگے۔ جب کہ معاویہؓ کے طرف دار اماویس (اموی) کہلائے۔

جب عباسیوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہ فریق جس نے موروثی جانشینی پر اصول انتخاب کو ترجیح دی تھی اس نے خود کو اہل سنت والجماعت کہلوایا۔ بنی فاطمہ نے سبز رنگ کو جو آنحضرت ﷺ کو پسند تھا اپنے حق کی علامت رکھا۔ اس کے برعکس بنی امیہ نے اپنا نشان سفید رکھا۔ اب تک دونوں گروہوں میں اختلاف خاص کر سیاسی اور خاندانی تھا لیکن پھر اعتقادی اور قانونی اختلافات نے وہ بھرپور شدت اختیار کی جو آج تک قائم ہے۔

شیعہ حضرات نہ صرف اس اجماع کے فیصلوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں بلکہ ان تمام احادیث کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو ماسوا حضرت علیؓ یا ان کی اولاد (جنہوں نے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور ان کی صحبت سے مشرف ہوئے) سے مروی ہیں۔

قرآن

مسلم لا اگرچہ اصلاً قرآن پاک پر مبنی ہے مگر بہت سے قواعد واصول جو کہ فی زمانہ مسلمانوں کی زندگی پر محیط ہیں اس میں نہیں ہیں۔ گو بلا شبہ اسمیں ان تمام بنیادی اصولوں کی تخم ریزی ہے جن سے زندگی کے ان متنوع معاملات کی ترتیب ہوتی ہے جو مذہبی دیوانی اور فوجداری امور پر حاوی ہیں۔ بلکہ ان سے ایک حکمراں نظام کے دستور اور اس کے نفاذ کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو سیاست اور سماجی اقتصادیات پر بھی حاوی ہیں۔

کلام پاک کے بارے میں زیادہ تر اس پر زور دیا جاتا ہے کہ اس میں ترتیب کا سلسلہ مفقود ہے۔ اصلاً اس کی وجہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ بتدریج نازل ہوتا رہا اور وہ اخلاقی اصول اور قانونی مسلمات جن پر کلام پاک مشتمل ہے وہ ایک ساتھ ہی مجموعی قانونی کتاب کی صورت میں نازل نہیں ہوئے بلکہ وقت کے تقاضوں اور حالات کی ضروریات کے مطابق "جو ایک سادہ اور قدیم سماج میں پیدا ہوتے رہے" نازل ہوئے۔

شیعہ اصول

شیعہ فقہ کے مطابق احادیث رسول ﷺ کی کلام پاک کے احکام کے ضمیمہ کی حیثیت ہے اور ان پر عمل کا انحصار اسی درجہ تک ہے جتنا کہ نصوص قرآنی اور احادیث میں تطابق ہے۔ پس وہ احادیث جو کلام پاک کے واضح احکامات کے برعکس ہیں غیر مستند سمجھی جاتی ہیں۔ احادیث کا یہ استخراج مسلمہ اصولوں کے منطقی قواعد اور واضح حقائق کی بنا پر کیا جاتا ہے اور یہ معتزلہ نے ایک خاص طریقہ پر مرتب کئے ہیں۔ اور ان ہی کی بنا پر آنحضرت ﷺ کی حدیث قدسی سے ان مروی احادیث کو خارج کر دیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کی ترقی پذیر تعلیمات سے جن کی بعض عالموں اور فقہا نے تشریح اور وضاحت کی نہ مطابق ہیں اور نہ کوئی مناسبت رکھتی ہیں۔

اس کے برعکس اہل سنت کے قوانین کی بنیاد کلیۃً احادیث پر ہے اور وہ خلفائے راشدین کے متفقہ فیصلوں اور اجماع امت کو نصوص واحکامات قرآنی کا تتمہ سمجھتے ہیں اور ان کو بھی اسی طرح حجت تسلیم کرتے ہیں۔

مسلم لا کے مآخذ

اہل سنت کے نزدیک شرع شریف کے مآخذ جن کی تعداد مقرر ہے ترتیب میں مختلف نہیں ہیں اور ان کو ہی فقہ (اہل سنت) کی اصولی بنیاد کہا جاتا ہے۔ اہل سنت کے مختلف مذاہب میں ان کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے گوان قواعد کی توضیح واستدلال میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ (۱) قرآن (۲) احادیث (سنن رسول ﷺ جو آنحضرتؐ سے مروی ہیں) (۳) اجماع امت (پیروں کے درمیان جن پر اتفاق ہے) (۴) قیاس (تمثیلی حجت) یہ وہ اساسی بنیادیں ہیں جن پر کہ فقہ اہل سنت قائم ہے۔

آنحضرت ﷺ کی احادیث میں یہ سب امور شامل ہیں:

(الف) آپؐ کے تمام الفاظ، ارشادات اور زبانی ہدایات (قول)

(ب) آپؐ کے تمام افعال (مصروفیات) اور روزانہ کے طریقے (افعال)

(ج) کسی کے بارہ میں آپ کا سکوت جس سے مراد ہے کہ آپؐ نے صحابہ کے کسی انفرادی فعل کو پسند فرمایا۔ اصول جو ان ذیلی ذرائع سے مستنبط کئے گئے ہیں وہ بہ اعتبار دائرہ استناد بڑی حد تک مختلف النوع ہیں۔ اگر یہ اصول یا احادیث عام طور پر مشہور ہیں جن کو ہم "احادیث متواترہ کہتے ہیں" تو یہ قطعاً قابل اعتماد اور فیصلہ کن ہیں۔ اگر احادیث ایسی ہیں جن سے عام طور پر لوگوں کی اکثریت واقف ہے مگر عام تواتر کی نوعیت نہیں ہے تو وہ "احادیث مشہورہ" سے موسوم ہیں۔ مگر اخبار واحد یعنی وہ احادیث جن کے بارہ میں ایک تنہا فرد کی سند ہے ان کو کوئی اہمیت نہیں ہے پس وہ احادیث جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ اور آپ کی حیات مبارکہ کے دوران بیان کی گئیں آپ سے قربت کے قطع نظر وہی صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہیں جو بعض ان تنقیدی شرائط کے معیار پر جو ان کی سند تحقیق کیلئے وضع کی گئی ہیں پوری اتریں۔

۳۔ اجماع الامت سے منشا عام مسلمانوں کا متفق الرائے ہونا ہے۔ اجماع میں آنحضرت کے تمام احکام، توضیحات، تاویلات شامل ہیں۔ نیز آپ کے مخصوص صحابہ، ان کے جانشینوں اور عظیم فقہاکی دینی ودنیوی مسائل سے متعلق آرا بھی شامل ہیں۔

۴۔ قیاس۔ یہ تمثیلی انداز پر استخراج ہے جو کہ اہل سنت کے مسالک فقہ میں

اختلاف آرا کا خاص سبب ہے۔

شیعہ فقہ کے مآخذ

اہل تشیع کسی ایسی حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے جو اہل بیت مشمولہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور ان کے جانشینوں سے منقول نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ ان تمام فیصلوں کے جواز کو بھی جو ان کے روحانی پیشوا وائمہ نے نہیں کئے رد کرتے ہیں۔ قیاس کے منطبق کرنے اور قدیمی روایات سے استخراج کے بارہ میں بھی وہ سنیوں سے بہت مختلف ہیں جب تک کہ صفوی شہنشاہوں نے مذہب شیعہ کو حکومت کا مذہب قرار نہیں دیا تھا اس مذہب کے پیروہمیشہ تحقیر اور ظلم و ستم کا نشانہ رہے۔ وہ زیادتیاں جو وقتاً فوقتاً شیعوں پر کی گئی تھیں، ان کے گہرے نقوش ان کے فقہی تصورات دینی و دنیاوی علائق "مذہب وریاست" کے مابین فرق پر ثبت ہیں۔ شیعوں نے اس بنا پر کہ ان کے امام آخرالزماں جو قدرت الٰہی سے روپوش ہوگئے نیز یہ عقیدہ کہ وہ اب تک حیات ہیں اور دشمنان اسلام کو ختم کرنے کیلئے پھر ظاہر ہوں گے مزید ان تعدیوں کی وجہ سے جو ان پر کی گئیں، انہوں نے دینی اور دنیوی امور کو الگ کر دیا ہے۔ بایں ہمہ مجتہدین جو شیعہ فقہ کی توضیح کرتے ہیں ان کا شیعہ حکومتوں میں ایسا اقتدار ہے جو ترکستان کے شیخ الاسلام کا بھی نہیں ہے۔

ضبطی

مذہب اور سلطنت کے علیحدہ ہونے کا نتیجہ اصول ضبطی ہی میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اہل تشیع کے مطابق بیت المال کی ضبطی نہیں ہوسکتی۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق بیت المال کا تصور ہی قابل نفرت ہے۔ وہ تمام جائیداد جو کسی شخص کے لاوارث مر جانے پر ضبط کی جاتی ہے وہ روحانی امام کو ملتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے نمایندہ کو جو اس جائیداد کو متولی کے ہم وطن غربا میں تقسیم کر دیتا ہے۔

شیعوں کے فرقے

شیعہ کئی ذیلی فرقوں میں تقسیم ہیں۔ مثلاً اثنائے عشریہ یا امامیہ (بارہ اماموں کے پیرو) اسماعیلیہ جو حضرت امام جعفر صادق (چھٹے امام کے لڑکوں میں سے ایک) کے

پیرو جدیدیہ بلیہ باطنیہ (مجازیہ) وغیرہ ان سب کا فقہ کے اصولوں کی تشریح میں اتنا اختلاف نہیں ہے جتنا کہ اعتقادات میں۔ معتزلہ جو شیعوں کی ایک شاخ ہے (ابتدائی مدینہ اسکول) اماموں سے قریب ترین مشابہ ہے۔ معتزلہ فرقہ کا عروج تاریخ اسلام کا بہت ہی دلچسپ واقعہ ہے۔ اس کے ابتداء واصل ابن عطا (جو امام حنیفہ کا معاصر تھا) کے ان اعتقادات سے انحراف کی بنا پر ہوئی جنکی حضرت امام بصری نے انہیں تعلیم دی تھی۔

حضرت امام حسن کی تعلیم خاندان فاطمی کے فلسفیوں میں ہوئی تھی اور ان کے خیالات کی وسعت اپنے معاصرین کے نظریات سے مختلف تھی اور واصل نے بھی انہی ذرائع سے علم حاصل کیا تھا مگر جبر و اختیار کے مسئلہ پر حضرت حسن بصری سے اس کا اختلاف ہو گیا اور اس نے اپنا ایک علیحدہ فرقہ بنا لیا اس کے پیروں نے معتزلہ یا اہل الاعتزال (اختلاف کرنے والے) کا لقب اختیار کیا۔ واصل نے فاطمی فلسفہ میں دونوں طریقوں اور اصولوں کو اپناتے ہوئے ان نظریات کو مرتب کیا جو عام طور پر اس کے مذہبی تصورات سے اختلاف کی بنیاد ہیں۔ اس کی بے چین طبیعت اسے اکثر ذہنی استبداد کی مخالفت (عناد دشمنی) میں اعتدال کے حدود سے متجاوز کر دیتی تھی تاہم اس کے فرقہ کی واقعیت پسندی کی وجہ سے اس دور کے اعلیٰ اور قابل دماغ اس کے جھنڈے کے نیچے بطور اس کے پیرو جمع ہو گئے۔ انہی میں (کشاف کے مصنف) امام ابوالحسن المسعودی جو امام مورخ اور فاضل تھے۔ پیر خوند اور خوند میر جو روضۃ الصفا اور حرب السیر کے مصنف ہیں یہ سب معتزلی تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معتزلہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے خیالات (جو بہت سے علوم سے آراستہ تھے) کے ہمنوا تھے اسلئے کہ بنی فاطمہ کے اعتقادات واصل کے قائم کردہ طریقے جن کی اصلاح امور زمخشری نے کی۔ قریب ترین مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ علمائے معتزلہ خود بنی فاطمہ تھے یا بنی فاطمہ سے تعلیم یافتہ تھے۔

معتزلہ کے اعتقادات

معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انصاف تمام انسانی اعمال کی روح ہے اور انصاف کا منشا یہ ہے کہ انسان کے افعال اس کے ضمیر اور عقل کے مطابق ہوں۔ بقول معتزلہ

انسانی افعال کے متعلق کوئی ابدی اور نا قابل تبدیل قانون نہیں ہے اور احکام الٰہی جو کہ انسانی افعال کی راہ راست پر نشاندہی کرتے ہیں وہ انفرادی اور اجتماعی ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اوامر و منہیہ اور امید و بیم جو نوع انسانی سے متعلق ہیں بلا شک و شبہ انسانیت کی ترقی کے موئید ہیں اور احکام شرعیہ عقل انسانی کے ارتقاء کے ساتھ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ معتزلہ کے اعتقادات کو عبداللہ المامون نے قبول کیا۔اس نے اور اس کے بعد کے دو جانشینوں نے معتزلہ فلسفہ اور الٰہیات کو تمام مسلم دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی مگر اسلام کی بد نصیبی سے قدما ان فرمانرواؤں کے مقابلہ میں بھی زیادہ طاقت ور ثابت ہوئے اور ایک خود ساختہ تقلیدانہ (تقلید پسند) عقیدہ (مذہب) متوکل علی اللہ جیسے کٹر کی رہنمائی میں (جو ترقی اور اصلاح کا مخالف تھا) بالآخر خلافت کے زوال کا سبب بنا۔

اما میہ

ہندوستان کے شیعہ خاص کر اثنا عشریہ یا امامیہ ہیں۔ اثنا عشریہ میں دو فرقے ہیں،اخباری اور اصولی یعنی جو مجتہدوں (فقہائے مذہب) کے بعض اصولوں کی تشریح کے پابند ہیں اور وہ جو تاویلات کے اثر کو قبول کرنے سے قطعاً انکار کرتے ہیں تا وقتیکہ تاویلات عقل سلیم اور فہم کے مطابق نہ ہوں۔اصولی ہر قانونی مسئلہ پر قیاس (ذاتی رائے) کو تسلیم کرتے ہیں اور جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس معاملہ میں وہ اہل سنت کے مخصوص مذہب سے قریب ہیں اور اعتقاد وارتقا کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ معتزلہ سے بہت قریب ہیں۔

خوجے

خوجے احاطہ بمبئی میں ملتے ہیں اور بہت سے بوہروں کی طرح اسماعیلیہ عقیدہ سے مطابق ہیں اگر چہ وراثت کے معاملات میں ہندو رواج کے پابند ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا وہی اصول ان کی جائیداد کے انتقالات پر بھی لاگو ہوتا ہو۔ پس یہی قیاس کرنا ہوگا کہ ان معاملات میں وہ اپنے فرقے کے ہی قانون (جس سے وہ متعلق ہیں) کے پابند ہیں اور چونکہ اسماعیلیہ کا کوئی قانونی نظام نہیں ہے ان پر عام شیعہ قانون لاگو ہوتا ہے۔

بوہرے

بوہروں کی اکثریت اسماعیلیہ ہے لیکن وہ خوجوں کے امام کو نہیں مانتے۔ ان کا روحانی پیشوا یمن میں رہتا ہے اور ان کی جائیداد کے انتقالات عام مسلم لا کے مطابق ہوتے ہیں۔ گجرات کے کچھ حصوں کے سنی بوہرے جو ابتداً راجپوت تھے وہ اسماعیلی بوہروں سے بالکل الگ ہیں۔

شیعہ

۹۰۰ھ ہجری میں شاہ اسماعیل صفوی جو کہ صفوی خاندان کا بانی تھا اس نے شیعہ عقیدہ کو اہل فارس کا قومی مذہب اور قانون بنا دیا اور جب سے اب تک ایسا ہی چلا آرہا ہے حتیٰ کہ افغان غاصب اشرف اور بے رحم نادر شاہ تک نے سنی عقیدہ کو رائج کرنے کی کوششیں کیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمایوں کی ۱۰۰۰ھ ہجری میں ایران سے واپسی تک شیعہ خاص کر بیجاپور اور گولکنڈہ کی حکومتوں تک محدود تھے بہمنی اور عادل شاہی بھی شیعہ تھے اور اصل ایران کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایرانی تمدن بھی اختیار کر لیا تھا۔ شیر شاہ سوری کے انتقال کے بعد جب ہمایوں ہندوستان لوٹا تو حکومت ایران سے جو اسے قوی مدد ملی تھی اس کے بدلہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ یہ عہد مصمم کر کے لوٹا تھا کہ وہ شیعہ عقائد کو ہندوستان میں رائج کرے گا۔ اس میں صداقت خواہ کچھ بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کی بہت سے شیعہ علما ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آئے اور انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ اسطرح شیعہ مذہب لوگوں میں پھیلنے لگا گو حکومت کا مذہب سنی رہا تاہم شاہ جہاں کا دوسرا لڑکا شاہ شجاع شیعہ تھا اور ۱۸۴۷ء میں بادشاہ امجد علی شاہ نے اودھ میں حکومت کا مذہب شیعہ قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس صوبے میں مسلمانوں کی کثیر آبادی شیعہ ہے۔ اسی طرح ضلع مراد آباد میں بھی شیعہ آبادی اکثریت پر مشتمل ہے۔

فصل سوم:۔ سنّیوں کے مذاہبِ فقہ

سنیوں کے اصل چہار مذاہب فقہ اپنے بانیوں کے نام سے موسوم ہیں۔ انہیں مجتہد یا امام (فقہ کی اعلیٰ ترین توضیح کرنے والے) کا نمایاں منصب دیا گیا۔ وہ اپنے علم و

فضل کی بنا پر اس کے مستحق تھے کہ مسائل شرعیہ کی توضیح میں کسی کی پابندی نہ کریں بلکہ اپنی رائے اور قیاس کے مطابق ان کی وضاحت کریں۔ گو مذاہب اربعہ بنیادی اصولوں میں متفق ہیں مگر قیاس اور شرع کی توضیح وو ضاحت کو علی الترتیب کتنی اہمیت دی جائے اس میں باہم مختلف ہیں۔

امام ابو حنیفہ

سنیوں کے پہلے اہم اور ممتاز (فقہ کے بانی) امام ابو حنیفہ تھے جو عبدالملک بن مروان کے عہد میں ۸۰ء ہجری میں پیدا ہوئے اور شیعہ مذہب میں تعلیم پائی اور حضرت امام جعفر صادق (اہل بیت کے چھٹے امام) سے علم فقہ حاصل کیا اور علم حدیث ابو عبداللہ بن مبارک اور حامد بن سلمان سے پڑھا۔ یہ امام اعظم اپنے استاد (امام جعفر صادق) کے اقوال اکثر سنداً نقل کرتے ہیں۔ اپنے وطن اصلی شہر کوفہ کو مراجعت کے بعد اگرچہ وہ حضرت علیؓ کے اصل خاندان کے مسلسل بہت پُر جوش اور مستقل طرفدار و حامی رہے مگر مذہب شیعہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جو بہت سے مسائل فقہ میں شیعہ مذہب سے مختلف ہے۔ تاہم امام اعظم کی توضیحات مسائل (فتاویٰ) اور شیعوں کی توضیحات کے برابر (اقوال) میں اتنی مشابہت ہے کہ ان کے اصل تاثر کی بنیاد کے بارے میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے اصول فقہ کی توضیح میں قیاس کے لیے جس قدر وسعت خیال (لچک) کی گنجائش رکھی وہ بلاشک علمائے اہل بیت کے اقوال کا عکس معلوم ہوتا ہے۔ امام اعظم نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور وہ مذہب جو انہوں نے قائم کیا "حنفی مذہب" کہلاتا ہے اور یہ (مذہب) ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت، افغانان، ترکمان اور قریب قریب تمام وسط ایشیا کے مسلمانوں اور ترکوں مصریوں میں رائج ہے۔

در حقیقت اس مذہب کے سب سے زیادہ پیرو ہیں۔ امام اعظم کی تعلیمات کی توضیح و تشریح ان کے دو گرامی شاگردوں ابو یوسف اور امام محمد نے کی ہے۔

امام ابو یوسف، بغداد

امام ابو یوسف (یعقوب ابن ابراہیم کوفی ۱۱۳ ہجری مطابق ۷۳۱ء میں پیدا

ہوئے اور ۱۸۳ہجری مطابق ۸۰۱ء میں بغداد شریف میں انتقال کیا۔ یہ ابو حنیفہ کے شاگرد تھے خلیفہ ہادی باللہ نے پہلے انہیں بغداد شریف کا قاضی مقرر کیا۔ بعد ازاں خلیفہ ہارون الرشید نے سلطنت کے قاضی القضاۃ کے عظیم منصب پر انہیں مامور کیا اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جو اس بلند منصب پر فائز ہوئے۔

امام ابو یوسف کے فتاویٰ کا مجموعہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر بن یحیٰ بن برمکی کی سرپرستی میں شائع ہوا اور اسی لئے وہ فتاویٰ برمکی کہلاتا ہے اور مسلم لا کے شارحین بکثرت اسکا حوالہ دیتے ہیں۔

امام محمد

یہ امام ابو عبیداللہ محمد (ابن حسین الشعبانی) ۱۳۴ہجری میں مطابق ۷۵۲ء میں بمقام واسیت میسوئیا پوٹیمہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷ہجری مطابق ۸۰۵ء بمقام رے ان کا انتقال ہوا امام محمد جن کو عام طور پر اسی نام سے پکارا جاتا ہے وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور امام ابو یوسف کے استاد بھائی تھے۔ امام اعظم کے انتقال کے بعد ابو یوسف سے ہی انہوں نے تعلیم حاصل کی اور متعدد تصنیفات چھوڑیں جن کی شروح فقہ حنفی کے ممتاز ترین قانون دانوں نے کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ہر دو متذکرہ شاگردوں کے بعد (سنی) حنفی مذہب میں امام زفر ابن الہازل ہیں۔ یہ بصرہ میں چیف جسٹس تھے اور بصرہ میں ۱۷۸ہجری مطابق ۷۹۴ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے ساتھ حسن بن زیاد کا نام آتا ہے یہ دونوں فقیہہ ہم عصر اور دوست تھے اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔

اساتذہ کا مقام

حنفی مذہب کے فقہا کی علی الترتیب استناد کے متعلق رائے ابتدائی زمانہ کی بہ نسبت بعد کے دور میں زیادہ واضح ہو گئی، بقول سر ولیم جونس "اگرچہ امام ابو حنیفہ کو رائج الوقت مذہب کا سربراہ تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ مذہب بھی انہی کے نام سے موسوم ہے تاہم ابو یوسف اور امام محمد کا اس قدر احترام ہے کہ ان صورتوں میں جب کہ وہ اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہیں، مسلمان جج کو اختیار ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے قول کو جو زیادہ ہم آہنگ اور مستند ہو اختیار کرے" یہ رائے تفصیل طلب اور کسی حد تک قابل ترمیم ہے۔

در مختار میں اس اصول کو اس طرح بتایا ہے قاضی کو مثل مفتی امام ابو حنیفہ کے قول کو علی الاطلاق اختیار کر لینا چاہئے خواہ ان کے شاگرد اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ اور امام اعظم کے بعد ابو یوسف اور ان کے بعد محمد اور ان کے بعد زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر عمل کرنا چاہئے مگر اس واضح قول کا صرف اسی وقت اطلاق ہوتا ہے جب کہ خود قاضی میں نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔

علی الترتیب استناد

ہدایہ میں بھی اسی طرح بتایا ہے کہ فتاویٰ بنیادی طور پر امام ابو حنیفہ کی توضیحات کے مطابق ہونا چاہئیں اور اس کے بعد علی الترتیب ابو یوسف، امام محمد زفر اور حسن کے نام آتے ہیں۔ ایسا بھی ہے کہ کسی مسئلہ پر امام ابو حنیفہ کی کچھ رائے ہو اور ان کے دونوں شاگردوں کی متفقہ رائے کچھ اور ہو تو اس صورت میں مفتی کو ان دونوں میں سے کسی ایک کی رائے اختیار کرنے کی آزادی ہے لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہے جب کہ مفتی واقعی متفق نہ ہوں۔ اسلئے کہ وہ مختلف متضاد آرا سے نتیجہ اخذ کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔

کفایہ میں یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ امام سرخسی نے بھی قانون مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے پر انحصار کرنا زیادہ محفوظ سمجھا ہے اور عالموں و فاضلوں نے ایسی صورت میں انہی کی پیروی کی ہے۔ خواہ دونوں شاگردوں (صاحبین) میں کسی بھی مسئلہ پر اختلاف ہو لیکن جس شاگرد کی رائے امام ابو حنیفہ کے مطابق ہو اسی کی رائے قابل ترجیح ہے۔ دونوں شاگردوں کی متفقہ ایک ہی رائے اگرچہ امام ابو حنیفہ کی رائے سے مختلف ہو تو اسے اختیار کر لینا چاہئے بشرطیکہ یہ اختلاف انسانی معاملات میں حالات کی تبدیلی انسانوں اور وقت کے تقاضوں میں تبدیلی کی بنا پر ہو اور اسی لئے دور جدید کے قانون داں اس پر متفق ہیں کہ عدالت دیوانی کے معاملات میں فیصلہ کے لیے شاگردوں (صاحبین) کا اصول اختیار کرنا چاہئے۔

جامع القصر میں بھی درج ذیل الفاظ میں اس اصول کی تائید کی گئی ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں ہمارے اماموں میں اختلاف ہو اور دونوں شاگردوں (صاحبین) میں

سے کوئی ایک امام اعظم سے متفق ہو تو اس رائے کو صحیح تر سمجھنا چاہئے اور اگر دونوں شاگرد امام اعظم کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں تو یہ غور کرنا ضروری ہے کہ آیا ان کا اختلاف حالات کی تبدیلی اور اغراض انصاف کی بنا پر ہے۔ ایسی صورت میں صاحبین کے قول کو انسانی حالات میں تبدیلی کی بنا پر قبول کر لینا چاہئے۔ مزارعت اور معاملات کی صورتوں میں ان کی رائے پر عمل کرنا چاہئے اس لئے کہ فقہائے حال بھی اس پر متفق ہیں علاوہ ازیں فقہا کا یہ اصول بھی ہے کہ قاضی کو بعد غور مماثل معاملات سے نتیجہ اخذ کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔

قاضی خان نے مفتی کے فرائض کے سلسلہ میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

اور اگر مسئلہ ایسا ہے جس پر ہمارے فقہا مختلف الرائے ہوں تب یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک امام اعظم سے متفق ہو تو ایسی صورت میں امام اعظم کی رائے اور اس شاگرد کی رائے جو امام سے متفق ہو اختیار کرنا چاہئے اسلئے کہ یہی دلیل قوی ہے۔ اگر دونوں شاگردوں کی رائے امام اعظم کی رائے سے مختلف ہو تب یہ غور کرنا ہوگا کہ آیا یہ اختلاف حالات زمانہ کے تغیر کی بنا پر ہوا ہے اور آیا ایسی صورت میں اغراض انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کرنا چاہئے۔ اور کیا وہی اصول اپنانا چاہئے جو انسانوں کے تغیر پذیر حالات سے مطابق ہوں اور کیا معاہدوں اور دیوانی لین دین اور اسی طرح کے معاملات میں شاگردوں کی رائے اختیار کرنا چاہئے۔ اگر چہ فقہا کی علی الترتیب اسناد بعض اوقات وسیع تر مفہوم کی حامل ہوتی ہیں۔ تاہم قانون کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہے کہ جج کے لیے اس بارے میں کافی گنجائش ہے کہ اُسی قول کی پیروی کرے جو سب سے زیادہ اغراض انصاف اور سماج کے تبدیل شدہ حالات، مخصوص مقامات کی ضروریات اور باشندوں کے حالات سے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو اور اسی لئے شرعی معاملات یا جن کو دینی امور (عبادات) کہا جاتا ہے ان میں ابو حنیفہ کی رائے سب سے زیادہ رائج ہے۔ لیکن دنیوی معاملات میں کوئی محدود قانون نہیں ہے۔ بعض معاملات میں ان کے اقوال سے جن سے بنیادی اصول کی توضیح ہوتی ہے وہ تسلیم کئے جاتے ہیں اور بعض امور میں ان کے شاگردوں کی رائے تسلیم کی جاتی ہے۔ اگر وہ دونوں امام اعظم کی رائے سے اختلاف میں متفق ہوں۔ اگر دونوں (شاگرد) آپس میں بھی اختلاف کرتے ہوں اور امام اعظم کا اس بارہ میں کوئی

واضح متوازن قول فیصل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ جج کی مرضی پر ہے کہ وہ اس قول کو جو اغراض انصاف کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ مناسب ہو تسلیم کرتے ہوئے بروئے کار لائے۔ بعض صورتوں میں اگر امام اعظم اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک سے بھی متفق ہوں تب بھی دوسرے شاگرد کی واحد رائے کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

مکرر یہ کہ بعض معاملات میں ایک کی رائے متفقہ طور پر دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے اور جب کسی خاص امر کی وضاحت کے سلسلہ میں عام اتفاق رائے نہ ہو تو بعض حلقوں میں ابو یوسف کے قول کو اور بعض میں امام محمد کے قول کو سند سمجھا جاتا ہے۔

مکرر یہ کہ حنفی فقہا کے اقوال علی الترتیب اسناد کے بارہ میں خاص کر قاضی کے فرائض کے بارہ میں ان ابواب میں درج ہیں۔ انکی اصل غرض یہی ہے کہ اصولوں میں یکسانیت اور استحکام حاصل ہو سکے۔ تاکہ جج کی مضطرب صواب دید کو روکا جا سکے اور اس لئے اس قاضی کو جو تمثیلی دلائل یا نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت سے متصف نہ ہو، چاہئے کہ فقہا میں سے کسی ایک کے طے کردہ اصول کو اختیار کرے۔

دعویٰ پر تمادی عارض ہونا

اگرچہ اصل مسلم لادعاوی کے لیے کسی تمادی کو تسلیم نہیں کرتا مگر زمانہ مابعد میں شاہان وقت عام طور پر بعض معاملات میں مدت کا تعین کرنے لگے تاکہ اس کے بعد مطالبہ کی کوئی کارروائی نہ کی جا سکے۔ مثلاً جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ حکومت روم (سلطنت ترکیہ) کے بادشاہوں نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ پندرہ سال منقضی ہونے کے بعد کوئی مطالبہ سوائے معاملات وراثت اور وقف کے نہیں کیا جا سکتا۔ طحطاوی کے مطابق اس کا مقصد دھوکہ اور فریب کو روکنا تھا۔

حنفی مصنفین

وہ قانونی تصانیف جو کہ آٹھ صدیوں سے احناف میں مستند سمجھی جاتی ہیں عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں:

(الف) نصابی کتابیں

(ب) فیصلہ جات کے خلاصے جو فتاویٰ کے نام سے مشہور ہوئے۔
حنفی فقہا کے مصنفین میں درج ذیل سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

ابو بکر احمد بن عمر الخطاب جو مشہور ترین رسائل الموسوم بآداب القاضی کے مصنف ہیں ان کا ۲۶۱ ہجری مطابق ۸۷۴ء میں انتقال ہو گیا۔ خطاب کی آداب القاضی کی سب سے اہم شرح عمر بن عبدالعزیز بن ماجہ کی ہے جو عام طور پر حسین شہید کے نام سے مشہور ہیں وہ ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء میں شہید ہوئے۔ آگے کے صفحات میں ان کا اکثر حوالہ آئے گا۔

ابو جعفر بن محمد الطحاوی امام محمد کی جامع الصغیر کے شارحوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے حنفی اصولوں کی ایک تلخیص ترتیب دی ہے جو مختصر الطحاوی کہلاتی ہے۔ یہ دونوں تصانیف بطور سند مستعمل ہیں مگر ہندوستان میں آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔

القدوری (ابن احمد محمد) دوسرے معروف فقیہہ ہیں ان کی تصنیف الموسوم "المختصر" کو ہندوستان میں بہت وزن اور اہمیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ حاجی خلیفہ نے ایسی کئی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے اس پر زور دیا کہ یہ کتاب اس قدر عام طور پر مشہور و معروف ہے کہ اس کو "الکتاب یا کتاب" سے موسوم کیا جاسکتا ہے اور فقہ سے متعلق مسائل کے بارے میں اگر کسی کتاب کا حوالہ یہاں آتا ہے تو اس کا مطلب 'مختصر القدوری' ہے۔ یہ قانون پر ایک عام رسالہ ہے۔ جو بارہ ہزار سے زائد نظائر پر مشتمل ہے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسی مشہور تصنیف کی شرح کئی مصنفین نے کی ہو فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے بہت سی شرحوں کے اقتباس ہیں۔

القدوری کا ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۳۶ء میں انتقال ہو گیا۔ قدوری کی المختصر کی مشہور شرح الجوہر البشرہ ہے جس کو بعض وقت الجوہر المنیرہ بھی کہتے ہیں۔ Bartho کا قول ہے کہ یہ تصنیف اگر چہ ہدایہ کے بعد لکھی گئی ہے مگر کئی اعتبار سے زیادہ قابل قدر ہے۔ میں نے جوہر التیسرہ اور دوسری شرح مختصر موسوم بہ سراج الوہاج سے استفادہ کیا ہے۔

شمس الائمہ ابو بکر محمد الصورتی جو جامع الکبیر اور جامع الصغیر مصنفہ امام محمد اور دیگر تصانیف کی بہت سی شرحوں کے مصنف ہیں۔ بلکہ دوران قید (بمقام از بند) انہوں نے زیادات اور نوادر سے فقہ پر ایک بہت فاضلانہ کتاب الموسوم بہ "المحیط" لکھی ہے امام

محمد کی تصنیف 'مبسوط' اور ان کی بہت سی تصانیف میں سب سے زیادہ اس کے حوالے ملتے ہیں۔ سرخسی کی تصنیف 'محیط' بھی ہندوستان میں بڑی پایہ کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کے اکثر حوالے ملتے ہیں۔

برہان الدین بن احمد نے بھی ایک محیط تصنیف کی ہے یہ اگرچہ ہندوستان میں مشہور ہے مگر اس کی اتنی شہرت نہیں ہے جیسی کی محیط السرخی کی۔ برہان الدین محمد کی تصنیف عام طور پر "محیط البرہانی" کے نام سے مشہور ہے اور اس میں خاص طور پر امام محمد کی تصانیف مبسوط حماس، زیادات، سیر سے زیادہ مواد لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی امام محمد کی نوارد سے استفادہ کیا گیا ہے

شیخ علاء الدین بن السمر قندی نے بھی القدوری کی "مختصر" کا خلاصہ مرتب کیا ہے جو تحفۃ الفقہاء کے نام سے موسوم ہے۔ اور علاء الدین کی اس تصنیف کی شرح ان کے شاگرد ابو بکر ابن مسعود کاشانی نے کی ہے۔ جن کا ۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں انتقال ہو گیا۔ یہ شرح بدائع الصنائع کے نام سے موسوم ہے۔ اصل کتاب اور اس کی شرح دونوں کا اکثر سنداً حوالہ دیا جاتا ہے۔

حنفی تصنیفات:۔ فقہ حنفی پر ہدایہ سب سے زیادہ مشہور تصانیف میں سے ایک ہے۔ اور یہ بدائع الشعرا کی شرح ہے۔ اصل تصنیف اور شرح کے مصنف برہان الدین علی ابن ابو بکر المرغنانی (مرغنان فرغانہ میں ہے) جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہدایہ کی تدوین میں تیرہ سال صرف کئے ان کا ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۶ء میں انتقال ہوا۔

ہدایہ کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اس کی پہلی شرح حمید الدین علی البخاری نے لکھی ہے جن کا ۶۶۷ھ مطابق ۱۲۶۸ء میں انتقال ہوا۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو الفوائد کے نام سے ہے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ ہدایہ کی مشہور شرحیں نہایہ، عنایہ البیان، کفایہ، اور فتح القدیر ہیں۔ ان میں سے پہلی نہایہ حمیدالدین حسین بن علی (جو برہان الدین کے شاگرد بتائے جاتے ہیں) کی تصنیف ہے۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ قانون وراثت جو ہدایہ میں نہیں ہے وہ اس میں شامل کر دیا گیا ہے اگرچہ اس موضوع پر اس کو فرائض السراجیہ کے مقابلہ میں معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

ہدایہ پر دو شرحیں عنایہ کے نام سے ہیں لیکن ان میں سے ایک جو عام طور پر

اس نام سے زیادہ مشہور ہے وہ شیخ اکمل الدین بن محمد نے لکھی تھی۔ جن کا ۷۸۶ء مطابق ۱۳۸۴ء میں انتقال ہوا۔ غایۃ البیان اور کفایہ انہی کی تصانیف ہیں۔ ان میں مصنف کی محض شرح اور تنقید ہی نہیں ہے بلکہ دوسری شرحوں کا بھی خلاصہ ہے۔ بقول حاجی خلیفہ کفایہ ۷۴۷ھ مطابق ۱۳۴۷ء میں مکمل ہوئی۔ ان دونوں تصانیف سے مجھے اس کتاب کی تصنیف میں بہت مدد ملی ہے۔ ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ اہم فتح القدیر ہے یہ برائے نام شرح ہے ورنہ بقول برہان الدین علی اس میں بلند پایہ ججوں اور مفتیوں کے فیصلے، احکام اور آرا شامل ہیں جس میں انہوں نے فقہ حنفی کے اصولوں کی توضیح و تشریح کی ہے۔ اس سے دو صدیوں کے دور کے فقہا اور ججوں کے ذہنی ارتقا کی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

مورے اس تصنیف کے بارہ میں اس طرح لکھتا ہے: کمال الدین السیباسی الموسوم ابن ہمیم جن کا انتقال ۸۶۱ھ مطابق ۱۴۰۶ء میں ہوا انکی تصنیف فتح القدیر الاعجاز الفقیہہ ہدایہ کی تمام شرحوں میں سب سے زیادہ جامع ہے۔ اس میں فیصلوں کا مجموعہ بھی شامل ہے اس لئے بدرجہ اتم مفید ہے۔

میں نے اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے اور میری تصنیف میں اس کا برابر حوالہ ہے۔ ہدایہ کا فارسی میں وارن ہسٹنگ کی سرپرستی میں ترجمہ ہوا۔ بعد ازاں مسٹر ہمیلٹن نے اس کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔

دوسری تصنیف جس سے میں نے تالیف ہذا کے لیے استفادہ کیا اور ہندوستان میں بہت مستند سمجھی جاتی ہے وہ رمز الحقائق ہے جو کنزالحقائق (علامہ العینی بدر الدین محمود) کی شرح ہے اور ہندوستان کے احناف میں بہت ہی مشہور ہے۔ کنز الحقائق کی دوسری شرح جس کی سنیوں میں بڑی منزلت ہے وہ بحر الرائق مصنفہ علامہ زین العابدین ہے جن کا ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۶۲ء میں انتقال ہوا۔

دوسری مستند کتاب تحصیل ہے جو لطیف الاسادات مصنفہ امام بدرالدین محمود کی شرح ہے اس سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے۔

ترکستان میں جو قانونی تصانیف شائع ہوئیں ان میں سب سے مشہور ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراھیم ابن محمد الحلبی ہے۔ یہ جو شاہ سلمان کے دور میں تھے اور ان کا

۵۰۶ھ مطابق ۱۰۴۹ء میں انتقال ہو گیا۔ یہ تصنیف فقہ حنفی کا ایک جامع ضابطہ اور ہر چار مجتہد اماموں کے اقوال پر مشتمل ہے جن کی توضیح مذہب حنفی کے جید علماء نے کی ہے۔ تمام مملکت عثمانیہ میں فقہ کی دیگر تصانیف کے مقابلہ میں اس تصنیف کا کثرت سے حوالہ ملتا ہے اور میں نے بھی اس کا بکثرت حوالہ دیا ہے۔

ملتقی الابحار اصل عربی میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۳۵ء میں شائع ہوئی اور اس کی شرح عبدالرحمان ابن شیخ محمد المعروف بہ شیخ زادہ نے کی۔ یہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں دار الخلافہ میں شائع ہوئی۔ یہ شرح بھی بے حد مفید اور دلچسپ ہے اس سے جدید ترکی (ترکستان) کے علما کے مروجہ خیالات و عقائد معلوم ہوتے ہیں۔ مجمع السناد بھی اس کتاب کی تصنیف میں بہت مفید ثابت ہوئی۔

ملاخسرو جن کا مشاہیر فقہائے ترک میں شمار ہوتا ہے انہوں نے اپنی مشہور تصنیف الموسوم بہ دارالاحکام ۸۲۳ھ مطابق ۱۴۷۸ء میں تکمیل کی۔ سند کے اعتبار سے ملتقی الابحار کے بعد ہی اس کا شمار ہوتا ہے۔ اور بعد کی تصانیف میں اس کا اکثر حوالہ ملتا ہے۔

خلاصہ جات

فقہ کی تصانیف میں دوسری قسم ان فتاویٰ (فیصلوں کا مجموعہ) کے مجموعہ کی ہے۔ ان میں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے، وہ 'فتاویٰ قاضی خان' فصول العمادیہ 'کنایۃ المسدیہ' فتاویٰ زینیہ 'فتاویٰ درالمختار' فتاویٰ عالمگیری، 'فتاویٰ انقراویہ اور ردّالمختار ہیں۔

اول الذکر کے لیے Marley نے اس طرح لکھا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان یا امام فخرالدین حسن منصور الفرغانی الموسوم بہ قاضی خان کے فیصلوں کا مجموعہ ہے جن کا ۶۹۲ھ مطابق ۱۱۹۰ء میں انتقال ہوا۔ ہندوستان میں اس تصنیف کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور عدالتوں میں برہان الدین علی جو کہ قاضی خان کے ہمعصر تھے، کی "ہدایہ" کو بھی یکساں سند مانا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ کے معاملات پر فتاویٰ سے مملو ہے اور اس کی عملی افادیت خاص طور پر اس لیے اور بھی زیادہ ہے کہ اس میں فتاویٰ کی اکثر تمثیلات مع ثبوت اور دلائل دی گئی ہیں۔ چونکہ قاضی خان خود قاضی اور فقیہہ تھے اس لیے ان کے فتاویٰ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

فصول الاعمادیہ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ابو الفتح محمد بن ابو بکر المرغنانی نے مرتب کیا تھا جن کا ساتویں صدی ہجری کے آخیر میں انتقال ہوا۔ اور دوسرا حصہ امام جمال الدین بن عماد الدین کی تصنیف ہے۔

کنایۃالمنیہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی ابو الرجاالغزنونی الموسوم بہ نجم الدین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جن کا ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۵۹ء میں انتقال ہوا۔

فتاویٰ زینیہ زین العابدین ابراہیم بن نجیم المصری بحر الرائق اور اشباہ والنظائر کے مشہور فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ یہ فتاویٰ ان کے لڑکے احمد نے ۹۷۰ھ مطابق ۱۲۶۳ء کے قریب جمع کئے تھے۔

در مختار تنویر الا عیار مصنفہ شیخ شمس الدین محمود بن عبداللہ انصاری ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۶ء کی شرح ہے یہ تصنیف بہت مستند اور بلند پایہ ہے۔ درالختار ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں محمد علاء الدین ابن شیخ علی الحکافی نے تصنیف کی تھی اور یہ اہم فتاویٰ سے معمور ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (اسی لئے یہ نام ہوا) کے حکم سے مرتب کئے گئے تھے۔ یہ ایک جامع نوعیت کی کتاب ہے اس کو ہندوستان میں بہت ہی مستند سمجھا جاتا ہے۔ اہل مغرب کی تصانیف میں اسکو ہندیہ کہا جاتا ہے اصل کتاب میں وہ فقہاء جن کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں ان کے نام بھی لازماً دئے گئے ہیں اور اس کے مرتبین عالم مفتیان عدالت نے مع دلائل اس کی شرح بھی لکھی ہے۔ مسٹر Neill Baillie جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری کے کچھ حصوں کی تشریح کی ہے نے اسناد کو کلیتًا واکثر اہم مسائل کی تشریح و دلائل نظر انداز کر دیا ہے۔ نتیجۃً قاری کو اصل حوالے نہ ہونے سے کسی حد تک بے ربطی اور بعض وقت اختلاف محسوس ہوتا ہے جو اصل عربی کتاب میں نہیں ہے۔

فتاویٰ انقراویہ امام الانقراویہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جسے شیخ الاسلام محمد بن الحسین (م ۱۰۹۸ھ۔ ۱۶۸۶ء) نے مرتب کیا تھا۔

اس جہت کی تمام عملاً مفید و مدلل تصانیف میں سب سے بہتر ردّالختار ہے جو کہ درّالمختار مصنفہ محمد امین (ساکن شام) کی شرح ہے جو ارث چہارم کے عہد میں

مشہور ہوئے۔ عصر ہذا میں ردّالمختار فقہ حنفی پر یقیناً سب سے بہتر و مستند کتاب ہے۔اس میں سابقہ فتاویٰ کا خلاصہ اور ابتدائی زمانہ کے اہم ترین فقہا کی آرا اور ان تمام اصولوں کی تفصیل جو موجودہ دور میں تسلیم اور قبول کئے گئے ہیں شامل ہیں۔ میں نے کتاب ہذا کی تالیف میں اس تصنیف سے کافی استفادہ کیا ہے۔

درالمختار کی ایک دوسری شرح تحفۃ الاخبار ہے جس کے حوالے میں نے یہاں بھی دیے ہیں۔

امام مالک، سنی مذہب ثانی

شیعوں کے مذہب فقہ کے دوسرے بانی ابو عبداللہ مالک ابن انس تھے جن کے اصول شمالی افریقہ خاص کر مراقش اور الجیریا میں رائج ہیں۔ ان کا ہارون الرشید کے دور حکومت میں ۱۷۹ھ میں انتقال ہوا فقہ مالکی کے سب سے اچھے اور مشہور شارح سیدی خلیل ہیں جن کی دائرۃ المعارف تصنیف کو M Perron نے زیر سرپرستی فرانسیسی حکومت بزبان فرانسیسی ترجمہ کیا ہے۔

امام شافعی تیسرا سنی مذہب

امام شافعی تیسرے طریقہ مذہب فقہ کے بانی ہیں وہ شہر "عشیرہ" واقعہ ملک شام میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال امام اعظم ابو حنیفہ کا انتقال ہوا۔ ان کا بعہد خلافت المامون ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء میں بمقام مصر انتقال ہوا۔ وہ شیعہ امام علی بن موسیٰ رضا کے ہمعصر تھے ان کے مذہب کے پیرو شمالی افریقہ کی حد تک مصر، جنوبی عربیہ جاوا اور عام طور پر جزیرہ نما ملایا و سیلون و ساحل مالا بار میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیرو احاطہ بمبئی میں بھی ہیں فقہ شافعی کی کتابوں میں درج ذیل مشہور ہیں۔ (۱) ابو خواجہ کی "مختصر" (۲) تقریب مصنفہ شمس الدین ابو عبداللہ ابن القاسم انصاری (۳) المحرر مصنفہ ابو القاسم بن محمد الراہی (۴) منہاج الطالبین معین الدین ابوزکریہ یحییٰ بن شرف انفرادی (جنہوں نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی) اور ڈچ گورنمنٹ کے حکم سے حال ہی میں فرانسیسی میں M Van Den Berg کے فاضلانہ ترجمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ شافعی مذہب کی ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی کافی

اشاعت ہوئی ہے۔

امام احمد بن حنبل، چوتھا سنی مذہب

چوتھے مذہب فقہ کے بانی ابن حنبل ہیں یہ المامون اور اس کے جانشین معتصم باللہ کے دور حکومت میں ممتاز ہوئے۔ ہر دو خلیفہ معتزلہ تھے۔ امام احمد بن حنبل نے شدید تعصب اور مسلک کی بنا پر عوام کو شاہان وقت کے خلاف ابھارا اسی وجہ سے حکمرانوں کے ہاتھوں انہیں تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ انہوں نے ۲۴۱ھ میں بہت تقدس اور برگزیدگی کی حالت میں انتقال کیا۔ ابن حنبل اور ان کے ہمنوا پیروؤں کی وجہ سے ہی مذہب معتزلہ کی ترویج نہ ہو سکی اور وہی قانون کی ناکامیابی کے ذمہ دار ہیں حتیٰ کہ ان مظالم کے مسلسل سیلاب کے لیے بھی جس نے اسلامی دنیا کو مسلمانوں کے خون میں غرق کر دیا۔

اہل سنت والجماعت کے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل مذاہب اربعہ کے بانی ہیں۔ ان کے اصول فقہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں گو بنیادی اصولوں کے اعتبار سے فی الاصل وہ ایک ہیں مگر قیاس اور کلام پاک کی توضیح اور تشریح میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

امام مالک اور ابن حنبل کے نزدیک مسائل شرعیہ کی توضیح میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے وہ محض سندی نظائر کے پابند ہیں اور تمثیلی استخراج کے نتائج یا شرع کی ایسی توضیح جس کی کسی خاص مسئلہ کے متعلق مخصوص حالات کی بنا پر تعبیر کی جائے تسلیم نہیں کرتے۔ شافعی امام ابو حنیفہ سے نسبتاً کم قیاسی اور امام مالک اور حنبل سے زیادہ وسیع الخیال ہیں ان کے پیرو بھی مثل مالکی اور حنفی کے اہل حدیث کہلاتے ہیں۔

غیر مقلد

حال ہی میں ایک نیا فرقہ ہندوستان کے سنیوں میں پیدا ہوا ہے جو اپنے کو غیر مقلد یا کسی کی پیروی نہ کرنے والا کہتے ہیں۔ ان کے مخالفین بعض وقت انہیں وہابی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو کہ نامناسب اور ناجائز ہے۔ لفظ غیر مقلد کا مفہوم ہے کہ جو کسی خاص فرقہ کا پیرو نہ ہو مگر معاملات عقائد میں شافعیوں سے قریب تر ہو۔ غیر مقلد انہی کی طرح نماز میں لفظ "آمین" (جس کو آمین بالجہر کہتے ہیں) کو آواز سے ادا کرتے ہیں۔ اور

دوران نماز خاص موقع پر اپنے ہاتھ کانوں سے اوپر اٹھاتے ہیں اس کو "رفع یدین" کہتے ہیں۔ یہ در اصل محض فروعی مسائل میں اختلاف ہے جس کا فرائض نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس اختلافی اصول کے علاوہ غیر مقلد عام طور پر مسلک حنفی کے پیرو ہیں۔

ایک سنی مسلمان خواہ وہ کسی مسلک کا پیرو ہو کسی بھی دوسرے فرقہ کے امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتا ہے۔

قیاس کی تصدیق آنحضرت ﷺ نے فرمائی اور آپؐ کے قریب تر پیرو اس پر عامل رہے۔ اس طرح بنی فاطمہؓ میں زیادہ لچک (گنجائش) کا رجحان پیدا ہوا اور اس سے امام ابو حنیفہ قدرتاً متاثر ہوئے۔ امام اعظم اور ان کے اولین شاگردوں کے نزدیک قیاس کی اہلیت فتاوائے عالمگیری کی متواتر عبارتوں سے ظاہر ہے اور اسی لئے اب امام اعظم کے پیرو اہل الرائے والقیاس کہلاتے ہیں۔

ابن خلدون جو مسلمانوں کے متبحر عالموں اور فقہا میں سے ہیں سنی مذاہب کے پیروؤں کے قیاس یا تنقیدی نظریات کے بارہ میں اس طرح کہتے ہیں۔

"علم فقہ دو طریقوں پر مشتمل ہے ایک اہل الرائے والقیاس جو اہل عراق ہیں اور دوسرے اہل حدیث جو اہل حجاز ہیں۔ چونکہ اہل عراق کے پاس بہت کم حدیثیں تھیں انہوں نے قیاس کا سہارا لیا اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا جس کی وجہ سے وہ اہل قیاس ہی کہلانے لگے ان کے پیشوا امام ابو حنیفہ کو اس طریقہ کا مکمل وجدان تھا انہوں نے اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دی۔ اہل حجاز کے پہلے امام ملک بن انس بعد ازاں امام شافعی ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد علما کے ایک طبقہ نے قیاس کو ناپسند کیا اور اس طریقہ کو ترک کر دیا یہ ظاہری یا لفظ پرست ابو داؤد سلیمان کے پیرو تھے۔ اور انہوں نے یہ اصول طے کیا کہ تمام مسائل شرعیہ کا استنباط نصوص بالخصوص (قرآن، احادیث) اور اجماع (متقدمین اماموں کے متفقہ فیصلوں) کی روشنی میں کیا جائے"۔

قیاس کا استعمال

متقدمین حنفی فقہا نے نہایت واضح الفاظ میں احکام شرع اور فصل خصومات میں قیاس کے استعمال کی اہمیت کو بتایا اور اس طرح اصولی شیعوں کے عقائد سے وہ قریب

تر ہیں۔ رضی الدین نیشاپوری نے اپنی کتاب محیط میں لکھا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں متفقہ رائے نہ ملے تو خواہ اس مسئلہ پر ان کے معاصرین تابعین صحابہ متفق ہوں تو قاضی مؤخر الذکر کے فیصلہ سے رہنمائی حاصل کرے۔

اگر معاصرین (تابعین صحابہ) میں اختلاف ہو تو قاضی ان کے دلائل کے تقابل کے بعد اسی فیصلہ کو اختیار کرے جو قابل ترجیح معلوم ہو۔ اگر اسناد محولہ کسی بھی صورت میں نہ ملیں اور قاضی میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو تو وہ خود ہی طے کرے کہ صداقت اور انصاف کی بنا پر کونسی رائے سب سے زیادہ اقرب الی الصواب ہے اور بعد ازاں مقدمہ کے واقعات اور حالات پر خلوص نیت کے ساتھ غور کرے اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر کرے۔ ابو بکر کاشانی نے اپنی کتاب بدایع میں لکھا ہے کہ "جب کسی معاملہ میں نہ کوئی واضح حکم شرع ہو اور نہ قاضی کی رہنمائی کے لیے کوئی متفقہ فیصلہ ہو اگر وہ اجتہاد (قانونی تحقیق) کی صلاحیت کا حامل ہو اور ناطق فیصلہ کر چکا ہو تو حکماً اسے نافذ کر دینا چاہیئے خواہ دیگر فقہا اس سے مختلف الرائے ہوں اس لئے کہ جو امر تحقیق عمیق کے بعد صحیح اور قرین انصاف معلوم ہو وہی بارگاہ خداوندی میں قابل قبول ہے"۔ اس کے بعد مؤخر الذکر کتاب سے اسی موضوع پر ایک تیسرا پیرا نقل ہے۔

"اگر کسی مقدمہ میں قاضی متضاد شہادتوں سے مبتلاءَ تشویش ہو تو ایسی صورت میں بعد غور اپنی رائے میں جو صحیح فیصلہ سمجھے کرنا چاہیئے یا مزید تحقیق کے لیے دیگر لائق فقہا سے مشورہ حاصل کرنا چاہیئے اور اگر دلائل کے موازنہ کے بعد بھی وہ مختلف الرائے ہوں تو اس کو بہ صواب دید خود صحیح فیصلہ صادر کرنا چاہیئے۔ ان اقوال سے اسلام پر اکثر کئے جانے والے ان اعتراضات کا شافی جواب مل جاتا ہیکہ اسلام میں اپنے غیر متبدل (رسمی) و محدود قوانین کے باعث نہ تو کوئی لچک ہے اور نہ ترقی کے عناصر"۔

بد نصیبی سے دنیا کے اہل سنت والجماعت کے ذہن میں یہ خیال سما گیا ہے کہ اجتہاد یا مسائل شرعیہ کا استخراج اور ان کی مستند وضاحت تیسری صدی ہجری میں رک گئی۔ یہ تصور سنی مسلک کے مسلمانوں کی فلاح وترقی کے لیے مہلک ترین ثابت ہوا۔ دور جدید کے اہل سنت والجماعت اجتہاد کے تین درجے تسلیم کرتے ہیں۔ طبقہ اوّل کے مجتہدین مسائل شرعیہ کی وضاحت میں بالکل آزاد خیال ہیں گویا کہ وہ احکام شرعیہ اور

اپنے شاگردوں کے درمیان ایک رابطہ ہیں۔ ان شاگردوں کو قرآن کی تفسیر، سنت، اور اجماع کے بارے میں، خواہ وہ حکم فقہ کے عناصر یا رسائل سے کتنے ہی متضاد ہوں، جرح کا کوئی حق نہ تھا۔ اس بلند طبقے کے مجتہدین نے ہجرت کی پہلی تین صدیوں میں نمایاں ترقی کی اور چونکہ مسائل شرعیہ واضح طور پر متعین ہو گئے تھے، امور شرع میں قیاس کا استعمال ترک ہو گیا۔

بعض متاخرین فقہا مثلاً الظہیری اور السیوطی نے قیاس کو اہمیت دینا چاہا لیکن رائے عامہ (جمہور) قیاس کے برعکس استنباط کو مرجح سمجھتی تھی۔ ان کی رائے کو مسترد کر دیا گیا اور تب سے ہی قیاس پوری طرح استنباط کے تابع ہے۔ وہ مجتہد جو اجتہاد کے دوسرے درجہ میں ہیں اس امر کے مجاز تھے کہ وہ مسائل جن کو بانیان مذاہب اربعہ نے حل نہیں کیا تھا ان کو حل کریں۔ یہ طبقہ اول کے مسلمہ مجتہدین کے شاگرد تھے۔ انہوں نے خاص حالات میں اپنے شاگردوں کو اس امر کی آزادی دی کہ وہ ان کے فتاویٰ کے برعکس اپنے ہی اصولوں پر عمل کریں اور ان کی تعلیم کو کبھی کبھی انکے اقوال کو وہ خود بھی قبول کر لیتے تھے۔

ایسے مجتہدین جنہوں نے اجتہاد کی تیسری منزل بھی طے کر لی تھی اس امر کے مجاز تھے کہ وہ امور جن میں کہ بانیان مذاہب اربعہ یا ان کے شاگردوں نے کوئی فتویٰ نہ دیا ہو اپنی ہی سمجھ کے مطابق فیصلہ دیدیں مگر وہ کلام پاک، احادیث اور اجماع نیز مجتہدین درجہ اول و دوم کی آرا کے مجموعی تقابل پر بعد غور فتاویٰ صادر کرتے تھے۔ وہ اس امر کے مجاز تھے کہ اپنے مسلمہ (مشتہرہ) عقائد خواہ یہ احکام شرع کے تعمیری عناصر سے متعلق ہوں یا جو قواعد ان سے اخذ کئے گئے ہوں ان کی تردید کریں۔ طبقہ سوم کے مجتہدین کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ علم فقہ کے تمام شعبوں اور مذاہب کے مسائل کا علم رکھتے ہوں اور یہ طبقہ ایسے کثیر تعداد علما پر مشتمل ہے جو کم و بیش معروف ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنی حیات میں ہی درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے تھے مگر ان میں سے اکثر کو بعد ممات یہ مرتبہ حاصل ہوا۔

مجتہد کا لقب سنیوں میں عرصہ دراز سے متروک ہو گیا ہے۔

ابتدائی صدیوں میں اسلام کی تیز رفتار ترقی کے مقابلہ میں ملت اسلامیہ کا

موجودہ جمود اصلاً اجتہاد کے اسی تصور کی بنا پر ہے بلکہ عام نظریہ یہ بھی ہے کہ محض وہی شخص جو دینی مرتبہ کمال یا علم فقہ کے اس تجربی علم کا جس پر پہلی تین صدیوں کے مجتہدین کو عبور حاصل تھا، حامل ہو، اس امر کا مجاز ہے کہ اصول فقہ کے نظائر کی (بلا نئے معنیٰ پہنائے ہوئے) تعبیر کرے۔

نظریات قانون کا ارتقا

متذکرہ بالا مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود قانونی نظریات میں بتدریج ترقی ہوئی ہے اور قدیم تعبیرات سماجی حالات کی ترقی سے ہم آہنگ خیالات کے مقابلہ میں متروک ہوگئی ہیں۔ اس امر کی تائید متاخرین کے اصولوں کی بغایت ترجیح سے بھی ہوتی ہے نیز اس امر سے بھی کہ ایک مسلمان جج کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ ائمہ و فقہا کے اقوال سے جو کہ اغراض انصاف زمانہ کے تبدیل شدہ حالات یا سماج کی تبدیلیوں سے زیادہ سے زیادہ مطابق ہوں نتائج کا استخراج کر کے ان اصولوں پر عمل کرے جو متذکرہ حالات میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوں۔

ضابطۂ کار

فرائض قاضی کے عنوان کے تحت جو قواعد دیئے گئے ہیں وہ ضابطۂ کار سے متعلق ہیں۔ مثلاً شافعی اور حنفی فقہ کے مطابق قاضی کو اختیار ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں حکم صادر کردے لیکن حنفی فقہ کے مطابق کوئی ڈگری شخص غیر حاضر کے خلاف یا موافق صادر نہ ہوگی اور اگر صادر ہوئی ہے تو وہ ناقابل نفاذ ہوگی اور یہی فتویٰ ہے کہ ڈگری شخص غیر حاضر کے نائب یا نمائندے کی حاضری میں خواہ وہ وکیل یا وصی ہو یا وقف کا متولی ہو صادر ہونا چاہئے۔ بقول طحطاوی اگر وکیل کی حاضری میں شہادت قلم بند ہو اور وہ غیر حاضر ہوجائے اور وارث حاضر ہو یا وارث جائز کی جگہ کوئی دوسرا حاضر ہو تو ان تمام حالات میں شخص واحد کے خلاف ڈگری جائز ہوگی۔

درالمختار میں مزید یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ڈگری کسی غیر حاضر یا متوفی کے خلاف نہ کہ وکیل یا وصی کے خلاف صادر ہو تو قاضی مثل میں اسکا اندراج کردے کہ اس نے یہ

ڈگری مدعی کے خلاف وکیل کی حاضری میں یا متوفی کے خلاف اس کے وصی کی حاضری میں صادر کی ہے۔ پس ورثا میں سے کوئی بھی ایک فریق مقدمہ یا مقروض کے شرکا میں سے کوئی ایک شریک کی حیثیت سے پیش ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی شخص غیر جس کے قبضہ میں کسی یتیم کی جائداد ہو بجائے اس کے پیش ہو سکتا ہے۔اسی طرح وقف کے استفادہ کنندگان میں سے کوئی (ایک جس کے لیے وقف ہو) پیش ہو سکتا ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ قاضی ایسے مدعا علیہ کے خلاف جس کی پیروی کے لیے اس نے وکیل مقرر کیا تھا ڈگری صادر کرے اور یہ صورت پانچ موقعوں پر ہو سکتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب مدعا علیہ غیر حاضر یا لاپتہ ہو اس صورت میں موجودہ فقہا کی رائے میں قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ کسی کو وکیل مقرر کردے اور یہی رائے دوسرے امام (حضرت امام ابو یوسف) کی ہے۔ بقول طحطاوی اس مسئلہ پر سب متفق ہیں کہ قاضی شخص غیر حاضر کے مکان پر جتنے عرصہ کے لیے مناسب خیال کرے مہر لگا سکتا ہے اور وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ ایک جج کو کسی بھی دیوالیہ شخص (مستغرق بالدین) کی جائیداد موروثی کو فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر اس کے ورثا کو نہیں ہے لیکن بقول طحطاوی اگر ورثا قرض کی ادائیگی پر آمادہ ہوں تو قرض خواہوں کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے قبول کریں۔

فصل چہارم: شیعہ فقہا

شیعہ فرقے

اہل تشیع کے خیالات میں بھی وہی انتشار پیدا ہو گیا جبکہ عوام (اہل تشیع) نے اصولی عقیدہ کو ترک کر کے اختیاری عقیدہ کو پسند کیا۔ مؤخر الذکر مسلک کے مطابق فیصلہ میں آزادی رائے سے سماجی ترقی اور اخلاقی ارتقا میں کافی گنجائش ہو گئی ہے۔

''اخباری'' تامل شیعہ ممالک کی مجتہدین احکام کی توضیح کو تسلیم کرتے اور خیال کی ہر آزادی کو مسترد کرتے ہیں۔

ذہن انسانی کے اس تعطل نے اسلام میں وہ تحریک پیدا کی جس کی علامات تمام

اطراف میں محسوس ہوئیں۔ یہ اسلامی دنیا کے مستقبل کیلئے ایک امید افزا فال نیک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شافعی نے ان قدیم زنجیروں کو توڑ پھینکا ہے اور اب وہ سنیوں کے بالمقابل اس طرح پیش پیش ہے کہ اخلاقی احیا اور اصلاح قانون کے لیے ان آرزوں کا مرکز بن گیا ہے جو عالم اسلام کے ذہن کو مضطرب کئے ہوئے ہیں۔

شیعہ فقہا

شیعہ فقہا میں درج ذیل سب سے زیادہ مشہور ہیں:

(۱) شیخ محمد ابن محمد ابن نعمان ابو عبداللہ المفید اس لئے مشہور ہیں کہ ان کے بہت سے شاگرد تھے وہ ۳۳۳ھ یا ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۳ھ میں انتقال کر گئے

(۲) شیخ محمد الحسن ابن علی ابو جعفر الطوسی الموسوم بہ شیخ عقائد امامیہ المختصر شیخ ۳۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۰ھ تک زندہ رہے۔ یہ شیخ مفید کے سب سے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ انہوں نے بے شمار ایسی تصانیف چھوڑی ہیں جو ان تمام مقامات پر جہاں شیعہ عقائد رائج ہیں مستند اور معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ منجملہ ان کی دیگر تصانیف کے استبصار، الخلاف والوفاق، نہایہ فی بحر الفقہ والعرمایہ اور آخری مبسوط سب سے اہم اور سب سے زیادہ فاضلانہ ہیں ان کی متعدد شرحیں اور توضیحات ہیں۔ وہ ایک روشن خیال اور غیر متشدد فقیہ تھے اور ان کے نظریات ان کے بہت سے جانشینوں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔

(۳) شیخ سید مرتضیٰ ابوالقاسم علی ابن ابی احمد الحسینی آنحضرت ﷺ کی آل میں تھے اور الہدیٰ (راہِ نجات) کے رہنما کے نام سے معروف تھے۔ یہ بھی شیخ مفید کے شاگرد تھے اور اپنے زمانہ کے ممتاز قانون دانوں میں سے ایک تھے۔ ان کے نظریات واضح طور پر جدید تصورات اور ترقی پذیر تہذیب کی ضرورتوں سے زیادہ ہم آہنگ ہیں اور اصولیوں میں خاص طور پر رائج ہیں۔

مصنف شرائع الاسلام

میں نے اس کتاب کی تالیف میں ان کی تصانیف میں سے کتاب الانتصار سے استفادہ کیا ہے۔ بدنصیبی سے شیخ نجم الدین ابوالقاسم جعفر ابو علی یحییٰ الموسوم المحقق عالم

کے محدود نظریات، اخباری شیعوں، میں مروج ہو گئے جن سے سب ترقی رک گئی۔ وہ ۶۰۲ھ میں بمقام(Hilleh) (واقع ساحل فرات) پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ تک درس و تدریس فقہ کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے مکان کے چبوترہ سے گر کر انتقال کر گئے اور بمقام نجف حضرت علی کے مقبرہ کے قریب دفن ہوئے۔ یہ النافع شیخ طوسی کی تصنیف نہایہ کی کئی شرحوں اور مشہور کتاب شرائع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام (شرع میں کیا حلال و کیا حرام ہے) کے مصنف ہیں۔ موخر الذکر کی بیلی (Baillie) نے توضیح کی ہے اور Querry نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔

شرائع الاسلام

یہ کتاب چار حصوں میں ہے۔ پہلے میں عبادات، دوسرے میں معاملات، تیسرے میں مستحبات، چوتھے میں احکام بابت اکل وشرب و مذہبی و دیوانی قوانین کے تحت جرائم وخطاؤں کی تعزیر کی توضیح کی ہے۔

اس ماہر قانون (فقہ) کے عقائد کی پیروی میں شیعہ طبقات پر جو اثرات ہوئے ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان بے کیف و خشک عقائد (نظریات) جنھوں نے تمام دینی حرکت کو ماؤف کر دیا وہ خاص کر اخباریوں میں رائج ہیں۔

شرائع الاسلام کی بہت سی شرحیں ہیں ان میں شیخ زین العابدین علی الشامی ملقب بہ شہید ثانی کی شرح مسالک الاخیام اور شیخ محمد حسن نجفی کی شرح جواہر الکلام نہایت ہی مبسوط اور فاضلانہ ہیں۔ موخر الذکر تصنیف اگرچہ شرائع التحقیق کی شرح ہے لیکن مسائل فقہ پر آزادانہ اظہار خیال کے ساتھ دوسرے فقہا کے اقوال کے حوالوں سے اس کی مبصرانہ حیثیت ظاہر ہے۔ اس میں حضرت علی اور ان کے قریب ترین جانشین کے اقوال کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

منجملہ دیگر اہم تصانیف فقہ کے ابی مکرم محمد ابن ادریس الحلی کی سرائر اور ابن ظہری کی "غنایہ" اور ابو جعفر الصدق کی "مقنعہ" وہدایہ اور شیخ سید مرتضی کی نصریہ اور شیخ علامہ جمال الدین حسن ابن یوسف ابن المرتضی العلی کی تلخیص المرام والغایت الاحکام اور تحریر الاحکام میں ان کی ایک دوسری تصنیف ارشاد الادخان ال:، کے تبحر عملی کا نمونہ

ہے اور اس کے اقتباس بطور اسناد ارشاد علامہ کے حوالہ سے دیئے گئے ہیں۔

شیعہ فقہ سے متعلق جامع عباسی بھی ایک مختصر مگر جامع تصنیف ہے جو بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ عام طور پر شیخ بہاء الدین عاملی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے جن کا ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں انتقال ہو گیا۔

مفاتیح کے مصنف محمد ابن مرتضی المقلب بہ محسن ہیں اور اس کی شرح انہی کے بھتیجے اور ہم نام نے جو ملقب بہ "ہادی" ہیں نے لکھی ہے۔ یہ جدید اور مشہور تصانیف لائق مطالعہ ہیں۔ روضۃ الاحکام کے مصنف اودھ کے ایک مجتہد ہیں۔ یہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب قانون میراث کے متعلق ہے۔ احکام نہایت شرح و بسط سے لکھے گئے ہیں۔ یہ تمام تصانیف اخباری فرقے سے متعلق ہیں۔

دوسری بلند پایہ عالمانہ تصنیف جامع الشتات ہے وہ ان اہم فیصلوں اور مسائل کا مجموعہ ہے جو طہران کے مشہور (نامور) مجتہدین نے صادر کئے اور گذشتہ صدی میں فارسی میں طبع ہوئے ہیں۔

ان صفحات کی ترتیب میں جن کتابوں سے میں نے خاص طور سے استفادہ کیا ہے وہ امام جعفر طوسی کی مبسوط، نہایہ اور استفسار ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ سید مرتضی کی انتصار ہے 'الصادق کی ہدایہ اور شیخ ابوالحسن مجتہد اعظم طہران کی تصانیف سرایہ، غنایہ، جواہر الکلام، جامع الشتات اور صراط النجات ہیں۔

مسلم لا سے متعلق مسائل پر غور کرتے وقت یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اسلام میں مختلف مذاہب وذیلی مذاہب دوسرے متعلقہ مختلف عقائد کے فرقوں یا ہم مشرب، گروہوں سے اتنا قریبی ربط رکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خاص مشرب، فرقہ یا ذیلی فرقہ کے عقیدہ کو اختیار کرنے والا اس مذہب (عقیدہ) کے اصول کے مطابق ہو جائے جو اس نے اختیار کیا ہے مثلاً ایک شیعہ سنی عقیدہ اختیار کرنے پر سنی فقہ کا پابند ہوگا اور اسی طرح کوئی حنفی شافعی عقیدہ یا کوئی اخباری اصلی عقیدہ اختیار کرنے پر شافعی یا اصلی احکام کا، جیسی بھی صورت ہو، پابند ہوگا۔

باب ا۔ قانون ہبہ

فصل اول:۔ عام اصول

مسلم لا کے مطابق موروثی اور خود اکتسابی جائیداد میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مالک جائیداد کو فی الوقت تمام مقبوضہ جائیداد پر مالکانہ اختیار قطعی حاصل ہوتا ہے۔ خواہ یہ جائیداد اس نے خود حاصل کی ہو یا بذریعہ وراثت اس کو ملی ہو۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اس جائیداد کو فروخت یا منتقل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا نفاذ حین حیات خود کرے۔ اسکا اختیار بسلسلہ انتقال جائیداد ذریعہ وصیت اس کے ورثا کے حق کی وجہ سے بقدر یک ثلث محدود ہو جاتا ہے اگر انتقال جائیداد اس کی موت کے بعد یا مرض الموت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جس میں کہ وفات کا قوی اندیشہ ہو، واقع ہو۔

رانی کھجور النساء بنام مسماۃ روشن جہاں

پریوی کونسل نے بمقدمہ رانی کھجور النسا بنام مسماۃ روشن جہاں ایک مسلمان کے انتقال جائیداد کے اختیار کو اس طرح محدود کر دیا ہے "مسلم قانون کا بظاہر منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک وصی پر بذریعہ وصیت اپنے ورثا میں قانوناً جائیداد منتقل کرنے پر پابندی عائد کی جائے اگرچہ وہ ایک مختص حصہ جائیداد ۱/۳ تک کسی بھی شخص غیر کو دے سکتا ہے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ مالک جائیداد حین حیات خود اپنی کل جائیداد یا اس کا جزو اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو دے دے اور اسی طرح کسی حد تک وہ قانون کی پالیسی کا نفاذ کر سکے (بشرطیکہ چند شرائط کی پابندی کرے)

وہ پابندی (جس کی مماثلت بعض یورپین قوانین میں ملتی ہے) چند شرائط پر مبنی ہے اور مسلم لا کے مطالعہ کے دوران ان پر بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ انتقالات جائیداد دو عنوانات کے تحت ہیں:

(ا) انتقالات مابین زندہ اشخاص (۲) وہ انتقالات جن کی نوعیت وصیتی ہے اور

منتقل کنندہ کی موت کے بعد جن کا نفاذ ہوتا ہے۔

(۳) دستاویزات جو فی نفسہٖ متعلق بہ وصیت ہوں اور وصی کی موت تک نا قابل نفاذ ہوں۔ کوئی بھی انتقال جو انتقال کنندہ بعارضہ مرض الموت کرے وہ وصیتی انتقال کہلائے گا مگر اس پر ہم مناسب موقع پر بالتفصیل اظہار خیال کریں گے۔

انتقالات جائیداد

زندہ اشخاص کے مابین انتقالات جن سے ہم اصلاً متعلق ہیں وہ ''ہبہ'' اور ''وقف'' ہیں۔

(۱) ہبہ ایک عطیہ ہے اور عام طور پر اسکی تین قسمیں ہیں:

(الف) ہبہ محض اور سادہ (ب) ہبہ بالعیوض (کسی بدل کے عوض بخشش یا عطیہ) جو عطیہ سے زیادہ ایک بدل کی صورت ہے۔ (ج) ہبہ یا شرط العیوض یا عطیہ جو اس شرط پر کیا جائے کہ موہوب الیہ یا منتقل الیہ اس عطیہ کے عوض واقف کو مستقبل میں کسی وقت یا مدت کے بعد کوئی شئے متعینہ عطیہ کے عیوض دے گا۔

(۲) وقف:۔ وقف کسی جائیداد کی آمدنی کا ایسا دائمی انتظام ہے جس سے افراد یا مذہبی یا امر خیر کے مقاصد کو فائدہ حاصل ہو۔

ایک محض سادہ ہبہ کسی مختص خاندان کا (خواہ وہ واقعتاً موجود ہو یا قابل نالش ہو) بخوشی بلا بدل انتقال ہے اس کی تعریف بالتفصیل بعد میں کی جائے گی۔

سنی فقہ کے مطابق کسی عطیہ کی آمدنی بلا بدل اور محدود وقت کے لیے جو حسب مرضی واپس لی جاسکے ''عاریت'' کہلاتی ہے۔

محمد فیض احمد خان بنام غلام احمد خان

ہبہ اور عاریت میں فرق یا اور کسی شئے کے عین یا اصل کے بارہ میں مقررہ وقت تک محض آمدنی کے بارے میں فاضل سب جج علی گڑھ نے بہت تفصیل سے بمقدمہ فیض احمد خان بنام غلام احمد خان وضاحت کی ہے اور اس فیصلہ کو عدالت ہائے عالیہ اور پریوی کونسل نے منظور اور قبول کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ میرے منشا کی وضاحت کے لیے اس کے ایک حصہ کی نقل کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

عاریت

"کسی اصل شئے کو کسی شخص کی ملکیت میں بلا عیوض دینا ہبہ ہے اور محض منافعوں میں بلا کسی بدل کے مالک بنانا "عاریت" ہے (ملاحظہ ہو درالمختار کتاب الہبہ)۔ ہبہ کے لیے یہ لازمی ہے کہ واہب صحیح العقل ہو، شئے کا مالک ہو، اور بالغ ہو اور شئے موہوبہ غیر منقسم نہ ہو بلکہ واہب کے قبضہ میں ہو۔ اس کا ایجاب اور قبول ہو۔ کوئی ہبہ ناجائز شرائط کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا اسکے برعکس شرائط باطل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی غلام کو ہبہ میں دیا جائے اس شرط پر کہ موہوب الیہ اسے آزاد کردے گا تو شرط باطل ہے مگر ہبہ جائز ہے (درالمختار کتاب الہبہ)۔ عاریت میں یہ ضروری نہیں کہ واہب بالغ ہو، نہ یہ کہ شئے موہوبہ تقسیم شدہ ہو، نہ یہ شرط ضروری ہے کہ ایجاب کے بعد قبول ہو۔ (عالمگیری) عمادیہ میں ہے کہ مشترکہ جائیداد کی عاریت جائز ہے اسی طرح اس کا جمع کرانا اور فروخت بھی جائز ہیں۔ (درالمختار کتاب العاریت)

وہ الفاظ جن سے کہ "عاریت" کی تشکیل ہوتی ہے ان کی بابت عالمگیری میں علیحدہ ایک خاص باب ہے اور یہاں میں بتاؤں گا کہ عاریت کے وقت کون سے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور انکی کیا اہمیت ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ایک مہینہ کے لیے مکان کے منافعوں کا ہمیں مالک بنا دیا ہے یا ہبہ یا بدل کا حوالہ نہ دے تو یہ عاریت ہے۔ یہ فتاوائے قاضی خان میں ہے اور ان الفاظ میں یہ جائز ہے: "میں تمہیں یہ پوشاک ایک روز کے لیے قرض دیتا ہوں یا میں یہ مکان تمہیں ادھار دیتا ہوں تم اس میں ایک سال رہ سکتے ہو" (تاتارخانیہ)۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں ایک مہینے کے لیے اپنے مکان کو تمہاری رہائش کے لیے دیتا ہوں یا وہ یہ کہے کہ میں اپنے اس مکان کو تمہاری رہائش گاہ ایک ماہ کے لیے بناتا ہوں یا وہ یہ کہے کہ میں اپنی میری حیات اس کو تمہاری رہائش بناتا ہوں تو یہ عاریت ہوگی (ایسا ذاکریہ میں ہے)

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان بطور رہائش تمہارے لئے ہے یا رہائش کے لیے بطور صدقہ ہے (ھدایہ میں ایسا ہی ہے)

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان قرض رہائش یا صدقہ بطور عاریت ہے یا قرضہ (عاریت) بطور ہبہ ہے یا ایک قرضہ (عاریت) بطور ہبہ ہے یہ سب عاریت ہے۔ یہی "کافی" میں ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میرا یہ مکان اگر میرے بعد تو زندہ رہے تو تیرے لئے ہے اگر تیرے بعد میں زندہ رہوں تو میرے لئے ہے یا تیرے لئے ایک وقف ہے تو ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق یہ عاریت ہے۔ مگر ابو یوسف کے مطابق ہبہ ہے اور الفاظ رقبہ اور حبس باطل ہیں۔ بدائع میں ایسا ہی ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میرا مکان تمہارے لئے ہے اگر تم میرے بعد زندہ رہو تو۔ اگر میں تمہارے بعد زندہ رہوں تو میرے لئے ہے یا یہ تمہارے لئے وقف ہے تو یہ سب کے مطابق عاریت ہوگا۔ نہایہ میں ایسا ہی ہے "میں نے یہ خچر تمہیں دیا ہے تاکہ تم اسے استعمال کرو اور میرے صرفہ پر اسے گھاس کھلاؤ تو یہ عاریت ہے۔ درکنیا میں ایسا ہی ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ درخت تمہیں اس کے پھل کھانے کے لیے دیا ہے تو یہ عاریت ہے تاوقتیکہ اس سے ہبہ مراد نہ ہو ثمر تاشی میں ایسا ہی ہے

محمد فیض احمد خان بنام غلام احمد خان

یہی وہ الفاظ ہیں جن سے "عاریت" کا مفہوم ادا ہوتا ہے اور ان سب کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ لفظ "وھبطو" میں نے ہبہ کیا کہیں نہیں ہے۔ الفاظ "ھبطان سکنہ" یا سکنہ ھبطان" جو اوپر استعمال کئے گئے ہیں ان سے اصل شئے کا ہبہ مراد نہیں ہے۔ یہ صرف "دری لک" کی وضاحت ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو مکان دیا گیا ہے وہ صرف رہائش کے لیے ہے۔ اب میں وہ الفاظ آپ کو بتاؤں گا کہ جن سے ہبہ ہو جاتا ہے اور وہ تین قسم کے ہیں: اولاً وہ جن سے خاص طور پر ہبہ مراد ہے، ثانیاً وہ جن سے استعارتاً یا تعبیراً ہبہ مراد ہے، ثالثاً وہ جن سے ہبہ یا عاریت مساوی طور پر مراد ہیں۔ میں درج ذیل اقتباس عالمگیری کتاب الہبہ باب اول سے نقل کرتا ہوں۔ "الفاظ جن سے کہ ہبہ ہوتا ہے تین قسم کے ہیں۔ اولاً وہ الفاظ جو خاص طور پر ہبہ کے لیے وضع کیے گئے ہوں یا مرتب ہوئے ہوں، ثانیاً وہ جن سے ہبہ استعارتاً یا تعبیراً مراد ہو، ثالثاً وہ جن سے ہبہ یا

عاریت مساوی طور پر مراد ہو۔ اول الذکر قسم میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ "ان کپڑوں کو میں ہبہ کرتا ہوں یا میں تمہیں ان کا مالک بناتا ہوں یا میں تمہارے لئے یہ ہبہ کرتا ہوں یا یہ تمہارے لئے ہے، یہ میں تمہیں بخشش کرتا ہوں یا تمہیں دیتا ہوں"۔ یہ سب ہبہ ہے۔

دوسری نوعیت میں درج ذیل ہیں۔ "میں تمہیں پہننے کے لیے یہ کپڑے دیتا ہوں"۔ "تمہاری زندگی بھر کے لیے یہ مکان تمہیں دیتا ہوں۔" یہ بھی ہبہ ہے۔اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنی زندگی بھر کے لیے تمہیں یہ مکان دیتا ہوں یا اپنی زندگی بھر کے لیے دیتا ہوں، پس تم مر جاؤ تو مجھے عود کرے گا تو، ہبہ جائز ہوگا مگر شرط باطل ہوگی لیکن تیسری قسم میں یہ آتے ہیں: اگر وہ یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے یا میرے لئے ہے اگر میں تمہارے بعد زندہ رہوں تو تمہارے لئے وقف ہے اور اگر اسے دیدے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق عاریت ہے اور ابو یوسف کے مطابق ہبہ ہے۔

عاریت اور ہبہ میں فرق

مندرجہ بالا سوال سے ظاہر ہے کہ لفظ "واھبطو" جس کے معنی ہیں میں نے تجھے ہبہ کیا، ایسا لفظ ہے جو خاص طور پر ہبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قرضہ حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو دستاویز ہبہ نامہ میں استعمال ہوتا ہے اس دستاویز میں کوئی بھی مشتبہ یا مبہم الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد جو بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بطور مشورہ کے ہیں۔ یہ ان کتب ہائے فقہ کی مثال ہے جو کہ معاملہ ہذا پر بخوبی منطبق ہوتی ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ متازعہ معاملہ ہبہ کا تھا نہ کہ عاریت کا۔ یہ مثال تمام کتب ہائے فقہ: ہدایہ، درالمختار اور عالمگیری (داری لکاھبتان سکنہ) میں ملے گی۔

"میرا مکان تمہارے لئے بطور ہبہ ہے جب تک تم چاہو اس میں رہو۔"

عربی کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی فعلی جملہ کبھی بطور تفسیر جملہ اسمی استعمال نہیں ہوتا "داری لکاھبتان" یہ جملہ اسمیہ ہے اور سکنہ ایک فعلیہ جملہ ہے پس سکنہ پچھلے جملہ کا وضاحتی نہیں ہوتا۔ اس کے بر عکس واہب بطور مشورہ موہوب الیہ کو رائے دے سکتا ہے کہ وہ اس (مکان) میں رہے اور موخر الذکر آزاد ہے کہ اس کے مشورہ پر عمل کرے یا

نہ کرے۔ وہ جملے جن کے ذریعہ ہبہ جائز کیا جاسکتا ہے: کتب ہائے فقہ میں درج ذیل جملے ملتے ہیں۔ در المختار "میرا مکان" تمہارے لئے ہے کہ تم اس میں سکونت رکھو "تسکنہ" یہ ایک مشورہ ہے نہ کہ وضاحت اس لئے کہ ایک فعل اسم کا وضاحتی نہیں ہوتا پس وہ بحیثیت مالک ایسے مکان میں رہائش کے لیے کہتا ہے پس اگر وہ چاہے تو اس کے مشورہ پر عمل کرے یا اسے قبول نہ کرے۔ اگر وہ یہ کہے کہ "داری لک ھبتان تسکنہ" یا تسکنہ ھبان تو یہ ملکیت کی تفسیر یا وضاحت ہے برعکس "داری لک ھبتان سکنہ" ھبان کی یہ تفسیر نہیں ہے۔ اگر وہ بطور ہبہ یہ کہے کہ تم اس میں رہو تو یہ ہبہ ہے اس لئے کہ وہ "تسکنہ" کہتا ہے کہ تم اس میں رہو۔ اس لئے یہ ایک مشورہ ہے وضاحت نہیں ہے اور مقصد کی نشاندہی ہے ھبتان سکنہ" کے برعکس کہ وہ اس کی تفسیر ہے۔ ہبہ نامہ میں الفاظ "ہبہ کیا" اور اس کو قبضہ دے دیا کے بعد یہ ہدایت کہ ہے "ہمشیرہ رشتہ" دیہات کا انتظام کرے اور آمدنی کو ضروری مصارف اور گورنمنٹ کے محصول کی ادائیگی پر صرف کرے یہ بطور مشورہ ہے اور پچھلے الفاظ سے ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ الفاظ "ہبہ کیا" سے اصل معنی ظاہر ہوتے ہیں جو کہ ہر دو دیہات کے بارے میں کہے گئے ہیں۔

ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک لفظ اس کے لغوی معنی سے سمجھا جاتا ہے۔ اگر لفظی معنی مراد نہ ہوں تو استعارہ کے طور پر معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس امر کی تائید کے لیے عربی کتب کے حوالہ کی ضرورت نہیں ہے لفظ "ہبہ" جب دستاویز میں استعمال ہوتا ہے تو وہ اپنے لفظی معنی میں ہی مستعمل سمجھا جاتا ہے یہاں نہ واہب نابالغ تھا اور نہ شئے موہوبہ مشاع تھی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ لفظ "ہبہ" سے مراد "عاریت" سمجھی جائے جب کہ مواضعات سا ہولی اور کمل آبادواضح طور پر ہبہ ہو چکے ہیں تو ان مواضعات کے منافعوں کو عاریت میں دینا کیوں نہ سمجھا جائے۔

تمام دستاویز کے بغور ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ فیض احمد خان نے کبھی عاریت کا سوچا بھی نہ تھا انہوں نے کافی الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے سوائے ہبہ ان کی کچھ اور نیت نہ تھی۔ پوری دستاویز ہبہ نامہ ہے اور اس میں عاریت کا مطلق کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ جائیداد کی مالیت مقرر کر دی گئی تھی اور پوری اسٹامپ ڈیوٹی ادا کی گئی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جائیداد پر مشاع کا شبہ ہو جائے یا غیر منقسم سمجھ لی جائے اور اس وجہ سے ہبہ باطل

سمجھ لیا جائے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ میں بلا شرکت غیرے ہر دو مواضعات کا مالک ہوں۔ پس لفظ ہبہ کے استعمال سے انہوں نے اس حصہ کا اعلان کیا ہے اور اس کی تصدیق کر دی ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھدیا ہے کہ نہ اس کا اور نہ اس کے ورثا کا اس سے کوئی تعلق ہوگا۔

آخر میں انہوں نے دستاویزی نوعیت کی اسے ہبہ تامہ بتاتے ہوئے وضاحت کی ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسماۃ کو انہوں نے قبضہ دے دیا ہے۔ اس طرح ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے (جس کی عاریت یا قرضہ میں ضرورت نہیں ہے)۔ انہوں نے مسماۃ سے قبولیت بھی لکھوائی ہے جو کہ جواز ہبہ (نہ کہ رعایت) کے لیے ضروری ہے۔ دستاویز کے خاتمہ پر لفظ "فقط" الفاظ مکرر کے بعد مدعا علیہ نے استعمال کئے ہیں کہ یہ ہبہ بالعوض ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمام الفاظ کے حقیقی معنی حقیقی نہ سمجھے جائیں اور معاہدہ کو عاریت سمجھا جائے۔ جب کہ دستاویز میں اس کے لیے ایک بھی لفظ نہیں ہے پس یہ معاہدہ کسی طرح عاریت نہیں سمجھا جا سکتا۔ تاوقتیکہ تمام الفاظ کے لغوی معنی نہ سمجھے جائیں جس کے لیے بہت قوی وجوہات ہونا چاہئیں اس کے لیے عدالت کے نزدیک وجوہات نہیں ہیں۔

پریوی کونسل کی نظیر کا اس مقدمہ میں میرے خیال میں یہ نتیجہ ہے کہ جب ہبہ قطعی ہو تو الفاظ جو اس کے مقصد کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتے وہ اس کے نفاذ کو نہ محدود اور نہ کم کر سکتے ہیں۔ "ہبہ" اور "عاریت" کے فرق کو بہت غور سے الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر میں منتقل الیہ مکمل اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ موخر الذکر میں وہ محدود عرصہ کے لیے اس سے منافع یا اس کے استعمال کا محدود طور پر حق حاصل کرتا ہے اور جائیداد اس پر منتقل نہیں ہوتی۔

فصل دوم: ہبہ یا عطیۂ سادہ

مسلمانوں میں ہبہ کے قانون کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اصول "حجب" جو تمام مکاتب فقہ اسلامی میں ملتا ہے، حق نمائندگی کے فقدان سے اس میں بہت سی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کے تین لڑکے ہیں ان میں سے ایک اپنے باپ کی حین حیات بچے چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے تو یہ بچے اپنے دادا کے ورثہ میں اپنے

چچاؤں سے حجب ہیں۔

مسلم قانون میں عورتوں کو لڑکوں کے مقابلہ میں کم حصہ ملتا ہے۔ سنی فقہ میں خاص کر اصول ہم جدی سے کافی ناانصافی ہوتی ہے۔ اور مالکان جائیداد کی اکثر یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی حین حیات اسے دور کر دیں۔ بیٹی کے بچے بھائی کے بیٹوں کے مقابلہ میں جائیداد سے محروم ہوتے ہیں۔ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے ہندوستان کے مسلم خاندان مثل اور جگہ کے ہبہ کا سہارا لیتے ہیں جس سے محض ان ناانصافیوں کی اصلاح کی کوشش ہوتی ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ اکثر ایک وارث کے مقابلہ میں دوسرے کو زیادہ حصہ ملتا ہے۔ ایک وارث کو باحینِ حیات دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ حصہ دینا خاص طور سے قانوناً مسلمہ ہے۔

درالمختار نے بحوالہ قاضی خان مروجہ عنوان "خانیہ" کے تحت لکھا ہے کہ ایک بچہ کے مقابلہ میں دوسرے بچہ کو زیادہ چاہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ قلبی معاملہ ہے۔ بعینہٖ ہبہ کا معاملہ ہے جب تک کہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہ ہو۔ اگر ایسی کوئی نیت (حصہ کم کرنے کی) ہو تو ان کے حصص مساوی کر دینا چاہئے۔ یعنی لڑکی کو بھی وہی حصص دیں جو لڑکے کو دیئے ہیں، یہ ابو یوسف کے مطابق ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور کوئی شخص بحالت صحت اپنی تمام جائیداد ایک ہی بچے کو دے تو یہ جائز ہے ایسا کر سکتا ہے یہی اصول فتاوائے عالمگیری میں بتایا ہے۔

اگر کوئی تندرست آدمی اپنے بچوں کے حق میں ہبہ کرتا ہے اور ان میں سے کچھ کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے تو ہمارے فقہاء نے اس سلسلہ میں کسی "اصل" حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے مگر ابو حنیفہ کا قول ہے کہ وہ اس بچے کو زیادہ دے سکتا ہے جو کہ مذہبی اعتبار سے دوسروں سے زیادہ ممتاز ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ امر قابل الزام ہے۔ ابو یوسف نے المعلی میں بتایا ہے کہ ایک مساوی تقسیم قانوناً ہو سکتی ہے جب کہ کسی بھی بچہ کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ اور لڑکی کو اتنا ہی دینا چاہئے جتنا کہ لڑکے کو اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی فتاوائے قاضی خان میں ہے اور ظہریہ کے مطابق یہ مسلمہ مسئلہ ہے۔ اگر ایک تندرست شخص اپنی تمام جائیداد ایک بچہ کو دے دیتا ہے تو یہ قانوناً جائز ہے مگر حسب فتاویٰ قاضی خان یہ گناہ ہے۔

یہی اصول درالمختار میں بتایا گیا ہے۔

ہندوستان میں جس کثرت سے ہبہ ہوتے ہیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس موضوع پر توجہ سے قانون کا مطالعہ کیا جائے۔

ہبہ کی تعریف

درالمختار میں ہبہ کی یہ تعریف ہے کہ جائیداد میں عین (تملیک العین) کا انتقال ہے جو ایک شخص بلا عوض دوسرے کو کرتا ہے لیکن بلا عوض ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ با لفاظ دیگر یہ ایک جائیداد یا اس کے عین کا ایک شخص سے دوسرے شخص کو بلا بدل برضا مندی عطیہ ہے، اس طرح کہ موہوب الیہ شئے موہوبہ کا مالک بن جاتا ہے۔ ہبہ کے جواز کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں (۱) واہب کی جانب سے ہبہ کی خواہش کا اظہار (۲) موہوب الیہ کا صریحاً یا استعارتاً قبول کرنا (۳) شئے موہوبہ پر موہوب الیہ کا واقعی یا تعبیری قبضہ۔

تفویض:۔ حنفی فقہا ہبہ کو فعل "تبرع" بتاتے ہیں جس کی رو سے کسی شئے میں حق مختص بلا بدل ہوتا ہے۔ ہبہ یا عطیہ کو وصیت سے ممتاز کرنے کے لیے ابن کمال مصنف فتح القدیر جائیداد پر ایک فوری (فی الحال) حق تفویض بتاتے ہیں۔ اسی طرح سیدی خلیل (مالکی فقیہہ) اس کو ایک عمل بخشش بتاتے ہیں اس طرح کہ مالک (بدل میں بلا کوئی چیز حاصل کئے ہوئے) بخشش کرتا ہے۔ شیعہ فقہا اس کے برعکس اسے عقد بتاتے ہیں جس کی رو سے واہب جائیداد کو ایک متعین غرض سے فوراً غیر مشروط طور پر بلا بدل بغیر کسی مذہبی یا دنیوی امر کی نیت کے منتقل کردیتا ہے۔ ہبہ تحریری یا زبانی ہو سکتا ہے۔ (قانون انتقال جائیداد ایکٹ ۴، ۱۸۸۹ء)۔

ہبہ زبانی قمر النساء بی بی بنام حسینی بی بی

پریوی کونسل نے بمقدمہ قمر النسابی بی بنام حسینی بی بی ایک ہبہ زبانی کو جب وہ تمام حالات سے ثابت ہو، جائز تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں میں ایک اور قسم کا عطیہ (صدقہ) بھی ہے یہ بھی اپنی نوعیت میں امر خیر ہے اور آخرت کے اجر کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ

کہلاتا ہے۔ اس کی اصل کلام پاک کی سورۃ ۲ آیت ۲۱ میں ملتی ہے: ”جو نیکیاں تم کرو گے (یا جو مال تم دو گے) خدا کے علم میں ہے“۔ تمام مکاتیب فقہ کے نزدیک ہبہ کی جہتیں ناقابل منسوخی ہیں لیکن ہم اس کی ترتیب کے مطابق ان پر اظہار خیال کریں گے۔

اصطلاحاً عطیہ کنندہ واہب کہلاتا ہے، عطیہ یابندہ موہوب لہ اور شئے ہبہ موہوب کہلاتی ہے۔

فصل سوم:۔ ہبہ کی اہلیت

ایک ہبہ جائز کی ضروری صفات یا بالفاظ دیگر عطیہ کی اہلیت جسے بر غبت تملیک کہہ سکتے ہیں وہی ہیں جو دوسرے کسی معاہدے کے جواز کے لیے ضروری ہیں۔ ہر وہ فعل جو کہ شرعاً تصرفات شرعیہ کے ذیل میں آتا ہے اس میں کسی حد تک رضامندی یا خوشی کا عنصر شامل ہوتا ہے اور جیسا کہ صحیح کہا گیا ہے یہ ایک ارادی فعل عقل ہے اور ذہن انسانی کے خیر اور شر دونوں کا توازن کرتا رہتا ہے۔ شرع کے تحت، ہر قانونی فعل ایک ”عقد“ ہے اور ہر فعل کا جواز اس شخص کی صلاحیت یا اہلیت پر منحصر ہے کہ وہ بخوبی آزادی سے اصلاً فعل کے نتائج پر غور کر سکے۔ اگر وہ شخص فی نفسہٖ خود عائد کردہ مجبوری اور اتفاقی عدم اہلیت کی وجہ سے اپنی رضامندی کھلے ذہن اور بعد غور کامل ظاہر کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس کا اقرار معاہدہ کالعدم اور باطل ہے۔

کسی انتقال جائیداد کے جائز ہونے کے لیے درج ذیل شرائط لازمی ہیں:

(۱) سن بلوغ (۲) فہم وادراک (۳) آزادی رائے (۴) شئے منتقلہ کی ملکیت۔

یہ شرائط محض ہبہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ تمام انتقالات جائیداد پر عائد ہوتی ہیں۔

سن بلوغ سے کم عمر والے اشخاص کو صغیر یا کم سن سمجھا جاتا ہے اور ان کو اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ وہ فہم وادراک کی کمی کے باعث خود کو پابند معاہدہ کر سکیں۔ عام طور پر نابالغی پندرھواں سال گذرنے پر ختم ہو جاتی ہے جب کہ ہر دو اصناف کے جوانوں کے لیے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ سن شعور پر پہنچتے ہیں۔ اسی لئے ایکٹ نمبر ۱۹، ۱۸۷۵ء کے نافذ ہونے سے قبل ایک پندرہ سالہ مسلمان اپنی جائیداد کے انتقال جائز کا اہل تھا مگر ایکٹ ۱۸۷۵ء کے نافذ ہونے سے قبل قانون نے بلوغ کے تین درجے تسلیم کئے ہیں۔

دفعہ نمبر ۳ ایکٹ ۱۸۷۵ء کی رو سے مسلم لا کے بہت سے مسائل متعلق شادی، مہر اور طلاق اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں مگر دوسرے قواعد کے مطابق بہت سے بالغ اشخاص کی عمر جو کورٹ آف وارڈس کی ولایت میں ہیں یا عدالت نے جن کا ولی مقرر کیا ہے انکی عمر بلوغ ۲۱ سال ہے۔ دوسروں کیلئے ۱۸ سال ر پہلی صورت میں کوئی شخص مسلم لا کے تحت ہبہ نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ ۲۱ سال کا نہ ہو گیا ہو اور مؤخر الذکر کی صورت میں ۱۸ سال کا نہ ہوا ہو۔ قانون بلوغ کی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک ہی شخص کے مختلف افعال سے اہم مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص پندرہواں سال ختم ہونے پر شادی کا معاہدہ مہر کی بابت کرنے سے مہر کی ادئیگی کے لیے جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت جو پندرہ سال سے زیادہ ہو مگر اس مدت سے کم نہ ہو جو ایکٹ میں بلوغ کے لیے مقرر کی گئی ہے، مجاز ہے کہ اپنے خاوند کے حق میں مہر ہبہ کرے یا خاوند کو مہر معاف کر دے۔

وہ معاہدے جو سفیہہ اور فاطر العقل کریں وہ باطل اور کالعدم ہیں لیکن جب کوئی شخص جو سفیہہ ہو مگر درمیانی دنوں میں تندرست رہتا ہو تو ان وقفوں کے درمیان اس کے افعال چند شرائط کے تحت جائز ہوں گے۔

ممانعت کے معاملات

ہدایہ کے مطابق ممانعت کے معاملات تین ہیں یعنی صغیر سنی، غلامی اور جنون۔ اکثر کتب ہائے فقہ میں ممانعت والے معاملات میں محض لفظ ''جنون'' استعمال ہوا ہے مگر متذکرہ مثالوں سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان طبقات کے لوگ جن کی قانون حفاظت کرتا ہے صرف وہی نہیں ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں سفاہت اور جنون میں مبتلا ہوں بلکہ وہ بھی ہیں جو اتفاقی واقعات کی بنا پر وقتی طور پر اپنی فہم کھو بیٹھے ہوں۔

لارڈ کوک نے مختلف درجوں کے لوگوں کا حوالہ دیا ہے جو کہ قانوناً سفیہہ اور فاتر العقل سمجھے جاتے ہیں یہ ان اصولوں کے لیے صحیح رہنما ہیں جن کے تحت مسلم لا کے مطابق ان لوگوں کے افعال جو عاقل نہ ہوں قانوناً ناجائز ہیں۔

سفیہ یا فاتر العقل

لارڈ کوک نے قانون کے مطابق جو فاتر العقل سمجھے جاتے ہیں ایسے اشخاص کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔(۱)وہ جو پیدائشی فاتر العقل اور احمق ہیں۔ (۲) وہ جن کی یادداشت اچھی اور حافظہ اچھا ہے مگر مشیت ایزدی سے اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ (۳) وہ جو پاگل ہوں مگر کبھی کبھی دماغی کیفیت ٹھیک ہو جاتی ہے اور بعض وقت فاتر العقل ہوتے ہیں (۴) وہ جو اپنے فعل سے ہی فاتر العقل ہو جائیں جیسے کہ شرابی ہوتے ہیں۔ آخری قسم کے لوگوں کے لیے اگر چہ یہ صحیح ہے کہ شراب نوشی ان کے افعال قانون کی خلاف ورزی کو ہلکا نہیں کرتی بلکہ جرم کو مزید سنگین بناتی ہے اور اس سے اس کو کوئی رعایت حاصل نہیں ہوتی لیکن قانون کی نظر میں اگر چہ ایک شراب خور کے افعال اور معاہدے کو فاتر العقل کے مقابلہ میں کوئی رعایت نہیں ملتی تاہم عدالت ہائے معدلت عارضی سفاہت کے دوران افعال اور معاہدے جو بر بنائے فریب یا جبراً کرائے گئے ہوں ان سے صرف نظر نہیں کرتیں۔خود ایک شراب خور کا خواہ کتنا ہی غلط طریقہ ہو لیکن فریق متعلقہ عدالت ہائے معدلت سے اپنے غیر اخلاقی اور فریبانہ طریقہ کے لیے کسی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔

شراب نوشی

شراب نوشی کی حالت میں کسی قول یا معاہدہ کو نظر انداز کرنے کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ شراب خور نشہ کی حالت میں تھا۔ یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ شراب خور نشہ میں اس درجہ کی حالت میں تھا کہ وہ فہم اور ادراک کھو بیٹھا تھااور ایسی حالت میں وہ قانوناً نہ اپنے قول یا معاہدہ کو بخوبی سمجھنے کا اہل تھااور نہ وہ اس کا پابند ہو سکتا تھا۔ اگر شراب نوشی کی وہ کثرت نہ ہو تو عدالت ہائے معدلت اس وقت تک مطلق مداخلت نہیں کریں گی تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ اس شخص کو شراب پلانے کی کوئی ایسی سازش کی گئی تھی تاکہ اس سے مدہوشی کی حالت میں ناواجب فائدہ یا نفع حاصل کیا جا سکے۔ عام طور پر عدالت ہائے معدلت مفاد عامہ کے تحت اس کی مدد نہیں کرتی ہیں جس نے دوسرے شخص سے عالم مدہوشی میں کوئی معاہدہ کیا ہو یا استفادہ حاصل کیا ہو۔ دوسری

طرف نہ وہ مدہوش فریق کی ذمہ داری کو ہلکا کرنا چاہتی ہیں جس نے حالت مدہوشی میں کوئی فعل یا معاہدہ کیا ہو۔ وہ فریقین کو عام طور پر اپنی اپنی قانونی چارہ جوئی کے لیے چھوڑ دیتی ہیں تا وقتیکہ بدنیتی یا جبر کی بنا پر کوئی کارروائی نہ کی گئی ہو۔ حالت نشہ کے متعلق شارحین قانون طبعی اور قانونی نے اس کو بطور ایک عام اصول اختیار کیا ہے۔ کہ وہ معاہدے جو اشخاص نے بالارادہ مے خواری کی حالت (نشہ) میں کئے ہوں وہ قطعی باطل ہیں۔ اس لئے کہ ان میں غور و فکر کے بعد رضامندی کے اظہار کی اہلیت نہیں ہوتی اسی طرح جیسی کہ پاگل یا فاترالعقل لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اصول Pefendoz اور Heincecius نے وضع کیا ہے اور اسی کو Pothior نے جو اعلیٰ ترین محققین میں سے ہیں بطور اصول تسلیم کیا ہے جس کے لیے کسی تمثیل کی ضرورت نہیں ہے Heinecious نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے بعض معقول نتائج اخذ کئے ہیں۔ اس کا قول ہے کہ معاہدہ کنندہ فریق کی حالت نشہ دو کیفیتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو اس کو نشہ بہت زیادہ تھا یا معمولی۔ اگر معمولی تھا اور اس کی فراست اس حد تک زائل نہیں ہوئی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ کس معاملے میں وہ کس سے معاہدہ کر رہا ہے تو ایسی صورت میں وہ پابند ہو گا لیکن اس کی حالت نشہ ایسی شدید تھی کہ اسے اس بات کا احساس ہی نہ رہا ہو کہ معاہدہ کنندہ فریق اس کو بدیہی فریب دے رہا تھا، تو اس تصفیہ کے لیے اسے کم از کم خود کو متہم کرنا چاہئے کہ اس نے ایک شخص سے ایسی حالت (نشہ) میں معاہدہ کیا۔

اسکاٹ لینڈ کے قانون میں اس فرق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسے اشخاص جو قطعاً مدہوش ہو کر اپنے حواس زائل کر چکے ہوں، وہ کسی معاہدے کے پابند نہیں ہوتے لیکن کمتر عرصہ نشہ کے معاہدے جس میں ذہن محض قدرے ماؤف ہوا ہو، منسوخ نہ ہوں گے۔

سفاہت

مندرجہ بالا صورتوں میں سے وہ صورت یہی ہے جب کہ کوئی شخص دیوانہ یا فاترالعقل نہ ہو تاہم ایسا سفیہ ہو کہ دھوکا دہی اکراہ یا دباؤ ناجائز سے خود کو نہ بچا سکے پس یہ قطعی بے معنی ہے کہ اسباب سفاہت کیا تھے، خواہ یہ عارضی علالت یا عام ضعفِ دماغ یا ذہنی کمزوری کی بنا پر یا پیدائشی کمزوری یا شدید بڑھاپے یا اتفاقی حادثات سے کمزوریوں کی

بنا پر ہوں جو یکا یک خوف و ہراس، عوارض جسمانی یا شدید مصائب سے لاحق ہوتے ہیں۔ اگر چہ مجنون یا فاتر العقل (فاتر الحواس) ہونے کا کوئی بدیہی ثبوت نہ ہو تا تاہم اگر وہ ضعیف العقل یا سفیہ یا زیادہ پریشان اور ستم زدہ ہے یا اس نے دستاویز اس حالت میں تحریر کی جب کہ وہ مستقیم تھا یا مرض سکتہ میں مبتلا تھا تو ایسی صورت میں یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے حواس ایسے بجا تھے کہ اس نے معاہدہ سوچ سمجھ کر کیا بلکہ قیاس کیا جائے گا کہ وہ آسانی سے فریب میں مبتلا کر دیا گیا۔ محض ضعف عقل یا سفاہت امتناع شرعی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایسے شخص کے افعال جو مجنون یا فاتر العقل نہ ہو تاہم کمزور ذہن کا ہو مگر بربنائے فریب نہ ہو، جائز ہیں۔

اس سلسلہ کی نظائر پر غور کرنے سے قبل مسٹر جسٹس اسٹوری کے الفاظ ذہن میں رکھنا ہوں گے جن کے ذریعے فاضل جج نے ان اصولوں کی وضاحت کی ہے جن کی بنا پر انگلستان کی عدالت ہائے چانسری ایسے بہت ہی کمزور ذہن اشخاص کے افعال کو نظر انداز کر سکتی ہیں جو اکراہ، ابرام یا دباؤ ناجائز سے فی نفسہ اپنی مدافعت میں قاصر ہوتے ہیں۔

حریت

جواز معاہدہ کی دوسری شرط حریت ہے۔ ایک غلام کے افعال بھی اسی طرح امتناع شرعیہ میں آتے ہیں جیسے کہ بچوں اور مجنون کے افعال لیکن ایک غلام اور ایک پاگل کی حالت میں فرق ہے۔ غلام کے افعال کی توثیق اس کا آقا کر سکتا ہے جس طرح کہ ایک بچہ کے افعال کی بعض صورتوں میں اس کا سرپرست۔ غلام اور بچہ کے افعال کی توثیق علی الترتیب اس کے آقا اور سرپرست کر سکتے ہیں مگر ایک مجنون کے افعال قطعاً کالعدم ہیں۔ ایک غلام کے افعال کے بارہ میں امتناع شرعیہ کے وجوہ بشرح و بسط ''ہدایہ'' میں دیئے گئے ہیں۔

بردہ فروشی چونکہ برٹش انڈیا میں کسی صورت میں بھی موجود نہیں ہے اگر چہ شرعاً اس کا جواز ہے مسئلہ کا اب یہ محض ایک قدامتی پہلو ہے اس سے ان طریقوں کا علم ہوتا ہے جو تہذیب جدید کی روشنی میں بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ نیز پیغمبر (عرب) ﷺ کے احکام شرعیہ کے صحیح تر مطالعہ کی بصارت بھی حاصل ہوتی ہے۔

غلامی سے جو عدم اہلیت پیدا ہوتی ہے اس سے غلام کی حیثیت قانونی ظاہر ہے۔وہ شرعاً ایک نابالغ کے مثل ہے جس کو شخص اہل سمجھا جاتا ہے چونکہ خود مختاری یا آزادی رائے میں عارضی نقص جو بوجہ جبر،دباؤیا زبردستی ہو،انسان کی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اسی لئے دباؤ ناجائز یا جبر کی بنا پر معاہدے جائز ہیں۔ بشرطیکہ شخص (معاہدہ کنندہ) نے دباؤ ناجائز یا جبر کے ختم ہونے کے بعد اس کی توثیق کر دی ہو۔

اکراہ یا جبر کا قاعدہ

فقہ اسلامی کی کتابوں میں ایک خاص باب "اکراہ" کے عنوان سے ان اصولوں کی توضیح پر ہے جو مسائل محولہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ اگر چہ دباؤ ناجائز کے متعلق چند اصول انگلینڈ کی عدالت ہائے نصفت (Equity) کے مسلمہ قواعد کے مقابلہ میں بادی النظر میں کم نظر آتے ہیں لیکن معاہدہ جو ایک آزاد، صحیح العقل اور بالغ نے کیا ہو اس کی تنسیخ کیلئے ضروری ہے کہ معاہدہ کرنے والا اس حالت میں تھا کہ وہ اپنی دھمکی کو عمل میں لا سکتا تھا اور وہ دھمکی فی نفسہ ایسی تھی جس سے ایک عاقل آدمی کا کردار متاثر ہو سکتا تھا۔ یہ قاعدہ معدلت کی دوسری صورت ہے۔ بالفاظ دیگر وہ دباؤ ناجائز ایسا تھا جس سے کہ یہ گمان ہو سکتا تھا کہ معاہدہ کنندہ کا واقعتاً اپنی آزادی فعل پر اختیار نہ رہے۔ایسی صورت حال میں اگر کسی فریق کی آزادی اس طرح متاثر ہو جائے کہ اس فریب یا جعل سے فائدہ حاصل کر سکے تو ایسے معاہدہ کا منسوخ کرنا قاضی کے لیے جائز ہے

اکراہ یا دباؤ بقول "ہدایہ" اس صورت میں اثر انداز ہوتا ہے جب کہ معاہدہ کرانے والا خواہ وہ سلطان ہو یا دیگر شخص مگر اتنا مقتدر ہو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرا سکے اسکی وجہ یہ ہے کہ اکراہ سے مراد وہ فعل ہے جو ایک شخص دوسرے سے جبراً کراتا ہے اور دوسرا شخص آزادی فعل ہوتے ہوئے بھی مجبور محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت تک واقع نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرے شخص کو خوف زدہ نہ کیا جائے اور مخوف کو اندیشہ نہ ہو کہ کوئی شخص اس سے بالجبر فعل کرانا چاہتا ہے اور اگر وہ نہیں کرے گا تو تخویف واقع ہوگی اور یہ خوف واندیشہ اس وقت تک جاگزیں نہیں ہو سکتا جب تک خوف دلانے والے کو خوف زدہ کرنے کی طاقت حاصل نہ ہو اور اس

طاقت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ طاقت سلطان میں ہی ہو یہ کسی بھی شخص میں ہو سکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مطابق سوائے سلطان کے کوئی اکراہ نہیں کر سکتا۔ اس سلسلہ میں یہ فاضلانہ رائے اختلاف زمانہ سے پیدا ہوئی ہے ورنہ اصلاً کسی اختلاف رائے کی بنا پر نہیں ہے اس لئے کہ ان کے زمانہ میں کوئی بھی شخص سوائے سلطان کے قدرت نہیں رکھتا تھا لیکن مابعد تبدیلیاں نوع انسان کے طریقوں میں واقع ہو گئیں۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اکراہ ثابت کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ جس طرح اکراہ کار تہدید کو بروئے کار لانے کے قابل تھا اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مخوف کو اس امر کا اندیشہ لاحق ہو کہ تہدید عمل میں آجائے گی اور یہ خوف مفروضہ ہی نہ ہو بلکہ اس شخص کا ظن غالب ہو کہ اکراہ کار وہی کر گزرے گا جس کی اس نے دھمکی دی ہے اور اس سے وہ فعل بہ جبر یا اکراہ کرائے گا جو کہ وہ کرانا چاہتا ہے۔

وہ شخص جس سے بالاکراہ معاہدہ کرایا گیا ہو بعد میں اس کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس غرض سے کسی دوسرے کو زخمی کرنے یا ضرر رسانی یا قید کا مرتکب ہو کہ وہ اس شخص کے حق میں ایک ہزار روپیہ قرضے کی تحریر لکھ دے یا مکان کرائے پر دے یا دوسرا شخص اس کے منشا کے مطابق جائیداد خریدے وغیرہ وغیرہ یہ سب اکراہ کی تعریف میں آئے گا۔ مابعد یہ اس کی صواب دید پر ہے کہ اس معاہدہ بالاکراہ پر وہ عمل کرے یا فسخ کر دے اور اشیاء فروخت شدہ لے لے یا واپس کر دے۔ اس لئے کہ جواز معاہدہ کے لیے ہر دو فریق کی رضامندی شرط لازم ہے اور یہاں یہ صورت موجود نہیں ہے اس لئے معاہدہ بھی تاوقتیکہ اکراہ برائے نام نہ ہو ناجائز ہے۔ یہ اصول اکراہ اس صورت میں منطبق نہیں ہوتا جب کہ اکراہ محض ایک معمولی ضرب یا ایک دن کی قید ہو۔ اس لئے کہ اس نوعیت کے ضرر یا قید سے خوف پیدا نہیں ہوتا پس اکراہ ایک ہی ضرب یا ایک دن کی قید سے نہیں بنتا تاوقتیکہ خوف دلانے والا ذی مرتبہ نہ ہو کیوں کہ اس کے لیے یہ ضرر محض مضرت رساں یا توہین آمیز ہوگا۔ شخص مذکور پر اکراہ محض ضرر کی شدت سے قائم ہو جاتا ہے اور اس کی رضامندی اس سے ضائع ہو جاتی ہے۔

درالمختار میں بھی بعینہٖ یہ اصول دیے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ مکمل اکراہ کے لیے

چار شرطیں ضروری ہیں۔

ا۔ کہ مجبور کرنے والا باد شاہ ہو یا کوئی رہزن ہو جو تہدید کو بروئے کار لانے کی طاقت رکھتا ہو۔

۲۔ کہ شخص مجبور مخوف کو یہ قوی اندیشہ ہو کہ تہدید بروئے کار آئے گی۔

۳۔ کہ تہدید اس نوعیت کی ہو کہ اس کی آزادی رائے سلب ہو جائے۔

۴۔ مخوف سے وہ فعل کبھی سرزد نہ ہوتا الا تخویف یا تہدید کی وجہ سے۔

پس ان حالات میں کوئی بھی فعل مثلاً خرید و فروخت اقرار قرضہ یا کرایہ داری کو مخوف بعد رفع اکراہ منسوخ کر سکتا ہے۔ حق قانونی مجبور مخوف یا مخوف کی موت سے زائل نہیں ہوتا اور نہ بائع کا حق زائل ہوتا ہے۔ اگر جائیداد کسی تیسرے شخص کو فروخت کی گئی ہے تو زائل ہو جاتا ہے خواہ جائیداد فروخت شدہ کے بارہ میں علیحدہ کارروائی بھی ہوئی ہو۔ بلکہ جائیداد واپس کر دی جائے گی۔ اگر چہ کئی جگہ منتقل ہو چکی ہو مگر مجبور یا مخوف کو تصدیق معاہدہ کا حق ہے جو قولاً (واضح الفاظ) میں فعلاً مثلاً، عملاً (رقم کے قبول یا تسلیم کرنے سے) ہو جاتی ہے۔

شرع محمدی میں مثل قانون انگلینڈ اکراہ واقعی قید یا نظر بندی یا دھمکی تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام امور پر حاوی ہے، جن میں کسی شخص کی آزادی رائے سلب ہو گئی ہو اور وہ فی نفسہ یا کسی دوسرے شخص کے بارہ میں انتہائی خوف یا اندیشہ کی وجہ سے مجبور ہو یا کسی شدید ضرورت یا ابتلا کا لاحق ہونا یا فریقین معاہدہ کے درمیان شدید نوعیت کی غلط فہمی واقع ہونا یا ایک شخص کا دوسرے شخص پر فریب کارانہ اثر ڈالنا یہ سب اکراہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

شرع محمدی میں واہب سے متعلق اشخاص پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی بابت کوئی مختص قواعد نہیں ہیں بلکہ عام طور پر انگلینڈ کی عدالت ہائے معدلت کے مسلمہ اصولوں ہی پر ایسی صورتوں میں عمل ہوتا ہے۔ بلکہ عدالت العالیہ بمبئی نے تو اس حد تک کیا کہ وہ ہبہ جو انگلستان کی عدالت ہائے معدلت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف تھے ان کو ناجائز قرار دے دیا۔ یہ ہبہ ان اشخاص کے حق میں تھے جو کہ واہب سے قریب تھے، حالانکہ واہبہ ایک مسلمان خاتون تھی اور قانون شرع کے مطابق جائز وجہ بھی موجود

تھی۔ یہی اصول پریوی کونسل کی جوڈیشنل کمیٹی نے بمقدمہ توقیر الدین تواڑی بنام نواب سید علی حسین خان میں طے کیا۔

شئے موہوبہ کو واہب کی جائیداد ہونا چاہئے۔

توقیر الدین تواڑی بنام نواب سید علی حسین

جواز ہبہ کی ایک یہ بھی شرط ہے کہ شئے موہوبہ واہب کی ملک ہونا چاہئے ورنہ ہبہ فی نفسہ باطل ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ شئے موہوبہ ایک ہی شخص کی جائیداد ہونا چاہئے اس لئے کہ ایک مشترکہ جائیداد ہبہ نہیں ہو سکتی اور کسی شخص کے لیے جو خود اصل جائیداد کا مالک نہ ہو اس شئے کا کسی اور کو مالک بنا دینا ناممکن ہے۔ بالالفاظ دیگر جس پر کوئی حقوق ملکیت ہی حاصل نہ ہو سکیں، مثلاً ہوا یا سمندر کا پانی۔ ایک مزید شرط یہ ہے کہ جائیداد واہب کی مملوکہ ہونا چاہئے اس لئے کہ واہب کسی شخص دیگر کو اس شئے کا مالک نہیں بنا سکتا جو کہ تیسرے شخص کی ملکیت ہو۔

ہبہ دو طرح سے عمل میں آتا ہے۔ یا تو کسی جائیداد پر انتقال حق (تملیک) سے یا تنسیخ وادائیگی سے۔ مقروض پر قرضے کی رقم کا ہبہ مؤخرالذکر نوعیت میں آتا ہے۔ درالمختار میں یہی اصول بالاختصار دیئے گئے ہیں۔

جواز ہبہ کی شرائط یہ ہیں کہ واہب اپنی آزاد مرضی سے ہبہ کرے، وہ بالغ ہو اور بحیثیت مالکانہ وہ جائیداد پر قابض ہو۔ اس لئے کہ کسی نابالغ یا غلام کا ہبہ خواہ و مکاتب ہو ناجائز ہے۔

مزید یہ کہ شئے موہوبہ جائیداد واہب سے اس طرح جدا ہو کہ بلا کسی اشتباہ کے اس پر قبضہ ہو سکے۔ وہ قطعاً علیحدہ ہو اور ملکیت واہب کی کوئی چیز اس میں شامل نہ ہو۔

ہبہ کا بنیادی اصول اعلان ہبہ اور اس کا منظور اور قبول کرنا ہے جس کا قانونی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واہب موہوب الیہ کو جائیداد پر حق ملکیت چند مستثنیات کے تابع کلیتاً تفویض کر دیتا ہے۔

دیوالیہ کی حالات میں کسی شخص کا ہبہ کرنا

دیوالیہ واہب: آیا کوئی شخص جو دیوالیہ یا نہایت مقروض ہو، جائیداد ہبہ کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے مالکی و حنفی اماموں نے دو مختلف طریقوں سے جواب دئے ہیں۔ اگرچہ دونوں امام نتیجہ میں متفق الرائے ہیں۔

مالکیہ کے مطابق ایسا شخص جو حالت افلاس یا انتہائی مقروض (مستغرق) ہو وہ اپنی جائیداد کے منتقل کرنے کے لیے تابع ہے۔ ایسی صورت میں ایسے حالات والے شخص کا ہبہ مالکیہ اصول کے مطابق غیر موثر ہے۔ مگر حنفیوں کے مطابق یہ کوئی عدم اہلیت نہیں ہے تاہم قاضی قرض خواہوں کی تحریک پر بشرطیکہ ہبہ ان کو محروم کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا منسوخ کر سکتا ہے۔ یہ اصول قانون انگلینڈ کے اصول کے مطابق ہے جس میں کہ ایسے انتقالات جو قرضداروں کو عمداً محروم کرنے کی غرض سے کئے ہوں، لائق استرداد قرار دئے گئے ہیں۔ انگلش نظائر جو قانون انتقال جائیداد میں مندرج ہیں، حنفی قانون کے ان اصولوں کو واضح کرتے ہیں۔

بدنیتی

محض مقروض ہونا یا یہ امر کہ واہب مشکل حالات میں مبتلا تھا اس امر کے لیے وجہ کافی نہیں ہے کہ کسی ہبہ کو ناجائز قرار دیا جائے یا اس سے واہب کی بدنیتی اخذ کی جائے جس کی بنا پر ایسے انتقالات منسوخ کئے جا سکتے ہوں۔ منسوخ قرار دینے کے لیے یہ بتانا ہوگا کہ جب ہبہ کیا گیا تو بلا رقم دیا ہوا قرضہ تھا اور واہب اگر دیوالیہ نہ بھی تھا تو اتنا زیادہ مقروض تھا کہ عدالت کو یہ باور کرایا جا سکے کہ ان لوگوں کے ساتھ واہب کا منشا فریب کا تھا جو بوقت ہبہ اس کے قرض خواہ تھے۔

قرضہ کی نوعیت

ایسے قرض کی نوعیت جس سے کہ فعل انتقال جائیداد کالعدم ہو جاتا ہے وہ مختصراً اس طرح ہے کہ واہب کا منشاء ایمان داری سے موہوب الیہم کی بسر اوقات کا انتظام یا جائیداد کو اپنی دسترس سے دور رکھنا نہیں تھا بلکہ اپنے خلاف واجب الادا جائز مطالبات کے دعوے سے قرض خواہوں کو محروم کرنا تھا۔ لیکن فیصلہ کے وقت اتنی

جائیداد کی موجودگی جو ہبہ میں شامل نہ ہو اور ادائیگی قرض کے لیے کافی ہو، بدنیتی کی تردید کر دے گی۔ قانون شرع کے مطابق قرض خواہاں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایسے شخص کے انتقال جائیداد پر اعتراض کریں بوقت منتقلی جائیداد مقروض نہ تھا۔

خاندانی تملیک نامے

ایسے انتظامات جائیداد جو دیانت دارانہ طریقہ پر خاندانی انتظامات کے سلسلہ میں ہوں انگلینڈ کی عدالت ہائے معدلت کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں اور الزبتھ اسٹیٹیوٹ کے تحت نہیں آتے تاوقتیکہ قرض خواہاں کے حقوق میں بالراست مداخلت نہ ہو۔

یہ عام رواج ہے کہ جائیداد سے متعلق مستقبل کے نزاعات کو روکنے کی غرض سے جائیداد کو حین حیات ہی تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایسے انتقالات خاندانی تملیک کی نوعیت کے ہوتے ہیں اور دستاویزات جن کے ذریعے یہ انتقالات کئے جاتے ہیں تملیک نامے کہلاتے ہیں۔ بعض وقت واہب پرورش یا گذارہ خود کے لیے منتقل شدہ جائیداد میں اپنا حق یا محدود مفاد محفوظ کر لیتا ہے۔ اکثر منتقل جو الیہم اگر وصی واہب کے وارث بننے والے ہوں، قلیل حصہ لیتے ہیں اس کے مقابلہ میں جو وہ واہب کے بلا وصیتی انتقال کی صورت میں حاصل کرتے۔ ایسے انتقالات بھی خاندانی انتقالات کی نوعیت میں ہی آتے ہیں۔

شرع محمدی کے مطابق بدل سے (خواہ کتنا ہی قلیل ہو) نوعیت ہبہ تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ ایک ہبہ سادہ یا خالص عطیہ نہیں رہتا ایسی صورت میں واہب کو حق ملکیت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک انتقال یا بدل ہے جس میں تفویض قبضہ ضروری نہیں ہے۔ قرض خواہوں کے نزدیک ایسے انتقالات بر بنائے فریب کہاں تک قابل گرفت ہیں ان پر ہم بعد میں روشنی ڈالیں گے۔

ایسا انتقال جو بر ضامندی بربنا نیک نیتی ہو اور قبضہ بھی دیدیا گیا ہو تو بعد والے خریدار کے حق میں مئوثر ہے۔ قانون انتقال جائیداد سے قبل اس ملک میں 27Eliz caf IV کا (علاوہ پریسیڈنسی ٹاؤن کے) اطلاق نہیں تھا۔ تاہم ایکٹ ہذا کی دفعہ نمبر ۵۳ اس اصول پر مبنی ہے جس کی 27 Eliz caf IV میں وضاحت کی گئی ہے۔

ایکٹ مذکور کا باب ۲ شرع محمدی کے کسی قانون پر اثر انداز نہ سمجھا جائے گا۔

شادی شدہ عورت کے انتقالات

ایک شادی شدہ عورت دوران ازدواج جائیداد منتقل کرنے سے ممنوع نہیں ہے۔ وہ اپنی جائیداد کا اسی طرح استعمال کر سکتی ہے گویا کہ وہ اس کی مطلقاً مالکہ ہے۔ ایک مسلمان بیوہ کے اس جائیداد میں (جو اسے متوفی شوہر سے ملی ہے) وہ حقوق مالکانہ متوفی کے ورثا سے متأثر ہوں گے جیسا کہ ہندو قانون میں ہے۔ وہ بحالت صحت جس کو جی چاہے جائیداد منتقل کر سکتی ہے۔

فصل چہارم:۔ مرض الموت میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ

مرض الموت

(مرض الموت میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ)

امراض مہلک میں مبتلا اشخاص کی جانب سے ہبہ کی بابت مختلف مذاہب میں مختلف طریقہ ہائے کار ہیں۔ مالکیہ کے مطابق ایسے حالات میں انتقال جائیداد ناجائز ہے۔

جامع الشتات کے مطابق جو مسلک شافعی کی ممتاز کتاب ہے ایک ایسے شخص کا ہبہ جو مرض مہلک میں مبتلا ہو اور اسکی موت واقع ہو جائے تو تمام جائیداد کا ہبہ جائز ہے بشرطیکہ واہب کے ہوش و حواس درست ہوں اور اس نے قبل از انتقال قبضہ دیدیا ہو۔

ا۔ ایک مرض الموت میں مبتلا شخص بدرستی ہوش و حواس اگر تمام جائیداد کسی دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے تو کیا ایسی حالت میں اسکی تمام جائیداد کا ہبہ جائز ہوگا یا ایک ثلث کا۔

۲۔ جواز ہبہ کے لیے موہوب الیہ کا قبضہ لازمی ہے یا محض ایک جزو جائیداد پر قبضہ پوری جائیداد موہوبہ کے لیے مؤثر ہوگا۔ اگر موہوب الیہ شئے موہوبہ پر قبضہ پانے کے بعد شئے مذکور کسی گھر میں مقفل کرنے کے بعد تحویل واہب میں چھوڑ دے یا مکان ہبہ کی صورت میں بوجہ علالت اس میں سوتا ہے حالانکہ مکان موہوب الیہ کے قبضہ میں ہے تو کیا قانوناً یہ قبضہ کافی ہے اسی نہج کے سوالات کا جواب اس طرح ہے۔

ا۔ ہبہ کے لیے کل جائیداد پر قبضہ ضروری ہے اور بلا قبضہ ہبہ غیر مؤثر ہے۔

۲۔ اگر قبضہ دہانی سے قبل واہب کا انتقال ہو جائے تو ہبہ باطل ہے تاوقتیکہ موہوب الیہ صغیر سن ہو اور واہب اس کا سرپرست نہ ہو۔ اس کے لیے سرپرست کا قبضہ نابالغ کے قبضہ کے مساوی ہے اور اس کے لیے جداگانہ قبضہ کی ضرورت نہیں ہے، ایک جزو جائیداد پر قبضہ تمام جائیداد پر موثر نہیں ہے۔

۳۔ شئے موہوبہ پر اگر واقعی قبضہ لے لیا گیا ہے تو یہ کافی ہے خواہ شئے مذکور واہب کے مکان میں رکھ دی گئی ہو۔ مکان کے ہبہ کے سلسلہ میں اگر موہوب الیہ نے واضح اور مکمل قبضہ لے لیا ہے تو ایسی صورت میں واہب کی رہائش بوجہ رواج یا علالت جواز ہبہ پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

شیعہ اصول اور شرائع الاسلام

"شراعیہ" میں یہ اصول اس طرح درج ہے۔

اگر کوئی شخص مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہبہ کرے مگر بعد میں صحت یاب ہو جائے تو ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر اس مرض میں انتقال کر جائے اور اس کے ورثا ہبہ کے لیے رضامند نہ ہوں تو یہ ہبہ بقدر ثلث حدیث صحیح کے مطابق جائز ہے۔ اس لئے کہ بظاہر واہب کی موت کے قبل ہی موہوب الیہ کو قبضہ دیدیا گیا تھا۔ اسی طرح دوسری جگہ یہ امر مذکور ہے کہ اگر واہب کا ہبہ کے مطابق قبضہ دہانی سے پہلے انتقال ہو جائے تو جائیداد پر اصول میراث عائد ہو گا۔

حنفی اصول

حنفی مسلک کے مطابق اس شخص کا انتقال جائیداد جو ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ وہ عام طور پر مہلک سمجھا جاتا ہے (جس میں بالآخر اسکا انتقال ہو جائے) صرف جزواً موثر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کی موت کا اندیشہ لاحق تھا یا اس کی حالت مرض میں دیگر حالات ایسے تھے جن سے کہ موت کا خطرہ لاحق تھا۔ درالمختار کے مصنف کے مطابق مرض کا محض عام طور پر مہلک ہونا ہی قابل غور نہیں ہے بلکہ فیصلہ کن امر یہ ہے کہ آیا بیمار کے ذہن پر موت کا تاثر تھا۔ اس نوعیت کے مرض کو مرض الموت یا موت کی بیماری کہا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک طویل عرصہ سے مریض ہو یہاں تک کہ مرض اس کے جسم

کا جزو بن گیا ہو یا مرض کی رفتار ایسی غیر محسوس ہو جس سے موت کا کوئی اندیشہ معلوم نہ ہو تو ایسی علالت مرض الموت کی تعریف میں نہیں آتی۔ ایسے شخص کے انتقال جائیداد کی بابت جو مرض مہلک میں مبتلا ہو قانوناً یہی قیاس ہوتا ہے کہ ان حالات میں انتقال جائیداد خاص کر ہبہ کا منشا یہ نہیں ہے کہ ورثا کو ان کے حقوق وراثت سے محروم کر دیا جائے بلکہ ان کے حقوق قانونی محفوظ رہنے چاہئیں تاکہ انتقالات عام اصول وراثت کی حد سے متجاوز نہ ہوں۔ پس مرض الموت میں مبتلا شخص کا ایک غیر وارث کے حق میں ہبہ اس کی جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ اسی وقت موثر ہوگا جب کہ دوسرے ورثا رضامند ہو گئے ہوں۔ اگر کسی وارث کے حق میں ہبہ کیا گیا ہے تب وہ بھی قطعی غیر موثر ہے تاوقتیکہ دوسرے ورثا اس کو منظور نہ کر لیں۔

مرض الموت میں کیا گیا ہبہ

مرض میں مبتلا شخص کے انتقالات کا اثر مریض کی دماغی حالت پر مبنی ہے۔ اس لئے فقہا نے کم و بیش آزمائشاً بعض معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً یہ کہ آیا انتقالات کے وقت مریض موت کے خوف میں مبتلا تھا؟ جو بقول ایک فاضل ہندوستانی جج دور جدید میں علم تشخیص سے قبل یہی ایک ممکن طریقہ تھا۔ مابعد ان علامتوں اور حالات کی نشاندہی بھی ہونے لگی جن سے کوئی بھی شخص نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ مرض ایسا تھا جس سے مریض کے دماغ میں موت کا خوف پیدا ہو سکتا تھا یا پیدا ہوا لیکن اس تجرباتی طریقہ کو مریض کے مرض یا اس کی ذہنی کیفیت کی جانچ کے لیے قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حسب درالمختار ایسے شخص کا ہبہ جو پیچش میں مبتلا ہو کلیتاً جائز ہے بشرطیکہ مدت مرض ایک سال سے زیادہ ہو اور موت کا اندیشہ نہ رہا ہو۔ لیکن اگر یہ مرض ایک سال سے زیادہ کا نہ ہو اور مریض کو اندیشہ موت ہو تو ہبہ محض ایک ثلث کے لیے موثر ہوگا۔ درالمختار میں اس اصول کی وجہ یہ بتائی گئی ہے جب کہ کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جو کہ عام طور پر ایک سال کے بعد مہلک ہوتا ہے، تاہم مریض کے ذہن پر اندیشہ کا تاثر نہیں ہوتا، اس طرح کہ یہ فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ بقول بعض مرض الموت ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کو اس کے حوائج ضروریہ کے ناقابل بنا دیتی ہے تاہم مرض الموت کی بابت یہ

اصول مسلمہ ہے کہ وہ ایسا مہلک مرض ہے جس میں اندیشہ موت ہو خواہ مریض صاحب فراش نہ ہوا ہو۔ کاہستانی کا یہی قول ہے۔

جب کوئی مرض یوماً فیوماً نہیں بڑھتا یا مریض کی عادت بن جاتی ہے جیسے کہ ایک اپاہج اور نابینا کو موت کا خوف نہیں ہوتا بلکہ مرض الموت ایک ایسا مرض ہے جس میں موت کا اندیشہ غالب ہوتا ہے اور مریض کی حالت روز بروز بدتر ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے مگر حالت مریض ایک نہج پر قائم ہو جاتی ہے اور اس سے اندیشہ موت نہیں رہتا جیسے کہ ایک نابینا کی صورت میں اور علاج بھی نہیں کیا جا سکتا، تو یہ مرض الموت کے زمرہ میں نہیں آتا۔

یہ قول کہ اگر کوئی مرض ایک سال سے زیادہ مدت کا ہو تو وہ مرض الموت نہیں ہے، یہ کوئی قانونی کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ تو محض ایک عام اصول کی وضاحت ہے اس لئے کہ کوئی بھی مسلسل بیماری بلا مزید شدید کیفیت کے خواہ موت کا اندیشہ ظاہر ہوتا ہو اس کو مرض مہلک قرار نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اگر مدت طویل ہو اور یکایک طبیعت خراب ہو کر مریض صاحب فراش ہو جائے تو یہ مثل ایک نئے مرض کے ہو گا۔ بالفاظ دیگر مریض کے ذہن میں موت کا خوف پیدا کرنے والا سمجھا جائے گا اور اس حالت میں اس کے افعال (اس مرض سے موت واقع ہونے کی صورت میں) ایک ثلث جائیداد ہی کے لیے موثر ہوں گے۔

مرض الموت میں مبتلا شخص کا طلاق دینا

فتاوائے قاضی خان میں ایسی عورت کے حقوق کو جس کو مرض مہلک میں مبتلا خاوند نے طلاق دیدی ہو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

اگر کوئی شخص بیماری سے اس قدر ناتواں ہو چکا ہے کہ صاحب فراش ہو کر اپنے خارجی معاملات کے انتظام کے نااہل ہو گیا ہو اور اس کی علالت روز بروز بڑھ رہی ہو تو فریق ثانی یعنی اس کی بیوی اس کی جائیداد میں حصہ پائے گی۔ اس لئے کہ اس کی حالت سے اغلب نتیجہ موت ظاہر ہے۔ اور اگر ایسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کو گریزیا (پہلو تہی) قرار دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص باوجود علالت اپنی روزانہ مصروفیات کی انجام دہی کے قابل ہے خواہ اس بیماری میں بالآخر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کو مرض الموت میں مبتلا نہ سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص فالج یا پیچش میں مبتلا ہوا اور مرض میں اضافہ ہو کر بیماری زیادہ عرصہ رہے مگر شدید نہ ہو تو مریض کو تندرست قرار دیا جائے گا۔ بعض فقہا کا یہ اصول ہے کہ مرض خواہ کیسا ہی مہلک ہو اگر ایک سال سے زائد تک رہا ہو تو اس کو مرض مہلک قیاس نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کی مریض اس کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنی حالت کے متعلق اسے کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔

یہی کلیہ درالمختار میں دیا گیا ہے اور بزازیہ کی سند سے بتایا ہے کہ کوئی شخص موت کے فوراً اندیشہ کی حالت میں ہو خواہ خوف یا کسی اور سبب سے ہو حتیٰ کہ بوجہ علالت مریض اس قدر ناتواں ہو گیا ہو کہ گھر سے باہر اپنی روز مرہ کی ضرورتیں بھی انجام دینے سے قاصر ہو۔ مثلاً ایک نمازی سجدہ کرنے سے، ایک تاجر دوکان پر جانے سے، ایک خاتون اندرونِ خانہ مصروفیتوں کو پورا کرنے سے۔ یہ مرض الموت ہے۔

مجتبٰے کے حوالے سے مزید بتایا گیا ہے کہ جب علالت اس قدر شدید ہو جائے کہ مریض کو بغیر کھڑے ہوئے (حالت نشست میں) نماز کی اجازت ہے، مرض الموت خیال کرنا لازمی ہے۔

بقول درالمختار جب منظومہ کے مصنف سے مرض الموت کی تعریف دریافت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ مرض الموت بہت سے ہیں۔ حنفی علمانے فضلی کے مقررہ اصولوں کو ہی تسلیم کیا ہے یعنی جب کوئی شخص اپنی ضرورت کے لیے گھر سے نکلنے سے معذور ہو یا کوئی عورت اپنے گھریلو مشاغل کی تکمیل میں اٹھنے بیٹھنے میں دشواری محسوس کرتی ہو تو یہ موت کی علامت ہے۔ مرض الموت کا یہ اصول صرف انتقالات جائیداد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ طلاق پر بھی حاوی ہے۔ مثلاً مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق قطعی بھی دیدے تب بھی وہ دوران عدت اپنے حق ورثہ سے محروم نہیں ہو گی۔

فتاوائے عالمگیری کے باب ۴ (ہبہ و مریض) میں یہ اصول کچھ تفصیل سے دئے گئے ہیں۔ اولاً اصل کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ وہ شخص جو مرض الموت میں مبتلا

ہو اس کا ہبہ یا صدقہ (جس کی تعریف بعد میں دی گئی ہے) بلا دخل قبضہ کے موثر نہیں ہے اور اگر قبضہ حاصل بھی کر لیا جائے تو وہ محض ایک ثلث کے لیے جائز ہے۔ اگر قبضہ دہانی سے قبل واہب کا انتقال ہو جائے تو پورا انتقال نا جائز ہو گا۔ اس لئے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مریض کا کیا ہوا ہبہ وصیت نہیں ہے اس لئے ورثا کے استحقاق کی بنا پر جو انہیں مریض کی جائیداد پر ہے حق انتقال صرف ایک ثلث تک محدود ہے اور بوجہ فعل ہبہ شرع کی مقررہ حد تک ہی بقدر ایک ثلث موثر ہے اور چونکہ یہ انتقال عطیہ ہے اس لیے ہبہ سے متعلق شرائط لازم آتے ہیں جن میں واہب کی جائیداد پر موہوب الیہ کا قبضہ پانا ضروری ہے اور ''محیط'' میں بھی یہی ہے۔ اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص موہوب الیہ کو موہوبہ مکان پر قبضہ دہانی کے بعد انتقال کر جائے اور معلوم ہو کہ اس کے علاوہ اس کی کوئی جائیداد نہ تھی تو ہبہ ایک ثلث تک جائز ہو گا اور بقیہ ۲/۳ ورثا کو لوٹا دیا جائے گا۔ اور یہ اصول تمام ہی جائیدا موہوبہ پر لازم ہو گا۔ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہیں ''مبسوط'' میں یہی ہے۔

اگر کوئی مریض ایک ثلث سے زیادہ جائیداد کا ہبہ کرتا ہے تو موہوب الیہ کو ایک ثلث سے زیادہ واپس کر دینا چاہئے کیونکہ واہب اس سے زیادہ ہبہ کا مجاز نہیں ہے۔

ایک مریضہ اپنے مہر کا ہبہ اپنے شوہر کے نام کرتی ہے اور وہ مرض سے صحت یاب ہو جاتی ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر اس مرض میں وفات بھی پا جائے تب بھی ہبہ جائز ہو گا بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو لیکن اگر وہ مرض الموت میں مبتلا تھی تو وہ ہبہ بلا ورثا کی رضامندی کے جائز نہ ہو گا۔ مرض الموت کی تعریف جو مستند سمجھی گئی ہے وہ اس طرح ہے۔

ہبہ (فی حد مرض الموت) مرض سے یہ اندیشہ غالب ہو کہ موت واقع ہو جائے گی تو مرض الموت کی تعریف میں آتا ہے خواہ صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ ابواللیث کی رائے بھی یہی ہے۔ ''جواہر النیّرہ'' میں ہے کہ جب کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو یہی مرض الموت کی تعریف ہے۔

ایک مریضہ اپنے خاوند کو ہبہ مہر کر کے انتقال کر جاتی ہے تو ابو جعفر فقیہ کے مطابق اگر بوقت ہبہ وہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کھڑی ہو سکتی تھی اور بغیر کسی سہارے

کے اٹھ سکتی تھی تو وہ تندرست کی تعریف میں آئے گی اور ہبہ جائز سمجھا جائے گا۔
فتاوائے قاضی خان میں یہی درج ہے۔ ایسا شخص جو معذور، مفلوج، یا مدقوق، ماؤف ہو اور مرض طویل و مسلسل ہو مگر موت کا کوئی قریبی خطرہ نہ ہو تو وہ مرض الموت میں مبتلا نہیں سمجھا جائے گا۔ تابعین کی کتاب ''وصایا'' میں درج ہے:
ایک حاملہ عورت کے انتقالات اپنی جائیداد کے ایک ثلث تک جائز ہیں مگر اس کے صحت یاب ہونے پر تمام انتقالات جائز ہیں۔
''جواہر النیرۃ'' میں درج ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت دوران حمل اپنا مہر خاوند کے حق میں ہبہ کرتی ہے اور دوران نفاس فوت ہو جاتی ہے تو وہ ہبہ نہیں ہے۔
ایسا ہی سراجیہ میں درج ہے اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی عورت خاوند کے حق میں ہبہ کرتی ہے اور وہ اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے مگر چونکہ اس کی موت تک ہبہ جائز ہے اس پر دعویٰ نہیں کر سکتی لیکن اگر عورت کا اس مرض میں انتقال ہو جائے تو اس کے ورثا مہر کا دعویٰ کر سکتے ہیں جیسا کہ ''کیمیا'' میں حوالہ ہے ایک متوفی خاوند کے حق میں مہر کا ہبہ بصورت استحسان جائز ہے (قانون کی وسیع توضیح کے مطابق ایسا ہی سراجیہ میں ہے)۔ ایک حاملہ عورت کا فعل ہبہ اس کی ۱/۳ جائیداد تک موثر ہو سکتا ہے اسی طرح جب آدمیوں کے دو گروہ (الطائفین) خونخوار جنگ میں مبتلا ہوں اور دونوں ہی ہم پلہ ہوں یا ایک دوسرے پر غالب ہوں ان حالات میں مرض الموت کا اصول لاگو ہوتا ہے۔
بالفاظ دیگر ان دو گروہوں میں سے کسی ایک کا فعل تیسرے کے لیے مثل ایک میراث کے موثر ہوگا۔ لیکن اگر وہ واقعی نبرد آزما نہ ہوں تو ایسا نہ سمجھا جائے گا۔
اگر کوئی شخص ایسے سمندر میں سفر کر رہا ہو جسے کوئی خوف نہ ہو لیکن جب طوفان کی لہروں سے مغلوب ہو کر موت کا اندیشہ ہو یا کوئی شخص ایسے جرم میں جس کی سزا موت ہے، مقید ہو، اسی خوف میں مبتلا سمجھا جائے گا۔ یہ اصول مرض الموت میں مبتلا اشخاص کے (باب الطلاق) میں بہتر طریقے پر دئے گئے ہیں۔ یہ واقعات ایسے نہیں جن سے موت کا خطرہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی دشمن سے جنگ آزما ہونے کے لیے بڑھتا ہے یا پھانسی دینے کے لیے لایا جاتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ حق وراثت سے محروم نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر وہ ایسے جہاز پر سفر کر رہا ہو جو تباہ

ہو گیا اور وہ خود کو ایسے تختہ پر پائے جس کے فوری ڈوبنے کا خطرہ ہو ایسی صورت میں اس کی بیوی کا حق ضائع نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ کسی جنگ آزما فوج میں عہدہ دار ہونے یا بحالت جیل حکم موت یا جہاز کی بربادی کے قبل طلاق دیدیتا ہے تو یہ موثر ہوگا اس لئے کہ ان حالات میں زیست کی امید باقی ہے۔

اگر چہ مرض الموت کے موضوع پر ابتدائی نظائر میں کسی حد تک غلط فہمی ہوئی ہے مگر کلکتہ و بمبئی، ہائی کورٹ کے فیصلوں نے ان اصولوں کو مناسب طریقوں پر واضح کر دیا ہے۔

(بمقدمہ حسرت بی بی بنام غلام جعفر)

ایک ہبہ پر اس لئے اعتراض کیا گیا کہ جائیداد مرض الموت میں ہبہ کی گئی تھی۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے اس امر کو طے کرنے کے لیے کہ آیا مریض مرض الموت کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں درج ذیل سوالات مرتب کئے۔

۱۔ آیا واہب بوقت ہبہ ایسے مرض میں مبتلا تھا جو اس کی فوری موت کا باعث تھا؟

۲۔ آیا مرض اس قسم یا اس نوعیت کا تھا جس سے مریض کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ مر جائے گا؟ یا اسے موت کا اندیشہ ہو گیا تھا؟

۳۔ آیا مرض ایسا تھا جس سے مریض اپنی روز مرہ کی مصروفیت یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور تھا؟ اور یہ ایسی صورت حال تھی جس سے مریض کے ذہن میں موت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا؟ کیا مرض اتنی طویل مدت تک رہا جس سے کہ فوری ہلاکت کا اندیشہ دور ہو گیا؟ یا مریض مہلک مرض کا عادی ہو گیا تھا؟

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں عرصہ علالت یا نوعیت علالت کے بارہ میں کوئی طے شدہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک مرض جاری رہنے سے مرض مہلک (مرض الموت) کی تعریف میں نہیں آتا۔

فاطمہ بی بی بنام احمد بخش

متذکرہ بالا اصول پر بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام احمد بخش پر عمل کیا گیا اور یہ طے پایا کہ وکلا نے اگر چہ یہ بتایا ہے کہ بعض عوارض مہلک کی علامت ہیں لیکن اُن سے مثبت طریقہ پر قطعی معذوری ظاہر نہیں ہوتی۔

سائر بائی بنام رابعہ بائی

فاضل جج نے بتایا کہ مرض الموت ثابت کرنے کے لیے کم از کم مندرجہ ذیل شرائط لازمی ہیں۔

A- موت کا قریب تر اندیشہ بالفاظ دیگر غلبہ خوف موت یعنی جو زندہ رہنے کے مقابلہ میں زیادہ غالب ہو۔

B- مریض کے ذہن میں فی نفسہ کسی حد تک خوف موت ہو۔

C- بعض خارجی علامات کا ہونا بھی ضروری ہے جن کی بنا پر مریض خاص طور پر روزمرہ حوائج کو انجام دینے کے ناقابل ہو۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ موخرالذکر بصورت شرط نہیں ہے بلکہ ایک جانچ (آزمائش) ہے

بمقدمہ غلام مصطفے بنام حرمت

الہ آباد کورٹ نے یہ طے کیا ہے کہ شرع محمدی کی فراہم کردہ سہولیات ہبہ کا اطلاق ایسی مہلک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے اس طرح کے کسی بھی نام نہاد ہبہ پر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یہ بھی اصلاً بیع کی صورت ہے اس لئے کہ یہ درمیانی شکل ہے۔

مگر یہ نظریہ محمڈن لا سے متصادم ہے جس کی رو سے کہ ایسے شخص کا بیع بھی جو مرض مہلک میں مبتلا ہو ایک ثلث کی حد تک ہی جائز ہے۔

فصل:۔ پنجم موہوب الیہ

موہوب الیہ، حنفی قانون

کوئی بھی شخص بلا امتیاز صنف عمر یا عقیدہ ہبہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق موہوب لہ' کا بوقت ہبہ موجود ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ایک ایسے شخص کے حق میں ہبہ جو پیدا نہیں ہوا بلکہ ہنوز رحم مادر میں بھی قیاساً نہیں ہے، ناجائز ہے۔ تاہم ایسے بچوں کے حق میں جو تاریخ ہبہ سے چھ ماہ میں پیدا ہوں جائز

ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ قیاس کیا جائے گا کہ بچہ رحم مادر میں واقعتاً ایک جدا گانہ حیثیت سے موجود تھا۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون اگرچہ اس سے مختلف ہے۔ اس کے مطابق ایک جائیداد کسی غیر پیدا شدہ شخص کو بھی ہبہ کی جاسکتی ہے بشرطیکہ رحم مادر میں اس کا آغاز ہو چکا ہو۔

حنفی اصول کے مطابق الف کے حق میں اس کی حین حیات کا ہبہ ناجائز ہوگا یعنی اگر یہ موہوب الیہ کی زندگی تک ہی محدود ہو۔ بلکہ یہ "ہبہ قطعی" کی طرح موثر ہوگا۔

فقہ شیعہ کے مطابق الف کے حق میں حین حیاتی ہبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے انتقال پر واہب یا اس کے ورثا کو شئے موہوبہ عود کرے گی۔

فقہ شیعہ میں اولاً الف کو بعدہٗ ب کو حین حیات یکے بعد دیگرے ہبہ موثر رہے گا اور ب کے انتقال پر جائیداد واہب یا اس کے ورثا پر عود کرے گی۔ جب کہ ہبہ الف کے حق میں حین حیات ہو اور اس کے بعد ب اور اس کی آل اولاد کے حق میں ہو تو۔ ایسی صورت میں الف کے حق میں ہبہ حین حیاتی ہوگا اور ب کے حق میں دواماً۔ دونوں ہی مذاہب کے مطابق الف، اس کے بچوں اور عام طور پر اس کی آل اولاد کے حق میں یکے بعد دیگرے ہبہ یا ایسا ہبہ جو ان شرائط پر مشتمل ہو جن کا لازمی مفہوم بلا کسی رکاوٹ کے ہبہ ہو، الف کے حق میں ہبہ قطعی کی صورت میں موثر ہوگا۔

فصل ششم:۔ شئے موہوبہ (ہبہ کی جانے والی شئے)

ہر وہ چیز جس پر اختیار یا حق ملکیت استعمال کیا جاسکتا ہے یا ہر وہ چیز جس پر قبضہ ہو سکتا ہے یا جس کی مخصوص جداگانہ حیثیت ہو اور جس پر حق کا نفاذ ہو سکتا ہے یا واقعتاً ہر وہ چیز جو مال کی تعریف میں آتی (یا حق نالش) یا غیر مادی حقوق بھی مثل مادی کے ہبہ ہو سکتے ہیں۔ بقول 'کفایہ' ایسا قرض جسکی وصول یابی کی توقع ہو، مادی جائیداد حتیٰ کہ زکوٰۃ (جو کہ لازمی ہے) تملیک کی تعریف میں آتی ہے۔

ایک ایسے قرضہ کا ہبہ جس سے مقروض کے حق میں قرضہ کی بے باقی

ہو جائے معناً و شرع کی وسیع توضیح کے مطابق جائز ہے لیکن اس قرضہ کا دوسرے شخص کے حق میں ہبہ قانون انتقال جائیداد کی رو سے تملیک کی تعریف میں آتا ہے جو موخرالذکر ہبہ کی بنا پر جائز ہے۔ اسی طرح درالمختار میں ہے کہ مقروض کے ماسوا کسی دوسرے کو قرضہ کا ہبہ جائز ہے۔ بصورت موجودہ وہ عین نہیں ہے لیکن مستقبل میں یہ ایک جائیداد بن سکتی ہے۔

ملک عبدالغفور بنام مسماۃ مالکہ

بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مسماۃ مالکہ جو استدلال کیا گیا اسکی کوئی بنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس 'کفایہ' میں حنفی اصول محولہ کی رو سے غیر مادی اشیاء کے حقوق کے متعلق ہبہ اور حق نالش یا حق مادی کو واضح طور پر قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔مسلم فقہا نے رواج کو بربنائے استحسان اختیار کرنے پر بہت زور دیا ہے تاکہ سماج کے ترقی پذیر حالات سے قانون کو ہم آہنگ کردیا جائے۔ اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور مختلف صورتوں میں اس کو عملاً نافذ کردیا گیا ہے۔ پس کفالت ہائے سرکاری کا ہبہ جن سے صرف سود حاصل کیا جاسکتا ہو یا ایسے مالکانہ حقوق کا عطیہ جن سے کہ موہوب الیہ کو گورنمنٹ سے حقیت کی آمدنی کا مالکانہ حصہ وصول کرنے کا اختیار یا اسی طرح کے اختیارات موضوع (نفس) ہبہ ہوتے ہیں اسی لئے مسلمان بادشاہوں کے وہ عطیات مال گزاری غول عطیات سے موسوم تھے عطیہ یابندگان اکثران کو منتقل (ہبہ) کردیتے تھے۔ پس جائیداد بقبضہ کاشت کار کا ہبہ قانوناً جائز ہے۔

اس طرح اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ موہوب الیہ کو قابض کاشت کار یا پٹہ دار سے محاصل وصول کرنے کا حق تفویض ہوا ہے یہی صورت جائیداد بقبضہ مرتہن یا زیر قرقی کے ہبہ کی ہے۔ یہ ہبہ ایسے غیر تقسیم شدہ حصہ کا ہے جو کہ واہب کو ورثے میں ملا ہو اور جس پر اسے اب تک مالکانہ مفاد یا املاک آراضی پر نہ مالکانہ قبضہ حاصل ہوا ہو اور نہ گورنمنٹ سے وصولیابی کا حق حاصل ہوا ہو۔

موہوبہ آراضی جو کہ کاشتکاروں کے قبضہ میں ہو

جب کہ جائیداد بحالت پٹہ یا اجارہ دوسرے کے قبضہ میں ہو تو یہ موہوب الیہ

کو قبضہ واقعی حاصل کرنے کے لیے یا قبضہ بالراست حاصل کرنے کے لیے (جو کہ بالائی ہندوستان کی قانونی زبان میں شئے موہوبہ پر خاص قبضہ کہلاتا ہے) نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ یہ واہب اور پٹہ دار کے درمیان معاہدے کے متناقص یا اس کی خلاف ورزی ہوگا لیکن پٹہ کے تحت مقررہ محاصل کو وصول کرنے کے حق یا انتقال حق کو روکنے کے خلاف کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ پس ایسی جائیداد کا ہبہ جو بقبضہ کاشتکار ہو اور جس کا منشا کاشتکار قابض یا پٹہ دار سے لگان وصول کرنا ہو، جائز ہے۔

فتاوائے عالمگیری میں یہ عبارت ہے کہ اگر وہ جائیداد کسی غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو قبضہ نہ ہونے کی بنا پر ہبہ خلاف قانون ہے مگر نابالغان یا صغر سن بچوں کو ہبہ کی صورت میں جو کہ خود شئے موہوبہ پر قبضہ نہیں لے سکتے، قبضے کی ضروری شرط (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) باپ یا کسی شخص کے جو بجائے والدین کے ہو، قبضہ کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ ایک باپ کا اس کے صغر سن بچہ کے حق میں ہبہ محض اس اعلان سے ہی مکمل ہو جاتا ہے خواہ شئے موہوبہ اسکے قبضہ میں رہے یا کسی امین کے۔ بالفاظ دیگر خواہ قبضہ واقعی ہو یا تعبیری اس لئے کہ امین کا قبضہ بھی مثل اس کے قبضے کے ہے۔

لیکن یہ صورت اس وقت نہیں ہوتی جب جائیداد کسی ایسے شخص کے قبضے میں ہو جس نے اپنے حق ملکیت کی بنا پر واہب سے آزادانہ طور پر قبضہ میں لیا ہو اور جو بلاواسطہ قابض ہو۔ مثلاً ایک قابض مستاجر یا پٹہ دار اور مرتہن خود واہب کے فعل کی بنا پر جائیداد پر قابض ہو یا کوئی غاصب قبضہ مخالفانہ کی بنا پر اس پر قابض ہو، ان میں سے کسی بھی صورت میں قبضہ واہب کے پاس اس طرح نہیں ہوتا کہ وہ حق قبضہ محض اپنے قول سے منتقل یا تفویض کر سکے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ جائیداد خود اس کے یا کسی امین کے قبضے میں ہوتی جس سے وہ کسی وقت بھی قبضہ حاصل کر سکتا۔ ایسی جائیداد کی ہبہ کی تکمیل کے لیے جو کسی کے سپرد یا ایسے شخص کے قبضے میں ہو جس نے کہ ناجائز بیع یا قبضہ مخالفانہ کی بنا پر قبضہ کر رکھا ہو، اس کے لیے اعلان سے بھی ماسوا کارروائی کی ضرورت ہے جیسے آمدنی وصول کرنے یا مدت پٹہ یا رہن کی میعاد گذرنے پر قبضہ یا بازیابی کے لیے دعویٰ کرنا چاہئے۔ ہبہ بجائے خود غیر موثر نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ قانون سے

ظاہر ہے۔ بقول "سبحانی" ایک باپ کا ایسی جائیداد کا ہبہ جو کہ ایک مرتہن غاصب یا ایک جائز بیع کے مشتری کے قبضے میں ہو وہ اس وقت موثر ہوگا جب کہ مدت رہن یا پٹہ پوری ہو جائے یا بیع منسوخ کر دیا جائے یا شئے مغصوبہ واپس لے لی جائے۔ اگرچہ لفظ "مستاجر" بطور مماثلت فتاوائے عالمگیری میں استعمال ہوا ہے مگر "ہدایہ" میں ایسا نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ جزو عربی میں اس طرح ہے:

"ماذا كان في يده اوفي يد مودعه لان يده كيده بخلاف ماذا كان مرهونا اومغصوبا او مبيعا بيعا فاسدا لانه في يد غيره اوفي ملك غيره والصدقة في هذا مثل الهبة"

اگر شئے موہوبہ واہب یا اس کے امین کے قبضے میں ہو تو ہبہ جائز ہے۔ اس لئے کہ امین کے قبضہ میں ہونا بھی مثل قبضہ واہب کے ہے اور صورت رہن غصب یا ناجائز بیع سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ حالات متذکرہ میں جائیداد دوسرے کے قبضہ میں ہوتی ہے اور ایسی صورت میں صدقہ مثل ہبہ کے ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا پر 'کفایہ' کی شرح حسب ذیل ہے۔

"بخلاف ماذا كان مرهونا او مغصوبا الى اخره يعني اذا كان مال الاب معصوبا او كذا وكذا لم يدم الهبة بالعقد لانه في يد غير في الرهن والغصب او في ملك غيره في البيع الفاسد فان قيل ينبغي ان لايدم الهبته اذا كان في يدمودعه الا شتراط الكمال في في القبض وكون هذا القبض حكيحما وهو نقص من القبض حقيقته فلنا لقبض حكما كاف الاتمام الهبته"

ایسا ہبہ جس میں شئے موہوبہ رہن یا غصب شدہ ہو یا ناجائز طور پر بیع کی گئی ہو وہ ہبہ نہیں ہے کیونکہ اس پر دوسرے کا قبضہ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہبہ کی صورت میں مکمل قبضہ ہونا چاہئے اور جائیداد بقبضہ امین کا ہبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ محض قبضہ تعبیری ہوگا واقعتی قبضہ نہیں تو ایسی صورت میں یہ طے شدہ امر ہے کہ تعبیری قبضہ ہی تکمیل ہبہ کے لیے کافی ہے۔

لفظ مستاجر نہ صرف مجمع النہار میں آیا ہے اور اس پر رکاوٹ بظاہر ہدایہ میں ہے اور محض اس جائیداد تک محدود ہے جو مرتہن یا غاصب کے قبضہ میں ہو یا بیع فاسد کے

تحت منتقل کی گئی ہو۔

رہن

رہن کے سلسلہ میں دشواری کی بابت یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بلا قبضہ دہانی کوئی رہن نہیں ہوتا نتیجتاً اگر کوئی جائیداد متنازعہ ہے یا سپردار کے قبضہ میں ہو تو راہن یا سپر کنندہ کا مفاد "یعنی حق عود" موہوب الیہ کو بطور ہبہ دیا جاسکتا ہے نہ کہ واقعی حق قبضہ کے طور پر اس لیے کہ قبضہ بوجہہ سپردگی یا رہن، مرتہن یا سپردار کو منتقل کیا جاچکا ہے۔ پس جائیداد غیر منقولہ اگر پٹے دار یا کاشتکار کے قبضہ میں ہے تو موہوب الیہ کو صرف وصولی لگان کا حق دیا جاسکتا ہے۔

فیصلہ معین الدین بنام پنجر شاہ غلط ہوا

بمقدمہ معین الدین بنام پنجر شاہ عدالت العالیہ بمبئی نے یہ طے کیا ہے کہ اراضیات جو مرتہن کے قبضہ میں ہوں ان کو شرعاً ہبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں ادبا عرض ہے کہ یہ رائے فقہ حنفی کی غلط تعبیر کی بنا پر ہے جس کے مطابق رہن کے لیے قبضہ ضروری ہے لیکن مذہب مالکیہ میں قبضہ ضروری نہیں ہے۔ موضوع متعلقہ کے بارہ میں حنفی اصول کے صحیح مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راہن کو حق انفکاک کے ہبہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اس کے برعکس قانون متعلق "حوالات" کے تحت ایک مقروض قرضہ بہ ذمگی خود دوسرے کو منتقل کر سکتا ہے اور چونکہ قرضہ کی کفالت جائیداد سے ہوتی ہے اس لیے منتقل الیہ کو ادائیگی رقم قرضہ کے بعد جائیداد واگذاشت کرانے کا حق رہتا ہے لیکن اگر جائیداد بقبضہ مرتہن نہیں ہے (جیسا کہ ہندوستان میں عام رواج ہے) اور اس پر کئی قرضوں کا (جنکی کفالت میں یہ جائیداد ہے) بار ہے تو راہن بلا شبہ رہن کو منتقل کرنے کا مجاز ہے۔

جائیداد بقبضہ غاصب

ایسی جائیداد کا ہبہ جو غاصب کے ہاتھ میں ہو، غالباً مختلف نوعیت کا ہوتا ہے چونکہ جائیداد پر واہب کا محض نامکمل حق ہوتا ہے یعنی بازیابی قبضہ کے لیے وہ دعویٰ دائر

کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابتدائی زمانہ میں دعویٰ دائر کرنے کا محض قیاسی حق ہبہ بلا صریحاً مجاز کئے ہوئے ناپسندیدہ ہو مگر اس بارہ میں کوئی وجہ کافی نہیں ہے کہ جب ایسی کوئی جائیداد جس کا بربنا حق کوئی شخص مستحق ہو مگر وہ جائیداد ایسے شخص کے قبضہ میں ہو جس نے اول الذکر کے خلاف دعویٰ کر رکھا ہو تو ایسی صورت میں مستحق (مالک جائیداد) کسی تیسرے شخص کو ہبہ نہیں کر سکتا۔

بمقدمہ محمد بخش بنام حسینی بی بی

پریوی کونسل نے اس اصول کو طے کیا ہے کہ جب کسی پبلک (عوامی) ہبہ کے ذریعہ موہوب الیہ کو اس پر قبضہ کا اختیار دیدیا گیا ہو جس پر وہ بالآخر قابض ہو جائے تو یہ ہبہ اس وجہ سے ناجائز نہیں ہوگا کہ بوقت ہبہ واہب شئے موہوبہ پر قابض نہ تھا۔ یہ نظریہ قانون شرع کے عین مطابق ہے۔ بمقدمہ معین الدین بنام من چہ شاہ عدالت العالیہ بمبئی نے طے کیا ہے کہ ایسی جائیداد کا بیع جس پر کہ بیچنے والا (بائع) قابض نہ ہو جائز ہے۔ اس طرح اس کا ہبہ بالعوض جو کہ قانونی نتائج کے مطابق ہے بلاشک جائز ہے۔

ملک عبدالغفور بنام مسماۃ مالکہ

ایسی زمینیں یا مکانات جو بلاشبہ کاشتکاران کے قبضہ میں ہوں ان کے ہبہ کا جواز، بلاشبہ بمقدمہ ملک عبدالغفور بنام مالکہ کے فیصلہ سے طے ہو جاتا ہے۔

فاضل چیف جسٹس نے جواز ہبہ کے متعلق بعد سماعت اس طرح طے کیا۔

"پس عدالت ہذا کے روبرو دستاویز ہبہ کے متعلق تصفیہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا شئے موہوبہ سے متعلق بوقت تحریر دستاویز جب کہ ہر دو موہوب الیہم میں تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ بمقابلہ مدعیان ہبہ جائز ہے۔

"ہمارے سامنے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے ہم فاضل وکلا فریقین کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس موضوع پر تمام متعلقہ نظائر کا حوالہ دیا ہے، تاہم معاملہ زیر بحث پر پوری طرح غور کرنے کے بعد ہم مطمئن ہیں کہ ہبہ جائز ہے۔ اور عدالت ماتحت صحیح نتیجہ پر پہنچی ہے"۔

جائیداد موہوبہ چنداں زمینداریوں اور زمینداریوں میں حصص جو کہ عام طور پر کاشتکاروں کو ٹھیکہ پر دیئے جاتے ہیں، بہت سی لیکھ راج جائیدادوں جو کہ کاشتکاروں کو اجارے پر دی جاتی ہیں اور کئی حقوق مالکان اور پٹہ میں مختلف قسم کی مکان کی جائیدادوں اور دوسرے مقامات پر سکونتی جائیدادوں جیسے کہ مکانات، سائبان، سڑکوں اور باغات پر مشتمل ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے سامنے کوئی قابل اطمینان شہادت نہیں ہے کہ جب ہبہ کیا گیا تب جائیداد موخر الذکر پر قبضہ تھا یا وہ استعمال میں آتی تھی۔ مدعی کی جانب سے بحث میں تین خاص امور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

اولاً۔ شرع کے مطابق ایسی اراضیات جو واہب کے قبضہ میں نہ ہوں نہ ان کا اور نہ غیر مادی جائیداد اور کرایہ کے حقوق مالکانہ کا ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً۔ کسی مکان یا زمینداری کا غیر منقسم حصہ شئے موہوبہ نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً۔ دو اشخاص کو ایسی شئے کا ہبہ جو نہ پہلے سے تقسیم ہوئی ہو اور نہ علیحدہ ہوئی ہو، ناجائز ہے۔

ان مسائل پر غور کرتے وقت ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اصول فقہ جو کہ قدیم مستند کتابوں میں ملتے ہیں اور جن پر ہماری توجہ دلائی گئی ہے وہ کئی صدیوں قبل بغداد اور دوسرے ممالک میں نافذ ہو چکے تھے۔ اور ہندوستان کے مروجہ قانون اور معاشرہ سے مختلف تھے۔ اگرچہ ہماری جانب سے امکانی کوشش یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کا تصفیہ اصول شرع کے مطابق کریں لیکن اکثر یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ حقیقتاً وہ قواعد کیا تھے۔ اس سے بھی مشکل ان اختلافات میں مطابقت پیدا کرنا ہے جو واضعین فقہ امام ابو حنیفہ نعمان اور ان کے شاگردوں (صاحبین) کے درمیان تھے اور جو ہندوستان میں عام طور پر ابھر کر سامنے آتے رہے ہیں۔

ہمیں حتی الامکان ان اصولوں کا جائزہ لینا ہے جن پر کہ علم فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان کو نیک نیتی، عدل اور انصاف سے اس ملک میں مروجہ قوانین معاشرہ اور کے حالات پر منطبق کرنا چاہئے۔

تمہید میں یہ لکھنے کے بعد ہمارے خیال میں متذکرہ مسئلہ نمبر ا، جس پر

بالوضاحت بحث کی گئی ہے، جلد طے پا سکتا ہے بلکہ اصلاً یہ پہلے سے ہی طے شدہ مسئلہ ہے۔ ہمارے سامنے کئی اسناد کے حوالے دئے گئے ہیں ان میں درالمختار کے صفحہ ۳۶، کا بھی حوالہ ہے جہاں یہ طے کیا گیا ہے کہ کوئی ہبہ (تا وقتیکہ بوقت ہبہ) شئے موہوبہ واہب کے قبضہ میں نہ ہو، جائز نہیں ہو سکتا۔ پس ایسی آراضی جو کہ غاصب پٹہ دار یا مرتہن کے قبضے میں ہو اس کا ہبہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ واہب اس شئے موہوبہ پر قابض نہیں ہے جسے ذریعہ ہبہ دینا چاہتا ہے۔

مگر ہمارے خیال میں یہ اصول بلا شبہ کئی مستند کتابوں میں ملتا ہے کہ یہ ان معاملات آراضی سے متعلق ہے جن میں کہ خود آراضی پر حق قبضہ دینا چاہتا ہے نہ کہ محض حق عود۔ البتہ واقعی اختیار قبضہ سوائے اس شئے کہ جس پہ وہ قابض ہے منتقل نہیں کر سکتا۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جو قانون آراضیات کے پٹہ کے متعلق بغداد میں رائج تھا، ان شرحوں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کا منشا اس ملک میں عام طور پر کاشت کے پٹوں سے ہے جو قانون بغداد کے مطابق خود کاشت آراضی اور منافع پیداوار کا پٹہ ہوتا تھا اور مالک زمین (پٹہ کنندہ) اس طرح اپنے حق عود کو منتقل الیہ کو تفویض نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اجارہ دار سے حق حاصل وصول کر سکے (ملاحظہ ہو فتاوائے عالمگیری جلد نمبر ۳ کتاب ہبہ صفحہ نمبر ۵۲۱)

اسناد کا واقعی منشا کیا یہی ہے، یہ امر مشکوک ہے مگر یہ یقینی ہے کہ اس ملک میں موجودہ قانون کے نفاذ سے کسی زمینداری یا دیگر زمینداران کے مفاد کا انتقال بطور ہبہ ناممکن ہو جائے گا۔ آراضیات قریب قریب ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے کرایہ پر دیجاتی ہیں اور زمیندار اور قابض کاشتکار کے درمیان اکثر چار یا پانچ مختلف نوعیت کے معاملات ہوتے ہیں۔ پس اس ملک میں قبضہ کا جو عام طور پر مفہوم ہے اس سے واقعی قبضہ خاص مراد نہیں ہے بلکہ مکان یا منافع کی وصول یابی ہے۔ اگر پٹہ شدہ آراضی شئے موہوبہ نہیں ہو سکتی تو آراضیات زمینداری پر جو ہزاروں ہبہ ہوتے ہیں وہ سب ناجائز ہو جائیں گے۔ اگر ہم فقہ کے اس انوکھے نظریہ سے متفق ہو جائیں تو ہمارے خیال میں مسلمانوں کو انتقال جائیداد کے متعلق قانونی نااہلیت سے نقصان پہنچے گا۔

اس ملک میں اب تک ایسا تجربہ نہیں ہوا ہے پس قانون کی ایسی توضیح جو کئی مقدمات صدر عدالت دیوانی سے حسب فتاویٰ قاضی خان اور عدالت ہذا طے میں پائے ہیں، متناقص ہوگی اور یہ مقدمہ امیر النسابنام عابد النسامفصلہ پریوی کونسل کے بھی بالراست خلاف ہوگا۔

مقدمہ متذکرہ میں بڑی زمینداریوں کو تابع ہبہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے یہ عام طور پر حقیتوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں بالعموم ہر طرح کے قبضہ جات اور مفادات شامل ہوتے ہیں۔اس وقت ہبہ کے بارے میں اس بنا پر سابق میں ایسا کوئی عذر نہیں کیا گیا جو اب ہمارے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور معلوم ہوتا ہے یہ عذر پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔

علیٰ ہذاالقیاس ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حقوق مالکانہ زمین جیسے کہ لگان یا اسی طرح کے غیر مادی جائیداد پر اس قسم کا ہبہ نہیں ہو سکتا۔ ہم پہلے ہی یہ تصفیہ کر چکے ہیں کہ ایسے حقوق عودی جن میں کہ لگان وصول کرنے کا حق بھی شامل ہو، منتقل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ گورنمنٹ قرضہ جات نوٹ اور حق نالش لگان (مالکین حق) گورنمنٹ یا تیسرے فریق سے روپیہ وصول کرنے کا مجاز کرتے ہیں وہ بھی شئے موہوبہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

حق مالکانہ سے مراد مال گزاری میں وہ حصہ منافع ہے جو ایک شخص گورنمنٹ سے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ شخص جو کسی وجہ سے مقررہ رقم کی ادائیگی سے انکار کردے اور وہ حقیت گورنمنٹ اپنے قبضہ "خاص" میں لے یا دوسرے شخص پر جو گورنمنٹ کی مقررہ رقم ادا کرنے پر رضا مند ہو منتقل کردی جائے۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں اصولاً ان میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ حق وصول ہو یا لگان یا منافع ہو جو گورنمنٹ سے تمسکات پر دیا جاتا ہے۔

شیعہ قانون کے مطابق ہبہ

حق نالش کے انتقال کے معاملہ میں اہل تشیع میں دو مختلف طریقے نافذ ہیں۔ 'سراج الاسلام' میں محقق نے بتایا ہے کہ کسی قرضہ کا ہبہ یا دوسرے شخص پر کوئی بار یا کسی

اور یہ سوائے مقروض یا ایسے شخص کے جس کے ذمہ مطالبہ واجب ہو جائز نہیں ہے اس کی وجہ وہ شرط ہے جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے اس لئے کہ اس کے جواز کے لیے قبضہ ہونا ضروری ہے خواہ مقروض کو ہبہ کیا جائے جو بالکل جائز ہے اور بے باقی قرضہ کی صورت میں اس کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ 'مبسوط' کے عظیم مصنف اور دوسرے بلند پایہ شیعہ مجتہدین اس امر میں حنفی فقہ سے متفق ہیں کہ وسیع المعنی توضیح کی بنا پر قرض خواہ کی رقم قرضہ کسی تیسرے شخص کو منتقل کر دینا جائز ہے۔ جامع الشتات کی رائے بھی یہی ہے۔

اصول مبسوط عملاً تسلیم شدہ

اصول مندرجہ 'مبسوط' جو مسلمہ یا عام رواج کی صورت میں ایک ترقی یافتہ قوم میں عملاً مشکل ہے وہ مصنف شرائع کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق کلیتاً زائل ہو جاتا ہے۔

حنفی قانون

حنفی اصول کے مطابق سی مقروض کو بلا اس کی رضامندی رقم قرضہ کا ہبہ جائز ہے لیکن اگر مقروض اس قرضہ کی بے باقی سے انکار کر دے تو جائز نہیں ہے۔

قانون شیعہ

شیعہ مجتہدین میں اس موضوع پر اختلاف ہے بقول مصنف 'مبسوط' ایک مقروض کی بے باقی قرضہ کا ہبہ (ابرا) نا جائز ہے اور نہ موثر تاوقتیکہ مقروض کی رضامندی صریحاً یا کنایتاً شامل نہ ہو۔ بقول مصنف شرائع ایسا ہبہ بے باقی بلا اس کی رضامندی کے بھی جائز ہے خواہ مقروض نتیجہ کے متعلق کچھ کہے اور نہ اس کو تسلیم کرے۔ اس سے منشا اغلباً یہی ہے کہ ہبہ موثر ہو گا۔

شیخ زین العابدین طہران کے سابق مجتہد نے اپنی تصنیف خیر المعاد میں مبسوط کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور جامع الشتات میں ایک ایسے مقدمہ کا حوالہ ہے کہ جس کے مطابق شیعہ قانون میں بھی مثل سنی قانون کے اگر کوئی قرض خواہ مقروض کو بے باقی قرضہ کا ہبہ کرے تو قرض خواہ مقروض کو ادائیگی قرضہ کا مستوجب نہیں کر سکتا لیکن ایک مقروض ادائیگی قرضہ کے لیے اصرار کر سکتا ہے مگر قرض خواہ پر اس کا انحصار ہے

کہ قرضہ قبول کرنے کے لیے اس کو مجبور کیا جا سکتا۔ ایسی جائیداد جو بوقت ہبہ موجود نہ ہو بلکہ مستقبل میں بھی اس کا وجود مشتبہ ہو ناجائز ہے۔

غیر موجود اشیا کا ہبہ

ایسی اشیاء کا ہبہ جو قطعاً غیر موجود ہیں ان کی ناجوازی کے لیے ردّالاحکام میں مندرجہ ذیل صراحت ہے۔

ان اشیا کی ناجوازی ہبہ کی دلیل جیسے گیہوں میں آٹا وغیرہ اس امر پر مبنی ہے کہ وہ دوران تبدیلی اپنی نوعیت بالکل بدل لیتی ہیں اور استحالہ کے بعد بطور ایک نئے شئے کے وجود میں آتی ہیں۔

درالمختار میں یہ اصول اسی طرح بتایا گیا ہے کہ گیہوں میں آٹے تل میں تیل یا دودھ میں مکھن کا ہبہ اس لئے قطعاً ناجائز ہے کہ وہ معدوم ہے اس لئے کہ ان چیزوں پر حق مالکانہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک نیا عقد یا معاہدہ نہ ہو۔ اس کے خلاف تھن میں دودھ بھیڑ پر اون یا ناریل کے درخت میں ناریل یا درختوں میں پھل کا ہبہ اگرچہ بوجہہ مشاع جائز ہے لیکن اگر موہوبہ شے علیحدہ کر کے موہوب الیہ کو دیدی جائے تو وہ قابل نفاذ ہو جاتا ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موہوب الیہ کا واہب کی اجازت سے ان چیزوں کا علیحدہ کرنا ہبہ جائز کی تعریف میں آتا ہے۔ ظہیرالروایات کے تسلیم شدہ اصول کے مطابق ایسا ہی ہے۔

شئے موہوبہ کے سلسلہ میں کونسی شئے موہوبہ ہے اور کونسی نہیں۔ فتاوائے عالمگیری میں درج ذیل وضاحت کی گئی ہے۔

شئے موہوبہ کے لیے کئی ضروری شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بوقت ہبہ وہ شئے موجود ہو پس ایسی شئے کا ہبہ جو بوقت عقد (ہبہ) موجود نہ ہو جائز نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایسے پھل کا ہبہ کرے جو اس کے درخت میں سال بعد میں پیدا ہونے والا ہو یا ایسا میمنہ جو بھیڑ کے پیٹ میں ہو یا دودھ جو اس کے تھن میں ہو ان ہبہ ناجائز ہے خواہ اس کے وجود میں آنے کے وقت (پیدائش یا دودھ دوہنے) پر اختیار و قبضہ دیدیا گیا ہو۔ اسی طرح دودھ میں مکھن، تل میں تیل یا گیہوں میں آٹے کا ہبہ بھی ناجائز

ہے اگر چہ ان کے وجود میں آنے پر موہوب الیہ کو ان پر قبضے کا اختیار دیدیا گیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ بوقت ہبہ یہ غیر موجود ہیں پس ہبہ کے موثر الذکر ہونے کے لیے مناسب نہیں ہیں اور یہی اصول صحیح ہے جس کی تائید جواہر الاخلاق سے بھی ہوتی ہے۔

اگر کسی شخص کا کوئی مستحکم و مسلسل حق کسی ایسی شے پر ہے جو نہ تغیر پذیر ہے اور نہ غیر یقینی، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اصولاً اس کا ہبہ ناجائز ہو۔ پس کسی خاص جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کے متعینہ کرائے یا متعلقات کا انتقال جائز طور پر بطور ہبہ عمل پذیر ہو سکتا ہے۔

بمقدمہ امتہ النسا بیگم بنام نصیر الدین خان عدالت العالیہ بمبئی سے بظاہر یہ اصول سہواً نظر انداز ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ادباً یہ توجہ دلانا ہے کہ واقعی اصول جس کے تحت غیر موجود شے کا ہبہ ناجائز قرار پاتا ہے تو وہ شے موہوبہ پر نہ صرف اختیار قبضہ کی عدم صلاحیت ہے بلکہ اس کی غیر یقینی حالت بھی ہے۔

شئے موہوبہ کی قانونی حیثیت یا قیمت

اس بارے میں دوسری شرط یہ ہے کہ شئے موہوبہ کی کوئی قانونی قیمت بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ ایسی شئے جس پر کوئی حق ملکیت پیدا نہیں ہوتا مثلاً متعفن گوشت یا لحم الخنزیر یا جس حق قبضہ سے دست برداری کی گئی ہو یا غلام آزاد کر دیا گیا ہو یا کوئی ایسی چیز جس پر شرعاً کوئی قیمت نہ ہو مثلاً شراب یہ شئے موہوبہ نہیں ہو سکتی۔

تیسری شرط اس سلسلہ میں یہ ہے کہ موہوب الیہ کو حق قائم رکھنے کے لیے اس پر قبضہ ملنا چاہئے اگر شئے موہوبہ باعتبار نوعیت قابل تقسیم ہے تو اس کو تقسیم کر دینا چاہئے۔ اور جو شئے ہبہ میں نہ دی گئی ہے وہ اس کے ساتھ شامل نہ ہونا چاہئے اور نہ اس پر قبضہ ہونا چاہئے بلکہ وہ اس سے مابہ الامتیاز ہو۔ پس ایسی زمین کا ہبہ جو واہب کی ہو اور اس پر کوئی فصل ایستادہ ہو یا کھجور کا درخت بلا اس کے پھل کے یا اسکے برعکس ناجائز ہے۔ اسی طرح کسی مکان یا برتن کا ہبہ جس میں کہ واہب کی کوئی شئے ہو بلا اس شئے کے ناجائز ہے۔ نہایہ کا بھی یہی قول ہے۔

مشاع کی بابت مذاہب میں اختلاف

مؤخر الذکر اصول کے متعلق ایک طرف احناف اور دوسری جانب شوافع اور

شیعوں میں بڑا اختلاف ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق اگر شئے موہوبہ قابل تقسیم ہے یا کسی ایسی شئے کا جزو ہے جو قابل تقسیم یا قابل علیحدگی ہے تو ہبہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک واہب کی اس جائیداد سے جو کہ ہبہ نہ کی گئی ہے اسے علیحدہ یا جدانہ کر دیا جائے لیکن اگر شئے موہوبہ ناقبل تقسیم شئے یا کسی ایسی شئے کا جزو ہے کہ تمام جائیداد کو کافی نقصان پہنچائے بغیر یہ علیحدہ نہیں ہو سکتی تو ہبہ جائز ہے خواہ تقاسمہ نہ ہوا ہو۔

شیعہ اور شافعی اصول

اس اصول کے سلسلہ میں اہل تشیع شوافع اور احناف سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کا (احناف) استدلال ہے کہ دونوں صورتوں میں ہبہ جائز ہے اس لئے کہ ہبہ ایک تملیک کی صورت ہے اور ہر شئے کا ہبہ جائز ہے خواہ وہ قابل تقسیم یا نا قابل تقسیم شئے کا حصہ ہو۔ اہل تشیع کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ شئے موہوبہ کے متعلق عدم تعین نہ ہونا چاہئے یعنی شئے موہوبہ کافی طور پر اس طرح واضح ہونی چاہئے کہ اس کے بارہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہے۔ شئے موہوبہ کا ہبہ غیر یقینی کیفیت یا ناعدم تعین کی بنا پر منسوخ ہو سکتا ہے مگر محض ابہام سے جس کی دوسرے حالات سے وضاحت ہو سکتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ شافعیوں کے مطابق محض غیر یقینی کیفیت سے ہبہ ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ایک غیر متعینہ لیکن معروف حصہ پر حق ملکیت اسی طرح ہوتا ہے جیسے کہ کسی یقینی اور مخصوص حصہ پر۔

نا قابل تقسیم شئے اور اصول قبضہ

ایسی شئے کا ہبہ جس پر کہ قبضہ لیا جا سکتا ہے اور جو واہب کی دوسری جائیداد اور اس کے حقوق سے علیحدہ کر لی گئی ہو جائز ہے۔ اسی طرح مشع (جو قابل تقسیم ہے) کا ہبہ اس نوعیت کا ہے کہ جس سے کوئی منافع یا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن بعد تقسیم کل یا جزو تقسیم شدہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ مثلاً کوئی چھوٹا گھر (بیت الصغیر) (یا چھوٹا غسل خانہ) مگر ایسی شئے میں مشع کا ہبہ جو قابل تقسیم ہے اور جس میں حق استفادہ کو محفوظ کیا ہو جو تقاسمہ سے قبل حاصل تھا۔ محدود کر دیا گیا ہو جائز نہیں ہے۔ 'کافی' میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی ہے۔

ضروری امر یہ ہے کہ شئے موہوبہ کی بوقت قبضہ حقیت منتقل ہو نہ کہ معاملہ ہبہ کے وقت۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص اپنے غیر تقسیم شدہ نصف مکان کا ہبہ کسی شخص کو کرے لیکن اس وقت تک اس کو قبضہ نہ دے جب تک کہ دوسرے نصف کا دوسرے کو ہبہ نہ کرے۔ لیکن اگر ایک ہی وقت میں وہ قبضہ دیدے تو ظہریہ کے مطابق یہ قبضہ جائز ہوگا۔ لیکن نصف کا ہبہ اگر ایک شخص کو کرے اور قبضہ دیدے اور دوسرے نصف کا ہبہ کسی تیسرے شخص کو کرے اور اسی طرح اسے بھی قبضہ دیدے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اور بقول نہایہ دونوں ہبہ فاسد اور ناجائز ہوں گے۔

مشاع کا قبضہ جائیداد پرحق قائم کرتا ہے

ایسی شئے کا قبضہ جو ناقابل تقسیم ہے کسی شریک کو (فضل العادیہ) کے مطابق جائز ہے ایسے مشع کا ہبہ جو قابل تقسیم ہے جائز نہیں ہے خواہ یہ کسی شریک کو یا غیر شریک کو کیا گیا ہو۔ اور بقول حسام الدین جیسا کہ انہوں نے ''کتاب الواقعات'' میں درج کیا ہے اگر قبضہ بھی لے لیا ہو تب بھی یہ موہوب الیہ کی جائیداد ثابت نہ ہوگی بلکہ ایک دوسرے موقع پر یہاں تک بتایا ہے کہ اس طرح ناجوازی ثابت ہوگی جس کی تائید میں سراجیہ میں کئی فیصلے ملتے ہیں۔ عدالت ہائے ہند میں شئے کے موضوع پر بہت ہی مفید (معنی خیز) بحثیں ہوئی ہیں اور اس سے متعلقہ مشکلات کی بنا پر ضروری ہے کہ اصول اور اس کی علت وغایت اور قابل انطباق اصول قانونی پر احتیاط سے غور کیا جائے۔ مشع کی تعریف Frey tag نے اس طرح کی ہے۔

ہر مشترکہ غیر منقسمہ جائیداد جس پر ایک سے زیادہ افراد کا حق ہو مشع ہے۔ مشع دراصل شیوع سے نکلا ہے جس کا منشا الجھن یا انتشار ہے۔

جب کوئی خاص مشترکہ غیر منقسمہ جائیداد کئی شخصوں کی ملکیت میں ہو اور ان میں سے کوئی شخص بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مفاد کسی مخصوص حصہ سے وابستہ ہے تو ایسی حالت میں مشترکہ حصے داروں میں سے کوئی بھی حصہ دار اپنی جائیداد کا ہبہ کرے تو تمام حصہ داران کے حق استعمال میں انتشار پیدا ہوگا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اصول مشع مفہوماً غیر تقسیم شدہ جائیدادوں کے جو اپنی نوعیت سے تقسیم ہو

سکتی ہیں منافی ہے جو اصلاً احناف کے مخصوص فقہا جن کے پیش رو (امام ابو حنیفہؒ ہیں) کے اس ذہنی اندیشہ (تاثر) کی بنا پر ہے کہ جب تک قابل تقسیم اشیا منقسم ہوں بہت سے نزاعات و دشواریاں پیدا ہوں گی۔

مشاع

امام ابو حنیفہؒ نے جائیداد کی غیر یقینی صورت کے بارہ میں اعتراض کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد میں کسی جز کا ہبہ جو قابل تقسیم ہے۔ مسئلہ زیر بحث کے تعلق سے ان میں اوران کے شاگردوں میں نمایاں اختلاف ہے۔ عموماً ان کے نظریات امام ابو حنیفہؒ کے مقابلے میں ایک ترقی پذیر ملت کی ضروریات سے ہم آہنگ ہیں اور موخر الذکر اسناد کی وضاحت کے تابع نہیں ہیں۔

فتاوائے عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے موضوع متعلقہ پر مصنفین متقدمین کے نظریات نمایاں طور پرواضح ہوں گے بلکہ امام اعظم اوران کے شاگردوں کے اختلافات کی نوعیت بھی واضح ہوگی۔ حالانکہ اصول مندرجہ کو متاخرین فقہا نے علی الاعلان تسلیم کیا ہے۔ کسی جائیداد کے غیر منقسمہ حصہ ہبہ کے جواز کے لیے جو قابل تقسیم نہیں ہے، یہ شرط ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی غلام میں کچھ حصہ دیتا ہے جس کا جو حصہ متعین نہیں ہے تو بہ سبب عدم تعین حصہ ہبہ نا جائز ہوگا۔ اس لئے کہ حصے کے عدم تعین سے جیسا کہ بحر الرائق میں بتایا گیا ہے، تنازعات ہوں گے مگر جب موہوب الیہ کو واہب کے حصے کا علم ہو تو امام اعظم کے مطابق یہ ہبہ جائز ہے مگر (ابویوسف ابو محمد) کے مطابق ایسا نہ ہونا چاہئے جیسا کہ محیط السرخسی میں درج ہے۔

قبضہ

ایسی شے کا ہبہ جو دو آدمیوں یا دو طبقوں پر قابل تقسیم ہے ہر دو شاگردوں کے قول کے مطابق جائز ہے لیکن امام اعظم کے مطابق نا جائز ہے گو یہ باطل نہیں ہے۔ اس طرح قبضے سے جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ جواہر الاخلاق کے مطابق ہے۔

صدر الشہدا کے مطابق جب کوئی شخص دو آدمیوں کو کوئی ایسی چیز دے جو

قابل تقسیم ہے تو اس کا ہبہ امام اعظم کے مطابق نا جائز ہو گا۔ بعد ازاں قبضہ بھی لے لیا جائے تو حق قبضہ بھی نا جائز ہو گا۔ اور اسی اصول کے مطابق فتویٰ بھی ہے جو فتاویٰ آبا ہبہ میں درج ہے۔ جائیداد پر موہوب الیہ کا حق قبضہ اس وقت تک ثابت نہیں ہو تا جب تک کہ وہ شئے موہوبہ پر قبضہ نہ پالے اور یہی مسلمہ اصول ہے جیسا کہ ''فصوص العمادیہ'' میں درج ہے۔ مسٹر بیلی Baillie نے بتایا ہے کہ مشع کا ہبہ تین مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے اولاً ایک شخص جو کہ کل شئے کا مالک ہو اور اس میں سے غیر متعینہ اور حصہ دوسرے کو دے دے۔ اس صورت میں دونوں طرف ہی شیوع یا انتشار واقع ہو گا اور بروئے اجماع یہ ہبہ نا جائز ہو گا۔

ثانیاً۔ ایک شخص جو تمام شئے موہوبہ کا مالک ہو وہ سب کی سب دو یا زیادہ اشخاص کو بلا تقسیم کئے ہوئے دیدے، نہ وہ تقاسمہ کرتا ہے اور نہ بٹوارہ حصص۔ ایسی صورت میں موہوب الیہم میں انتشار پیدا ہو گا اور ابو یوسف اور ابو محمد کے نزدیک یہ ہبہ جائز ہو گا مگر ابو حنیفہ کے نزدیک نا جائز۔

ثالثاً۔ جب دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد پر قابض ہوں اور وہ مل کر مشترکہ طور پر محض ایک شخص کو ہی ہبہ کر دیں تو ایسی صورت میں انتشار واہبان کو ہو گا اور ہبہ بالاجماع جائز ہو گا۔

فتاوائے عالمگیری میں یہی اصول اس طرح بالترتیب دئے گئے ہیں۔

جائیداد قابل تقسیم کے دونوں جانب انتشار سے حسب اجماع ہبہ جائز نہیں ہے۔ اگر انتشار صرف موہوب الیہ کی طرف ہے تو بقول امام اعظم لیکن ابو یوسف اور محمد کے برعکس ہبہ نا جائز ہے۔ جیسا کہ ظہیریہ میں ہے لیکن اگر کئی شخصوں کو ہبہ کی صورت میں جو غریب ہیں، تو بصورت صدقہ بروئے اجماع ہبہ جائز ہو گا لیکن اگر وہ دولت مند ہیں تو ہر ایک کو بقدر نصف نصف اگر ہبہ کیا ہے یا ان کو مبہم طور پر ان الفاظ کے ساتھ ہبہ کیا ہے (میں نے جائیداد تم دونوں کو دی ہے) یا ایک کے حق میں زیادہ ہے۔ مثلاً بایں الفاظ کہ ایک کو اس میں سے ایک ثلث اور دوسرے کو دو ثلث ملے گی۔ تو بقول امام اعظم یہ ہبہ تینوں صورتوں میں جائز ہے مگر بقول امام یوسف ایسا ہبہ دو حالتوں میں جائز ہے خواہ دونوں کو یہ غیر معین صورت میں دی گئی ہو یا نصف نصف لیکن کسی ایک کو زیادہ

دی گئی ہے تو یہ ناجائز ہے۔

کرخی نے ابن کے حوالہ سے بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص دو آدمیوں سے یہ کہے (میں نے اس عمارت کا ہبہ تم دونوں کو کیا ہے ان میں سے نصف ایک کا ہے اور نصف دوسرے کا) تو یہ ہبہ جائز ہوگا کیونکہ اس نے تمام عمارت کو ہی ہبہ کیا اور اس کا تعین کر دیا ہے۔

اس اصول کے اطلاق میں شدید اور اصطلاحی دشواری درج ذیل قول سے ثابت ہے۔ اگر واہب یہ کہے میں یہ عمارت تم کو دیتا ہوں اور نصف دوسرے کو، ہبہ جائز نہ ہوگا بلکہ خود عقد (معاہدہ) بھی شیوع سے متاثر ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس عمارت کا ہبہ میں نے تم دونوں کو کیا ہے۔ ایک ثلث ایک کو اور دو ثلث دوسرے کو تو بقول امام اعظم و ابو یوسف یہ جائز نہ ہوگا مگر امام محمد کے نزدیک ہبہ جائز ہوگا۔ ایسے ہبہ کو نا جائز قرار دینے میں امام اعظم اور امام ابو یوسف کا استدلال ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر بقول امام اعظم بوجہہ انتشار عقد ناجائز ہوگا لیکن بقول ابو یوسف چونکہ حصص کی نوعیت مختلف ہے ہبہ دو عقود (معاملوں) میں علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے اور چونکہ جواز ہبہ کے لیے جب کہ دو اشخاص کسی دوسرے کو مکان کا ہبہ کرتے ہیں تو ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے۔ بروئے اجماع یہ ہبہ جائز ہے۔ جیسا کہ مضمرات میں بتایا گیا ہے۔

ابتدائی انتشار (جو کہ بوقت ہبہ ہو) ہبہ کو کالعدم کر دیتا ہے لیکن ایسا انتشار جو بعد میں واقع ہو وہ ہبہ کو کالعدم نہیں کرتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو تمام ہبہ اور بعد ازاں غیر تقسیم شدہ حصہ کے ہبہ کو منسوخ کر دے یا کسی حصے کے متعلق حق مخالفانہ ثابت کرے ایسی صورت میں ہبہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ مکفولہ سے مختلف ہے جو درمیان میں واقع ہونے والے انتشار سے ناجائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح وقایہ میں درج ہے۔

"اگر کوئی شخص" کسی شئے کے ایسے غیر تقسیم شدہ حصے کو جو قابل تقسیم ہے ہبہ کرے اور بعد تقسیم موہوب الیہ کو حصہ دیدے تو سراج الوہاج کے مطابق جائز ہوگا۔

اگر وہ نصف کا ہبہ کرے اور کل دیدے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کل کا ہبہ کرے اور اس کے جزو پر قبضہ دے تو یہ جائز ہوگا لہٰذا تاتارخانیہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مکان کے غیر منقسم حصہ کو ہبہ کرے اور اس پر قبضہ دیدے اور بعد ازاں دوسرا نصف دوسرے کو ہبہ کر دے، ان میں سے کوئی بھی ہبہ جائز نہ ہوگا لیکن اگر اس

نے پہلے موہوب الیہ کو قبضہ نہیں دیا تھا اور دوسرے کو ہبہ کر دیا اور اس کے بعد دونوں کو ہی قبضہ دیدیا تو بقول ابو یوسف اور محمد دونوں کے حق میں جائز ہوگا اس لئے کہ ایسا ہبہ ہر دو موہوب الیہ کو مساوی مفید ہے جیسا کہ مبسوط میں آیا ہے۔

اسناد جن کا کہ مولفین فتاوائے عالمگیری اکثر حوالہ دیتے ہیں، فی زمانہ ہندوستان میں موجود نہیں ہیں تاہم واجزالکروی کے نظریہ کے مطابق درالمختار کے قول سے براہ راست متضاد ہے چند مصنفین کی آرا کا حوالہ دینے کے بعد جیسے کہ کوئی شخص کسی غیر تقسیم شدہ شئے کا ہبہ کرے اور موہوب الیہ کو قبضہ دیدے تو موہوب الیہ کو حق جائیداد اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے انتقال کے بعد اسے استحقاق حاصل ہو جائے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرے تو ہرجہ کی ادائیگی کا مستحق ہوتا ہے۔ اور واہب کا حق انتقال قائم رہتا ہے مصنف نے مزید بتایا ہے کہ دارالاحکام میں فصول کے حوالہ سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ایک ہبہ فاسد سے یہ بنا قبضہ جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے اور اسی اصول پر فتویٰ ہے۔ بزازیہ میں بھی علیٰ ہذ القیاس یہی طے کیا گیا ہے جو اس کے برعکس ہے مگر یہی صحیح بتایا گیا ہے لیکن لفظ فتویٰ الا صحیح کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہے اس کی تفصیل مصنف نے مشع سے متعلق دیگر اصولوں کی وضاحت میں دی ہے۔

یہ مسئلہ کہ آیا کسی عزیز کے حق میں ناجائز ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے دردا میں بتایا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے بشرنی بلالیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس کے بقول ایسی تنسیخ اصول مسلمہ کے منافی ہے جس کی بنا پر وہ فتوے (ڈگریاں) صادر ہوتے ہیں کہ کسی ناجائز ہبہ میں بھی حق جائیداد قبضے کے بنا پر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی عمل قابل لحاظ ہے۔

یہی اصول شبلی نے "اتفاقی" سے بتایا ہے کہ مشع کا ہبہ صرف ناجائز ہے یا ادھورا جائز ہے (صحیح غیر تام) ہے جس کی بحر الرائق کی عبارت سے بھی توثیق ہوتی ہے۔

کفایہ میں اس اصول کو مزید وضاحت سے بتایا گیا ہے اور ایسے مشع کا حصہ جو قابل تقسیم ہے حصہ دار یا کسی غیر حصہ دار کو جائز نہیں ہے۔ لیکن (اسامہؒ) نے بتایا کہ اگر قبضہ حاصل کر لیا گیا ہے تو جائیداد پر حق ثابت کرنے میں یہ کار آمد ہوگا۔

کسی مشع کا بیع خواہ یہ قابل تقسیم ہو جائیں، جائز ہے۔ اسی طرح اس کا کرایہ (پٹہ) حصہ دار کو جائز ہے۔ اگرچہ کسی غیر (اجنبی) کے لیے جائز نہیں ہے اس کے فتوے

سے بھی تصدیق ہوتی ہے لیکن کسی غیر کو بلا تقسیم شدہ حصہ (مشع) کا پٹہ محض ناجائز ہے۔ ایک غیر تقسیم شدہ حصہ (مشع) کا حصہ دار کو قرض دینا جائز ہے لیکن ایک غیر کو ایسی صورت میں جب کہ حصہ تقسیم کر کے دیا جائے، جائز ہے۔ مشع کا رہن ناجائز ہے خواہ یہ قابل تقسیم ہو اور خواہ یہ حصہ دار کو دیا جائے یا غیر کو فتاوائے عالمگیری کی درج ذیل عبادت سے اصول مشع کی اصطلاحی نوعیت پورے طور سے واضح ہو گی۔

"اگر کوئی شخص درمیانی (تقسیم والی) دیوار کے ایک حصہ کو یا راستہ یا غسل خانہ کو ہبہ میں دینا چاہے جسے وہ مختص کر دے اور موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے کے لیے مجاز کر دے یہ ہبہ اس طرح جائز ہو گا جیسے کہ ایک مکان کسی دوسرے کو مع دروبست تمام حقوق ہبہ کر دیا ہو اور جس پر موہوب الیہ نے تقسیم شدہ حصہ پر جداگانہ قبضہ پالیا ہو لیکن اس میں آمدورفت کا حق دونوں کے درمیان مشترک ہو ایسا ہبہ جواہر الاخلاق کے مطابق جائز ہے۔

"اصل" میں آیا ہے کہ اگر کسی عمارت کا نصف حصہ بلاتقسیم کسی شخص کو ہبہ کیا جائے اور اس کو قبضہ دیدیا جائے اور اگر وہ اس کو بیع کر دے تو یہ بیع جائز نہیں ہو گا اور یہی فتوے میں صریحاً مذکور ہے کہ یہ اصول صحیح ہے اسی کی تائید واجزالکروی سے ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ایسی عمارت کو جس میں اس کا کچھ اسباب بھی رکھا ہو ہبہ کرے اور موہوب الیہ کو محض یہ عمارت اسباب کے دے تو ہبہ جائز نہیں ہے لیکن ایک ایسا طریقہ (حیلہ) بھی ہے جس سے کہ ایسا ہبہ جائز ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اولاً تو موہوب الیہ کے پاس اپنا اسباب رکھدے اور پھر اپنے لئے اس سامان کو خالی کرائے اور عمارت اس کے سپرد کرے اس کے برعکس اگر وہ شخص اسباب کا ہی (بلا عمارت) ہبہ کرے اور موہوب الیہ کے لیے اس کو خالی کرائے تب عمارت پر قبضہ دے یا عمارت اور اسباب ساتھ ساتھ ہی ہبہ کرے اور موہوب الیہ دینے کے لیے انہیں خالی کر دے تو بقول جواہر النیرہ تمام صورتوں میں ہبہ جائز ہو گا۔

اگر دوران سپردگی عمارت واسباب کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے اور ان میں سے ایک کا ہبہ کر کے اس کو اس پر قبضہ دیدیا جائے اس کے بعد دوسرے کا ہبہ کر کے اس پر بھی قبضہ دیدیا جائے اور ابتدا عمارت سے کی جائے تو ایسی صورت میں عمارت کا ہبہ جائز

نہیں ہے۔ بلکہ اسباب کا ہبہ جائز ہے۔ اگر اسباب کا ہبہ پہلے کیا جائے تو بقول جواہر النیرہ دونوں کا ہبہ جائز ہوگا۔

اگر کسی زمین کا ہبہ بلا فصل ایستادہ کے کرے یا فصل کے ہبہ بلا زمین یا درختوں کے کرے یا پھول یا پھلوں کا ہبہ بلا درخت کرے اور ان کو موہوب الیہ کے لیے خالی کردے ان میں سے کسی صورت میں بھی ہبہ جائز نہ ہوگا۔ وجہ یہ کہ وہ اتنے متصل ہیں کہ ایک دوسرے کا جزو بن گئے ہیں۔ ہبہ مثل مشع کے ایسی شئے ہے جو قابل علیحدگی ہے لیکن اگر وہ شخص ہر ایک کو بطور ہبہ علیحدہ علیحدہ دے مثلاً پہلے فصل اور اس کے بعد زمین دے یا اول زمین اور بعد میں فصل ان دونوں کو ساتھ ساتھ دے تو دونوں کا ہبہ جائز ہوگا لیکن اگر بوقت سپردگی قبضہ دونوں کو علیحدہ کردے تو دونوں کا ہبہ ناجائز ہوگا۔ خواہ وہ کسی سے ابتدا کرے۔ اور یہی اصول سراج الوہاج میں درج ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عمارت کا ہبہ کرے اور اس وقت تک قبضہ نہ دے جب تک کہ اسباب بھی نہ دے اور دونوں کو ساتھ ساتھ ہی دے تو ہبہ جائز ہے۔ اسی طرح جب کوئی اناج کی بوری یا کنہ دے اور جب تک کہ غلہ مشمولہ کا ہبہ نہ کرے انہیں نہ دے بعد میں دونوں ہی دیدے تو سب کا ہبہ جائز ہوگا۔ جیسا کہ محیط میں درج ہے۔ اگر بوقت ہبہ مکان خالی ہے لیکن بوقت قبضہ دہانی گھرا ہوا ہے۔ ایسا ہبہ ناجائز ہے اور نہ واہب کے ان الفاظ سے کہ قبضہ لے لو میں نے تمہارے سپرد کردیا ہے یہ ہبہ جائز ہوگا بلکہ واہب یا اس کے آدمی یا اس کا اسباب اس عمارت میں ہوں۔ تتار خانیہ کا یہی قول ہے۔

ایسی اشیا کا ہبہ جو کہ رکھی ہوئی ہیں یا ان پر قبضہ ہے

ایک ایسی شئے کا ہبہ جو کہ دوسری جگہ رکھی ہوئی (شاغل) ہے جائز ہے۔ لیکن اس شئے کا ہبہ جس پر وہ رکھی (مشغول) ہے ناجائز ہے جنس کے معاملات کا اصول یہ ہے کہ شئے موہوبہ جو واہب کی جائیداد میں رکھی ہوئی ہے یا اس میں ملی ہوئی ہے تکمیل ہبہ میں مانع ہوتی ہے اس لئے کہ قبضہ لازمی ہے مگر شئے موہوبہ جو واہب کی جائیداد پر رکھی ہوئی ہے یا اسے روکے ہوئے ہے تو ہبہ کی انجام دہی میں حارج نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی آراضی کی فصل یا اس کے درخت کے پھل یا تلوار کی نیام

یا عمارت کے حصہ یا اناج کے ڈھیر میں سے اناج کا کچھ وزن ہبہ کرے اور موہوب الیہ کو ہدایت کرے کہ فصل کو دور کرے یا پھلوں کو اکٹھا کرے یا نیام کو نکال دے یا عمارت کے حصہ کو نکال دے یا غلہ الگ تولے اور وہ شخص حسب ہدایت عمل کرے تو یہ ہبہ علیٰ وجہ الاستحسان جائز ہوگا لیکن اگر حصول قبضے کی اجازت نہیں ہے اور وہ قبضہ حاصل کرلیتا ہے تواس کی ذمہ داری ہوگی۔ ایسا ہی کافی میں درج ہے۔ ایک زوجہ کا اس کے مکان کا ہبہ جب کہ اس میں زوجہ اور شوہر دنوں سکونت پذیر ہوں، جائز ہے جیسا کہ واجزالکروی میں بتایا گیا ہے۔

ہبہ باطل ہو جاتا ہے اگر کسی جزو میں کسی اور کا حق ثابت ہو

اگر کسی شخص کے پاس کرایہ پر مکان ہو اور کرایہ پر دینے والا اس مکان کا ہبہ کردے تو تتار خانیہ کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنا مکان مع فرنیچر ہبہ کردے اور دونوں پر ہی قبضہ دیدے اور بعد ازاں فرنیچر کے متعلق اپنا حق ثابت کردے تو مکان کے متعلق ہبہ جائز ہوگا جیسا کہ کافی میں درج ہے۔ یہ امر کہ اگر شئے موہوبہ علاوہ واہب کی جائیداد کے کسی اور مکان میں رکھی ہو تو آیا اس سے تکمیل ہبہ ہو جاتی ہے اس بارہ میں مصنف محیط نے موضوع ہبہ کے پہلے باب میں بتایا ہے کہ اس کا یہ منشا نہیں ہے بلکہ اس کے بقول اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو مکان مستعار دے اور وہ اس مکان سے کچھ جائیداد خورد بُرد کر کے اس مکان میں رکھدے اور مستعار رکھنے والا مکان مذکور کو ہبہ کردے تو یہ ہبہ جائز ہوگا۔ علیٰ ہٰذالقیاس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ایک مکان مع فرنیچر سپرد کرے اور اس کے بعد اس سامان کو مع مکان ہبہ کردے تو ہبہ جائز ہوگا اور اگر دوران قبضہ موہوب الیہ کا فرنیچر ضائع ہو جائے تو شخص حقدار فرنیچر کا معاوضہ موہوب الیہ سے پانے کا مستحق ہوگا۔ ابن رستم نے اس کو امام محمد کا نظریہ بتایا ہے۔ حالانکہ بقول امام اعظم اگر کوئی شخص کسی ایک کا مستحق ہو تو ہبہ مکان ناجائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص ایسے کٹے جن میں کہ سامان ہو ایسی بوری جس میں کہ غذا ہو ہبہ کر کے موہوب الیہ کو دے اور بعد ازاں اس شئے پر اپنا حق ثابت کرے ان میں سے ہر صورت میں کٹوں یا بوری کا ہبہ مکمل ہو جائے گا اور یہی محیط کا قول ہے۔

اگر کوئی شخص مکان مع فرنیچر ہبہ کر کے ہر دو پر قبضہ دیدے اور اس کے بعد دوسرا شخص فرنیچر پر اپنا حق ثابت کرے تو مکان کا ہبہ جائز نہ ہوگا اور اگر فرنیچر جائز شخص کے مطالبہ سے قبل ضائع ہو جائے تو فرنیچر خواہ موہوب الیہ کو صریحاً تفویض کیا گیا تھا یا نہیں مگر واہب جو اس کا مالک جائز ہے، موہوب الیہ سے معاوضہ پا سکتا ہے۔

بقول بعض ابو محمد کا یہ اصول ہے لیکن ہمارے تمام فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ جب تک شئے نہ ہٹالی جائے، معاوضہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دوسروں کا بھی یہی کہنا ہے۔ ہمارے فقہا کا بھی یہی قول ہے اور محیط السرخسی کے مطابق یہی قول صحیح ہے۔

اگر کوئی شخص ایسی عمارت کا حصہ ہبہ کرے جس پر کہ قبضہ دیدیا گیا ہو مگر بعد ازاں اس کے ایک حصہ میں اپنا حق ہو تو "ینابیع" کے مطابق یہ ہبہ باطل ہے اور اگر کوئی شخص آراضی مع کاشت یا درختان کھجور سے پھل ہبہ کر کے ہر دو پر قبضہ دیدے مگر بعد میں فصل یا پھلوں پر اپنا حق کاشت ثابت کرے تو آراضی یا درخت کا ہبہ باطل ہے۔ محیط میں ایسا ہی آیا ہے۔ ایک شخص اپنی آراضی مع فصل کا ہبہ کرتا ہے اور فصل کو درو کر کے اس پر قبضہ دے دیتا ہے مگر اس کے بعد ان میں سے کسی ایک پر اپنا حق ثابت کرتا ہے تو ہبہ باطل ہوگا۔ اور یہی محیط السرخسی کا قول ہے۔

اگر ایک شخص کسی مکان کا مالک ہو اور دوسرے کا جزواً ہو اور کسی شخص سے یہ کہے میں یہ دونوں مکانات تجھے ہبہ کرتا ہوں تو ہبہ کسی کا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں تجھے یہ مکان اور دوسرے میں اپنا حصہ ہبہ کرتا ہوں تو یہ جائز ہوگا جیسا کہ خزینۃ المفتین میں بتایا گیا ہے۔

فتاویٰ الابتدائیہ میں درج ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مکان اپنی زوجہ اور جو کچھ اس کے رحم میں ہے (غیر پیدا شدہ بچہ) کے حق میں ہبہ کرے یا بطور صدقہ دے تو جائز نہ ہوگا لیکن اگر زندہ کے حق میں ہبہ کرے اور دوسرا ہبہ ایسے شخص کے نام کرے جو مر چکا ہے اور مثل دیوار کے جو غیر ذی روح ہے تو یہ تمام ہبہ ذی روح کے حق میں جائز ہوگا جیسا کہ تاتارخانیہ میں بتایا گیا ہے۔

ایک شخص جس کا موتی گم جاتا ہے اس کا ہبہ وہ کسی دوسرے شخص کے حق میں کرے اور اس کو تلاش کرنے اور مل جانے پر قبضہ کا مجاز کر دے تو بقول امام ابو یوسف

ایسا ہبہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ محض ایک اتفاقیہ امر ہے۔ ظہریہ کا بھی یہی قول ہے۔

جب کوئی شخص اپنے شریک (مضارب) کاروبار کو جائیداد ہبہ کرے اور اس کا کچھ جزو لوگوں سے واجب الوصول ہے اور کچھ جزو شریک کے قبضہ میں ہو تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کا ہبہ جائز ہے مگر جو دوسروں کے قبضہ میں ہے تو اس کے یہ کہنے پر کہ وہ تم وصول کرلو ہبہ جائز ہے لیکن وہ شئے غیر حاصل شدہ منافع (رائج) کی صورت میں ہے تو اس کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔ ایسا ہی محیط میں آیا ہے۔

ایک شریک کا دوسرے شریک کو ایسے حصہ کا منافع میں ہبہ جو کہ جائز ہے

جب دونوں شرکا میں سے کوئی ایک دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں اپنے منافع کا حصہ دیدیا ہے تو اس سلسلہ میں یہ آیا ہے کہ اگر جائیداد موجود ہو تو یہ ہبہ ایک قابل تقسیم مشع ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے لیکن اگر شریک نے جائیداد کو ضائع کردیا ہے تو اسقاط (حق معدوم) ہونے کی وجہ سے ہبہ جائز ہوگا جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

اصول مشع

یہ اصول درالمختار میں بہت سہل انداز میں دئے گئے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر شئے موہوبہ میں واہب کی کوئی ایسی چیز ہے جو ہبہ میں شامل نہیں ہے تو یہ تکمیل ہبہ میں مانع ہے۔ لیکن اگر شئے موہوبہ واہب کی کسی ایسی چیز میں رکھی ہوئی ہے جو کہ ہبہ میں نہیں دی گئی ہے تو یہ ہبہ میں مانع نہیں ہے۔ وہ اسطرح کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک تھیلا ہبہ میں دیتا ہے جس میں کہ واہب کا کھانا رکھا ہوا ہے یا اس کو مکان دیتا ہے جس میں کہ اس کا سامان رکھا ہوا ہے یا ایک جانور دیتا ہے جس پر کہ اس کی زین رکھی ہوئی ہے تو ہبہ جائز نہیں ہے مگر بر عکس صورت میں ہبہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کھانا یا فرنیچر یا زین ہبہ ہو جائے تو ہبہ موثر ہوگا۔ یہ امر کہ شئے موہوبہ میں کسی دیگر شخص کی کوئی شئے علاوہ واہب کے رکھی ہوئی ہے جواز ہبہ میں حارج نہیں ہے۔ اسکی وضاحت طحطاوی میں اس طرح کی گئی ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنے مکان اور فرنیچر کا ہبہ کرکے موہوب الیہ کو قبضہ دیدیتا ہے مگر فرنیچر کسی تیسرے شخص کی ملکیت میں تھا تو ایسی حالت میں صرف مکان کے بارہ میں ہبہ موثر ہوگا کیونکہ بوقت ہبہ مکان اور فرنیچر دونوں واہب کے قبضے میں

تھے۔اور ان کی سپردگی جائز تھی۔ لیکن فرنیچر پر دوسرے کے حق کا ثبوت مابعد، مکان کے ہبہ کو ناجائز نہیں کرے گا۔ "اشیاع" کے مطابق ایک مشمولہ شئے کا ہبہ جو کہ ایک باپ نے نابالغ لڑکے کے حق میں کیا ہو جائز ہے۔

کسی زوجہ کا اپنے خاوند کے حق میں مشمولہ اشیا کا ہبہ مسلمہ اصول کے مطابق جائز ہے اس لئے کہ زوجہ اور اس کی جائیداد خاوند کے قبضے میں تھی۔اس لئے ان پر قبضہ دہی خود بخود موثر ہے۔اگر ایک زوجہ اپنے شوہر کو ایسا مکان ہبہ کرتی ہے کہ جس میں دونوں سکونت پذیر ہیں اور اس کا اسباب بھی رکھا ہوا ہے تو ہبہ جائز ہے اور یہی اصول ہے۔جواہرہ میں شئے مشمولہ (جائیداد) کے جواز کے ہبہ کے سلسلہ میں ایک طریقہ بتایا گیا ہے پہلے واہب کی جائیداد موہوب الیہ کے قبضے میں بعینہ امانتاً رکھی جائے بعد ازاں بصورت مِشع موہوبہ اس پر قبضہ دیدیا جائے۔ یعنی جس جائیداد (مکان) میں وہ شئے رکھی ہوئی ہے اس کا ہبہ جائز ہوگا۔ چونکہ واہب کا فرنیچر اور اسباب بقبضہ موہوب الیہ پہلے سے ہی بطور امین ہے پس یہ تکمیل ہبہ میں رکاوٹ نہیں ہوگا۔

مشاع کے متعلق اعتراض کہاں تک لائق اطلاق ہے

مشاع کے بارہ میں ان اشیا پر یہ اعتراض نہیں ہوتا جن کی افادیت تقسیم کے بعد (مثلاً چھوٹا مکان یا چھوٹا غسل خانہ) برقرار نہیں رہتی۔ہبہ صرف انہی اشیا سے متعلق ہے جن کی تقسیم کے بعد بھی نہ افادیت ضائع ہوتی ہے اور نہ ان سے استفادہ میں کمی آتی ہے۔اس لئے ہبہ کی تکمیل میں ان کا تقاسمہ ضروری ہے۔بحرالرائق کے مطابق کونسی شئے قابل تقسیم ہے یا قابل تقسیم نہیں ہے،اس امر پر منحصر ہے کہ آیا قاضی قانوناً ایسے حصہ دار کو پابند کرسکتا ہے جب کہ دوسرا حصہ دار جائیداد کے تقاسمہ کا خواہش مند ہو۔

مشاع (انتشار) پر اعتراض میں یہ دیکھا جائے گا کہ آیا واہب شریک ہے یا غیر۔لیکن بقول دوسروں کے اگر وہ شریک ہے تو ہبہ جائز ہے۔یہی مسلمہ اصول ہے۔

ناجائز ہبہ میں قبضہ سے حق جائیداد ثابت ہو جاتا ہے

دُرو میں ہے کہ اگر واہب شئے موہوبہ کو تقسیم کرے تو اس پر قبضہ جائز ہے اور وہ عذر دور ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ایسی صورت میں قبضہ دے کہ شئے موہوبہ اس کی

دوسری جائیداد میں ملی ہوئی ہو تو موہوب الیہ نہ حق قطعی حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ بلا کسی مشمولہ ذمہ داری کے معاملہ کر سکتا ہے بلکہ واہب کا حق انتقال بھی قائم رہتا ہے۔ فصول میں درج ہے کہ ایک ہبہ فاسد کی بنا پر جائیداد پر حق قبضہ ثابت ہو سکتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور یہی بزازیہ میں ہے۔ اور امدادیہ میں جو صحیح بتایا گیا ہے اس کے برعکس ہے لیکن لفظ الفتویٰ التصحیح کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے جیسی کہ مصنف نے مشع کے اصولوں کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔

شیوع "انتشار" جو مکمل ہبہ میں حائل ہوتا ہے بوقت "مکارین" موجود ہوتا ہے مگر اس کے بعد "تری" میں حائل نہیں ہوتا۔

اصول مشع میں اصطلاحی صورت کی تمثیل اس اختلاف رائے سے ظاہر ہوتی ہے جو قطعہ آراضی (معہ ایستادہ فصل) کے جواز ہبہ کے بارہ میں ہے۔ بعض قانون دان (فقہا) کی رائے ہے کہ اگر تیسرے شخص نے فصل پر اپنا حق ثابت کر دیا ہے کہ یہ مثل انتشار ابتدائی (شیوع مکارین) کے ہے تو یہ ہبہ آراضی کو بھی باطل کر دیتا ہے جب کہ دوسرے جن میں (صدر الشرائع) اور ابن نکمل بھی ہیں ان کے مطابق یہ صرف شیوع عائلہ ہے اور ہبہ آراضی کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

مسلمہ اصول

"منطقہ" کے مطابق ابو یوسف کی رائے میں زوجین میں سے کوئی بھی اس مکان کا جائز ہبہ جس میں کہ ہر دو سکونت پذیر ہیں، نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر اصول مسلمہ سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے اور اب یہ طے شدہ مسئلہ قانونی ہے کہ دونوں صورتوں میں ایسا ہبہ جائز ہے۔

بقول امام اعظم اگر کوئی شخص اپنے مکان کو دو شخصوں کو ہبہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور ان کا یہی اصول تمام اشیا قابل تقسیم پر منطبق ہوتا ہے لیکن ان کے ہر دو شاگردوں کے مطابق ایسا ہبہ ناجائز ہے مگر ابو حنیفہ کے مطابق بھی ہبہ اس صورت میں جائز ہے جب واہب تعین حصص کر دے مگر مسلمہ قانون ان کی اس رائے کے بالراست برعکس ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان کا نصف حصہ کسی ایک شخص کے حق میں

ہبہ کرے اور دوسرا کسی دیگر کے حق میں اور یہ دونوں حصے بوقت ہبہ دیدے تو یہ ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر قبضہ ایک کو دوسرے سے پہلے دے تو یہ ہبہ جائز نہ ہوگا مگر بقول امام اعظم یہ ہبہ کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

قبضہ ایک ناجائز ہبہ کو مکمل کر دیتا ہے

مجمع الانہار میں ہے کہ یعقوب پادشاہ کی رائے میں اگر کوئی شخص کسی قابل تقسیم شئے کو دو شخصوں میں ہبہ کرے تو یہ ایک ناجائز ہبہ ہوگا مگر باطل نہ ہوگا۔

بقول امام اعظم اگر موہوب الیہم کا ان کے بقول جائیداد پر قبضہ ثابت ہو جاتا ہے تو فتویٰ بھی اسی طرح ہے اور یہ رائے صدر الشہید کے عین نظریہ کے مطابق ہے۔ کسی مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد میں کسی حصہ پر اگر قبضہ ہو جائے تو اس سے جائیداد پر حق ثابت ہو جاتا ہے اور یہی امر مجمع الانہار کی عبارت سے صاف ہے۔

جامع الفصولین اور نہایہ میں بتایا گیا ہے کہ ھبۃالفاسد قبضہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے اگر چہ بعض نے دوسرا خیال صحیح بتایا ہے تاہم لفظ "فتویٰ" صحیح کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ مصنف کے اس قول کے سلسلہ میں کہ مشع تکمیل ہبہ میں حائل ہوتا ہے، شارحین کے نزدیک قبضہ ضروری ہے جیسا کہ فصولین میں ہے مگر ذیلیہ کی رائے میں ایسی شئے کا ہبہ جس پر واہب کا بھی حق ہو ناجائز ہے اور عمادیہ نے بھی اشیا کی شرح میں بتایا ہے کہ یہ اصول ان دو مقولوں کی بنا پر جن کی وجہ سے اس قسم کے مشع کے بارہ میں (جو قابل تقسیم ہیں) اختلاف پیدا ہوا ہے یعنی ایسا ہبہ باطل یا نامکمل ہے مگر یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، جیسا کہ "بزازیہ" میں کہا گیا ہے۔ دُرّالاحکام میں درج ہے کہ ایک ناجائز ہبہ سے جائیداد پر قبضہ مل جاتا ہے ایسا ہی فتویٰ ہے اور فصولین میں بھی یہی درج ہے۔

درالمختار نے بھی دُرر کی عبارت کا حوالہ دیا ہے فصولین کے حوالہ سے دُرر میں درج ہے کہ ایک ناجائز ہبہ کے ذریعہ جائیداد پر قبضہ حق ثابت کرنے میں کارآمد ہوتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے اور بزازیہ میں بھی۔ اس کے برعکس عمادیہ میں جو بتایا گیا ہے وہ صحیح ہے تاہم لفظ "فتویٰ" لفظ "صحیح" کی نسبت زیادہ قوی ہے۔

فصل ہفتم:۔اصول قبضہ

یہ اصول ذہن میں رکھنے کے بعد کہ قبضہ سے ایک ادھورا یا نامکمل ہبہ جائز ہو جاتا ہے، مجمع الانہار کے مصنف نے قبضہ الکامل (مکمل قبضہ) کی اس طرح تعریف کی ہے اور قبضہ الکامل (مکمل قبضہ) سے بحوالہ اشیا منقولہ مراد یہ ہے کہ ان کا ان کی نوعیت پر انحصار ہے اور غیر منقولہ جائیداد کے حوالہ سے یہ منشا ہے کہ جو اس کی نوعیت کے مطابق ہو جیسا کہ مکان کی کنجی لینا جو کہ قبضہ کے مساوی ہے۔

قبضہ حاصل کرنے کا اختیار کافی ہے

اس کے باوجود واقعی قبضہ تکمیل ہبہ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ درالمختار کے مطابق قبضہ حاصل کرنے کی حالت میں ہونا قبضہ لینے کے مساوی ہے۔ بالفاظ دیگر موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے کی حالت میں لے آنا قبضہ دینے کے برابر ہے اسی طرح اس غرض سے اختیار تفویض کرنا بھی اسی کے لیے پوری طرح کافی ہے۔

حمیدیہ میں جامع الفتاویٰ کے حوالہ سے درج ہے کہ اگر کوئی شخص ہبہ کرتا ہے تو آراضی پر ایستادہ فصل یا کھجور جو درخت پر لٹک رہے ہیں یا نیام جو نیچے پر ہے یا کوئی عمارت یا دینار جو دوسرے شخص کے ذمہ یا ہر وہ چیز جو ناپی کی جا سکتی ہے اور موہوب الیہ کے اس کے دُرو کرنے یا نہیں توڑنے یا اتارنے یا قبضہ کرنے یا تولنے کا اختیار ہے اگر موہوب الیہ ایسا کرے تو مفرط توضیح کی بنا پر یہ جائز ہبہ ہو گا۔

مکرر یہ کہ اگر واہب خود یا اس کا نائب تقسیم کرتا ہے یا اگر واہب موہوب الیہ کو شریک کے ساتھ حصہ کرنے کے لیے مجاز کرتا ہے تو اس سے بھی ہبہ مکمل ہو جائے گا اور یہ رائے بر بنا فتاوائے قاضی خان مزید ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی شئے ہبہ کی جائے اور وہ شخص اپنے نائب سے قبضہ حاصل کرنے کے لیے دو شخصوں کو مقرر کرے اور وہ دونوں قبضہ حاصل کر لیں تو جیسا کہ فتاوائے قاضی خان میں درج ہے، جائز ہو گا۔

اصول مشاع زمینداریوں میں لاگو نہیں ہے

کتب فقہ میں جو تمثیلیں دی گئی ہیں، ان سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اصول مشع محض آراضی کے چھوٹے قطعات اور مکانات پر لاگو ہوتا ہے۔

عرب فقہا نے بظاہر اس پر غور نہیں کیا کہ یہ اصول بڑی زمینداریوں کے مخصوص حصوں میں یا ہندوستان میں جن کو زمینداریاں کہا جاتا ہے ان پر لاگو ہونا چاہئے۔ جب یہ اصول احناف میں لاگو ہوا اس وقت ہم عصر ریکارڈ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت وہاں بڑی زمینداریاں تھیں۔ جیسی کہ ہم ہندوستان میں جانتے ہیں۔

عرب فتوحات نے فارس قدیم کے زمینداری نظام کو ختم کردیا تھا۔ پس ساسانیوں کے تحت ایک دہقان جو زمیندار کی حیثیت رکھتا تھا، ایک کمتر زمیندار یا کسان بن گیا۔ عرب حکومت کے تحت ملک کی زمین یا تو عرب آباد کاروں میں تقسیم کردی گئی یا قدیم مالکان کے قبضے میں اس نوعیت سے رہی کہ وہ نئی حکومت کو تباہ کرنے کے لیے کوئی متحدہ گروہ نہ بنالیں۔ فقہ حنفی کے آغاز میں سوسائٹی کی معاشی حالت ایسی ہی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وہ وقت تھا کہ متقدمین حنفا نے عروج حاصل کیا۔ عوام کی خوشحالی کے وسائل خاص کر بھیڑوں اور بکریوں کی عام تجارت، وسیع گلوں کی تجارت اور کشت زار کے قطعات تھے۔ ابتدا میں اصول مشع کا بڑی زمینداریوں پر اس طرح اطلاق مقصود نہ تھا جیسا کہ بعد میں ہوا۔

عابد النسا بنام امیر النسا

پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے بمقدمہ عابدالنسا بنام امیر النسا اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے کہ آیا کسی ہبہ کی ناجوازی بربنائے مشع ان حصص زمینداری پر اعتراض عائد ہوتا ہے جو کہ علیحدہ خود مال گزاری ادا کرتی ہیں۔

عدالت العالیہ میں ایسے ہبہ جات ت کے جواز کے بارہ میں اس بنا پر اعتراض قانونی کیا گیا تھا کہ مشع یا کسی جائیداد کا غیر تقسیم شدہ حصہ جو قابل تقسیم ہے، بروئے شرع ناجائز ہے۔

عدالت العالیہ میں پہلی بار یہ مسئلہ پیش ہوا اور اس پر بحث کی گئی۔

حسب شرع ہبہ سے متعلق جو بھی قانون ہے ظاہر ہے۔

ہدایہ میں اس اصول کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔

اولاً ہبہ کی صورتوں میں قبضہ کی شرط ضروری ہے۔ چونکہ قابل تقسیم شئے میں ایک غیر معین حصے پر قبضہ نا قابل عمل ہے، اس شرط کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً۔ واہب پر ایسے تقاسمہ کی ذمہ داری عائد ہو کہ جس کے لیے وہ تیار نہیں ہے۔ فقہا نے ان غیر تقسیم شدہ اشیاء کی مثالیں دی ہیں جو کہ ہبہ میں نہیں دی جا سکتیں جیسے کہ درخت سے بلا توڑے ہوئے پھل، آراضی سے ڈرونہ کی ہوئی فصل۔ اس نوعیت کی اشیا کے بارہ میں ظاہر ہے کہ ان پر غیر تقسیم شدہ صورت میں قبضہ نہیں دیا جا سکتا جس سے واہب اور موہوب الیہ میں انتشار پیدا ہو سکتا ہے اور جس کی قانوناً اجازت نہیں ہے۔

موجودہ مقدمے میں اشیائے موہوبہ بعض زمینداریوں کے معین حصوں کی صورت میں ہیں اور ان میں نوعیت حقوق واضح کی گئی ہے جو برٹش گورنمنٹ کے پبلک ایکٹس کے مطابق ہیں۔

عدالت العالیہ نے اس امر کی وضاحت کے بعد کہ زمینداریوں میں حصص جداگانہ مال گزاری کی غرض سے معین تھے اور ان کا خسروں میں نمبر جداگانہ درج نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک پر گورنمنٹ کی جداگانہ مال گزاری معین تھی۔ نیز زمیندار کاشتکاروں سے معینہ حصہ لگان حسب استحقاق وصول کرتا رہا، یہ طے کیا کہ اصول شرع اس نوعیت کی جائیداد پر لاگو نہیں ہوتے۔

فاضل ججان کی رائے میں عدالت العالیہ کا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ ان کے فیصلے کے مطابق وہ اصل اصول اور بربنائے دلائل ان مخصوص معینہ حصص زمینداری پر لاگو نہیں ہوتے جو معینہ حاصل کی جداگانہ جائیدادیں ہیں۔

مسٹر Leith نے اس پر زور دیا ہے کہ جب آراضی غیر تقسیم شدہ ہے اور حصص مالکانہ کا تقاسمہ ہو سکتا ہے تو یہ حق قائم پر بھی جائیداد مشع ہی رہتی ہے۔

فاضل ججان کی رائے میں حصص زمینداری متعلقہ قوانین خاص (خود حصص) اور قبل تقسیم آراضی حصہ داران کی جن سے کہ وہ جداگانہ اور معینہ حاصل وصول کر کے کام میں لاتے تھے بربنائے اصول استدلال قانون مشع کے تحت نہیں آتے۔

بمقدمہ شیخ ممتاز احمد بنام زبیدہ جان یہی اصول وضع کیا گیا تھا۔ جب کسی جائیداد بالمشع کا جو قابل تقسیم نہ ہو ہبہ کیا جائے تو ہبہ کی شرط کے مطابق اس کی مقدار ظاہر یا

معین ہونا چاہئے پس اگر کوئی شخص اپنا حصہ ہبہ میں دینا چاہے اور حصہ معین نہ ہو تو ہبہ ناجائز ہوگا اس لئے کہ حصے سے عدم واقفیت نزاعات کا سبب ہو سکتی ہے۔

بمقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی

عدالت صدر نے یہ طے کیا کہ ایسی آراضی ہبہ جو کہ مشترکہ جائیداد کا جزو ہو، اس کے جواز کے لیے جداگانہ ہونا ضروری ہے۔ اور جائیداد کی وسعت اور حدود واضح ہونا چاہئیں۔ عدالت صدر کی پچھلی نظائر کے مطابق یہ ماننا پڑتا ہے کی مشع کی بنا پر یہ عذر موثر ہے مگر قواعد کی حسب شرع تائید نہیں ہوتی۔ لیکن کلکتہ اور الہ آبادہائی کورٹ کے تازہ فیصلوں میں اس مسئلہ میں زیادہ وسعت نظری سے کام لیا گیا ہے اور وہ جدید کتب ہائے فقہ مثل درالمختار مجمع الانہار اور درالمختار کے اصولوں سے قریب ہیں۔

مقدمہ جیون بخش بنام امتیاز بیگم

بمقدمہ جوان بخش بنام امتیاز بیگم ایک متوفی مسلمان کی لڑکی نے اپنے باپ کی ہبہ کی ہوئی جائیداد کے خلاف جو متوفی نے اپنی حین حیات اپنے بڑے لڑکے (مدعا علیہ) کو ہبہ کی تھی، اپنے حصہ کے قبضہ کے بارہ میں دعویٰ دائر کیا۔ ہبہ مذکور میں جو مدعا علیہ کے باپ نے اس کے حق میں کیا تھا دوسری جائیدادوں کا ایک ثلث حصہ وچند مشترکہ اور غیر تقسیم شدہ دیہات کی زمینداری بھی شامل تھی۔ بحیثیت قابض حصص مدعا علیہ کا باپ منافع دیہات سے گورنمنٹ کی مال گزاری و خرچہ دیہات ومصارف وصول یابی مال گزاری ادا کرنے کے بعد ایک ثلث کا مستحق تھا۔

مدعیہ کا استدلال تھا کہ بربنائے مشع ان حصص کا ہبہ ناجائز تھا۔ عدالت العالیہ نے یہ طے کیا کہ جائیداد زمینداری میں حصے متعین اور ہبہ کی حقیت زمینداری معین ہے جس کی جداگانہ حقیت ہے اس لئے یہ عذر ناقابل التفات ہے۔

قاسم حسین ودیگراں بنام شریف النسا

بمقدمہ قاسم حسین ودیگر بنام شریف انسا جس میں کہ ایک شخص نے دو موہوب الیہم کے نام ہبہ کیا تھا، ہبہ نامہ درج ذیل الفاظ میں تھا منکہ ۔۔۔ بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہوں کہ معافی کا ۱۲/۱ حصہ اور مکان سکونتی کی پشت پر مشمولہ ایک کمرہ شمال مشرق ردیہ

جس کے سامنے پانچ گز آراضی ہے دودالان شرق رویہ،ایک دروازہ،ایک جائے حوائج ضروریہ،ایک صحن اور ایک زینہ میری جائیداد موروثہ ہیں اور بربنائے تقاسمہ میرے قبضے میں ہیں۔ پس میں نے قاسم حسین اور ناظم حسین مدعی علیہم کو مذکورہ بالا جائیداد مع درو بست حقوق اصلی داخلی خُرد و کلاں اور اس کے متعلقات کا قطعی مالک بنایا ہے۔ جائیداد مذکور کسی دیگر شخص کے حق سے بری ہے اور نہ اس پر کوئی رہن نہ بار کفالت ہے اور نہ یہ بیع اور رہن ہے اور انتقال جائز کے سلسلہ میں کوئی امر مانع نہیں۔ جائیداد مذکور پر میرا بلا شرکت غیرے قبضہ ہے۔اس پر میں نے مالکانہ قبضہ دے دیا ہے۔ اب میرا اور میرے ورثا کا اس پر کوئی حق و مفاد نہیں ہے ۔ پس اپنے بجائے میں نے قاسم حسین اور ناظم حسین کو درج ذیل شرائط پر اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے۔ شرائط یہ ہیں کہ میری حین حیات جائیداد بغرض نگرانی میرے قبضے میں رہے گی۔ اور میری وفات کے بعد دونوں اس میں مساویانہ حصص کے برابر مالک قطعی ہوں گے اور اس کی آمدنی اپنے ضروری مصارف میں کام میں لائیں گے مگر کسی بھی وقت اس امر کے مجاز نہ ہوں گے کہ جائیداد کو منتقل کریں یا اس کو کفالت پر رکھیں۔اگر وہ جائیداد مذکورہ کو کبھی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ منتقل کریں گے تو بروئے دستاویز ایسا انتقال عدالت میں قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اس کے ورثا میں سے ایک نے منسوخی دستاویز کے سلسلہ میں مقدمہ میں دو عذر کئے ہیں اول یہ کہ دستاویز وصیت نامہ تھی اور اس لیے ۳/۲ حصہ جائیداد کے متعلق بلا رضامندی ورثا جائز نہ تھی۔

دوسرے یہ کہ یہ ہبہ بربنائے مشع جائز نہیں ہے۔اول الذکر اعتراض کے بارہ میں فاضل جج نے فیصلے میں لکھا ہے کہ دستاویز کا مقصد یہ ہے کہ معافی آراضیات میں واہب کا حصہ حق ملکیت میں مدعا علیہم کو منتقل کر کے مالک کر دیا جائے مگر واہب نے حین حیات خود آمدنی محفوظ کر دی اس لئے کہ کسی مختص حصہ کا ہبہ شرعاً نہ قابل اعتراض ہے اور نہ باطل۔اس لئے کہ واہب نے اپنے لئے منافع کو خواہ بربنائے عدم قبضہ (جو کہ حسب شرع جائیداد پر دینا ضروری ہے) یا ایسی شرط کی بنا پر ہو جس سے ہبہ فاسد اور باطل ہو جائے۔

بمقدمہ امجد علی خان بنام محمود بیگم عدالت پریوی کونسل نے یہ طے کیا کہ اگرچہ حق قانونی کے انتقال سے شرعاً اصول قبضہ مسئلہ کے قانونی اور اصطلاحی حیثیت سے

طے ہو جاتا ہے تاہم یہ تنہا اس امر کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ حال یا مستقبل میں انتقاع ملکیت منتقل کرنے کی نیت نہ ہو۔ جب کوئی واہب حسب شرع حین حیات خود جائیداد کو واقعی منتقل کردے اور نہ عین جائیداد اور نہ کسی حصہ پر اپنا قبضہ رکھے بلکہ محض اپنی حین حیات متواتر مسلسل آمدنی پر اپنا حق رکھے تو حسب شرع یہ مکمل ہبہ ہوگا۔

فاضل ججان نے لکھا ہے کہ "ہدایہ کے متن سے ظاہر ہے کہ مسئلہ مذکورہ پر غور ہو کر نفی میں طے کیا گیا ہے۔ واپس کی جانے والی شئے وہ نہیں ہے بلکہ اس سے مختلف ہے" (ملاحظہ ہو ابواب ہبہ جلد نمبر ۶ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۲۹۴)۔ اس عذر کے بارہ میں کہ جائیداد ہبہ کے منافع میں شامل ہونے سے ہبہ ناجائز ہو جاتا ہے یہ طے کیا گیا کہ واہب شئے موہوبہ یعنی تمام غیر تقسیم شدہ شئے سے منافع اندوز نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسری شئے سے مستفید ہوتا ہے اس لئے کہ ہبہ اصل شئے یعنی عین کا ہے نہ کہ اس کے منافع کا۔

اس صورت میں مقدمہ ہٰذا میں شئے موہوبہ گورنمنٹ پرامیزری نوٹ تھے جن کا منافع واہب نے اپنے لئے خود مخصوص کر لیا تھا۔ اور فاضل ججان نے لکھا ہے کہ اگر باپ کی حین حیات منافع کو کام میں لانے کا معاہدہ شرط متبائن قرار دیا جائے تو یہ صورت تمام شئے موہوبہ سے مستفید ہونے کے بھی منافی ہوگی۔ اس لئے حسب شرع ہبہ ناجائز نہیں ہے البتہ شرط ناجائز ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ باب ہبہ جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۳۶۵)۔ محض زمینداری میں منافع مخصوص کر لینے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ دوسرے عذر کے استدلال کے بارہ میں سب جج نے لکھا ہے کہ فیصلہ غلط ہے۔ دستاویز میں انتقال پر پابندی لگائی گئی ہے لیکن اس سے مرافعہ گذار کا زینہ۔ دروازہ اور جائے ضرور کے قبضہ کے متعلق عذر جائز ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا حصہ کا تقاسمہ ناقابل تقسیم ہے اس لئے اس حصہ کا ہبہ ناجائز ہے۔

عذر ثانی کے سلسلہ میں فاضل جج نے استدلال ہوئے لکھا ہے کہ مرافعہ گذار کا عذر زینہ، دروازہ و جائے ضرور کے بارہ میں صحیح ہے۔ جائیداد ہبہ کا یہ حصہ خارج کیا جاتا ہے اس لئے کہ مندرجہ بالا اشیا ناقابل تقسیم ہیں۔ موضوع مذکور پر ہدایہ کتاب (۳) پارہ (۱) میں یہ درج ہے کہ کسی شئے کے جز کا قابل، تقسیم حصہ، تاوقتیکہ مشع مذکور تقسیم نہ کر کے واہب کی جائیداد سے علیحدہ نہ کر دیا جائے جائز نہیں ہے۔ لیکن ناقابل تقسیم حصہ

کا ہبہ جائز ہے۔ اشیا محولہ بالا اس حصہ عمارت میں رہنے والوں میں مشترک ہیں جو کہ دوسری صورتوں میں منقسم شدہ نہیں اور اب ناقابل تقسیم ہیں چونکہ واہب نے اپنا تمام مفاد موہوب الیہم کو منتقل کر دیا۔ پس ایسی صورت میں ہبہ ناجائز نہیں ہے۔ مکان کے متعلق ہبہ کو موثر سمجھنا مہمل ہو گا اور آمد و رفت کے تمام ذرائع کو روکنا بقدر مہمل ہو گا۔

اصول مشاع میں الجھن

اصول مشع (انتشار) کے سلسلہ میں بمقدمہ ملک عبد الغفور بنام مسماۃ مالکہ فاضل چیف جسٹس نے مرافعہ گذار کی بحث میں اس عذر پر کہ ہبہ بربنا شرع غلط تھا اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے "ہمارے سامنے یہ بحث کی گئی ہے کہ واہب کی جانب سے کسی غیر منقسم جائیداد کا ہبہ ناجائز ہے۔ ہر دو موہوب الیہم کے حق میں ہبہ میں بلا ان کے حصص کی علیحدہ تقسیم کے ناقص ہے اور یہ موہوب الیہم میں انتشار کی وجہ سے ہے"۔

لیکن یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ اصول صرف ان اشیاء موہوبہ پر لاگو ہوتا ہے جو کہ قابل تقسیم ہیں (ملاحظہ ہو ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)

مندرجہ اصول کا منشا یہ ہے کہ ایسی شئے کا ہبہ جب تک کہ جائیداد علیحدہ یا تقسیم نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو (بیلی مسلم لا دوسرا ایڈیشن صفحہ نمبر ۲۰۷ فتاوائے عالمگیری کتاب ہبہ صفحہ نمبر ۵۲۱ میک فائدہ مسلم لا صفحہ نمبر ۲۰) یہ اصول صرف ان جائیدادوں پر جو قابل تقسیم ہیں، لاگو ہوتا ہے۔ حالانکہ مفاد عودی یا حق مالکانہ یا دوسرے حق نالش قابل تقسیم نہیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس اصول کی اصل وجہ کہ جو محض ہبہ جات پر ہو لاگو ہوتی ہے نہ کہ بیعات پر، یہ ہے کہ کسی شخص کے ورثا کے ان حقوق کے حفاظت کی جائے جو ہبہ کی وجہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے کچھ ایسی اسناد فقہ کا حوالہ دیا گیا ہے جو بظاہر ان اصول کی تائید میں ہیں۔ اس اصول کے متعلق غالباً دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرض خواہوں کی فریبانہ ہبہ جات سے حفاظت کی جائے۔ کسی ہبہ کی سچائی کی جانچ کا معیار یہ ہے کہ آیا شئے موہوبہ موہوب الیہ کو منتقل ہو گئی ہے۔

ہمارے سامنے مزید استدلال کیا گیا ہے کہ مشع کے قانون کے مطابق معاملہ ہذا میں جو ہبہ مدعا علیہم کو کیا گیا تھا وہ کلیتاً باطل ہے۔ اس لئے کہ ہبہ آراضیات کا ہے اور

ان آراضیات کا تقاسمہ نہیں ہوا تھا اگر اس ہبہ کو ان جائیداد ہائے زمینداری کے لیے جو پٹہ پر دی گئی تھیں جائز بھی سمجھ لیا جائے تو چونکہ یہ پٹہ میں نہیں دکھائی گئی ہیں اس لئے مکان باغات کے تعلق سے حالانکہ یہ قابل تقاسمہ تھے، ہبہ ناجائز تھا۔

نظام الدین بنام زبیدہ بی بی

معاملہ ہذا میں ایک شخص قادر بخش نے اپنی جائیداد کا ۱/۴ حصہ سب سے بڑے لڑکے کے نام ہبہ بالوصیت اس شرط کے ساتھ کیا کہ وہ حصہ جائیداد واقع دریائے راوی جانب شمال (مشمولہ آراضیات لیکھراج) موصی کے انتقال کے بعد ظہیر الدین کو منتقل ہو جائے گی لیکن دریا کے جانب جنوب واقع آراضی موصی کے سب سے چھوٹے بیٹے امان اللہ کو منتقل ہوئیں۔ تاکہ وہ ہر دو حصوں کی مال گزاری کی وصول یابی اور ادائیگی کر سکے۔ اس کا وہ حساب نہ دے گا اور جب تک کہ ظہیر الدین کے پسر مجاز پیدا نہ ہو یہ کارروائی کرتا رہے گا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ظہیر الدین ان زمینوں کا جن کا محصول دینا پڑتا ہے، نگرانی کا اہل تھا۔ ظہر الدین اور امان اللہ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد مندرجہ بالا آراضی کو اپنے قبضے میں رکھا اور موصی کی آراضی کے متعلق عمل کرتے رہے۔ یکم ستمبر ۱۸۶۴ کو ظہیر الدین نے اپنی جائیداد موہوبہ میں سے ۱/۵ حصہ کا ہبہ نامہ اپنے دو لڑکوں نظام الدین اور صدرالدین نابالغان کے حق میں تحریر کیا لیکن اس ہبہ نامہ میں دونوں بھائی حصص جائیداد کو کس طرح علی الترتیب تصرف میں لائیں یا تقسیم کریں اس کا ذکر نہیں تھا۔ ہبہ نامہ رجسٹری ہو گیا اور سال رواں میں دریائے راوی کے جانب شمال آراضیات کا داخل خارج ہو گیا۔ ۱۸۱۱ میں ظہیر الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے پس ماندگان میں کئی لڑکیاں اور ایک نابالغ لڑکا (نظام الدین و صدرالدین کے حق میں ہبہ نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوا تھا) چھوڑے۔ دریائے راوی کی جنوب کی آراضی امان اللہ اور اس کے قبضے میں رہی جس کے منافع کا کوئی حساب انہوں نے ظہیر الدین کو نہیں دیا اور ۱۸۷۱ تک موہوب الیہم قبضہ نہ پاسکے۔ دریائے راوی کے کنارے جانب شمال آراضی پر جیسا کہ ظاہر ہے موہوب الیہم نے فوراً قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ ظہیر الدین کی لڑکیوں میں سے ایک زبیدہ بی بی نے اپنے باپ کی متروکہ جائیداد سے، وصولیابی حصہ کا دعویٰ

کیا جس پر وہ بربنائے اخفائے ہبہ نامہ مستحق تھی۔

عدالت ابتدائی نے دستاویز کو اس لئے جائز قرار دیا کہ شئے موہوبہ واضح اور معین تھی۔ عدالت ماتحت اپیل نے ڈگری کو منسوخ کر دیا۔ رقم واصلات ذِمگی مدعی کے تعین کے لیے مقدمہ واپس کر دیا۔ یہ بھی طے کیا کہ شرعاً ہبہ نامہ جائز تھا۔ اس لئے کہ ہبہ موہوب الیہم سے علی الترتیب محض حصص کے تقاسمے کے مطابق کیا گیا تھا۔ چونکہ موہوب الیہ نے واہب کے انتقال کے بعد حصہ جائیداد واقع جانب جنوب دریائے راوی پر قبضہ نہیں کیا تھا، عدالت نے واضح طور پر یہ طے نہیں کیا کہ آیا جائیداد واقع جانب شمال دریائے مذکور کا ہبہ نامہ فوراً موثر ہو گیا۔ نیز یہ بھی طے کیا گیا کہ واہب سفیہ یا سادہ لوح تھا اگرچہ اس کے باپ نے آراضیات قابل ادائیگی مال گزاری کی نگرانی کی اس کو اجازت نہیں دی تھی تاہم ایسا خیال کرنے کے لیے کوئی معقول وجوہات نہیں ہیں۔ مرافعہ خاص میں عذرات یہ تھے کہ ہبہ نامہ حسب شرع ناجائز تھا اس لئے کہ آراضیات جنوب راوی پر واہب قبضہ دے سکتا تھا مگر وہ موہوب الیہم نے حاصل کر لیا تھا اور آراضیات جانب شمال پر واقعی قبضہ لے لیا تھا۔ خواہ ایک غیر تقسیم شدہ جائیداد کا ہبہ خلاف قانون تھا لیکن چونکہ موہوب الیہم قبضہ حاصل کر چکے تھے اس لئے ناجائز نہ تھا۔

عدالت العالیہ نے فیصلہ میں لکھا "مقدمہ ہذا میں مدعیہ کا مطالبہ اپنے باپ ظہر الدین کی متروکہ جائیداد میں ورثہ کی بنا پر ہے"۔ متوفی کے ہبہ نامہ کی بنا پر مدعیہ نے ہبہ نامے پر اس لئے اعتراض کیا ہے کہ متوفی کمزور فرضی تھا اس لئے ۱۸۶۰ء میں ہبہ نامہ اپنے لڑکوں کے حق میں تحریر کیا۔ تاریخ مذکور کے بعد ایک دوسرا لڑکا پیدا ہوا اس طرح دستاویز کا منشا یہ تھا کہ اس کا چھوٹا بیٹا اور کئی بیٹیاں بوجہ ظاہر حق سے محروم ہو جائیں۔ عدالت ابتدائی میں دستاویز کو جائز قرار دیتے ہوئے دعویٰ خارج کر دیا گیا عدالت ماتحت اپیل نے دستاویز ہبہ کو تین وجوہات سے ناجائز قرار دیا۔

(۱) جائیداد شئے موہوبہ جو کہ قابل تقسیم تھی ہر دو موہوب الیہم میں تقسیم نہیں کی گئی۔

(۲) اس جزو جائیداد کی حد تک جو بوقت تحریر دستاویز واہب کے قبضہ میں نہیں تھا، ہبہ ناجائز ہے۔

(۳) اور اس طرح جائیداد اپنے لڑکوں کو منتقل نہیں کر سکتا تھا چونکہ جائیداد کا دوسرا حصہ اس وقت مسلمہ طور پر اس کے قبضہ میں تھا۔ عدالت ہائے ماتحت نے (جو ان کا فرض تھا) اس بارہ میں غور نہیں کیا اور فیصلہ دیا کہ ظہیرالدین کے انتقال سے قبل دستاویز موثر ہوگئی تھی۔ اگر دریائے راوی کے جانب شمال متعلقہ آراضی پر یہ دستاویز فوراً ہی موثر ہوگئی۔ اور عدالت ماتحت کا بھی رجحان ہے جس کی معقول شہادت بادی النظر سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جائیداد واقع جانب جنوب دریائے مذکورہ کے متعلق دستاویز موثر نہیں ہوئی۔ جائیداد کا موخر الذکر حصہ اس کی نگرانی میں تھا اور وہ اس کے منافعوں سے ہر دو حصص پر تمام معینہ مالگزاری ادا کرنے کا پابند تھا۔ شخص یا اشخاص جو حصہ جانب شمال پر قابض تھے مشکل سے نہ بلا قبضہ سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دوسرے حصے سے (جس پر اس کے یا ان کے ذمہ مال گزاری واجب ہو سکتی تھی) کوئی منافع حاصل نہیں کیا۔ بہر حال تمام صورتوں میں واہب نے حصہ جنوب پر جس قدر کہ اس کے پاس تھا اور وہ منتقل کر سکتا تھا قبضہ دیدیا۔ اگرچہ عدالت کے قبضے کے وجوہات نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صحت مشتبہ ہے تاہم یہ کہنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں کہ وہ حصہ غلط ہے۔

عام اصول شرع یہ ہے کہ ہر وہ شئے جو قابل تقسیم ہے بوقت ہبہ یا اس کے فوراً بعد ہر دو شخص کو تقسیم کر دیا جائے مگر یہ تقسیم قبضہ دہانی سے قبل ہونا چاہئے تاکہ قدر انتشار کو رد کرتے ہوئے پورا پورا اور مکمل قبضہ حاصل کیا جائے۔ مرافعہ گذار کی جانب سے یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ غیر منقسم جائیداد کا ہبہ خلاف قانون ہے مگر ایسا نہیں ہے بشرطیکہ موہوب الیہم نے اس پر قبضہ حاصل کر لیا ہو یہ کلیتاً ناجائز ہے۔ اس کی تائید صاحبین کے قول سے ہوتی ہے اگرچہ یہ امام اعظم کی رائے کے برعکس ہے لیکن درالمختار کے اور فتاوائے عالمگیری کی ایک عبارت سے (مثل موجود کے) خاص صورت میں جب کہ ہر دو موہوب الیہم میں سے ایک بالغ اور دوسرا اصغر سن ہے، ایک غیر تقسیم شدہ جائیداد کا قبضہ نہ صرف قطعاً ناجائز و فاسد بلکہ باطل ہے۔ اس اصول کی علت یوں بتائی گئی ہے اور اگرچہ کسی خاص طریقہ جیسا کہ بتایا گیا اس سے بچا جا سکتا ہے اور جو واضح طور پر قطعاً قابل فہم نہیں کہ مقدمہ ہذا میں دستاویز متنازعہ کے متعلق فریقین نے کوئی ایسا عذر

اختیار کیا پس عدالت ماتحت کے اخذ کردہ نتائج کی کثرت اسناد سے تائید ہوتی ہے اور اس نتیجہ (ماخوذہ) کو بر بنائے شرع بر قرار رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کے بر عکس ہوتا تو اس پر غور کرنا ہمارا فرض تھا کہ آیا ہم مقدمہ ہذا میں اصول شرع کو سختی سے منطبق کرنے کے پابند ہیں یا انصاف کے اصولوں پر نیک نیتی کے ساتھ غور کر کے فیصلہ دیں۔ اس سلسلے میں مزید بحث میں جائے بغیر یہ بتاتے ہوئے ہم مطمئن ہیں کہ دستاویز حسب شرع ناجائز تھی۔ اور حالات عقد کردہ کی بنا پر بھی یہ دستاویز قائم نہیں رہتی۔ ابھی بارہ سال نہیں گزرے کہ جب دستاویز تحریر ہوئی اور ظہیر الدین کے ورثا اگر وہ حیات ہوتے تو اس کو منسوخ کر سکتے تھے کہ وہ اس کے پابند نہیں ہیں اور ورثا ظہیر الدین پوری طرح اس کے جواز کی تردید کے مستحق ہیں۔ یہ ذرا مشکل ہے کہ فیصلے کی وجہ آخر کے استدلال سے اتفاق کیا جائے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اصول جن پر قدیم حنفی اصولوں کی بنیاد ہے وہ بڑی حد تک نظر انداز ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس اصول کی ابتدا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ فقہائے حنفی کے مشترکہ غیر تقسیم شدہ جائیداد کے استعمال کے اندیشہ کی بنا پر بھی ایسے ہبہ کی بابت دو موہوب الیہم کے حق میں ان میں سے ایک بالغ اور دوسرا نابالغ جو واہب کی سرپرستی میں نہ ہو، صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں نابالغ موہوب الیہ حصے پر حق قبضہ علاوہ واہب کے دوسرے وارث پر منتقل ہوتا ہے اور ابو یوسف اور محمد کے مطابق انتشار پیدا نہیں ہوتا یہ صورت تو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نابالغ موہوب الیہ خود واہب کی نگرانی یا سرپرستی میں ہو۔

نابالغ اور بالغ کو مشترکہ ہبہ

تمثیلاً جب کوئی ہبہ مشترکہ ایک بالغ اور دوسرے نابالغ لڑکے کے حق میں کیا جائے تو واہب بحیثیت سرپرست نابالغ لڑکے کے حصے پر قابض رہے گا اور پسر بالغ اپنے کے حصے پر قابض ہو جائے گا مگر ان حالات میں ہر دو موہوب الیہم کی جائیداد کے استفادہ سے متعلق نہ صرف ان میں انتشار پیدا ہو گا بلکہ واہب اور ان کے انتشار اور مشکل میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ اگر واہب (والد) کے قرض خواہ ہوں اور وہ عذر آور ہوں کہ یہ ہبہ بر بنائے فریب ان کے مفاد کے خلاف کیا گیا ہے تو اس نظریہ پر غور کرنے کے بعد

معلوم ہوتا ہے کہ غالبًا یہ اصول ابتداً اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ قرض خواہوں کی حفاظت ہو سکے اور واہب یا اس کے نمائندوں کی جانب سے تکمیل دستاویز کے بارہ میں تمام اعتراضات کی تردید ہو سکے موہوب الیہ مثل عطیہ یا محض "ہبہ" کی بنا پر جائیداد حاصل کرتا ہے تو شئے موہوبہ پر اس کا حق خود بخود مکمل نہیں ہوتا تاوقتیکہ واہب نے اس کو جائیداد تفویض نہ کردی ہو۔ واہب کی نیت اس سے ظاہر ہے کہ شئے موہوبہ پر اس کو قبضہ دے یا قبضہ حاصل کرنے کا اسے مجاز کردے اور اس طرح شئے موہوبہ کا دوسری جائیدادوں میں یا وہ جائیدادیں جو حصے داران کے قبضہ میں ہیں، انتشار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اگر ایسا نہ کیا جائے تو قبضۃ الکامل نہیں ہوتا اور محض عطیہ کا آغاز ہے۔ ہبہ کی بھی بظاہر یہی دلیل تھی جس پر دور اول کے فقہا کی رائے منحصر ہے۔

بالغ اور نابالغ کے حق میں ہبہ جائز کا طریقہ

اس مسئلہ پر حنفی اصولوں میں دو ترمیمیں ہوئی ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے آغاز سے ہی اس اصول کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس وقت بزازیہ کی تالیف ہوئی تھی اور انتشار کے بارہ میں دفع اعتراض ایک ضابطہ بنالیا گیا تھا یعنی تمام جائیدا بالغ کو تفویض کر دینی چاہئے اور پھر دونوں کے حق میں اس کا ہبہ کر دینا چاہئے۔ ایسی حالت میں بالغ موہوب الیہ نابالغ کا متولی بن جائے گا اور اس کو بطور امن پہلے ہی اس کو قبضہ تفویض کردیا گیا ہو تو ایسا ہبہ نابالغ کے ہبہ کے متعلق شیوع کا عذر دار نہیں ہوتا۔

ماہرین قانون کی رائے میں اس پر مزید اضافہ ہوا ہے اور سترہویں صدی میں جبکہ ردالمختار تالیف ہوئی یہ واضح طور پر ظاہر ہوا کہ دو بالغان یا دو نابالغان یا مشترکہ طور پر ایک بالغ اور ایک نابالغ کے حق میں ہبہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا سے ہی ایک نابالغ یا بالغ کے حق میں مشترکہ ہبہ میں فی نفسہٖ کوئی قانونی سقم نہیں تھا۔ اصل اعتراض نزاعات باہمی کو دور کرنے کی غرض سے تھا لیکن اگر دونوں کے مفادات کی کافی طور پر وضاحت کردی گئی ہو اور انتشار کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو شیوع کے خلاف یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔

اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ ہندوستان میں غیر منقولہ جائیداد کے انتقال کے سلسلہ میں رجسٹری وداخلی بیع کے بارہ میں قانونی تکمیل ودیگر شرائط ضابطہ جن سے فی الواقعی انتقال جائیداد مقصود ہو جائیداد کے حق میں استعمال کے متعلق کسی بھی نزاع

کے اندیشوں کے خلاف کافی ضمانت ہیں۔ ایسی صورت میں قدیم قانون کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ عذر شیوع سے ہبہ محض ناجائز ہوتا ہے لیکن باطل نہیں ہوتا ایسے ہبہ میں جو باطل ہو مگر فاسد یا غیر مکمل نہ ہو محض ناجائز ہو کافی فرق ہے۔

بزازیہ کے مطابق ایک ناجائز ہبہ قبضہ سے جائز ہو جاتا ہے۔ عمادیہ میں اگرچہ یہ اصول درج نہیں ہے مگر اس اصول کے مطابق کئی فیصلے صادر ہوئے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس اگر دو افراد کے حق میں ہبہ کیا گیا ہو اور دونوں قبضہ حاصل کرلیں تو ایسے ہبہ کی ناجوازی دور ہو جاتی ہے۔ ایسے مشع کا ہبہ جو کہ قابل تقسیم ہیں اور موہوب الیہم حصہ کے بعد تقسیم کرتے ہیں تو یہ ہبہ جائز ہے۔

ایک مکان کا نصف ہبہ (جو بصورت دیگر مشع کی غرض سے ناجائز ہوتا) حسب بزازیہ اس طرح جائز طور پر موثر ہو سکتا ہے یعنی۔

اولاً واہب ایک مقرر قیمت پر بیع کرے اور اس کے بعد مقروض (خریدار) کو قرضہ (قیمت مکان) چھوڑ دے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ کسی ہبہ کی ناجوازی کے لیے بوقت ہبہ شیوع یا انتشار کا ہونا ضروری ہے مگر بعد میں وہ حائل نہ ہونا چاہئے اور قانوناً اس کی نوعیت تسلیم کی گئی ہو۔ غیر متعین کا انتہاہی عذر موہوب یا موہوب الیہم کو جائیداد پر حصول قبضے کے اختیار سے روک دیتا ہے۔ اور اس طرح فعل ہبہ کے لیے وہ جواز مل جاتا ہے جس کی ابتدا میں ضرورت تھی۔ عرب فقہا نے ایسے انقلابی حالات میں پیدا ہونے والی مشکل کے ازالے کے لیے تحلیل کا اصول تجویز کیا ہے جس کے لفظی معنی قانوناً جائز بنانا ہیں۔ محولہ مسئلہ کا مقصد واہب کی جانب سے ایسی توضیح قانونی ہے جس سے کہ موہوب الیہ شئے موہوبہ کو اپنے تصرف میں لا سکے اور اس طرح اس کو ہبہ جائز بنائے۔ درج ذیل تمثیلوں سے قانون متعلق ہبہ پر کافی روشنی پڑی ہے۔

اصول تحلیل

اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے "جو کچھ میرا سامان کھائے وہ تیرے لئے جائز ہے" تو اس میں کھانا اس شخص کو جائز ہوگا۔ مگر بصورت نزاع ایسا نہ کرنا چاہئے ملتقہ میں ایسا ہی درج ہے۔ اگر کوئی دوسرے سے کہے کہ جس کسی نے میرا مال کھایا ہے اس کے لیے جائز ہے تو ایسا حسب فتویٰ جائز ہے ایسا ہی سراجیہ میں درج ہے۔

ابن فضائل نے ایک حدیث کے حوالہ سے بتایا ہے کہ ہر شخص کے لیے خواہ وہ غریب ہو یا امیر کسی درخت کا پھل کھانا جائز ہے۔ جب کہ درخت کا مالک یہ کہے کہ میرے درخت کے پھل کھانا تمام شخصوں کے لیے جائز ہے۔ ایسا ہی کتاب فتاوائے غیاثیہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے یہ کہے کہ میرے خلاف جو حقوق تمہیں حاصل ہیں ان کو میرے لئے جائز کردو اور وہ ایسا ہی کرے اور کہنے والے کو سبکدوش کردے ایسی صورت میں اگر مالک اپنے حقوق سے واقف ہے تو حقوق سے سبکدوشی چاہنے والا قانوناً نیک نیتی کی بناپر سبکدوش ہو جائے گا لیکن اگر صاحب الحق اپنے حقوق سے واقف نہیں تھا تو وہ صرف قانوناً سبکدوش ہو گا مگر ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ وہ نیک نیتانہ طریقہ پر بیباق ہو گا اور فتاویٰ اسی کی تائید میں ہیں۔ یہی خلاصہ میں درج ہے۔

اگر کسی شخص کے مملوکہ کوئی شئے دوسرے کے قبضے میں ہو اور وہ اس کو اپنے مال میں اس یقین کے ساتھ ملائے کہ شخص اول دوسرے کی چیزوں میں سے شناخت نہیں کر پائے گا۔ اگر پہلے والا مالک وہ چیز بھی اس کے لیے قانوناً جائز کردے تو یہ جائز ہے اگر بعد میں یہ چیز اسے مل جائے تو اس کو لوٹا دینا چاہئے کیونکہ کتاب میں ایسا ہی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میرے سامان میں سے جو بھی تجھے مل جائے اور جو بھی تجھے پسند ہے تیرے لئے جائز ہے ابو یوسف کے قول کے مطابق یہ صرف درہم و دینار تک ہی ٹھیک ہے مگر یہ جائز نہ ہو گا کہ وہ آراضیات درخت یا بادام یا گائے بکری بھی لے لے۔ ایسا ہی بجیریہ اور خلاصہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعلان کرے کہ اس نے اپنا مال دوسرے کے لیے کھانا جائز کر دیا ہے اور موخرالذکر کو اس اعلان کا علم نہ ہو اور وہ اس میں سے کھالے تو یہ جائز ہو گا اور محیط، سرخسی اور دار قطنی میں یہ درج ہے کہ اس کا ایسا کھانا جائز نہیں ہے تاوقتیکہ اجازت کا اسے علم نہ ہو۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کا مقروض ہے اور قرض خواہ کو اپنے رقم قرضے کا علم نہ ہو اور مقروض سے یہ کہے کہ اس قرضہ سے جو تمہیں دینا ہے، بیباک کردو اور وہ جوابا کہے کہ میں نے تمہیں دونوں جہانوں میں بیباق کر دیا۔ اس سلسلے میں فقیہ ناصر کا یہ کہنا ہے کہ مقروض صرف اسی حد تک رقم قرضے سے بیباق ہو گا جو کہ قرض خواہ کے تعین میں

ہے مگر محمد ابن سلمیٰ کی رائے ہے کہ مقروض اپنے پورے قرضے سے بیباق ہو جائے گا۔ ابو یوسف اور دوسرے فقہا کی رائے ہے کہ جو کچھ ابن سلمیٰ نے کہا ہے وہ قاضی کا فتویٰ ہے اور جو کچھ ناصر نے کہا ہے وہ آخرت کے لیے ہے۔ ایسا ہی ذخیرہ میں درج ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ جو کچھ مال کھایا ہے یا لیا ہے وہ تیرے لئے جائز ہے ایسے حالات میں کھانا تو جائز ہے لیکن لینا اور دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ سراج الوہاج میں ایسا ہی درج ہے مگر وکیل کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ تکمیل میں ہی ۱۰۰ یا ۵۰ درہم لے بلکہ صرف اتنا ہی لے جو کہ اس کے بسر اوقات کے لیے مناسب اور ضروری ہو۔ ملطقہ کا یہی قول ہے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ مشع کا اصطلاحی اصول قانون متعلق قبضہ کے مبالغہ آمیز تصور اور جائیداد بلا دخل پر تصرف کی وجہ سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسی جائیداد جو بر بنائے حق وراثت منتقل ہوتی ہو، اس مشع پر لاگو نہیں ہوتا اور اسی بنا پر یہ عذر بمقدمہ ابراہیم غلام عارف بنام سابیو جوڈیشل کمیٹی کے سامنے اٹھایا گیا تھا اس مقدمہ میں فاضل جج ان نے لکھا ہے: ''یہ قرار دیتے ہوئے بھی کہ قانون مشع منقسمہ جائیداد کے غیر تقسیم شدہ حصوں کے ہبہ میں مانع ہے تاہم یہ رنگون کے سکونت پذیر مسلمانوں کے حق وراثت پر لاگو ہوتا ہے۔ قانوناً مشع قابل توریث آراضی کے غیر تقسیم شدہ حصوں اور کمپنیوں کے حصص پر بطور ہبہ بالوصیت لاگو نہیں ہوتا''۔

مقدمہ ہذا میں محولہ نظریہ کے پیش نظر یہ بتانا ہے کہ اصول مشاع ایسے ہبہ جات کے لیے بطور امتناع نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص بیمار جانور کو یہ کہتے ہوئے چھوڑ دے کہ جو چاہے اسے کام میں لائے تو یہ اس کا ہو جائے گا اور دوسرا شخص اس جانور کو استعمال کرے تو یہ قانوناً اس کی جائیداد ہوگا۔ اور یہی ابو القاسم کا قول ہے۔

اسی طرح کوئی پالتو پرندہ چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی بیمار جانور کی تعریف میں آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی جائیداد کا جزو غصب کرے اور اس کا جائز مالک کہے کہ میں نے تجھے عام حقوق حلال کر دئے ہیں تو فقہا کی رائے میں وہ غاصب تمام ہرجہ کی ذمہ داریوں سے بری ہوگا مگر شئے مختص کو واپس لوٹانے سے بری نہیں ہوتا۔ بقول محمد

''اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا کسی جائیداد کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

اور مالک جائیداد کہتا ہے کہ میں نے اس کو تیرے لئے جائز کر دیا ہے تو یہ ہبہ ہے۔ لیکن اگر وہ اس کو تحلیل کہے تو یہ بیباقی ہوگی"۔ ذخیرہ میں ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے تمام مقروضوں کو ان کی ذمگی قرضے جائز کر دئے ہیں تو مقروضوں کی بیباقی ہوگی لیکن پٹے دار کے لیے نہیں ایسا ہی خلاصہ میں درج ہے اگر کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ میری جائیداد میں ایک درہم سے سو درہم تک اگر لے تو جائز ہے۔

واہب کسی وقت بھی جب تک کہ موہوب الیہ کو قبضہ نہ دیا گیا ہو شئے موہوبہ پر قبضہ کر سکتا ہے جس طرح قبضہ ناجائز ہبہ کو مکمل کر دیتا ہے۔ اسی طرح واہب کے ورثا کا یہ حق ہے کہ وہ قابل تقسیم جائیداد کے غیر تقسیم شدہ حصہ کے جواز پر جس پر کہ قبضہ دیا گیا ہو اور قبضہ لے لیا گیا ہو اعتراض کریں۔ حالاں کہ اس وقت یہ اعتراض مسلمان فقہا کے تصور میں بھی نہ تھا۔ علاوہ ازیں کمپنیوں کے حصص ازروئے شرع قابل تقسیم جائیداد کے زمرے میں نہیں آتے۔

جنوبی ہند کے مسلمانوں میں رواجی قانون

جنوبی ہند میں تو مسلموں نے اپنے بہت سے رسم و رواج کو قائم رکھا ہے خاص کر "ترواد" کو جو مشترکہ خاندان کا بنیادی طریقہ ہے جس میں کہ ماں سربراہ خاندان ہوتی ہے ان لوگوں میں اصول شرع میں کافی تغیر ہوا ہے مثلاً ایک مسلمان کا کیا ہوا ہبہ (جو رواجی قانون سے) اپنی بیوی یا بیٹی اور ان اولاد اناث کے حق میں جائز ہے اور اولاد مذکور کو خارج کرنے کی شرط ناجائز قرار دی گئی ہے۔

مرومکتیم قانون:۔ اس طرح کسی مسلمان خاوند کا (حسب قانون مروجہ تربویہ) اپنی بیوی بچوں کے حق میں ہبہ جو اس قانون کے پابند ہیں، یہ طے کیا گیا ہے کہ تنہا جائیداد مع حقوق قانونی موہوب الیہم کی ہوگی اور ان کے انتقال پر جائیداد اگرچہ حسب شرع (ماں) کے ورثا پر منتقل نہیں ہوتی۔ اگرچہ بصورت ہبہ ماں اس کے بچے ایک جداگانہ تردو میں نہیں آتے۔ اسی طرح شخصی قانون اور رواجی قانون میں نمایاں فرق آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

باب ۲۔ ارکان ہبہ

فصل اول:۔ تشکیل ہبہ کے الفاظ

ہبہ کا طریقہ

شرع کے تحت ہبہ کے لیے کسی رسم یا خاص تشہیر کی ضرورت نہیں ہے وہ زبانی یا تحریری ہو سکتے ہیں لیکن جب کسی جائیداد منقولہ کا ہبہ ہندوستان میں بذریعہ تحریر کیا گیا ہو تو قانون ہائے اسٹامپ ورجسٹریشن کی دفعات کی تکمیل ضروری ہے۔ ہبہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ صریح الفاظ استعمال کئے جائیں حتیٰ کہ اگر الفاظ سے اعلان اور اقرار بھی ظاہر نہ ہو لیکن اگر عمل سے نیت ظاہر ہے تو یہ کافی ہوگا۔ خزائنہ فتاویٰ میں درج ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی شئے اپنے لڑکے کو دے اور وہ اس کو تصرف میں لائے تو اس پر بھی وہ جائیداد باپ کی ہی رہتی ہے تاوقتیکہ ایسی کوئی علامت نہ ہو کہ اس نے اپنے لڑکے کو مالک بنادیا اور ملکیت لڑکے کو منتقل کردی۔ میری رائے یہی ہے اور اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اعلان اور اقرار کے الفاظ استعمال کرنے کی پابندی نہیں ہے بلکہ انتقال ملکیت کی نیت اگر قرائن سے ظاہر ہو تو کافی ہے مثلاً اگر ایک شخص کوئی شئے کسی فقیر کو دیتا ہے اور وہ اسے لیتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی لفظ استعمال نہیں کرتا ہے تو یہی کافی ہے اور یہی صورت تحائف اور اس کے مثل دیگر چیزوں کی ہے۔

اگر کوئی شئے بطور ہبہ تحریراً یا زبانی دی گئی ہے اور ایسا کوئی بھی لفظ ادا ہو جس سے کہ واہب اصل شئے کو ہبہ کرنا چاہتا تھا تو اس سے یہی قیاس کیا جائے گا کہ اس کی نیت شئے مذکور کو منتقل کرنے کی تھی۔ نیت یا ارادہ کا متعلقہ واقعات سے استنباط کیا جائے گا۔ شبہ کی صورتوں میں رہنما اصول ہونا ضروری ہے۔ المختصر اگر مستعملہ الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ کسی شئے کے حقوق مالکانہ کسی دوسرے کو منتقل کرنے کی نیت تھی تو وہ ہبہ ہوگا اور اگر کسی طرح یہ معلوم ہو کہ واہب کی نیت ایک محدود وقت کے لیے محض

حق و اصلات یا منافع پہنچانے کی تھی تو مسلک حنفی کے مطابق یہ عاریت ہوگی۔ فتاوائے عالمگیری کے متعلق الفاظ جن سے کہ ہبہ موثر ہوتا ہے تین قسم کے ہیں۔

اول۔ وہ الفاظ جن سے کہ ہبہ صریحاً ظاہر ہو۔

دوم۔ وہ الفاظ جن سے کہ ہبہ کنایتاً یا عرفاً ظاہر ہو۔

سوم۔ وہ الفاظ جن سے کہ ہبہ یا قرض دینے کے معنی پورے طور پر ذہن نشین ہوتے ہیں۔

مختلف نوعیت کے اظہار الفاظ کی مثالوں کے حوالہ کے ساتھ فتاوائے عالمگیری میں مزید بتایا گیا ہے کہ ان تمام صورتوں میں اصل اصول یہی ہے کہ جب ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں کہ جن سے اصل جائیداد کا حق منتقل کرنے کا منشا ہو تو یہ ہبہ ہوگا لیکن ایسی صورت میں جہاں منافع (حق تملیک) منتقل کرنے کا حوالہ ہو تو یہ بمنزلہ قرض ہوگا۔ لیکن اگر ان الفاظ سے کوئی بھی معنی اخذ ہو سکتے ہوں تو انحصار نیت پر ہوگا۔

صریح الفاظ کی مثالیں جن سے تکمیل ہبہ ہوتی ہے زبان کے نازک فرق پر متحد ہیں۔ اور انگریزی ادب کے مختلف جملوں کے علیحدہ علیحدہ پہلوؤں کو معناً ذہن نشین کرانا مشکل ہے لیکن عام نوعیت کی بعض مثالوں سے اس موضوع کے قانونی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

مثلاً یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری تمام جائیداد یا وہ تمام اشیا جو میری ملکیت میں ہیں، فلاں فلاں کے لیے ہیں۔ یہ بمنزلہ ہبہ ہوگا مگر بلا قبضہ دیے مکمل نہ ہوگا یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ تمام جائیداد جو مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔ وہ فتاوائے قاضی خان کے مطابق اقرار نامہ ہوگا۔

اگر کسی صغر سن بچہ کا باپ درخت لگائے اور کہے کہ میں نے یہ اپنے بچوں کو دیدیے تو یہ ہبہ ہوگا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے اپنے بچے کے نام ہبہ کر دیا ہے اور یہ تسلیم شدہ اصول ہے جو زیادہ تر فقہا نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ غیاثیہ میں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میری تمام مملوکہ جائیداد صغر سن بچہ کی ہوگئی تو یہ قبل عطیہ (کراوت) ہوگا نہ کہ ہبہ اور جب تک کہ وہ معین نہ کرے کہ اس نے کیا شئے دی ہے اس وقت تک ہبہ نہ ہوگا مثلاً اگر یہ کہے کہ مکان جس کا میں مالک ہوں یا میرا یہ مکان

میرے صغر سن لڑکے کا ہے تو یہ ہبہ ہوگا اگر یہ باپ کے قبضہ میں ہے تو ہبہ اسی وقت مکمل ہو جائے گا۔ کنایہ میں ایسا ہی درج ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ فلاں فلاں چیزیں میں نے اپنے لڑکے کو دیدیں تو یہ ہبہ ہوگا اور اگر وہ یہ کہے کہ یہ فلاں فلاں شئے کسی صغیر سن بچے کے لیے ہے تو یہ ہبہ بھی جائز ہوگا اور بلا موہوب الیہ کے قبول کئے ہی ہبہ مکمل ہوگا جیسا کہ تتار خانیہ میں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی اہلیہ کو اس غرض سے دینار دے کہ وہ ان سے پوشاک بنوائے اور اس کے سامنے پہنے۔ اگر وہ اس رقم کو (تجارت) کاروبار میں صرف کرتی ہے تو اس سے حاصل شدہ منافع اور اصل رقم اہلیہ کی ملک ہوگی بچوں کے لیے جو کپڑے بنائے جائیں تو وہ اس کی مملوکہ شئے ہوگی ۔ خادموں اور ملازموں کے لیے جو کپڑے بنائے جائیں تو وہ ان کی ملکیت نہ ہوں گے۔

شرائط جو فعل ہبہ کے جواز کے لیے ضروری ہیں

درج ذیل شرائط ہبہ کے جواز کے لیے ضروری ہیں

(۱) اعلان جس کا کسی بھی زبان میں اظہار ہو مگر منشا ذہن نشین ہو سکے یا طرز عمل سے ظاہر ہو سکے۔

(۲) اقرار صریحاً یا غایتاً

(۳) موہوب الیہ کا شئے موہوبہ پر قبضہ ہو اگر پہلے سے ہی شئے مذکور موہوب الیہ کے قبضے میں ہو۔

فقہہ مالکی میں شئے موہوبہ پر قبضہ پہلے ہی ثابت ہو جاتا ہے بہ الفاظ دیگر تکمیل ہبہ کے لیے قبضہ ضروری نہیں ہے۔

بمقدمہ نندا سنگھ بنام پیر جعفر شاہ جو جہ حسب فقہ حنفی فیصلہ ہوا۔ اس میں طے کیا گیا کہ ہبہ کا انحصار اس کے اعلان اور اقرار پر ہے لیکن ملکیت کے لیے قبضہ ضروری ہے۔

کسی حد تک بعد کے فیصلوں میں شرع کے مطابق جواز ہبہ کے بارہ میں اصول قبضے کی صحیح اہمیت نظر انداز کردی گئی ہے اور یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ واقعی قبضہ یا انتقال

قبضہ اس قاعدے کی بنا پر ہے کہ قبضہ دہانی جواز ہبہ کی ایک شرط ہے۔

مانع اقباض یا قبضہ

اس سلسلہ میں اصطلاح "قیاس" یا "قبضے" کے واقعی معنی حسب شرع معین کرنا ضروری ہیں۔ یہ ماننا ہوگا کہ جب تک ہبہ موہوب الیہ میں اقباض (واقعی یا تغیری) کا قیاس نہ کیا جائے تو یہ موثر نہ ہوگا لیکن اس سلسلہ میں قانون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی قبضہ دینا ضروری نہیں ہے اگر نوعیت قبضہ تبدیل ہو جاتی ہے تو واہب کے قبضے میں محض شئے موہوبہ کا وجود جواز ہبہ پر اثر انداز نہ ہوگا اور وہ جائیداد پر بحیثیت متولی یا امین قبضہ قائم رکھ سکتا ہے اور ایسے قبضہ سے انتقال جواز موثر نہ ہوگا اس طرح اگر کوئی شئے ٹرسٹ موہوب الیہ کے قبضے میں ہے تو ایسی صورت میں ہبہ مکمل ہوگا۔ خواہ رسمی قبضہ نہ دیا گیا ہو۔

وجہ یہ ہے کہ اصلاً شے موہوب الیہ کے قبضے میں ہے اس لئے قبضے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ صورت اس سے بالکل مختلف ہے جب کوئی سپردار متولی کو امانت بیع کر دے اس صورت میں اصل قبضہ کافی نہیں ہے قبضہ بوجہ خرید ایسے قبضے کی تعریف میں آتا ہے جس سے کہ ذمہ داری پیدا ہوتی ہے اس لئے امانت قبضہ کا بدل نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے برعکس خود قبضہ بوجہ ہبہ ایسے قبضے کی تعریف میں نہیں آتا جس سے کہ ذمہ داری عائد ہو بلکہ بوجہ امانت قبضے کا بدل ہو سکتا ہے۔ قانون نابالغان کے حق میں ہبہ کی صورت میں واہب کی نیت دیکھتا ہے اگر کسی باپ یا دوسرے سرپرست کا بربنائے نیک نیتی ہبہ کرنے کا ارادہ ہے تو تقلیب قرضہ ضروری نہیں ہے اور واہب کی جائیداد پر قبضہ نابالغ کا ہی قیاس کیا جائے گا۔ بمقدمہ عابد النساخاتون بنام امیر النسا یہ مسئلہ اس طرح بہت واضح طور سے منضبط کیا گیا جب کہ پریوی کونسل نے شرع کے مطابق اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ جب کسی باپ یا دوسرے سرپرست کی جانب سے واقعی یا بربنائے نیک نیتی ہبہ کا خیال ہے یا ارادہ ہے تو بلا تکمیل قبضہ ہبہ کی تکمیل ہو جائے گی اور جائیداد پر مابعد قبضہ نابالغ موہوب الیہ کی جانب سے ہی قیاس کیا جائے گا۔

قبضہ لینے کی اہلیت بہت سی صورتوں میں فعل ہبہ کے جواز کے لیے کافی ہے

بقول قاضی خان موہوب الیہ کی اہلیت اگر وہ بالغ ہے یا اس کے سرپرست کی اہلیت اگر وہ نابالغ ہے، بغرض حصول قبضہ بالفاظ دیگر جائیداد پر حق اختیار فعل ہبہ کے جواز کے لیے کافی ہے پس جب کہ ہبہ کردیا جائے اور موہوب الیہم کو شئے موہوبہ پر قبضہ کرنے اور باہمی تقاسمے کے لیے مجاز کردیا جائے تو ایسا ہبہ جائز قرار دیا جائے گا۔ بعض صورتوں میں حصول قبضہ کا اختیار واقعی حاصل کرنے کے مساوی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جب واہب شئے موہوبہ پر موہوب الیہ کے حق جائیداد کے استعمال کا اختیار دے دے تو یہ قبضہ دہانی کے مساوی ہے مثلاً اگر A اپنے گھوڑے الف کا ہبہ جو اصطبل میں ہے B کو کردے اور B اس جگہ کی کنجی دے کر اس پر قبضہ کا مجاز کردے تو قانوناً یہ قبضہ کافی ہے۔

پس اسی طرح ایک جائیداد غیر منقولہ کا ہبہ جو بقبضہ کاشتکاران ہے مکمل ہو جائے گا۔ یا تو دستاویزات حق ملکیت سپرد کردی جائیں یا کاشت کاران کو حسب ضابطہ اطلاع دی جائے کہ وہ موہوب الیہ کے حق میں شئے موہوبہ منتقل کردیں اگر حقوق زمینداری ہیں تو دفتر کے رجسٹر میں ناموں کا داخل خارج کرادیا جائے۔ پس اس طرح اس جائیداد کا بھی ہبہ جائز ہو سکتا ہے جو کلکٹر نے مال گزاری کے بقایا میں قرق کی ہے ایسی جائیداد کا بھی ہبہ ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر ایک ہبہ مکمل ہو جاتا ہے اگر واہب متوقع ہبہ کی تکمیل میں وہ تمام افعال بجالائے جو اس کو انجام دینا ہیں، یا تو وہ جائیداد پر قبضہ واقعی دیدیتا ہے یا موہوب الیہ کو اس پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے مجاز کردیتا ہے

قبضہ واہب کی اجازت سے ہونا چاہیے

موہوب الیہ کا قبضہ واہب کی اجازت سے ہونا چاہیے۔ حسب ہدایہ موہوب الیہ بوقت معاہدہ ہبہ مجلس میں ہو، بلا واہب سے اجازت لئے کہے کہ اس ہبہ پر قبضہ کرلیا یہ ایک مناسب حال توضیح ہے۔ یہ ہبہ جائز ہوا۔ اگر اس کے برعکس مجلس کے برخاست ہونے کے بعد شئے موہوبہ پر وہ قبضہ حاصل کرلے تو ہبہ جائز نہ ہوگا تاوقتیکہ ایسا کرنے کے لیے واہب کی اجازت شامل نہ ہو۔ اس تمثیل سے یہ ذہن بنتا ہے کہ دونوں صورتوں میں ہی قبضہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل قبضہ اس جائیداد کے

متعلق ہے جو اب تک واہب کی ہے تاوقتیکہ قبضہ نہ دیا جائے،اس کا جائیداد پر حق قبضہ برقرار ہے مگر بلا اس کی اجازت کے ناجائز ہے۔ مسئلہ زیر بحث کے متعلق قانون کی مزید مناسب حال توضیح کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کی صورت میں قبضہ اقرار بیع کے مثل ہے اس پر بعد غور معلوم ہوتا ہے ایک صورت میں دستاویز (یعنی جائیداد پر حق کا ثبوت) تحریری دستاویز کا نتیجہ ہے جو ایک صورت میں قبضے پر اور دوسری صورت میں اقرار پر منحصر ہے۔ مزید براں چوں کہ ہبہ کا مقصد جائیداد کی ملکیت کا ثبوت ہے پس واہب کی پیش کش موہوب الیہ کو واقعتاً قبضہ حاصل کرنے کا اختیار دیتی ہے اور اختتام میں بعد حصول قبضہ نوعیت بدل جاتی ہے اس لئے کہ ہمارے فقہا شئے موہوبہ پر ثبوت قبضہ تسلیم نہیں کرتے لیکن اگر قبضے کے فوراً بعد ہی اقرار بھی شامل ہو اور چونکہ جواز اقرار خاص طور پر مقام جلسہ تک محدود ہے۔ پس اس شئے کا (قبضہ) بھی اس سے ملا ہوا ہے۔

یہ بھی ایک مختلف امر ہے کہ واہب بمقام جلسہ موہوب الیہ کو قبضہ حاصل کرنے سے روک دے۔اس لئے کہ ایسی صورت میں جلسہ کے مقام پر موہوب الیہ کا قبضہ ناجائز ہوگا کیونکہ نیت بالکنایہ کا استدلال صریح اعلان کے مقابلہ میں قائم نہیں رہتا۔واقعتاً کسی ہبہ کا نتیجہ قانون میں اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ واقعی یا تعبیری نہ دے دیا جائے اور اس بارہ میں ایک اجنبی اور واہب کا بچہ جبکہ بالغ ہو،ایک ہی حیثیت میں ہیں۔

اجازت کا صریح ہونا ضروری نہیں ہے

گو واہب کی اجازت سے موہوب الیہ کا قبضہ ہونا چاہیے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسی اجازت صریحی ہو۔ ایسی اجازت یا واہب کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے اذن اس طریقہ سے اخذ کیا جاسکتا ہے یہ کافی ہے کہ بعد ہبہ فوراً ہی قبضہ لے لیا جائے، جواز ہبہ کے بارہ میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر واہب بعد ہبہ موہوب الیہ کو قبضہ لینے سے منع کرے لیکن اس پر بھی اگر وہ قبضہ لے لے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اگر دو شخصوں کو یکے بعد دیگرے ہبہ کیا گیا ہے اور پہلے کے بعد دوسرے نے قبضہ لے لیا ہے تو دوسرا ہبہ بھی جائز ہے۔ شرائع میں انتقال جائیداد کے مقدمات کے تصفیہ میں مسئلہ قبضہ

کو اس قدر اہمیت ہے کہ لفظ Seisin یا اس کے مساوی عربی (قبضے) کے معنی کی وضاحت نہایت اہم ہے۔

عدالت العالیہ بمبئی کے رو برو مقدمہ انیسہ بی بی بنام خدیجہ بی بی یہ مسئلہ برائے فیصلہ پیش ہوا مقدمہ مذکور میں ایک شوہر نے اپنے مکان اور بعض ملحقہ مکانات (دفتر) جو کرایہ پر تھے اپنی اہلیہ کے نام ہبہ کر دئے تھے۔ ان کی کنجیاں اپنی بیوی کو دے کر چند دنوں کے لیے واقعی قبضہ دہانی کی تکمیل کی غرض سے مکان خالی کر دیا مگر بعد میں قبضہ واپس لے لیا اور انتقال تک اسی مکان میں سکونت پذیر رہا۔ دوران حیات خود ملحقہ دفاتر کے کرائے قیاساً اپنی اہلیہ کی جانب سے جمع کئے چنانچہ اس کے ورثا نے بیوہ کے خلاف منسوخی ہبہ بربناعدم دہانی قبضہ کا دعویٰ دائر کر دیا اس مقدمہ میں چیف جسٹس Sausse نے درج ذیل فیصلہ دیا۔

"حسب شرع وہ افعال جو جواز ہبہ کے لیے ضروری ہیں وہ اعلان (پیش کش) اقرار اور قبضہ ہیں لیکن یہ طریقہ جس سے قبضہ بروئے کار لایا جائے اس خاص تعلق (قربت جو کہ شرع میں شوہر وزوجہ کے درمیان تسلیم کی گئی ہے) کے پیش نظر کافی ترمیم کی ضرورت ہے ہر ایک کی جائیداد دوسرے سے علیحدہ اور آزاد ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایک یا دونوں حسب شرع دوسرے کے حق میں باہمی تعلق میں اضافے کی غرض سے شرعاً ہبہ کر سکتے ہیں۔ اسول کی اہمیت پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ ایسی ہبہ کی تنسیخ بھی جائز نہیں ہے۔ خواہ دوسری صورتوں میں تنسیخ جائز ہو۔ ایک زوجہ اپنے مکان کو جس میں وہ دونوں رہتے ہیں، خاوند کے حق میں ہبہ کر سکتی ہے حالانکہ یہ اس کی علیحدہ جائیداد تھی اور وہ دونوں ہی مابعد ہبہ اس میں سکونت پذیر رہے۔ اصولاً میں نہیں سمجھتا کہ ایک خاوند بھی اسی طرح اپنی بیوی کے حق میں وہ مکام ہبہ کرنے کے لیے جس میں دونوں رہائش رکھتے تھے اور اس کے بعد بھی دونوں سکونت پذیر رہے ہوں آزاد کیوں نہ ہو، بشرطیکہ خاوند ہبہ کرنے کا مجاز ہو جو وہ بربنا نیک نیتی یا اپنے قرض خواہاں یا دوسرے اشخاص کے خلاف بربناء فریب کرے۔ اس سلسلہ میں تکمیل قانون کی شرط میں صرف ایک ہی دشواری ہے اور وہ بلا شرکت غیرے قبضہ دہانی ہے۔ اگر شوہر پوری طرح اس امر کا مجاز ہے کہ ہبہ نامہ تحریر کرے اور مطابق شرائط مکان یا جائیداد کی کنجیاں سپرد کر کے

علامتی قبضہ دیدے۔ مزید براں اپنی نیک نیتی کی تائید میں گواہان کے روبرو مکمل طور پر مکان و تمام مشمولہ اشیا پر قبضہ دیدے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ کون سی کارروائی اس ہبہ کو بروئے کار لانے میں بحیثیت شوہر اپنے حقوق قانونی کے استعمال میں بدرجہ اولیٰ کام میں لیتا"۔

آمنہ بی بی بنام خدیجہ بی بی

ہبہ نامہ کی روسے اس کی اہلیت کو مجاز کیا گیا تھا کہ شئے موہوبہ کو حاصل کر کے اپنا قبضہ رکھتے ہوئے مکان میں رہائش رکھے لیکن شرع شوہر کو اس امر کا حق دیتی ہے بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہائش رکھے۔ اگر ایسی صریح نیت کا اظہار موجودہ ہبہ نامہ میں ہے جس پر غیر مبہم طریقہ سے گواہان کے سامنے عمل کیا گیا۔ اس پر اگر حسب شرع (قبضہ) نہ سمجھا جائے تو مقصد ہبہ پر بمنزلہ پابندی عائد کرنے کے ہوگا۔ ایسی پابندی ان کتب شرع میں جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہیں ملتی۔ شوہر اپنی بیوی کے حق میں ہبہ کے لیے عام طور پر مجاز ہے لیکن اگر ہبہ موجودہ کو ناجائز قرار دیا جائے تو بمنزلہ اس اعلان کے ہوگا کہ کوئی بھی شوہر کسی حالت میں بھی اپنی بیوی کے حق میں اس مکان کا ہبہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس میں سکونت پذیر ہے اور رہائش رکھتا ہے۔ اگر شرع میں کوئی ایسی پابندی نہیں ہے تو شوہر کی موہوبہ جائیداد کو موثر بنانے کے لیے کوئی قانونی طریقہ کار ہونا چاہیے۔ جب ایک بار فی الاصل قبضہ دیدیا جائے اور مابعد وہ قبضہ جاری رہے تو مکمل قبضہ کے لیے لازمی شرط نہیں ہے اور نہ قبضہ کے عدم تسلسل سے ہبہ ناجائز ہوتا ہے ملاحظہ ہو (مقدمہ جعفر خاں بنام حسینی بی بی)۔ بحوالہ ای ایس ڈی صفحہ ۱۲ شرح میں مورے ڈائجسٹ قبضے کا تصور اس دخل دہانی کے مثل ہے جو انگلینڈ میں سابق میں پایا جاتا تھا۔ اور اسی طرح بروئے کار سمجھا جاتا تھا جیسے کہ کوئی مٹی کا ڈھیلا یا زمین میں اگی ہوئی شاخ یا کسی دروازے کی زنجیر کا حلقہ یا قفل کو علامتی طور پر قبضے میں دیدیا جائے Cake on ditleation میں ۵۷ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر دستاویز قبضہ آراضی کی شکل میں دیدیا جائے یا واہب موہوب الیہ سے یہ کہے کہ حسب دستاویز اس آراضی کو تصرف میں لاؤ یا اس آراضی پر قبضہ کرلو خدا تمہیں خوشی عطا کرے یہ الفاظ

بھی مثل دخل دہانی قبضے کے ہیں۔ تحفہ جلد ۲ خوات ۵۹۔۳۳۵ کے دو جملوں میں ثابت کرنے کے لیے کہ مدعا علیہم نے ان پر انحصار کیا ہے کہ کسی مکان کی کنجیاں دینا اور ان کا اقرار کرلینا یہ قبضے کے لیے کافی ہے یا بیع اور خرید کی صورت میں حصول قبضہ کی صورت میں بھی ہبہ کو بمنزلہ بیع سمجھا جائے۔ خریدار کو جائیداد غیر منقولہ پر قبضہ دینے کا انحصار ان الفاظ پر ہے جن کو بیچنے والا (بائع) استعمال کرتا ہے اس سے منشاء یہ ذہن نشین کرانا ہوتا ہے کہ مکان خالی کردیا گیا ہے اور مکان کی کنجیاں سپرد کردینے سے وہ شئے جو کہ ہبہ کی گئی ہے (بلا قبضہ دیے) موہوب الیہ کی جائیداد نہیں ہوتی جیسا کہ ان اشیا کی صورت میں ہوتا ہے جو کہ فروخت کردی جاتی ہیں۔ لیکن واہب کا اس بارے میں یہ اعلان کہ اس نے قبضہ دیدیا ہے، قبضہ واقعی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ مقدمہ ہذا میں ہبہ نامہ سپرد کردیا گیا تھا ساتھ میں مکان کی کنجیاں و فرنیچر، مندرجہ ہبہ نامہ اور مکان جس میں کہ شوہر اور اس کی زوجہ رہتے تھے سپرد کر دیا گیا تھا واہب کی اظہار نیت کی غرض سے کہ حسب قانون ہبہ کی تکمیل ہو جائے۔ جو الفاظ ہبہ میں استعمال کئے گئے ان سے زیادہ کوئی موثر الفاظ نہیں ہوسکتے یہ کہ میں نے اپنا قبضہ ترک کرکے متذکرہ مکانات اور ان کی کنجیاں اپنی زوجہ کے قبضے میں جن کے حق میں ہبہ کیا ہے دیدی ہیں اور تمام شرائط متعلقہ ہبہ (یعنی باہمی رضامندی) بعد انخلا قبضہ مکمل کرکے میں نے اور زوجہ خود نے جس کے حق میں ہبہ کیا ہے۔ تکمیل کردی ہیں مزید برائے مستقبل اس جائیداد پر نہ میرا کوئی مطالبہ ہوگا اور نہ میرے ورثا میں سے کوئی بھی متذکرہ بالا جائیداد میں کوئی حصہ طلب کر سکے گا۔

میری رائے میں شوہر وزوجہ کے رشتہ اور شوہر کا بیوی کے ساتھ حق رہائش ونگرانی جائیداد سے اس استنباط کی تردید ہوتی ہے جو فریقین کی صورت میں جن کے درمیان اس سے مختلف تعلق ہو اس کے برعکس ہے اور جو بعد ہبہ مکان میں یہ مسلسل سکونت اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ شوہر کا عام طور پر مکان سے متصل چال کا کرایہ وصول کر لینے سے یہ بتانا بھی زیادہ مناسب ہے کہ شوہر نے کچھ کرایہ داران سے کہا کہ وہ مکان جس کو اس نے اپنی بیوی کے نام ہبہ کردیا تھا اس کا کرایہ اپنی بیوی کی جانب سے وصول کر رہا ہے۔

یہ مسئلہ ان قرض خواہان کا نہیں ہے جو ایسے ہبہ کے خلاف ہوں جو ان کے

واجبات سے بچنے کی تنقیض کے لیے کیا گیا ہو۔ یہ مسئلہ بلکہ ان ورثا یا قرابت داران کے مطالبہ کا ہے جو واہب کے خلاف ہیں۔

عظیم النسا بنام کلے مینٹ ڈیل

یہی اصول عظیم النساء بنام کلے مینٹ ڈیل میں طے کیا گیا تھا۔ مقدمہ مذکور میں نواب کرناٹک نے بعض مکانات کا ہبہ اپنی بیگم عظیم النسا کے نام کردیا تھا مگر حسب سابق ان مکانات میں سکونت قائم رکھی اور مثل جائیداد خود اسے کام میں لیتے رہے۔ فاضل جج (تیل اسنون) نے فیصلہ دیا کہ ہبہ جائز تھا اور موہوب الیہ پر حق ملکیت منتقل ہوگیا۔

بمقدمہ امینہ بی بی بنام حاجرہ بائی چیف جسٹس Sargent چیف ؟ Sansse کے بمقدمہ آمنہ بائی خدیجہ بائی کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ جب کسی شوہر نے اپنی جائیداد کو ہبہ کردیا تو یہ ناجائز نہیں ہے کہ شوہر تاریخ ہبہ کے بعد لگان و منافع وصول کرتا رہے بشر طیکہ اس سے یہ استنباط کیا جاسکے کہ وہ اپنی زوجہ کے سربراہ کار کی حیثیت سے وصول کر رہا تھا۔

بمقدمہ جعفر خان بنام حسینی بی بی یہ طے کیا گیا کہ جب قبضہ دہانی کے اصطلاحی تقاضہ کی تکمیل ہوگئی تو مسلسل قبضہ ضروری نہیں ہے۔

آیا جائیداد غیر منقولہ پر بذریعہ قبضہ دہانی بغرض تکمیل حصہ واقعی یا رسمی طور پر ضروری ہے؟ فاضل ججان West اور ننا بھائی ہریداس کے سامنے پیش شدہ شیخ ابراہیم بنام شیخ سلیمان کے مقدمہ میں فاضل جج ویسٹ نے زیر بحث مسئلہ قبضے کے بارہ میں اصول شرع کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ "قانون متعلق مقدمہ ہذا کے سلسلہ میں عدالت ہائے ماتحت کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جب آراضی بقبضہ کاشت کاران ہو تو اس صورت میں ان سے موہوب الیہ کا نام منتقل کرنے کی صرف استدعا ہی واحد قبضہ کی صورت ہے جو کہ واہب زمین کے مجوزہ ہبہ کی تکمیل کے لیے کرسکتا ہے۔ ایسا قبضہ بموجب فیصلہ بمقدمہ کھجور النسا بنام روشن جہاں کافی ہوگا۔ مکان پر قبضہ دہانی کے متعلق یہ اصول ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جب کوئی شخص وہ مکانات جن میں رہائش رکھتا ہے اگر ان پر قبضہ دلانا مقصود ہے تو محض اس شخص کا اعلان (جن کے قبضے میں پہلے سے مکان

تھا) قبضہ دہانی کے مترادف ہے۔اگر مکان کے کسی حصہ پر وہ قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو چونکہ یہ قبضہ فریقین کی رضامندی سے قبضہ واقعی ہے اس لئے فریقین کے تمام مکان پر قبضہ کے مترادف ہوگا۔اس حصے سے بالکل متصل ہو جس پر ازروئے انصاف نہ کہ ناجائز صورت میں قبضہ کیا گیا ہو۔ ایک ہی مکان میں دو اشخاص ہوں ان میں سے ایک کو بے دخل کیا جا سکتا ہے اور دوسرے کو قابض بنایا جاسکتا ہے۔بلا اصلاً جسمانی طور پر خالی کرانے یا داخل کئے جب کہ مالک مکان کی نیت صریحاً ظاہر ہو چکی ہو۔ یہ مجمع الانہار کے واضح اصول کے مطابق ہے"۔

بمقدمہ حمیرہ بی بی بنام نجم النسابی بی

مدعیہ حمیرہ بی بی نے اپنا مکان اور دوسری غیر منقولہ جائیداد کو بذریعہ رجسٹرڈ دستاویز اپنے بھتیجے (شوہر مدعا علیہم) کے نام منتقل کردیا تھا۔ بعد تحریر ہبہ نامہ واہب کی خواہش پر دفتر کلکٹر کے ریکارڈ میں داخل خارج کی کارروائی بحق موہوب الیہ کردی گئی اور اس وقت سے موہوب الیہ کے نام سے ہی کاشت کاران کو لگان کی رسیدیں دی گئیں لیکن مدعیہ مکان مذکور میں جو کہ ہبہ میں شامل تھا ہمہ وقت سکونت پذیر رہی اور جس کی دیکھ بھال موہوب الیہ جائیداد غیر منقولہ کے کرایہ و آمدنی سے کرتی رہی۔

موہوب الیہ کے انتقال پرمدعیہ نے بیوہ کے خلاف دعویٰ اس امر کے استقرار کی بابت دائر کیا کہ ہبہ نامہ ناجائز قرار دیا جائے اس لئے کہ حسب منشا شرع قبضہ نہیں دیا گیا تھا اور نہ واہب نے بوقت ہبہ مکانات کو خالی کیا تھا اور نہ اپنے اسباب کو وہاں سے ہٹایا تھا۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اپنے فاضلانہ فیصلے میں اس طرح اظہار رائے کیا ہے "ہم اس کے مثل مقدمہ میں یہ طے کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ واہب کا مکان موہوبہ سے نقل مکانی (حسب دستاویز) تکمیل ہبہ کی غرض سے قبضہ دہانی کے لیے ضروری ہے اس کے برعکس ہمارے خیال میں فریقین کی مکانات ملحقہ میں موجودگی سے واہب کی نیت قبضہ دہانی واضح طور پر ثابت ہے"۔

بمقدمہ بی بی خیر و سلطان بنام بی بی رقیہ سلطان واہبہ (بی بی بیگم جان) نے جو

کہ مذہب شیعہ فرقہ اصلی کی پیرو تھیں۔ انہوں نے مدعا علیہابی بی رقیہ سلطان (اپنی بیوہ بہو) اوران کے بچوں کو ایک مکان جس میں کہ وہ سکونت پذیر تھی بطور ہبہ منتقل کردیا اور بعد تحریر دستاویز ہبہ نامہ اس مکان سے منتقل ہو گئیں۔ اور اپنا اسباب چھوڑ گئیں اور دوروز بعد واپس آگئیں اور اسی طرح رہنے لگیں جیسے کہ ہبہ سے قبل رہتی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی تحریک پر کچھ کرایہ داران نے جو کہ مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے کرایہ نامہ بی بی سلطان کو منتقل کردیا۔ مدعیہ (دُختر بی بی بیگم جان) کے دائر ی دعویٰ پر کہ حسب شرع شرائط قبضہ دہانی کی تکمیل نہیں ہوئی ہبہ کو منسوخ کیا گیا۔

عدالت العالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ واہب کی جائیداد غیر منقولہ کا تحریری ہبہ نامہ بہ ترک قبضہ عارضی بحق موہوب الیہ اور کرایہ داروں کا تحریر کرایہ نامہ بحق منتقل الیہ حسب شرع جواز ہبہ کے لیے کافی قبضہ دہانی ہے۔

بمقدمہ کندانا تھ وتل پا بنام مسالین وتل پر کراگتی میں عدالت العالیہ مدراس نے اس صریح اصول کی وضاحت کی ہے کہ بعد ہبہ واہب کی موہوب الیہ کے ساتھ سکونت ہبہ کو ناجائز نہیں کرتی۔

اس صورت میں کہ موہوب الیہ پہلے سے ہی قابض ہو تجدید کی ضرورت نہیں ہے جب کہ ہبہ کسی امین تحویلدار یا متولی یا ایسے شخص کے حق میں جس نے غصب ہبہ کیا اور جو کہ پہلے سے ہی جائیداد موہوبہ پر قابض ہو۔ اس کے لیے رسمی انتقال کی ضرورت نہیں ہے۔

بمقدمہ ولایت حسین بنام منیرن عدالت العالیہ کلکتہ نے یہ طے کیا کہ جب شئے موہوبہ موہوب الیہ کے قبضے میں واہب کے ایجنٹ یا بطور منیجر کے ہے، موہوب الیہ کا ایسا قبضہ جواز ہبہ کو غیر مؤثر بنانے کے لیے کافی نہ تھا۔ پس جائیداد کی واقعی یا رسمی قبضہ دہانی ہونا چاہئے۔ مقدمہ متذکرہ ہبہ مرض الموت میں کیا گیا تھا جو کہ صریحاً خلاف شرع ہے۔

بمقدمہ ولایت حسین بنام منیرن غلط فیصلہ ہوا

المختصر تقلیب یا قبضہ دہانی کے سلسلہ میں فریقین کا باہمی تعلق پیش نظر ہونا چاہئے ایسے مکان میں شوہر کی رہائش جو کہ اس نے اپنی زوجہ کو ہبہ کیا ہو یا اس جائیداد کا

کرایہ یا منافع وصول کرے واہب و موہوب الیہ کے رشتہ کی بنا پر قابل توجہ ہے۔ علی ہذا القیاس اگر ایک باپ اپنے بالغ لڑکے کے حق میں کاروبار ہبہ کرے اور اس کی جانب سے نگرانی کرتا رہے یا کوئی چچا اپنی جائیداد بھتیجے کے نام ہبہ کردے اور موہوب الیہ اس کی خدمت کرتا رہے تو اس بنا پر ہبہ ناجائز نہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اگر کسی بالغ کے حق میں ہبہ کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ واہب جائیداد میں اپنا حق ملکیت موہوب الیہ کو اس طرح کلیتاً منتقل کردے کہ موخر الذکر اس کی آمدنی سے بصورت مستقیم استفادہ کر سکے۔

بمقدمہ محولہ محمد جعفر بنام کلثوم بی بی جوڈیشل کمیٹی نے بعد غور یہ طے کیا کہ ہبہ جائیداد کے لیے نیت انتقال کی شہادت ضروری تھی مگر ہبہ ناجائز تھا۔ اور اگر منتقل الیہ کی تصدیق ظہری ہوتی تو فیصلہ برعکس ہوتا۔ عدالت العالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ خواہ جائیداد موہوب الیہ کو بالراست منتقل ہوئی ہو یا اس کے مفاد کے لیے متولیان کو منتقل کی گئی ہو انتقال جائیداد کے جواز کے لیے واقعی' امانتی یا تعبیری قبضہ ضروری ہے۔ جیسا کہ فاضل جج طیبب نے مقدمہ ہذا میں لکھا ہے کہ شرع کے قریب قریب ہر شعبے میں امانت کی شاخیں ملتی ہیں۔ اس لئے یہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ جب کسی شخص کے مفاد کی بے امینان کو اور انتقال جائیداد کی نیت غیرمبہم طریقہ پر واضح ہونے پر ہبہ مکمل ہو جاتا ہے خواہ وہ اپنے نام سے ہی جائیداد پر اس طرح قبضہ رکھے جیسا کہ ہبہ سے قبل تھا۔

اسی طرح یہی اصول ایک ماں پر جو اپنے خورد سال یتیم بچہ کے حق میں جس کی وہ پرورش کررہی ہے اور کوئی متعینہ سرپرست نہیں ہے، منطبق ہوتا ہے اور اسی طرح کسی ایسے شخص کا اپنے بچہ کے حق میں ہبہ کے لیے جس کی وہ پرورش کررہا ہو جائز ہے۔

صدقہ کے بارے میں قبضہ متعلق قانون مثل ہبہ کے ہے۔ ایک قبضہ کے تعلق سے ایک حصہ مثل تملیک بالارادہ ہے۔ مسلمانوں میں کثرت سے ہبہ بالفاظ صریح عموماً بچوں یا اقربا کے حق میں حصول رضائے خداوندی (اجر) کے لیے بطور صدقہ کئے جاتے ہیں۔ شرع میں اس کا مستحسن بدل "جزا" ہے اس سلسلہ میں قرض خواہان کے مطالبات بھی قابل غور نہیں ہوتے مگر جب کوئی ایسا ہبہ ہو تو قبضہ دہانی مثل ہبہ بلا بدل کے ہوتی ہے۔ اگر شئے موہوبہ پر موہوب الیہ ہبہ سے پہلے ہی قابض تھا تو بلا مزید تجدید

قبضے کے جائیداد منتقل کی جاسکتی ہے۔ انتقال قبضے کا اظہار کسی بھی صورت میں ہو اس کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

فصل دوم:۔ ہبہ بہ حق نابالغان

ہبہ بہ حق نابالغان

ایسا ہبہ جو باپ اپنے نابالغ لڑکے کے لیے کریاس کے لیے اقرار ضروری نہیں ہے محض عقد سے ہی ہبہ مکمل ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آیا شئے موہوبہ باپ کے یا باپ کی جانب سے امین کے قبضہ میں ہے۔جب باپ کسی شئے کا ہبہ خورد سال بچہ کے حق میں کرے تو بچہ برنا ہبہ اس جائیداد کا مالک ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس وقت شئے موہوبہ یا تو باپ کسی شخص کے قبضے میں دیدے جو باپ کی جانب سے مثل امین ہو۔اس لئے کہ باپ کا قبضہ بربنائے ہبہ مثل بچہ کے قبضے کے ہے اور قبضہ امین باپ کے قبضے کے مثل ہے۔

جائیداد بہ قبضہ کاشت کاران کے بحق نابالغان ہبہ کے بارے میں ماقبل باب میں کافی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ جائیداد غیر منقولہ جو بقبضہ کاشت کاران یا پٹے داران یا مرتہان ہو،وہ ایک باپ (شئے موہوبہ براہ راست قابض کے تبدیلی قبضہ بغیر)اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرسکتا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اقرار موہوب الیہ ضروری نہیں ہے بلکہ ہبہ ہونے پر وہ بلا قبضہ مزید مالک ہوتا ہے۔اسی طرح اگر باپ خورد سال بچہ کے حق میں ہبہ کرے خواہ شئے موہوبہ اس کے یا اس کی جانب سے دوسرے کے قبضے میں ہو تو یہ بلا واقعی قبضہ و اقرار جائز ہے۔

اگر علاوہ باپ کوئی اور شخص کسی بچے کو کوئی شئے ہبہ کرے تو بچے کے والد کو قبضہ دینے سے ہبہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اگر بچے کے والد کا انتقال ہو جائے تو اولاً جو سرپرستی کا مستحق ہو اس کو قبضہ دہانی جائز ہے۔ وصی یا دادا کے مقررہ وصی بالترتیب آتے ہیں۔

کسی اجنبی کے ہبہ کی صورت میں حسب فتاوائے قاضی خان حصول قبضہ و اقرار ہبہ کا اختیار بچہ کی جانب سے باپ کو ہے۔ باپ کے انتقال یا اسکی دور دراز فاصلے پر رہائش کی صورت میں وصی مستحق ہے۔باپ کے مقررہ وصی کو دادا پر فوقیت حاصل

ہے۔ جب نہ باپ ہو نہ اس کا مقررہ وصی تو حق قبضہ اولاً دادا کو مابعد اس کے مقررہ وصی کو حاصل ہو تا ہے ان چاروں کے علاوہ کسی اور شخص کا قبضہ جائز نہ ہو گا تاوقتیکہ بچہ اس کی نگرانی میں نہ ہو۔ اسی لئے کہ بقول بعض فقہا اگر بچہ اپنے چچا کی نگرانی یا پرورش میں ہو جس پر وہ ہبہ کر کے قبضہ کرلے حالانکہ باپ کا مقررہ وصی بمنزلہ باپ (جو بجائے باپ ہے) موجود ہو تو ایسا قبضہ ناجائز ہو گا اور اگر بھائی یا چچا یا ماں قبضہ حاصل کرلیں اور بچہ اجنبی کی دیکھ بھال میں ہو تو ہبہ ناجائز ہو گا۔ تاہم ایسے اجنبی کا قبضہ جس کی نگرانی میں وہ بچہ ہے جائز ہو گا۔

اگر کوئی نابالغ لڑکی اپنے شوہر کے مکان میں ہو اور کوئی اجنبی غیر رشتہ دار اس کے حق میں ہبہ کرے تو خاوند کا قبضہ جائز ہو گا۔ خواہ باپ (جو نہ مرا ہو دور دراز فاصلہ پر ہو) زندہ اور اگر باپ قبضہ حاصل کرے تب بھی یہ ہبہ جائز ہو گا خواہ لڑکی اپنے خاوند کے مکان میں سکونت پذیر ہو۔ جب بچہ اپنے دادا یا چچا یا ماں کی نگرانی میں ہو اور ان میں سے یا کسی دوسرے کے بچہ کے لیے ہبہ کیا ہو اور بچے کا نگراں خواہ باپ موجود ہو قبضہ حاصل کرے تو علما اس کے جواز کے بارہ میں مختلف الرائے ہیں بعض کے نزدیک ہبہ ناجائز ہو گا مگر صحیح اصول کے مطابق مثل اس ہبہ کے جائز ہو گا۔ ہبہ جو ایک نابالغ لڑکی کے حق میں کیا جائے تو خاوند کا قبضہ باپ کی موجودگی میں بھی جائز ہے۔ اگر بچہ کسی اجنبی (غیر رشتہ دار) کی نگرانی میں ہو تو وہ نابالغ کی جانب سے قبضہ حاصل کرنے کا مجاز ہو گا۔

ردالمختار نے مختلف فقہا کی علیحدہ علیحدہ رائے کے اظہار کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ شخص جس کی نگرانی میں بچہ ہے اگر بچہ کی جانب سے شئے موہوبہ پر باپ کی موجودگی میں بھی قبضہ کرلیتا ہے تو بعض کی رائے میں یہ جائز نہیں ہے۔ دوسرے اسے جائز بتاتے ہیں اور اسی طرح مشتمل الاحکام میں فتویٰ ہے اور اصول صحیح کے مطابق یہ اسی طرح جائز ہے مثل اس خاوند کے جو اپنی نابالغ بیوی کے ہبہ پر اس کے باپ کی موجودگی میں قبضہ حاصل کرے۔ اور خانیہ میں ہے کہ اس کے جواز میں فتویٰ بھی ہے۔ یہی استروسنی کی رائے ہے "آپ کے علم میں ہے کہ ہدایہ اور جوہرہ نے باپ کی موجودگی میں بچے کے نگراں کا قبضہ ناجائز بتایا ہے اور مصنف ہدایہ نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن منجملہ فقہا قاضی خان اور دوسروں (اصحاب الفقریٰ) نے اس کی تائید کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے"۔

اصول ہائے مندرجہ بالا میں قاضی خان کا اصول صحیح ہے۔اس سے انحراف نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ ہبہ بدرجہ اولیٰ (فقیہ النفس) خاص کر بچہ کے مفاد کے مسئلہ پر ہے۔ پس فتویٰ صادر کرتے وقت یہ زیر غور ہونا چاہئے۔اسی لئے میں نے مختلف اصول جس طرح وہ کتب فقہ میں وارد ہوئے ہیں بیان کر دئے ہیں۔

ایک شخص کی جانب سے بچہ کے حق میں ہبہ جس کی مکمل نگرانی اسے تفویض کر دی گئی ہو (ایسا شخص کہ بچہ اس کی نگرانی میں ہو)اور اس زمرہ میں باپ چچا بصورت عدم موجودگی باپ بشرطیکہ بچہ اس کی نگرانی میں ہو شامل ہیں۔ ایسی صورت میں محض اعلان واہب سے (یعنی بلا موہوب الیہ کے اعلان) قبضہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ شئے موہوبہ متغیر نہ ہو اور واہب یا اس کے امین کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ سرپرست کا قبضہ بھی قبضہ نابالغ کے مساوی ہے۔

اگر کسی اجنبی نے بچہ کے حق میں ہبہ کیا ہے تو یہ بنا قبضہ مکمل ہو جائے گا اور اس کا (سرپرست)اِن چار اشخاص میں سے کوئی ایک ہوگا۔اول باپ اس کے بعد وصی بعد ازاں دادااور اس کے باپ کا مقررہ وصی خواہ بچہ واقعی اس کی نگرانی میں نہ ہو۔ اور کسی بھی شخص کے قبضہ لینے پر ہبہ مکمل ہو جاتا ہے یعنی اگر کوئی شخص بطور چچا بچے کا نگراں ہو اور اجنبی کا کیا ہوا ہبہ ماں یا کسی ایسے شخص کے قبضہ لے لینے سے جس نے کہ بچہ کی پرورش کیا ہو مکمل ہو جاتا ہے اور ہبہ بچہ کے قبضہ سے بھی مکمل ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ باشعور ہو اور حصول جائیداد کا ادراک اس طرح ہو کہ ہبہ اس کے مفاد کے لیے ہے نہ کہ اس کے نقصان کے لیے۔

مصنف درالمختار مزید رقم طراز ہے:

میں بتاتا ہوں کہ برجندی میں جواز ہبہ کے سلسلے میں اختلاف رائے ہے۔ باپ کی موجودگی میں اگر بچہ کے حق میں کی گئی شئے موہوبہ پر بچہ کے نگران کنندہ نے قبضہ حاصل کرلیا ہو تو بقول بعض یہ ناجائز ہے مگر صحیح اصول کے مطابق جائز ہے اور کاہستانی نے اس کے جواز کو ہی ترجیح دی ہے اور اس اصول جواز کو فخر الاسلام سے منسوب کیا ہے جسے مصنف تنویر الابصار نے اپنی شرح میں خلاصہ سے منسوب کیا ہے،اس رائے کے خلاف ہے تاہم متن کتاب (مصنف) میں جواز کی تاویل اس استثنائی جملہ (باوجودیکہ

باپ موجود ہو) سے تمام صورتوں میں منطبق ہوتی ہے اور طحطاوی نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

جیسا کہ مصنف نے بتایا ہے موہوب الیہ خواہ وہ بالغ ہو اور خواہ اس کا باپ موجود ہو ہبہ پر قبضہ جائز حاصل کر سکتا ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ اگر بچہ ماں یا کسی اجنبی کی دیکھ بھال میں ہو اور اس کی ماں یا اجنبی شئے موہوبہ پر قبضہ حاصل کریں تو باپ کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ان کے بچہ کا قبضہ لینا خواہ باپ موجود ہو جائز ہے۔

فتاوائے عالمگیری کے مطابق موہوب الیہ قبضہ حاصل کرنے کا مجاز ہے تو شئے موہوبہ پر قبضہ حاصل کرنے کا بھی مستحق ہے۔ لیکن اگر وہ نابالغ یا مجنوں ہے تو قبضہ کا اختیار ولی کو ہے۔ ولی یا تو باپ ہوگا یا باپ کا مقررہ وصی اس کے بعد دادا اس کے بعد باپ کے مقررہ وصی کا وصی پھر قاضی مابعد کوئی بھی شخص جس کو قاضی نے مقرر کیا ہو قطع نظر اس کے کہ نابالغ کا ان میں سے کوئی نگراں ہے یا نہیں۔ایسا ہی شرح الحتوی میں دیا گیا ہے پس اگر باپ یا اس کا مقررہ وصی یا دادا یا دادا کا مقررہ وصی دور دراز فاصلے پر رہنے کی وجہ سے غیر حاضر ہو تو حسبِ خلاصہ ایسے شخص کا قبضہ جو ولی مقرر کیا گیا ہو کافی ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ شئے موہوبہ پر نابالغ کی جانب سے حصول قبضے کے لیے کوئی ولی خاص طور پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قبضہ وہ شخص بھی لے سکتا ہے جس کی نگرانی میں بچہ ہو

لیکن اشخاص ماسوا باپ دادا اور دیگر مثل بھائی، چچا، ماں یا قرابت دار بھی قانون کی وسیع تشریح کے مطابق شئے موہوبہ پر قبضہ لینے کے مجاز ہیں بشرطیکہ بچہ ان میں سے کسی کی نگرانی میں ہو۔ اس طرح اس وسیع تشریح کی بنا پر ان کا مقررہ ولی بھی قبضہ لے سکتا ہے۔ ایک اجنبی جس کی نگرانی میں ایسا یتیم ہے کہ اس کی کوئی اور دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو قبضہ لے سکتا ہے۔اور یہی اصول اس صورت میں بھی منطبق ہوتا ہے۔جب بچہ قبضہ لینے یا نہ لینے کا کافی ادراک رکھتا ہو۔یہ ان حالات میں ہے جب کہ باپ کا انتقال ہو گیا ہو یا وہ فاصلہ مزاحم پر ہو۔اگر باپ زندہ اور موجود ہے اور بچہ دوسروں میں سے کسی کی نگرانی میں ہو اس صورت میں کہ آیا موخرالذکر کا قبضہ جائز ہوگا کوئی مستند قول سوائے

ایک اجنبی کے حق کے بارہ کے نہیں ہے۔اگر بچہ اجنبی کے نگرانی میں ہے اور دوسرا کوئی اس کا نگراں نہیں ہے تو اس کی طرف سے اجنبی کا قبضہ جائز ہوگا۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے رشتہ دار کا باپ کی موجودگی میں قبضہ ناجائز ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ اگر بچہ کا باپ زندہ ہو تو دادا بلا لحاظ اس امر کے کہ بچہ اس کی نگرانی میں ہے یا نہیں قبضہ نہیں لے سکتا۔ نہ اس امر کا کوئی امتیاز ہے کہ آیا بچہ اس کی نگرانی میں ہے یا نہیں پس اس قاعدہ کا عام اطلاق ضروری ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ اس قول میں استثنا ہے جیسا کہ بعد میں آئے گا۔ یہ معقول بنا پر ہے۔ پس ایک نابالغ جو گود میں ہے اور اپنے چچا کی سرپرستی میں ہے اور چچا باپ کے مقررہ ولی کے باوجود نابالغ کے حق میں ہبہ کر کے خود شئے موہوبہ پر قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو بقول فقہا قبضہ ناجائز ہے۔اور اگر بھائی، چچا یا ماں ایسی صورت میں جبکہ نابالغ ایک اجنبی کی ولایت میں ہو، قبضہ لے لیں تو یہ ناجائز ہوگا۔ لیکن خود اجنبی جس کی ولایت میں بچہ ہے، قبضہ حاصل کر لے تو یہ جائز ہے۔اور ایسا ہی فتاوائے قاضی خان میں ہے۔

اگر ایک شادی شدہ نابالغ لڑکی جو سن بلوغ پر پہنچ گئی ہے اور اپنے خاوند کی ولایت میں ہو تو وہ خود یا اس کی جانب سے خاوند کسی بھی شئے پر جو لڑکی کو ہبہ کی جائے جائز طور پر قبضہ لے سکتا ہے مگر ایسی لڑکی جو ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے ہمارے بعض فقہا کے مطابق اس کی جانب سے خاوند کا قبضہ جائز نہ ہوگا۔ مگر صحیح اصول یہی ہے کہ اگر وہ خاوند کی ولایت میں ہے تو خاوند شئے موہوبہ پر جائز طور پر قبضہ لے سکتا ہے لیکن اگر وہ خاوند کے ساتھ اس کے گھر میں سکونت نہیں رکھتی تو خاوند قبضے کا مجاز نہیں ہے۔ بلکہ لڑکی کا ولی اس کی جانب سے قبضے کا مجاز ہوگا۔ یہی ذخیرہ میں درج ہے۔ اگر نابالغ لڑکی اپنے دادا، بھائی، ماں، چچا کی ولایت میں ہے اور ان میں سے کوئی ہبہ کرتا ہے تو خاوند کا قبضہ جائز ہے۔ ایسا ہی تاتار خانیہ میں درج ہے۔

جب لڑکی بالغ ہو جائے تو بلا اس کے اذن کے نہ اس کا باپ نہ خاوند قبضہ حاصل کرنے کے مجاز ہیں ایسا ہی جواہر النیرہ میں ہے اور اگر کوئی نابالغ لڑکی باپ کی اجازت سے کسی اجنبی کی ولایت میں ہے اور باپ موجود نہیں ہے تو بجائے بھائی کے اجنبی کا قبضہ جائز ہے۔

تسلیم شدہ اصول

اگر کوئی نابالغ جس کے حق میں ہبہ کیا گیا ہو دادا، بھائی یا ماں کی ولایت میں ہے اور اس کا نگراں باپ کی موجودگی کے باوجود قبضہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ فتاوائے قاضی خاں میں اور فتاویٰ الفویٰ میں ہے موہوب الیہ کا جو خود عاقل ہے قبضہ حاصل کرنا جائز ہے اگر باپ حیات ہو تب بھی جائز ہے جیسا کہ واجدالکروی میں آیا ہے اور یہی ذخیرہ کے مطابق اور ہمارے یک ثلث فقہا کی رائے ہے۔ اگر وہ عاقل نہیں ہے تو سراج الوہاج کے مطابق قبضہ ناجائز ہے۔ موہوب الیہ کا اقرار بشرطیکہ ہبہ اس کے مفاد میں ہو تو جائز ہے اور اگر ضرر رساں ہے تو ناجائز ہے۔

جب کوئی باپ نابالغ بچے کے حق میں مکان ہبہ کرتا ہے اور واہب کی اشیا بھی اس میں ہیں تب بھی ہبہ جائز ہے۔ یہی مسلمہ اصول ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے جیسا کہ کتاب فنادیہ میں درج ہے۔ ملتقی میں بھی امام محمدؒ کے حوالہ سے ہے کہ اگر کوئی اپنے نابالغ بچے کے لیے مکان ہبہ کرے اور بطور کرایہ دار کرایہ دیتے ہوئے اس میں رہائش رکھے تو یہ جائز ہے اور بلکہ واہب بغیر کرایہ دئے اگر رہائش رکھے تب بھی جائز ہے۔

ہبہ بحق نابالغان

اس سلسلہ میں عدم جواز واہب کی دو جہتوں سے ہوتا ہے۔

یہ کہ مکان جو وہ نابالغ بچہ کو ہبہ کرتا ہے اس کا کرایہ دار بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ بچے کے بطور ولی اسے قبضہ مکان تفویض ہوتا ہے۔ اگر وہ کرایہ ادا کرتے ہوئے بھی قابض رہتا ہے تو خود اپنا کرایہ دار بن جاتا ہے۔ اسی استدلال کی بنا پر امام محمد کی رائے ہے کہ خواہ باپ اس مکان پر جو اس نے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہو، سکونت پذیر رہے مگر اسے ایک کرایہ دار کی حیثیت سے عمل کرنا چاہئے۔ لیکن یہ اعتراض اس صورت میں قائم نہیں رہتا جب کہ شئے موہوبہ (مکان) متولیان کو منتقل کردی جائے اور ان سے مکان کرایہ پر لیا جائے اور نہ اس کا اطلاق اس حالت میں ہوگا جب کہ علاوہ ولی (جس کی ولایت میں بچہ ہے) کسی اور شخص نے ہبہ کیا ہو۔

اگر یتیم بچہ جو ماں کی نگرانی میں ہو اور شئے موہوبہ پر اس کی ماں قبضہ کرے تو

یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ بچہ کی جائیداد اور ذات کے تحفظ کی مجاز ہے اور اس کا شئے موہوبہ پر قبضہ خود بچے کی حفاظت کی مثل ہے۔ اس لئے کہ بلا جائیداد بچہ کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی اصول ایک یتیم کے غیر رشتہ دار ولی کے جواز قبضہ پر منطبق ہوتا ہے۔ پس ایک یتیم جو اجنبی کی سرپرستی میں ہو اور بحیثیت ولی اس پر قبضہ حاصل کرے تو قانونا یہی قبضہ کافی ہے۔ بالفاظ دیگر ایک واقعی قابض ولی یا ایسا ولی (جس کو باپ کی حیات میں عدالت نے مقرر کیا ہو) کافی ہے۔

بچہ کے ولی کا قبضہ

اگر ایسا نابالغ جسے اپنے مفاد کا ادراک ہے، خود ہی شئے موہوبہ پر قبضہ حاصل کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ اس کے لیے فائدہ رساں ہو۔ ایک ضرر رساں ہبہ کی مثال اس طرح ہے:۔ اگر کوئی شخص کسی نابالغ کو ایک نابینا غلام بطور ہبہ دے تو اس کا اقرار ناجائز ہوگا۔ اس بارہ میں استدلال ظاہر ہے اس لئے کہ موہوب الیہ پر غلام کی پرورش کا بار ہوتے ہوئے بھی غلام کی خدمات سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ہبہ بہ زوجۂ نابالغ

اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی شوہر کا اس جائیداد پر قبضہ جو اس کی نابالغ زوجہ کو ہبہ کیا گیا ہو جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے باپ کے مکان سے شوہر کے گھر بھیج دی گئی ہو اس لئے کہ جب ایک بار باپ اپنی لڑکی کو شوہر کے مکان پر بھیج دیتا ہے تو مفہوما اس کی جائیداد کی نگرانی و قبضہ اس کے شوہر کو ہی تفویض ہوتا ہے لیکن باپ کے گھر سے نہ بھیجی گئی ہو تو صورت مختلف ہوگی۔ لیکن یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے باپ نے جائیداد کے انصرام سے دست کشی کر لی۔

لیکن باپ کی حیات کی صورت میں جو رہائش گاہ میں ہو لے سکتی ہے جیسا کہ فتاوائے عالمگیری اور دوسری تصانیف کے متذکرہ اقتباسات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر وہ قبضہ حاصل کرتی ہے تو ہبہ ناجائز ہوگا۔

جب بچے کو باپ یا دوسرا شخص (جس کی ولایت میں بچہ ہے) کوئی شئے

ہبہ کرے تو یہ ضروری نہیں ہے واہب خود کو تمام مفادات سے علیحدٰہ کرلے۔ مثلاً اگر کوئی مکان ہبہ کیا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ واہب اس میں نہ رہے یا اسباب اس میں سے ہٹالے۔

نابالغ بچہ کوماں کا دین مہربطور ہبہ

جب کوئی عورت اپنا دین مہر جو اس کے شوہر کے ذمے واجب ہو' اسی شوہر سے پیدا شدہ خورد سال بچہ کو ہبہ کرتی ہے تو صحیح اصول کے مطابق وہ ہبہ جائز نہ ہوگا کہ اس بچہ کو جو اسی شوہر سے ہے،وصولی مہر کا مجاز کرے۔ فتاوائے قاضی خان کے مطابق بچہ بعد وصول یابی اس کا مالک ہوگا۔ماں کو چاہئے کہ وہ بچہ کو باپ سے رقم وصول کرنے کا مجاز کردے خواہ مہر نامہ کسی دیگر غیر شخص کو بچہ کی جانب سے دیدے یااس کو بچہ کی جانب سے مہر طلب کرنے کا مجاز کرے۔

صورت مندرجہ بالا میں اصولوں کی ترتیب اس طرح ہے:

اگر کوئی اجنبی کسی نابالغ کے حق میں ہبہ کرے توبچہ کی جانب سے حق اقرار اور حصول قبضہ اولاً باپ کے ذمہ ہے۔ باپ کے انتقال یااس کے طویل فاصلہ پر ہونے کی صورت میں جب کہ اس کی موجودگی مشکل ہو تو باپ کا مقررہ وصی اس کا قائم مقام ہوگا۔ اگر باپ کا مقررہ وصی نہیں ہے تو دادااور اس کی عدم حاضری میں داداکامقررہ وصی مجاز ہوگا۔

مزید برآں کوئی بھی شخص جو کہ حسب واقعات نابالغ کا ولی ہو،جس کی نگرانی میں وہ بچہ ہے (ولی قانونی سمجھا جاسکتا ہے) شئے موہوبہ پر قبضہ لے سکتا ہے۔

مسماۃ بانو بی بی بنام فخر الدین حسن

بمقدمہ مسماۃ بانو بی بی بنام فخر الدین حسن عدالت صدر نے بر بنائے اصول یہ صحیح فیصلہ صادر کیا کہ ایک خاتون کا ایسے نابالغ کے حق میں جائیداد کا ہبہ جس کو اس نے اپنے خاندان میں بطور متبنّیٰ لڑکے کے شامل کرلیا تھااور جس پر کہ بوقت ہبہ یا حین حیات واقف قبضہ نہیں دیا گیا نابالغ کی جانب سے (باوجودیکہ نابالغ کا باپ زندہ تھا) قبضہ جائز اور قانوناً مکمل تھا۔

ایک نابالغ لڑکی شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو باپ یا خاوند کی مقبوضہ شئے پر اس کے حق میں ہبہ جائز ہے۔ لیکن کوئی نابالغ عورت اگر خاوند کے یہاں جانے سے قبل بالغ ہو جائے تو خاوند اس شئے پر قبضہ کا مجاز نہیں ہے۔ ایک نابالغ زوجہ کی ولایت جب وہ خاوند کے گھر آتی ہے تو خاوند کو ہی تفویض ہوتی ہے لیکن جب تک وہ خاوند کے گھر نہ آئے تو خاوند کو زوجہ کی جانب سے اس کی شئے موہوبہ پر قبضہ کا اختیار نہیں ہے۔ اگر خاوند کے ساتھ رہائش اختیار کر لیتی ہے تو وہ اس کا ولی ہو جائے گا اور نابالغ اگر قابل فہم ہے تو وہ شئے موہوبہ پر قبضہ لے سکتا ہے بصورت نزاع قاضی نگراں مقرر کرنے کا مجاز ہے۔

اگر موہوب الیہ سفیہہ ہو تو قبضہ کا حق ولی کو پہنچتا ہے اور اگر وہ لئیق کے حق میں ہبہ کیا گیا ہے تو ایسے بچہ کے پرورش کرنے والے شخص یا جج (قاضی) کا قبضہ کافی ہے۔ ایک سن تمیز کو پہنچنے والے بچہ کو حق ہے کہ ہبہ کو منظور کرے یا نامنظور یا والدین بشرط ضرورت (واہب کا منشا ثابت ہونے پر) بچہ کی شئے موہوبہ کو استعمال کر سکتے ہیں مگر ضائع نہ کریں۔ تحائف کے لیے بھی جو عروس کو پیش کئے جاتے ہیں یہی اصول منطبق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر شوہر کے رشتہ داروں کی جانب سے ہوں تو شوہر کی ملک ہوں گے تاوقتیکہ اس امر کی وضاحت نہ کر دی جائے کہ وہ اس کی زوجہ کے ہیں۔ ایسی اشیا جو کہ عروس کو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ عروس کی ہوتی ہیں تاوقتیکہ باپ امین بطور عاریت ظاہر نہ کرے۔ اس کا بار ثبوت باپ پر ہوگا اور اس کے ساتھ رواج پر بھی غور کرنا ہوگا۔

کوئی بھی شخص اپنے بچے کی جائیداد بطور بدل ہبہ نہیں کر سکتا۔ اسی اصول کی بنا پر کوئی بھی ولی تاوقتیکہ غیر معمولی حالات نہ ہوں نابالغ کی جائیداد کو بیع نہیں کر سکتا۔

بوقت ختنہ جو تحائف ملتے ہیں وہ بطور ہبہ کے ہیں۔ اگر وہ اس کے لیے ناموزوں ہیں تو اس کے والدین کی ملک ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ والدین کے اعزہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تحفہ دینے والا واضح طور پر یہ مختص کر دے کہ یہ بچہ کے لیے ہے تو وہ بچہ کی ملک ہوں گے۔ ایک بچہ جو سن تمیز کو پہنچ چکا ہے لیکن بالغ نہیں ہوا ہے مگر مفاد کا ادراک رکھتا ہے تو

ہبہ کو قبول کر سکتا ہے خواہ اس کے ولی نے نامنظور کر دیا ہو۔ فتاوٰے قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی اپنے نابالغ بچے کو مکان ہبہ کرے اور مابعد مکان موہوبہ کے منافع سے ایک دوسرا مکان حاصل کرے تو بعد والا مکان بھی بچے کی ہی ملک ہوگا۔ بقول درالمختار یہ مسئلہ مسلمہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کا تجزیہ کیا جائے تو اس اصول کی اس طرح صراحت ہوتی ہے کہ جب کوئی باپ اپنے بچے کے حق میں ہبہ کرے تو شئے موہوبہ بچے کی ملک ہو جاتی ہے۔ خواہ یہ باپ کے ہی قبضہ یا تصرف میں رہے۔ اس لئے کہ باپ کا قبضہ اس جائیداد کے بارہ میں بچہ کے حق کے مانع نہیں ہے۔ اس سے بچہ کی حق نوعیت ہبہ نہ تبدیل ہوتی ہے اور نہ ضائع۔

فصل سوم:۔ ہبہ بالشرائط

ہبہ مشروط بالوقوعہ اور ہبہ بالشرائط

ہبہ مشروط اور ہبہ منسلکہ بالشرائط میں بڑا فرق ہے۔

اول الذکر ایسی حالت میں جو بعض اتفاقی واقعات پر منحصر ہیں اور تمام مذاہب کے مطابق باطل ہیں۔ ایسے ہبہ جو تابع شرائط ہیں ان کے بارہ میں اہل تشیع واحناف میں بڑا اختلاف ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق تکمیل ہبہ میں کوئی بھی نقص اسے کالعدم کر دیتا ہے۔ اور اگر موہوب الیہ کو تمام شئے موہوبہ دیا جانا یا ملنا ثابت ہے تو شرائط مابعد جیسے شئے موہوبہ پر تصرف کا کم یا محدود ہونا کالعدم و باطل ہوں گی۔

ایسی صورت میں مذہب حنفی کے مطابق یہ جائز ہے مگر اس کی شرط باطل ہے۔ شیعہ فقہ کے مطابق اگر ہبہ کی شرط ذیلی ہے تو ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو میری رقم قرضہ A پر واجب ہے وہ تم B کو دو تو اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں تو مذہب حنفی کے مطابق شرط باطل ہے لیکن ہبہ جائز ہے۔ مگر شیعہ فقہ کے مطابق اگر ہبہ کا انحصار شرط منسلکہ پر ہے تو تمام ہبہ ناقص ہوگا اگر ہبہ کا شرط پر انحصار نہیں ہے اور شرط کی نوعیت محض قانونی ہے تو ہبہ اور شرط دونوں جائز ہیں۔ طریقہ معروف کے مطابق اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ آیا ہبہ کا انحصار شرط منسلکہ پر ہے یا شرط کی نوعیت محض ثانوی ہے دونوں ہی صورتوں میں ہبہ اور شرط ہر دو جائز ہیں۔

مذہب حنفی

حنفی اصول کے مطابق یہ واضح ہونے کی صورت میں کہ A کے حق میں تین شئے ہبہ کی نیت ہے اور ساتھ محدود حق ملکیت کی شرط ہو کہ محض دوران حیات اس سے استفادہ کرسکے گا تو شرط باطل ہوگی اور ہبہ قطعاً موثر ہوگا۔ علیٰ ہذالقیاس اگر ایک شخص قطعہ آراضی دوسرے کو اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کو (واہب کو) دواما تمام منافع آراضی دیتا رہے تو ایسی شرط ناقص ہے اس لئے کہ ان صورتوں میں شرط مذکور مقصد ہبہ کو باطل کردیتی ہے بالفاظ دیگر اگرچہ ہبہ کا منشا موہوب الیہ کو جائیداد منتقل کرنے کا ہوتا ہے مگر اس کا مفاد اس حالت میں قطع ہوجاتا ہے اور دوسری صورت میں وہ دائما ہبہ کے زیربار ہوتا ہے۔

مذہب حنفی

مذہب حنفی کے مطابق صرف وہی شرائط ناجائز ہیں جو کہ ہبہ کو بے اثر یا اس کے مقصد کو باطل کردیتی ہیں۔ فتاوائے عالمگیری میں مندرجہ مثالیں زمانے کے سماجی حالات کے مطابق ہیں جن سے فقہا کی نیت کے بارہ میں شک کی گنجائش نہیں ہے تمام فقہا اس پر متفق الخیال ہیں۔ اگر کسی ہبہ کے ساتھ کوئی ناجائز شرط منسلک ہو تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی ایک غلام لڑکی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ ہبہ کرے کہ وہ اس کو کبھی فروخت نہ کرے گا یا اسے بچوں کی ماں بنائے گا (یعنی اس کے نطفے سے بچے پیدا ہوں گے) اور اس کے نتیجہ میں وہ اس کے اثر سے آزاد ہوگی یا وہ اس کو فلاں فلاں کو فروخت کرے گا یا ایک ماہ بعد واہب کو واپس کردے گا ان تمام صورتوں میں ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ یہی سراج الوہاج میں ہے۔

بے نتیجہ ہبہ کی مثالیں

متذکرہ مثالوں سے معلوم ہوگا کہ منسلکہ شرائط سے ہبہ قطعاً غیر موثر ہوجاتا ہے بلکہ منشا ہبہ کے قطعاً متصادم ہے اس لیے کہ اس سے حقوق موہوب الیہ محدود ہوتے ہیں۔ اس لئے شرائط باطل ہیں۔ دوسری مثالیں جن سے فقہا کا منشا ظاہر ہوتا ہے اس طرح ہیں۔
اگر کسی دوسرے شخص کو مکان اس شرط پر دیا جائے کہ واہب کو وہ ایک حصہ

واپس کرنے یا اس کے عوض موہوب الیہ کوئی بدل دے تو ہبہ جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ایسا ہی کافی میں آیا ہے۔ان تمام صورتوں میں یہی اصول حاوی ہے کہ مشروط بالقبض معاہدات میں لاحاصل شرائط سے معاہدوں کی تنسیخ نہیں ہوتی بلکہ وہ شرائط خود منسوخ ہوجاتی ہیں جیسا کہ ہبہ یا رہن میں ہوتا ہے۔ یہی سراج الوہاج میں آیا ہے۔وہ معاہدے جو لاحاصل شرائط سے منسوخ ہوتے ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے ۔جیسے کہ بیع، تقاسمہ، پٹہ، بیباقی قرضہ وغیرہ اور وہ معاہدے جو ایسی شرائط سے منسوخ نہیں ہوتے ان کی تعداد ۲۶ ہے جیسے ۔ طلاق، رہن، قرضہ، ہبہ، وصایا، وہ معاہدے جو کہ مستقبل سے متعلق ہوں ان کی تعداد ۱۴ ہے اور جو مستقل نہ ہوں وہ ۹ ہیں۔ جیسے بیع تقسیم، شرکت ہبہ وغیرہ۔

اگر کوئی قطعہ آراضی دوسرے کو اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کی پیداوار واہب کو دیدے تو ابو القاسم سقار کے مطابق اگر اس زمین پر انگور کی بیلیں یا دوسرے درخت ہوں تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ اگر آراضی بنجر ہے تو ہبہ جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔ایسا ہی فتویٰ فتاوائے قاضی خان میں ہے۔اسی طرح اگر کوئی انگور کی بیل دوسرے کو اس شرط پر دے کہ موہوب الیہ اس کی فصل واہب کو دے گا تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے اور بقراسی جالی کے بقول اگر کسی کو کوئی ہبہ کرے یا کوئی شئے بطور صدقہ اس شرط پر دے کہ موخر الذکر اسکا ایک ثلث یا چہارم واپس کردے گا تو ہبہ جائز ہے خواہ موہوب الیہ کچھ واپس نہ کرے۔یہی تاتار خانیہ میں درج ہے۔ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ موہوب الیہ پر عائد شدہ شرط ہبہ کے یکسر منشا کو ہی مسخ کردیتی ہے اس لئے کہ یہاں تمام شئے کا انتقال مقصود ہے مگر اختیار اتنا محدود ہے کہ بعض حالات میں ان کا تصرف (حق استعمال) بالکل بے معنی ہوجاتا ہے اور دیگر صورتوں میں ”عین شئے“ کا جزو ہی حاصل ہوتا ہے پس اصل مقصد ہبہ پر عمل ہوتا ہے یعنے ہبہ جائز اور شرط باطل رہتی ہے۔ یہی فقہا کے تشریحات کی اصل ہے۔

جائز شرطوں کی مثالیں

اگر A کوئی جائیداد B کو اس کا اختیار انتقال محدود کئے بغیر اس شرط پر ہبہ کرے کہ A کو مقررہ میعاد تک B ادائیگی کرتا رہے یا A اور اس کے ورثا کو عین جائیداد کا ایک

جزو دیتا رہے تو صورت حال اس کے برعکس ہوگی اور ہبہ و شرط دونوں جائز ہوں گے اوز اگر B جائیداد کو منتقل کرے تو منتقل الیہ اسی شرط کے تحت لے گا۔

ان حالات میں جیسا کہ ظاہر ہے واہب کا اپنے یا ورثاء کے مفاد کو محفوظ کر لینے سے منتقل الیہ کا حق ملکیت جائیداد (بذریعہ انتقال) زائل نہیں ہوتا۔

شرعاً اصل مقصد کے تجزیہ سے ظاہر ہے کہ تمام حقوق انتقال متعلق عین جائیداد کا ہبہ اصلاً کرایہ اور آمدنی کے مفاد کی حفاظت ہے۔ اس سے حاصل شدہ مفاد یا اس کے استعمال میں کوئی ثانوی جزو جواز کو متاثر نہیں کرتا اور یہ نظیر نابالغ موہوب الیہ تک ہی محدود نہیں ہے۔

نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم

بمقدمہ نواب امجد علی خان بنام محمدی بیگم پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے بڑی وضاحت سے اصول متذکرہ سے متعلق سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا ہے اور یہی صحیح اصول ہے جو ان حالات میں منطبق ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس مقدمہ کی قانونی جہتوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

مرافعہ گذار کے والد (نواب امجد علی خان) نے انتقال سے چند سال قبل اپنے نام پر گورنمنٹ پرامسری نوٹ کافی تعداد کے منتقل کر کے تصدیق مہری کردی اور مرافعہ گذار کی ہدایت کے مطابق نوٹس کا منافع باپ کو بھی ملتا رہا بعد ازاں اس کے والد نے کچھ جائیداد از قسم آراضی برائے نام بدل پر اپنے لڑکے کے نام منتقل کردی اور تاحین حیات اس جائیداد کا حق استعمال اپنے لئے محفوظ رکھا۔

باپ کے انتقال پر فریق ثانی (یکے از دختراں) نے گورنمنٹ پرامسری نوٹس کے متعلق دعوی اس بنا پر دائر کیا کہ مرحوم نواب ان کے اصل مالک تھے اور مرافعہ گذار برائے نام قابض تھا۔

فاضل ججان نے بعد غور مقدمہ میں درج ذیل فیصلہ صادر کیا۔

ترتیباًان معاملات میں اول شرع کا اہم اصول ہبہ مابین اشخاص زندہ موجود ہے اس سے قبل کہ اصول جواز ہبہ مابین اشخاص زندہ طے کیا جائے اس پر غور کرنا ضروری

ہے کہ اصل نوعیت انتقال کیا تھی۔ مرافعہ گذار کو قانوناً پرامسری نوٹس پر حق ملکیت بلا شبہ باپ کے فعل پر ہی اس کی حیات میں حاصل تھا۔ قانوناً حق انتقال سے اگرچہ شرعاً واصلاً شرائط انتقال قبضہ کی تکمیل ہو جاتی ہے تاہم جب تک حال یا مستقبل میں ملکیت مفاد منتقل کرنے کی نیت نہ ہو یہ کافی نہیں ہے۔(مسٹر فریزر Mr.Friser سول جج) نے شرائط متعلق ہبہ پر کافی غور کیا ہے۔

ان مقامی یا نقد لگان کے لیے اپنے طور پر مثل خاندان کے ایک خاندانی حالت میں رہتے ہیں اور جائیداد کی آمدنی جو خاندان کے علیحدہ ممبران کے نام پر درج ہے جو کہ سربراہ خاندان والدین نے منتقل کی ہے ان کی خواہشات کے احترام انتظام اور ان کی رضامندی عام طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس بارہ میں اس کی تائید میں پر زور دلیل سے کہ اس معاملے میں جیسا کہ حالات موجودہ میں ہے پوشیدہ بدنیتی کی کوئی رمق اس میں شامل نہیں تھی بلکہ واہب کی حین حیات انتقال جائیداد کی نیت کے امکان کو مزید تقویت ملتی ہے جس میں کہ روپیہ سے پیدا شدہ آمدنی یا اس سے مفاد محض واہب کی حین حیات انتقال کو محدود رکھا گیا ہو۔

یہ غور طلب ہے کہ ایک واہب کا حین حیات جائیداد کا شرعاً انتقال جب کہ وہ نہ جائیداد کے ''عین'' حق ملکیت کو اپنے لیے محفوظ کرے اور نہ کوئی اپنا حصہ مختص کرے بلکہ محض تا حین حیات علی الاتصال پیداوار پر اپنا حق مالکانہ مشروط کرے تو یہ حسب شرع نامکمل ہبہ ہے۔ ہدایہ کے متن میں یہ مسئلہ شامل ہے۔ جس کا جواب نفی میں ہے۔ واپس کی جانے والی شئے اصلاً وہ نہیں ہوتی بلکہ قدرے مختلف ہوتی ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ ہبہ، جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ نمبر ۳۰۴) رہا یہ اعتراض کہ جائیداد موہوبہ میں واہب کی شرکت ہبہ کو نا جائز بنا دیتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ واہب اس شئے کو جو ہبہ نہیں کی گئی استعمال کر سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ تمام غیر تقسیم شدہ شئے کا استعمال کر سکتا ہے اس لیے کہ ہبہ اصل شئے کا ہے نہ کہ اس کے استعمال کا۔

مکرر یہ کہ اگر باپ کی حیات میں اس کے مفاد کا تحفظ موہوب الیہ کے مکمل استفادہ کے خلاف ایک شرط متضاد قرار دی جائے تو ایسی صورت میں جب مسلم لا میں ہبہ ناجائز نہیں ہوتا بلکہ شرط ناجائز ہوتی ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ جلد نمبر ۳ کتاب نمبر ۳۰ صفحہ

نمبر ۳۰۷) چونکہ باپ و بیٹے کے درمیان اس قسم کے حق استعمال کی سہولت بنیادی طور پر صحیح ہے اور لڑکے کا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے۔ عدالت ہائے ہند میں ایسا معاہدہ جس کی بنا پر ٹرسٹ قائم کیا جائے اور وقت معینہ تک جس کی آمدنی واپس کرنے کی شرط کی گئی ہو اس کو عدالت ہائے مذکور نے جائز اور قابل نفاذ قرار دیا ہے۔ عذر فریقین احکام "ہدایہ" کے خلاف ورزی نہیں ہے اس لئے انتقال مکمل ہو جاتا ہے۔

بادی النظر میں یہ فیصلہ ابو القاسم السافر حنفی فقیہ کے اصول سے بر عکس ہے۔ مگر یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حسب فقہ حنفی شرائط کا ابطال بڑی حد تک عربی جملوں کی معنوی خاصیت اور نوعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ عام کلیہ کے مطابق یہ بتایا جا سکتا ہے کہ جب تمام جائیداد میں انتقال حقوق ملکیت کا ارادہ قطعاً واضح ہو تو کوئی ایسی شرط جس سے فی الفور مکمل ہبہ میں نقص پیدا ہو تو وہ باطل ہے۔ اور جب کوئی شرط ہبہ کی فی الفور تکمیل میں نقص یا رکاوٹ کے بغیر پوری ہو سکتی ہے یا شئے موہوبہ کے عین کے خود ہی انتقال میں حارج ہو تو شرط اور ہبہ دونوں باطل ہیں۔ اگر کوئی دوسرے کو جائیداد ہبہ قطعی کر کے اور موہوب الیہ کو قابض کر دے اور حسب تحریر مجمع الانہار شئے موہوبہ کی نوعیت کے پیش نظر یہ شرط ہو کہ تمام حصہ آمدنی واہب یا دیگر شخص کو تا حین حیات دیا جائے گا ایسی شرط یا مخصوص نوعیت سے جائیداد کو موہوب الیہ میں تفویض ہونے سے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اور شرط جائز ہوگی اس طرح اگر کوئی اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ واہب کے قرضوں کی ادائیگی کرے گا۔ اور شئے موہوبہ پر قبضہ دے دیا جائے تو یہ شرط جائز ہوگی۔

یا اگر کسی واہب کی یہ شرط ہو کہ موہوب الیہ آمدنی کا ایک جزو یا مقررہ رقم سالانہ دواما اس کے ورثا کو ادا کرے گا اور ہبہ پر عمل کرنے کے لیے شئے موہوبہ موہوب الیہ کو منتقل کر دے۔ چونکہ یہ شرط تکمیل ہبہ میں کسی طرح حارج نہیں ہوتی اس لیے ہبہ اور شرط دونوں ہی قانوناً موثر ہوں گے۔ اس سلسلے میں پریوی کونسل کے فاضل ججان کا فیصلہ فقہ حنفی کے کلیتاً مطابق ہے۔

مشروط ہبہ

ایسے ہبات جو کہ کسی امر کے وقوع پر منحصر ہوں، جیسا کہ بتایا گیا، ہر دو مذاہب کے مطابق باطل ہیں۔ مثلاً کسی قرض کی ادائیگی سے بچنے کے لیے درج ذیل الفاظ کے مطابق ایک شرط (جب تو کل آئے اور تیری موت واقع ہو جائے تو میرے قرضہ سے بری الذمہ ہو جائے گا) یہ شرط کالعدم اور باطل ہے (یا بالفاظ دیگر) اگر اس مرض سے تیری موت واقع ہو جائے یہ مکان تیرا ہے ان سب صورتوں میں ہبہ قطعاً باطل ہے۔ لیکن ایسی شرط جس سے کہ ہبہ کا فوری نفاذ مقصود ہو تو جائز ہے۔ مثلاً کوئی دوسرے سے یہ کہے کہ اگر میرا کوئی روپیہ تمہارے ذمہ ہے تو میں اس سے تمہیں بری الذمہ کرتا ہوں یا میں جب مر جاؤں تو تم میرے قرضے سے بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ موخر الذکر صورت میں یہ ہبہ بالوصیت ہو گا۔

ہبہ کی غیر اہم شرائط کی مثالیں

جب ایک شخص دوسرے سے کہے کہ یہ مکان تیرے لئے ہے اگر تو میری حیات میں مر جائے تو یہ میرا ہے اور اگر میں تیری حیات میں مر جاؤں تو تیرا ہے اصطلاحاً اسے رقبہ کہتے ہیں اور بقول طحطاوی 'امام ابو حنیفہ اور محمد کے قول کے مطابق ایسا معاملہ باطل ہے اور ابو یوسف کے مطابق یہ ہبہ ہے۔ لیکن اول الذکر اصول صحیح ہے۔

جب کوئی جائیداد بطور رقبہ دی جائے تو یہ عاریت قرار دی جائے گی یعنی موہوب الیہ کے پاس بطور قرض رہے گی کہ جس کو وہ منتقل نہیں کر سکتا۔ اور واہب اس امر کا مجاز ہو گا کہ اس ہبہ یا عاریت کو کسی بھی وقت واپس لے لے۔

فقہ حنفی کے مطابق ایک حین حیات ہبہ یا عمرہ اگر ان شرائط کے ساتھ کیا جائے جس سے ہبہ قطعی مفہوم ہو تو ہبہ نافذ ہو گا۔ اور ہبہ کو محدود کرنے والی شرائط باطل ہو نگی۔ A کو حین حیاتی ہبہ اور بقیہ B کو وہ بحق A بطور ہبہ قطعی موثر ہوتا ہے اور انگریزی کے محاورے میں اس کو ... مل جاتی ہے کسی شئے میں منافع کا ہبہ قانون کی نظر میں محض عاریت یا قرض بلا بدل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ موہوب الیہ اسی اصل شئے کو واپس کرنے کا پابند ہے۔

ایسی شئے کا ہبہ جو حاصل ہونے کے بعد گم ہو جائے بقول امام یوسف ناقص

ہے مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تجھے موتی ہبہ کرتا ہوں تو اس کو تلاش کر کے لے لے تو یہ ہبہ بربنائے قیاس باطل ہوگا۔ اس کے برعکس فقیہ ظفر نے اس کو جائز بتایا ہے اور انہی کا فتویٰ مطابق شرع ہے۔

کسی بھی قابل نفاذ حق کا ہبہ بروئے اجماع جائز ہے۔ مثلاً A کسی ایسی جائیداد کا مستحق ہو جو B کے قبضے میں ہے تو A کا C کو جائیداد کا ہبہ کرنا یا اس پر اس کا حق قائم کرنا جائز ہے۔ ایک عمارت کا ہبہ (بلا اس زمین کے جس پر یہ واقع ہے) جائز ہے۔ اگر موہوب الیہ کو اس اختیار سے ہبہ کیا جائے کہ خواہ وہ ہبہ منظور کرے یا نامنظور تو یہ حق اختیار اسی جگہ استعمال ہوگا جہاں ایسا اختیار تفویض ہو۔ اگر کوئی واہب ایسے ہبہ میں یہ اختیار قائم رکھے کہ جب چاہے ہبہ منسوخ کر دے تو ہبہ صحیح ہے اور اختیار باطل۔

کوئی ہبہ ناجائز شرط کی بنا پر باطل نہیں ہوتا

کوئی ہبہ کسی ناجائز شرط کی بنا پر ناجائز نہیں ہوتا۔ اگر شوہر یا اس کی زوجہ کے درمیان کوئی معاہدہ ہبہ ان کے جداگانہ حقوق کے متعلق ہو اور معاہدہ کے تحت جائیداد دوسرے کو منتقل کر دے تو ہبہ موثر ہوگا۔ اور کسی ناجائز شرط کی بنا پر باطل نہ ہوگا لیکن حسب قول قاضی خان ہر رہن، بیع یا پٹہ ناجائز شرط کی بنا پر باطل ہوگا۔ اگر کوئی شخص مکان خرید کرے اور بعد حصول قبضہ اسے ہبہ کر دے اگر دوسرا شخص بعد ہبہ نصف مکان پر بربنائے حق شفع قبضہ حاصل کرے تو جہاں تک کہ موہوب الیہ کا تعلق ہے قبضہ کا ہبہ ناجائز ہے بالفاظ دیگر بقیہ حصہ واپس کر دے یا بطور ہبہ اپنے پاس رکھے۔

اقرار ہبہ مثل قبضہ مؤثر ہے

اقرار ہبہ کا منشا یہ ہے کہ تمام ضروری شرائط متعلق ہبہ کی تکمیل ہو گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی جائیداد زید کو ہبہ کر دی تو ایسا ہبہ موتر ہوگا اور قبضہ کے بارہ میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حسب قانون قبضہ دیدیا۔ اگر ہبہ تحریراً ہو اور واہب حسب انڈین رجسٹریشن ایکٹ ہبہ نامے کو رجسٹری کرادے تو یہ علیحدہ کر لیا۔ اگر اس نظریہ کو صحیح سمجھا جائے تو نظیر بمقدمہ مغل شاہ بنام محمد صاحب کو مشکل سے مسلم لا کے مطابق کہا جائے گا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ ایسے اقرار سے محض قیاس پیدا ہوتا ہے اور کوئی قطعی

ثبوت شرعی قبضہ دہانی کی پتہ نہیں ہے پس ایسی صورت میں دو امور ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

موہوب الیہ کا واہب سے رشتہ اور دوسرے حسب شرع واہب کی قانونی اہلیت قبضہ دہانی مثلاً اگر موہوب الیہ بچہ ہے اور عملاً واہب کی ولایت میں ہے تو قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے۔ مکرر یہ کہ اگر شئے موہوبہ جائیداد اراضی ہو اور واہب اس قدر شدید بیمار ہو جائے کہ وہ کاشت کاروں سے موہوب الیہ کو قبضہ دلانے سے قاصر ہو تو محض اس کا دستاویزات شہادت ملکیت مع ہبہ نامہ دے دیناجائیداد پر حصول قبضہ کے لیے جواز کافی ہے۔اگر کوئی اپنے شریک کو شراکت کا اثاثہ اپنے بالغ لڑکے کو دینے کی ہدایت کرے اور لڑکے کو اس امر کا مجاز کردے تو یہ مکمل ہبہ کی طرح موثر ہوگا۔

فصل چہارم:۔ شیعہ اصولِ محدود حقیت

شیعہ فقہ

شیعہ قانون حقیت میں حین حیات کے جواز کو پوری طرح تسلیم کیا گیا ہے اور اس موضوع پر ایک علیحدہ باب ہے۔ مثلاً:

اگر (الف) ب کی حین حیات ب کے' حق میں ہبہ کرے تو ب ایسا ہبہ اپنی حین حیات میں لے گا اور جائیداد B کے انتقال پر واہب اور اس کے ورثا پر عود کرے گی۔ اسی طرح B کے حق میں اس کی حیات میں ہبہ اور اس کے بعد قطعاً C کے حق میں یا حقیت تا حین حیات B کے حق میں یا دوران حیات C کے حق میں بعد ازاں قطعاً D کے حق میں حسب شیعہ قانون فقہ جائز ہے۔

اسی طرح A کے حق میں اس کے حین حیات ہبہ اور بعد ازاں A کے بچوں کے حق میں ایسا ہبہ بھی قطعاً جائز ہے۔ بالفاظ دیگر ایک حقیت حین حیاتی یا حقیت جو یکے بعد دیگرے کئی لوگوں کی حیات سے متعلق ہو شیعہ قانون کے مطابق جائز ہے۔ شرائع الاسلام کے ایک پیرے پر رائے زنی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے یہ مکان تم کو اور تمہاری آل اولاد کو بطور عمرہ دیا ہے تو عمرہ ہے۔بقول جواہر الکلام عمرہ

(یعنی عمرہ یا حقیت حین حیاتی) کی اس وقت تک پابندی قائم رہے گی جب تک کہ آل اولاد باقی ہے اور ان کی حقیت واہب پر عود کرے گی لیکن مکان ہمیشہ مالک کی جائیداد رہے گا۔

شیعہ اصول حقیت حین حیاتی

یہ قابل غور ہے کہ "ٹیگور کیس" میں طے شدہ اصول کسی حد تک شیعہ لا کے قوانین سے مطابقت رکھتے ہیں ان کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ بوقت ہبہ آخری موہوب الیہم اصلاً یا تعبیراً موجود ہوں۔ جب تک کہ پہلا موہوب الیہ بوقت ہبہ موجود ہے تو انتقال حسب شیعہ فقہ موثر ہے۔ موہوب الیہم مابعد کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جبکہ درمیانی حقیت ختم ہوتی ہے اور اس کے حقوق میں فی نفسہٖ قبضہ دہانی یا تقلیب قبضہ ان اشخاص کے حق میں مفید ہو جن سے کہ حق قائم رہتا ہے اور وہ ان کے بعد پانے کے مستحق ہیں۔ وجہ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قبضے کی نوعیت میں جب ایک بار تبدیلی ہو جاتی ہے تو ایسا ہبہ نیک نیتی کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

شیعہ قانون میں عارضی حقیت

عارضی یا محدود حقیتوں کے ہبہ ان کی غایت کی بنا پر جس غرض سے کہ یہ ہبہ کئے گئے ہیں یا یہ حقیتیں قائم کی گئی ہیں منسوب ہوتے ہیں۔

(A) "حبس" سے لفظی طور پر مراد کسی جائیداد کو باندھنا ہے۔ اصطلاحاً اس کا منشا ایسی تملیک یا ہبہ ہیں جو کسی وقت کے لیے محدود ہیں۔ حبس ایک ایسا فعل ہے جس سے کہ مالک حقیت دوسرے شخص کو (حقیت یا بلا بدل) کسی شئے کے (جائیداد) کے "حبس" یا اس کے استعمال پر تصرف کا حق دیدے اور اس میں حبس کی رو سے حق جائیداد مالک کا قائم رہے فریقین معاہدہ کنندگان کی باہمی رضامندی خواہ صریحاً یا مفہوماً مع انتقال قبضہ جواز معاہدہ کے لیے کافی ہے اور یہ فقہ حنفی میں مثل عاریت ہے۔

(B) کسی حین حیاتی مفاد یا استعمال پر تصرف بالفاظ دیگر حقیت حین حیاتی العمرہ کہلاتی ہے۔

(C) کسی مکان کا استعمال بلا حقیت ملکیت "سکنہ" یعنی حق رہائش کہلاتا ہے۔

(D) کسی شئے کے مفاد یا استعمال کا مقررہ مدت کے لیے حق استعمال "الرقبہ" کہلاتا ہے۔ لفظی طور پر اس سے مراد "طاعت" ہیں اور یہ اس صورت میں متعلق ہوتا ہے جب کہ تکمیل ہبہ میں کمی رہتی ہے اور ہبہ قطعی کم ہوکر محدود حق ملکیت میں آجاتا ہے۔

ایسے معاہدہ کے نفاذ کے لیے کوئی خاص ضابطہ کار نہیں ہے مگر درج ذیل الفاظ سے یہ موثر ہو سکتا ہے۔ مثلاً "میں نے فلاں شخص کو فلاں مکان یا زمین کا حق استعمال اس کی حین حیات یا اتنی مدت کے لیے دیا ہے"۔ یا بالفاظ دیگر یہ مالک جائیداد کی نیت کا اظہار ہے۔ اگر یہ موہوب الیہ کی حین حیات تک ہے تو عمرہ کہلاتا ہے اور معاہدہ کی تکمیل قبضہ دہانی کے بعد لازمی ہو جاتی ہے۔ ایسا معاہدہ جس کی رو سے کسی شخص کو مکان یا جائے رہائش کا حق استعمال کے لیے دیا جائے وہ انتقال واہب پر سوخت ہو جاتا ہے تاوقتیکہ کوئی دوسری مدت مقرر نہ ہو۔ اگر ہبہ اس شرط سے کیا جائے کہ تمہارے انتقال پر یہ مجھے عود کرے گا تو واہب الیہ کے انتقال پر عودیت نافذ ہوگی۔

جب محدود یا مقررہ وقت کے لیے کسی منافع کا ہبہ کیا جائے تو قبضہ دہانی کے وقت یہی معاہدہ واجب تعمیل ہوتا ہے۔ واہب تا اختتام مدت مقرر شئے موہوبہ کو واپس نہیں لے سکتا۔ ایسا ہبہ جو تا حین حیات واہب کیا جائے موہوب الیہ کے انتقال پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حق سکنہ (سکونت) اس کے ورثا پر منتقل ہو جاتا ہے جو اسے واہب کے انتقال تک استعمال کرتے ہیں۔ کسی شئے کے مفاد کا بلا تعین وقت ہبہ کسی وقت بھی واہب کی مرضی پر منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

شیعہ اصول بابت محدود حقیت وملکیت

کسی جائیداد میں محدود ملکیت یا اس کے منافع میں معینہ مدت کے لیے ہبہ شئے کے عین کے بیع سے ختم نہیں ہوتا بلکہ شئے موہوبہ پر موہوب الیہ کا ہی استحقاق رہتا ہے اور تا انقطاع مدت ہبہ موہوب الیہ اس کے مفاد کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

ہر وہ شئے جس کا ہبہ جائز ہے اس کا عمرہ یا حین حیاتی ہبہ بھی جائز ہے۔ ایسا ہبہ بیع سے ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہر خریدار کا فرض ہے کہ حین حیاتی کرایہ دار کی شرائط کو جو واہب نے کی تھیں پورا کرے۔

حق سکنہ یا رہائش کی بنا پر جو دیگر شرائط کے ساتھ ہو تو موہوب الیہ مجاز ہے کہ اپنے اعزہ و بچوں کے ساتھ رہائش رکھے۔ مگر یہ حق دوسرے کو تاوقتیکہ اس بارہ میں کوئی خاص شرط ہو منتقل نہیں کر سکتا۔ A اور اس کے بچہ کو حق سکنہ سے موہوب الیہ اور اس کے بچوں اور پس ماندگان کو بھی اس وقت تک حق رہائش حاصل رہتا ہے جب تک آخری باقی ماندہ بچہ کا انتقال نہ ہو جائے۔ ایسا ہبہ جو موہوب الیہ اور اس کے پس ماندگان تک محدود ہو اس سے موہوب الیہ اور اس کے انتقال پر حاضر الوقت اشخاص پر حق حین حیاتی تفویض ہوتا ہے اور ہبہ موہوب الیہ کے خاندان کے آخری پس ماندہ شخص کی موت پر واہب یا اس کے ورثا پر عود کرتا ہے۔

شرائع میں یہ عبارت کہ (A) یا محض اس کے اعقاب کے حق میں ہبہ محض حق حین حیات کی صورت میں نافذ ہوتا ہے گویا کہ لفظ اعقاب استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا بلکہ عمرہ کا حوالہ تھا۔ حسب مصنف شرائع لفظ اعقاب (جس کے معنی بعد میں آنے والا شخص ہے) مثل آل اولاد کے ہے اور اس سے حق کامل منتقل نہیں ہوتا۔

محدود حقیت

مدت معینہ تک عمرہ اور رقبہ حین حیاتی جو واماندگان کے حق میں جائز ہے اسی طرح ایک عمرہ کئی لوگوں کی مدت حیات کے لیے علی التواتر جائز ہے۔

ایک رقبہ عبوری مدت کے لیے جائز ہے لیکن واہب کی مرضی پر واپس ہو سکتا ہے اور شئے موہوبہ کے بیع سے ہبہ ختم ہو جاتا ہے۔

ایک موہوب الیہ کسی مکان یا عمارت کو جو اس کی سکونت کے لیے دیا جائے بلا اجازت واہب کرایہ پر نہیں دے سکتا۔

ایسے وہ تمام ہبہ جو کہ مقررہ اشخاص کے لیے بلا صراحت مدت کئے جائیں واہب یا مالک کی موت پر ختم ہو کر ورثہ کا جزو ہو جاتے ہیں۔

جب A کے حق میں ان الفاظ میں کوئی ہبہ کرے "اگر مجھ سے قبل تمہارا انتقال ہو جائے تو جائیداد مجھ پر عود کرے گی اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں یہ تمہاری ہو گی"۔ بعض کے نزدیک اگر موہوب الیہ سے پہلے ہی واہب کا انتقال ہو جائے تو موخرالذکر کے

حق میں یہ عمرہ ہوگا اور بعض کے نزدیک یہ ہبہ قطعی ہوگا۔ بشرطیکہ کوئی دوسری پابندی نہ ہو۔
کمی شیخ اور دوسروں کے مطابق ایک علی التواتر حق حین حیاتی جائز اور حسب قاعدہ ہے۔ اگر کوئی ہبہ A یا اس کے بچوں کے لیے نسلاً بعد نسلاً کیا جائے یا اگر کوئی ہبہ A کے حق میں یا یزادی مروجہ عبارت جس سے شئے موہوبہ کا منشا موہوب الیہ کے سلسلہ آل اولاد میں دواماً (نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ) رکھنا ہو تو ہبہ سے موہوب الیہ کے حق میں ایک دائمی حقیت منتقل ہوتی ہے۔ عبارت مستعملہ سے مراد ہبہ دائمی ہے دراصل موہوب الیہ یا اس کی اولاد کے لیے ایسے قبضہ سے موہوب الیہ کو ایک حقیقت فی نفسہٖ تفویض ہوتی ہے اور اس پر انتقال یا کسی اور صورت میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

مقدمہ ناصر حسین بنام صغریٰ بیگم

مقدمہ ناصر حسین بنام صغریٰ بیگم کی کارروائی سے ظاہر ہے کہ مدعی کے والد ذوالفقار حسین نے ۲۳/نومبر ۱۸۶۸ء کو اپنے مملوکہ مکان کا ہبہ نامہ اپنے بھتیجوں علی محمد، مظفر حسین اور مدعا علیہ ابو المظفر کے حق میں کردیا تھا اور ایک دوسرے ہبہ نامہ کے ذریعے جو ۱۴/ستمبر ۱۸۷۵ء کو بعد تحریر حسب قاعدہ رجسٹرڈ ہوا۔ اسی مکان میں اپنا حق ملکیت مدعی نے ناصر حسین کے حق میں منتقل کردیا تھا۔ علی محمد کا حق ملکیت جو مندرجہ بالا مدعا علیہم میں سے ایک تھا حسب دستاویز مورخہ ۲۳/نومبر ۱۸۶۸ء اس کے خلاف صغریٰ بیگم کی اجراڈگری میں قرق ہوگیا تھا۔ مدعی نے اس کے خلاف عذرداری پیش کی۔ چونکہ درخواست عذرداری نامنظور ہوگئی، اس نے مکان متنازعہ پر حق ملکیت نیز اس امر کے استقرار کا دعویٰ دائر کیا کہ بروفات علی محمد متوفی جائیداد پر حقوق منقطع اور ختم ہوگئے۔ مقدمہ مذکور میں اصل امر تصفیہ طلب یہ تھا کہ آیا انتقال نامہ مورخہ ۲۳/نومبر کے شرائط کے مطابق حق ملکیت مکان منتقل الیہم پر منتقل ہوگیا۔ دستاویز کا اہم حصہ درج ذیل ہے۔

"میں نے بخوشی ورضا ورغبت یہ مکان میرے برادران علی محمد و مظفر حسین اور ابو المظفر اور ان کے ورثا کو نسلاً بعد نسلٍ منتقل کیا۔ اب میں یا میرے ورثا کا مکان مذکور میں نہ کوئی حق ہے اور نہ ہم کسی حق کا مطالبہ کریں گے۔ اگر میرے متذکرہ بھائی یا ورثا مکان مذکور کو بیع یا رہن کریں گے تو مجھے اور میرے ورثا کو حق نالش ہوگا۔ لیکن

جب تک کوئی بیع یا رہن عملاً ہو گا مکان مذکور سے میرے یا میرے ورثا کا کوئی تعلق یا علاقہ نہ ہو گا۔"

عدالت ابتدائی نے موہوب الیہم میں سے ایک کا حق قابل ارشاد وانتقال قرار دے کر دعویٰ خارج کر دیا۔ مدعی نے عدالت العالیہ میں دوران اپیل منجملہ دیگر عذرات کے یہ بھی عذر کیا کہ فریقین شیعہ ہیں اس لئے قانون (شرع) جس پر عدالت ماتحت نے انحصار کیا ہے سنیوں پر عائد ہوتا ہے نہ کہ اہل تشیع کے لیے قابل پابندی ہے۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے عدالت ابتدائی کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے درج ذیل فیصلہ کیا۔

"مقدمہ ہذا میں ہماری رائے میں جج صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اور مدعا علیہ نے مکان منشا نالش نہ محض رہائش کے لیے بلکہ قطعی طور پر لیا ہے۔ ہبہ نامہ کے متعلقہ الفاظ بہت صاف اور واضح ہیں اس کے بعد فاضل جج نے مزید تحریر کیا کہ اور چونکہ ایسے انتقال نامے کا منشا بالکل صاف ہے۔ مکان کے ہبہ کی غرض و نوعیت رہائش ہے لیکن چونکہ ہبہ فی نفسہ موہوب الیہم اور ان کے لیے بعد نسلاً بعد نسلٍ ورثا کے حق میں ہے اور اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مشورہ کی نوعیت ہے۔ لیکن اس کے حق ملکیت کو قانوناً صرف مکان تک محدود کرنے کے لیے نہیں ہے۔ یہ انگلینڈ کے قانون سے مطابق ہے اور سب جج نے جیسا کہ بتایا ہے مسلم قانون کے مطابق ہے۔

ناصر حسین بنام صغریٰ بیگم

دوران بحث مرافعہ گذار کی جانب سے یہ استدلال کیا گیا کہ فریقین مقدمہ شیعہ ہیں اور مسلم لا کے متن اور دیگر اسناد محولہ کا مسلمانوں کے وسیع سنی طبقہ سے تعلق ہے مقدمہ ہذا میں فریقین بلا شبہ شیعہ ہیں اور اگر ان کے امامیہ قانون سنی احکام یا قوانین (متذکرہ سب جج) کے برعکس ہوتے تو یہ تو ہمارا فرض تھا کہ ہم قانون پر عمل کرتے مگر امامیہ ضابطہ قوانین (جس کی کہ مسٹر بیلی نے ۱۸۶۹ء صفحہ نمبر ۲۲۶ پر تصریح کی ہے) کے بغور مطالعہ سے ہمیں یقین ہے کہ اس موضوع پر مسلم قانون کے دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ اس موضوع پر سنی قانون بہت واضح اور صاف ہے اور شیعہ

وامامیہ قانون اس بارہ میں خاموش ہیں۔

مؤخرالذکر قانون کا منشا یہی ہے کہ اہل تشیع کے لیے بھی سنی قانون کو اختیار کر کے اس کا اطلاق کیا جائے۔امامیہ قانون اس بارہ میں خاموش ہے اور متذکرہ موخرالذکر نوعیت کے ہبات صریحاً حقیقت حین حیاتی تک محدود ہوتے ہیں۔

بیلی کے امامیہ لا صفحہ نمبر ۳۳۶ و نمبر ۳۳۷ کے پیرے کو اگر بلا شبہ شیعہ اصول کی وضاحت قرار دیا جائے تو یہ مزید غور کا مستحق ہے۔ پیرا یہ ہے۔

"اگر کوئی کہے کہ میں نے یہ عمارت تجھے حین حیات اور تیرے جانشین کو دی ہے تو اس کی زندگی کے لیے یہ عمرہ ہوگا اور مسلمہ ترین قول کے مطابق یہ حامل پٹہ حین حیاتی کے حق میں اس طرح منتقل نہیں ہوگا گویا اس نے (تیرے جانشین) کے الفاظ ادا ہی نہیں کئے۔اگر امامیہ قانون یہی ہے تو یہ سمجھنا مشکل ہے اور اس سے زیادہ مشکل اس مفاد کو محدود کرنا ہے جس کی رو سے الفاظ ہبہ سے ان کی بالتصریح وضاحت (توسیع مفاد بحق جانشین) کے الفاظ کی لازمی طور پر قطع کرنا۔ مصنف اس امر کی وضاحت نہیں کرتا کہ وہ (مسلمہ ترین سند) کس کو قرار دیتا ہے اگر کم سے کم ایک ہبہ کی زیادہ سے زیادہ من مانی تاویل ہے۔ جیسا کہ بروئے اقرار ظاہر ہے تو یہ قائم نہیں رہتی۔اگر عبارت (تیرے جانشین) ہبہ نامہ کا جزو ہے،مقدمہ ہذا میں بہر حال حقیقت بروئے دستاویز ہبہ نامہ وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔ جس کی رو سے مکان موہوب الیہم کو ان کی رہائش اور ان کے ورثا کو نسلاً بعد نسلاً منتقل کیا گیا ہے (میں یا میرے بعد ورثا کو نہ اب نہ آئندہ مکان متنازعہ کے بارہ میں کوئی حق ہوگا) اگر ان الفاظ کے کوئی قانونی معنی ہو سکتے ہیں تو یہ واضح طور پر شئے موہوبہ پر کلیتاً حق ملکیت تفویض کرتے ہیں۔

باب ۳۔ تنسیخ ہبہ

تنسیخ ہبہ اور شافعی اور مالکی فقہ

واہب کو سادہ یا بلا بدل ہبہ کی تنسیخ کے اختیارات کے سلسلہ میں مختلف مسالک میں کافی اختلاف ہے۔

شافعی و مالکیوں کے مطابق کوئی ہبہ (سوائے اس کے جو والدین نے اپنے بچوں کے حق میں کیا ہو) منسوخ نہیں ہو سکتا۔ خواہ تبدیلی قبضہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ وہ ہبہ جو بربنائے جبر یا عدم ادراک ہوں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

والدین بھی اس کے مجاز ہیں کہ وہ ہبہ جو انہوں نے بچوں کے لیے کئے ہوں منسوخ کر دیں لیکن حق تنسیخ ہر صورت میں نہیں ہوتا بلکہ نوعیت ہبہ پر منحصر ہے (عطیہ یا ہبہ جو ثواب آخرت یا اجر آخرت کی غرض سے ہو نا قابل تنسیخ ہے)۔

درج ذیل صورتوں میں والدین اپنے بچوں کے حق میں ہبہ منسوخ کرنے سے ممنوع ہیں۔ (۱) جب شئے موہوبہ کی اصل ہیئت قائم نہ رہے یا کلیتاً یا جزواً معدوم ہو جائے یا اگر بیع یا مبادلہ کی جائے تو محض اس کے بازاری نرخ کی کمی یا بیشی سے بازاری بھاؤ اس کی قیمت کی کمی یا زیادتی پر اثر انداز نہ ہو۔

(۲) جب موہوب الیہ نے معاہدہ شادی کیا ہو اور وہ شادی شئے موہوبہ کے بدل کے طور پر کی گئی ہو۔

(۳) جب موہوب الیہ کا انتقال ہو جائے اور جائیداد اس کے ورثا میں منتقل ہو گئی ہو۔

شیعہ لا

شیعہ فقہا کے نزدیک شئے موہوبہ پر قبضہ کی صورت میں اجماع عام کے مطابق اگر یہ ہبہ والدین کے حق میں کیا گیا ہے تو قانوناً منسوخ نہیں ہو سکتا بلکہ موہوب

الیہ اگر واہب کا رشتہ دار قریبی ہو تب بھی ہبہ منسوخ نہیں ہو سکتا اس بارہ میں اگر چہ کچھ اختلاف رائے ہے مگر اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔

اسی طرح وہ ہبہ جو شوہر نے اپنی زوجہ کے حق میں یا زوجہ نے شوہر کے حق میں کیا ہو (بقول شیخ مصنف مبسوط) منسوخ نہیں ہو سکتا متند ائمہ کی جماعت کے مطابق اگر تحویل قبضہ ہو چکی ہو تو منسوخ نہیں ہو سکتا۔

تنسیخ ہبہ

ان کا قول ہے کہ شوہر اور زوجہ کے باہمی ہبہ بوجہ قرابت رشتہ ایک ہی سطح پر ہیں۔اس سلسلہ میں شیعہ اور حنفی فقہا (جیسا کہ بعد میں معلوم ہوگا) اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ رشتہ ازدواج تنسیخ ہبہ میں مانع ہے۔

مصنف شرائع گو کہ ایسے ہبہ کی تنسیخ کو جو زوجہ نے خاوند کے حق میں یا خاوند نے زوجہ کے حق میں کیا ہو ناپسند قرار دیتے ہیں مگر وہ بظاہر خلاف قانون نہیں ہے۔

اس امر کے پیش نظر کہ شرائع میں اخلاقی بلکہ مذہبی حیثیت کس حد تک قانون سے ہم آہنگ ہے نتیجہ میں اسی کا ہم خیال ہوں کہ وہ (مصنف شرائع) شیخ سے متفق ہے۔

اجنبی کے حق میں ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے

ایک اجنبی کے حق میں جب تک شئے موہوبہ قائم ہے اس کا ہبہ کسی وقت بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا ہبہ اس کے ضائع ہونے یا تبدیلی قبضہ کے بعد منسوخ نہیں ہو سکتا۔اسی طرح اگر شئے موہوبہ مبادلہ میں ملی ہو خواہ شئے مبدلہ کسی قیمت کی ہو یا نہ ہو اس کا ہبہ منسوخ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ موہوب الیہ کے استعمال سے شئے موہوبہ کی نوعیت اصلاً بدل جائے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تحویل قبضہ کے بعد واہب بلا اجازت موہوب الیہ ہبہ منسوخ کر سکتا ہے۔

حنفی قانون

حسب فقہ حنفی تنسیخ ہبہ اگرچہ اخلاقی نقطہ نظر سے ناپسندیدہ ہے تاہم یہ خلاف قانون نہیں ہے۔ بقول فتاوائے عالمگیری (تنسیخ ہبہ ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے مگر پھر

بھی جائز ہے) اس اصول کی بنا پر ایک ہبہ بہر صورت قبل تحویل قبضہ منسوخ ہو سکتا ہے مگر تحویل قبضہ کے بعد بعض اقسام کے ہبہ منسوخ نہیں ہو سکتے لیکن دوسرے ہبہ جج کی ڈگری یا موہوب الیہ کی رضامندی سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔

ہبہ کب نا قابل تنسیخ ہے

جب ایک ہبہ کسی قریبی رشتہ دار کے لیے جو کہ شئے مانع ازدواج میں آتا ہو اور تحویل قبضہ ہو چکی ہو تو واہب کو اس کے منسوخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس امر کے تصفیہ کے لیے کہ آیا ہبہ نا قابل تنسیخ ہے غور کرنا ہو گا کہ ہبہ نہ صرف قرابت دار حقیقی کو کیا گیا ہو بلکہ وہ قرابت مانع ازدواج بھی ہے۔ کسی بھتیجے کے حق میں ہبہ قابل تنسیخ نہیں ہے اس لئے کہ بھتیجہ رشتہ مانع ازدواج میں نہیں آتا۔ اسی طرح کسی شخص کا اپنی زوجہ کی والدہ کے حق میں ہبہ قابل تنسیخ ہے اگرچہ وہ مانع ازدواج میں تو آتی ہے لیکن وہ رشتے دار نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں تنسیخ ہبہ

ایسے ہبہ جو اشخاص ماسوائے رشتہ داران رشتہ مانع ازدواج کو کئے جائیں، ان کو واہب قبل از تحویل قبضہ اپنی مرضی پر کلیتًا یا جزوًا منسوخ کر سکتا ہے۔ تحویل قبضے کے بعد تنسیخ کو جائز قرار دینے کے لیے موہوب الیہ کی اجازت یا جج کی ڈگری حاصل کرنا چاہئے۔ موہوب الیہ کے حق میں ایسا ہبہ جو قبضہ دہانی سے مکمل ہو چکا ہو اور واہب اس حصہ کو فریب دھوکہ دہی اور دباؤ ناجائز کے ماسوا دیگر وجوہات کی بنا پر منسوخ کرنا چاہتا ہو تو ایسی تنسیخ صرف عدالت کی ڈگری سے موثر ہو سکتی ہے جب تک کہ موہوب الیہ بلا عدالت کی استمداد کے واہب کو واپس کرنے پر آمادہ نہ ہو ہبہ جو بربنائے فریب یا جبر و اکراہ کرائے جائیں وہ تمام صورتوں میں ناجائز ہیں۔

تمام فقہا اس پر متفق الرائے ہیں کہ جج کی ڈگری بابت تنسیخ ہبہ اصل ہبہ کی تنسیخ ہے لیکن اس امر میں کچھ اختلاف رائے ہے کہ آیا باہمی رضامندی سے تنسیخ ہبہ منسوخی ہبہ کے مساوی ہے۔ نظائر کا وزن ہر حالت میں منسوخی ہبہ کی تائید میں ہے پس اگر کوئی شخص کوئی چیز کسی دیگر کو دے اور دوسرا تیسرے کو دے اور پھر ہبہ منسوخ کر

دے تو اختیار تنسیخ واہب اول میں مکرر تفویض ہوتا ہے۔ لیکن اگر موہوب الیہ دوئم شئے موہوبہ اپنے واہب کو بطور ہبہ لوٹائے تو صورت دوسری ہوگی اس لئے کہ دوسری تنسیخ چونکہ تنسیخ ہبہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شئے مذکور اپنی پہلی نوعیت پر آجاتی ہے اور واہب از سر نو بغیر قبضہ حاصل کئے اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ تنسیخ کے بعد شئے موہوبہ ایک امانت ہوتی ہے کہ اگر یہ ضائع بھی ہو جائے تو وہ اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ جب تنسیخ نہ جج کے حکم سے ہو نا باہمی رضامندی سے تو موہوب الیہ کو چاہئے کہ شئے موہوبہ واہب (جو اسے قبول کرلیتا ہے) کو واپس کردے۔ اور وہ اس کا مکرر مالک نہیں ہوگا تاوقتیکہ اس نے قبضہ نہ لیا ہو۔ اگر واہب نے قبضہ حاصل کرلیا ہے تو موہوب الیہ کی جانب سے ہبہ جج کے حکم یا باہمی رضامندی سے منسوخ ہو جاتا ہے اور موہوب الیہ کو اس کی تنسیخ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اختیار تنسیخ

ابو یوسف کی رائے میں تنسیخ ہبہ کے لیے جب تک جج کا حکم نہ ہو موہوب الیہ شئے موہوبہ کو استعمال یا منتقل کر سکتا ہے۔ جج کا حکم ہونے کے بعد ایسا انتقال اور استعمال غیر قانونی ہے۔

اور ابو حنیفہ و امام محمد کی رائے یہی ہے۔ اگر شئے موہوبہ واہب کے مکرر قبضہ لینے سے قبل مگر بعد حکم قاضی بقبضہ موہوب الیہ ضائع ہو جائے تو قبضہ طلب کرنے پر جب تک وہ انکار کرے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر کسی ڈگری سے قبل ہبہ منسوخ ہو گیا ہو تو موہوب الیہ کو لازم ہے کہ شئے موہوبہ واہب کو دے دے اور وہ اس پر قبضہ لے لے تو یہ جج کے حکم کی تنسیخ کے مثل موثر ہوگا۔ یہ فرض کرتے ہوئے بھی کہ واہب تنسیخ ہبہ کا اختیار صریحاً ترک کردیتا ہے مگر یہ اختیار اسی طرح قائم رہتا ہے اور تبدیل نہیں ہوتا لیکن اگر واہب موہوب الیہ کو شئے موہوبہ پر اختیار تنسیخ اور اس شئے کے عوض، جو موہوب الیہ اسے دیتا ہے تو امتزاج جائز ہے او، ایسا مبادلہ اختیار تنسیخ ساقط کردیتا ہے۔

تنسیخ صریح الفاظ میں ہونا ضروری ہے

امر تنسیخ کا مناسب جملوں میں ہونا ضروری ہے جیسے "میں نے ہبہ منسوخ

کر دیا" یا "اپنی ذاتی جائیداد میں شامل کر لیا" یا "ہبہ کو فسخ کر دیا"۔
اگر واہب جملوں کو استعمال کئے بغیر شئے موہوبہ کے بیع کا معاہدہ یا اُس کو رہن کر تا ہے تو یہ فعل بمنزلہ تنسیخ نہ ہو گا اور اگر تنسیخ مشروط ہے تو یہ غیر موثر ہو گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں منسوخ کر دوں گا یہ ہبہ اگر کوئی واقعہ پیش آ گیا تو منسوخ سمجھا جائے گا یا کسی تاریخ پر ہو گا تو ایسا ہبہ جائز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تنسیخ میں نہ کسی شرط پر انحصار ہو تا ہے نہ کسی مستقبل (آنے والے وقت) کا حوالہ ہوتا ہے۔

وہ صورتیں کہ جن میں ہبہ منسوخ نہیں ہوتا

(A) شئے موہوبہ قبضہ موہوب الیہ سے بصورت ہبہ یا بیع یا کسی دیگر نوعیت انتقال کے ذریعہ منتقل ہو کر اس کے قبضہ سے نکل گئی ہو۔

(B) جب کہ موہوب الیہ کا انتقال ہو چکا ہو اور شئے موہوبہ اس کے ورثا پر منتقل ہو چکی ہو۔

(C) جب کہ واہب کا انتقال ہو گیا ہو یا بالفاظ دیگر اس کے ورثا کو تنسیخ کا اختیار نہیں ہے۔ حق تنسیخ واہب کا ذاتی حق ہو۔

(D) شئے موہوبہ کھو گئی ہو۔

(E) جب کہ ہبہ بابدل ہو۔

(F) جب شئے موہوبہ میں موہوب الیہ کے دوران قبضہ فی الاصل کوئی تبدیلی آ گئی ہو۔

(G) جب کہ شئے موہوبہ میں کوئی اضافہ یا اس کا اتصال ہو کر اس میں اس طرح ضم ہو گیا ہو کہ وہ علیحدہ نہ ہو سکے۔ اس صورت میں اس کی تنسیخ نہیں ہو سکتی خواہ یہ اضافہ موہوب الیہ کے کسی فعل یا عدم فعل کا نتیجہ ہو خواہ خود اس شئے سے پیدا ہوا ہو (مثل درختوں کے پھلوں سے) یا اس میں اتصال ہوا ہو (مثل افزونی نشوونما) لیکن شئے موہوبہ میں یہ چیزیں شامل ہوں یا اس میں ضم ہو گئی ہوں جس سے قیمت میں اضافہ یا ترقی واضح ہو۔ مثلاً رنگائی، سلائی وغیرہ یہ وہ افعال ہیں جن سے حق تنسیخ ساقط ہو جاتا ہے۔
محض ایک مقام سے دوسرے مقام پر انتقال، جب کہ شئے موہوبہ کی مالیت

میں اضافہ ہو اور خرچ، ہو کافی مانع تنسیخ ہے ایک علیحدہ اضافہ سے کسی نقصان یا ضرر کے اندیشہ سے تنسیخ ہبہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

حنفی قانون رشتہ ازدواج مانع تنسیخ

جب کہ واہب اور موہوب الیہ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہوں تو ایسی صورت میں ہبہ ناقابل تنسیخ ہوگا اگر وہ ازدواجی تعلق کے قیام کی مدت میں ہوا ہو۔ ایسا ہبہ جو قبل از شادی ہوا ہو منسوخ ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا ہبہ جو شادی کے زمانے میں کیا جائے اور بعد میں شادی منسوخ ہو جائے تو ہبہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ شادی شدہ فریقین میں اختلاف عقیدہ سے ہبہ کی ناقابل تنسیخ ہیئت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خون کا رشتہ جو مانع ازدواج ہو بلا امتیاز عقیدہ واہب اور موہوب الیہ تنسیخ ہبہ کے مانع ہے۔ شئے موہوبہ کی قدرتاً نشوونما واہب کو تنسیخ ہبہ میں مانع ہے۔ تنسیخ ہبہ کا اختیار ہونے کی صورت میں یہ کل یا جز کسی کی بھی تنسیخ ہو سکتی ہے۔

کسی ہبہ کے منسوخ ہونے کی صورت میں واہب اس پر حقوق مالکانہ استعمال کر سکتا ہے جب کہ شئے موہوبہ اس کے قبضے میں آئی ہو لیکن اس سے پہلے اس کا فعل بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی شخص مکان پر ہبہ کے بعد قبضہ دے اور اس سے متصل کوئی مکان فروخت ہو اور اس کے بعد ہبہ منسوخ کر دیا جائے تو اس شخص کو دوسرے مکان کے بارہ میں کوئی حق شفع نہیں ملتا۔

بیباقی قرضہ کے سلسلے میں کوئی تنسیخ نہیں ہوتی

جب کسی مقروض کو ادائیگی قرضے سے بیباق کر دیا جائے تو واہب یا قرض خواہ کو رقم قرضہ بیباق شدہ کی تنسیخ کا کوئی حق نہیں ہے۔

خزینۃ المفتین کے مطابق رشتہ رضاعی یا قرابت مانع تنسیخ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو گھوڑا ہبہ کرے اور موہوب الیہ اس کی تربیت کرے تو واہب کو اسکی تنسیخ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بعد ہبہ جو ضروری سامان موہوب الیہ حاصل کر لیتا ہے یہ بھی حق تنسیخ کے مانع ہے۔

شئے موہوبہ کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے پر جو صرفہ اور محنت ہو وہ بھی مانع تنسیخ ہے۔

اگر کوئی کسی دوسرے کو کپڑے ہبہ کرے اور وہ ان کو دھوبی سے دھلوائے تو یہ بھی حق تنسیخ کے مانع ہے۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کو درہم ہبہ کرتا ہے اور بعد میں ان کو بطور قرض لے لے تو حق تنسیخ زائل ہو جاتا ہے اس لئے کہ شئے موہوبہ کی جہت بدل چکی ہے۔

جس طرح کہ دخل یابی قبضہ کے بعد عدالت کی ڈگری یا موہوب الیہم کی رضامندی کے بغیر تنسیخ نہیں ہو سکتی اس طرح کوئی ہبہ کرے اور بعد میں بلا اجازت موہوب الیہ واپس قبضہ لے لے ایسا عدالت کا حکم ہو اور شئے موہوبہ کھو جائے تو واہب اس ہرجہ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر ایک عورت اپنے شوہر کے حق میں ہبہ کرتی ہے اور اس کے بعد یہ کہتی ہے کہ یہ ہبہ استحصال بالجبر یا دھمکی کی بنا پر تھا تو اس کا دعویٰ قابل پیش رفت ہوگا۔

اگر کوئی ہبہ ہمہ وقت یا مشترکا ایسے رشتہ دار کے حق میں کیا جائے جو مانع ازدواج ہو یا ایسے شخص کو کیا جائے جس کا ایسا رشتہ نہ ہو تو موخرالذکر کے حق میں ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے۔

باب ۴۔ قواعد عوض

فصل اول:۔ مختلف اقسام کے عوض

اب تک ہم نے ہبہ بلا بدل کے بارہ میں بتایا ہے لیکن عطیات یا ہبہ یا بدل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے عوض یا بدل (ابتدائی تصور کے مطابق قواعد کی ابتدائی صورت تھی) دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک ایسا معاہدہ (ہبہ) جو مابعد ہوتا تھا۔

دوسرا جس میں شرائط ہوتی تھیں۔ بالفاظ دیگر پہلی صورت میں واہب کو ہبہ کے بعد بدل دیا جاتا تھا اور یہ ہبہ باہمی سمجھا جاتا تھا۔ ادائیگی بدل کے لیے کوئی شرط نہیں ہوتی تھی مگر جوں ہی واہب کو یہ ملتا تھا اس کا حق تنسیخ ختم ہو جاتا تھا۔

ہبہ بالعوض

بظاہر یہ ہبہ بالعوض کی اولین شکل تھی۔ زمانہ مابعد کا ہبہ بالعوض واضح طور پر ایسے ہبہ کی ایک ارتقائی صورت ہے۔

ہبہ بالشرط بالعوض

دوسری قسم میں معاہدہ بدل کی صریح شرط ہوتی تھی اور جب ایک بار یہ حاصل ہو جاتا تھا تو ہر معاملہ بیع کی قانونی حیثیت میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ جدید ہبہ بالشرط العوض بلا شبہ مذکورہ بالا ہبہ کی پیداوار ہے۔

قسم اول کے ہبہ کے سلسلہ میں یہ بتانا ہے کہ بقول فتاوائے عالمگیری بدل جو معاہدہ ہبہ کے بعد ہو اس پر دو نظریوں سے بحث کی ضرورت ہے۔ یعنی اولاً ایسے ہبہ کے جواز کے لیے جبکہ اصل شئے ہی بدل ہو تو کونسی شرائط ضروری ہیں اور اس کی کیا نوعیت ہو۔ بعد میں وہ شرائط بتائے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ اولاً یہ واضح طور پر مختص کرنا ضروری ہے کہ یہ عوض (بدل) ہبہ کے لیے ہے اور یہ "عوض" شئے موہوبہ کا جزو نہ

ہونا چاہئے۔ اگر عوض ہبہ کا جزو ہے تو یہ ناجائز ہوگا اور کوئی عوض نہیں ہوگا۔ لیکن اگر شئے موہوبہ کے سلسلہ میں ایسی رکاوٹ ہے جو تنسیخ ہبہ میں مانع ہے تو اس کا ایک جزو بقیہ کے لیے بدل یا عوض ہو سکتا ہے۔

اگر دو چیزیں دو مختلف معاہدوں کی رو سے دی گئی ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے بدلہ میں دی جاسکتی ہے۔ اگر یہ بھی شرط ہو کہ واہب کے لیے بدل کو محفوظ رکھا جائے اور اگر واہب بدل کسی اور شخص کو دیدے یا کسی دیگر شخص کا پورے میں حق ہو۔ تو یہ مبادلہ نہیں ہے۔ اور ہبہ منسوخ ہوگا۔ اگر ہبہ کا کوئی حصہ ضائع ہوجائے تو باقی حصہ پورے ہبہ کے لیے مناسب بدل ہے۔

جہاں تک اس کی نوعیت کا مسئلہ ہے تو وہ بدل جو بعد معاہدہ دیا جائے وہ ابتدا سے ہی ہبہ بالنفسہ ہے اگر شئے غیر مبدلہ کو ہبہ بھی قیاس کیا جائے تب بھی واہب (ابتدائی موہوب الیہ) اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ ایک بار اس کو دینے کے بعد منسوخ کردے۔ اور اگر اصل ہبہ کے واہب نے عوض (بدل) کو قبضہ میں لے لیا ہے تو موہوب الیہ کا ہبہ کو منسوخ کرنے کا اختیار قطعاً ختم ہو جاتا ہے۔ پس انجام کار خواہ موہوب الیہ نے عوض دیا ہو یا کسی اجنبی نے، خواہ اس کی اجازت سے یا بلا اجازت، ایسی صورت میں نہ واہب اور نہ موہوب الیہ اس عوض کے لیے (جو دوسرے کو منتقل ہوا ہے) واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ تمام شرائط ہبہ عوض (بدل) پر بھی منطبق ہوتی ہیں اور یہ معاملہ معاوضوں کے معاہدے یا مبادلہ باہمی (ابتدایا تکمیل) کی تعریف میں نہیں آتا۔ پس یہ شفع کے تحت نہیں آتا نہ شئے موہوبہ کو کسی بھی نقص کی بنا پر خارج کیا جاسکتا ہے۔ محیط السرخسی میں یہی آیا ہے۔

ہبہ بالشرط العوض یا ہبہ بالشرط مبادلہ

بقول فتاوائے عالمگیری دوسرے قسم کا بدل وہ ہے جسکی معاہدہ میں شرط ہو جب کہ از روئے معاہدہ اس شرط پر ہبہ کیا جائے کہ بدل میں کوئی جزو دیا جائے گا۔ اس پر بھی ابتدا سے ہی وہ تمام شرائط جو ہبہ پر لاگو ہوتی ہیں اس پر بھی لاگو ہوں گی۔ پس جائیداد کا بدل جس پر کہ قواعد مشع لاگو ہوں، ناقابل تقسیم شئے ہے۔ اس لیے جائز نہیں ہے۔

شئے موہوبہ پر قبضہ سے قبل حق قائم نہیں ہوتا اور فریقین میں سے ہر ایک قبضہ دہانی سے انکار کر سکتا ہے لیکن قبضہ باہمی ہونے کے بعد اس کا نتیجہ بیع ہے جسے نہ واہب منسوخ کر سکتا ہے اور نہ موہوب الیہ۔ شفع کا بدل باہمی کارروائی سے طے پاتا ہے اور فریقین میں سے ہر ایک شئے مقبوضہ کو بربنا نقص واپس کر سکتا ہے۔

بقول فتاوائے قاضی خان حسب قیاس ایک ہبہ مشروط بالعوض ابتدا سے تکمیل تک بیع رہتا ہے۔ ایک شخص جب دو شخصوں کو اس شرط پر عمارت دے کہ وہ اس کے عوض یا بدل کے طور پر ایک ہزار درہم دیں گے تو بعد قبضہ دہانی یہ مبادلہ باہمی ہبہ قانونی کی مثل ہے۔ کنایہ میں ایسا ہی ہے۔

ہبہ بالعوض ناقابل منسوخی

اگر کوئی شخص پورے ہبہ کا عوض دیدیتا ہے تو بلا لحاظ مالیت یہ بدل مانع تنسیخ ہے۔ اور اگر یہ ہبہ کے کسی جزو کا عوض (بدل) ہے تو جزو جس کا کوئی عوض (بدل) نہ ہو منسوخ ہو سکتا ہے مگر وہ جزو جس کا عوض (بدل) دیا جا چکا ہے منسوخ نہیں ہو سکتا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ خود موہوب الیہ عوض (بدل) دے اس لئے کہ کسی اجنبی کی طرف سے بھی عوض جائز ہے۔ خواہ موہوب الیہ کی ہدایت پر ہو یا نہ ہو۔ اگر موہوب الیہ کے ماسوا کوئی اور شخص دے تو وہ موہوب الیہ سے عوض واپس نہیں لے سکتا اس لیے کہ وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

اس قسم کے معاملات میں بقول فتاوئ قاضی خان عام اصول یہ ہے کہ کسی شخص سے اگر کوئی شئے قابل طلب ہے اور جس کی ادئیگی اس پر لازم ہے، اس کا دوسرے شخص کو ادائیگی کی ہدایت کرنا یہ خود اس کے خلاف (بلا کسی شرط ذمہ داری) کارروائی کا سبب ہو سکتا ہے۔ جب کسی شخص سے ایسی کوئی شئے قابل طلب نہیں ہے اور اس کا دینا اس پر لازم بھی نہیں ہے تو دوسرے شخص کو اس کی ادائیگی کی ہدایت اس کے خلاف چارہ جوئی کا سبب نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ کہ اس کو واپسی کی شرط کا پابند نہ کیا گیا ہو۔

حالات جن کے تحت عوض دئے جانے کے باوجود بھی تنسیخ ہو سکتی ہے

اگر کسی بچہ کا باپ اپنے بچہ کی جائیداد کسی دوسرے شخص کو بطور ہبہ دے اور

اس شخص سے مبادلہ میں کوئی شئے قبول کرے تو وہ ہبہ کو منسوخ کر سکتا ہے یا موہوب الیہ کسی بھی وقت جب دونوں پسند کریں ہبہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

جب کوئی شخص کوئی شئے کسی نابالغ کو دے اور نابالغ کا باپ اس شئے کا عوض جائیداد نابالغ سے ادا کرے تو ایسا مبادلہ جائز نہیں ہے۔خواہ یہ ہبہ بلا شرط عوض ہو۔ متذکرہ ہر دو اصولوں کی وجہ ظاہر ہے۔

ایک باپ کو نابالغ کی جائیداد پر سوائے چند مخصوص مقاصد کے اختیار نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں بالآخر اسکا انتقال ہو جائے اور وہ دوسرے شخص کو ایک ہزار درہم کی مالیتی جائیداد ہبہ کرے اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد نہ ہو اور موہوب الیہ اس ہبہ کا عوض دے جس پر کہ واہب نے قبضہ لے لیا ہو اور وہ مر جائے مگر اس کی موت کے وقت عوض قبضہ میں ہو جو قیمت جائیداد کے ۲/۳ یا اس سے زیادہ مالیت کی ہو تو ہبہ جائز ہے۔ لیکن اگر عوض ۲/۳ سے کم مالیت کا ہو تو اس کے ورثاء اس امر کے مستحق ہوں گے کہ وہ موہوب الیہ سے شئے موہوبہ کی ۲/۳ مالیت اور شئے مبدلہ کے واقعی مالیت کے فرق کو وصول کر لیں۔ مثلاً:

اگر شئے موہوبہ کی مالیت ایک ہزار درہم تھی اور عوض صرف پانچ سو درہم تھا تو واہب کے ورثا اس امر کے مستحق ہوں گے کہ موہوب الیہ سے ایک ہزار درہم کا ۱/۶ حصہ پائیں۔ خواہ عوض میں اصل ہبہ کی شرط یہی ہو۔ موہوب الیہ اگر چاہے تو تمام ہبہ کو (عوض واپس لے کر) لوٹا سکتا ہے۔ یا ہبہ کا ۱/۶ حصہ دے کر بقیہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ عوض کی شرط جائز ہے۔ بشرطیکہ شئے معاوضہ کی بخوبی وضاحت کر دی گئی ہو اور مجہول نہ رہی ہو۔

بالفاظ دیگر جب کوئی جائیداد کسی دوسرے کو منتقل کر دی جائے یا اس کا ہبہ بالعوض (منتقل الیہ سے منتقل کنندہ کو) مقصود ہو تو عوض واضح طور پر (نہ کہ غیر یقینی طور پر) متعین ہونا چاہئے۔اس موضوع پر فتاویٰ قاضی خان کی درج ذیل مثالیں کار آمد ہوں گی۔

کوئی شئے جو ہبہ کے عوض دی جائے وہ تنسیخ کے مانع ہے اور نہ عوض کا ہبہ منسوخ ہو سکتا ہے۔یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ بدل ہبہ کے عوض دیا گیا تھا۔ کوئی بھی شخص ماسوائے موہوب الیہ موخرالذکر کی اجازت یا بلا اجازت ہبہ کا عوض دے سکتا ہے اس

طرح واہب کے حق تنسیخ ہبہ کو زائل کر سکتا ہے (بشرطیکہ اس نے عوض قبول کر لیا ہو)۔

ماسوا موہوب الیہ اگر کسی دیگر شخص نے عوض دیا ہو تو وہ اس کو منسوخ کر سکتا ہے تاوقتیکہ موہوب الیہ نے کسی دوسرے شخص سے یہ سودا نہ کیا ہو کہ اس کو بدل واپس کر دیا جائے گا۔ اگر واہب شئے موہوبہ (جو بطور بدل دی گئی ہے) میں کوئی نقص بھی محسوس کرے تو وہ ہبہ منسوخ نہیں کر سکتا۔ اگر دو شخصوں کو ہبہ کیا جائے اور ان میں سے ایک اپنے حصہ کا بدل ادا کرے تو واہب دوسرے کا حصہ منسوخ کر سکتا ہے۔

اگر کوئی (بدل کا) دعویٰ کر کے اسے حاصل کرے تو واہب اسے منسوخ کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ صرف ایک ہی حصہ حاصل کرے اور ایک حصہ واہب کے قبضے میں رہے تو وہ منسوخ نہیں کر سکتا اس لئے کہ اقل ترین بدل ہی اختیار تنسیخ کو ضائع کرنے کے لیے کافی ہے۔

اگر شئے موہوبہ اس کے دوسرے مستحق قانونی نے حاصل کی ہے تو موہوب الیہ تمام عوض لے سکتا ہے۔ اگر جائز مستحق نے صرف ایک حصہ لیا ہے تو موہوب الیہ اپنے عوض بدل کا صرف ایک حصہ ہی پا سکتا ہے۔

اگر موہوب الیہ ہبہ کا ایک حصہ کسی دوسری شئے میں تبدیل کر کے اس کو مبادلہ میں دے تو یہ مناسب عوض ہوگا۔ اگر ایک شخص ایک ہزار درہم A کو ہبہ کرے اور وہ ان درہموں میں سے ایک درہم بطور مبادلہ دے تو ہمارے نزدیک یہ معقول عوض نہیں ہے۔ گو ظفر کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔

ایک عیسائی کسی مسلمان کو ہبہ دے اور موخرالذکر مبادلے میں کوئی ممنوعہ شئے دے تو یہ مبادلہ احسن نہیں ہے۔ اور اگر کوئی نابالغ A کو ہبہ کرے اور وہ اس کا بدل بھی دے تو وہ ہبہ باطل اور غیر موثر ہے۔ اور یہ عوض نابالغ میں تفویض ہوتا ہے۔

ان تمام صورتوں میں بدل معاہدہ کا جزو نہیں ہے۔ اور اس لئے قواعد متذکرہ اس پر منطبق نہیں ہوتے۔ جیسے دور جدید میں وہ ہبہ جسے ہم ہبہ بالعوض سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ مختلف نوعیت کا ہوتا ہے اور اس میں کسی حد تک دوسری قسم کا عوض (بدل) جیسا کہ فتاوائے عالمگیری میں بتایا ہے شامل ہے۔ یعنی اس کے معاہدہ میں شرط ہو۔ اس قسم کے ہبہ بالعوض میں بدل مقصد ہبہ سے بالراست متضاد ہوگا۔ اس لئے کہ

دونوں واقعی موجود ہیں اور ایک کا بعد معاہدہ عمل کے لیے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ ہبہ اور بدل ایک ہی معاملہ کے جزو ہیں۔ ہبہ بالعوض تمام قانونی ملحقات کے ساتھ بیع ہوتا ہے۔ بیع میں معاہدہ کے جواز کے لیے باہمی قبضہ ضروری نہیں ہے۔ اس قسم کے ہبہ میں شرائط کا منشا(ایک دوسرے کی مخالف) اشیاموجودہ کا موجود ہونا ہے اور کسی بھی فریق کودوسرے کے فریب سے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ''میں نے تمہیں اس کے عوض یہ دیا ہے'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدل موجود ہے اور وہ شخص اپنی جائیداد سے دست بردار ہونے سے پہلے اس کو حاصل کرنے کا خیال رکھے گا۔ اس لئے کہ قانون نے نوعیت اور نتیجے کے اعتبار سے ہبہ کو بیع قرار دیا ہے۔

ہبہ بالعوض میں قبضہ لازمی نہیں

مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص نے بوقت ہبہ بتایا کہ اس نے ہبہ کردیا ہے اور جائیداد میں تمام حقوق مالکانہ موہوب الیہ کی دی ہوئی شئے کے عوض اسے تفویض کردیے ہیں تو یہ اس مبادلے کا ہبہ نہیں ہے جو کہ بزمانہ آئندہ دیا جائے گا۔ بلکہ یہ بہ اعتبار نوعیت و نتیجہ باہمی انتقال یا بیع کا معاہدہ ہے ایسی صورت میں قبضہ لازمی شرط نہیں ہے۔

ہبہ بالشرط العوض

معاہدہ ہبہ بالشرط العوض ہبہ بالعوض سے مختلف نوعیت کا ہے ایسے ہبہ نامہ کے ترتیبی اجزا مشروط ہوتے ہیں مثلاً ''میں نے تمہیں یہ اس شرط پر دیا کہ تم بھی کوئی چیز مجھے دیدو''۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس معاہدہ کا قانونی اثر ایک شرط کی تکمیل پر منحصر ہے۔ اور وہ عوض یا ''بدل'' پر قبضہ ہے۔ ورنہ اگر شرط کے بغیر جائز یا قابل پابندی ہوتا تو بدل رک جاتا اور پھر نتیجتاً تکمیل شرط کے معاہدہ کے بعد بیع قرار پاتی یعنی باہمی قبضہ دہانی کے بعد یہ اصلاً بیع ہوجاتا۔

ہبہ بالشرط العوض یا بہ شرط مبادلہ

مثلاً اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ اس نے اپنی تمام جائیداد دوسرے شخص کو

ہبہ کر کے اس کے حقوق مالکانہ اس شرط پر موہوب الیہ کو منتقل کئے ہیں کہ وہ اس ہبہ کے مبادلے میں کوئی شئے اس کو بھی دے اور موہوب الیہ اس شرط کو منظور کرے تو یہ ہبہ بالشرط العوض یا ہبہ بالشرط المیعاد ہوگا۔ جب تک شرائط کی تکمیل نہ ہو تو یہ ہبہ واہب کی مرضی پر اپنی حالات میں مثل ایک ہبہ سادہ قابل تنسیخ ہبہ ہے اور اس لئے قبضہ دہانی ضروری ہے مگر جب ایک بار شرائط کی تکمیل ہو جائے تو یہ معاہدہ بیع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح جلیسی میں بتایا گیا ہے کہ ہبہ بالشرط العوض کو اصطلاحاً ہبہ بالشرط کی روشنی میں غور کرنا چاہئے اور بیع کو اس کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ قبضہ جواز ہبہ کے لیے لازمی ہے تاوقتیکہ فریقین ایک دوسرے کو قبضہ نہ دیں تو ہبہ ثابت نہیں ہوگا اور جائیداد پہلے کی طرح واہب کے تصرف میں رہتی ہے۔

عوض کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مخصّص ہو

مشروط معاہدہ کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ اولاً "عوض" وہ خواہ کتنا ہی قلیل ہو ہبہ کو مؤثر بنانے کی لئے کافی ہے۔ فتاوائے عالمگیری اور دوسری کتب فقہ سے ظاہر ہے کہ عوض کی کوئی خصوصی شکل ضروری نہیں ہے۔

مثلاً ایک عورت اپنا دین مہر شوہر کو دے سکتی ہے یعنی اس شرط پر چھوڑ سکتی ہے کہ وہ بد سلوکی سے پیش نہ آئے۔ اگر وہ اس شرط کو پورا کر سکتا ہے تو ہبہ موثر ہو جاتا ہے ورنہ مطالبہ پر اس کو عود یا مکرر تفویض ہو جائے گا یا وہ اس شرط پر بھی اپنا مہر چھوڑ سکتی ہے کہ وہ (خاوند) اس کے ساتھ غفلت نہیں برتے گا اور اس شرط کی خلاف ورزی پر حق مہر اسے عود کرے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص اس شرط پر ہبہ کرے کہ موہوب الیہ اس کو اوقات معینہ پر ادائیگی کرتا رہے یا موہوب الیہ ہبہ کے بدل میں واہب کی مقررہ اوقات پر خدمت انجام دیتا رہے۔

مشروط ہبہ کا نتیجہ

مشروط ہبہ کی صورت میں شرط مبہم نہ ہونا چاہئے بلکہ بطریقہ معمول ایسی شرط ہو جو پوری ہو سکتی ہو یا موہوب الیہ اسے پوری کر سکتا ہو۔ ایسی صورت میں شرط و ہبہ دونوں جائز ہیں۔

شرح جلیسی میں مثالیں دی گئی ہیں اور بکالی میں ابو یوسف کے حوالہ سے دیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ "اگر تو پسند کرے تو یہ شئے تیری ہے" اس کو دیدے اور وہ شخص جواباً کہے کہ "میں اسے قبول کرتا ہوں اور پسند کرتا ہوں" تو یہ شرط درست ہے۔ اسی طرح ابو محمد کے قول کے حوالے سے آیا ہے کہ "اگر کھجور کے درخت میں پھل آنے لگیں اور مالک درخت کسی دوسرے سے کہے کہ اگر کھجور پک جائیں یا کل کادن آجائے تو تیرے ہیں" یہ جائز ہے۔ لیکن وہ یہ کہے کہ اگر زید اپنے مکان میں داخل ہو تو کھجوریں تیری ہوں گی تو یہ جائز نہیں ہے۔

ہبہ اور اس کی بیباقی میں شرط کا اختیار نہیں ہوتا

اگر کوئی ہبہ اس شرط سے کیا جائے کہ موہوب الیہ کو تین روز تک اختیار ہوگا کہ وہ اس کو قبول کرے یا انکار کردے تو ہبہ جائز ہے۔ اور اگر فریقین کے الگ ہونے سے پہلے ہبہ منظور کر لیا ہے تو ہبہ جائز ہے لیکن اگر ہبہ ہونے کے بعد بھی منظور نہیں کیا ہے تو ناجائز ہے۔ اگر ہبہ اس شرط پر کیا جائے کہ واہب کو تین روز تک اختیار ہوگا تو یہ ہبہ جائز ہے۔ اور اختیار قائم رہے گا۔ اس لئے کہ ہبہ سے پابندی معاہدہ ہوتی ہے اور اس لئے اختیار کی شرط کی گنجائش نہیں۔ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میرے حقوق جو تیرے ذمہ تھے ان سے اس شرط پر تجھے آزاد کردیا کہ میرا اختیار قائم رہے گا، آزاد کردینا جائز ہے اور اختیار باطل۔

ہبہ مشروط اور ہبہ بالشرط میں فرق

ایک ایسا شخص جس کے دوسرے کے ذمہ ایک ہزار درہم ہوں اگر یہ کہے کہ جب کل آئے تو ایک ہزار تیرے ہوں گے یا تو ان کی ادائیگی سے آزاد ہے یا تو نصف جائیداد دے گا تو بقیہ نصف کی ادائیگی سے بیباق ہوگا یا بقیہ نصف تیرا ہے تو ہبہ باطل ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں اس شرط پر تمہیں بیباق کرتا ہوں کہ تم اپنے غلام کو آزاد کردیا تمہیں میں نے اس شرط پر بیباق کردیا کہ میرے بیباق کرنے سے تم اپنے غلام کو آزاد کرو اور وہ جواباً کہے کہ میں نے منظور کر لیا غلام کو آزاد کردیا تو وہ ادائیگی قرضے سے بری ہوگا۔

حنفی فقہ میں ہبہ قطعی مشروط بالمیعاد نہیں ہو سکتا

ایسے ہبہ کے بارہ میں جن کے ساتھ کالعدم کرنے والی شرائط ہوں اور جن کا خاص منشا ہبہ قطعی کی تشکیل ہو پہلے ہی اظہار خیال کیا جاچکا ہے۔ سراج الوہاج میں یہ اصول اس طرح بتایا گیا ہے اور ہمارے تمام فقہا اس پر متفق الرائے ہیں کہ جب ہبہ کیا جائے اور اس کو کالعدم کرنے والی شرط بھی شامل ہو تو ہبہ جائز ہو گا اور شرط باطل۔ مثلاً اگر ایک شخص کوئی شئے کسی دوسرے کو دے اور اسے بیع نہ کرنے کا اقرار کروائے تو ہبہ جائز ہے اور شرط باطل۔ معاہدات کے بارہ میں بھی یہی ایک کلیہ ہے جس کی رو سے قبضہ دہانی ضروری ہے اور ہبہ اور رہن میں ایک ہی شرط جو کہ معاہدہ کی قطعیت کو کم کر دیتی ہے مگر معاہدہ کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ وہ خود ختم ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جبکہ کوئی شخص کوئی شئے قطعی طور پر دینے کی نیت کرے اور ایسے الفاظ میں نیت کا اظہار کرے جن سے ہبہ قطعی کا مفہوم ہو تو وہ شئے موہوبہ کے تصرف یا انتقال پر ایسی کوئی شرائط عائد نہیں کر سکتا کہ جن سے خود ہبہ ہی باطل ہو جائے۔ اس کے برعکس اگر بدل کی صورت ہو جس سے ہبہ اور عطیہ صریحاً واضح ہو کہ موہوب الیہ کوئی ایسا فعل کرے گا یا ایسا فعل کرنے سے باز رہے گا یا ہبہ کے عوض کوئی شئے دے گا تو وہ معاہدہ کلیتًا جائز ہے۔ مثلاً A اگر کوئی جائیداد B کے معاوضے میں B کو منتقل کرے جس سے وہ تاحین حیات گذارہ کرتا رہے یا اس کو کچھ دیتا رہے اور اسکی موت کے بعد اس کے ورثا کو بھی مقررہ وظیفہ دیتا رہے تو ایسا معاہدہ قطعاً خلاف قانون نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ شرط معاہدہ کو باطل نہیں کرتی اور اگر موہوب الیہ اس معاہدہ کی بنا پر قبضہ حاصل کرے تو واہب اور ورثا کو حق ہے کہ وہ دستاویز معاہدہ (بابت عوض خلاف موہوب الیہ و دیگر اشخاص جو اس سے حق پاتے ہیں) کا قانوناً نفاذ کرائیں۔

فی الحقیقت ایک بار جب انتقال موثر ہو جاتا ہے تو موہوب الیہ جائیداد کو بطور امانت حاصل کرلیتا ہے اور کوئی بھی شخص جو جائیداد موہوب الیہ سے بطور بیع یا ہبہ یا ورثہ میں لیتا ہے اس پر وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس بنا پر ابتداءً ہبہ کیا گیا تھا۔

درالمختار کی مثالوں سے ظاہر ہے کہ ہبہ باشرط العوض ایک تعمیل طلب نوعیت

کا ہبہ ہے اور ہبہ اور اس کی شرط ایک دوسرے پر منحصر ہیں تاکہ جونہی انتقال جائیداد ہو تکمیل شرط لازم ہو جائے۔ اور اگر بدل ناکام ہوتا ہے تو معاہدہ بھی منسوخ ہو جاتا ہے۔

ایک عورت کا ہبہ دین مہر اپنی خاوند کے حق میں

اگر کوئی عورت ایسی شرط کے ساتھ اپنے مہر کا ہبہ کرتی ہے جو اگر پوری نہ ہو تو ہبہ ناجائز ہو جائے۔ مثلاً اگر دین مہر اس عوض کی بنا پر بیباق ہو جائے کہ شوہر اس کو حج کے لیے لے جائے گا یا اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کرے گا یا اس کو عزیزوں سے ملنے سے نہ روکے گا۔ اگر ایسی شرط یا شرائط پوری نہیں ہوئیں تو ایسی صورت میں ترک مہر (رقم) نہیں ہوتا۔

اگر کوئی عورت اس شرط پر مہر کا ہبہ کرتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے عوض ہر سال کچھ دیا کرے گا اور شوہر شرائط معاہدہ بذمّلنی خود کی تکمیل سے قاصر رہے تو ہبہ بھی کالعدم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ہبہ بالشرط العوض کی صورت میں جب تکمیل شرط نہیں تو بلا بدل (شرط) معاہدہ مکمل ہوتا۔ پس جب مخصوص عوض بھی نہ ملا تو ہبہ غیر مؤثر ہو گا۔

ایک عورت اپنے خاوند کو مہر اس شرط پر ہبہ کرتی ہے کہ اسے طلاق دیدے گا اور خاوند اس شرط کو منظور کر لیتا ہے مگر طلاق نہیں دیتا تو دین مہر اس پر واجب رہتا ہے۔

ہبہ بالشرط العوض میں تکمیل شرط موہوب الیہ یا منتقل الیہ تک ہی محدود نہیں ہوتی اس لئے کہ شئے موہوبہ اپنوں میں سے کسی خاص فرد کے مفاد کے لیے (حسب شرائط امانت) منتقل ہو سکتی ہے۔ مثلاً اپنی جائیداد B اور C کو (بطور اطمینان) منتقل کرے تاکہ D,E اور F کو ان کی حین حیات وظائف دنیا میں دائماً ان کو اور مابعد ان کے ورثا پر دواماً ادائیگی وظیفے کی ذمہ داری ہے جب کہ اضافہ وظیفہ اس سے کی ہوئی شرط کی تکمیل پر منحصر ہو۔ اور اُسے قبضہ دیدیا جائے تو معاہدہ متذکرہ کا استفادہ کنندگان نفاذ کرا سکتے ہیں۔

وہ ہبہ جو کسی واقعہ پر مشروط ہوں بہر حال منسوخ ہیں۔

مشروط ہبہ کی مثالیں

اگر ایک عورت بیمار شوہر سے کہے کہ اگر بیماری سے تمہاری موت واقع

ہو جائے تو تمہیں ادائیگی مہر سے بری کرتی ہوں۔ یا تم پر میرا مہر صدقہ کے طور پر ہے مگر شرط ہبہ ہونے کی وجہ سے شرط باطل ہے۔ یا اگر کوئی مریضہ عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میرا مہر مثل صدقے ہوگا یا میرا مہر میں نے تمہیں چھوڑ دیا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو جائے تو ہبہ ناجائز ہے اور زر مہر کا مطالبہ ذمہ خاوند باقی رہتا ہے۔

اسی طرح ایک شخص دوسرے سے جس کے ذمہ اس کا روپیہ واجب ہے کہے کہ اگر تمہاری ذمگی میرا روپیہ میری موت واقعہ ہونے تک ادا نہ ہو تو میں نے معاف کر دیا ہے۔ یہ شرط بحر الرائق کے مطابق باطل ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میری موت پر تم ادائیگی قرضہ سے بری ہو تو قاضی خان کے بقول یہ جائز ہوگا۔ یہ کہنے پر کہ اگر میں مر جاؤں تو اس کی ادائیگی سے بری الذمہ ہوگا تو یہ بیباقی نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ وہ مشروط بالوقوعہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے کہ جب تو اس مکان میں داخل ہو تو اس مطالبہ سے جو میرا تجھ پر باقی ہے بیباق ہے۔ کسی زر مطالبہ کے ایک غیر قانونی بدل سے بیباقی باطل ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی دوسرے سے کہے کہ تمہیں اپنے قرضہ کی ادائیگی سے بیباق کر دوں گا بشر طیکہ یہ اہم معاملہ سلطان سے طے کرا دو۔ یہ بیباقی نہیں بلکہ رشوت ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ مسلم لا میں کسی بدل کا ہبہ "بالعوض" یا ہبہ یا انتقال جائیداد کو ہبہ مابعد کی خصوصیات کا حامل ہونے کے لیے اس کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ یہ کسی قسم کے انعام مادی یا غیر مادی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے مثلاً۔

بمقدمہ محمود النسا بیگم بنام سجر شاہ عدالت العالیہ بمبئی نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ کسی متوفی مسلمان کی جائیداد میں چچا کا اس منشا سے اپنا حصہ ترک کر دینا کہ کلکٹر کے یہاں حصول سرٹیفکٹ کی کارروائی (نابالغ بھتیجوں کے حق میں) میں سہولت پیدا ہو سکے تو مسلم لا میں ایک مستحسن بدل ہے۔ اسی طرح جب ایک باپ اور دادی نابالغ بچوں کے حق میں ان کے دادا کی جائیداد میں اپنا حصہ ترک کر کے مشترکہ ہبہ نامہ تحریر کریں تو یہ طے کیا گیا کہ دستاویز معاہدہ تملیکی برضا و رغبت نہیں ہے۔ بلکہ ایسا معاہدہ یا بدل ہے کہ A کا ترک بدل دوسرے کے ترک کا بدل ہے۔

فصل دوم:۔ قرضہ کا ہبہ

فتاوائے عالمگیری کے مطابق ایسے شخص کو قرضہ کا ہبہ جس کے ذمہ اور بھی قرضہ ہو قیاس اور استحسان دونوں کی بنا پر جائز ہے۔ مقروض کے ماسوا دوسرے شخص کو بھی بر بنائے قیاس جائز ہے بشرطیکہ وہ قبضہ کا مجاز ہو۔

اگر قرض دار کو رقم قرضہ کا ہبہ کر کے بیباق کر دیا جائے تو بغیر اس کے قبول کئے یہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اسے نامنظور کر دے تو فقہا کی عام رائے کے مطابق یہ موثر نہیں ہوتا اور جواہر الاخلاق کے مطابق یہی مسلمہ اصول ہے۔ مندرجہ بالا اصول اگر قرضہ بصورت نقد نہ ہو تو لاگو ہوتا ہے۔ بصورت نقد مقروض کے منظور کرنے پر منحصر ہے، منظور کرنے کی صورت میں اس کا قرضہ بیباق ہو جاتا ہے ورنہ مستوجب ادائیگی رہتا ہے۔ دوسری نوعیت کے قرضوں میں یہ صورت نہیں ہے۔ اور مقروض خواہ بیباقی صریحا قبول کرے یا نہیں اس کی ادائیگی ہو جاتی ہے لیکن دوسری نوعیت کے قرضوں کا ہبہ اور ان کی بیباقی عدم قبول سے غیر موثر ہو جاتی ہے۔

ضامن کو قرضہ کے ہبہ کے سلسلہ میں معاملہ مقروض کی بیباقی سے مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ اصول اس طرح ہے کہ ضامن کو ہبہ قرضہ بلا اس کی منظوری کے جائز نہیں ہے۔ اور نامنظور کرنے پر وہ مستوجب ادائیگی قرضہ ہوگا۔ لیکن بغیر اقرار کئے اس کی بیباقی جائز ہے اور اس کے انکار پر یہ منسوخ نہیں ہوتا۔

جب اصل مقروض کا اس کے حق میں ہبہ کے اقرار سے پہلے انتقال ہو جائے تو وہ قرضہ بیباق ہی سمجھا جائے گا اور اسی طرح مقروض کے انتقال کے بعد اس کا قرضہ بیباق قرار دیا جائے گا۔ تاہم اس کے ورثا ایسی بیباقی کو نامنظور کر سکتے ہیں اور قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے لیکن ابو محمد کا اس سے اختلاف ہے ان کی رائے میں انکار سے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ ماضی کی بیباقی حال پر بھی موثر ہوتی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی قرض خواہ اصل مقروض کو بیباق کرنا چاہے اور وہ اقرار کرے تو ایسی صورت میں مقروض اور ضامن دونوں کا قرضہ بیباق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر منظور نہ کرے

تو مقروض اور ضامن دونوں ہی بیباق نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص جو دوسرے کا مقروض ہے اور ادائیگی قرضہ سے پہلے مر جائے اور قرض خواہ مقروض کے ورثا کو قرضہ ہبہ کردے تو یہ جائز ہوگا۔ خواہ یہ قرضہ ورثہ میں شامل کیا گیا ہو یا نہیں ایسا ہی فتاوائے قاضی خان میں ہے۔

اگر مقروض کے ورثا میں سے کسی کے حق میں قرضہ ہبہ کیا گیا ہے تو یہ سب کے ہی مفاد میں ہوگا اور اس طرح سب ہی کا قرضہ بیباق ہو جائے گا ایسا ہی واجزالکروی میں ہے۔

فتاوائے آمو میں درج ہے کہ اگر قرض خواہ مقروض کے ورثا میں سے کسی ایک کا قرضہ بیباق کردے تو اس کی ذمگی قرضے تک جائز ہے۔ اس سے صریحاً مقروض کے اثاثے میں بعد تقاسمہ حصص (جبکہ ہر وارث کا حصہ متعین ہو چکا ہو) اس کے اثاثے کی بیباقی یا ادائیگی مقصود ہے۔ قرابیے میں درج ہے کہ کسی قرضہ کے ہبہ کے معاملے میں قرض خواہ یا مقروض کی موت اس کے اقرار ہبہ کے مساوی ہے۔

اگر قرض خواہ کئی ورثا چھوڑ کر انتقال کر جائے اور ان میں سے ایک متوفی کے ترکہ کی تقسیم سے قبل مقروض کو اپنے یافتنی حصہ قرضے سے بیباق کردے تو یہ بیباقی جائز ہے۔ کنایہ میں یہ مسئلہ اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اگر قرض خواہ کے ورثا میں سے ایک تقسیم رقم قرضہ سے قبل اپنا حصہ قرضہ ذمگی مقروض کو ہبہ کر دیتا ہے اور متوفی کے ترکہ میں زر نقد اور سامان دونوں ہوں تو یہ ہبہ مثل تصفیہ بہ ادائے آئے معاملہ قانونا جائز ہے۔ فتاوائے عالمگیری میں درج ذیل فقرہ جو کہ تاتار خانیہ سے لیا گیا ہے اس طرح ہے۔ ''مقروض کو نابالغ لڑکے کے حق میں قرضہ کا ہبہ جائز نہیں ہے'' اس کا منشا یہ ہے کہ جس طرح کہ قرضہ کا ہبہ تیسرے شخص کے حق میں جواز ہبہ قرض خواہ کی اس کو وصول یابی قرضہ کی صریح ہدایت پر منحصر ہے۔ اور چونکہ مقروض کے خورد سال بچہ کو اصالتاً یا اس کے ولی قدرتی (خود مقروض) کو اس طرح مجاز نہیں کیا جا سکتا ہبہ موثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ جب کسی مقروض کا انتقال ہو جائے اور قرض خواہ اس قرضہ کا ہبہ اس کے بچہ کے حق میں کرے یا اس کو قرضے اور متعلقہ قرضے کی ذمہ داری سے بیباق کرے تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا۔ اس کے برعکس تمام مستند اقوال کے مطابق ایسا ہبہ یا بیباقی قطعی جائز ہے۔ تتار خانیہ کا اصول جس کا فتاوائے عالمگیری میں حوالہ ہے

اس کو کچھ تعدیل کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اس اصول کے مطابق کوئی بھی عورت اپنے دین مہر کا (جو اس کے خاوند کے ذمہ ہے) ہبہ اپنے نابالغ بچے کے نام کر سکتی ہے (بشرطیکہ بچہ اسے وصول کرنے کا مجاز ہو۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مقروض کے بالغ بچے کو قرضے کے ہبہ کی صورت میں موہوب الیہ کے خود بچہ ہونے کی وجہ سے مقروض بطور ولی خود اپنا ذاتی قرضہ وصول کرنے کا مستحق ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ ماں اپنے خورد سال بچہ کو اس کے باپ سے اپنا مہر وصول کرنے کا مجاز کر سکتی ہے۔کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسرا قرض خواہ وہی طریقہ کسی متولی یا کسی دیگر شخص کو بچے کی طرف سے وصولیابی قرضے کے بارہ میں مقرر کر کے اس امر کا مجاز نہ کرے۔

بمقدمہ نیانی بیگم بنام امرائی بیگم عدالت العالیہ بمبئی نے مسلم لا کے قواعد کے مطابق یہ فیصلہ صادر کیا کہ کسی متوفی مسلمان کی بیوہ اپنا دین مہر بلا ورثائی منظوری کے تفویض کر سکتی ہے۔

قرضہ کا ہبہ

فتاوائے عالمگیری میں بحوالہ فتاوائے سروشی آیا ہے کہ جب ایک عورت کسی خام شئے کا جزو اپنے شوہر کو بیع کرتی ہے اور اس کا عوض اپنے خرد سال بچے کو بطور عطیہ یا ہبہ کے دے بعد ازاں بچہ کا انتقال ہو جائے تو تمام بدل عورت کی جائیداد قرار دیا جائے گا نہ کہ بچہ کا ورثہ۔

جب کسی قرض دار کو کوئی رقم قرضہ جائز طور پر ہبہ کی جائے تو مقروض اس امر کا مستحق ہے کہ جو جائیداد قرضہ میں مکفول کی گئی ہے وہ قرض خواہ سے واپس لے لے۔ اگر کوئی قرض خواہ مقروض کو اس کے بہ ذمگی قرضہ ہبہ کرے جو بوقت ملاقات وہ قبول نہ کرے اور اس سے انکار کرے مگر چند روز کے وقفہ کے بعد مقروض اسے اور ہبہ کو منظور کر لے تو اس مسئلہ پر کچھ اختلاف ہے مگر صحیح اصول یہ ہے کہ ہبہ منسوخ نہیں ہوتا۔

جب دو شخصوں کے ذمہ قرضہ واجب ہو اور ان میں سے ایک مقروض کو اپنا حصہ دے تو یہ ہبہ اور بیباقی جائز ہے۔ بالفاظ دیگر جب دو قرض خواہ ہوں اور ان میں سے ایک مقروض کو اپنا حصہ ہبہ کر دے تو یہ ہبہ و بیباقی جائز ہے۔ بالفاظ دیگر جب دو قرض

خواہ اور ایک مقروض ہوں اور ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ رقم کے قرضہ سے مقروض کو بیباق کر سکتا ہے یا فقہا کے اسلوب تحریر کے مطابق اپنے قرض کے حصے کو مقروض کو ہبہ کر سکتا ہے۔

ایسی بیباقی جو کسی امر کے وقوع ہونے تک معلق ہونا جائز ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی شرط پر منحصر ہو جس کی فوراً تکمیل ہو جانے والی ہو تو جائز ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہے کہ اگر تیرے ذمے میرا کوئی قرضہ ہے تو میں تجھے اس سے بیباق کرتا ہوں تو ایسا ہبہ جائز ہوگا بشرطیکہ اس کے ذمہ قرضہ ہو۔اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ میں مر جاؤں تو تو میرے قرضے سے بے باق ہوگا تو یہ جائز ہے۔ اور یہ بیباقی نصف میراث پر موثر ہوگی۔

قرضہ کی بیباقی کی صورت میں جبکہ قبضہ دہانی ممکن نہ ہو تو مقروض کو قرضے کا ہبہ اور اس کی ذمہ داری سے بیباقی بلا اس کے اقرار کے بھی مؤثر ہوتی ہے۔چونکہ قرضہ کی بیباقی اس کے فسخ کے مساوی ہے۔ اس لیے موہوب الیہ کی جانب سے اقرار قرضہ یا قبضہ ضروری نہیں۔

قرضہ کا ہبہ علاوہ مقروض کے کسی اور کو بطور حوالہ

درج ذیل صورتوں میں قرضہ کا ہبہ مقروض کے علاوہ دوسرے شخصوں کو بھی جائز ہے۔

(الف) جب یہ بطور حوالہ کیا جائے یعنی جس شخص کو یہ تفویض ہو تو وہ قرض خواہ یا ایجنٹ ہو۔

(ب) جب کہ بطور میراث ہبہ بالوصیت کیا گیا ہو۔

(ت) منتقل الیہ قرضہ وصول کرنے کی حالت میں ہو۔

انتقال قرضہ سے مفہوم یہ ہے کہ منتقل کنندہ منتقل الیہ (مسلم لا میں موہوب الیہ) کو وصولیابی قرضے کا مجاز کردے اس لئے کہ ضروری شرط کو مزید احتیاط کے باعث قانونی موشگافی سمجھا جائے گا۔

جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کے قرضوں کی وصولیابی کا مجاز کرتا ہے تو

یہ قبضہ دہانی کے ہی مثل ہے۔ لیکن ایجنٹ کا محض امانتاد تخطی نوٹ سپرد کردینا جو کہ بطور امانت (مشمولہ سود) کے روپیہ کی رسید ہو اور اس شکل میں نہ ہو جس سے حامل نوٹ قرضے (بطور منتقل الیہ) وصول یابی کا مستحق ہو سکے۔ اس کے بارہ میں طے کیا گیا ہے کہ یہ بمنزلہ منتقلی قرضہ نہیں ہے جس سے کہ حامل نوٹ کو اس پر کوئی حق ملکیت حاصل ہو۔ یا وہ اس روپیہ کو جو نوٹ کی کفالت میں ہو وصول کر سکے۔

اگر ایک شخص کو کسی خاص شرط کی بنا پر ادائیگی قرضے سے بیباق کر دیا گیا ہو تو اس شرط کی خلاف ورزی سے اس پر مکرر ادائیگی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یعنی اگر عورت اپنے شوہر کو اس کے دین قرضے سے کسی ایسی شرط پر (جسکی بعد میں اس نے خلاف ورزی کی ہو) بیباق کر دے تو وہ مکرر مستوجب ہو گا اور اس قرضہ کا دین دار رہے گا۔ اگر عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میں اپنے قرضہ سے اس شرط پر بیباق کرتی ہوں کہ تم دوسری عورت سے شادی نہ کرو گے اور وہ اس کا اقرار کرے۔ مگر بعد میں دوسری شادی کرے تو وہ اس کی ادائیگی یعنی پہلی بیوی کے دین مہر کا ذمہ دار رہے گا۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ جب شرط بے باقی قطعاً کسی غیر یقینی وقوع پر منحصر ہو تو یہ غیر موثر ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنے مقروض سے کہے کہ میری موت کے واقع ہونے تک میں تم سے قرضہ طلب نہ کروں گا یہ تمہارا ہو چکا ہے تو یہ جائز ہے۔

اگر مقروض نے قرضہ کے ہبہ پر رضامندی دیدی ہے تو یہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔

فصل سوم :۔ قانون ہبہ کے متعلق مزید قواعد

بچوں کے حق میں والدین وواقعی سرپرستوں کا ہبہ

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ایک باپ کا خواہ وہ مقروض ہو بحالت صحت تمام جائیداد بچوں میں سے کسی ایک کے نام ہبہ کرنا قانوناً جائز ہے بشرطیکہ وہ ہبہ دیگر وجوہات سے باطل اور ناجائز نہ ہو۔

بمقدمہ کنڈتھ ویٹل باوا بنام مسّل یم ویٹل پکر دمٹی (Kandath Veetil

(Bava U. Musliam Veetil Pakrukutti)جب ایک ماں نے جائیداد کا ہبہ (جس میں مکان اور زمینیں شامل تھیں) اپنی لڑکی کے حق میں کر دیا۔ واہب اور موہوب الیہ کی درخواست پر محکمہ ریونیو سے داخل خارج کی کارروائی ہو گئی۔ اور واہب و موہوب الیہ کے ساتھ رہنے لگی تو عدالت العالیہ مدراس کے فاضل ججان نے یہ طے کیا کہ اس سے ہبہ ناجائز نہیں ہوتا ہے۔

ایک باپ کا ایسے مکان کا ہبہ جس میں اس کی رہائش یا سامان ہے، ابو یوسف اور فتاویٰ کے مطابق جائز ہے۔اسی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے عدالتوں نے ڈگریاں صادر کی ہیں۔

کسی کا بطور والدین ایسے شخص کے لیے ہبہ جو ان کی سرپرستی میں رہتا ہو محض اعلان سے ہی مکمل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں انتقال کی ضرورت نہیں۔ بقول شرح وقائع اگر کوئی باپ اپنے بچہ کے حق میں ہبہ کرتا ہے تو بچہ بوجہ ہبہ اس شئے کا مالک بن جاتا ہے۔یہی اصول اس صورت میں بھی منطبق ہو جاتا ہے جب کہ ایک ماں اپنے خورد سال لڑکے کو جس کی وہ پرورش کرتی ہے اور اس کا باپ مر چکا ہو کوئی شئے ہبہ کرتی ہو اور کوئی سرپرست نہ ہو۔ یہی صورت ایک ایسے شخص کے ہبہ کی ہے جو انہی حالات میں پرورش کرتا ہے۔

اگر کوئی اجنبی بچے کے حق میں ہبہ کرتا ہے تو اس میں بچے کے باپ کو قبضہ دینے سے ہبہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر بچہ یتیم ہو تو اس کی جانب سے ولی کا قبضہ جسے باپ دادا نے وصی مقرر کیا ہو، کافی ہے۔

ایسا یتیم بچہ جو ماں کی نگرانی میں ہو اور اس کی جانب سے اگر ماں ہبہ پر قبضہ کرے تو جائز ہے۔اور یہی اصول اجنبی یعنی غیر رشتہ دار کے معاملہ میں بھی (جسکی نگرانی میں وہ یتیم بچہ ہے) منطبق ہوتا ہے۔ اگر خود کوئی بچہ جس میں کافی فہم ہو اس شئے پر جو اسے دی جائے قبضہ حاصل کرے تو یہ جائز ہے۔

ایسے ہبہ کے لیے جو والدین نے نابالغ بچہ کو کیا ہو کسی اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہبہ معاہدہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شے موہوبہ باپ کے قبضہ میں ہے یا بچہ کے۔اس لیے کہ والدین کا قبضہ بمنزلہ بچہ کے قبضے کے ہے۔

عورت کا اپنے مہر کا ہبہ

مہر کا ہبہ جو خاوند نے بالجبر یا غلط بیانی سے حاصل کیا ہو ناجائز ہے۔ یعنی اگر شوہر غلط بیانی یا جبر سے اپنی بیوی کو اس امر پر راغب کرتا ہے کہ وہ اسے دین مہر سے سبک دوش کر دے تو ایسی سبک دوشی جائز نہیں ہے۔

قرضہ کا ہبہ

بحر الرائق میں ہے کہ اگر ایک شخص جس کے مطالبات قرضہ لوگوں کے ذمہ واجب ہوں وہ دوسرے کو جو اس کا مقروض نہیں ہے قانوناً ہبہ کر سکتا ہے اور موہوب الیہ کو یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ بعد وصولیابی قرضہ اپنے کام میں لائے۔ ایسا ہبہ جائز ہے۔ متذکرہ اصول کے نتیجے کے طور پر فتاوائے قاضی خان میں بتایا گیا ہے کہ ایک عورت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے دین مہر کو خورد سال بچے کے حق میں منتقل کر دے اور بالغ ہونے پر بچہ اپنے باپ سے طلب کرنے کا مستحق ہوگا۔ علیٰ ہذالقیاس ایک شادی شدہ اس امر کی مجاز ہے کہ وہ دین مہر کے عوض خاوند سے سمجھوتہ کر کے اس کے بجائے کسی دیگر چیز کو قبول کرے۔

ذیلی مقدمہ

ہندوستان میں شادی شدہ فریقین کے درمیان انتقال جائیداد جس کی رو سے کوئی شوہر اپنی بیوی کے حق میں دین مہر کے عوض کوئی جائیداد منتقل کرتا ہے تو وہ مقدمہ ذیلی کہلاتا ہے۔ ایک ذیلی مقدمہ دراصل ہبہ بالعوض ہے اور اصلاً مہر کے عوض بمنزلہ بیع کے ہے۔

اگر ایک عورت اپنا مہر کسی شئے میں تبدیل کرنے پر آمادہ ہوتی ہے جو قبل از قبضہ اس نے نہیں دیکھی مگر بعد میں اس کو نقص کا علم ہوا تو وہ ایسے معاہدہ کو منسوخ کرنے کی مجاز ہے اور مہر کے لیے اس کا حق بجنسہٖ قائم رہتا ہے۔

ایک عورت اپنے متوفی شوہر کو قرضہ سے بیباق کر سکتی ہے یعنی ایک بیوہ اپنے متوفی شوہر کے اثاثے کو اس کے دین مہر کے بارہ میں بری کر سکتی ہے۔

اگر کوئی بیمار عورت شوہر کو مہر کا ہبہ کرے تو ایسا ہبہ اس کے صحت یاب

ہونے پر بھی جائز ہوگا۔ اور اگر اس دوران اس کا انتقال ہوجائے تب بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ لیکن مرض الموت میں مبتلا ہونے کی صورت میں بلا منظوری ورثا کے جائز نہ ہوگا۔

رقبہ

ہبہ بطور رقبہ سنی ائمہ کے مطابق ناجائز ہے اس لئے کہ وہ غیر یقینی امر ہے جوایک شخص کی زندگی پر منحصر ہوتا ہے۔ (جو کہ ایک شخص کی حیات سے مشروط ہے) رقبہ کسی شخص کے اس اعلان سے ہی مرتب ہوجاتا ہے "اگر تجھ سے قبل میرا انتقال ہوجائے تو یہ مکان تیرا ہوگا اور اگر تو مجھ سے قبل مرجائے تو یہ میرا ہے"۔ جب کوئی رقبہ کیا جائے اور شئے موہوبہ پر موہوب الیہ کو قبضہ مل جائے تو یہ عاریت یا مشروط قرضہ ہوگا جو حسب الطلب واہب قابلِ واپسی ہوگا۔

ہبہ عمارت بلا زمین

اگر ایک شخص کسی عمارت اور زمین کا (جس پر کہ وہ واقع ہے) مالک ہے تو وہ عمارت بلا زمین کے ہبہ کر سکتا ہے اور یہ جائز ہوگا۔

باب ۵۔ شیعہ قانون ہبہ

فصل اول:۔ شیعہ اصولوں کے مطابق مشاع اور قبضہ

اہل تشیع کے قانون کے مطابق مشاع (یا غیر منقسمہ جائیداد کے حصہ) کا ہبہ جائز ہے جس پر قبضہ لیا جاسکتا ہو اور مثل بیع اس پر قبضہ لیا جاسکتا ہے۔ بعد واہب کے شئے مذکور تفویض کرنے یا اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر اور بہ سند مبسوط مذہب شیعہ کے اصولوں کے مطابق کسی جائیداد کے حصے کا ہبہ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو قطعاً جائز ہے۔

قبضہ لینے کا اختیار کافی ہے

مذہب حنفی میں جیسا کہ بتایا گیا ہے قبضہ کی نوعیت شئے موہوبہ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ یہی رائے علامہ نے اپنی تحریر الاحکام میں درج کی ہے اور اگر شئے موہوبہ جائیداد غیر منقولہ ہو تو بصورت ہبہ اسے تفویض کرنا یا علامتی قبضہ دینا سب صورتوں میں کافی ہے۔ بصورت جائیداد منقولہ اس کی نوعیت کے مطابق اس پر شیعہ قانون کے مطابق اس امر میں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ دو شخصوں کو جائیداد دی جائے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے حصے کا مالک ہو جائے یا بصورت دیگر ان میں سے ایک تو ہبہ کا اقرار کرے اور قبضہ لے اور دوسرا انکار کرے تو مُقِر کو ہبہ جائز ہوگا۔

حنفی فقہ کے مطابق اقرار جواز ہبہ کی ضروری شرط ہے۔ حسب شرائع معاہدہ ہبہ کا اعلان و اقرار قبضہ ضروری ہیں۔

اعلان سے مراد واہب کا شئے موہوبہ کو موہوب الیہ کی ملکیت میں بطور ہبہ انتقال کرنے کا اظہار ہے۔ ایسا معاہدہ جائز نہیں ہے جب تک واہب بالغ و عاقل نہ ہو اور جائیداد کے حق استعمال میں آزاد ہو۔ بالفاظ دیگر (شخص اہل بالغ) اپنے فعل کی نوعیت کو سمجھنے کے قابل ہو اور کسی امتناع سے مجبور نہ ہو۔

شیعہ قانون کے مطابق قرضہ کا ہبہ

سنی یا شیعہ قانون کے مطابق قرض خواہ کی مقروض کے قرضے کی بیباقی یا مجرائی ہبہ کے مساوی ہے جو شیعہ یا سنی فقہ میں جائز ہے۔ کسی بھی قرضہ پر جسمانی یا واقعی قبضہ یا حق نالش حاصل کرنے کی مشکلات کی وجہ سے بعض شیعہ فقہ کا بشمول مصنف شرائع یہ فتویٰ ہے کہ کوئی قرضہ یا حق وصول باقی قرضہ کسی دیگر شخص کو منتقل نہیں ہو سکتا۔ مگر دوسرے فقہا خاص کر شیخ مصنف میٹو کی رائے اس کے برعکس ہے اور اس بارہ میں کوئی شبہ کہ صحیح مماثلت اور مسلمہ رواج کی بنا پر جو شیعہ فرقوں میں صدیوں سے جاری ہے جن کی رو سے حق نالش (جائز انتقالات قرضہ) یا کسی دوسرے سے وصولیابی (قرضے کے حق) پر منحصر ہو۔اور واہب یا قرض خواہ کسی تیسرے شخص کو (باالفاظ دیگر) بطور ہبہ منتقل کر سکتا ہے۔

بمقدمہ امجد علی خان بنام محمدی بیگم ہبہ گورنمنٹ پرامیسری نوٹس کا تھا جس کے تجزیہ سے معلوم ہوگا۔ نوٹس کا ہبہ دراصل ایسا ہبہ تھا جس سے کہ رقم پر منافع حاصل کیا جاسکے۔ اور اس کی کفالت خود نوٹس سے ہی ہوتی تھی۔ فریقین کے شیعہ ہونے کے باوجود مقدمہ مذکور میں ناجوازی ہبہ کے لیے عذر نہیں کیا گیا کہ یہ ایسے حق کا ہبہ تھا جو بوقت شرع حاصل ہو سکے۔ محض ایک عذر کی بنا پر اعتراض کیا گیا اور وہ یہ کہ واہب نے تاحین حیات خود اس کی آمدنی اپنے لئے محفوظ رکھی۔ مسلم لا میں ایسا استفادہ ناجائز ہے۔اسی طرح حق نالش یا حقیت مابعد کا انتقال شیعہ قانون میں اسی طرح جائز ہے جیسا کہ حنفی قانون میں۔

قبضہ واقعی یا تعبیری ہو سکتا ہے

شیخ اور سرایہ. عقیدہ وغیرہ کے مصنفین کے مطابق قبضہ واقعی یا تعبیری ہو سکتا ہے۔ حصول اختیار قبضہ کو موثر بنانے کے لیے موہوب الیہ کا جائیداد پر قبضہ حاصل کرنا یا اس پر کسی قسم کا تصرف ہونا ضروری ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ کسی کا اپنی بیوی کو پرامیسری نوٹس دستخطی ایجنٹ بینک (جو رقم امانت مع منافع کی رسید ہے) اس صورت میں نہ ہوں کہ حامل نوٹ ان رقومات کا قرضہ پانے کا مستحق ہوگا جو کہ بحیثیت منتقل الیہ پا سکتا ہے اس

کے بارہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ ایسے انتقالات قرضہ نہیں ہیں جن کی بنا پر موہوب الیہ کو اختیار تصرف حاصل ہو اور وہ وصول کر سکے۔

بیباقی قرضہ

شرائع کے مصنف اور اس کے شاگردوں کے بقول جن کا کہ لغوی تشریح کے مسلک سے تعلق ہے دست برداری یا بیباقی اقرار موہوب الیہ کو موثر بنانے کے لیے ضروری نہیں ہے جب کہ ترقی پسندانہ مسلک کے نمایندے مثلاً شیخ ابن ظہرہ و شیخ مرتضی وغیرہ مسلک حنفیہ سے متفق الرائے ہیں کہ بیباقی کے جواز کے لیے مقروض کی رضامندی ضروری ہے اور یہ نظریہ عدل گستری کے تقاضے کے مطابق ہے۔ ایک بیباقی محض قرض خواہ کی نیت کا اظہار ہے کہ وہ مقروض سے قرضہ وصول نہ کرے گا لیکن اس نیت کا اظہار جس کا نتیجہ قرض خواہ کو اپنے مطالبہ سے باز رکھے گا اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ مقروض قرض خواہ کو قرضہ وصول کرنے کے لیے منع کرے۔ عقد یا معاہدہ ایک انگریز مصنف کے مطابق دو شخصوں کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ ان میں سے ایک کو ایک ذاتی حق خاص دوسرے کے افعال کو روکنے کے لیے حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ کسی خاص امر کو انجام دے یا انجام نہ دے۔ یہی تعریف عرب فقہا نے اصطلاح ''عقد'' کی کی ہے اس سے مراد وہ تعلق ہے جو ایک شخص کو دوسرے پر حاصل ہوتا ہے۔

فصل دوم:۔ شیعہ قانون میں محدود حق ملکیت

حنفی قانون کے مطابق اگرچہ الفاظ ہبہ سے مراد موہوب الیہ کو ملکیت قطعی کا ہبہ مقصود ہوتا ہے مگر الفاظ ما بعد سے اصل ہبہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔ حنفی فقہا نے محدود حقیت کے جواز کو ''عاریت'' کے نام سے مشروط طور پر تسلیم کیا ہے در اصل موہوب الیہ (ایسی صورت میں مستعار کہلاتا ہے) ''عین'' پر تصرف کی غرض سے جائیداد منتقل کرنے کا حق ہے ایسے ہبہ کے جواز قانون کو عدالت العالیہ الہ آباد نے بمقدمہ خالد احمد و دیگران تسلیم کیا ہے۔

شیعہ قانون محدود حق ملکیت کے جواز قانون کو مکمل طور پر تسلیم کرتا ہے۔

شیعہ لا کے مطابق محدود حق ملکیت

A کے لیے اس کی تا حین حیات ہبہ جائز ہے بصورت موت شے موہوبہ واہب اور اس کے ورثا پر عود کر آتی ہے۔ اسی طرح A کا حین حیات ہبہ مابعد دوسرے شخص پر ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر حنفی فقہا نے ہبہ کو ایک قرضہ بتایا ہے یعنی بیباقی قرضہ بلا رضامندی مقروض مکمل بتایا ہے۔ گو اس کی نامنظوری سے وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صورت حال اصل مقروض کے معاملہ میں صحیح ہے اس لئے کہ ضامن کو قرضہ کا ہبہ بغیر اس کے قبول کئے مکمل نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کے انکار سے یہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ اگر قرض خواہ اصل مقروض کو قرضہ سے بیباق کردے اور وہ اسے قبول کرے تو وہ اور اس کا ضامن دونوں بیباق ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ منظور نہ کرے تو وہ بیباق نہ ہوگا۔ یہ اصول میری وضاحت سے جواہر الاغذیہ میں دیا گیا ہے کہ تا حین حیات موثر ہوگا مگر دوسرے شخص کے انتقال پر واہب اور اس کے ورثا پر عود کرے گا اسی طرح A کے حین حیاتی ہبہ اور B کے حق میں ہبہ قطعی یا A کے حق میں حین حیات ہبہ اور پھر A کے بچوں کے حق میں ہبہ قطعی کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف رائے ہے کہ آیا اس ہبہ سے وہی بچے جو بوقت ہبہ حیات تھے کلیتاً مستفید ہوں گے یا وہ بچے بھی جو کہ بعد ہبہ پیدا ہوں۔ مسلمہ رائے کے مطابق تمام بچے جو بوقت ہبہ حیات تھے اور جو بعد میں پیدا ہوئے وہ سب ہبہ سے مستفید ہوں گے۔ لیکن جب کہ A کے حق میں حین حیاتی ہبہ اور ان کے بعد میں اس کے بچوں کو اگر حین حیاتی ہبہ کیا گیا ہے تو صرف وہی بچے جو بوقت ہبہ حیات تھے پس ماندگان کے حق کی بنا پر مستفید ہوں گے۔

ایسا ہبہ کہ تا حین حیات بحق A ہو اس کے بعد B کو حین حیاتی ہو اور بعد ازاں A کے بچوں کے حق میں قطعی ہو وہ بھی یکساں جائز ہے۔ مصنف شرائع کے مطابق A اور اس کے عقب (جو اس کے بعد آئے) کے حق میں ہبہ سے A کو حین حیاتی حق ملکیت حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ عقب سے نہ کسی کی نشاندہی ہوتی ہے اور نہ کوئی تعین مفہوم۔ سروی اور دوسری کتب فقہ کے مطابق ایسے ہبہ سے A کو حقیت قطعی مل جاتی ہے۔

شہزادہ سلمان قدر بنام داراب علی خان

جب A کو تا حین حیات اور اس کے بعد اس کے ورثا کو ہبہ کیا جائے یا اگر یہ الفاظ کہ حق استفادہ کو اس کی حین حیات اور اس کے بعد اس کے ورثا کو دیا جائے تو اس ہبہ سے A کو محض حین حیاتی ہبہ ملے گا اور حقیت قطعی A کے ورثا کو ملے گی۔

بمقدمہ شاہزادہ سلیمان قدر بنام داراب علی خان پریوی کونسل کے فاضل ججان نے اس لئے اس امر کا اظہار رائے کیا جس سے شئے محدود حق ملکیت تسلیم نہ کئے جانے کا منشا قیاس کیا جاتا۔ مگر رائے مذکور کلیتًا سنی اسناد کی بنا پر تھی اور اس موضوع پر شیعہ قانون کے اصولوں کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

ایسا ہبہ جو A اور عام طور پر اس کے بچوں اولاد یا فرزندان کے حق میں نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطنٍ کیا جائے۔ اس سے بطور انعام مراد ہے اور الفاظ بچوں کے بعد بچے یا نسلاً بعد نسل سے منشا الفاظ وضاحتی ہیں نہ کہ ان کو محدود کرنا۔

تعریف ہبہ

لفظ ہبہ کے استعمال سے عام منشا ایک قطعی حقیت ملکیت ہے۔ اس لئے کہ ہبہ سے وہ فعل مراد ہے جس سے کہ ایک شخص دوسرے کو بلا نیت بدل فوراً منتقل کرے۔ اور کسی شئے پر تعبیری یا واقعی قبضہ دیدے۔ ایسا انتقال بزبان عربی الفاظ "فیض کاملہ" اور "عن عطیہ" سے بھی واضح ہوتا ہے اور زبان ہند میں لفظ عطیہ مبہم ہے۔ کنیت الفاظ دینا اور بخشا کی ہے۔ جب ان الفاظ سے ہبہ کیا جاتا ہے تو واہب کی نیت کو ہبہ نامے کے متن اور حالات متعلقہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ آیا واہب کا منشا ہبہ قطعی تھا یا محض ایک محدود ملکیت حقیت۔

حین حیاتی پٹہ داری اختیارات

ایک پٹے دار حقیت حین حیاتی یا قابض حقیت عارضی اس امر کا مجاز ہے کہ وہ جائیداد کو کسی بھی مدت کے لیے کرایہ پر دے لیکن وہ مدت اس کی مدت قبضہ سے زیادہ نہ ہو بشرطیکہ اس کا اختیار یا تصرف محدود نہ ہو۔ اس صورت میں وہ جائیداد کو اس کے مفاد کی انقضائے مدت تک مناسب حالت میں واپس کرنے کے لیے پابند ہے۔ اس پر جائیداد

کے قدرتی انحطاط اور جائز تصرف سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حنفی فقہ کے مطابق واہب شئے موہوبہ بربنا حین حیات اپنا حق حیاتی اس وقت تک محفوظ رکھ سکتا ہے جب تک کہ یہ حق تحفظ موہوب الیہ کے تفویض جائیداد میں حارج نہ ہو۔ مثلاً A ایک مکان (جو کرایہ پر ہے) B کو اس شرط پر ہبہ کرے کہ وہ تا حین حیات خود اس کا کرایہ لیتا رہے گا۔ یہ اصول بمقدمہ نواب امجد علی خاں بنام محمدی بیگم وضع کیا گیا تھا۔ اور اس کلیہ کے مطابق عمل ہے۔

رقبہ

اوپر بتایا گیا ہے کہ شیعہ قانون کے مطابق تمام محدود حقیتوں کے لیے رقبہ ایک عام اصطلاح ہے جس میں عمرہ (حقیت حین حیاتی) اور سکنہ (حق رہائش) دونوں شامل ہیں۔

اگر جائیداد کا عین دوسرے شخص کو موہوب الیہ کی حیات تک دیا جائے تو عام اصطلاح میں عمرہ کہلاتا ہے۔ اور جب مکان اغراض رہائش کے لیے دیا جائے تو یہ سکنہ کہلاتا ہے۔ قانون حنفی کے مطابق یہ دونوں عاریت کی تعریف میں آتے ہیں چونکہ واہب یا اس کے ورثا کی مرضی پر عاریت قابل بحالی ہے۔ عمرہ یا سکنہ ایک مدت مقررہ تک موثر ہیں اور بحال نہیں ہو سکتے۔ کوئی ہبہ جائیداد کے بیع سے ناجائز نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بائع تابع ہبہ لیتا ہے۔

حقیت تابع استفادہ عام

شیعہ قانون کے مطابق کوئی شخص اپنی جائیداد پر محدود حقوق پیدا کر سکتا ہے۔ مثلاً کوئی دوسرے کو اپنی زمین پر ایک مقررہ وقت کے لیے حق گذر بلا اس کو دواماً حق آسائش دئے ہوئے دے سکتا ہے۔ یا اپنے حوض سے پانی لے جانے کا حق دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے محدود حقوق بہ پابندی مفہوم رقبہ کہلاتے ہیں۔

افراد کے لیے کسی خاص مقصد کی غرض سے تملیکات خواہ مدت معینہ کے لیے ہوں یا غیر مدت معینہ کے لیے، حبس کہلاتے ہیں خواہ ایک شخص کے حق میں ہو یا زیادہ یا افراد کے متواتر اغراض کے خاطر ہوں۔ اگر حبس صرف معینہ مدت کے لیے ہو تو وہ حابس کی موت پر ختم اور اگر مقررہ مدت کے لیے ہو تو انقضائے مدت پر ختم ہو جاتا

ہے اور حابس کے ورثے کا جزو ہو جاتا ہے۔ ایک حبس بلا واسطہ متولیان ہو سکتا ہے لیکن دونوں ہی صورتوں میں قانونی واقعات یکساں ہیں۔

بمقدمہ بانو بیگم بنام میر عابد علی عدالت العالیہ بمبئی نے شیعہ قانون کے تحت محدود حقیت کو پوری طرح تسلیم کیا ہے۔

ایک واہب یا حابس محدود حقیت کا اس طرح مجاز ہے کہ اپنے گذر معاش کے لیے ملتوی شدہ منافع بطور بیع یا ہبہ یا دوسرے طریقے پر بشرطیکہ اس مخصوص حقیت میں کوئی خلل واقع نہ ہو کام میں لائے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک بائع یا موہوب الیہ کا سابقہ حق حاصل شدہ حقیت کے تابع حقیت ہے۔

بچوں کے حق میں ہبہ

جب کسی بچہ کے حق میں ہبہ کیا جائے تو حنفی قانون کے مطابق ایسے کسی بھی شخص کا قبضہ جس کی نگرانی میں بچہ رہتا ہو کافی ہے۔

شیعوں میں اس بارہ میں دو مختلف آرا ہیں۔

شرائع کے مطابق نابالغ کی جانب سے کسی ایسے شخص کو جو قانوناً مجاز ہو یا جج کو قبضہ لینا چاہیے۔ اور شیخ (مصنف مبسوط) اور دوسرے اصولی فقہا کے مطابق ایسے شخص کا جو واقعتاً سرپرست ہو قبضہ کافی ہے۔ لیکن شرائع کے مطابق بھی جب کہ قبضہ حاصل کر لیا ہو اور نابالغ کی جانب سے کسی شخص نے بھی علاوہ باپ یا ان کے والد یا دادا یا موصی (کہ جو قانوناً سرپرست ہیں) کا قبضہ ہو تو ایسی صورت میں عدالت ہبہ کو ناجائز قرار نہیں دے گی۔ فریقین کی باہمی رضامندی اور شئے موہوبہ کا موہوب الیہ کو سپرد گی جواز ہبہ کے لیے کافی ہے۔

تشکیل ہبہ کے لیے کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے۔ اگر واہب کے کسی فعل یا اعلان سے اس کی نیت بلا شک و شبہ واضح ہے تو یہ کافی ہے۔ پس یہ الفاظ "میں نے دے دیا ہے"، "میں نے یہ شئے دی ہے"، "میں نے فلاں شئے کی ملکیت فلاں کو تفویض کر دی"، ہبہ کی تشکیل کے لیے کافی ہیں۔

اگر واہب یہ اقرار کرے کہ اس نے ہبہ کیا ہے اور موہوب الیہ کو وہ شئے دیدی ہے تو ہبہ ثابت ہے خواہ شئے موہوبہ واہب کے قبضے میں ہو یا نہیں۔

جب کہ قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے

اگر بوقت ہبہ شئے موہوبہ موہوب الیہ کے قبضے میں ہے تو مزید قبضے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ایسے ہبہ کی صورت میں قبضہ دہانی ضروری ہے جو باپ یا دادا نے خورد سال بچہ کے حق میں کیا ہو۔ اس لئے کہ ان کا قبضہ نابالغ کے قبضے کے ہی مساوی ہے اور مندرجہ بالا اشخاص ہبہ کرنے اور خورد سال بچہ کی طرف سے وصول پانے کے مستحق ہیں۔ جب موہوب الیہ نابالغ ہو اور شئے موہوبہ پر قبضہ نہیں لے سکتا تو واہب اس کے لیے امین نامزد کر سکتا ہے جسے نابالغ کی جانب سے جائیداد پر بطور امانت قبضہ دیدیا جائے۔

اہل سنت والجماعت کے قانون کے مطابق قبضہ دہانی پر غور کے وقت فریقین کے تعلق کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی خاوند اپنا مکان یا جائیداد آراضی اپنی بیوی کے نام ہبہ کرے اور اس میں مسلسل سکونت رکھے یا کرایہ اور منافع وصول کرے تو اس بنا پر ہبہ ناجائز نہ ہوگا اس لئے کہ ان افعال کا جواز واہب اور موہوب الیہ کے تعلق سے ظاہر ہے۔ اس طرح اگر ایک باپ اپنے کاروبار کا ہبہ نابالغ لڑکے کے نام کرے اور خود اس کی جانب سے دیکھ بھال کرتا رہے۔ یا ایک چچا جائیداد اپنے بھتیجے کو دے اور اس کے پاس (موہوب الیہ) کی دیکھ بھال کرتا رہے تو اس بنا پر ہبہ ناجائز نہ ہوگا۔

ایسے ہی سنی قانون قبضہ دہانی شئے موہوبہ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ مثلاً ایسی اشیا کا ہبہ جو بکس میں رکھی ہوں اور اس کی کنجی موہوب الیہ کو دینے سے یا جائیداد غیر مقبوضہ (جو بقبضہ کاشت کاران ہوں) خواہ اس کے دستاویزات بابت حقیت سپرد کرے یا کاشت کاران کو اس امر کا تقاضہ کرے کہ وہ موہوب الیہ کے حق میں حقوق زمینداری کی بابت کلکٹر کے دفتر میں ناموں کا داخل خارج کرائیں، کلکٹری میں کرادے تو وہ مکمل قبضہ ہوگا۔

ہبہ مشع جائز ہے

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ شیعہ قانون میں ہبہ سے متعلق یہ اعتراض قابل تسلیم نہیں ہے کہ شئے موہوبہ ایسی جائیداد کا جزو ہو جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ اگر دو موہوب الیہم کو

ہبہ کیا جائے اور وہ مشترکاً قابض نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک اس حصے کا مالک ہوگا۔ بشرطیکہ دونوں نے ہبہ کا اقرار کیا ہو۔

اقرار پر دو موہوب الیہ میں سے صرف ایک نے اقرار کیا ہو اس کے حق میں جائز ہے لیکن انکار کرنے والے کے حق میں غیر موثر ہے۔ ایک باپ اپنے بچوں میں سے ایک کے حق میں یا دوسروں کو نظر انداز کر کے ہبہ کر سکتا ہے مگر ایسا ہبہ پسندیدہ نہیں ہے اس سے دور رہنا چاہیے۔

اختیار تنسیخ

ایک ہبہ جو بالراست واہب کے (فرسٹ ڈگری) مورث اعلیٰ میں سے کسی کے لیے کیا جائے اور ورثا میں سے کسی ایک کے حق میں ہوا اور دونوں ہی اسے قبول کرلیں تو ناقابل تنسیخ ہے۔ قرابت داروں کے علاوہ والدین اور بچوں کے حق میں بھی ہبہ کا ناقابل تنسیخ ہونا اسی طرح تسلیم کیا گیا ہے شادی شدہ جوڑے بھی اس زمرہ میں ہیں جیسے کہ قرابت دار بذریعہ رشتہ خون۔ اجنبی کے حق میں ہبہ تک وہ اصلی حالت میں ہے قابل تنسیخ ہے۔ شئے موہوبہ کے ضائع ہونے کی صورت میں ہبہ ناقابل تنسیخ ہے اسی طرح وہ ہبہ بھی ناقابل تنسیخ ہے جس کے بدل میں کچھ قبول نہ کیا گیا ہو خواہ شے مبدلہ کتنی ہی کم مالیت کی ہو، ایسا بھی ہبہ جس میں شئے موہوبہ کسی قیمت پر فروخت کردی جائے یا موہوب الیہ کو کسی اور صورت میں منتقل کردی جائے تو قابل تنسیخ ہے۔ واہب کا شئے موہوبہ کا بیع جبکہ اس پر صریحاً یا تعبیراً قبضہ لے لیا گیا ہو باطل ہے بشرطیکہ موہوب الیہ سے قرابت خون ہو اسی طرح اگر موہوب الیہ اجنبی ہو یعنی اگر اس سے قرابت خون نہ ہو اور نہ کوئی شئے ہبہ کے مبادلہ میں دے تو وہ ہبہ بھی باطل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ہبہ بلا بدل کسی اجنبی کے حق میں کیا جائے اور اس کو قبضہ بھی منتقل کردیا جائے تو بیع کی وجہ سے منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر بعض فقہا کے نزدیک جائز ہے کہ وہ اس کو منسوخ کردے لیکن اول الذکر کی رائے بقول مصنف شرائع زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ہر دو پہلے بیان کئے گئے اصول اس بیع پر بھی لاگو ہوتے ہیں جو کوئی متوقع

وارث جائیداد اس حالت میں کرے کہ وہ مورث کو زندہ یقین کرتا ہو، اگر یہ معلوم ہو کہ اس وقت مورث واقعی مرچکا تھا۔

ہبہ قبضہ یا انتقال کے وقت سے ہی تشکیل پاجاتا ہے نہ کہ تاریخ معاہدہ سے یعنی تمام قانونی مواقعات حقوق ذمہ داریاں جو ہبہ سے پیدا ہوتی ہیں اس تاریخ سے وقوع میں آتی ہیں جب سے موہوب الیہ قبضہ پاتا ہے۔

مرات یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس پر موہوب الیہ اجنبی کو اختیار شئے کی منتقلی پر یا بدل پر ہوجاتا ہے اگرچہ انتقال بعد میں ہوا ہو۔

واہب اور موہوب کے تنازعہ کی صورت میں جب واہب یہ عذر کرے کہ اس نے ہبہ کا اقرار ضرور کیا تھا مگر قبضہ نہیں دیا تھا تو اس کا یہ عذر قبول ہوگا لیکن اگر موہوب الیہ اس امر کا ادعا کرے کہ شئے موہوبہ پر قانوناً قبضہ دے دیا گیا تھا تو واہب کو اپنے قول کو ثابت کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ میں اس کو دیتا ہوں اور مالک بناتا ہوں اور بعد میں قبضہ دینے سے انکار کرجائے اس لیے کہ ممکن ہے اس نے دوسرا بیان دیا ہو (یعنی اس کو مالک بنادیا ہو)، پہلے بیان کی طرح اور توثیق مکرر کردی ہو یعنی میں اسے دیتا ہوں اور اس کا واقعی منشا انتقال سے نہ ہو۔

تنسیخ کی صورت میں موہوب الیہ پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا اگر شئے موہوبہ میں کوئی نقص واقع ہوگیا ہو، جب واہب ایسے ہبہ کو منسوخ کرے جب کہ فی نفسہ شئے موہوبہ کی قیمت میں اضافہ ہوجائے تو وہ اضافہ واہب کو ملتا ہے۔ اگر ایسا اضافہ یا بڑھوتری جو ہبہ کے بعد ہوئی ہو اصل شئے موہوبہ سے علیحدہ کی جاسکتی ہو تو موہوب الیہ اس کا مالک ہوگا۔ لیکن موہوب الیہ کے قبضے سے پہلے زمین بصورت تنسیخ واہب کا حق ہوگا۔ (ایسا ہبہ جس میں کہ کوئی استثنانہ کیا گیا ہو تو اس کے بارہ میں یہی خیال ہوگا کہ وہ بلا بدل تھا) (اگر موہوب الیہ اپنی جانب سے کوئی چیز واہب کو دے تو ایسا ہبہ ناقابل تنسیخ ہے۔) (ایک ہبہ جو کہ اس شرط پر کیا گیا ہو کہ موہوب الیہ اس کو تحفے کے طور پر دے گا یا واہب کو کوئی انعام یا اس کا معاوضہ دے گا وہ جائز ہے۔ اور ہبہ محض اس صورت میں قابل تنسیخ ہوگا کہ موہوب الیہ عائد کردہ شرائط کی تکمیل نہ کرے)۔

جب کہ تحفہ یا انعام جو کہ موہوب الیہ کو دینا ہے یا وہ منفعت جو اس کو پہنچانا چاہئے اگر معین نہیں ہے تو اس میں وہ آزاد ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق اس کا تعین کرے اور واہب کے تحفہ یا انعام کا موہوب الیہ کی جانب سے قبول کر لینا ہبہ کو ناقابل تنسیخ دیتا ہے۔

موہوب الیہ کو ان صورتوں میں جو گزشتہ عبارت میں بتائی گئی ہے تحفہ دینے کے لیے، جو کہ مقرر کر دیا ہو، مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسے حق ہے کہ وہ اس سے انکار کر دے مگر اس صورت میں واہب کا ہبہ کو منسوخ کرنے کا حق محفوظ رہتا ہے۔ پچھلی متذکرہ صورت میں موہوب الیہ کے انکار سے ہبہ منسوخ ہو جاتا ہے تو شئے موہوبہ کے ضائع ہونے یا اس کی مالیت میں کمی کا وہ ذمہ دار نہیں ہے اس لیے کہ جب اس نے اس شئے کو تصرف میں لیا ہے اس کا قانونی حق ملکیت اسکو منتقل ہو چکا تھا۔ ایسے کپڑے کے ہبہ کے بارہ میں جو موہوب الیہ نے رنگ لیا ہو، واہب کے اختیار تنسیخ کے بارہ میں کچھ اختلاف رائے ہے۔

وہ فقہا جو اس امر پر متفق ہیں کہ شئے موہوبہ کے استعمال سے حق تنسیخ ختم ہو جاتا ہے ان کی رائے میں کپڑے کے رنگنے سے وہ حق ختم ہو جاتا ہے اس کے برعکس دوسروں کے خیال میں محض رنگنا حق تنسیخ کے لیے مانع نہیں ہے البتہ موہوب الیہ افزونی مالیت بوجہ رنگائی پانے کا مستحق ہے اور اس اضافہ قیمت کی وجہ سے کپڑے پر وہ اپنا حق رکھتا ہے۔

ہبہ بمرض الموت

ایسا ہبہ جو شدید حالت مرض میں کیا گیا ہو جائز ہے۔ اگر وہ مر جاتا ہے تو ورثا کی رضامندی سے ہی جائز ہو گا۔ اگر وہ رضامند نہ ہوں تو اس کے حق ملکیت کے بقدر ایک ثلث ہبہ جائز ہو گا۔

فصل سوم: قرضہ کا ہبہ شیعہ قانون کے مطابق

میں مقروض کے اصالتاً قرضہ کے ہبہ کے سلسلے میں پہلے ہی مبسوط کے مصنف (جو بلا شبہ سب سے بڑے شیعہ فقیہ ہیں) اور شرائع کے مصنف کے درمیان

اختلاف آرا کو بتا چکا ہوں۔ یہ اختلاف محض منطقیات سے دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اس لئے کہ کم از کم ایک موقع پر اس سے بہت سے عملی نتائج بر آمد ہوئے ہیں۔ مصنف مبسوط رقم طراز ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس دوسرے کا مال ہو اور وہ اس کا دوسرے کو ہبہ کردے تو یہ "ابرا" ہے اور لفظ ہبہ سے مستنبط ہے اور اس کی بے باقی کے جواز کے لیے بیباق شدہ شخص کا اقرار ضروری ہے یا نہیں اس بارہ میں اختلاف رائے ہے۔ ائمہ کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ "ابرا" کے جواز کے لیے ایسا اقرار ضروری ہے اور تاوقتیکہ بیباق شدہ شخص اس بیباقی کا اقرار نہ کرے یہ بیباقی جائز نہیں ہے اور جب یہ اقرار نہ کیا گیا ہو تو یہ حق اسی طرح قائم رہتا ہے۔ میری رائے میں موخرالذکر رائے صحیح ہے۔

جب تک کسی شخص پر دوسرے کو بیباق کرنے کا حق ہے تو اس پر یہ ایک قسم کی ذمہ داری عائد کرتا ہے مگر کسی شخص کو بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس سبب سے بھی بصورت ہبہ عین (جائیداد مختص) کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قبول کیا جائے اور بلا قبول ہبہ جائز نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کی رائے میں "ابرا" جائز ہے خواہ شخص مستوجب اسے قبول کرے یا نہ کرے۔

علی ہذا القیاس ابو زہرہ فقیہ عقیہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی ذمگی شئے کا ہبہ کرے تو یہ بیباقی ہبہ کی تعریف میں آتی ہے اور یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جس شخص کے ذمہ روپیہ ہو بیباقی کا اقرار کرے اس لئے کہ ایسے اقرار سے مقروض پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور محض ذمے داری کے اقرار سے کوئی پابندی بجز ادائیگی عائد نہیں ہوتی"۔

مصنف شرائع نے اس کے برعکس مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خود مقروض کو اس کے قرضہ کا ہبہ جائز ہے اور بطور بیباقی کے موثر ہے اور "ابرا" کی صورت میں موہوب الیہ کا اقرار صحیح رائے کے مطابق کوئی شرط نہیں ہے وہ صحیح رائے دراصل انہی کی رائے ہے۔

مصنف جواہرہ نے مبسوط، عقیہ، سرائرد انتصار کے اقتباسات کا حوالہ دیتے ہوئے بالفاظ دیگر اصولی اور اخباریوں کی بلندپایہ تصانیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ محقق

کی رائے صرف ان صورتوں سے متعلق ہے جب کہ ذمہ داری یک طرفہ ہو۔

مثال کے طور پر جب کسی شخص پر دوسرے کا روپیہ واجب ہو اور قرض خواہ مقروض کی رقم قرضہ چھوڑ سکتا ہے یا بیباق کر سکتا ہے تو ایسی بیباقی کو موثر کرنے کے لیے موہوب الیہ (مقروض) کا اقرار شرط مقدم نہیں ہے مگر جب کہ قرض خواہ کو بھی چند ذمہ داریاں انجام دینا ہوں تو مقروض کی بیباقی بلا رضامندی مقروض اس ذمہ داری سے جو اس پر عائد ہو چکی ہے اس کو بری الذمہ نہ کرے گی لیکن اگر B کو پانچ سو درہم اس شرط پر دینے کا اقرار کرے کہ B پانچ سال تک اس کو باغ کے پھل مہیا کرتا رہے گا (تاوقتیکہ باہمی رضامندی سے معاہدہ ختم نہ ہو) ان پانچ سو درہم کے بارہ میں B کی A کو بیباقی B کو مدت موعودہ کے لیے پھل مہیا کرنے سے بری الذمہ نہ کرے گی۔

غور مکرر کے طور پر یہ قیاس کرتے ہوئے کہ A پانچ سال تک B سے اس شرط کا اقرار کرتا ہے کہ ہر ماہ پانچ سو درہم بطور وظیفہ کے ادا کرے گا اور B بلا A کی رضامندی اور قبل از انقضائے مدت واضح کردے کہ اس کو A کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اس کو پوری مدت کے لیے ادائیگی وظیفے کی ذمہ داری سے بری نہیں کیا جا سکتا۔ اس امر کے پیش نظر جیسا کہ مصنف جواہر نے بتایا ہے، سرایہ کے مصنف کی رائے ان کی عظیم پیش رو کی رائے سے قدرے مختلف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ شیخ اور ان کے شاگردوں کا صرف یہ کہنا ہے کہ مقروض کی مرضی کے خلاف بیباقی کو مؤثر نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے اس کی رضامندی بمنزلہ منظوری کے ہے۔

باب ۶۔ شافعی قانون ہبہ

شافعی اصول

کسی جائیداد کا انتقال بذریعہ ہبہ بے بدل ہبہ کہلاتا ہے اگر یہ انتقال آخرت میں بنا بر حصول ثواب ہو تو یہ صدقہ ہوتا ہے اور جب اس کا مقصد موہوب الیہ کی شخصیت کا احترام ہو تو یہ ہدیہ یا تحفہ کہلاتا ہے۔ ہبہ کے جواز کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ واہب کی طرف سے اعلان ہو اور موہوب الیہ کی طرف سے اقرار ہو حالانکہ ہدیہ کی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اقرار بالصراحت ہو کہ واہب کوئی شئے لائے اور موہوب الیہ اس پر قبضہ کرے۔ کوئی ہبہ مندرجہ ذیل جملوں کے استعمال سے منتقل ہوتا ہے۔

''میرے مکان میں رہائش اختیار کرو اور مرنے کے بعد تمہارے ورثا بھی مستفید ہوں گے۔''میں چاہتا ہوں تم اس میں رہو'' شافعی اصول کے مطابق یہ دوسرا دور ہوگا یا آخر میں وہ یہ کہے کہ ''تمہاری موت کے بعد مجھکو عود کر آئے گا''۔ جو ہبہ درج ذیل جملوں میں کیا گیا۔ ان کے جواز کے بارہ میں شافعی کی اس سے مختلف رائے ہے جو اس نے پہلے جملے میں ظاہر کی تھی۔ ''میں اس مکان کا عین زندگی بھر کے لیے دیتا ہوں'' یا ''تمہاری زندگی بھر کے لیے ہبہ کرتا ہوں''۔ بالفاظ دیگر لیکن ''اگر تم مجھ سے قبل مر جاؤ گے تو مجھے عود کر آئے گا۔ اور میرے پہلے مر جانے کی صورت میں یہ غیر تنسیخ طور پر تمہارا ہوگا''۔ ان کے باوجود امام شافعی کے ہر دو آرا ہمارے مذہب میں بصورت فتاویٰ نافذ ہیں۔ حالانکہ بعض کی رائے میں ایسے ہبہ جائز ہیں اور بعض کی رائے میں ناجائز۔

شئے موہوبہ کیا ہو سکتی ہے

ہر وہ شئے جس کا بیع یا کسی دوسری شئے سے مبادلہ ہو سکتا ہے وہ شئے موہوبہ ہو سکتی ہے لیکن ہر شئے جو کہ قابل بیع نہ ہو مثلاً ایک غصب شدہ یا انجانی شئے یا ایک جانور جو کہ کہیں سے چھوٹ کر آ گیا ہو وہ شئے موہوبہ ہونے کے قابل نہیں۔ کسی قرضے

کے ہبہ سے مراد اس قرضے سے دست برداری ہے اگر یہ مقروض کے حق میں کر دی جائے تو یہ جائز ہے لیکن اگر تیسرے کو کی جائے تو یہ قابل اعتراض ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جائز ہے۔

جہاں تک شئے موہوبہ کی ملکیت کا تعلق ہے تو اس کا انتقال صرف اس صورت میں موثر ہوتا ہے جب کہ موہوب الیہ واہب کی رضامندی سے قبضہ حاصل کرے۔ اگر فریقین میں سے ایک اعلان ہبہ اور قبضہ لینے کے درمیان انتقال کر جائے تو اس کے ورثا ہی اس کی جگہ اختیار کرتے ہیں۔

احادیث میں آیا ہے کہ والدین بشرطیکہ وہ اخلاقی اعتبار سے بدنام نہیں ہیں، اس امر کے مجاز ہیں کہ اپنی جائیداد کو بحصہ مساوی اپنے بچوں میں بلا امتیاز صنف تقسیم کر دیں۔ حالانکہ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ وراثت کے اصولوں کی اہمیت کو کم نہیں کرنا چاہئے۔

تنسیخ

ایک باپ مجاز ہے کہ جو ہبہ اس نے بچوں کے حق میں کیا ہے وہ منسوخ کر دے بشرطیکہ موہوب الیہم نے اس شئے کو غیر مشتبہ صورت میں منتقل نہ کیا ہو۔ اسی طرح وہ اجداد اس ہبہ کو جو انہوں نے اپنے ورثا اور بچے کے بچوں کو کیا تھا منتقل کر سکتے ہیں مگر جب کہ موہوب الیہم جائیداد موہوبہ کو اس طرح منتقل کرتے ہیں جس سے کہ اس کا حق ملکیت مثل رہن ہبہ بالشرط (کم از کم اس مدت کے لیے جب تک اس کا قبضہ منتقل نہ ہو) بجنسہ قائم رہتا ہے۔ مشروط حق رائے یا ہمارے اصول کے مطابق بھی بصورت معاہدہ بیٹے سے حق تنسیخ زائل نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں جبکہ موہوب الیہ وقت سے قبل ہی شئے موہوبہ کا حق ملکیت ضائع کر دے اور بالآخر واپس حاصل کر لے تو حق تنسیخ کی تجدید نہیں ہوتی اور اگر اس عرصہ میں شے موہوبہ میں اضافہ ہو جائے تو تنسیخ صرف اس صورت میں موثر ہو گی جب کہ وہ اضافہ شئے مذکور میں خلط ملط ہو گیا ہو لیکن اس صورت میں جب کہ اضافہ علیحدہ ہو تو تنسیخ موثر نہ ہو گی۔ تنسیخ درج ذیل الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ "اپنے ہبہ کو میں منسوخ کرتا ہوں یا اس کو واپس لیتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں وہ مکرر میری ملکیت ہو جائے یا اپنے ہبہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہوں" مگر یہ شئے

موہوبہ مفہوماً مابعد انتقال جیسے بیع وقف یا دوسرے شخص کے حق میں حق منتقلی سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی ہبہ اس صریح شرط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اس کا کوئی بدل نہ ہو گا اس کی تنسیخ کا حق سوائے اجداد کے اور کسی کو تفویض نہ ہو گا جب ایسا بلا شرط ہبہ بغیر کسی بدل کے ہو بشرطیکہ موہوب الیہ سماجی اعتبار سے واہب کے مقابلے میں کمتر یا بڑھ کر حیثیت رکھتا ہو۔ ہمارے اصول میں مزید بتایا گیا ہے اور اس میں بھی اسی اصول کو مانا گیا ہے جبکہ اشخاص مساوی حیثیت کے ہوں۔ اگر کوئی بدل لازمی ہو لیکن بوقت معاہدہ یہ طے نہ ہوا ہو تو یہ شئے موہوبہ کی برابر کی مالیت میں ہونا چاہئے

اور واہب اس شرط کا مجاز ہے کہ اگر موہوب الیہ بدل کی ادائیگی سے غفلت برتے تو منسوخ کر دے۔

ایسا ہبہ جو مقررہ بدل کی شرط پر ہو اس کا نفاذ جائز ہے لیکن وہ مثل بیع ہے۔ مگر ہمارے اصول کے مطابق اگر ہبہ بدل کی خاص شرط کے تحت کیا گیا ہو تو وہ باطل اور کالعدم ہے۔

ایسا ہدیہ جو دوسرے شخص کو دیا گیا ہو وہ بھی اس ہدیہ کا جزء متصور ہو گا جبکہ عام رواج کے مطابق اس کا لوٹانا ضروری نہ ہو۔ مثلاً ٹوکری جس میں کھجوریں ہوں، واپس نہیں کی جاتی۔ بصورت دیگر وہ بنڈل واہب کے قبضہ میں رہتا ہے اور موہوب الیہ اس کا کوئی دیگر استعمال نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ اس کو مختص مقصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

باب ۷۔ حنفی قانون وقف

فصل اول:۔ عام احکام

اصل وقف

قانون وقف مسلم فقہ کا سب سے اہم حصہ ہے اور حسب شرع ابتدائے اسلام سے ہی مسلم اور نافذ ہے۔ یہ اعتبار تاریخ اس کی ابتدا آنحضرت صلعم کے براہ راست احکام سے ہوتی ہے۔ غایت البیان کے مطابق جواز وقف آنحضرت صلعم کے ارشاد پر مبنی ہے جو حالات ذیل میں آپ نے فرمایا اور اس پر بقول جامع ترمذی ابن عوف، نافع اور ابن عمر یکے بعد دیگرے عامل رہے۔ نواح خیبر میں حضرت عمر کی ملک میں ایک قطعہ آراضی تھا جس کے لیے آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کے لیے سب سے بہتر امر خیر کی مجھے ہدایت فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "نفس جائیداد (آراضی) کو محفوظ کردو۔ کہ نہ تو یہ بیع اور ہبہ کی جائے اور نہ ورثہ میں دیجائے اور اس کی واصلات (آمدنی) بنی نوع انسان کی فلاح پر لگاؤ۔ اور اپنے بچوں۔ اقرباء۔ اور مساکین پر راہ خدا میں صرف کرو"۔ اس ارشاد گرامی کے اتباع میں حضرت عمر نے آراضی متذکرہ کو وقف کردیا۔ اور یہ وقف کئی صدیوں تک قائم رہا تا آنکہ آراضی بنجر ہوگئی۔ حسب مصنف فتح القدیر (جو مستند کتاب فقہ اہل سنت ہے) وقف کی ابتدا آنحضرت صلعم نے بہ نفس نفیس فرمائی۔ حضرت عمر سے متذکرہ ارشاد گرامی کے ماسوا آپ نے فرمایا کہ "تمام افعال انسانی ایک فرد کی زندگی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ بجز ان کارہائے خیر کے جو کہ دوامی نوعیت کے حامل ہوں" پس انہی مسلمات کے اتباع میں آنحضرت صلعم کی حیات مبارکہ اور آغاز اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بکثرت وقف ہوئے۔ مصنف مذکور نے ایسے ہی چند اوقاف کی نشان دہی کی ہے۔ ان میں سے کچھ تادم تصنیف قائم تھے۔ مثلاً نواح خیبر میں آنحضرت صلعم کا مملوکہ قطعہ راضی جو آپ نے مسافروں کی

آسائش کے لیے وقف فرمایا تھا۔ اور انہی میں اوقاف پر مشتمل آراضی الموسوم سماغ ہے جو حضرت عمر نے اپنے بچوں اقربا اور غرباء کے آرام کے لیے وقف کی تھی۔ مزید بر آں حضرت زبیر ابن عوام کا وقف اپنی لڑکی کے حق میں۔ حضرت ارقم کا اپنے لڑکے کے نام وقف۔ حضرت ابو بکر کا ان کے بچوں کے لیے وقف۔ حضرت ابن ابی وقاص کا ان کے بچوں کی پرورش کے لیے آراضیات واقع مدینہ و مصر کا وقف جو اب تک ہے۔ اور حضرت عثمان کا آراضیات الموسوم بُرما کا وقف جو تاحال قائم ہے۔ الحاصل اصول وقف مسلمانوں کی ہمہ جہت مذہبی زندگی اور سماجی حیثیت میں سموئے ہوئے ہیں۔

توقف کی قسمیں

بہ نظر سہولت شرع محمدی کے مطابق وقف کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی وقف عام۔ مماثل وقف عام۔ وقف خاص اور غالباً اسی سے فقہائے عرب کی اختیار کردہ ترتیب پر اس کی درستی ہوئی ہے جو اوقاف کو درج ذیل تین زمروں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) یکساں اوقاف۔ خوش حال اور ناداروں کے لیے

(۲) اوقاف اولاً۔ خوش حال طبقہ کے لیے بعدہ' ناداروں کے لیے

(۳) اوقاف محض۔ ناداروں کے لیے

امور فلاح عامہ سے متعلق اوقاف اگرچہ عوام الناس کے لیے مختص ہیں مگر وہ پہلی شق میں آتے ہیں۔ اور ان کا جداگانہ نام ہے۔ یہ مصالح عامہ کے اوقاف سے موسوم ہیں اور ایک نہج پر دوسرے اوقاف سے مختلف ہیں۔ مثلاً کسی فرد واحد نے ذاتی حیثیت سے پل تعمیر کرانے کے بعد اسے بلا کسی قید بطور شاہراہ عام وقف کر دیا تو یہ براہ راست سلطانی (حکمران وقت) یا اس کے نمایندہ قاضی کے اختیار و تصرف میں رہے گا در آں حالیکہ دوسرے اوقاف کی صورت میں چند اشخاص مستحق استفادہ کی تحریک پر ہی قاضی مداخلت کر سکتا ہے۔ پس یہی صورت مسجد جامع (مسجد عام) کی ہے۔ خواہ اسے فرماں روائے وقت نے تعمیر کیا ہو یا کسی فرد واحد نے حیثیت ذاتی سے۔ لیکن بطور خاص یہ قاضی کی نگرانی میں رہے گی۔ اوقاف مصالح عامہ کو میں وقف عامہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ لیکن ایسے کثیر اوقاف ہیں جن میں اوقاف مصالح عامہ نہ ہونے پر بھی ان کی کچھ صفت ملتی ہے۔ اسی

لیے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو مماثل اوقاف عامہ کے زمرے میں شامل کردوں۔ پس مماثل اوقاف عامہ سے مراد وہ اوقاف ہیں جن کی مقدم اور اصل غایت خیر و جزواً عام مقاصد خیر کی بہم رسانی اور جزواً ان خاص افراد یا طبقات افراد کی فائدہ رسانی ہے جو واقف کے خاندان سے ہوں۔

اوقاف خاص سے میری مراد وہ اوقاف ہیں جن کی غایت اصلی افراد خاص کے لیے فراہمی آذوقہ ہو اور اس زمرہ میں واقف کے افراد خاندان یا اقربا بھی آتے ہیں۔

تعریف وقف

وقف کے لغوی معنی ہے "مین نے باندھ دیا" یا روک دیا۔ اور یہ جانور مثل گھوڑے یا اونٹ کے باندھنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصطلاحاً یا حسب تحقیق عرب قانون کی زبان میں وقف سے مراد ہے کہ کسی جائیداد کو خیراتی یا مذہبی مقصد کے لیے مختص کر دیا جائے یا اسکی منفعت نوع انسانی کے لیے محفوظ کی جائے۔ مسلم فقہاء کے منفعت سادہ مگر بلیغ اسلوب میں جائیداد کو کسی بھی نیک مقصد کے لیے مخصوص کرنا بقول اہل تشیع واجب اللہ والاحسان اور بقول احناف واجب الخیر والیہ البر' وقف ہے۔ پر اواخر کی اصطلاحات میں تمام امور نیک اور مقاصد خیر شامل ہیں۔ فقہائے احناف کے نزدیک اپنے نفس کے لیے بسر اوقات کا انصرام بھی امر خیر ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے ایک شخص کے سبیل معاش کے فعل کو امر خیر فرمایا۔ پس کسی بھی شخص کا اپنے خاندان کے استفادہ کے لیے وقف کرنا مستحسن اور تمام فرقوں کے نزدیک قانوناً جائز ہے۔

محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ

صدر عدالت کے عاملان قانون نے مقدمہ محمد صادق علی بنام محمد علی وغیرہ کے فیصلہ میں لکھا ہے کہ امام ابویوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق جو اس مسئلہ پر بمنزلہ قانون ہے وقف کا منشا ہے کہ نفس جائیداد مثلاً آراضیات مکانات کے حق ملکیت سے دست بردار ہو کر انہیں مختص کر دیا جائے تاکہ بندگان خدا مستفید ہوں بشرطیکہ شئے موقوفہ پہ تصرف واقف ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کے فقہی معنی ہیں کہ کسی شئے مختص کو واقف یا

متصرف تحویل خود میں لے کر اس کا منافع (بطور عاریت یا آسان قرضہ) غریبوں میں خیرات یا دوسرے کارہائے خیر میں صرف کرے۔ چونکہ یہ وقف مطلق نہیں ہے اس لیے واقف اس کو منسوخ کر سکتا ہے اور بہ مرضی خود اسے تصرف میں لانے کے لیے آزاد ہے۔ امام ابو حنیفہ کی مزید رائے ہے کہ واقف کا حق ملکیت جج (قاضی) کی صادر ہونے کے ڈگری کے بعد ہی زائل ہوتا ہے۔ اور بقول ان کے ڈگری میں بالصراحت یہ درج ہونا چاہئے کہ واقف جائداد موقوفہ کو متولی یا نگراں کے سپرد کردے۔ اس پر اگر واقف عذر آور ہو کہ وہ اس وقف کا پابند نہیں ہے اور جائیداد اسے واپس کر دی جائے تب جج لزوم وقف کی ڈگری صادر کرے اور اس طرح وقف قطعی ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کی رائے

امام ابو حنیفہ کے اس دیرینہ اور ناقابل عمل نظریہ کو ان کے متبعین نے بمنزلہ قانون تسلیم نہیں کیا بلکہ فتح القدیر میں اس نظریہ سے اختلاف کیا گیا ہے اور آنحضرت صلعم کی احادیث سے بھی تردید ہوتی ہے۔

کلیہ ابو یوسف مسلمہ بمنزلہ قانون

امام ابو یوسف کے نزدیک وقف سے مراد کسی شے کو خداوند کی ملکیت میں ضمناً اس طرح محفوظ کرنا ہے کہ اس کے منافع سے نوع انسان مستفید ہو سکے اور یہ وقف مطلق ہو تاکہ شے موقوفہ نہ کسی کو بیع اور ہبہ ہو سکے اور نہ ورثہ میں مل سکے۔ امام ابو محمد جو امام ابو یوسف کے خواجہ تاش ہیں گو اس مسئلہ پر ان سے متفق ہیں مگر ان کے خیال میں جائیداد موقوفہ میں حق وارث اس وقت تک زائل نہیں ہوتا جب تک کے وہ کسی کو متولی یا نگراں مامور کر کے شے موقوفہ اس کے سپرد نہ کرے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کے محض اس اعلان سے کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا اس نے وقف کر دیا ہے وقف قطعی ہو جاتا ہے اور اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اورنگ زیب کے حکم سے جو مستند مجموعہ فتاویٰ (فتاویٰ عالمگیری) مدون ہوا اس سے ظاہر ہے کہ ابو یوسف کے اس اصول کی بنا پر یہاں وقف قطعی کی ڈگریاں صادر ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس امام محمد کے اصول کو محض علمائے بلخ نے اختیار کیا ورنہ سنی دنیا کے کسی حصہ میں بھی یہ رائج نہیں ہے۔

فصل دوم:۔ شرائط متعلق وقف

شرائط ضروری بابت وقف جائز

فتح القدیر کے مطابق تمام وہ شرائط جو جواز ہبہ کے لیے لازمی ہیں وہی جواز وقف کے لیے ضروری ہیں۔ یعنی واقف آزاد ہو، بالغ اور صحیح العقل ہو۔ مزید بر آں بقول مصنف یہ بھی لازمی ہے کہ نفاذ وقف کسی واقعہ کے وقوع یا عدم وقوع پر منحصر نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں روز میرا لڑکا گھر آجائے گا تو آراضی وقف متصور ہو گی تو اس شرط کی وجہ سے چاہے لڑکا یوم مقررہ پر آئے یا نہ آئے آراضی وقف متصور نہ ہو گی۔

عام قاعدہ کے مطابق وہ تمام اشخاص جو ہبہ جائز کے مجاز ہیں وہی جائز وقف کے بھی اہل ہیں۔ واقف (الف) آزاد ہو یعنی غلام نہ ہو (ب) صحیح العقل ہو۔ (ج) بالغ ہو باالفاظ دیگر اس کا سن بلوغ شرعی کو پہونچ گیا ہو جب کہ یہ قیاس ہو سکے کہ اسے قول خود کے ادراک کی کافی عقل یا فہم ہے۔

اہلیت واقف

تمام فرقے واقف کی اہلیت شرعیہ پر متفق ہیں۔ شرائع کے مطابق واقف بالغ اور صحیح العقل ہو اور بلا کسی مزاحمت جائیداد کو استعمال یا تصرف میں لا سکتا ہو۔ علی ہذا القیاس فتاویٰ عالمگیری کے مطابق بھی علاوہ شرائط مصرحہ بالا واقف کا بالغ اور صحیح العقل ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک نابالغ یا مسلوب الحواس کا کیا ہوا وقف ناجائز ہے۔ ردالمختار کی رو سے اگر کوئی ضعیف العقل شخص اصلاً اپنے استفادہ اور باقی دوسروں کے مفاد کے لیے وقف کرے تب ایسی صورت میں اپنی ذات کے لیے وقف جائز ہے۔ دیگر وقف جج (قاضی) کی منظوری سے جائز ہو گا۔

نواب اصغر علی بنام دلروز بانو بیگم

کوئی بھی صحیح العقل اور بالغ شخص وقف کر سکتا ہے۔ مگر وہی شرائط مثلاً دباؤ ناجائز (اکراہ) فریب یا ضعف عقل جن سے یہ فسخ ہوتا ہے انہی سے وقف بھی منسوخ ہو

سکتا ہے۔ بمقدمہ نواب اصغر علی بنام دلروز بیگم اپیلانٹ دلروز بیگم نے ۱۸۶۰ء میں جائیداد خود بذریعہ وقف نامہ چند مقاصد خیر کے لیے وقف کی۔ بر آں طرفشانی نے خلاف مدعا علیہا بر بناء فعل ناجائز انتظام وقف سے علیحدگی کا دعویٰ دائر کیا۔ چنانچہ مقدمہ مذکورہ میں فیصلہ مصدرہ عدالت عالیہ اسی طرح ہے۔

عدالت ماتحت کی تجویز ہے کہ اب مدعا علیہا عذر آور نہیں ہو سکتی کہ اس نے منشا الفاظ مندرجہ وقف نامہ یا کاروائی سلسلہ تکمیل وقف نامہ کو غلط سمجھا ہے۔ عام حالات میں اگرچہ یہ قیاس بلا شبہ صحیح ہے کہ ہر شخص اپنے بالارادہ فعل کے نتیجہ سے واقف ہوتا ہے مگر مقدمہ ہذا میں بات کسی قدر مختلف ہے۔ مدعا علیہا ایک پردہ نشین مسلمان خاتون ہے اور مثل اپنی صنف کی کثیر التعداد عورتوں کے جاہل ہے۔ شہادت میں مدعا علیہا نے بحلف بیان کیا ہے کہ وہ محررہ دستاویز کے معنی نہیں سمجھی۔ اپنی اس خواہش کو بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ والدہ خود کی یادگار قائم رکھنے کی غرض سے جائیداد کو چند مراسم کی دوامی ادائیگی کے لیے محفوظ کرنا چاہتی تھی۔ پس اپنے ملازم فقیر علی خاں کے اس مشورہ پر کہ ورثا شرعی کے ذریعہ متذکرہ خواہش کی تکمیل کر سکے گی اس نے دستاویز پر دستخط ثبت کر دی بیان حلفی میں مزید کہا ہے کہ تولیت نامہ اُسے بزبان فارسی پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ جو وہ نہیں جانتی اور نہ اس کا منشاء حقوق ملکیت سے دست بردار ہونے کا تھا۔ تردید میں کوئی شہادت پیش نہیں ہوئی۔ صرف عبدالعزیز گواہ مدعا علیہا کا بیان تولیت نامہ کی بابت ہوا ہے۔ مگر اس نے یہ ثابت نہیں کیا کہ مساۃ مذکور کو دستاویز ہندستانی زبان میں جو وہ سمجھتی تھی پڑھ کر سنائی گئی یا اس کا مفہوم ہی بتادیا تھا۔ شروع سے ہی مساۃ مذکور کے افعال سے ظاہر ہے کہ تولیت نامہ کی وجہ سے اس نے خود کو حقوق مالکانہ سے محروم نہیں سمجھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد تحریر دستاویز وہ جائیداد کو اسی طرح استعمال کرتی رہی گویا اب بھی وہ اسی کی ہے۔ مثلاً خرید و فروخت کرنا قرض لینا آراضی کے حسب ضابطہ پٹے جاری کرنا۔ غرض کہ تمام حقوق مالکانہ کا استعمال نیز کاروائی سلسلہ انتقال آراضیات کی تکمیل اس سب کا حتی الامکان علانیہ اظہار وہ بصورت رجسٹری دستاویزات کرتی رہی۔ ظاہر ہے کہ کلکٹر چوبیس پرگنہ نے بعد مدت مدید تحریر تولیت نامہ دلروس بیگم کو ۱۸۷۱ء میں مالک جائیداد قرار دیتے ہوئے پٹے دئے۔ اس سے بھی مزید تائید ہوتی ہے کہ یہ

منشاء ریگولیشن۔ ۱۹۱۰ء ۱۱ یہ جائیداد کبھی وقف عام قرار نہیں دی گئی نیز یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے کہ اگر دلروس بیگم وقف جائیداد کے مضمرات سے باخبر ہوتی تو ایک طرف آسامیوں سے وصول شدہ مکان کی رسیدوں پر خود کو متولیہ اور جائیداد کو وقف تحریر کرتی۔ اور بایں ہمہ جائیداد کو اپنے حسب منشاء اس طرح تصرف میں لاتی گویا کبھی اس نے وقف ہی نہیں کیا تھا۔ مجھے از ابتدا تا انتہا اس کے افعال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جائیداد کی نسبت ایسے نظام کی فکر میں تھی کہ حقوق ورثا توزائل ہو جائیں مگر وہ جائیداد کو مقاصد خاص کے لیے محفوظ رکھ سکے در آں حالیکہ ہمیشہ اس نے سمجھا کہ وہ جائیداد کو تاقیامت حسب منشا خود تصرف میں لاسکتی ہے۔

بالغ و عاقل کا وقف

جب کوئی بالغ و عاقل شخص حسب ضابطہ بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ وقف کرے اور اس قیاس کی کوئی وجہ نہ ہو کہ واقف پر بناد باؤ ناجائز یا فریب کیا گیا تھا تو یہ منسوخ نہ ہوگا۔ اسی طرح کوئی واقف یہ بھی عذر نہیں کر سکتا کہ وہ لفظ ''وقف'' کے معنی نہیں سمجھا یا کہ اس کا منشاء وقف نہیں تھا۔ مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈووکیٹ جنرل سے ظاہر ہے کہ مدعیہ ایک مسلمان سنی المشرب خاتون نے ۱۶ نومبر ۱۸۶۶ کو بذریعہ دستاویز وقف نامہ حسب مقاصد مصرحہ جائیداد خود کو اولاً نفس خود ثانیاً بچوں اور دیگر اولاد آخرالامر غرباء کے لیے وقف کیا۔ لیکن ۱۸۸۱ میں جب اس نے وقف مذکورہ کو منسوخ کرنا چاہا تو میں جسٹس وسپٹ (جج) نے بحوالہ دفعہ ۲۰۷ ضابطہ دیوانی لکھا۔

''وقف جائیداد موقوفہ لازم ہے کہ قطعی اور غیر مشروط ہو۔ کسی کی مرضی پر منحصر نہ ہو۔ بلکہ ایک ایسے لازائل اور دوامی مقصد کے لیے ہو جس کی اقوال معتبرہ میں تصریح ہو۔ چونکہ دستاویز متنازعہ (وقف نامہ) میں اس طرح کا کوئی اندراج نہیں ہے اس لئے متنازعہ جائیداد وقف نہیں ہے۔ مگر صورت حال اس وقت برعکس ہوتی جب کہ مدعیہ بروئے وقف نامہ اصل جائیداد کو فروخت کرنے اور منافعہ کو تصرف میں لانے کی مجاز ہوتی۔ یہ مقدمہ دلروس بیگم بنام نواب سید اصغر علی بہ ایں وقف باطل قرار دیا گیا کہ واقفہ گو متمول خاندان سے مگر ناخواندہ خاتون تھی اور بوقت وقف امام بازہ یہ نہیں سمجھتی

تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے امام باڑہ اسی کے مکان میں تھا۔ شریک متولی کے انتقال پر اس نے خود کو ہی معاون متولی کر لیا تھا۔ ایسے بھی اس کو حسب منشاء ایکٹ ۴۴، ۱۸۶۳ء عام مقاصد مذہبی کے لیے وقف نہیں سمجھا گیا۔ غرض کہ ہر امر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جائیداد فی الواقع کبھی وقف نہیں ہوئی۔ جج مصدر فیصلہ عدالت نے لکھا ہے کہ خاتون مدعا علیہا نے اگر واقعتاً اور عمداً وقف نامہ تحریر کیا ہوتا تو دلروس بیگم سے اسکی تائید ہوتی جسے منسوخ نہیں کر سکتی تھی۔ مقدمہ ہذا میں واقفہ جائیداد پر حق ملکیت سے قطعی دست بردار ہو چکی ہے۔ اب کہا گیا ہے کہ مدعیہ کی جانب سے کوتاہی ہوئی جو ایک طرح ٹھیک بھی ہے۔ اس لئے کہ جو وقف ایک چودہ سالہ لڑکی نے کیا ہو بلا تحقیقات قائم نہیں رہ سکتا۔ مگر یہاں صورت یہ ہے کہ شوہر مدعیہ نے کبھی اس وقف کے بارہ میں اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ اپنے فعل ابتدائی (وقف) کی مدعیہ نے یوں بھی توثیق کر دی ہے کہ وہ مسلسل پندرہ سال سے جائیداد موقوفہ کا منافع متولیوں سے قبول کر رہی ہے۔ پس اب وقف کو باطل قرار دینے کے لیے جائز طور پر وہ یہ عذر نہیں کر سکتی کہ اس (وقف) میں نقص ضابطہ رہ گیا تھا کہ وقف فی الواقع رضامندی سے نہیں کیا گیا تھا"۔

بناء وقف کے لیے اسلام ضروری نہیں

وقف جائز کے لیے واقف کا مسلمان ہونا لازمی نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص خواہ کسی مذہب کا ہو وہ وقف کر سکتا ہے بشرطیکہ غایت وقف حسب مذہب واقف شرعاً جائز ہو۔ چونکہ اساس وقف کا لازمی عنصر خوشنودی الٰہی ہے اس لئے اگر حسب عقیدہ واقف غایت وقف خلاف شرع یا گناہ ہے تو ایسا وقف باطل ہوگا۔ کوئی بھی مسلمان کسی صورت غیر مسلموں کی عبادت گاہ یا کسی ایسے مقصد کے لیے جو خلاف شرع اور گناہ ہو وقف نہیں کر سکتا۔ نہ کسی غیر مسلم کا مسلم عبادت گاہ کے لیے وقف جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن انتقال واقف کے بعد ان میں سے کسی بھی صورت میں برضامندی ورثا وقف نافذ ہو سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس کلیہ کو صاف صاف بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی آدمی مکان خود مسجد مسلمانوں کے مروجہ طرز ساخت کے مطابق تعمیر کرائے اور انہیں بعد اجازت عبادت فوت ہو جائے تو جائیداد مذکور لائق ارث ہوگی۔ اسلوب

عبارت گو مبہم ہے لیکن فتح القدیر میں اصول متذکرہ بالتصریح درج ہے۔ کوئی بھی شخص بلا رضامندی ورثاء خود جن کا استحصال حقوق ہوتا ہے اپنی جائیداد موروثی کو ان مقاصد کے لیے جواس کے نزدیک گناہ ہوں مجاز ۔تنہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم واقف کا مقصد شرعاً جائز ہے اور گناہ نہیں ہے تو حسب اجماع ایسا وقف درست ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی کسی عمارت کو حسب مذہب اسلام عبادت خداوندی کے لیے جہاں اس کی رہائش میں مزاحمت نہ ہو وقف کرے تو یہ جائز ہے۔ بعینہ کسی مسلمان کا خدائے واحد کی عبادت کے لیے وقف کرنا میرے نزدیک فتح القدیر کے مصرحہ اصول کے مطابق ہے۔

بحر الرائق کے مطابق ایک مسلمان کا کسی غریب غیر مسلم اور معذور کیلئے وقف کرنا جائز ہے۔ اسی طرح غیر مسلم بچوں کی تعلیم کے لیے وہ مدرسہ بھی وقف کر سکتا ہے علی ہذا القیاس اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

اوقاف جو مرتد اسلام نے کیئے ہوں

ایسے وقف کے جواز کی بابت جو کسی مرتد اسلام نے کیا ہو اختلاف رائے ہے فقیہہ ابن صحنا کی رائے میں وہ تمام اوقاف جو کسی مرتد نے ناداروں یا مقاصد امور خیر کے لیے کیئے ہوں قابل نفاذ ہیں۔ لیکن ایسے اوقاف جو مفاد ورثا کے مخالف ہوں باطل ہیں۔ دیگر فقہا کے نزدیک تمام اوقاف بعد از ارتداد ناجائز ہیں۔ بلکہ انتقال واقف پر ایسی جائیداد (اوقاف) ورثہ متصور ہوگی جس کے ورثا مستحق ہوں گے۔

بایں ہمہ اگر واقف انتقال سے قبل مکرر مشرف بہ اسلام ہو جائے تو وقف نافذ ہوگا۔ ایک مرتد کا بعد از ارتداد کیا ہوا وقف جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت بعد وقف مرتد ہو جائے تو ایسا وقف باطل نہ ہوگا۔

فصل سوم:۔ شئے موقوفہ

شئے موقوفہ واقف کی ہونا ضروری ہے

شئے موقوفہ بوقت وقف واقف کی جائز جائیداد ہونا چاہیئے۔ یعنی بوقت وقف

اس کے اختیار و تصرف میں ہونا لازمی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی ایسی جائیدا کو وقف کرے جو اس نے ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہو وہ ناجائز قرار دی جائے گی خواہ وہ بعد میں اس کے واقعی مالک سے خرید ے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی مملوکہ زمین کو بعض اغراض خیر کے لیے وقف کرے اور بعد ازاں اس کا مالک ہو جائے تو بھی وقف جائز نہیں ہے لیکن اگر اس کا مالک اس وقف کو منظور کرے تو وہ وقف جائز ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی ایسی جائیداد کو وقف کرے جو اس کی اپنی مملوکہ نہ ہو اور اس کے بعد اصل مالک اسکی توثیق کرے تو یہ وقف جائز ہے۔ جب کوئی شخص کسی جائیداد کی دوسرے کے حق میں وصیت کرے اور موصی لہٗ وصیت کی تفویض سے پہلے نیز موصی (وصیت متذکرہ) کے انتقال سے پہلے اس جائیداد کو وقف کرے تو ناجائز ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص کوئی جائیداد خرید ے اور بائع کو یہ اختیار ہو کہ وہ بیع کو منسوخ کر دے یا اس کو وقف کر دے۔ اور بائع اس بیع کی تصدیق بھی کر دے۔ تاہم مذکورہ طریقہ کے مطابق یہ وقف جائز نہ ہوگا۔ یا اگر کسی قطعہ آراضی کو موہوب لہٗ قبضہ پانے سے قبل وقف کر دے اور اس کے بعد قبضہ پائے تو فتح القدیر کے مطابق یہ وقف جائز نہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص کسی ایسی جائیداد کا وقف کرے جسے گو کہ اُسے اپنے تصرف میں لاتا ہے مگر فی الوقت اس پر مکمل حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہیں تو وقف جائز نہیں ہے۔ تاہم اس کلیہ کے بعض مستثنیات ہیں۔

ایسی جائیداد کا وقف جس میں واقف کو مکمل حق مالکانہ نہیں

اگر کوئی زمین ہبہ کے طور قبضہ میں آئے اور واہب نے ناجائز طور پر اسے ہبہ کیا ہو پھر زمین وقف کر دی جائے تو بحر الرائق کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا اور موہوب لہٗ اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی مکان جو ناجائز طور پر بیع کیا گیا ہو اور قبضہ حاصل کرنے کے بعد مساکین کے لیے وقف کر دیا جائے تو فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ وقف جائز اور موثر ہوگا اور اس کی قیمت کی ذمہ داری بائع پر ہوگی۔ لیکن اگر قبضہ سے پہلے وقف کیا گیا ہو تو محیط کے مطابق یہ وقف ناجائز ہوگا۔ جب کوئی شخص بیع جائز سے کوئی زمین خرید ے اور قبل قبضہ وادائیگی قیمت اسے وقف کر دے تو وقف اس وقت تک معلق رہے گا جب تک کہ اس کی قیمت ادا کر کے قبضہ حاصل نہ کر لیا جائے تب ہی یہ

وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص کوئی بھی جائیداد چھوڑے بغیر مر گیا تو فقہ ابواللیث کے مطابق وہ آراضی فروخت کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہو جائے گا۔ اگر وقف کرنے کے بعد حق شفع کا دعویٰ کیا گیا یا اپنا استحقاق قائم کیا گیا۔ اگرچہ مشتری نے وقف کی تکمیل بھی کر دی تو نہر الفائق کے مطابق وقف منسوخ ہوگا۔

ایسی آراضی کا وقف جو تابع اجارہ یا رہن ہو جائز ہے

یہ ضروری نہیں کہ جائیداد موقوفہ وقف کرنے کے وقت مکمل طور پر واقف کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ دیگر جائیداد بھی جو واقف بعد میں حاصل کرے اسی وقف میں شامل کر سکتا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جائیداد موقوفہ دیگر فریقوں کے حقوق و مطالبات سے کلیتًا بری ہو۔ کیونکہ وہ جائیداد جو اجارہ پر دی گئی ہو یا رہن یا مکفول ہو جائز طور پر وقف کی جا سکتی ہے۔

دوسروں کے مطالبات سے بریت شرط نہیں

بقول فتاویٰ عالمگیری یہ کوئی لازمی شرط نہیں ہے کہ شئے موقوفہ دوسروں کے مطالبات (حقوق الغیر) سے بری ہو جیسا کہ کفالت یا ضمانت میں ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی زمین اجارہ پر دے اور قبل از انقضائے مدت مقررہ اس کو وقف کر دے تو اس کی شرائط کے مطابق وقف قابل پابندی ہوگا اور معاہدہ اجارہ باطل نہ ہوگا۔ لیکن انقضائے مدت کے بعد آراضی ان ہی اغراض کی جانب عود کر آئے گی جن کے لیے کہ وقف کی گئی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی آراضی کو رہن کرے اور قبل از انفکاک وقف کردے تو یہ وقف جائز ہوگا مگر آراضی رہن سے واگزاشت متصور نہیں ہوگی۔ خواہ مرتہن کے قبضہ میں کتنے ہی سال رہے اور جب بھی چھڑائی جائے گی انہی اغراض کی طرف عود کر آئے گی جن کے لیے وقف کی گئی تھی۔ راہن کے قبل از انفکاک انتقال ہو جانے کی صورت میں بشرطیکہ وہ آراضی کی واگزاشت کے لیے کافی جائیداد چھوڑ جائے اس کے واگزاشت کرتے ہی وقف نافذ ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس غرض سے کافی جائیداد نہ چھوڑے تو وہی آراضی فروخت کی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔ البتہ اجارہ کی صورت میں چونکہ اجارہ دار یا اجیر (پٹہ دہندہ پٹہ دار) دونوں میں سے کسی ایک کے فوت ہونے سے

اجارہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے وقف فوراً نافذ ہوگا۔ فتح القدیر میں یہی درج ہے۔

جب قرضہ رہن کی ادیگی کی غرض سے کوئی آراضی فروخت کی جائے تو وقف کلیتاً منسوخ نہیں ہوتا بلکہ قیمت بیع میں سے بعد ادائیگی رقم قرضہ بچی ہوئی رقم پر وقف بر قرار رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں درالمختار کی عبارت اس طرح ہے۔ ایک دیوالیہ راہن کا کیا ہوا وقف باطل ہے اور ایسے شخص کا بھی جس کے ذمہ قرضہ اس کے اثاثہ کی مالیت سے زیادہ ہو۔ اس زمانہ میں وہ مرض الموت میں مبتلا ہو صورت حال اس کے برعکس ہے۔ جب کوئی شخص (مقروض) بحالت صحت عدالت کے حکم امتناعی کے نفاذ سے قبل وقف کرے اور اگر وہ یہ شرط رکھے کہ اسکی ذمگی رقومات قرضہ آمدنی وقف سے بے باق کی جائیں گی تو یہ وقف جائز ہوگا۔ لیکن اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے تب بھی اس کے قرضے وقف کی باقی ماندہ آمدنی میں سے جو کہ جائز مصارف کی ادائیگی کے بعد بچے ادا کئے جائیں گے۔ اگر واقف نے اپنے سوا کسی دوسرے کے حق میں وقف کیا تو وہ آمدنی خاص طور پر اس شخص کی رہے گی۔ فتاوی ابن نجیم میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر معروضات (فتاویٰ مفتی ابو سعود) میں ہے کہ ان سے ایک مسئلہ ایسے وقف کے جواز کے بارہ میں دریافت کیا گیا جو کسی شخص نے اپنے ذمگی قرض سے بچنے کے لیے کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا وقف ناجائز ہے اور غیر موثر ہے۔ نیز قاضیوں کو ایسے وقف تسلیم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

یہی اصول قریب قریب یکساں شرائط کے ساتھ بحر الرائق میں بتایا گیا ہے۔ اور طحطاوی کے مطابق اس موضوع پر مکمل اتفاق رائے ہے۔ اور یہی توضیح شدہ اصول بہ مقدمہ شہزادی حضورا (ہاجرہ) بیگم بنام خواجہ حسین علی خان نافذ کیا گیا تھا کہ بوقت وقف کسی شئے کے رہن ہونے سے وقف شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ اجارہ دار یا اجیر (پٹہ دہندہ یا پٹہ دار) کی موت پر فقہ حنفی کے مطابق انقطاع اجارہ (پٹہ) ایک قدرتی امر اور طے شدہ اصول ہے۔ کوئی بھی اجارہ پٹہ دہندہ یا پٹہ دار کے عرصہ حیات کے بعد قائم نہیں رہتا۔ ہندوستان میں چونکہ پٹہ کی نوعیت دوامی ہوتی ہے اس لیے فقہ حنفی کا یہ اصول یہاں منطبق نہیں ہوتا لہذا جب کوئی قطعہ آراضی جو پہلے سے دوامی پٹہ پر ہو وقف کیا جائے تو

وقف فوراً نافذ ہوگا اور رقم اجارہ اغراض وقف کے لیے پٹہ دار کے حقوق موروثی میں دست اندازی لیے بغیر محفوظ رہے گی۔

ایسی جائیداد کا وقف جو اجارہ پر ہے

ایسی آراضیات جو کسی وقت مقررہ کے لیے اجارہ پر ہوں ان کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں دوران مدت اجارہ پٹہ دار کے حقوق قبضہ میں مداخلت کئے بغیر وقف التوا میں رہے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایسا قطعہ آراضی وقف کرے جو اس نے پہلے سے ہی تعمیر مسجد کی غرض سے دوسرے شخص کو اجارہ پر دے رکھا ہو۔ یا کسی دوسرے مقصد کے لیے دیا ہو جس سے کرایہ دار یا پٹہ دار کے قبضہ میں مداخلت ہوتی ہو تو اس مقصد کی تکمیل اس وقت تک ملتوی رہے گی جب تک کہ پٹہ دار قبضہ نہ دیدے۔ مگر جب اس مقصد کا منشا یہ نہ ہو بالفاظ دیگر جب کہ جائیداد وقف کر دی گئی ہو مگر اس سے حاصل ہونے والے صرف منافع اور کرائے اغراض وقف کے لیے ہوں تو ایسی صورت میں کوئی التوا نہیں ہوگا اور وقف فوراً نافذ ہوگا۔

ایسے شخص کا وقف جس کے خلاف حکم امتناعی جاری ہو چکا ہو

ایسے شخص کی جانب سے جس کے خلاف جج نے حکم امتناعی جاری کر دیا ہو وقف جائز نہیں ہے۔ امتناع کی کاروائی دیوالیہ کی کاروائی کی طرح ہے۔ قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ کسی شخص کے قرض خواہاں یا رشتہ داروں کی تحریک پر اصراف بیجا، سفاہت یا قرض سے لاپرواہی اور اندھادھند قرضہ کی صورت میں اس کے خلاف حکم امتناعی جاری کردے اور اس کو مزید قرضوں کے معاہدہ کرنے یا ایسا ہی کوئی معاملہ کرنے کے نااہل قرار دیدے یا اس کی جائیداد کاروبار یا تجارت کے لیے کوئی نگراں مقرر کردے ۔ جب کسی شخص کے خلاف ایسا حکم امتناعی جاری کر دیا جائے تو وہ مہجور کہلاتا ہے اور کسی مہجور کا کیا ہوا وقف ناجائز ہے۔ جب تک کسی شخص کو قاضی مہجور قرار نہ دے وہ شخص تب تک اپنی جائیداد کے متعلق ہر قسم کا معاملہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

کسی جائیداد کو اس کے مالک کے وقف کرنے کے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام حقوق اس جائیداد سے قطعاً ساقط ہو جاتے ہیں۔ فعل وقف جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے

ناقابل تنسیخ ہے' اس سے جائیداد مخلوق خدا کی فلاح و بہبود کے لیے ملکیت خداوندی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لہذا تب ہی سے واقف کو اس جائیداد کے بارہ میں اپنی مرضی کے مطابق معاملہ کرنے یا اس پر کوئی بار کفالت عائد کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ المختصر وقف کرنے سے وہ جائیداد اس کی نہیں رہتی کہ وہ اس کے بارہ میں کوئی معاملہ کر سکے۔ اگر واقف خود کو متولی ہی مقرر کرے تو بھی اس کا کوئی معاملہ جو مفادات وقف کے خلاف ہو فعل ناجائز ہے اور اس چیز کا ثبوت ملنے پر قاضی یا جج اس کو بر طرف کرنے کا پابند ہوگا۔ بلکہ وہ تو جج کی اجازت کے بغیر قرضہ بھی نہیں لے سکتا ہے۔ لہذا ایسی ادائیگیاں جو واقف نے وقف کے بعد کی ہوں وقف پر اثر انداز نہیں ہوں گی۔ اور قرض خواہوں کو کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ جواز وقف پر اعتراض کریں۔ اگر چہ مابعد وقف واقف کے کسی فعل سے جواز وقف کے کسی فعل سے متاثر نہیں ہوتا لیکن اگر وقف کرنے سے پہلے اس جائیداد مذکور سے کوئی حق منسلک ہو چکا ہو تو فعل وقف سے وہ حق زائل نہ ہوگا۔ اگر جائیداد پہلے سے ہی رہن ہو چکی ہے اور راہن کے پاس ایسا کوئی اثاثہ نہ ہو جس سے کہ ادائیگی کر سکے تو وہ جائیداد متنازعہ فیہ بیچ کر دی جائے گی اور زر ثمن ادئیگی قرضہ کے لیے استعمال ہوگا۔ ایسی جائیداد کے وقف کے بارہ میں جو بالرہن یا بالکفالہ ہو اصول پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ لیکن ایسے قرض خواہاں جن کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے جائیداد مکفول یا زیر بار نہ ہو تو ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس شخص کے وقف جواز کے سلسلہ میں کوئی تنازعہ پیدا کریں اور اس شخص کے لیے جو تندرست ہے اور مالی دشواریوں سے دوچار نہیں ہے فریب کے نتائج پیدا کریں۔

ایسے شخص کا وقف جو انتہائی مقروض ہو کر فوت ہو

اگر کوئی شخص وقت مرگ یا مرض الموت میں مبتلا اپنی جائیداد وقف کرے اور ایسی کوئی جائیداد نہ چھوڑے جس سے کہ اس کا قرض ادا ہو سکے' بالفاظ دیگر حالت افلاس میں جس کا انتقال ہو تو قاضی مجاز ہے کہ متوفی کے قرضوں کے لیے اس کی جائیداد سے ادائیگی کا حکم صادر کرے۔ ایسے قرض خواہوں کے بارہ میں جن کے قرضوں کی کفالت کے لیے واقف نے بحالت صحت انتہائی مقروض ہونے کی شکل میں بھی جائیداد موقوفہ کا کوئی حصہ رہن نہ کیا ہو، اسناد میں کچھ اختلاف ہے۔ فتاویٰ قاضی خان، فتح القدیر، ذخیرہ، انفع الوسائل، سترہ الفتاویٰ اور دیگر اسناد کے مطابق قرض خواہوں کو مقروض کی جائیداد

میں کوئی حق نہیں ہے اور ایسے شخص کو جس کا دوسرے کے خلاف محض زر نقد کا دعویٰ ہو اور پہلے سے اس سلسلہ میں مقروض کی جائیداد کو مکفول کرنے کی کوئی تجویز نہ ہو تو اسے کوئی حق نہیں کہ اس مقروض کے وقف میں کوی تنازعہ پیدا کرے۔ فتح القدیر میں یہی عبارت درج ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں آیا ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا کوئی شخص ہو اور اس کے قرضے اس کے اثاثے سے زیادہ ہوں تو وقف منسوخ کر کے جائیداد بیع کر دی جائے گی۔ یہ صورت ایسے وقف سے بالکل مختلف ہے جو کسی شخص نے بہ حالت صحت و تندرستی کیا ہو حالانکہ وہ بھی قرض میں اسی طرح مستغرق ہو تاہم ایسی صورت میں وقف جائز ہے اور اگر قاضی نے اس شخص کو پہلے ہی سے مہجور قرار نہیں دے رکھا ہے تو قرض خواہان اس وقف کے سلسلہ میں تنسیخ کا کوئی سوال نہیں اٹھا سکتے۔ ایسا وقف متفق علیہ طور پر جائز ہے۔ اس لئے کہ قرض خواہاں اپنے قرض کی بابت مقروض کی جائیداد کے سلسلہ میں اس کی بحالت صحت کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ستر ہ الفتاویٰ کی عبارت اسی طرح ہے۔

ایسے شخص کا وقف جو بہت مقروض ہو

دار العزیز کے تیسرے باب میں آیا ہے کہ اگر کوئی مرض الموت میں مبتلا شخص اپنے مکان کو وقف کرے اور یہ معلوم ہو کہ اس کا قرضہ اس کے اثاثہ سے زیادہ ہے تو وہ مکان بیع کر دیا جائے گا اور وقف ختم ہو جائے گا۔ اور یہی خزانۃ المفتین کے باب وقف میں درج ہے۔ ذخیرہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بہت مقروض ہو اور اس کے پاس ایک لاکھ کی درہم کی مالیت کا قطعہ آراضی ہو جسے وہ اپنے قرض خواہان کو پریشان کرنے کی غرض سے وقف کرے اس کی آمدنی اپنی ذات کے لیے مخصوص کرے اور گواہوں کی شہادت سے یہ بھی ثابت ہو کہ وہ دیوالیہ ہے تو حسب احکام شرع وہ وقف جائز ہوگا۔ جواز وقف محض اس امر پر مبنی ہے کہ واقف کا جائیداد پر اپنا حق ہو بالفاظ دیگر اگر جائیداد مکفول نہ ہو تو قرض خواہوں کو کوئی حق نہیں کہ اس کے بارہ میں کوئی عذر کریں۔ واقف کے گذارہ کے بعد جو آمدنی بچ جائے اسے قرض خواہان لے سکتے ہیں کیونکہ اب محض آمدنی واقف ہی ان کے مقروض کی ملک ہے۔ انفع الوسائل کے باب

وقف میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا مریض اتنا مقروض ہو کہ اس کے ذمگی قرضے اسکے اثاثہ سے زیادہ ہوں اور وہ اپنے مکان کو وقف کردے تو وہ وقف منسوخ ہو کر مکان بیع کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مقروض بحالت صحت وقف کرے اور اس پر بھی اس کے اثاثہ سے زیادہ قرضہ ہو تو ایسی صورت میں وقف برقرار رہے گا بشرطیکہ قاضی کے حکم امتناعی صادر کرنے سے پہلے اس نے وقف کر دیا ہو۔ اور قرض خواہوں کو متفق علیہ طور پر اس کے منسوخ کرانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ مقروض نے وہ وقف بحالت صحت کیا ہے۔ فتح القدیر میں اسکی وضاحت ہے اور کتاب سے بحوالہ ذخیرہ اس کی تائید ہوتی ہے۔ مفتی ابو سعید کی معروضات کے مطابق اگر کوئی شخص قرضہ میں اس حد تک مبتلا ہونے کے باوجود کہ وہ دیوالیہ ہو چکا ہو اور اپنے قرض خواہوں کے محروم کرنے کی غرض سے جائیداد کو وقف کرے تو قاضی ایسے وقف کو تسلیم نہ کرنے کا مجاز ہے۔ بلکہ وہ اس شخص کو جائیداد فروخت کرنے اور اس کی آمدنی سے حتی الامکان قرضے ادا کرنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔

مقروض کی جانب سے وقف

ردالمختار کے مصنف درالمختار کے اس قول پر ایک دیوالیہ راہن کا کیا ہوا وقف باطل ہے۔ تنقید کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ "یہ غلط ہے" ایسا وقف باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ احناف اور دیگر تصانیف میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو رہن کرنے اور مرتہن کو تفویض کرنے کے بعد بھی وقف کرے تو وقف جائز ہے اور اگر اس کے پاس دیگر ذرائع آمدنی ہوں تو ان قرضوں سے ادائیگی کے لیے قاضی اسے مجبور کرے گا۔ لیکن اگر دوسرے ذرائع آمدنی نہ ہوں تو قاضی وقف کو منسوخ قرار دے گا اور جائیداد بغرض ادائیگی قرضہ بیع کر دی جائے گی۔ اسی طرح بصورت انتقال اگر راہن نے ادائیگی قرضہ کے لیے دیگر اثاثہ چھوڑا ہے تو وقف قائم رہے گا۔ ورنہ جائیدا موقوفہ بیع کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی اس میں یہی تصریح ملتی ہے۔ اگر کوئی مرض الموت میں وقف کرے اور اسی حالت میں مرجائے اور اس کے ذمگی قرض اثاثے سے زیادہ ہوں تو ایسی صورت میں جائیداد بیع کر دی جائے گی اور وقف منسوخ ہوگا۔

یہ صورت اس سے مختلف ہے کہ جب کسی شخص نے بحالت صحت حکم امتناعی کے جاری ہونے سے پہلے وقف کیا ہو ایسے شخص کا وقف جائز ہے خواہ اس نے یہ وقف اپنے قرض خواہوں کی ادائیگی میں تاخیر پیدا کرنے کی غرض سے ہی کیوں نہ کیا ہو کیونکہ اس نے خود اپنی جائیداد کا معاملہ کیا ہے۔ یہی انفع الوسائل میں بحوالہ ذخیرہ تصریح کی گئی ہے۔

فتح القدیر میں درج ہے کہ ایسا وقف جو حکم امتناعی سے پہلے کیا گیا ہو جائز ہے۔ اور بالاتفاق قرض خواہوں کو اس کو منسوخ کرانے کا اپنے مقروض کی زندگی کے دوران کوئی حق نہیں ہے تاوقتیکہ انہیں مکفول نہ کر دی جائے۔

خیریہ میں اسی بنیاد پر فتوے دیئے گئے ہیں اور ابن النجیم نے انہی کے مطابق احکام صادر کئے ہیں مگر میں معروضات کے حوالہ سے بتاؤں گا کہ اس میں اختلاف ہے۔

اگر واقف نے اپنی ذات پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہو کہ اس کی آمدنی سے اس کے ذمگی قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی تو وقف اس شرط کے ساتھ جائز ہے۔ اس کے مطابق ابن نجیم نے فیصلہ کیا ہے۔ بقول مصنف درالمختار اگر دوسرے شخص کے حق میں بھی اسی طرح کی شرط کے ساتھ ساتھ وقف کیا جائے تو وقف اور شرط دونوں جائز ہیں در آں حالیکہ وقف کی جانب سے ایسی کوئی شرط نہ ہو۔ لیکن اگر وقف اس کے حق میں ہو تو اس کے مصارف ضروریہ کے بعد بچی ہوئی رقم سے اس کے قرضوں کے ادائیگی ہوگی۔ لیکن اگر وقف کسی دوسرے کے حق میں ہو تو کل آمدنی اسے دیدی جائے گی۔ فتاویٰ ابن النجیم میں اس کی صراحت ہے۔ مفتی ابو سعود کی معروضات میں اس طرح آیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قرض خواہوں کی ادائیگی سے بچنے کے لیے اپنی اولاد پر وقف کر دے اور اس کے پاس دیگر جائیداد نہ ہو کہ جس سے قرضوں کی ادائیگی ہو سکے تو کیا وقف جائز ہے تو انہوں نے جواباً کہا کہ نہیں نہ یہ جائز ہے نہ لازمی بلکہ قاضی ایسے شخص کے وقف کو تسلیم نہ کرنے کا مجاز ہے جس کا قرضہ اتنا ہو کہ اس کے اثاثہ پر بھی حاوی ہو۔

دیوالیہ واقف کا بر بناء بدنیتی وقف کرنا

ذخیرہ اور فتح القدیر کے حوالہ سے جو تصریح آئی ہے وہ اس رائے کے کہ جب تک کہ مقروض کے وقف کو جو اس نے بحالت مرض الموت کیا ہو محدود نہ کر دیا جائے متضاد ہے۔ اور فتاویٰ الاسمٰعیلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ قاضی ایسے وقف کو نافذ نہ کرے اور واقف کو جائیداد کی بیع پر مجبور کرنے اور قرضوں کی ادائیگی کو لازم کرنے کا مجاز ہے۔ یہ مولانا ابو سعود کی تشریح کے مطابق ہے جو توضیح مسلمہ ہے۔ ایسے دیوالیہ مقروض پر جس نے فریباً یہ عمل کیا ہو یہ حکم منطبق ہوتا ہے۔

مفتی ابو سعود کی معروضات اور فتاویٰ الاسمٰعلیہ کے اصول موقوفہ میں فتاویٰ قاضی خاں، فتح القدیر ذخیرہ جیسی مسلمہ بلند پایہ اور مستند تصانیف کے منضبط کئے ہوئے اصولوں کی بنیاد پر مطابقت ہو سکتی ہے مزید براں تنویر الابصار کی روشنی میں بھی یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔

مقروض شخص کا وقف موثر نہیں ہوتا

ایسے شخص کا وقف جس کے قرضے اس کے اثاثہ پر حاوی ہوں یا تو واقف کو مہلت دے کر تاکہ وہ اپنے قرضوں کی ادائیگی کر دے یا پھر کوئی ناظم مقرر کر کے جو کہ کرایوں اور منافع کی وصولی سے ان قرضوں کی ادائیگی کرے بر قرار رکھا جائے گا۔ اگر اس طریقہ سے بھی ادائیگی قرضہ قطعاً ناممکن ہو تو ایسی صورت میں جج جائیداد موقوفہ کی بیع کا حکم صادر کرنے کا مجاز ہے۔ لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقروض شخص کا کیا وقف لازماً باطل نہیں ہوتا۔ محض اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ اپنے قرض خواہوں کو محروم کرنے کی غرض سے فریباً وقف کرے۔

اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ مساکین جو ہر وقف کے مستحق ہیں اساسی انتفاع کنندگان ہیں وہ کسی بھی فریب میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو اان کے حقوق زائل نہ ہونا چاہئیں۔ وقف قانون کا ہندوستان میں پریسیڈنسی ٹاؤنس کی حدود سے باہر اطلاق نہیں ہوتا۔ اور قانون انتقال جائیداد کی دفعہ ۳ سے جو کہ انگلش اسٹیٹیوٹ کی دفعہ ۲ پر مشتمل ہے مسلم لاء کی دفعات متاثر نہیں ہوتیں نتیجتاً اگر کوئی شخص

افلاس کی حالت میں نہ ہو اور اپنی جائیداد کے کسی حصہ کو وقف کرے تو نہ قرض خواہاں ما بعد اور نہ مشتری ما بعد جائیداد متنازعہ کے وقف کو منسوخ کرا سکتے ہیں۔ وہ نہ فروخت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جائیداد ایک بار وقف ہو جانے پر نہ تو واقف کی ملکیت میں ہوتی ہے اور نہ وہ اس پر اب کوئی بار ڈال سکتا ہے۔ گویا کہ وہ قطعی بیگانہ ہے۔

وقف انتقال جائیداد ہے

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ "وقف" جائیداد کا بغیر کسی معاوضہ کے انتقال نہیں ہے بلکہ یہ انتقال جائیداد قانوناً ملکیت خداوندی میں ایک مخصوص بدل کی غرض سے ہے۔ اور اس کا بدل یعنی ثواب وقف کرتے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ وقف اسی طرح موثر ہوتا ہے جیسے کہ تحریر غلام (غلام کو آزاد کرنا)۔ جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا واقف نہ تنسیخ کا مجاز رہتا ہے اور نہ کسی شرط کا۔ نیز بعد میں نہ واقف نہ اسکے مختار کاروں میں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا ایسا قطعی منسوخ نہ ہونے والے وقف کرنے کا ارادہ نہ تھا۔

مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف

بہر حال وقف کو کلیتاً جائز قرار دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بوقت وقف واقف مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ بالفاظ دیگر مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف جس کا اس مرض میں انتقال ہو جائے وہ بطور وصیت اسکی ایک ثلث جائیداد پر نافذ ہوتا ہے مگر ایسے بیمار کا وقف جو انجام کار صحت یاب ہو جائے پوری جائیداد کے لیے موثر اور جائز ہوگا۔

اصول

ردالمختار کے مطابق مرض الموت میں مبتلا شخص کا وقف اس ہبہ کے مصداق ہے جو مرض الموت میں کیا گیا ہو۔ یعنی ایک ثلث پر وہ نافذ ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی یہی ہے کہ مرض الموت میں کیا ہوا وقف وصیت کی طرح موثر ہوتا ہے۔ قاضی خاں نے امام ابو بکر محمد بن الفضل کے قول کو سند قرار دیتے ہوئے وقف کی نوعیت کے اعتبار سے وقف کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ اوقاف جو بحالت صحت کیے جائیں (یعنی جن کا نفاذ صحت کے دوران ہو گیا ہو)

(۲) مرض الموت میں کئے جانے والے اوقاف

(۳) وہ اوقاف جو موت کے بعد نفاذ پذیر ہوں

پہلے قسم کے اوقاف میں حق ملکیت کا انتقال ضروری ہے مگر تیسری قسم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان کی نوعیت وصیت جیسی ہے۔ مگر دوسری قسم کے اوقاف پہلی قسم کی طرح ہیں۔ اگرچہ یہ تیسری قسم کے اوقاف کی صورت حال ملکیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرض الموت میں کئے ہوئے ہبہ کی طرح نافذ ہوتے ہیں۔

وقف بحالت مرض الموت

اگر مرض الموت میں مبتلا شخص اپنے مکان کو وقف کرے تو یہ جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہ ہو لیکن اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو اور واقف کے ورثا رضامند ہو جائیں تو وہ وقف اپنی مکمل صورت میں جائز ہوگا۔ اگر ورثا رضامند نہ ہو تو ثلث مال سے زیادہ کا وقف منسوخ ہوگا۔ اور اگر بعض ورثاء رضامند ہوں اور بعض نہ ہوں تو زائد وقف رضامند کے سہام شرعیہ میں جائز ہوگا۔ اگر نارضامند ورثا میں سے کوئی اپنی اس جائیداد کے حصہ کو جس کا وقف اسے نامنظور ہو بیع کردے بعد ازاں یہ پتہ چلے کہ واقف نے اس کے علاوہ دوسری جائدادیں بھی چھوڑی ہیں تو ایسی صورت میں تمام جائیداد موقوفہ کا وقف کلیتًا جائز ہوگا کیونکہ یہ واقف کے تمام اثاثے کے ایک ثلث سے کم ہے اور وارث کی بیع کو منسوخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دوسری جائیداد کے خریدنے کے لیے قیمت دینا ہوگی تاکہ اسے وقف میں شامل کردیا جائے۔

وصیتی وقف منسوخ ہو سکتا ہے

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ وقف ناقابل تنسیخ ہوتا ہے۔ اگر ایک بار زبانی یا تحریری وقف کردیا جائے تو واقف کا حق مالکانہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ کسی بھی صورت میں اس کے بارہ میں کوئی معاملہ نہیں کر سکتا۔ مالک جائیداد کا محض یہ اعلان کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا پہلے ہی سے وقف کرچکا ہے بس یہی اس جائیداد سے مالک کو حقوق مالکانہ سے محروم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور اس وقف سے وہ جائیداد ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا وقف جو واقف کی موت کے بعد نافذ

ہو یا وقف بالوصیت ہو واقف کی زندگی میں کبھی بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ حسب فتح القدیر ایسا وقف جو کہ واقف کی موت کے بعد نفاذ پذیر ہوا سے وہ دیگر تمام انتقالات وصیتی کی طرح اپنی موت سے قبل کسی وقت بھی منسوخ کر سکتا ہے۔ اور اگر منسوخ نہ ہو تو جب تک ورثا راضی نہ ہوں اس کے اثاثہ کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوگا۔ رضامندی کی حالت میں تمام پر نافذ ہوگا۔

غایت البیان میں اس اصول کو واضح ترین صورت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی وقف بحالت صحت یا بیماری کیا جا سکتا ہے۔ اگر بحالت بیماری کیا جائے اور واقف اسی بیماری میں فوت ہو جائے تو وہ وصیت کی طرح اس کے ایک ثلث مال پر ہی نافذ ہوگا۔

فصل چہارم :۔ صدقہ اور اس کے معنی

صدقہ بخشش، امر خیر

لفظ صدقہ مسلم فقہ سے متعلق تصانیف میں کثرت سے آتا ہے۔ آئین وقف میں اس کا اتنا اہم اثر ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق وقف کے قانون کو سمجھنے کے لیے اس کے مفہوم اور معنی کا سمجھنا ضروری ہے۔

رچرڈسن نے اپنی لغت میں اس کا ترجمہ ہبہ با مخیرات کیا ہے نیز جائیداد موقوفہ برائے مقاصد خیر بھی۔ ہملٹن (ہدایہ کے فارسی ترجمہ کے انگریزی مترجم) نے اس کے معنی التبرع للمساکین (خیرات برائے غربا) سمجھا اور اسی غلطی نے بعد میں آنے والے تمام تصورات کو متاثر کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ شرع اسلامی میں لفظ صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے صحیح طور پر اس سے مراد کوئی بھی امر خیر ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں سچ بولنا، صالح عمل کرنا۔ پڑوسی کے ساتھ خندہ روئی بھی صدقہ ہے۔ غالباً لفظ خیرات ہی واحد لفظ ہے جس سے کہ اس کے وسیع مفہوم کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

صدقہ کے قانونی معنی

بہر حال شریعت اسلامیہ میں اس سے مراد ایسی نذر یا ہبہ ہے جو کہ خوشنودی

خداوندی کے حصول یا ثواب آخرت کی غرض سے کیا جائے۔ مثلاً کسی دوست کو تحفہ دینا صدقہ نہیں ہے اس لیے کہ اس میں دینی ارادہ نہیں ہے لیکن اگر کسی شخص کی ضروریات کے سلسلہ میں مدد اپنے یا اس شخص کو ناداری سے بچانے کے لیے کچھ عطا کیا گیا ہے ہو تو یہ بھی صدقہ ہے اس لئے کوئی بھی خیرات جو حصول اجر اور رضائے خداوندی کے ارادہ سے کی گئی ہو وہ صدقہ ہے۔ اگر غرض بذات خود خیر ہو تو چاہے کوئی خیرات بنیادی طور پر ثواب اور حصول خوشنودی خداوندی کے لیے کی گئی ہو یا نہیں وہ صدقہ ہی ہے کیونکہ اس فعل سے برکات خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ خواہ اس کے کرنے والے نے اسے اسی منشاء سے کیا ہو یا نہیں۔ مثلاً مستقبل کے پیش نظر کسی کا اپنے خود کے لیے اچھی اولاد کے لیے گذر اوقات کا سامان فراہم کرنا بھی عمل خیر ہے۔ اگر کوئی ایسی تیاری بھی کرے تو خداوند تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔ خواہ اس شخص نے اس فعل کے کرتے وقت اس کا تصور بھی نہ کیا ہو۔ در اصل اسلام میں کوئی بھی وقف یا نذر ذہن میں نیت کے متعین کئے بغیر کہ یہ فعل قرب خداوندی کی غرض سے کر رہا ہوں ہوتا ہی نہیں درج ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ہوگا۔

سعد ابن ابی وقاص سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی کا اپنی بیوی بچوں کو کچھ دینا بھی صدقہ ہے۔ شریعت اسلامی میں بعض قانونی نیم قانونی اور اخلاقی صورتوں میں والدین آل اولاد اور دیگر رشتہ داروں کی عام طور پر پرورش کرنا فرض ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے گذارہ کے لیے انتظام کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر معاشرہ یا اعزاء پر بار نہ بن جائے۔ ان تصورات سے پیدا شدہ اصولوں کی نشاندہی جو کہ مغرب کے کسی بھی مروجہ نظام سے نہیں ملتے براہ راست آنحضرت صلعم کے موضوعہ قواعد سے ہوتی ہے۔

صدقہ یعنی عطیہ خیرات

سعد ابن عاقر سے مروی ہے جو روایت کرتے ہیں ابواللیث سے جو بیان کرتے ہیں عبدالرحمان بن خالد بن مسافر سے جنہوں نے روایت کیا شہاب سے جنہوں نے روایت کیا ابن مسیب سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا

سب سے بہتر فعل ثواب کسی کا اپنے لئے گزر اوقات کا انتظام کرنا ہے تاکہ وہ شخص محتاج نہ ہو جائے۔ اور اولاً صدقہ ان کو دیا جائے جن کی پرورش تم پر لازم ہے۔

صدقہ اپنے اقرباء و خاندان کو

رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اہل خاندان کو (ان کی حاجتوں کے پورا کرنے کی غرض سے) صدقہ دینا بھکاریوں کو بھیک دینے کے بہ نسبت زیادہ کار ثواب ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے مزید ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص باری تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے اہل خاندان اور اعزاء کو خیرات دے تو یہ صدقہ ہے۔ اگرچہ اس نے یہ غرباء کو نہ دی۔ بلکہ اپنے گھر والوں اور اولاد کو دی ہے۔ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنے اہل خاندان کو دیا جائے۔ اجر کے اعتبار سے سب سے بڑا صدقہ وہ ہے جو تم اپنے خاندان والوں کو دیتے ہو۔ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے روپیہ صرف کرنا، غرباء کو خیرات دینا، اپنے بچوں اور اعزاء کو کچھ دینا یہ سب صدقہ ہیں۔ غرباء کو خیرات دینے سے ایک اجر ملتا ہے مگر اعزاء کو دینے سے دو اجر ملتے ہیں تمام اعمال کا اجر نیت پر ہے یعنی حصول خوشنودی خداوندی کا ارادہ۔ وہ شخص جو حصول ثواب کی نیت سے اپنے خاندان کے گذارہ کا انتظام کرتا ہے تو وہ خیرات دیتا ہے۔ رسول خدا صلعم نے اسے کار خیر فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو خاندان کی گذر اوقات کا کفیل ہے وہ صدقہ دے رہا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم گذر اوقات کے لیے کسی دوسرے کو دو گے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ اور تمہیں اسکا اجر دے گا۔ بیویوں کے گذارہ کا انتظام کرنے سے تمہیں اجر ملے گا۔

خیرات دیتے وقت فوقیت ان کو دو جن کی پرورش تم پر فرض ہے اپنے بچوں اور اہل خاندان کی پرورش سب سے ضروری فریضہ ہے۔

رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا خیرات دیتے وقت ابتدا ان سے کرو جن کی پرورش تمہارے ذمہ ہے اور جو تمہاری نگرانی میں ہیں۔

ایک دن حضرت ابن مسعودؓ کی زوجہ جناب زینبؓ آنحضرت صلعم کی

خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ صدقے کے بہترین مستحق کون ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا تمہارے صدقے کے تمہارے شوہر اور تمہارے بچے زیادہ مستحق ہیں۔

ام سلمہؓ کی صاحبزادی حضرت زینب کہتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا اپنے اعزہ کی خبر گیری کرو یہ بھی صدقہ ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔

ذیل میں آنے والی صحیح مسلم کی مندرجہ مستند حدیث تمام سنّی دنیا میں واجب پابندی ہے۔ رسول خدا صلعم) نے ارشاد فرمایا کوئی بھی شخص جو خرچ کرتا ہے اس میں مقدس ترین خرچ وہ ہے جو وہ اپنے بچوں اور اہل خاندان کی پرورش اور آئندہ کے گذارہ کیلئے خرچ کرے۔ رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم اپنے خاندان کی آئندہ بسر اوقات کے لیے خرچ کرتے ہو اس کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہے جو کہ تم دوسروں کے گذارہ کے لیے خرچ کرو۔

پیغمبر خدا صلعم نے اپنے صحابہ میں سے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر پھر اہل خاندان پر بعدازاں اعزہ پر خیرات کرو۔ اور اگر پھر بھی کچھ بچ جائے تو ان لوگوں پر جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ ابو طلحہ نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ جو قابل وقف جائیداد میرے پاس ہے اسے کس کے لیے یا کسی مقصد کے لیے وقف کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اعزہ کے لیے وقف کردو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا اپنے خاندان کی بسر اوقات کا انتظام کرنا عمل صالح ہے اور صدقہ ہے۔

ایک مسلمان نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے پاس ایک دینار ہے وہ اسکا کیا کرے آپ نے فرمایا اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے پاس ایک دینار اور بھی ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اس سے اپنے خاندان کی حاجتیں پوری کرو۔ اس نے عرض کیا کہ اس کے پاس ایک مزید دینار اور ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کو غریبوں پر خرچ کرو۔

ان اسناد کے مطالعہ سے جو کہ سنّی دنیا کے لیے واجب پابندی ہیں کسی شخص کا اپنے خاندان اور آل اولاد کی ضروریات پوری کرنا قطعاً فعل ثواب ہے۔

باب ۸۔ قیام وقف (حنفی قواعد)

فصل اول: عام اصول

وقف کی تشکیل کیسے ہو سکتی ہے

تشکیل وقف کے لیے نہ تو کوئی خاص دستور ہے اور نہ کسی خاص عبارت یا اصطلاح کا استعمال کرنا لازمی ہے۔ جب وقف کی نیت کر لی گئی ہو تو قانون اسے موثر مان لیتا ہے خواہ کیسا ہی طرز بیان یا عبارت استعمال کی جائے اور خواہ کیسی ہی شرائط مرتب کی جائیں۔ اور کوئی بھی وقف زبانی یا تحریری ہو سکتا ہے۔

اصول۔ ثبوت نیت کا اظہار کب ضروری ہے

تشکیل وقف کے لیے جب لفظ وقف یا اس کے لیے مروجہ الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کر لیا جائے تو دستور اس پر تمام قانونی ملحقات جو دائمی اور جائز وقف کے لیے ضروری ہیں عائد کر دیتا ہے۔ واقف کی نیت معلوم کرنے کی صرف اسی صورت میں ضرورت ہوتی ہے جب ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ لیکن جب کہ وقف کی نیت ظاہر ہو یا وقف کیا جائے یا تمام ملحقہ حالات سے وقف کا ہونا اخذ کیا جائے تو یہ جائز اور لازمی وقف ہوگا خواہ لفظ وقف استعمال ہی نہ کیا جائے۔

ایسے جملے جن سے وقف مراد ہوتا ہے

فتاویٰ قاضی خاں میں اس سلسلہ میں بعض ایسے جملے جن سے وقف مراد ہوتا ہے اس طرح بتائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے "یہ میری زمین صدقہ ہے" اور اس کے علاوہ کچھ نہ کہے کہ تو وہ زمین غربا کے لئے وقف بالخیر ہوگی۔ یہاں لفظ وقف قطعاً استعمال نہیں ہوا۔ مگر صدقہ سے مراد مقدس پیش کش ہوا کرتی ہے اور چونکہ غربا ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لہذا جائز وقف کی تشکیل کے لیے یہ کافی ہے۔ اگر کوئی شخص

محض یہ کہے "یہ میری زمین دوامی مقصد (وجہ ابدی) کے لیے ہے تو یہ وقف ہوگا وجہ کا مفہوم نیک یا امر خیر ہے۔ لفظ ابدی سے مراد ہمیشگی ہے۔ اور واقف کا منشا بخوبی ظاہر ہے۔ جب غایت وقف متعین کردی جائے اور اس کا نفاذ صریحاً مفہوماً بطور استقرار ہو تو وہ جائز وقف ہونے کے لیے کافی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف ہے یا میں نے اس کو وقف کردیا تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جیسے اس نے یہ کہا ہو میں اس کو وقف کر چکا ہوں۔

اصول: جب اصطلاح وقف استعمال ہو تو اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں

سراج الوہاج میں آیا ہے کہ جب کوئی مروجہ طریقہ پر وقف کرے اور مقصد ظاہر نہ کرے تو یہ جائز اور صحیح ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید آیا ہے کہ ایسے کئی الفاظ ہیں جو اپنے مفہوم میں واضح ہیں اور جن کے استعمال سے صریحاً وقف ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ خود ان الفاظ سے منشاء وقف ظاہر ہے مثلاً وقفیت۔ حفظیت۔ حرمت۔ سلبیت میں نے وقف کیا۔ میں نے محفوظ کیا۔ میں نے مقرر کیا میں نے راہ خدا میں دیا یہ جملے بہ اعتبار معنی بہت واضح ہیں اور جب کوئی یہ الفاظ استعمال کرے تو وقف مکمل ہوجاتا ہے کیونکہ نیت ظاہر ہے۔

مگر جب کوئی ایسا جملہ استعمال کرے جس سے کہ عموماً دائمی وقف کا منشا واضح نہ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وقف کا مقصد کیا ہے۔ اور یہ نوعیت مقصد غرض وقف سے اور متعلقہ حالات سے مستنبط کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنی جائیداد اس مسجد میں دیتا ہوں تو یہ امر کہ یہ عطیہ کسی مسجد میں دیا گیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ یہ دائماً مقصد نیک کے لیے دیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس جائیداد کو غربا کے لیے دیتا ہوں تو اس سے بھی وہی منشا ہوگا۔ یہی کلیہ قریب قریب انہی الفاظ میں فتح القدیر میں درج ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ زمین میں غربا کو دیتا ہوں تو یہ جائز وقف ہوگا۔ اس لئے کہ غرباء ہمیشہ ہی ہوتے ہیں اور واقف کی نیت صاف ہے جس کا منشا یہ ہے کہ جائیداد کی آمدنی دواماً نادار وں کے لیے استعمال ہوگی۔

تشکیل وقف، لفظ وقف یا اس کے مترادفات کے علاوہ دیگر جملوں سے

واخر المحیط کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ "میری یہ زمین موقوفہ (وقف شدہ) یا

محرومہ (محفوظ) یا محبوسہ (مقررہ) ہے تو ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس (واقف) نے لفظ وقف غیر مشروط طور پر استعمال کیا ہے۔ اور کوئی بھی غیر مشروط وقف رسم ورواج کے مطابق غرباء کے لیے ہوتا ہے۔ اور مروجہ وقف مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ لوقال ارضی هذه وقفه او محبوسه محرمه۔ عنده ابی یوسف تعبیر وقضا وهوا لا صح لانه ذکر الوقف مدانساً۔ وابوقف المطلق یکون علی الفقراء غرباء عادة والمعروف کالمشروط۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ زمین حرام کی یا یہ حرام ہے تو بقول فقیہ ابو جعفر ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز ہوگا۔ گویا کہ اس نے لفظ وقف استعمال کیا۔ (اس لئے کہ لفظ محرمہ کا مفہوم دوسروں کے لیے ممنوع ہے)۔ اس کے ساتھ یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ جائیداد امر خیر کے لیے علیحدہ کردی گئی ہے۔

بصورت ابہام منشاء واقف کو دیکھنا چاہئے

فتاویٰ عالمگیری کے مولف نے بتایا ہے نیز فقیہ ابو جعفر کا بھی کہنا ہے کہ کسی چیز کا روک کر محفوظ کرلینا یا صدقہ میں دینا ایسا ہے جیسے صدقہ دینا یعنے وقف کرنا۔ مزید برآں یہ بھی بتایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری زمین راستہ (سبیل) ہے اور وہ ایسے مقام پر رہتا ہو جہاں ایسے بیان کا منشا وقف ہوتا ہو تو زمین وقف ہوگی۔

نیت کا استنباط کیسے ہو

معنی کی وضاحت کے لیے الفاظ کیا جائے گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا وقف تھا تو اسی کے منشاء کے مطابق ہی معنی سمجھے جائیں گے۔ اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا صدقہ سے تھا۔ یا کوئی خاص مقصد نہ تھا تو اسے قسم کا کفارہ سمجھا جائے گا اور وہ زمین یا اس کی قیمت بطور مقدس ہبہ کے دیدی جائے گی۔

بصورت ابہام اگر واقف حیات ہو تو وہی اپنے منشا کی وضاحت کرے گا لیکن اگر مر گیا ہو تو متعلقہ حالات سے نیز جائیداد کی آمدنی جس طرح وقف ہوئی تھی اس سے اس کا منشاء اخذ کیا جائے گا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میری عمارت کی آمدنی سے ہر مہینے دس درہم کی روٹیاں خرید کر غربا میں تقسیم کردی جائیں تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اس عمارت کا

اس منشا میں وقف ہونے کی لیئے یہی کافی ہے۔

لفظ سبیل یا راہ خدا کا استعمال وقف قرار دینے کے لیے کافی ہے

حاوی کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین اور مکان کی نوعیت ایک سبیل کی ہے۔ (سبیل اللہ) اور وہ ایسے ملک میں رہتا ہو جہاں سبیل سے مراد وقف ہو تو یہ وقف قطعی ہو گا۔ لفظ سبیل سے اب بالاتفاق وقف مسلمہ مراد ہے۔ سبیل یا سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) محاورہ خدا کے مساوی تک جو ہندوستان میں مروج ہیں۔

اسی قسم کے الفاظ جیسے میں نے اس زمین کی آمدنی غربا یا کسی مقصد خیر کے لیے دیدی یا مکان میں نے غرباء کو دیدیا ہے اور اس میں وہ الفاظ شامل ہوں جن سے انتقال جائیداد یا انتقال بطور ارث سے منع کیا گیا ہو تو وہ بالاتفاق وقف ہو گا۔

منشاء وقف واضح ہو تو تشکیل وقف کے لیے صریح الفاظ کی ضرورت نہیں

ردالمختار میں اس اصول پر زور دیا گیا ہے اور بحر الرائق میں مثال کے طور پر ایسے چھبیس جملے آئے ہیں جن سے کہ وقف ہو جاتا ہے۔ نیز فتح القدیر میں بھی بہت سے جملے دئے گئے ہیں۔ مگر جب تک یہ واضح ہو کہ واقف کی نیت انتقال جائیداد سے دائماً غایت خیر کے لیے دینا تھی یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میرے اس مکان کی آمدنی کو غریبوں کے لیے روٹیاں خریدنے کے لیے صرف کرو تو یہ تشکیل وقف کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ جائیداد اپنی دوسری جائیداد سے الگ کر لی یا محفوظ کر دی ہے تو اس کا منشاء بھی یہی ہے۔

جامع الفصولین کی تیرہویں فصل میں آیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس مکان کی آمدنی مسجد کی روشنی کے لیے ہے اور مزید کچھ نہ کہے تو یہ وقف جائز ہو گا اس لئے کہ یہی خطابت کافی ہے۔

جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین

فاضل ججان پریوی کونسل نے بمقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین کے فیصلہ میں محض اسی رائے کا اظہار کیا ہے جس کی شرع میں توضیح ہے۔ مقدمہ مذکور میں بخشش یا فرمان میں جس سے کہ انعامات دئے گئے تھے لفظ وقف کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

بلکہ اس کے برعکس انعام سے مقصد بخشش التمغہ اور مدد معاش ہے جس سے کہ اصلاً انفرادی مالکانہ حقوق مراد ہیں۔ مدعا علیہ کی جانب سے اس بنا پر یہ عذر کیا گیا کہ انعام کی جائیداد میں نا قابل انتقال وقف نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں پریوی کونسل کے فاضل ججان نے صدر عدالت دیوانی کے فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

مسماۃ فریدہ بنام شاہ کبیر الدین

"مقدمہ ہذا اور فاضل ججان صدر عدالت دیوانی کے فیصلہ بمقدمہ مسماۃ فریدہ بنام شاہ کبیر االدین کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ الفاظ "انعام" التمغہ کے شاہی فرامین میں حوالہ کے باوجود اور ان لوگوں کے حوالہ کے باوجود بھی جن کی درخواست پر یہ فرمان جاری کئے گئے، یہ تجسس، جیسا کہ واضح طور پر درخواستوں سے ظاہر ہے' ایک ادارہ خیرات کو قائم کرنے کے لیے کی گئی ہیں۔ اور فرمان میں جن لوگوں کا حوالہ ہے وہ اس کے مالک قرار نہ دیے گئے تھے اور یہ کہ اصلاً خانقاہ ہی موہوب لہٗ تھی اور اشخاص محولہ محض خانقاہ کے متولی تھے۔ متولی کو انتقال جائیداد کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس شاہ شمس الدین نے جو انتقال جائیداد کیا ہے وہ ناجائز تھا"۔

فاضل ججان نے مزید بتایا کہ یہ فیصلہ ہدایہ کتاب پندرہ باب وقف ترجمہ ہملٹن جلد دویم صفحہ ۳۳۲ کے اصول کے مطابق ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ لفظ وقف اپنے اصل مفہوم میں بمعنی روکنے کے ہے۔ قانون کے مطابق (حنفی مسلک میں) اس کا منشاء یہ ہے کہ کسی شئے مخصوص کو اسی طرح محفوظ کر دینا کہ اس محفوظ کرنے والے (واقف) کا حق استعمال اس میں جاری رہے اور اس کی آمدنی کسی کار خیر میں بطور صدقہ کے استعمال ہوتی رہے۔ صاحبین کے قول کے مطابق وقف سے مراد کسی خاص شئے کا اس طرح تحفظ کرنا ہے کہ وہ شئے ملکیت خداوندی کے تحت آجائے جس سے واقف کے حقوق ملکیت ساقط ہو جاتے ہیں اور وہ شئے ملکیت خداوندی ہو جاتی ہے اور اس کے منافع مخلوق خدا کے کام آتے ہیں۔ پس صاحبین اس کو وقف قطعی مانتے ہیں۔ اگرچہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ ابو یوسف "تشکیل" وقف کی ابتداء سے ہی قطعی تسلیم کرتے ہیں مگر امام محمد اس کو وقف قطعی بتاتے ہیں جب وہ کسی متولی کو تفویض کر دیا جائے۔ نتیجتاً یہ بیع یا ہبہ کے طور پر

استعمال نہیں ہوسکتی۔ اور نہ وراثت اس پر عائد ہوگی۔ پس لفظ وقف اپنے اصطلاحی معنی میں وہ تمام خصوصیات شامل رکھتا ہے جس کی امام ابو حنیفہ اور صاحبین نے وضاحت کی ہے۔ مکرر صفحہ ۲۳۴ پر بتایا گیا ہے کہ جب کسی شئے کا وقف قطعی تسلیم ہو جائے تو اس شئے کا انتقال یا بیع ناجائز ہے اور یہ انتقال اس لئے ناجائز ہے کہ آنحضرت (صلعم) کی حدیث ہے کہ اصل زمین کو امور خیر کے لیے اس طرح دیدو کہ وہ آئندہ نا قابل بیع اور نا قابل ورثہ ہو جائے۔ پس فاضل ججان نے یہ طے کیا ہے کہ حسب شرع تشکیل وقف یا امور خیر کے لیے کسی چیز کو دینے کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ لفظ "وقف" کا ہی وقف نامہ میں استعمال کیا جائے اگر اس کے سیاق و سباق سے ایسا مفہوم بر آمد ہوتا ہو تو کافی ہے۔

لفظ وقف خود ہی کافی ہے

لفظ وقف کا استعمال ہر صورت میں ایک جائز دوامی وقف کے لیے کافی ہے اس لئے کہ قانوناً یہی اس کا واضح منشا ہے۔ پس جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب کوئی مقصد واضح نہ ہو تو یا ایسا مقصد ہو جو فوت ہونے والا ہو تاہم وقف جائز اور لازمی ہوگا اور جائیداد موقوفہ اولاً غرباء پر وقف ہوگی اور مقصد کے فوت ہو جانے پر بھی انہی پر وقف ہوگی خواہ وقف نامہ میں نہ ان کا حوالہ ہو اور نہ لفظ صدقہ قطعاً استعمال ہوا ہو۔

اصول

فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ گو لفظ صدقہ استعمال نہ کیا گیا ہو تاہم لفظ صدقہ اس طرح استعمال کیا گیا ہو جیسے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ میری زمین وقف ہے یا میں نے یہ زمین وقف کی ہے تو بقول ابو یوسف یہ زمین غرباء کے لیے وقف ہوگی۔ صدر الشہید اور بلخ کے دوسرے فقہاء کا قول ہے کہ وہ ابو یوسف کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور اسی طرح رواج کے مطابق مسائل طے کرتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لیے خداوند کریم کے لیے مختص کر دی گئی تو یہ جائز ہے۔ خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا گیا ہو تب بھی غربا کے لیے وقف ہوگی۔ لفظ وقف تنہا یا جن الفاظ کے ساتھ آیا ہو مسلمہ اصول کے مطابق وقف ہی ثابت کرتا

ہے۔ اور یہ رائے ابو یوسف کی ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے میری زمین موقوفہ ہے اور اس کے حدود اربعہ بتائے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو بقول ابو یوسف یہ غربا کے لیے وقف ہوگی۔ یا وہ یہ کہے کہ یہ میری زمین وقف ہے تو اس کا اثر بھی یہی ہوگا۔ یا اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین ایک نیک مقصد کے لیے وقف ہے تب بھی یہی منشا ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ زمین راہ خدا کے لیے دواما موقوفہ ہے اس سے یہ وقف جائز ہوگا۔ خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا ہو۔ یہ غرباء کے لیے ہی وقف ہوگی۔ اور خواہ اس نے الفاظ برائے "دوام" استعمال نہ کیے ہوں تب بھی یہ جائز وقف ہوگا۔ اور اس کی آمدنی غربا کے مفاد میں استعمال ہوگی۔

جملے جن سے وقف بنتا ہے

اسی طرح اگر واقف محض یہ کہے کہ یہ خدا کے لیے موقوفہ ہے یا حصول ثواب کے لیے موقوفہ ہے پس اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ (علی الوجہہ البر والخیر) یا دونوں کے لیے ہے یہ غربا کے لیے جائز وقف ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین جہاد کے لیے یا مردوں کے کفن کے لیے یا کفن خریدنے کے لیے یا قبر کھودنے کے لیے یا دیگر امر خیر کے لیے جو کہ دوامی نوعیت کا ہو اس غرض کے لیے وقف جائز ہوگا۔ اگر کوئی واقف کسی خاص جائیداد کو مسافروں کے لیے وقف قرار دے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ مسافر ہمیشہ ہی ہوتے ہیں اور اس کا منافع ان مسافروں کے لیے کام میں آئے گا جو کہ غریب ہیں، مال داروں پر استعمال نہیں ہوگا۔ یا اگر یہ کہے کہ یہ لنگڑے لولوں اور نحیف و نزار معذوروں کے لیے ہے یہ وقف جائز ہوگا اس لئے کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ ان میں سے غربا کے کام میں آئے گا۔

خود اصطلاح وقف کا استعمال کافی ہے

درالمختار میں آیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ میری زمین یا یہ مکان غرباء کے لیے ہے۔ یا راہ خدا میں فلاں فلاں کے لیے وقف ہے یا کسی امر خیر کے لیے ہے یہ کافی

ہے۔ اور بقول ابو یوسف لفظ موقوفہ ہے۔ اور بقول صدر الشہید ہم بالاتفاق اس کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔

ہندوستان میں وقف کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے یہ عام رواج ہے کہ الفاظ راہ خدا میں بھی لاتے ہیں۔ یعنی اس طرح لکھتے ہیں کہ میں راہ خدا میں فلاں فلاں کے لیے وقف کرتا ہوں۔ بقول تسہیل کوئی شئے محض لفظ وقف سے وقف کردی جائے تو یہ جائز ہے اور موقوف علیہ کے انتقال پر اس کی آمدنی غربا میں تقسیم ہوگی۔ اور اسی کی تائید میں فتویٰ بھی ہے۔

واجز المحیط کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین موقوفہ ہے اور الفاظ "صدقہ" دائماً یا غربا کے لیے استعمال نہ کرے تو ابو یوسف کے مطابق یہ وقف جائز اور صحیح ہے۔

غایت البیان کے مطابق اگر واقف لفظ صدقہ استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ صرف لفظ وقف استعمال کرتا ہے مثلاً یہ کہے کہ میری زمین وقف ہے یا میں نے اس کو موقوفہ کردیا ہے یا میں نے اسے وقف کیا ہے تو ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف محض غربا کے لیے ہوگا۔ مشائخ بلخ بھی ابو یوسف کی توضیحات کے مطابق طے کرتے ہیں۔

"لو لم یذکر الصدقة وذکر الوقف فان قال ارضی هذه موقوفة اوقال فارضی هذه او قال جعلت ارضی هذه موقوفه او قال ارضی هذا وقف فان هذا یکون علی الفقراء فی قول ابو یوسف خاصة فکان مشائخ بلخ یفتون بقول ابو یوسف"

اسی طرح لفظ صدقہ لفظ وقف یا اس کے مشتقات سے پیدا ہوا (مثل الفاظ موقوفہ) ایک جائز اور لازمی وقف ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے جو میری حین حیات اور بعد حیات دائماً وقف رہے گی یا یہ کہے کہ دائماً صدقہ ہے تو یہ جائز ہوگا اگر یہ کہے کہ یہ صدقہ ہے یا بطور صدقہ ہے بغیر دائمی بتائے تو یہ زمین وقف ہوگی۔ ان تمام لوگوں کی رائے کے مطابق بھی یہ وقف جائز ہوگا۔ اس لئے کہ صدقہ دوامی وہی ہوتا ہے جس میں کسی تنسیخ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ الفاظ میری زمین اس امر کے لیے صدقہ ہے ہر اس امر کے لیے بطور صدقہ ہے جس کی نوعیت ثواب ہے۔ یہ بھی بمنزلہ وقف کے ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین راہ خدا میں بطور صدقہ ہے یا راہ خدا میں وقف ہے تو یہ وقف ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ راہ خدا میں یہ زمین

دیدی ہے۔یا خوشنودی کے لیے دی ہے یا یہ کہے کہ میری زمین بہ نیت ثواب وقف کی گئی ہے۔ تو یہ کہنا بھی ایسا ہی جائز وقف ہے جیسے کہ صدقہ ٔوقف کہنا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ ہے مگر اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو یہ وقف جائز ہوگا اور اس کا منافع دوامی ہوگا۔ جو غریبوں پر صرف ہوگا۔ (بقول امام ابو یوسف امام محمد اور ہلال)۔

جملے جن سے تشکیل وقف ہوتی ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین فلاں شخص کے لیے وقف ہے تو جائز ہے اس لئے کہ اصل مستفید ہونے والے غرباء ہی ہوں گے کیونکہ وہی صدقہ کے جائز اور آخری (اخاذ) پانے والے ہیں۔ لیکن وہ شخص منفعت کا حین حیات مستحق ہوگا جس کا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین دائماً صدقہ موقوفہ ہے یا میرے بچے کے لیے دائماً وقف ہے۔ اس سے بھی وہی مراد ہو گی لفظ دوامی سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف یا صدقہ یا محروم کی گئی ہے۔ نہ کسی کو بیع کی جائے گی نہ ہبہ ہی دی جائے گی تو ان تمام الفاظ سے مسلم اصول اور ابو یوسف کی رائے کے مطابق تخلیق وقف ہو جاتی ہے۔

حمید اللہ خان بنام بدر النساء

ایک ایسے امر کے بارہ میں جس پر تمام فقہاء متفق الرائے ہیں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ وہ رائے جس کا حوالہ بمقدمہ حمید اللہ خان بنام بدر النساء خاتون دیا گیا ہے کہاں سے حاصل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کا اپنے بچوں کے حق میں بغیر لفظ صدقہ استعمال کئے تشکیل وقف نہیں ہو سکتی۔

مقدمہ مذکور میں وقف درج ذیل الفاظ میں کیا گیا تھا۔

"میں نے بقیہ چار آنے کا وقف میری دختر بدر النساء اور اس کی آل اولاد اور آل اولاد کی آل اولاد (خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو) وقف کیا ہے۔ اگر وہ بھی معدوم ہو جائے تو محتاج و غرباء کے حق میں وقف رہے گا"۔ ایسا وقف حسب شرع صحیح صالح جائز اور

موثر ہے۔ اور ایک دائماً وقف علی الخیر ہے۔ اور جس طرح یہ میری زندگی میں وقف ہے میری موت کے بعد بھی اسی طرح وقف قائم رہے گا۔ اور تملک وتملیک سے بری ہوگا۔ اور متذکرہ بالا تمام جائیداد موقوفہ کی آمدنی بعد ادائیگی مطالبہ مال گزاری گورنمنٹ اور مطالبہ کلکٹری نیز معاوضہ حق تولیت ادا کرنے کے جو کچھ بھی فاضل بچے وہ اس طرح تقسیم ہوگا۔ سہام چار آنے جمیلہ خاتون المعروف وصولی بی بی کو اور چار آنے بدرالنساء کو"۔ چونکہ جس طرح چار آنے متذکرہ خواتین کے حق میں وقف کئے گئے اور جہاں تک عبارت وقف نامہ کا سوال ہے مضمون وقف نامہ ہذا سے زیادہ کوئی صاف و صریح عبارت نہیں ہو سکتی۔ واقف نے صریحاً جائیداد موقوفہ سے اپنا حق تصرف علیحدہ کر کے بدرالنسا اور اس کی آل اولاد کے لیے جب تک کہ ان میں سے کوئی بھی حیات رہے مستقلاً بسر اوقات کا انتظام کیا ہے۔ اور تحریر کیا ہے کہ ان کے معدوم ہونے پر وقف کا منافع غربا اور ناداروں کو ملے گا۔ وقف نامہ کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ شرائط مندرجہ شرع محمدی کے عین مطابق ہیں۔

عدالت العالیہ کی غلط رائے

محمد حمید اللہ خاں کی جانب سے بسلسلہ کارروائی اجرائے ڈگری ایک نالش بابت منسوخی بیع دائر ہوئی کہ یہ جائیداد جزو جائیداد موقوفہ ہے اس لئے اجرائے ڈگری میں جائیداد مذکور ناقابل انتقال ہے۔ اس پر ہائی کورٹ نے امور ذیل تجویز کیے۔

(الف) ایک جائز وقف کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائیداد عبادت خداوندی یا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے ہو۔

(ب) حسب شرع اگر کسی شخص خاص یا اس کی آل اولاد کے دواماً وقف کیا گیا اور ان کے معدوم ہونے کے بعد غربا اور حاجت مندوں کے لیے ہو تو یہ اسی وقت جائز ہوگا جب وقف نامہ میں لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو۔

ہائی کورٹ سے طے شدہ اول الذکر مسئلہ کے بارہ میں مابعد باب میں تفصیل سے بتایا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ یعنی لفظ صدقہ کا استعمال اپنے کنبے یا آل اولاد کے لیے وقف کرنے کے سلسلہ میں حکم شروع کے صریح حوالے سے طے ہو جاتا ہے۔

فصل دوم:۔ شرائط متعلق تشکیل وقف

اصول: اعلان وقف جائیداد میں واقف کے حقوق ساقط کردیتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے کسی وقف جائز کی تشکیل کے لیے کسی معینہ طریقہ کی ضرورت نہیں ہے واقف کا محض یہ کہنا ہی کافی ہے کہ وہ جائیداد کو وقف کرتا ہے یا اس نے جائیداد وقف کردی ہے۔ صرف اس اعلان سے اس جائیداد موقوفہ پر تمام قانونی اور لازمی وقف کی خصوصیات لاحق ہو جائیں گی اور واقف کا حق ملکیت سوخت ہو کر (خواہ وقف کا کچھ بھی مقصد ہو) وہ جائیداد ملکیت خداوندی میں تفویض ہو جائے گی۔ اس طرح یہ قابل تنسیخ ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے۔

محض اعلان وقف سے وقف مکمل ہو جاتا ہے

سراج الوہاج میں درج ذیل عبارت ہے۔ "بقول ابو یوسف کسی کے یہ کہہ دینے سے کہ اس نے وقف کردیا یا وقف کرتا ہے جائز وقف ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ جائیداد مشاع (مشترکہ جائیداد کا حصہ) ہو خواہ تفویض کی گئی ہو یا نہیں خواہ لفظ دواماً درج ہو یا نہیں۔ اور حق واقف ساقط ہو جاتا ہے اس لئے کہ وقف بھی اسی سطح پر ہے جیسا کہ غلام کو آزاد کرنا۔ اور فتویٰ بھی یہی ہے"۔

فقال ابو یوسف یجوز مشاعاً کا ن لو مقسوماً سلمه الی المتولی او لم یسلمه اشترط او لم یشرط و یزول الملك بمجرد القول لانبمنزلة الاعتاق وعلیه الفتویٰ۔

غایت البیان میں بھی یہی اصول درج ذیل الفاظ میں ہے۔ "ابو یوسف کے مطابق اعلان وقف سے ہی جائیداد سے حق ملکیت سوخت ہو جاتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق محض یہ کہنے سے کہ میں نے وقف کردیا ہے واقف کا حق جائیداد ساقط ہو جاتا ہے"۔

قوله۔ یزول بالقول عند ابو یوسف ای یزول الملك عن الواقف بمجرد قوله وقف عنده۔ فتح القدیر میں بھی ایسا ہی ہے۔ بقول ابو یوسف محض اعلان وقف سے وقف مکمل ہو جاتا ہے اور اگر غایت وقف نہ بتائی جائے تو یہ غربا کے لیے وقف ہوتا ہے اور

کنایتاً ایسا وقف غربا کے لیے جائز ہوتا ہے۔ لفظ دواماً کے بھی مزید حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ غرض کبھی معدوم نہیں ہوتی۔ اور بقول صدر الشہید تمام فقہا اس بارہ میں ابو یوسف سے متفق ہیں۔ اور ہم بھی اسی کے مطابق فتوے دیتے ہیں۔

اصول

کسی بھی وقف جائز کی تخلیق کے لیے دوامی ہونا ایک ضروری شرط ہے۔ لیکن اسکا صریح حوالہ ضروری نہیں۔ بالفاظ دیگر کوئی جائیداد صریحاً یا کنایتاً وقف کی جارہی ہو تو کافی ہے۔ یہ ضروی نہیں کہ وقف اصطلاحاً صریحاً کسی دوامی مقصد کے لیے ہو۔ لفظ وقف یا حبس وغیرہ کے ساتھ جب وقف کیا گیا ہو تو جائیداد سے دواماً دست برداری بدیہاً ظاہر ہے خواہ مقصد کچھ بھی ہو اس پر قانون وقف نافذ ہو جائے گا۔ مقصد معینہ کے معدوم ہونے پر دوسرے دائمی مقاصد پر صرف ہوگا اگر کوئی وقف صریح الفاظ میں نہیں کیا گیا ہو تو وقف کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد متعلقہ حالات سے نتیجہ اخذ کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کو ردالمختار نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق اعلان وقف غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ اور اس لئے قبضہ دہانی یا علیحدگی ضروری نہیں ہے۔ بقول ابو یوسف مجرد اعلان سے ہی وقف مثل غلام آزاد کرنے کے موثر اور لازم ہو جاتا ہے اس لئے کہ سقوط حق ملکیت دونوں میں یکساں ہیں۔ درالاحکام میں آیا ہے کہ دوامیت بالاتفاق رائے ایک ضروری شرط ہے مگر بقول ابو یوسف اس کا حوالہ ضروری نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف اپنے بچوں کے لیے کرتا ہوں تو جائز ہے۔ بقول بعض دواماً کے حوالہ کی زیادہ تر فقہا کے نزدیک ضرورت ہے باستثناء ابو یوسف۔ ان کے مطابق لفظ صدقہ یا وقف حوالہ سے ہی دواماً کا مفہوم ظاہر ہے اور اس لئے کتاب مختصر القدوری میں درج ہے کہ ایسا وقف جائز ہے۔ اولاد معدوم ہونے کی صورت میں ایسا وقف غربا کے لیے ہوتا ہے خواہ وہ نامزد نہ کئے گئے ہوں اور یہی صحیح ہے۔

قوله وجعله ابو يوسف كان عتاق فلذالك لم يشرط القبض والامر اتراجع اى فليترم عنده بمجرح القول كانه عناق بحامع اسقاط الملك۔ قال فى الدرر والصحيح ان التابيد شرط اتفاقاً لكن ذكره ليس بشرط عنده ابى يوسف لو

مدت کے لیے کیا جا سکتا ہے۔

اصول ـــــ وقف منسوخ نہیں ہو سکتا

جب کوئی وقف کسی جائز مقصد کے لیے کیا جائے اور واقف منسوخی وقف کا اختیار اپنی ذات کے لیے محفوظ رکھے تو وقف جائز ہے اور متفقہ طور پر اختیار باطل ہو گا۔ ابو یوسف کے نزدیک کوئی مختصر مدت اختیار (جیسے تین دن کے لئے) وقف کو ناجائز نہیں کرتی۔ اگر اس عرصہ میں اختیار استعمال نہ کیا گیا تو وقف قطعی ہو جاتا ہے۔

باب ۹۔ موضوع وقف

فصل اول۔ اصول

ہر وہ شئے جس پر قبضہ ہو سکتا ہے یا جس سے مستقل منافع ہو سکتا ہے وقف ہو سکتی ہے

شرع میں کسی بھی قسم کی جائیداد کے وقف کرنے کے بارہ میں کوئی پابندی نہیں ہے جب تک کہ خود اسی سے یا وقتاً فوقتاً اس کی تجدید سے یا کسی اور چیز سے تبدیل کر کے مستقل منافع کا امکان ہو پس ہر قسم کی جائیداد خواہ منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ یا ہر حقیقی شئے جس پر واقعی یا تعبیری طور پر قبضہ ہو سکتا ہو یا قبضہ میں لی جا سکتی ہو یا جس سے تجارت میں منافع یا کاروبار اور سرمایہ کاری ہو سکتی ہو ان سب چیزوں کا وقف جائز اور مناسب ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواز وقف شئے موقوفہ کی نوعیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ کسی بھی صورت میں اس سے مستقل مفاد کے امکان پر منحصر ہے یہ مفاد اس چیز کے ساتھ کسی بھی طرح کا معاملہ کر کے ہو خواہ اسے بغرض مفاد کسی اور صورت میں تبدیل کر کے ہو۔ وقف محض ایسی صورت میں غیر موثر ہوتا ہے جب کہ شئے موقوفہ کسی طرح بھی فائدہ رساں مقصد میں منتقل ہونے کے قطعاً ناممکن ہو۔ مثلاً کوئی قطعہ آراضی جو بالکل خشک اور بنجر ہو جس میں نہ کاشت ہو سکتی ہو اور جو نہ چراہ گاہ یا کسی اور مفید کام میں آسکتا ہو جس کی پیداوار سے وقف قائم رہ سکے تو ایسی آراضی وقف کے لیے ناموزوں ہو گی۔ لیکن ایک ایسی شئے جو بذاتہ دوام حیثیت نہیں رکھتی ہو اور استعمال سے ختم ہو سکتی ہو تو وہ فروخت کی جائے گی اور اس کی قیمت حسب رواج کسی بھی مفید مقصد میں اس غرض سے صرف ہو گی کہ اس سے مستقل مفاد حاصل ہو سکے۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی وقتاً فوقتاً تجدید ہو مثلاً اشیائے خوردنی بھی وقف کے لیے مناسب ہیں۔ اس لئے کہ ان کو فروخت کرنے کے بعد ان سے موصولہ قیمت کو کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے۔

جب فی الواقع سکوں (درہم و دینار) کو وقف کیا جائے تو ان کو بھی ایسے ہی مقصد میں کام میں لیا جائے گا۔

ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں دو معاملوں میں اس اصول کی رو سے بنیادی تصور کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اسی لئے وہ فقہاء کے اس مفہوم کا ادراک نہ کر سکیں جس میں انہوں نے بعض قسم کی منقولہ اشیاء کی دوسری قسم کی اشیاء کے مقابلہ میں وقف کئے جانے کی تاکید کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت العالیہ کلکتہ نے ایک مقدمہ میں ابو یوسف کے قول کو مذہبی اہمیت دیدی۔ اگر چہ مسلم فقہاء بالاتفاق رائے ان کے اصول کو سنداً اختیار نہیں کرتے۔ بہر حال اس فتویٰ کا تجزیہ محض تمثیلاً ہے نہ کہ محدود کرنے کے لیے۔ ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جب ابو یوسف کسی شئے کے لیے ناجوازی وقف کا فتویٰ دیتے ہیں تو ان کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ شئے موقوفہ باعتبار اپنی نوعیت کے وقف کے لیے ناجائز ہے۔ بلکہ اس قیاس کی بنا پر ناجائز بتاتے ہیں کہ شئے متعلقہ ایسی دائمی نوعیت کی نہیں ہے جو مستعمل ہونے پر مستقل منافع دے سکے۔ ایسی اشیاء جنہیں مسلمان شرعاً نہ تو خرید سکتے ہیں نہ جمع کر سکتے ہیں جیسے لحم خنزیر یا منشیات ان کو شرعاً وقف نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ وہ غیر مسلموں کو فروخت کی جا سکتی ہیں۔ ابتدائی دور میں شئے موقوفہ کا بنیادی تصور کے مطابق ہونے کا معیار یہ تھا کہ وہ کسی بستی میں وقف کرنے کے سلسلہ میں مروج رہی ہو۔ خواہ وہ رواج کسی بھی حد تک ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز اس بستی کے باشندوں کے آپسی معاملات کاروبار میں استعمال ہوتی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسکی خرید و فروخت نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس کی تجدید سے مستقل منافعہ حاصل کر سکتے تھے اور نہ اس کی فروخت سے حاصل شدہ قیمت کسی مصرف میں لگائی جا سکتی تھی۔

اسناد کی وضاحت کے لیے یہ ابتدائی حوالے مفید ہوں گے۔

مشاع کے موضوع پر درالمختار میں منقولہ اشیاء کے وقف کے بارہ میں درج ذیل عبارت ہے ''اس طرح تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے جو کہ قصداً وقف کی گئی ہوں مثلاً بھالے کلہاڑیاں حتیٰ کہ درہم و دینار بھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بارہ میں بادشاہ کا قاضی کے نام فرمان بھی ہے کہ درہم و دینار کے وقف کو جائز قرار دیا جائے۔ جیسا کہ مفتی ابو سعود کے احکام میں درج ہے ایسے ہی ہر وہ چیز جو کہ ناپی یا تولی جا سکے یہ

تمام چیزیں فروخت کی جائیں گی اور حاصل شدہ قیمت مضاربت یا بضاعت میں صرف ہو گی۔ اس طرح اگر کوئی شخص بڑی مقدار میں گندم یا جو اس شرط پر وقف کرے کہ متولی انہیں کسی کاشتکار کو بونے کے لیے قرض دیدے اور فصل تیار ہونے پر واپس لے لے اور مکرر اسی طرح دیتا رہے تو خلاصہ کے مطابق یہ جائز ہے۔ دیگ۔ کڑھاؤ۔ تابوت۔ کفن کا کپڑا کلام پاک کے نسخے اور دوسری عام کتابوں کا وقف جائز ہے اس لئے کہ ان کا عام رواج ہے اور حدیث کے مطابق بھی ہے کہ جس شئے کو مسلمان پسند کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔ بحر الرائق میں کشتی و جہازوں کے وقف کو اثاثہ کے وقف کی طرح ایک ہی زمرہ میں رکھا ہے اگرچہ اس کا عام رواج نہیں ہے۔

کشتیوں اور جہازوں کا وقف جائز ہے

امام حنبل کے حوالے سے بحر الرائق میں درج ہے مصنف ملتقی الابحر لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں جہازوں کے وقف کا رواج ہے۔ طحطاوی نے اپنی شرح میں بتایا ہے کہ صاحبین میں گھوڑوں اور اسلحات جنگ کے جواز کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ اس کی تائید میں بہت سے ثبوت اور احادیث ہیں بقول ابو محمد تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے بشرطیکہ ان کا رواج ہو مگر ابو یوسف کی رائے اس کے برعکس ہے۔ مجتبیٰ میں آیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک تمام منقولہ اشیاء کا وقف جائز ہے لیکن ابو یوسف کے نزدیک صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ ان کا رواج ہو۔ اگرچہ نہر القائق کی عبارت سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ محض ان اشیاء منقولہ کا وقف جائز ہے جن کا ان مقامات پر رواج ہو مگر مفتی ابو سعود کی رائے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

اسی مصنف نے وقف کی دوسری شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسری شرط یہ ہے کہ شئے موقوفہ وقف کے مناسب ہونا چاہئے۔ صحیح اصول کے مطابق منقولہ وغیر منقولہ ہر دو قسم کی اشیاء وقف ہو سکتی ہیں۔ اول الذکر میں ہر وہ شئے شامل ہے جو رسم و رواج کے مطابق وقف ہوتی ہو۔ مثلاً کلام پاک کے نسخوں اور کتب احادیث کا وقف جائز ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ مصر کے قرب وجوار میں رائج الوقت سکوں کے وقف کا رواج نہ ہوتے ہوئے بھی ممالک روم (ترکی سلطنت) میں

درہم و دینار کا وقف مروج ہے اور جائز ہے زر نقد یعنی درہم و دینار کا وقف یا زر نقد کے مساوی کا وقف کیا جائے تو وہ مضاربت (کاروبار) میں لگایا جائے گا اور اس کی آمدنی اغراض وقف پر صرف ہوگی ارتقائی قانون کا تصور اس امر سے ظاہر ہوگا کہ اگرچہ طحطاوی کے زمانہ میں مصر میں زر نقد کا رواج نہ تھا لیکن اب وہاں بھی یہ بقیہ تمام مسلم دنیا کی طرح رائج ہے اب مصر میں نہ صرف زر نقد کا ہی وقف ہوتا ہے بلکہ کمپنیوں کے حصص تمسکات اور بونڈ بھی عام طور پر وقف کئے جاتے ہیں۔

ہدایہ اور درالمختار کی تالیف کی درمیانی مدت میں جو قریب تین سو سال کے ہے قانون کے نظریات میں ترقی ہوئی ہے۔ ہدایہ کے مطابق کسی غلام کا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں دوام نہیں ہے۔ لیکن درالمختار کے مطابق یہ جائز ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص اس غلام کو عمداً قتل کردے تو قاتل کا قصاص نہیں ہونا چاہئے بلکہ دیت یعنی غلام کی قیمت اس سے لے لینا چاہئے۔ تاکہ اس کے بجائے دوسرا خریدا جاسکے اس سے ظاہر ہے کہ پندرہویں صدی عیسوی میں خزینۃ المفتین میں اشیائے منقولہ کے وقف کے بارہ میں یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص زر نقد یا اشیاء خوردنی یا کوئی بھی وہ چیز جو کہ وزن یا پیائش کی جاسکے وقف کرے تو بقول امام زفر یہ جائز ہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسی چیزیں کیسے وقف ہوسکتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ بذریعہ مضاربت تجارت میں لگایا جاسکتا ہے اور اس سے جو کچھ منافع ہو وہ اغراض وقف میں جمع کیا جائے۔ اور وزن یا پیائش ہونے والی اشیاء فروخت کردی جائیں۔ اور زر نقد تجارت میں لگادیا جائے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی تمثیل اس طرح ہے۔

اگر کوئی واقف یہ کہے کہ اتنی مقدار میں گیہوں کاشت کے لیے غربا کو ادھار دیا جائے اور فصل تیار ہونے کے بعد اسی مقدار کے برابر ان سے واپس لیا جائے اور یونہی ہمیشہ غربا کو ادھار دیا جاتا رہے گا تو یہ جائز ہے اسی کے مطابق بہت سے اوقاف ساوند اور خوشحالی فارس کے کوہستانی خطوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حنفی دنیا میں امام زفر کو مجتہد مانا جاتا ہے جو اصول وضع شرع وضع کرسکتے ہیں۔ ابو یوسف اور امام محمد کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ یہ میں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ امام زفر یا کسی بھی دوسرے امام کے وضع کردہ

اصول کی پیروی کرنا مسلمان جج کی صواب دید پر ہے کہ جہاں تک بھی اس کی مفکرانہ رائے میں ضرروت زمانہ یا اغراض انصاف کے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہوں۔

قاضی خاں نے شمس الائمہ سرخسی جیسے فقیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اشیائے منقولہ کا وقف جائز ہے البتہ رسم ورواج سے یہ متیقن ہو سکتا ہے کہ کون کون سی اشیاء کا وقف ہو سکتا ہے۔ کفن کے کپڑے اور کتابوں کا وقف تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ گائے کے دودھ کا بھی وقف بر بنائے رواج جائز ہے اور زر نقد کا بھی وقف جائز ہے اور یہ تمام چیزیں کاروبار میں لگائی جائیں گی اور ان سے حاصل شدہ منافع اغراض وقف پر صرف ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح گیہوں کی مقدار بھی وقف ہو سکتی ہے۔

درالمختار کے محولہ پیرے پر تنقید کرتے ہوئے ردالمختار نے بتایا کہ جائیداد غیر منقولہ کی ذیلی اشیاء کا وقف بلا اختلاف رائے ابو یوسف و ابو محمد جائز ہے۔ اسی طرح اسلحات جنگ اور گھوڑوں کے جواز وقف کے بارہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عام متعارف ثبوت کی رو سے جائز ہیں۔ ان دونوں ہی منقولہ اشیاء کے سلسلہ میں متذکرہ بالا چیزوں کو چھوڑ کر اختلاف ہے۔ بقول ابو یوسف ہر منقولہ شئے کا وقف جائز نہیں ہے مگر بقول امام محمد جائز ہے جب کہ رواج ہو اور یہی اصول تمام ملکوں کے فقہا کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ اسعاف میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔

اشیاء منقولہ کا وقف بغیر کسی پابندی کے جائز ہے

مجتبیٰ میں بھی سیر کے حوالہ سے درج ہے کہ امام محمد کے نزدیک منقولہ اشیاء کا وقف بلا کسی پابندی کے جائز ہے اور ابو یوسف کے نزدیک صرف ان اشیاء کا وقف جائز ہے جن کا رواج ہو۔ بحر الرائق میں بھی اس کا حوالہ ہے اور یہ کہ اول الذکر صورت تو عام طور پر متعارف ہے۔ خلاصہ میں زر نقد کے جواز وقف کا اصول انصاری کے حوالے سے بتایا گیا ہے۔ یہ زفر کے شاگرد تھے خاینہ میں زفر کا حوالہ بتایا گیا ہے کہ شتر یا مالیہ کی سند پہ زفر کا حوالہ ہے۔

درہم و دینار کا وقف۔ امام محمد کے مطابق فتویٰ

مصنف نے نسخ الغفار کے حوالے سے لکھا ہے کہ ممالک روم اور دوسرے

ملکوں میں اس کا رواج ہے پس زر نقد کا وقف امام محمد کے قول کے مطابق جس پر کہ فتوئ بھی ہے یہ کہ ہر وہ شئے جس کے وقف کا رواج ہو اس کا وقف جائز ہے اور صحیح ہے پس یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے جواز کے لیے امام زفر کے قول کو انصاری کے حوالے سے ہی درج کیا جائے۔ پس مولانا صاحب البحر (مصنف بحر) کا بھی یہی فتوی ہے کہ درہم و دینار کا وقف جائز ہے۔ اور اسکے بر عکس کسی اصول کا حوالہ نہیں دیا ہے نسخ الغفار میں آیاہے کہ بقول رملی درہم و دینار کو ان اشیاء میں شامل کرنا جن کے وقف کا رواج ہے مشتبہ ہے اس لئے کہ وہ اشیاء نہیں کہ جن سے ملکیت واقف میں رہتے ہوئے بھی منافع حاصل کیا جاسکے۔ مصنف بحر کے فتوے میں بلا کسی اختلاف رائے کے حوالے کے یہ ثابت نہیں ہے کہ درہم و دینار کا وقف امام محمد کی اس رائے میں آجاتا ہے جس پر کہ فتوی ہے کہ تمام اشیاء مروجہ کا وقف جائز ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ صاحب الخیر نے زفر کی رائے سے اتفاق کر لیا ہو اور اس کے مطابق فتوی دیدیا ہو وہ لکھتے ہیں کہ میں مصنف ردالمختار کو بتانا چاہتا ہوں کہ درہم ودینار زر نقد محض اس لئے مختص نہیں ہیں کہ ان کا خاص طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ ان کو ان کی خصوصی نوعیت میں برقرار رکھتے ہوئے ان سے کوئی منافع نہیں ہو سکتا اس لئے ان کو اس خصوصی نوعیت میں نہیں رکھا جاسکتا۔ لہذا ان کا عوض جو ان کا بدل ہو ان کے بجائے ہوگا۔ پس ان کو ہمیشہ کے لیے دوامی سمجھنا چاہئے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ جائیداد منقولہ میں سے ہیں۔ پس وہ اشیاء جن میں کہ لین دین ہوتا ہے بقول ابو محمد ان کا وقف جائز سمجھا جائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے ان اشیاء کا حوالہ دیاہے جن کا خود ان کے زمانے میں لین دین ہوتا تھا۔

فتح القدیر میں ہے کہ امام محمد کے اس نظریہ کی بنا پر فقہا نے اس اصول کا ان دیگر اشیاء پر بھی اطلاق کیا ہے جس کا انہوں نے لین دین دیکھا۔ خلاصہ میں آیاہے کہ گائے کا وقف بھی اگر اس کا دودھ مسافروں کو دینے کا رواج ہو تو جائز ہے۔

انصاری سے جو امام زفر کے شاگرد ہیں دریافت کیا گیا کہ آیا درہم یا ایسی چیزوں کا وقف جو وزن کی جاتی ہوں جائز ہے۔ تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور اس سوال کے جواب میں کہ یہ کیسے کیا جائے؟ جواب دیا کہ روپیہ مضاربت میں لگایا جائے یا بضاعت میں خرچ کیا جائے۔ بقول مصنف یہ اس تمثیل پر جائز ہوگا مثلاً گیہوں کی کچھ مقدار اس

شرط پر وقف کی جائے کہ وہ ایسے غریب کاشتکاروں کو جو بیج نہ خرید سکتے ہوں ادھار دیدیا جائے اور درو فصل کے بعد وہ گیہوں واپس کر دیں اس طرح یہ غلہ ہمیشہ دوسروں کو دیا جاتا رہے۔ دماوند اور رے کے قریب میں ایسے کئی مواضعات ہیں۔ اس سے مصنف تنویر کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے کہ درہم و دینار کا وقف امام محمد کے اصول میں شامل ہیں جس پر کہ یہ فتویٰ ہے کہ منقولہ اشیاء کا حسب رواج وقف کرنا جائز ہے۔ زر نقد کے جواز کی خاص طور پر امام زفر سے منسوب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ انہوں نے ہی ابتداء اس اصول کو نافذ کیا۔ فی الحال دیار روم میں زر نقد کے وقف کا عام رواج ہے۔

تمام فقہا کے نزدیک بہ مطابق فتح القدیر ہر قسم کی اشیاء منقولہ کا وقف جو نوع انسانی کے عام استعمال میں آتی ہوں جائز ہے۔ بقول شافعی ہر وہ چیز جس کی بیع جائز ہو اور وہ چیز جسکی وقتاً وفوقتاً بذریعہ تجدید یا کسی اور طرح اس سے منافع حاصل ہوتا ہو وہ جائز طور پر وقف کی جاسکتی ہے۔ اور یہی امام مالک نیز احمد بن حنبل کی رائے ہے۔ زیورات بھی وقف کئے جاسکتے ہیں کیونکہ حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ نے کئے ہیں۔ امام زفر کے شاگرد انصاری سے جب پوچھا گیا کہ آیا زر نقد یا ہر وہ چیز جو تولی یا ناپی جاسکے ان کا وقف جائز ہے تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور کہا یہ وقف کئے جاسکتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ ایسی اشیا کیسے وقف کی جاسکتی ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ان سے حاصل شدہ رقم کاروبار میں لگائی جائے۔ اور اگر یہ کوئی شئے ہو تو فروخت کر دی جائے۔ اور اسی طرح اس کا زر قیمت وقف میں استعمال کیا جائے گا۔ دوسری کتب فقہ میں بھی یہی اصول وضع کیا گیا ہے۔ مثلاً علامہ عینی کی تصنیف زمر الحقائق میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقف جیسے گھوڑے، اسلحہ جنگ، کڑھاؤ، کفن کلام پاک کے نسخے اور کتب فقہ وغیرہ کا وقف جائز ہے اس لئے کہ ان اشیاء کی ضرورت سماجی حالات کی بناء پر مسلمہ ہے۔ واجز الحیط میں ہے کہ ہر وہ شئے منقولہ جس کے وقف کا رواج ہو قانوناً اس کا وقف جائز ہے پس درہم و دینار کا وقف اگر وہ مروج ہو تو جائز ہے مزید بر آں امام شافعی کے مطابق ہر وہ شئے جس کا قانوناً لین دین ہوا اور فروخت ہوسکتی ہو اسکا وقف جائز ہے۔ اس بارہ میں صرف سنی امام ہی متفق الرائے نہیں ہیں بلکہ شیعہ مجتہدین بھی متفق ہیں جو

کہ منقولہ وغیر منقولہ ہر دو قسم کی اشیاء کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسمٰعیل جی بھام بظاہر مندرجہ بالا اسناد عدالت عالیہ کلکتہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اس فاضلانہ فیصلہ کے ماخذ کا بہت غور سے جائزہ لینے کے بعد اس فیصلہ سے اختلاف کرتے ہوئے طے کیا کہ حسب شرع شئے منقولہ کا جس میں کہ زر نقد بھی شامل ہے وقف جائز ہے۔ نیز عدالت عالیہ کلکتہ نے بھی مقدمہ سکینہ خانم بنام لڈن صاحبہ اسی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

بمقدمہ بانو بنام نرسنگ راؤ عدالت عالیہ بمبئی کے فاضل ججان نے اس امر پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہ اشیاء منقولہ اور زر نقد کا وقف حسب شرع جائز ہے لکھا ہے کہ یہ امر کہ آیا اس قسم کی اشیاء کا وقف جائز ہے ہماری رائے میں اشیاء منقولہ کے وقف کو دور حاضرہ میں جمع شدہ سرمایہ کی فہرست سے علیحدہ کرنے کی کوئی باوزن دلیل نہیں ہے۔

سرکاری تمسکات وغیرہ کا وقف جائز ہے

اشیاء منقولہ مع زر نقد کے جواز وقف کی بابت سنی اصول کا اعادہ تسہیل جوہرۃ النیرہ غایت البیان اور دیگر تصانیف میں کیا گیا ہے۔ ان اصولوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ حنفی قانون کے مطابق سرکاری، تمسکات کمپنیوں کے حصص اور دیگر دستاویزات زر نقد کا وقف قطعاً صحیح اور جائز ہے۔

ایک یا دو قدیم حنفی فقہائے بعض قسم کی اشیاء منقولہ کے جواز وقف کے بارہ میں کچھ اشیاء کی تفریق کے بارہ میں جو شک ظاہر کیا تھا وہ دراصل معاشرہ کے ابتدائی قدیم حالات کا نتیجہ تھا اور عام طور پر یہ نظریہ اس امر پر مبنی تھا کہ دوامیت جواز وقف کے لیے لازمی ہے جو عام طور پر اشیاء منقولہ کے وقف میں ممکن نہیں ہے۔ لیکن جوں جوں مسلمانوں کے طبقات نے تہذیب میں ترقی کی اور تجارت کو فروغ دیا بالاتفاق یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ ہر اس شئے کا وقف جو نوع انسانی کے لین دین میں آتی ہے یا جس کا کسی خاص علاقہ میں رواج ہو جائز ہے۔ صاحب نظر نقاد یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا کہ رسم و رواج شرع میں ایک لازمی جزو ہے۔ مثل استحان (وسیع توضیح) کہ اس سے فراخی کا اظہار ہوتا ہے

اور مختلف طبقات کو باوجود قانونی بندش کے ترقی اور نشو و نما کا موقع ملتا ہے۔

اصول

جب ایسی اشیاء کا وقف کیا جائے جو کہ وزن یا پیمائش کی جا سکتی ہوں مثلاً غلہ یا کپڑے تو ان کو فروخت کر دیا جائے گا اور ان کی حاصل شدہ قیمت تجارت اور کاروبار شراکت میں صرف ہوگی ایسی اشیاء اناج برائے تخم کا وقف بھی غرباء کو قرض دینے کے لیے موثر ہوگا۔ کڑاؤ کا جس میں کہ غرباء کے لیے لنگر تیار ہوتا ہے اور اسی طرح کے دوسرے برتنوں کا وقف جائز ہے۔

جب عام رواج ہو تو حسب شرع اس پر قیاس نافذ نہیں ہوتا۔ یہ قول کہ رواج قیاس کو رد کر دیتا ہے اس سے فقہا کا یہ منشا ہے کہ حسب قیاس دوامیت وقف کی لازمی شرط ہے اور شئے منقولہ دائماً قائم نہیں رہ سکتی۔ پس شئے منقولہ کا وقف بادی النظر میں جائز نہیں۔ مگر حالیہ رواج کے مطابق بقول ردالمختار جہاں بھی اس قسم کی شئے منقولہ کے وقف کا رواج ہو وہ جائز ہوگا۔ خواہ صحابہ کے زمانہ میں ایسا رواج نہ رہا ہو۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقف حالات زمانہ و معاشرہ کی ضرورتوں اور لوگوں کے رسم و رواج پر منحصر ہے۔ اس اصول کے مطابق آراضی سے منافع اور ان سے حصول آسائش کے حق کا وقف بھی جائز ہے۔

کتابوں کا وقف

اسی طرح کتابوں کا وقف بھی جائز ہے۔ جب کلام پاک کے نسخوں کا وقف کسی خاص مسجد کے طلبا کے لیے کیا جائے تو ان کی صرف اسی مسجد میں تلاوت ہوگی۔ وہ کسی دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتے اسی طرح جب کتابوں کا وقف کسی خاص علاقہ کے لوگوں کے لیے مختص طور پر کیا جائے تو وہ کتابیں دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتیں۔

کپڑوں کا وقف

غربا کے لیے گرم کپڑوں کا وقف کرنا بھی کہ وہ سردی میں انہیں پہن کر واپس لوٹا دیں جائز ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ الفاظ رسم و رواج جب کسی شئے منقولہ کے

وقف کے سلسلہ میں استعمال ہوں تو ان سے انگلش لا کی اصطلاح کسٹم کا مفہوم نہیں ہوتا۔ اور نہ حسب شرع رسم ورواج کو ثابت کرنے کے لیے اس قسم کی شہادت کی ضرورت ہے جیسی کہ انگلش لا کے مطابق کسٹم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ قاضی کو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسی اشیاء کے وقف کا رواج کب سے چلا آرہا ہے۔ بلکہ اس امر کو طے کرتا ہے کہ آیا شئے موقوفہ سے نوع انسانی کو لین دین کے ذریعہ سے فائدہ دائمی پہونچ سکتا ہے۔ دوم یہ کہ آیا اس شئے کا وقف تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یا جس مقام پر کہ وقف کیا جارہا ہے وہاں کے لوگوں میں ایسی اشیاء کے وقف کا عام رواج ہے اگر ایسا وقف شاذو نادر بھی ہوا ہو تو بھی قاضی اس کو ملحوظ رکھے گا کہ وقف کا استعمال بلا واسطہ غایت خیر کے لیے ہو اور مزید یہ کہ شئے موقوفہ اس لائق ہو کہ اس کے استعمال سے انسانوں کی مروجہ اغراض پوری ہو کر مستقل مفاد حاصل ہو سکتا ہو۔

فصل دوم :۔ زر نقد اور اشیائے منقولہ کا وقف عام ہے

زر نقد کا وقف

بمقدمہ کلثوم بی بنام غلام حسین قاسم عارف عدالت العالیہ کلکتہ نے سماعت ابتدائی میں طے کیا کہ شرعاً تجارتی کمپنیوں کے حصص کا وقف جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ادباً یہ بتانا ہے کہ یہ فیصلہ اصول کی ایک غیر صحیح اور بے جا تعبیر کا نتیجہ ہے جس کی اسناد سے تائید نہیں ہوتی بلکہ شرع کے ایک مسلمہ اور طے شدہ مسئلہ کو مختلف فیہ کرنے کے مترادف ہے۔ گو اس طرح ابو یوسف کے فتوے پر انحصار کیا گیا ہے لیکن احناف میں جو اصول مروج ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ تمام ممالک کے فقہا ابو محمد کے فتوے کی پیروی کرتے ہیں۔

اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں کہ جمع شدہ زر نقد اور تجارتی کمپنیوں کے حصص حسب شرع مال کی تعریف میں آتے ہیں چونکہ وہ لائق تجدید ہیں اس لئے مال متقوم ہیں یعنی ایسی چیز جس پر کہ حقوق ملکیت عائد ہو سکیں۔ نیز چونکہ ان کے ذریعہ عام طور پر لین دین ہو سکتا ہے اس لئے خارج از تجارت نہیں ہیں مزید برآں یہ کہ بطور حصص یا کسی

دوسرے طریقہ سے روپیہ لگانے سے مستقل فائدہ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تجارتی کمپنیوں کے حصص کا وقف کس طرح ناجائز ہے۔ عدالت العالیہ کلکتہ نے مقدمہ مذکورہ میں جو وجہ بتائی ہے وہ غور طلب ہے۔

اول تو بظاہر یہی قیاس ہوتا ہے کہ حسب شرع زر نقد یا وہ روپیہ جو کاروبار میں لگا ہوا ہے اس کا وقف جائز ہے۔ حالیہ مصنف نے ایک نیا اصول وضع کر کے اجتہاد کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ لفظ اجتہاد کے مفہوم میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اسی لفظ سے اصول کی ارتقائی تشکیل کے مفہوم کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اگرچہ حنفی نظریہ کے مطابق تیسری چوتھی اور پانچویں صدی سے نئے اصول کی توضیع ممنوع ہو گئی لیکن قدیم اصول و قواعد کے بابت ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی کہ زمانہ کی ضروریات اور سماجی ترقیوں کے مطابق ان کی توضیح نہ کی جائے۔ بلکہ اس کے برعکس قاضی مجاز ہے کہ ان قانونی اصولوں کی وسیع تعبیر کرے اور ان کو انصاف و مصالح وقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کرتے ہوئے استعمال کرے۔ دوسرا قابل توجہ امر یہ کہ یہ قیاس کر لینا غلط ہے کہ حنفی مذہب میں ابو یوسف کی آرا تمام مسائل میں امام محمد کی آراء کے مقابلہ میں زیادہ مستند ہیں۔

خاص خاص شارحین قانون کی آرا میں بصورت اختلاف فیصلہ کا طریقہ

حنفی اصول کے مطابق ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی مسئلہ کی بابت امام ابو یوسف اور امام محمد میں اختلاف رائے ہو تو مسلمان جج کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی رائے کو جو انصاف اور حالات زمانہ سے قریب تر ہو اختیار کرے۔ اور یہی کلیہ تمام فقہاء کی آرا میں اختلافی صورت میں قابل عمل ہے۔

درالمختار میں ہے کہ حنفی جج ابو یوسف یا ابو محمد کی رائے کے مطابق ڈگری صادر کرنے کا مجاز ہے۔ مزید براں اگر کسی خاص مسئلہ کے متعلق دو مساوی صحیح فتوے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کے مطابق ڈگری صادر کرنا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں ردالمختار کی تشریح مفید اور اہم ہے اس امر کی وضاحت کے بعد حنفی جج کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ ابو یوسف، ابو محمد یا کسی بھی دوسرے حنفی امام کی رائے اختیار کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ

سب امام ابو حنیفہ بانی مذہب کے پیرو ہیں۔ یوں لکھتے ہیں کہ اس حوالہ کے بعد کہ جب دو قول صحیح ہوں یعنی جب ہر دو امام مساوی طور پر صحیح ہوں تو جج کسی کے بھی قول کے مطابق ڈگری صادر کر سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اصح قول کو اختیار کیا جائے۔ مثلاً کوئی صحیح قول ہو لیکن دوسرے قول کی تائید میں فتوی بھی ہو تو ان دونوں میں موخرالذکر صحیح تر (اصح) ہے۔ اور اگر کتب فقہ یا متفقہ احادیث میں کوئی قول ہو یا اکثریت کا اس پر اتفاق ہو یا وہ عوام کی ضروریات سے زیادہ ہم آہنگ ہو تو اس قول کو اس کے برعکس کے بجائے قبول کرنا سب سے بہتر ہے۔ خواہ وہ برعکس قول بھی صحیح ہو۔ جیسا کہ میں کتاب کے ابتدا ہی میں بتا چکا ہوں۔

جج انصاف و ضروریات زمانہ کے مطابق فیصلہ کرے

اگر چہ جج اس امر کا مجاز ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک قول کے مطابق فیصلہ صادر کرے لیکن اگر کسی مسئلہ کو اس نے کسی ایک قول کے مطابق طے کر دیا ہو تو وہ اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ اسی نوعیت کے مسئلہ کو پھر کسی دوسرے قول کے مطابق طے کرے خواہ کسی دیگر معاملہ میں وہ ایسا کر سکتا ہو۔ اور یہی قواعد مفتیوں پر بھی جو کہ عدالت کی رہنمائی اور عمل کے لیے قانون کی توضیح کرتے ہیں عائد ہوتے ہیں۔ ایک جج کو کافی غور کے بعد یہ طے کرنا چاہیے کہ زمانہ کے حالات اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق کونسی رائے سب سے مناسب و اصح ہے۔ اور یہی ان کا (یعنی علماء کا کہ مفتی جن کو موزوں ترین سمجھے) مقصد ہے اس کے مطابق فتوی صادر کرے۔ موزوں سے منشا محض دنیوی مصلحت ہی نہیں بلکہ جو دینی اعتبار سے بھی موزوں ہو۔

وقف سے متعلق بنیادی اصول

قانون وقف کے سلسلہ میں کچھ بنیادی اصول ہیں جن پر خواص ائمہ کا اتفاق ہے مگر ضمنی اصولوں کے بارہ میں کافی اختلاف ہے۔ اساسی اصول یہ ہیں۔

(الف) شئے موقوفہ دواماً وقف کی جائے۔

(ب) تمام حقوق انسانی سے الگ کر دی جائے۔

(ج) یہ ناقابل ارث اور ناقابل انتقال ہو۔

ابو یوسف اور امام محمد میں اختلاف

مندرجہ بالا اصولوں پر اتفاق رائے ہے۔ لیکن جب ہم ذیلی اصولوں پر آتے ہیں کہ کسی طرح اور کسی کے لیے وقف کیا جائے اور اس کی تشکیل میں کون سے جملے استعمال کئے جائیں اور اشیا میں کون سی اشیا کا وقف مناسب ہے تو ہم ابو یوسف اور ابو محمد میں اختلاف رائے پاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ابو یوسف کی رائے کے مطابق فتوے ہیں اور ان کی رائے کے مطابق ڈگریاں صادر ہوئی ہیں اور بعض مسائل ابو محمد کی رائے کے مطابق طے ہوئے ہیں۔ امام ابو یوسف کے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے۔ بخارا کے فقہا نے ابو محمد کی اور بلخ کے فقہاء نے ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ہندوستان میں ابو یوسف کا قول مسلمہ بتایا جاتا تھا۔ مگر انگریزں کے دور حکومت میں ہندوستانی عدالتوں نے ابو محمد کی رائے اختیار کی ہے۔

ابو محمد کی رائے میں شئے موقوفہ کا کسی متولی کو تفویض کرنا ضروری ہے۔ مگر ابو یوسف کی رائے میں ایسا نہیں ہے۔ اور ان کی رائے کو بلخ کے فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

ابو یوسف کی رائے ہے کہ سوائے بعض اقسام کی منقولہ اشیاء کے جن کے وقف کا عام رواج ہے دوسری اشیاء کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ اصل غایت وقف یعنی دوام کے متناقض ہیں۔ اور یہ دوران استعمال صرف ہو جانے والی ہیں۔ لیکن ابو محمد کی رائے میں ہر قسم کی اشیائے منقولہ جو کہ انسانوں کے باہم لین دین میں کام آتی ہوں یا کسی خاص علاقہ میں ان کے وقف کا رواج ہو تو ان کا وقف جائز ہے۔ امام محمد کا یہ اصول عام طور پر بالاتفاق تسلیم کیا جاتا ہے اور اس بارہ میں ہر تصنیف میں یہ درج ہوتا ہے کہ ابو محمد کی رائے کے مطابق ہی فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ امام زفر جو امام ابو حنیفہ کے ہم عصر اور ان کے شاگرد ہیں اور امام محمد اور امام ابو یوسف جیسے اول درجہ کے مجتہدین کے ہم رتبہ مانے جاتے ہیں اور استاد کے مرتبہ پر ہیں (یعنی اصول وضع کر سکتے ہیں) امام محمد سے اس امر میں متفق ہیں کہ اشیاء کا وقف بہ شمول زر نقد قطعاً جائز ہے زفر کے مطابق جب کوئی شخص زر نقد (درہم و دینار) یا اشیاء خوردنی یا دیگر اشیاء جو لائق وزن و پیائش ہوں وقف کرے تو جائز ہے۔ اس سوال پر کہ یہ کس طرح جائز ہے انہوں نے

جواب دیا کہ زر نقد مضاربت میں لگایا جاسکتا ہے اور اس کا منافع اغراض وقف میں کام آسکتا ہے۔اسی طرح لائق وزن و پیمائش اشیاء فروخت کی جاسکتی ہیں اور ان سے حاصل شدہ قیمت مثل زر نقد مضاعت یا مضاربت میں کام آسکتی ہے۔ اور یہی رائے ایک دوسرے مجتہد امام زہری کی ہے۔

امام محمد کا اصول قانون مسلمہ

مصنف ردالمختار نے اس پر زور دیا ہے کہ امام محمد کا اصول (جس کے مطابق فتاوی ہیں) تمام قسم کی اشیاء منقولہ پر حاوی ہے اس لئے امام زفر سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس یہ قیاس کرنا بنیادی غلطی ہے کہ اس مسئلہ پر ابو یوسف کی رائے فیصلہ کن اصول ہے بلکہ ایسا قیاس ہی اصول شرع کے خلاف ہے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اشیائے منقولہ انسانوں کے باہمی لین دین میں کام آتی ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو ان کی تجدید کرنا یا ان سے دوامی فائدہ حاصل کرنا ناممکن ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی گائے غریبوں کو دودھ تقسیم کرنے کے لیے وقف کی گئی ہو (جس کا وقف جائز ہے) لیکن اس گائے کو دودھ سے بند ہونے کے بعد اگر اسے فروخت نہ کیا جائے تو یہ کار خیر بند ہو جائے گا۔

ردالمختار کے پیرے کے ترجمہ پر اس طرح اعتراض کیا گیا ہے کہ لفظ ''تعامل'' کے معنی رواج کے ہیں اور معاملہ کرنے کے ہیں۔ جیسی کی معترض مصنف کی تشریح ہے اس رائے سے تعامل اور تعارف دونوں اصطلاحات میں اس قیاس کی بنا پر ایہام پیدا ہوتا ہے کہ دونوں مترادف ہیں۔ اور یہ دونوں الفاظ اسی پیرے میں آگئے ہیں جس کا ترجمہ تصنیف ہذا میں کیا گیا ہے۔

لفظ تعامل کی تعریف ہنگوی عربی لغت اور جانسن کی عربی فارسی لغت میں کی گئی ہے۔ اس کے معنی معاملہ کرنا یا مل کر کوئی کام کرنا ہیں۔ جیسا کہ جانسن کے مطابق تعامل سے مراد رسم و رواج یا طریقہ کے ہیں۔ پس تعامل قطعاً عرف کے مترادف نہیں ہے یہی تعریف عربی کی لغت تاج العروس اور لئن کی عربی فرہنگ میں کی گئی ہے جس میں ہے کہ لفظ تعامل اور معاملہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے جن سے مراد باہمی معاملہ کرنا یا

خرید و فروخت کرنا ہیں۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے (تعامل الناس بالوراہم) لوگوں کا آپس میں درہم سے خرید و فروخت کا (تعامل ہے)۔ تعامل کے معنی روزی کے مطابق بھی اس مفہوم میں ہیں (تعامل الدراہم) درہم سے لین دین کی (تعامل فی الدراہم) سے معاملہ ہوتا ہے۔ اور اس (فلس) سے خرید و فروخت کتاب کشاف الاصطلاحات العدم میں بھی اسی کے مماثل معنی لئے گئے ہیں۔ لفظ تعامل کبھی بھی عرف کے مترادف کے طور پر استعمال نہیں ہوا اور نہ تعامل و معاملہ سے وہی معنی مراد ہوتے ہیں جو لفظ عرف (رسم و رواج) سے ہوتے ہیں۔

غایت البیان میں درج ذیل پیرے میں یہ دونوں لفظ ایک جملے میں استعمال ہوئے ہیں لیکن دونوں ہم معنی نہیں ہیں۔

صح ایضا وقف منقول کالکراع والسلاح والفیاس والقدر والقدوم والمشار والحیاز وثیابها والمصاحب وكهف نفسه الحديث ,الاديه وغيره' ذالك مافيه تعامل وتعارف الوقفه۔

اشیاء منقولہ کا وقف

بعینہ اشیاء منقولہ مثل آلات کشا ورزری و دجنگ کلہاڑے۔ آرے۔ تابوت، کفن، کلام پاک کے نسخے فقہ حدیث اور ادب کی کتابیں اور دیگر اشیاء جن کا کاروبار ہوتا ہے اور ان کے وقف کا رواج ہے۔

اگر یہ قیاس بھی کرلیا جائے کہ لفظ تعامل سے مراد باہمی لین دین نہیں ہے۔ حالانکہ یورپ اور عرب کے تمام بڑے بڑے علمائے لغت تعامل سے مراد باہمی لین دین ہی بتاتے ہیں۔ مگر چونکہ وقف کا عام رواج ہے اس لئے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ادباً یہ بتانا ہے کہ جواز وقف کے بارہ میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ تمام قسم کی اشیاء منقولہ بہ شمول زر نقد کا وقف جائز ہے۔ بس اس سے یہی مراد ہے کہ ہر اس شئے کا وقف جسے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائز ہے نیز زر نقد کے وقف کرنے کا رواج یا ہر وہ شئے جو کاروبار میں لگائی جاتی ہے اس کے وقف کا رواج متفقہ طور پر جائز ہو گیا ہے چونکہ اس سلسلے میں شاہی فرمان کا حوالہ دیا جاچکا ہے اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ ظاہر ہے کہ مفتی ابو سعود کی توضیح جس کا پہلے ذکر آچکا ہے مقدمہ کلثوم بی بی بنام غلام حسین قاسم عارف نہ تو فاضل جج کے علم میں لائی گئی اور نہ افسران کے علم میں تھی جس کا کہ درالمختار میں حوالہ ہے کہ سلطان وقت نے قاضی کو (نظریاتی بحثوں کو ختم کرنے کے لیے جو کہ آج کی طرح عام تھیں) زر نقد کے وقف کو جائز قرار دینے کا حکم دیا تھا۔ اس حکم سے احکام شرع کی ارتقائی کیفیت ظاہر ہوتی ہے نیز مفتی ابو سعود کی توضیح سے جو کہ ممتاز ترین حنفی فقہا میں سے ایک ہیں اس اصول کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

ابو یوسف کے زمانہ سے ہی ان اشیاء کے جواز وقف کے سلسلہ میں نظریہ قانون میں ارتقاء ہوتا رہا ہے۔ امام مذکور نے عمارتوں اور درختوں کے وقف کے جواز کو زمین سے علیحدہ کر کے تسلیم نہیں کیا۔ اور اسی کو حنفی فقہا اب بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں۔ زر نقد (درہم و دینار) کے وقف کو اس قیاس کی بنا پر کہ استعمال سے یہ ختم ہو جاتے ہیں انہوں نے ممنوع قرار دیا ہے لیکن اب جہاں کہیں اس کا رواج ہے وہاں اس کو جائز تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہ اصول بتایا گیا ہے کہ جب زر نقد وقف کیا جائے تو اسے مضاربت یا بضاعت میں لگایا جائے اگر کوئی شئے استعمال سے تلف ہونے والی ہو اور وہ وقف کر دی جائے تو فتویٰ یہ ہے کہ اس کو فروخت کر دیا جائے اور اس سے حاصل شدہ قیمت اسی طرح کاروبار میں لگائی جائے۔ (لیکن اس کا کلثوم بی بی بنام غلام حسین قاسم عارف کے قضیہ میں حوالہ تک نہیں دیا گیا) حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی شئے وقف کی جائے جس کے وقف کا عام رواج نہیں ہے تب بھی قاضی اگر اسے وقف کے لیے موزوں سمجھتا ہو تو اس کے جواز کا حکم صادر کرنے کا مجاز ہے۔

کسی خاص نوعیت کی جائیداد کے وقف کو کسی دوسری قسم کی جائیداد کے مقابلہ میں کوئی مذہبی حیثیت یا اہمیت حاصل نہیں ہے۔ جج کو تو محض یہ دیکھنا ہے کہ آیا شئے موقوفہ اور اس کی وقتاً فوقتاً تجدید سے یا اس کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ قیمت کاروبار میں لگانے سے ابدی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہدایہ میں جن اقوال واستدلال کا حوالہ ہے ان کو مذہبی حیثیت دینا غلط ہے کیونکہ اس میں مندرج اصول یا تو اکثر خارج ہو چکے ہیں یا ان میں بہت کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔

شافعی و شیعہ اصول یکساں ہیں

اشیاء منقولہ بہ شمول زر نقد کے وقف کا جواز شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ اور اہل تشیع میں بلا شبہ مسلم ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ بقول امام شافعی ہر اس شئے کا وقف جائز ہے۔ جس کی عین اصل کو قائم رکھتے ہوئے منافع حاصل ہو سکے۔ اور ہر وہ شئے جو جائز طور پر جمع کی جا سکتی ہے جائز طور پر وقف بھی کی جا سکتی ہے یا جس شئے سے منافع حاصل ہو تا رہا ہے۔ (خواہ تبدیل ہیئت سے) جیسے گھوڑے۔ آراضیات اور اسلحہ۔

مسلمانوں میں ہر جگہ الجیریا سے لے کر ہندوستان اور برما تک زر نقد کا وقف عام ہے۔ مکہ معظمہ اور کربلا کے مقامات مقدسہ۔ اجمیر شریف۔ حسین آباد (لکھنؤ) کے اوقاف اور تمام ملک میں بہت سی مسجدوں اور اداروں کی اس زر نقد کی آمدنی سے جو سرکاری تمسکات میں لگا ہوا ہے کفالت ہو رہی ہے کیونکہ لوگ اسے زمین سے بھی زیادہ محفوظ اور دائمی خیال کرتے ہیں۔ مصر میں بہت سے اوقاف ہیں جو کہ مال کی صورت میں کئے گئے ہیں۔ ان کی آمدنی زیادہ تر تجارتی کمپنیوں سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ روپیہ جو سرکاری یا میونسپلٹی کے ترقیاتی منصوبوں میں حکومت یا مقامی حکومت کے اداروں میں جو کسی طرح بھی پیدا آور کاموں میں صرف کرتے ہیں اور ان سے حاصل شدہ منافع کا ایک حصہ پیسہ لگانے والا نفع یا سود کے نام سے پاتا ہے نیز وہ منافع جو کہ تجارتی کمپنیوں میں رقم لگانے سے حاصل ہوتا ہے یہ تمام اسی ذیل میں شامل ہیں۔ اور اس روپیہ کا وقف جو تجارت بالبضاعت میں لگایا گیا ہو صدیوں سے جائز تسلیم کیا گیا ہے۔

فصل سوم:۔ عمارتوں اور جائیداد مشاع کا وقف

درالمختار میں ایسی عمارتوں کے وقف کا قاعدہ جن کی زمین جس پر کہ وہ استادہ ہو اور وہ زمین وقف میں شامل نہ ہو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی زمین پر مکان تعمیر کرے اور اس کو بلا زمین کے وقف کردے تو یہ وقف (بعض کے نزدیک) جائز نہیں ہے حالانکہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔ قاری الہدایہ سے جب ایسی عمارتوں اور درختوں کے جواز وقف کے بارہ میں جن میں کہ زمین شامل نہ ہو دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا

کہ ایسے اوقاف کے جواز کی تائید میں فتوے ہیں۔ مصنف شرح رہبانیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور مصنف تنویر الابصار نے اس اصول کو اس بنا پر نافذ کیا ہے کہ عمارتیں اور درخت جائیداد منقولہ ہیں اور ان کے وقف کا عام رواج ہے۔ لہذا ایسے اوقاف کے جواز میں فتویٰ دینا چاہئے۔

ایسی عمارت کا وقف جس میں زمین شامل نہ ہو

ایسی عمارت کے وقف کے بارہ میں جس میں کہ وہ زمین جس پر کہ وہ عمارت تعمیر ہوئی ہو شامل نہ ہو اگرچہ قدیم فقہاء کی رائے میں اختلاف ہے لیکن اب ایسے اوقاف کا جواز صریحاً تسلیم کرلیا گیا ہے۔ علامہ القاسم کا خیال تھا کہ ایسا وقف جائز نہیں ہے اور اس مسئلہ میں امام محمد نیز ہلال بن یحییٰ بصری کی رائے کو اختیار کیا گیا تھا۔ مگر حسب ردالمختار بحرالرائق میں ذخیرہ کے حوالہ سے یہ درج ہے کہ جہاں کہیں عمارت کا بلا زمین شامل کئے وقف کرنے کا رواج ہو تو وہاں بلا زمین شامل کئے اس کا وقف جائز ہے لیکن اگر ایسا رواج نہ ہو تو وقف ناجائز ہے۔

اس سلسلہ میں ردالمختار میں ایک یادگار مباحثہ کا حوالہ ہے جو کہ سلطان ملک الظہیر کے سامنے علامہ اور ان کے نامور شاگرد ابو برابن ضما کے درمیان ایک اجتماع اس غرض سے طلب کیا گیا تھا۔ موخرالذکر کی رائے اپنے استاد کے برعکس تھی۔ شاگرد کی رائے میں کسی عمارت کا وقف بلا زمین جائز تھا۔ اور یہ اصول دو سو سال سے مسلمہ چلا آرہا تھا اور اس کے مطابق فاضل قاضیوں کے متواتر فیصلے تھے ابن ضما کی رائے کی علامہ محمد ابن ظہرہ نے مخالفت کی تھی۔ مگر اب دور حاضرہ میں ابن ضما کی رائے کو متفقہ طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف ردالمختار نے یہ قاعدہ واضح طور پر اس طرح منضبط کیا ہے۔

ایسی شئے منقولہ کا وقف جس کے وقف کا رواج ہو جائز ہے۔ اسی طرح ایسی عمارت کا بھی وقف جس میں زمین شامل نہ ہو جائز ہے۔ اور یہ اصول ان لوگوں کی رائے سے جو ایسا وقف جائز قرار نہیں دیتے متصادم نہیں ہے۔ کیونکہ جواز کا معیار اس مقام کے مسلمہ رواج پر مبنی ہے جہاں پر وہ وقف کیا جائے۔ اگر اس جگہ کے رہنے والے ایسا وقف کرنے کے عادی ہیں تو ایسا وقف قانوناً جائز ہے۔

نافذ الوقت اصول یہ ہے کہ ایسی عمارت کا وقف جس میں کہ وہ زمین جس پر کہ وہ عمارت استادہ ہو شامل نہ ہو جائز ہے اور اسی کے مطابق فتوی ہے۔

جدید اصول — مرہونہ زمین کا وقف

اوپر بتایا جاچکا ہے کہ ایسی زمین کا وقف جو اجارہ پر ہو یا مرہونہ ہو جائز ہے اور اگر زمین بھی اس غرض کے لیے وقف کی گئی ہو جس پر کہ عمارت وقف ہو تو وہ عمارت زمین کے وقف کے تابع جائز ہے۔ لیکن اگر زمین کسی دوسری غرض کے لیے وقف کی گئی ہو تو اس بارہ میں اختلاف رائے ہے۔ لیکن صحیح اصول یہی ہے کہ وہ جائز ہے۔ یعنی عمارت کا وقف جائز ہے یہی منظوم الجحہ میں بھی ہے۔

ابن نجیم سے اس درخت کے وقف کے بارہ میں دریافت کیا گیا جو زمین میں شامل نہ ہو تو انہوں نے ایسا وقف جائز بتایا۔ خواہ دونوں کے واقف بھی مختلف ہوں۔ جب ان سے ان عمارتوں اور درختوں کے وقف کی بابت دریافت کیا گیا جو کہ اسی زمین پر ہوں جو کہ اجارہ پر کسی دوسرے شخص کے پاس ماہانہ یا سالانہ کرایہ پر ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ وقف جائز ہے۔

لیکن کسی دوسرے شخص کی مملوکہ زمین پر بنی ہوئی عمارت کا وقف جس پر کہ واقف بحیثیت ذیلی یا پٹہ دار کے قابض ہو جائز نہیں ہے۔ درالمختار میں اسی اصول کے قانون کا حوالہ اسی طرح ہے۔ ایسی زمین کی عمارت کا وقف جو عاریتاً یا اجارہ پر ہو جائز نہیں ہے۔

ردالمختار میں مندرجہ بالا پیرے پر اسی طرح تنقید کی گئی ہے۔ اس لئے وہ معاملات خارج اور علیحدہ ہیں جن کا خصاف نے حوالہ دیا ہے۔ یعنی وہ زمین جس پر واقف کا محدود اور دائمی مفاد ہو ان کا وقف جائز ہے۔ بحرالرائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اسعاف نیز خصاف کی کتاب وقف میں یہ درج ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی دکانوں کو جو بازار میں ہوں وقف کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر دکان بنانے والوں کے پاس وہ زمین اجارہ پر ہو اور ان کو اس سے بے دخل نہیں کیا گیا ہو اور بلا کسی عذر کے وہ انہیں ورثہ میں ملی ہوں اور تقسیم ہوگئی ہوں بالفاظ دیگر جس کا اجارہ دائمی نوعیت کا ہو اور اجارہ دار بلا قانونی کارروائی کے زمین سے بے دخل نہیں کیا جاسکتا ہو تو اجارہ دار ایسی زمین پر

تعمیر شدہ عمارت کو وقف کرنے کا مجاز ہے اور جب زمین اور عمارت ایک ہی شخص کی مملوکہ ہوں تو وہ مجاز ہے کہ ان کو مختلف مقاصد کے لیے علیحدہ علیحدہ وقف کردے۔ لیکن عمارت کے وقف سے اس زمین پر بھی حق مرور پیدا ہو جائے گا خواہ وہ دونوں ایک ساتھ وقف کئے گئے ہو یا ایک ساتھ نہ کئے گئے ہوں۔

مکان کے وقف میں کیا شامل ہے

جب وقف کیا جاتا ہے تو ہر وہ چیز جو بیع میں شامل ہوتی ہے وقف میں بھی شامل ہوتی ہے، خواہ اس کا حوالہ ہو یا نہ ہو۔ صرف اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ یہ مکان وقف کیا گیا معہ تمام حقوق کے جس میں کہ ہر چھوٹی بڑی شئے شامل ہے جو اس سے وابستہ ہو یا اس کے ساتھ ہو۔ پس اسی طرح دکانوں کے وقف میں بھی ہر وہ چیز شامل ہے جو ان کی بیع میں شامل ہوتی ہے۔

زمینوں کے وقف کی صورت میں ان پر ایستادہ عمارتیں اور درخت شامل ہیں لیکن اس وقت درختوں میں لگے ہوئے پھل یا پہلے سے بوئی ہوئی فصل اس میں شامل نہیں ہے۔ بید یا دوسرے ایسے پودے جو سالانہ کاٹ لئے جاتے ہیں ان میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن جو پودے دو سال میں ایک بار کاٹے جاتے ہیں وہ وقف زمین میں شامل ہیں۔

خصاف نے اپنی کتاب وقف میں بتایا ہے کہ جب کسی زمین کو مختص اغراض کے لیے وقف کیا جائے اور وہ بالآخر غربا کے حق میں عود کرنے والی ہو تو زمین پر بنی ہوئی عمارتیں اور کھجور کے پیڑ یا دوسرے درخت وقف میں شامل ہیں۔ اور ہمارے بہت سے شیوخ کی بھی یہی رائے ہے جو صحیح ہے۔

جب وقف ان الفاظ میں کیا جائے کہ "میں اپنی زمین کو صدقہ کرتا ہوں مع تمام حقوق کے جو اس میں یا اس سے وابستہ ہیں۔" اور اس درختوں پر پھل بھی ہوں تو اس کو چاہئے کہ پھلوں کو بھی غربا کو خیرات کرے۔ یہ بطور وقف کے نہیں بلکہ بطور استحسان اپنے عہد کی پائیداری میں ہوگا اور جو کچھ بعد میں پیدا ہوں گے وہ اغراض وقف کے لیے مختص کردئے جائیں گے۔ جب کوئی وقف ان الفاظ میں کیا جائے کہ میں اپنی زمین اپنی موت کے بعد صدقہ کرتا ہوں اور اس میں جو کچھ خدا کے حکم سے پیدا ہوگا وہ

خدا کے بندوں کے کام آئے گا۔ تو واقف کے انتقال پر درختوں پر آئے ہوئے پھل محض وقف کی وجہ سے اس وصیت میں شامل نہیں ہوں گے۔

کرایہ جو پہلے سے واجب ہو چکا ہو وقف میں شامل نہیں ہے

ان اصولوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی جائیداد یا زمین جو کرایہ دار کے قبضہ میں ہو وقف کی جائے اور اس کا پچھلا کرایہ بھی واجب ہو تو وہ کرایہ وقف میں شامل نہ ہو گا۔ صریحاً اگر اس کے وقف کی بھی وضاحت نہ ہو تو متولی اس کرایہ کی وصولی کا مجاز نہ ہو گا تاوقتیکہ اسے خاص طور پر اس بارہ میں اختیار نہ دیا گیا ہو۔

کسی وقف کے جواز کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آراضی موقوفہ کے حدود اربعہ بھی درج کئے جائیں صرف اتنا ضروری ہے کہ وقف کا تعین ہو سکے ایسی صورت میں کوئی مشہور و معروف زمین یا مکان بلا حوالہ حدود اربعہ کے وقف ہو سکتا ہے۔ خواہ گواہان کے بیان سے اس آراضی یا مکان کی حد بندی نہ ہونا یا ان کا وقف نہ ہونا ظاہر ہو۔ تاہم وہ وقف جائز ہو گا۔ اور محض اس وجہ سے وہ وقف ناجائز نہیں ہو گا۔ کسی کھیت کی چکیاں خواہ وہ پانی سے کام کرتی ہوں یا ہاتھ سے یا ایرانی چرخ یا پانی نکالنے کے برتن سب زمین کے وقف میں شامل ہیں۔

جب کوئی شخص کسی زمین کا وقف بلا حوالہ پیداوار پانی یا راستہ کے کرے تو پسندیدہ تعبیر کے مطابق یہ دونوں حقوق اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ زمین پیداوار کے سوائے وقف ہی نہیں ہوتی اور اس مقصد کے لیے پانی اور راستہ دونوں کے حقوق اس میں شامل ہیں۔

وقف مشاع

وقف مشاع جائز ہے باالفاظ دیگر کسی جائیداد غیر منقسمہ کے قابل تقسیم حصہ کا وقف جائز ہے یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ لیکن امام محمد کو اس سے اختلاف ہے جس کی وجہ وہ دشواری ہے جو اس حصہ پر قبضہ دہانی میں بقیہ جائیداد سے علیحدہ نہ ہونے کی صورت میں پیش آسکتی ہے اور ابو یوسف کے نزدیک قبضہ دہانی قطعاً غیر ضروری ہے قاضی خان کا کہنا ہے کہ ابو یوسف کی رائے کو فقہائے بلخ نے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ بخارا

کے شیخ، ابو محمد کے اصول کو اپناتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ دور جدید کے فقہا نے مشاع کے سلسلہ میں ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہی مسلمہ ہے سراج الوہاج کے مطابق وقف مشاع بالاتفاق جائز ہے۔

مشترکہ مالکان کا وقف

جائیداد نا قابل تقسیم ہونے کی صورت میں امام محمد، ابو یوسف سے متفق ہیں۔ انکی رائے میں بھی ایسے حصہ جائیداد کا وقف جائز ہے مثلاً ابو یوسف اور ابو محمد دونوں ہی کے مطابق عوامی غسل خانہ یا حمام کے نصف حصہ کا وقف جائز ہے کیونکہ حمام نا قابل تقسیم ہے۔ بہر حال ابو یوسف اور ابو محمد اس بارہ میں متفق ہیں کہ جب کوئی قطعہ آراضی برائے تعمیر مسجد یا مقبرہ وقف کیا جائے تو وہ قطعہ آراضی علیحدہ کر دینا چاہئے۔ وجہ ظاہر ہی ہے۔ البتہ ابو یوسف کے نزدیک اس کی علیحدگی اس شرط پر ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی مقبرہ یا مسجد کو قائم رکھنے کے لیے وقف کیا گیا ہو۔

قابل تقسیم مشاع کے جواز وقف کے بارہ میں ابو یوسف کا وضع کردہ اصول حنفی فقہاء کی اکثریت نے اختیار کیا ہے۔ اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی تمام جائیداد کو وقف کرے لیکن وہ وقف تمام جائیداد کے لیے موثر نہ ہو سکے تو غیر تقسیم شدہ حصہ کا وقف جائز ہو گا۔ یعنی اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے بچوں کے حق میں اور ان کے بعد غربا کے حق میں وقف کرے اور سوائے اس مکان کے کوئی جائیداد نہ ہو نیز ان بچوں کے علاوہ اور کوئی ورثا نہ ہوں تو ابو یوسف کے نزدیک تاوقتیکہ بچے راضی نہ ہوں صرف ایک ثلث پر ہی وقف کا نفاذ ہو گا۔

جائیداد مشترکہ کے وقف پر اعتراض کے سلسلہ میں قاضی تقسیم جائیداد کا حکم جاری کر سکتا ہے۔ تمام فقہا کے نزدیک مشترکاً جائیداد کا وقف دو یا زیادہ افراد کر سکتے ہیں۔ جب کسی قطعہ آراضی پر دو اشخاص مشترکاً قابض ہوں اور ان میں سے ایک اپنے حصہ کو اپنے بچوں اور ان کی آل اولاد کے حق میں دواماً وقف کر دے تو جب تک ان بچوں وغیرہ میں سے کوئی بھی زندہ رہے مستفید ہوتا رہے گا اور اگر دوسرا بھی اپنا حصہ اپنے بھائیوں اور

اپنے اہل بیت کے حق میں وقف کردے اور ان لوگوں کے نہ رہنے کی صورت میں بغرض مصارف حج وقف کرے اور وہ دونوں شریک ایک ہی متولی کے سپرد کردیں تو یہ وقف جائز ہے۔ اسی طرح اگر شرکاء میں سے کوئی اپنا نصف حصہ غریبوں کو وقف کردے اور دوسرا نصف حصہ کسی دوسرے مقصد کے لیے وقف کرے تو یہ ابو محمد اور ابو یوسف دونوں ہی کے مطابق جائز ہوگا۔ موخر الذکر کی رائے میں متولی کو تفویض کرنا لازمی شرط نہیں ہے۔ کیوں کہ تفویض یا قبضہ دہانی جواز وقف کے لیے لازمی نہیں ہے۔ اس لئے ان (ابو یوسف) کے مطابق تقاسمہ بھی ضروری نہیں ہے۔ اور یہی اصول مسلمہ ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ بوقتِ وقف جائیداد حصہ موقوفہ کا تعین کیا جائے۔ گر کوئی شخص کسی جائیداد میں اپنے حصہ کو اس نیت سے وقف کرے کہ تمام حصے پر وقف نافذ ہو اور اس کے بعد اس کا حصہ اس کے خیال سے زیادہ پایا جائے تو وہ تمام ہی وقف ہوگا۔ یعنی اگر وہ یہ کہے کہ میں اس مکان میں اپنے حصہ کو وقف کرتا ہوں جو ایک ثلث ہے اور بعد ازاں اس کا حصہ دو ثلث ظاہر ہو تو تمام حصہ کا وقف صحیح ہوگا۔ بعینہٖ اگر کوئی شخص اپنی وصیت میں درج کرے کہ میں فلاں فلاں کے لیے اس جائیداد کا ایک ثلث حصہ جو ایک ہزار درہم کا ہے دیتا ہوں اور بعد ازاں یہ معلوم ہو کہ اس کے حصہ کی قیمت چار ہزار درہم ہے تو موصی لہ موخر الذکر رقم ہی پائے گا۔ یہ بیع سے مختلف ہے جس میں کہ بائع صرف مقررہ رقم ہی پاسکتا ہے۔

جب دو شخص مشترکاً کئی مکانوں کے مالک ہوں یا کوئی زمین مشترکاً دو شرکاء کے قبضہ میں ہو اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کے مکانوں یا زمین کو وقف کردے اور اس کے بعد وہ قاضی سے اپنے حصہ کے تعین کی درخواست کرے اور قاضی ان سب مکانوں یا زمین سے کوئی خاص مکان یا کوئی خاص قطعہ آراضی اس کے حصہ میں نامزد کرے تو اس نامزد مکان یا قطعہ آراضی پر ہی وقف نافذ ہوگا۔ جب دو شخص مشترکاً ایک قطعہ آراضی کے مالک ہوں تو ان میں سے کوئی بھی اپنے حصہ کو وقف کرسکتا ہے۔

جب کسی ایسی آراضی کا وقف کیا جائے جو دوسرے شخص کے پاس اجارہ پر ہو تو اس سے اجارہ منسوخ نہیں ہوتا بلکہ اس مدت معینہ تک وہ اجارہ قائم رہے گا اور رقم

اجارہ (جو اجارہ دار ادا کرتا ہے) اغراض وقف میں کام آئے گی اور مدت اجارہ منقضی ہونے پر اس آراضی کی تمام آمدنی اغراض وقف پر صرف ہو گی۔

بعینہٖ جائیداد مرہونہ یا جو جائیداد کرایہ دار کے قبضہ میں ہو اسکا وقف جائز ہے۔ جب جائیداد مرہونہ وقف کی جائے تو اس سے حاصل شدہ آمدنی بیباقی قرضہ پر صرف ہو گی اور قرضہ ادا ہو جانے پر اغراض وقف میں کام آئے گی ۔ کوئی واقف اس شرط پر بھی جائز وقف کر سکتا ہے کہ جائیداد سے موصولہ آمدنی اس کے گذارہ کے کام میں آئے گی یا صرف ہو گی یا قرضوں کی ادائیگی میں صرف ہو گی اور اس کے بعد غربا پر یا کسی دائمی مقصد پر صرف ہو گی۔

جاگیرات کا وقف

عطیات یا جاگیر جو بادشاہوں یا امرا کی طرف سے دی جائیں۔ جاگیرات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جب کوئی زمین حق الخدمت کی بناء پر دی جائے یعنی سلطان نے پہلے تو یہ بیت المال سے وہ آراضی حاصل کی ہو پھر کسی کو عطا کر دی ہو۔ یا وہ شاہی علاقہ کا حصہ ہو۔ دوسرے وہ جب کہ صرف فائدہ بطور عطیہ دیا گیا ہو اور آراضی سلطان کے حق میں تفویض ہو۔ پہلی صورت میں تو جاگیر دار وقف کر سکتا ہے لیکن موخرالذکر میں نہیں۔

اس موضوع پر فتاویٰ عالمگیری میں درج ذیل حوالہ ملتا ہے۔

شاہی جاگیرات وعطیات کے بارہ میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ ان کا وقف جائز نہیں ہے سوائے بنجر آراضیات یا شاہی ذاتی آراضیات کے جو واقف کو عطا کی گئی ہوں اور نہ حوض کی زمین کا وقف جو بقبضہ امار ہو جائز ہے۔

حوض کا مفہوم

حوض سے مراد وہ زمین ہے جسے مالک نہ کاشت کر سکتا ہے اور نہ محصول زمین ادا کرتا ہو اور اس سے فرماں روائے وقت کے حق میں دست بردار ہو گیا ہو تا کہ اس سے حاصل شدہ منافع آراضی کے خراج پر صرف کیا جا سکے۔

اگر زمین بیت المال سے جائز طور پر خریدی گئی ہو تو اس کا وقف جائز ہے۔ خواہ اس کا خریدار بادشاہ ہو یا کوئی اور شخص اور یہ کہ وقف پر صرف وہی شرائط عائد ہو سکتی ہیں جو

کہ واقف جائز طور پر عائد کرے۔ اگر سلطان نے بلا خرید کے کسی عمومی زمین کو (یعنی ایسی زمین کو جس کا حاصل خزانہ عامرہ میں جاتا ہو) بطور وقف دائمی و ناقابل انتقال کسی امر خیر کے لیے علیحدہ کر دیا ہو تو ایسا وقف جائز ہے۔ جب علامہ قاسم سے سلطان فاروق کے اس وقف کے متعلق دریافت کیا گیا جس میں کہ اس نے ایک عمومی قطعہ آراضی کو مسجد کے واسطے علیحدہ کر دیا تھا تو انہوں نے اسی اصول کے مطابق فتویٰ دیا اور انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ آئندہ کوئی سلطان اس وقف کو منسوخ نہ کرے۔

سلطان کا کیا ہوا وقف جائز ہے

پس یہ اصول ہے کہ اگر کوئی سلطان بیت المال میں سے مفاد عامہ کی غرض سے جیسے مسجد سرائے یا مدرسہ کے لیے وقف کرے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ رعایا سے حاصل شدہ مال گزاری کا ایک حصہ ایسے مقصد کے لیے علیحدہ کرنا جائز ہے۔ اور بادشاہ اس امر کا مجاز ہے کہ خزانہ عامرہ سے مدت مقررہ تک بجائے مصارف حاصل کرنے کے ان امور کے لیے باقی زمین وقف کر دے مگر بادشاہ اپنے بچوں کے حق میں آراضیات عامہ وقف نہیں کر سکتا خواہ وہ انجام کار غرباء پر ہی عود کرتی ہوں۔ لیکن وہ کسی بھی ایسے مقصد کے لیے جس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو وقف کر سکتا ہے کیونکہ بیت المال جمہور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہے۔

باب ۱۰۔ موقوف علیھم یا مقاصد وقف

فصل اول:۔ عام اصول

اس باب کا موضوع قانون وقف کی اہم شاخوں میں سے ایک ہے۔ شرع میں قانون و مذہب قریب قریب مترادف اصطلاحات ہیں اور اتنی متصل کہ ایک کو دوسری سے الگ کرنا مشکل ہے۔ بالالفاظ دیگر عام فہم انداز میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی امور کی بنیاد قانون پر ہے اور قانونی امور تابع مذہب ہیں۔

کسی بھی نیک یا امر خیر کے لیے وقف کیا جاسکتا ہے

فقہ اسلام کے تمام مذاہب کے مطابق کسی بھی شخص طبقہ یا افراد کے مفاد کے لیے یا کسی بھی غایت ثواب یا صدقے کے لیے وقف کیا جاسکتا ہے بلکہ وقف ان بچوں کے حق میں بھی ہوسکتا ہے جو ہنوز پیدا نہیں ہوئے اگر وہ شخص یا مقصد جس کی خاطر وقف کیا جائے بوقت تشکیل وقف قائم بالذات نہیں ہے تو یہ غربا کے کام آئے گا جو تمام اوقاف کے (بشرطیکہ غرض نامزد نہ کی گئی ہو) اصلاً گیرندہ ہیں۔

امر خیر کی تعریف

الفاظ ثواب یا خیر کی شرع اور مذہب اسلام میں کسی اور طریقہ مذہب کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت ہے۔ الفاظ خیر' بر' احسان وغیرہ میں ہر وہ مقصد شامل ہے جو مذہب اسلام کے قانون شرع میں امر احسن اور ثواب تسلیم کیا گیا ہے۔ اور کون سا امر احسن یا ثواب یا خیر ہے اس کا میعار خوشنودی خداوندی ہے۔ ہر امر خیر جو باری تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا جس کی بدولت قرب خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ ایک جائز صحیح موزوں اور مناسب مقصد وقف ہے خود یا اپنے بچوں یا اپنے عزیزوں کی گزر معاش کا انتظام اتنا ہی احسن اور امر خیر ہے جیسا کہ عام غربا کی پرورش کے لیے وقف۔ یہ بنیادی

اصول مذہب اسلام اور آنحضرت صلعم کے ارشادات پر مبنی ہے اس لئے اس اصول میں کسی بھی قسم کی تبدیلی صریحاً مداخلت فی الاسلام ہے۔

کسی بھی مقصد کے لیے وقف نوع انسان کے مفاد میں ہوتا ہے

قانون اسلام میں دوسرا قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر وقف خواہ وہ کسی مقصد کے لیے کیا گیا ہو اصلاً اور واقعتاً نوع انسانی کے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔ مذہب اور شرع اسلام کی بنیاد لازماً نوع انسانی کی فلاح اور خدمت پر منحصر ہے۔ ایک مسجد کے لیے وقف بھی نوع انسانی کے لیے ہے اس لئے کہ مقصد عبادت ہے۔اسی طرح مدرسہ کے لیے وقف بچوں کی تعلیم کی غرض سے ہے۔

خانقاہ کے لیے وقف ایک مخصوص مذہبی طبقہ کے استعمال کے لیے ہے جو اذکار و اشغال میں مصروف رہتا ہے اور علی ہذ القیاس ہر ایک مقصد کی غایت نوع انسانی کی روحانی مذہبی اخلاقی و مادی فلاح ہے۔ اور یہی فی الاصل آنحضرت صلعم کے جامع اور بلیغ ارشاد گرامی کا منشاء ہے۔ (یعنی جائیداد محفوظ کر کے نوع انسان کے مفاد کے لیے مختص کردی جائے) ایک بار وقف ہو جانے پر خواہ وہ کسی مقصد کے لیے ہو اس کی غایت شئے موقوفہ کو بارگاہ الٰہی میں تفویض کرنا ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی محض نوع انسانی کی فلاح پر صرف کرنا ہوتی ہے اور اس کی یہی تصریح فاضل جج ان نے بمقدمہ محمد صادق بنام محمد علی وغیرہ اس طرح کی ہے وقف کا منشا کسی بھی جائیداد مثل زمین یا دیگر مقبوضہ اشیاء وغیرہ سے اپنے حقوق مالکانہ کی دست برداری کرلی جائے اور اس کو وقف کر کے اس طرح نذر باری تعالےٰ کردیا جائے کہ عام انسان فلاح پا سکیں(وقف کی یہ تعریف فاضل جج ان کی وضع کی ہوئی نہیں ہے بلکہ کتب فقہ سے اخذ کی گئی ہے)اس تعریف کا اس تشریح کے ساتھ جو کتب فقہ میں دی گئی ہے مطالعہ کرنا چاہئے۔ شرع اسلام میں ایسا کوئی وقف نہیں ہے جو محض عبادت خداوندی کے لیے وقف ہو۔یہ اسلام میں بے معنی جملہ ہے۔ اصلاً خدمت انسانی اور فلاح نوع انسانی کو عبادت خداوندی میں فضیلت ہے اور ہر وہ شئے جو انسانوں کی فلاح کے لیے خواہ انفراداً یا اجتماعاً وقف کی جاتی ہے۔ وہی خدمت خداوندی ہے پس امر خیر عبادت یا خدمت خداوندی ہے کسی بھی شخص کا والدین کی بسر

اوقات یا بچوں کی معاش یا غریب رشتہ داروں کی گذر اوقات کا انتظام کرنا یہ سب عبادت میں شامل ہے۔ دراصل ہر وقف کی روح قرب یعنی نزدیکی خداوند تعالیٰ ہے۔ اسی طرح نماز بھی ایک عبادت یا قرب خداوندی ہے۔

میں نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اس لئے کہ مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں ایک غلط نظریہ قائم ہو گیا تھا اور اس کا فاضل جج ان نے ایک تعجب خیز فیصلہ دیا کہ ایک وقف اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ وہ محض خدمت خداوندی کے لئے ہو۔ اس جامع رائے کے معنی متعین کرنا مشکل ہے۔ اگر اس رائے کو صحیح سمجھ لیا جائے تو امام باڑے خانقاہ اور درگاہ وغیرہ کے لیے جو اوقاف کئے گئے ہیں وہ سب ناجائز ہو جائیں گے۔ محض فیصلہ مطبوعہ کے مطالعہ سے یہ اخذ کرنا ناممکن ہے کہ کس بنا پر یہ رائے قائم کی گئی کیونکہ اس میں کسی ایک بھی اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور جیسا کہ بعد میں بتایا جائیگا کہ یہ مسلم قانون کے قطعاً خلاف ہے۔

فصل دوم:۔ ترتیب اوقاف

وقف تین درجوں میں قابل تقسیم ہے

فقہاء اسلام نے وقف کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اوقاف اغنیا کے لیے اور اس کے بعد ناداروں کے لیے۔

۲۔ اغنیا اور ناداروں کے لئے یکساں اوقاف باالفاظ دیگر ایسے اوقاف جن سے اغنیا اور نادار یکساں استفادہ کے مستحق ہیں۔

۳۔ اوقاف جو محض ناداروں کے لیے ہوں۔

کفایۃ المنہاج کفایۃ المحیط میں ہے کہ کتاب وقف مصنفہ ہلال میں ہے کہ وقف کئی قسم کے ہوتے ہیں ایسے اوقاف جو خالصتاً ناداروں کے لیے ہوں دوسری قسم کے اوقاف جو اغنیا اور ناداروں دونوں کے لیے ہوں تیسرے وہ اوقاف جو اغنیا اور ناداروں کے لیے بقدر مساوی ہوں جیسے رباط، سرائے، قبرستان و مساجد، پل وغیرہ اس لئے کہ اغنیا اور [illegible] دونوں کی ضرورتیں ان سے وابستہ ہوتی ہیں۔

درالمختار میں بھی بعینہ یہی ترتیب بتائی گئی ہے۔

اوقاف تین قسم کے ہوتے ہیں (الف) ناداروں کے لیے (ب) اغنیا کے لیے اور ان کے بعد ناداروں کے لیے (ج) اغنیا اور ناداروں دونوں کے لیے مساوی طور پر مثلاً مسافروں کے لیے یا راہ گیروں کے لیے قیام گاہیں مسافروں کے پینے کے لیے پانی کے ذخیرے قبرستان پل اور اس کے مثل دوسری چیزیں مثلاً مساجد پن چکیاں اور خاص خاص برتن جو ہر ایک کے لیے ضروری ہیں۔

ایسے تمام اوقاف جائز اور صحیح ہیں۔ پہلے درجہ میں وہ تمام اوقاف شامل ہیں جو افراد یا اولاد یا اعزہ یا دوستوں کے لیے کئے جائیں اور جن کے اصل گیرندے غربا ہوں خواہ بوقت تشکیل وقف ان کے بارے میں صریحاً وضاحت کردی گئی ہو یا وہ خود قانوناً مستحق ہوں اگر بوقت تخلیق وقف ان کے حق میں عود وقف کی صراحت ہے تو بلا اختلاف رائے یہ وقف جائز ہے لیکن اگر بوقت تشکیل وقف غربا کا حوالہ نہیں آیا تب بھی مسلم قانون کے مطابق یہ وقف جائز و قابل پابندی ہے۔ اور حسب منشا قانون نامزد موقوف الیہم کے معدوم ہونے پر ایسا وقف غربا پر ہی عود کرے گا۔

ضمن دوم (۲) میں وہ اوقاف شامل ہیں جن سے اغنیا اور غربا دونوں مستفید ہوتے ہیں یعنی مساجد کارواں سرائے قیام گاہیں پانی کے ذخیرے۔ درگاہیں۔ ہسپتال۔ کالج اور قبرستان وغیرہ۔

ضمن سوم (۳) میں وہ اوقاف شامل ہیں جو محض غربا کے استفادہ کے لیے ہیں۔ یعنی لنگر خانے جہاں صرف غریبوں کو کھانا دیا جاتا ہے یا ایسے دارالخیرات جہاں اشیاء خوردنی تقسیم ہوتی ہیں یا پہننے کے لیے کپڑے یا مردوں کے لیے کفن یا غربا کی رہائش کے لیے مکانات یا ناداروں کے لیے ہسپتال وغیرہ۔

کسی بھی شخص یا جماعت کے حق میں وقف جائز ہے

درجہ اوقاف ضمن (۱) کے سلسلہ میں مختصراً یہ بتانا ہے کہ ایسا وقف کسی شخص یا اشخاص کے طبقے کے لیے خاص طور پر درج ذیل استثناء کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ایک مسلمان یا ذمی کے حق میں مگر کسی غریب ذمی (یعنی دارالحرب کا

باشندہ) کے حق میں نہیں ہو سکتا ہے۔

(ب) اپنے بچوں آل اولاد ذکور واناث پیدا شدہ یا غیر پیدا شدہ کے حق میں۔

(ج) بعینہ بچوں کی آل اولاد کے حق میں بھی ہو سکتا ہے۔

(د) ورثاء اور غیر ورثاء۔

(ہ) ایک شخص کے قرابت دار پڑوسی وغیرہ۔

(و) غیر لوگ۔

(ز) کسی کے متوسلین اور ملازم وغیرہ۔

(ح) فقہ حنفی کے مطابق وقف خود واقف کے لیے اس کے بعد دوسرے اغراض کے لیے ہو سکتا ہے بالفاظ دگر ایک واقف خود کو ہی وقف کا سب سے پہلا استفادہ کنندہ مقرر کر سکتا ہے۔

حیثیت عودی

وقف میں غایت مختص صریحاً محفوظ کی جا سکتی ہے مثل عام خیرات، کار خیر، اجر جو دائمی نوعیت کا ہو۔ جیسے مسجد۔ مدرسہ۔ یا امام کا روضہ۔ امام باڑے وغیرہ یا جو غربا کے لیے ہو ایسی صورت میں جب کہ مقصد واضح نہ ہو تو قانوناً اس کوتاہی کی تلافی اس طرح ہوگی کہ بنیادی مقصد وقف معدوم ہونے کی صورت میں وہ اصل گیر ندان یعنے غربا کے مفاد میں دائمبار ہے گا۔ حاصل کلام یہ کہ ایک وقف کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔

اصول حنفی قانون

فتح القدیر میں وقف اور مشارکت میں مماثلت کے بعد وقف کی بنیادی منفعت بتاتے ہوئے کہ وہ انسانوں کو امور خیر کے قابل لکھا ہے کہ اس کے لغوی مفہوم واصطلاحی معنی میں لوازمات اور قواعد کی وضاحت ضروری ہے۔

لغوی معنی حسب قول صاحبین روکنے کے ہیں یعنے شئے کے اصل کو اس طرح روک دیا جائے کہ سوائے باری تعالیٰ کے وہ کسی کی ملکیت نہ رہے۔

اوقاف بالوصیت

واقف حسب مرضی کسی کو بھی منافع دے سکتا ہے اس لئے کہ اگر چہ تمام

اوقاف کی غایت حصول قربت خداوندی ہے تاہم فی الوقت اس غایت کے اظہار کے لیے جائیداد اغنیا کے حق میں اگر وقف بھی کردے تو یہ وقف اس طرح جائز ہوگا جیسے کہ وہ ناداروں کے یا اغراض مسجد کے لیے وقف کیا گیا اس لئے کہ اغنیا کے حق میں وقف کرنے سے بھی اتنی ہی قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ غربا یا مسجد کے لیے وقف کرنے سے حالانکہ اغنیا کے معدوم ہو جانے پر بھی غربا کو بالصراحت کوئی فائدہ نہ ہو تاہم یہ وقف ہوتا ہے اور ان کے معدوم ہو جانے سے قبل بھی وقف سمجھا جائے گا۔ اس اصول کے بنیادی وجہ یہ ہے کہ تمام اوقاف کی غایت اس دنیا کے زندہ لوگوں کی فلاح اور آخرت میں قربت خداوندی کا حصول ہے۔

وقف مبنی بر وقوعہ

تمام وہ شرائط جو امور خیر یا بخشش کے لیے ضروری ہیں وہی ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے لازمی ہیں۔ یعنی حریت، بلوغ اور ادراک۔ نفاذ وقف فی الفور ہونا چاہئے نہ کہ کسی وقوعہ پر مشروط ہو مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا لڑکا واپس آجائے تو میرا مکان غربا کے لیے وقف ہوگا اور لڑکا واپس بھی آجائے تب بھی یہ مکان وقف نہیں ہوگا۔

غیر مسلم کا وقف

وقف کے لیے اسلام شرط نہیں ہے پس اگر ایک غیر مسلم کوئی زمین اپنے بچوں اور اس کی نسل کے لیے اور انجام کار غربا کے لیے وقف کرے تو یہ وقف اسی طرح جائز ہوگا جیسے کہ کوئی مسلمان وقف کرتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا فائدہ جو نادار مسلمان اور ذمی غربا کو دینا جائز ہے۔ وقف کا منافع محض ذمی ناداروں کے لیے مخصوص ہو سکتا ہے جس میں یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ اور اگر یہ شرط ہو کہ ان میں سے ایک خاص جماعت ہی اس نفع سے بہرہ اندوز ہو تو اس صورت میں محض وہی جماعت مستحق ہوگی۔ الغرض واقف کوئی بھی شرط عائد کرے وہ جائز ہے اور واقف کسی کو بھی دے سکتا ہے جب تک کہ وہ گنہگار نہ ہو۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ذمی کو بھی خیرات دینا قربت خداوندی کا سبب ہے لیکن ذمیوں کے حق میں وقف میں ضروری نہیں ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس طرح قربت کی رعایت ہو جس طرح مسلمانوں کے

نزدیک پس کسی ذمی کا مکہ معظمہ میں حج یا عمرہ کی خاطر وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ذمیوں کے نزدیک حج جائز نہیں ہے۔ لیکن مسجد یروشلم کا وقف جائز ہے اس لئے کہ اسے مسلمان اور عیسائی دونوں ہی مقدس مانتے ہیں۔

وقف، وقف ہونے پر ملکیت خداوند میں تبدیل ہو جاتا ہے

مندرجہ شرائط کی تکمیل پر جن کی وضاحت کی جا چکی ہے تشکیل وقف ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ میری یہ جائیداد خدا کے لیے ہے تو یہ اس قول کے مساوی ہے کہ یہ صدقہ موقوفہ ہے۔ شاگردوں (صاحبین) کے نزدیک وقف سے مراد جائیداد کو اس طرح روک لینا ہے کہ ملکیت خداوندی کے اصول اس پر اس طرح نافذ ہو سکیں کہ جائیداد میں واقف کے حقوق ساقط ہو کر وہ ملکیت خداوندی میں منتقل ہو جائیں اور ان سے مخلوق خدا مستفید ہوتی رہے۔

یہ واضح ہے کہ جائیداد میں حقوق ملکیت تب ہی ساقط ہوتے ہیں جب کہ اسے مخلوق خدا کی فلاح کے لیے مخصوص کر دیا جائے کیونکہ ہر جائیداد ملک خداوندی ہے۔

قاضی خان نے وضاحت سے لکھا ہے کہ بالفاظ دیگر کسی جائیداد کے وقف کا منشاء محض تحویل خداوندی میں اس کی حفاظت ہے جو ناقابل ارث اور ناقابل انتقال ہو جاتی ہے۔ جب کوئی شئے ایک بار وقف ہو جائے تو وہ نہ ورثہ میں دی جا سکتی ہے اور نہ بیع ہو سکتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کی (محیط) حدیث سے واضح ہے۔

دستاویزی وقف

پس آنحضرت صلعم کی احادیث کے حوالے اور دور ابتدائی کے صحابہ اور فقہاء کے اوقاف کی مثالوں کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ یہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ جب کوئی شئے ایک بار وقف ہو جائے تو یہ قطعاً ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہو جاتی ہے اور واقف و دیگر ورثاء کی کوئی ملکیت نہیں رہتی سوائے اس گنجائش کے جو خاص طور پر ان کے لیے بطور منافع رکھی گئی ہو اور دستاویزی انتقالات یعنی ایسا وقف جو واقف کے انتقال کے بعد نافذ ہو تو واقف بوقت صحت اسے منسوخ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر منسوخ نہ کرے تو محض ایک ثلث کے لیے (اگر ورثاء رضامند نہ ہوں) وقف نافذ ہوگا۔

تفویض شئے موقوفہ ضروری نہیں

ابو یوسف وابو محمد ہر دو کے مطابق جب ایک بار کوئی جائیداد وقف کردی جائے تو واقف کا حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق محض اس اعلان سے کہ جائیداد مختص طور پر وقف کردی گئی ہے حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے یہی ہر سہ امامین شافعی، مالک، حنبلی اور دیگر فقہاء کی بالاتفاق رائے ہے امام محمد کے نزدیک متولی کو جائیداد تفویض کرنے سے ہی ملکیت واقف ساقط ہو جاتی ہے مگر ابو یوسف کی رائے جس سے تمام فقہاء متفق ہیں مسلمہ ہے اور کفایہ میں بتایا گیا ہے کہ انہی کے قول کے مطابق فتاوی صادر کئے جاتے ہیں۔ اور مشائخ بلخ بھی اس سے متفق ہیں۔ مبسوط میں امام محمد کے اعتراضات اس طرح ہیں۔

تفویض کا منشا محض اس امر کی شہادت ہے کہ واقف اپنی جائیداد کے تمام حقوق سے علیحدہ ہو گیا اگر چہ اس کا منشاء تشکیل وقف نہیں۔ دست برداری کی وجہ سے واقف کی حفاظت ہو جاتی ہے جب متولی مقرر ہو تو اس کا منشا یہ ہے کہ اس کا کوئی مزید مفاد نہیں ہے۔

ابو یوسف کے مطابق وقف مشاع جائز ہے۔ تفویض کے مسئلہ پر اختلاف رائے کی وجہ سے امام محمد کے نزدیک جائیداد کا ایسا حصہ جو قابل تقسیم ہے علیحدہ کر دینا چاہئے۔ ابو یوسف کے نزدیک تفویض ضروری نہیں ہے وقف مشاع بعد اعلان واقف مکمل ہو جاتا ہے ابو یوسف کی رائے کے پیرو عام فقہاء بلخ ہیں اور ان میں بعض نے امام محمد کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

ابو یوسف کی رائے کو جیسا کہ بتایا گیا ہے حنفی فقہا نے اختیار کیا ہے اس کے بعد مصنف اپنی رائے لکھتا ہے (وقف میں کوئی تملیک یا انتقال حق) کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے کہ اس پر قبضہ دہانی کی ضرورت ہو اور اسی لئے بلا تفویض قبضہ محض اعلان سے واقف کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ جب کوئی جائیداد ناقابل تقسیم ہو تو ابو یوسف اور ابو محمد ہر دو بہ تقاسمہ ہی وقف کو جائز قرار دینے میں متفق ہیں جب کوئی قطعہ آراضی قبرستان یا مسجد کے لیے وقف کیا جائے تو اس کو جائیداد واقف سے الگ کر دینا چاہئے۔

اگر کوئی مکان کسی جماعت یا بچوں کی رہائش کے لیے اس شرط سے وقف کیا جائے کہ ان کے معدوم ہونے پر اس سے حاصل شدہ منافعہ غربا کو دیا جائیگا تو وقف جائز ہوگا اور نسل واقف ساقط ہونے پر مکان کرایہ پر دیا جائے گا جس کا کرایہ غربا پر صرف ہو۔ گا موقوف الیہم (مستفید) میں سے کوئی بھی کرایہ لینے کا مستحق نہ ہوگا۔

اگر اسکی آل اولاد میں اتنے کثیر آدمی ہوں کہ سب کے لیے رہائش کی گنجائش نہ ہو تو وہ باری باری سے رہ سکتے ہیں۔

دوام کا حوالہ ضروری نہیں ہے

ابو یوسف کے قول کے مطابق دوام یا کسی دائمی نوعیت کی غایت کا وقف میں حوالہ جواز وقف کے لیے ضروری نہیں ہے اس لئے کہ الفاظ وقف وصدقہ سے دوام کا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

ابو یوسف کے مطابق جب کوئی وقف محض افراد کے حق میں کیا جائے تو ان کے معدوم ہونے پر وقف کی آمدنی غربا کے کام آئے گی۔

صحابہ کے کئے ہوئے اوقاف

آنحضرت صلعم کے صحابہ کی بڑی تعداد نے وقف کئے ہیں اور ان اوقاف کا مستند ذکر جو صحابہ اور صحابیات نے کئے ہیں پہلے کر چکا ہوں۔ ان کا حوالہ قساف میں بھی ہے۔ یہ وہ اوقاف ہیں جن کو ہم اصولاً سند مانتے ہیں۔ خلیفہ حضرت عمرؓ کا ان کا آراضی کا وقف واقع خیبر ہے۔زبیر بن عوام کا وقف جو انہوں نے اپنی صاحبزادی کی گزار اوقات کے لیے کیا تھا جن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی۔

حضرت عثمان بن اکرم مخذومی کا وقف اپنے بچوں اور ورثاء کے لیے اپنے مکان دارالسلام واقعہ صفا متصل مکہ معظمہ (اس مقام سے آنحضرت صلعم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ بیہقی نے اپنی کتاب خلافت میں ابو بکر عبیداللہ بن زبیر حمیدی کی سند پر بتایا ہے کہ خلیفہ ابو بکرؓ کے پاس ایک مکان تھا اس کو انہوں نے اپنے بچوں کے حق میں وقف کردیا تھا جو اب تک قائم ہے اور سعد بن ابی وقاص نے اپنے مکانات کو جو مدینہ منورہ اور مصر میں واقع تھے اور اب تک موجود ہیں اور خلیفہ حضرت عثمانؓ نے اپنی آراضیات کو

اولاد کے حق میں وقف کردیا تھا اور وہ اب تک قائم ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ وہ تمام اشیاء جو انسانوں میں عام لین دین کے کام آتی ہیں اصول مقبولہ کے مطابق جائز طور پر وقف ہو سکتی ہیں اسی پر تمام امام متفق ہیں اشیا ابو یوسف کے نزدیک ایک واقف شئے موقوفہ کا انتظام اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اس سے حاصل شدہ منافعہ تا حین حیات خود اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے ان ہر دو موضوع پر قدوری نے سیر حاصل بحث کی ہے اور احمد ابن ابی لیلیٰ ابن شاہ برنا ظہوری اور دوسرے امام یوسف سے متفق ہیں مگر امام محمد کی رائے اس کے برعکس ہے۔

واقف اپنے لیے حسب قانون حنفی مفاد مخصوص کرسکتا ہے

ابو یوسف کا یہ اصول آنحضرت صلعم کے عمل اور منضبط احادیث کی بنا پر ہے کہ وہ آراضیات جو آپ نے وقف کی ہیں ان کی جائیداد سے آپ استفادہ فرماتے تھے۔ ابو یوسف کی تائید میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وقف کا منشاء ایک شخص کا جائیداد خود میں حق ملکیت ساقط کرنا اور تحویل خداوندی میں تفویض کرنا ہے پس جب کوئی شخص جزواً یا تمام مفاد کا منافعہ اپنے لئے مختص کرلیتا ہے تو اس سے وقف کی تقدیس میں کمی نہیں آتی اس لئے کہ یہ امر خدوند تعالیٰ کے نزدیک مستحسن اور جائز ہے۔

اسی طرح اپنے لئے بسر اوقات کی شرط بھی وقف کے خلاف نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایک کارواں سرائے اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ وہ بھی اس میں آرام کرے گا یا کوئی پانی کا حوض اس شرط سے وقف کرے کہ وہ بھی اس میں سے پانی لے گا یا قبرستان کے لیے زمین وقف کرے کہ وہ بھی دفن کیا جائے گا یہ تمام اوقاف جائز ہیں مزید براں ہمارے آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص آئندہ کے لیے اپنی بسر اوقات کا انتظام کرتا ہے تو وہ ایک امر خیر اور کار ثواب انجام دے رہا ہے۔ اس قوی حدیث کے بہت سے صحابہ کرام راوی ہیں اور یہ مستند ہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا کوئی نفع اتنا مستحسن نہیں جتنا کہ وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کرے اور اس کا اپنی ذات اپنے متوسلین اور اہل خاندان کے آئندہ گزارہ کا انتظام کرنا صدقہ ہے۔ امام نسائی نے بقیہ سے

اور بقیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جو کچھ تم اپنے گزارے کا انتظام کرو وہ صدقہ ہے"۔ ابن حبان نے صحیح میں ابو سعید کے حوالے سے بتایا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے جو کوئی جائز طریقہ سے جائیداد حاصل کرتا ہے اور اپنے یا دوسری مخلوق کیلئے بسر اوقات کا کام کرتا ہے یا خود لباس پہنتا ہے اور ان کو پہناتا ہے وہ راہ خدا میں صدقہ کرتا ہے اور دار کتنی کی جابر کی حوالے سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے اپنے بچوں اور متعلقین کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرتا ہے یا اپنے اور ان کے لیے روزی کا انتظام کرتا ہے تو وہ راہ خدا میں صدقہ ہے۔ طبرانی نے امامہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنے یا اپنی اہلیہ یا کنبہ یا بچوں کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا مثل صدقہ کے ہے۔ صحیح مسلم میں جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی صحابی سے فرمایا کہ اول خود لے امداد اور بقیہ اپنے کنبہ کو دے۔ ان تمام احادیث سے ابو یوسف کے اصول کی تائید ہوتی ہے۔

صدر الشہید نے لکھا ہے کہ ہم سب ہی اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور مشائخ بلخ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور ہدایہ نے بھی اسی اصول کو تسلیم کیا ہے۔ بالآخر اس سے ابو یوسف کی رائے کی تصدیق ہوتی ہے اگرچہ اس نے تفصیل نہیں دی ہے۔

اصول فتاویٰ قاضی خان

اس طرح فتاویٰ قاضی خان کے "باب بہ عنواں "کسی شخص کا وقف واقف کی ذات اس کے بچوں اس کے اقربا اور پڑوسیوں کے لیے" (یہ اصول جس کی سند کے بارے میں شک نہیں ہے) اس طرح بتایا گیا ہے فقیہ ابو جعفر کے مطابق اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے صدقہ (وقف) اس شرط پر کرے کہ وہ حین حیات خود کل آمدنی یا اس کا جزو اپنی ذات کے لیے صرف کرے گا تو ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے اور مشائخ بلخ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور بقول ان کے ایسا وقف اور یہ شرط دونوں جائز ہیں اور صدر الشہید کی بھی یہی رائے ہے کہ فتاویٰ ابو یوسف کے قول کے مطابق ہی جاری ہونے چاہئیں۔

عام اتفاق رائے

مکرر یہ کہ اگر کوئی شخص غربا کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ تمام آمدنی اس کو ملے گی اور یہ کہتا ہے کہ اس آمدنی میں سے وہ خود پر بھی صرف کرے گا تو بقول ابو بکر یہ جائز ہے۔ مزید یہ کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ وقف میں نے اپنے لئے کیا ہے تو بقول ابو یوسف جائز ہے اور اس کے انتقال کے بعد غربا کے کام آئے گا۔ اگر کوئی شخص اپنے بچوں کی ماؤں کے حق میں وقف کرتا ہے تو اس طرح جائز ہوگا جیسے اس نے اپنے لئے وقف کیا ہو۔

مکرر یہ کہ انصاری نے اپنی کتاب وقف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص درج ذیل عبارت کے ساتھ تشکیل وقف کرتا ہے "میری زمین راہ خدا میں دائماً وقف ہے اور اس کا نفع میری حین حیات میری ضرورتوں پر صرف ہوگا" اور اس سے مزید کچھ نہیں لکھتا تو یہ وقف جائز ہے اس کے مرنے کے بعد منافعہ غربا کو ملے گا۔

یہی اصول درالمختار میں بعینہٖ اس عبارت میں ہے۔ اگر کوئی شخص وقف کرتا ہے اور اس کا نفع یا اس کا انتظام اپنے لئے مخصوص کرلیتا ہے تو بقول ابو یوسف یہ وقف جائز ہے اور اس اصول کے مطابق فتوے دئے جاتے ہیں۔ یہی صدر الشہید کی رائے ہے اور اسی کو فقہ کی کتابوں میں مستند گردانا گیا ہے۔ فتح القدیر کے مصنف اور بلخ کے فقہاء نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور بحر الرائق میں بھی حاوی کے حوالہ سے یہی درج ہے۔ اور اسی اصول کو اختیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق فتوے ہیں۔

واقف کے قرض کی ادائیگی یا دوسرے اغراض کے لیے وقف

فتاویٰ عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ جب کوئی شخص زمین یا کسی اور شئے کا وقف کرتا ہے تو کل یا اس کا جزو یا تا حین حیات اپنے لئے مختص کر سکتا ہے جو اس کے بعد غربا کے لیے ہوگا ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف جائز ہے اور فقہائے بلخ نے بھی اس رائے پر عمل کیا ہے۔ اور انہوں نے اسی کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں تاکہ لوگوں میں وقف کرنے کے لیے رغبت پیدا ہو پس وقف کرنے کے اس طرح کئی طریقے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس شرط پر کہ آمدنی سے وہ شخص میرا قرضہ ادا کرے گا یا دوسرا جملہ کہ میری موت کے بعد میر ذمے اگر کوئی قرضہ ہو تو وہ قرضہ ادا

کرے گا یا جب فلاں شخص یا واقف کی موت واقع ہو تو پیداوار میں سے 1/10 حصہ اس کی طرف سے حج یا مکہ معظمہ کی زیارت پر خرچ کرے گا یا اس کے قسموں کے کھانے کے کفارہ طور پر فلاں فلاں طریقے میں خرچ کرے گا یا ہر سال صدقے میں سے اتنے اتنے درہم فلاں فلاں طریقے پر اور بقیہ رقم فلاں طریقے پر خرچ کرے گا۔ ان تمام طریقوں سے وقف جائز ہے۔ اگر واقف یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ موقوفہ ہے اور متولی کو اس کی آمدنی بین حیات بلا کسی اضافہ کے مجھے دینا ہوگا یا دیتا رہے گا اور اس کی موت پر منافعہ غربا کو ملے گا تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر یہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ ہے اور تاحین حیات اس کا منافعہ مجھے ملتا رہے گا اور میرے بعد میرے بچوں کے بچوں کی اولاد یا ان کے بعد اگر کوئی زندہ رہے اسے ملتا رہے گا اور یہ سب ہی ختم ہو جائیں تو ناداروں کو ملے گا یا اگر وہ یہ شرط مقرر کرے۔ وہ اپنی و اپنے بچوں کی پرورش کرے گا اور آمدنی سے اپنے قرضے ادا کرے گا اور بعد انتقال آمدنی فلاں شخص کو اور فلاں شخص کے بچے اور اس کے بچے اور نسل کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔ بقول خصاف خود کو پہلے یا بعد میں رکھنے سے کوئی فرق نہیں ہوتا اگر کوئی شخص غربا کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے دوسروں کو اس کی آمدنی میں سے کھلائے گا اور اس کی موت پر آمدنی اسکے بچوں کے لیے رہے گی اور اس طرح بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے اس کے بعد اس کی اولاد کے لیے اگر ان میں کوئی ہو تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہے۔

علامہ عینی کی رمز دفترا لحقائق میں بھی اسی طرح آتا ہے اگر واقف آمدنی وقف کو خود کے لیے مختص کرتا ہے اور وقف نامے میں شرط ہے کہ اس کی حین حیات آمدنی اس کے کام آئے گی اور اس کے بعد انتقال فلاں فلاں کے لیے یا کسی خاص مقصد کے لئے رہے گی تو ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے اور بلخ کے مشائخ نے بھی اس اصول کے مطابق فتویٰ جاری کئے ہیں۔

عام اتفاق رائے

اس موضوع پر فتاویٰ عالمگیری میں متعلقہ تفصیل بھی حسب بالا طریقے پر اس طرح ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ زمین میرے لئے صدقہ موقوفہ ہے تو بالاتفاق رائے جائز ہے اور خزانۃ المفتین میں یہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ زمین میرے لئے وقف ہے اور میرے بعد فلاں فلاں کو اور اس کے بعد غربا کے لیے ہے تو ابو یوسف کے نزدیک یہ وقف جائز ہے اور حاوی کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ فلاں فلاں کے لیے یہ وقف ہے اور اس کے بعد میرے لئے اور میرے بعد فلاں فلاں کے لیے یا میرے غلاموں اور ان کے بعد فلاں فلاں کے لیے تو مستند ترین اسناد کے مطابق یہ جائز ہے اور غیاثیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

غیایۃ البیان میں بعینہ اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص وقف کی آمدنی یا اس کا انتظام اپنے لئے مختص کرے تو ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور الوالجی نے اپنے فتووں میں بھی یہی درج کیا ہے اور فقہائے بلخ نے بھی ابو یوسف کے قول کو تسلیم کیا ہے اور صدر الشہید نے بھی اسی کے مطابق فتوے دئے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص تا حین حیات تمام وقف خود کے لیے مختص کرتا ہے اور اپنے بعد غربا کے لیے تو یہ جائز ہوگا۔ تسہیل میں بھی انہی شرائط کے مطابق اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ابو یوسف نے واقف کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ تا حین حیات کل منافع یا اس کا جزو خود کے لیے مختص کرے اور اس پر عامل ہو تو یہ آنحضرت صلعم کے عمل کے بنا پر ہے کہ آپ آمدنی وقف کو اپنی مصرف میں لاتے تھے۔ لیکن اگر واقف یہی شرط رکھے تو جزو کو کام میں نہیں لا سکتا۔

ذخیرۃ المحیط میں ہے کہ ابو یوسف کے مطابق اس طرح کے شرائط امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک ضروری نہیں ہیں اس لئے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے یا اپنے بچوں کی ماؤں کے لیے یعنی وہ باندیاں جن سے وہ بچے پیدا ہوئے ہوں۔ یا اپنی بچیوں کے لیے کسی متاع کا وقف کرے تو جائز ہے۔

ابو یوسف کا یہ اصول بمقدمہ دودن جان بی بی بنام عبداللہ بار براحناف میں قانوناً نافذ العمل قرار دیا گیا ہے۔

شیعہ وشافعی قوانین

اہل شیعہ وشافعی ایک امر میں احناف سے مختلف ہیں۔ حنفیوں کے مسلمہ اور مقبولہ اصول کے مطابق کوئی واقف تا حین حیات جائیداد وقف کی تمام آمدنی اپنے مقصد کیلئے مختص کر سکتا ہے حتیٰ کہ محض خود کو ایسے وقف سے استفادہ کنندہ مقرر کر سکتا ہے مگر اہل تشیع وشافعیوں کے مطابق اگر وہ متولی بھی ہے تو متولی کے لیے جوالاونس مقرر ہے وہی لے سکتا ہے۔ امام محمد اہل تشیع وشافعیوں سے اس بارے میں متفق ہیں کہ وہ حین حیات خود وقف کی تمام آمدنی کو اپنے لئے مختص نہیں کر سکتا۔ کسی بھی شخص کا اپنی اولاد کے لیے وقف میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تمام مذاہب ایسے وقف کے جواز کو تسلیم کرتے ہیں۔

اصول

کسی کا اپنی آل کے لیے وقف کرنا جائز ہے اس بارہ میں تمام مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں

درالمختار میں مواہب کے حوالہ سے ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچوں، اپنے لئے اور اولاد ونسل کے لئے وقف کرتا ہے اور تا حین حیات آمدنی وقف خود کے لیے مختص کرتا ہے بعدازاں دوسروں کے لیے تو ابو یوسف کی رائے کے مطابق یہ وقف جائز ہے اور اس کے مطابق فتاویٰ بھی ہیں۔

درالمختار اس بارے میں سب سے زیادہ واضح ہے۔ جیسا کہ ابو یوسف کے مطابق وقف کی آمدنی خود کے لیے مختص کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد الفاظ "مابعد" جو واقف عام طور پر تحریر کرتا ہے ان کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچوں کے لیے وقف کرتا ہے اور ان کے بعد بچوں کے بچوں کے لیے اور ان بچوں کے بچوں کے لیے تو جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا جو کچھ بھی فرق ہے وہ صرف واقف کا تا حین حیات خود اپنے لئے منافعہ مختص کرنے کے بارہ میں ہے۔ مگر واقف کے بچوں کے لیے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

عام اتفاق رائے

سترہویں صدی کے وسط کی تصنیف مجمع النہار کے مصنف نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ اصول تمام مذاہب اور فرقوں میں مسلمہ ہے اور پرزور طریقہ پر تحریر

کیا ہے کہ اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر کوئی شخص وقف کے منافعہ میں اپنے بچوں کو شریک قرار دے تو بچوں میں ذکور واناث سب ہی ساتھ ساتھ مستفید ہونگے تاوقتیکہ ذکور کے لیے یہ مختص نہ کیا گیا ہو۔

مسلمہ اصول

بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد سے آج تک مسلمانوں کا یہی مسلمہ قانون رہا ہے۔

درمختار میں ہے کہ کسی بھی شخص کے اپنے بچوں کے لیے وقف کے جواز کے بارہ میں اور کوئی شبہ نہیں ہے۔ مختلف مذاہب اور امام ابو یوسف وامام محمد میں بھی جو اختلاف ہے وہ آمدنی وقف تاحین حیات واقف مختص کرنے کے بارہ میں ہے۔

میں نے کتابوں کے اقتباسات پہلے ہی یہ بتانے کے لیے دیئے ہیں کہ واقف کی اولاد کے حق میں وقف جائز تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی اصول کو مشہور اسناد کے حوالہ سے میں لکھتا ہوں۔ ہر کتاب فقہ میں ایسے اوقاف کے لیے ایک خاص باب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا عنوان اسی طرح ہے جیسا کہ فصل دوم میں یعنی 'اپنے بچوں اور نسل کے متعلق اوقاف' اور درمختار میں بھی عنوان اسی طرح سے ہے 'بچوں کے حق میں اوقاف سے متعلق تمام امور' اور اس طرح ہر کتاب فقہ میں ایسا ہی عنوان ہے۔

ذیلیہ

ذیلیہ کے قول کے مطابق جو عظیم فقہا حنفی میں سے ہیں اور تمام سنی دنیا میں ان کی سند مسلمہ ہے اگر کوئی ان الفاظ میں وقف کرے "میری یہ زمین میرے لئے اور میری اولاد کے لیے صدقہ موقوفہ ہے" تو یہ جائز ہے اس لئے کہ امام محمد کے مطابق لفظ صدقہ سے ظاہر ہے کہ وقف دائمی ہے اور اس کے بچوں کے معدوم ہونے پر بھی غربا جو ہمیشہ رہتے ہیں مستفید ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں اور ان کی نسل کے لیے موقوفہ ہے تب بھی ابو یوسف کے مطابق اس کا وہی اثر ہوگا اور یہی صحیح ہے۔

فتح القدیر

اس موضوع کے بارہ میں فتح القدیر کی عبارت کا پہلے ہی حوالہ دیا جا چکا ہے مگر مکرر حوالہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ مصنف کے مطابق اسلام تکمیل وقف کے لیے شرائط میں سے نہیں ہے بالفاظ دیگر یہ ضروری نہیں کہ جس غایت کے لیے وقف کیا جائے وہ اسلام کے مطابق ہو نہ واقف کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ مصنف نے مزید بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچوں، اپنی نسل اور ان کے بعد غربا کے لیے مختص کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

جب وقف سے استفادہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور اس امر کے بارہ میں کہ اس کے حصہ کا کیا ہو کوئی وضاحت نہ کی ہو ایسی صورت میں متوفی کا حصہ (منافعہ) ہر سال اس کے پس ماندہ بچوں میں تقسیم ہوگا جو اغنیا اور ناداروں کو ہی ملے گا بشرطیکہ واقف نے یہ وضاحت نہ کی ہو کہ وقف محض ان کے نادار بچوں کے لیے ہے۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ واقف جب وقف میں اپنے بچوں اور اقربا کا حوالہ دیتا ہے یا یہ لکھتا ہے کہ وقف ان کے لیے ہے تو ایسی صورت میں اغنیا اور نادراوں دونوں کے لیے ہوگا تاوقتیکہ ناداروں کے لیے مختص نہ ہو۔ لیکن اگر یہ دوسروں یعنے غیروں کے لیے وقف کیا جائے تو ایسی صورت میں شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے کہ اگر واقف نے غیروں کے لیے اسے مختص کر دیا ہے تو یہ جائز ہے خواہ وہ لوگ جن کے حق میں وقف کیا گیا ہے ان کی تعداد محدود ہو خواہ غیر محدود اس لئے کہ غایت وقف خوشنودی خداوند تعالیٰ حاصل کرنا ہے۔ اور جب وقف سے استفادہ اغنیا نادار دونوں کے لیے ہے تو اس میں دونوں مساوی ہیں۔ اگر کوئی غایت مختص نہیں کی گئی ہے اور وقف اولاد کی ایک محدود جماعت کے لیے ہے تو انہی کے لیے جائز ہے نہ کہ غیر محدود کے لیے تاوقتیکہ واقف نے بعض ایسے جملے استعمال نہ کئے ہوں جن سے عموماً یا رواجاً یا اصلاً حاجت مند مراد ہوں یعنے اگر وقف عام طور پر یتیموں کے لیے ہے تو یہ جائز ہے اور اس کا منافعہ ناداروں کو ملے گا نہ کہ اغنیا کو۔ بقول شمس الائمہ سب کا منشا یہ ہے کہ وقف غیروں کے لیے ہے نہ کہ اپنی بچوں اور اقربا کے لیے۔

رمز الحقائق

رمز الحقائق میں درج ذیل اسی اصول کے مطابق ہے۔

اگر کوئی واقف وقف کی آمدنی اپنی ضرورت کے لیے مخصوص کرتا ہے یعنی اگر وقف نامہ میں اس طرح تحریر ہو کہ آمدنی وقف تاحین حیات اسکے استعمال کے لیے ہے اسکے بعد فلاں فلاں یا کسی مختص غرض کے لیے ہو تو ابو یوسف کے مطابق ایسا وقف جائز ہے اور فقہائے بلخ نے بھی اس کے مطابق طے کیا ہے۔ ابو یوسف کے اصول کی بنیاد آنحضرت صلعم کے اس اسوہ حسنہ کے مطابق ہے کہ آپ اپنے وقف کا منافعہ خود استعمال فرماتے تھے۔ اگر چہ یہاں بچوں کا حوالہ نہیں ہے لیکن ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہیں ہے اور لفظ (جہت) میں نسل کے حق میں بھی قیاس شامل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری میں بعینہٖ یہ اصول دیا گیا ہے اولاً ہر وہ شرط جو اپنے بچوں کے بارہ میں ہے وہ دوسروں کے بچوں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ پس اپنے بچوں کے حق میں اور غیر کے بچوں کے حق میں جواز وقف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جب کوئی کسی آراضی کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو وہ بچہ (بچے) اس سے استفادہ کر لیں گے خواہ بوقت وقف ہوں خواہ نہ ہوں یا بعد میں پیدا ہوئے ہوں۔ پس اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ وقف میرے بچوں کے لیے ہے یا اب جو بچے پیدا ہوں ان کے لیے ہے اور ان کے نہ ہونے پر غربا کے لیے ہے تو ایسی صورت میں یہ وقف جائز ہوگا یا اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف میں نے بچوں کے لیے کیا ہے اس سے استفادہ میں ذکور اور اناث بچے شامل ہونگے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچے کے لیے وقف ہے اور میرے بچے کے بچہ کے لیے اور اس بچہ کے بچے کے لیے اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے تو یہ آمدنی ہمیشہ جب تک کہ آل اولاد میں سے کوئی بھی زندہ ہو اس کے لیے ہے اور غربا پر تقسیم نہ ہوگی۔ اسی طرح جب تک کہ اس کی آل میں کوئی بھی خواہ کتنا ہی بعید تر ہے اس کے لیے وقف رہے گی اس میں قریب تر اور بعید تر حصص منافعہ آمدنی میں برابر ہیں تا

وقتیکہ واقف نے بوقت وقف یہ طے نہ کیا ہو کہ اس سے قریب تر کا حق مرجح ہوگا۔ یا یہ کہا ہو کہ میرے بچے کے لیے اور اس کے بعد بچے کے بچہ کے لیے یا یہ کہا ہو کہ نسلاً بعد نسلاً یعنی ان سے ابتداء کی جائے جیسے کہ واقف نے ابتداء کی تھی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے بچے اور نسل کے لیے وقف ہے تو یہ جائز ہے۔

علامہ طحطاوی کی شرح میں یہی اصول انہی شرائط کے مطابق ہے۔ ابو یوسف کے مطابق یہ واقف کے لیے جائز ہے کہ وقف کی آمدنی اپنے لئے مخصوص کرلے یا خود اس کا انتظام کرے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

اگر کوئی شخص آراضی بچوں یا بچوں کے بچوں کے حق میں تا قیام نسل وقف کرے تو وقف کی آمدنی اس کی آل میں بقدر مساوی تقسیم ہوگی اور ذکور کو اناث پر ترجیح نہیں ہوگی اس لئے کہ واقف نے حقوق مساوی طور پر معین کئے ہیں۔

ظہیر الروایت (مجموعہ احادیث) میں ہے کہ ایسے وقف آل میں اناث (بیٹیاں) شامل نہ ہوں گی، اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں ہے کہ جب کوئی اپنی نسل کے لیے وقف کرے تو اس نسل میں اس کی آل میں ذکور اور اناث خواہ قریب ہو یا بعید دونوں شامل ہونگے۔ جب کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے ولد (بچہ واحد) کے لیے وقف ہے تو اس صورت میں بچہ یا بچے ذکور واناث شامل ہونگے ان اقوال کے حوالے سے ظاہر ہے کہ کسی کا خود کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے وقف کرنا بدیہی ہے۔

خزینۃ المفتیین میں یہ اصول اس طرح دیا گیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ زمین میرے لئے صدقہ یا صدقہ موقوفہ ہے گویا کہ اس کا منشا یہ تھا کہ وہ تا حین حیات اس سے استفادہ کرے گا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے گا تو یہ وقف سنداً جائز ہے۔

مکرر یہ کہ اگر ایک شخص غربا کے لیے اس شرط سے وقف کرتا ہے کہ وہ بھی اس سے استفادہ کرے گا تو یہ جائز ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین باری تعالیٰ کے لیے صدقہ موقوفہ دائماً موقوفہ ہے اور تا حین حیات خود اس سے استفادہ کرتا رہوں گا۔ مزید کچھ نہ کہے تو یہ جائز ہوگا۔ اور اس کے انتقال کے بعد غربا مستفید ہوں گے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی میرے لئے اور میرے بعد میرے بچے کے لیے اور میرے بچے کے بعد اس کے بچے کے لیے ہے جب تک کہ نسل قائم ہے لیکن اگر وہ معدوم ہو جاوے تو غربا کے لیے تو یہ جائز ہے۔ اگر وہ واقف اپنی بسر اوقات کے علاوہ یہ بھی شرط رکھے کہ اس آمدنی سے اس کے قرضوں کی ادائیگی ہوگی تو یہ بھی جائز ہے۔

ذارالحسام اور مواہب میں بھی یہی اصول ہے کہ اگر کوئی تا حین حیات خود آمدنی مختص کرتا ہے اور مابعد اپنے بچوں کے لیے مختص کرتا ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

بحرالطریق کا یہ پیرا اس معاملے میں مفصل ہونے کے ساتھ اہم بھی ہے۔

مجمع الانہار

مجمع الانہار جو اٹھارویں صدی کے قریب لکھی گئی اس میں اسناد کے حوالوں کے مطابق فتویٰ ہے بالفاظ دیگر یہی قانون ہے۔ ایک شخص کا اپنے حق میں اور اپنے بچوں کے اور ان کی نسل کے حق میں وقف اور نسل کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لیے وقف بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر غربا کا حوالہ نہ بھی ہوا اور وقف کے ساتھ صدقہ کا حوالہ دیا گیا ہو تو یہ ابو محمد و ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اولاد کے معدوم ہونے پر یہ وقف غربا کے لیے ہوگا۔ اگر غربا کا حوالہ نہ بھی دیا گیا ہے اور نہ لفظ صدقہ مستعمل ہو تب بھی ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور ان کا منافعہ غربا پر صرف ہوگا اور یہی فتویٰ ہے۔

سراج الوہاج

سراج الوہاج میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے بچوں کے حق میں اور ان کے بعد غربا کے حق میں وقف جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص زمین کا وقف اپنے بچوں کے لیے اور بعد میں غربا کے لیے کرتا ہے اور بچوں میں بعض کے انتقال کے بعد بچوں کے پس ماندگان پر صرف ہوگا اور جب وہ معدوم ہو جائیں گے تو یہ غربا پر صرف ہوگا تو یہ جائز ہے۔

واجد المحیط

واجد المحیط میں بھی یہ اصول بعینہٖ درج ہے۔ (باپ کسی کے بچوں کے لئے وقف بعد ازاں اس کی نسل اور اس کے بعد غربا کے لیے) جب کوئی اپنی اولاد کے لیے وقف کرتا ہے تو اس میں اس کے بچے اور اس کے بیٹوں کے بچے شامل ہیں۔ اس میں بیٹیوں کے بچوں کے شمول کے بارہ میں دو رائے ہیں۔ جب کوئی اپنی زمین اپنی اولاد اور ان کے بعد غربا پر وقف کرتا ہے تو بچوں میں سے کسی ایک کے انتقال پر بقیہ پس ماندگان پر اس کا مفاد منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر بچوں میں سے کوئی بھی نہ رہے تو غربا پر صرف ہوگا۔ یہ اس سے مختلف ہے جب کہ وقف نامزد یعنی واقف کے بچوں میں سے چند کا نام مختص طور پر درج ہو اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کے لیے۔ اس صورت میں ان نامزد مختص افراد میں سے کسی ایک کے انتقال پر متوفی کا حصہ غربا پر تقسیم ہوگا۔ یہاں یہ قیاس کیا گیا ہے کہ ایسا وقف جو بچوں کے حق میں کیا گیا ہو بالآخر غربا پر عود کرے گا اور یہ جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان اس مسئلہ پر حرفِ قطعی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان

خصاف میں ہے کہ جب کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ وقف کرے کہ میری زمین صدقہ یا صدقہ موقوفہ ہے اور اس کی آمدنی جب تک میں حیات ہوں مجھے ملتی رہے گی اور میرے بعد بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کی آل اولاد کو جب تک کہ نسل قائم ہے اور ان کے بعد غربا کو ملے گی تو یہ وقف جائز ہے۔

حاوی

حاوی میں جو ایک اہم تصنیف ہے جس کا حوالہ اکثر فتاویٰ قاضی خان وعالمگیری میں ملتا ہے اس اصول کو اس طرح بتایا گیا ہے اگر کوئی شخص قطعہ آراضی یا باغ اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ اگر اس کو کچھ منافعہ ہوگا تو یہ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوگا تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہوگا۔ یا وہ تمام منافع اور اس کا انتظام بھی اپنے لئے مخصوص کرے تب بھی وقف جائز ہے اسی طرح اگر اس شرط کے ساتھ وقف کرے کہ جب تک وہ زندہ ہے اس میں سے کھائے گا اور دوسروں کو کھلائے

گا تو اس شرط کے ساتھ بھی وقف جائز ہے اور یہی ابو یوسف کا مستند قول ہے اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین میرے لئے وقف ہے تو بقول ہلال جائز نہیں ہے لیکن دیگر تمام فقہا کی رائے میں ایسا وقف ابو یوسف کی رائے کے مطابق جائز ہے۔ اور مشائخ بلخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ان کے نزدیک ایسا وقف اور شرط دونوں ہی جائز ہیں اور حسب صدر الشہید فتویٰ ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے۔ اگر واقف یہ کہتا ہے کہ میری یہ زمین موقوفہ ہے اور میں جب تک زندہ رہوں اس کی آمدنی میرے لئے اور میری موت پر بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں کے لیے آئندہ نسل کے لیے جب تک کہ وہ قائم رہیں اوران کے مر جانے کے بعد غربا کے لیے ہے تو ایسا وقف جائز ہے۔

فتاویٰ انقرویہ میں یہ اصول اس طرح ہے

سوال۔ ایسی صورت میں کیا اصول ہے کہ اگر کوئی شخص اسی طرح وقف کرے (میری زمین میرے بچے اور میرے بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے لیے صدقہ موقوفہ ہے)۔

جواب۔ یہ جائز ہے اور اس کا ان سب پر اطلاق ہوگا۔

سوال۔ کیا اس کی آمدنی ان کو دی جائے گی جو رشتہ میں بعید تر ہوں۔

جواب۔ ہاں اس لئے کہ ایسا وقف تمام آل اولاد کے وقف کے مساوی ہے جب تک کہ اس کی نسل قائم ہے۔ یہاں تین نسلوں کا حوالہ ہے اور جہاں کہیں بھی تین نسلوں کا حوالہ آتا ہے اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ وقف واقف کی پوری نسل کے لیے ہے جب تک کہ وہ قائم ہے۔

یہاں قابل توجہ ہے کہ لفظ صدقہ لفظ وقف کے ساتھ استعمال ہوا ہے اس لئے کہ وقف بالاتفاق جائز ہے۔ اگر چہ یہاں واقف کی نسل کے معدوم ہو جانے کی صورت میں آمدنی میں غربا کے استفادہ کا حوالہ نہیں ہے تاہم جیسا کہ بتایا جا چکا ہے امام محمد کے مطابق لفظ "صدقہ" سے منشا غربا کے حق کا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے خواہ لفظ صدقہ استعمال نہ کیا جائے جب کہ غربا کا صریحاً حوالہ ہے۔ ابو یوسف کے مطابق لفظ صدقہ کا استعمال قطعاً غیر اہم ہے اور مندرجہ بالا صورت میں اگر

لفظ صدقہ کا استعمال نہ ہو تا تب بھی وقف قطعاً جائز ہو گا۔

جوہرۃالنیرۃ

جوہر النیرۃ میں بھی اس طرح ہے کہ اگر کوئی ان شرائط کے ساتھ وقف کرتا ہے میری یہ زمین ہمیشہ کے لیے راہ خدا میں میرے بچوں کے لیے صدقہ وقف ہے اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا استفادہ کے مستحق ہونگے تو جائز ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہاں وقت کا تعین نہیں ہے کہ بچے کب معدوم ہوں تاہم وقف جائز قرار دیا گیا ہے۔

رام سوامی چودھری بنام محمد اسحاق

بمقدمہ رام سوامی چودھری بنام ابو الفتح محمد اسحٰق عدالت عالیہ کلکتہ نے ایک نظریہ وضع کیا جس کے بارے میں ادباً عرض ہے کہ شرع میں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ شرعاً وقف کا انحصار کسی غیر معین اور غیر مشروط واقعہ پر ہونا چاہئے خاندان کا متوقع سقوط جیسے اصول جیسا کہ حال میں مدراس ہائی کورٹ نے یا تھوکنی بنام آپتھل کیس میں طے کیا درست نہیں۔ ادباً یہ بتانا ہے کہ شرع کے بارہ میں یہ رائے غلط فہمی کی بنا پر ہے۔ ایسے وقف کا تقاضہ جو کسی شرط کے وقوعہ پر منحصر ہے بلا شبہ ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ایسے مشروط اوقاف کی مثالیں کتب ہائے فقہ میں ہیں ان میں سے کسی ایک کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس اصول کا کیا مفہوم ہے۔

مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا لڑکا کل آجانے پر یا میرا جہاز آئندہ جمعہ تک بصرہ سے آجائے تو میرا یہ مکان وقف ہو گا پس ایسا وقف ایک شرط کے واقع ہونے پر منحصر ہے جو واقع ہو یا نہ ہو لڑکا کل آئے یا نہ آئے جہاز جمعہ کو پہنچے یا نہ پہنچے وقف اس وقت تک نافذ نہ ہو گا جب تک کہ وہ واقعہ جس پر کہ یہ مشروط ہے اصلاً واقع نہ ہو جائے مگر چونکہ اس کا وقوع قطعاً غیر یقینی اور مشروط ہے اس لیے وقف کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ مابین زندہ اشخاص جواز وقف کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ جس بات کے لیے جو کہ شرعاً گناہ نہ ہو وقف کیا گیا ہے فوراً نافذ ہو اور اگر یہ متعلق بہ وصیت ہے تو یہ واقف کی موت پر نافذ ہونا چاہئے۔

ایسے اوقاف جن کا انحصار غیر یقینی حالات سے مشروط ہو ان کا اصولاً کسی کی آل اولاد کے حق میں وقف سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر قانون وقف سے قطعاً غلط فہمی کی بنا پر فیصلہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ کسی شخص کا حنفی اصول کے مطابق اپنے بچوں یا آل اولاد کے لیے یا اپنے لئے وقف کرنا ایک مقدس طریقہ ہے جس سے قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ وقف غربا میں حوالہ بقول ابو محمد (نہ کہ ابو یوسف) جن کا فتویٰ ہے وقف کے جواز کے لیے حق ہے بلکہ اس کے دوام کے تیقن کے لیے ہے۔ چونکہ بنی نوع انسانی کو معدوم ہونا ہے اور وقف کے لیے دوام ضروری ہے اس لئے ابو محمد کی رائے میں غربا کا حوالہ صریحاً یا لفظ صدقے کے استعمال سے کنایتاً ہونا چاہئے اس کے برعکس یوسف کے مطابق خواہ غربا کا حوالہ ہو یا نہ ہو اور خواہ لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہو یا نہیں لفظ وقف سے مفہوم ہے دوامی اس لئے جب تک کہ کوئی دوسرا مقصد نہ واضح کیا جائے واقف کی نسل کے معدوم ہونے پر آمدنی غربا پر ہی صرف ہوگی۔

جواز وقف کے بارہ میں کوئی شک نہیں ہے محض غربا کے حوالہ سے وقف فی نفسہ بیش وکم جائز نہیں ہوتا یہ تو صرف قانوناً شرط دوام کو مستحکم کرنے کیلئے ہے۔ مندرجہ بالا مقدمہ میں عدالت عالیہ کی محولہ تجویز اولاً بظاہر مشروط اوقاف کے متعلق قانونی غلط فہمی کی بناء پر ہے۔ ثانیاً اس نظریہ پر مبنی ہے کہ بالآخر غربا کے حق میں وقف جب ہی ہو سکتا ہے کہ وقف نامہ میں اس کا حوالہ ہو۔ فیصلہ متذکرہ میں کسی سند کا حوالہ نہیں ہے جس پر یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے۔

اس فیصلے اور شرع کے اصول کے نفاذ کی نوعیت سمجھنے کے لیے واقعات جو مصدقہ رپورٹ میں درج ہیں ان کا بتانا ضروری ہے۔

بذریعہ دستاویز مورخہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۶۸ء بطور وقف نامہ (رجسٹرڈ) ہر دو بھائی علی الترتیب الموسوم ابو الحسین عبدالرحمان اور ابو محمد عبدالقادر نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد کو درج ذیل شرائط کے ساتھ بطور وقف نامہ حسب ضابطہ رجسٹری کرادیا۔

جو کہ ہم مقران ہمارے والد اور اجداد کے نام کی بقا اور جائیداد کے تحفظ کے لیے ہی خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی عنایات و بخشش کے سہارے بدرستی صحت جسمانی وہوش وحواس بہ پابندی جملہ فرائض اصول مذہبی بخوشی رضا

ورغبت بلا جبر و اکراہ ہماری غیر منقولہ جائیداد میں ہمارے حقوق ملکیت و حصص کو دائماً وقف کرتے ہیں۔ یعنی ہمارے تمام پرگنے، زمینداریاں، تعلقے، صیغے اور آراضیات معافی اور تمام موروثی خود اکتسابی جائیدادیں جو کہ نجی یا سرکاری نیلام میں خریدی گئی ہیں اور وہ تمام جائدادیں جو ہمارے نام یا دوسرے کے نام درج ہیں ان کے بارے میں ہمارے تمام حقوق و مفادات جو ہمارے قبضے یا تصرف میں ہیں ان سب کو ہم ہمارے لڑکوں بچوں اور ہمارے خاندان کے افراد کے حق میں نسلاً بعد نسلاً وقف کرتے ہیں اور ان کے ساقط ہونے کی صورت میں غربا فقرا۔ بیوگان اور یتیموں کے حق میں وقف کرتے ہیں۔ دونوں بھائی بحیثیت متولیان ان سب کے انتظام و نگرانی کی ذمہ داری جب تک کہ ہم زندہ ہیں خود کرتے رہیں گے اور بحیثیت متولیان مقران کو جائیداد موقوفہ تمام حقوق اور مفاد حاصل رہیں گے اور جو بھی نفع جائیداد مذکورہ سے حاصل ہوگا اس کو اس طرح سے کام میں لائیں گے کہ اگر ہمیں دعویٰ کی ضرورت پیش آئی یا ان جائیداد ہائے اوقاف یا ان کے منافع کے لیے کوئی دعویٰ یا عذر داری کسی عدالت دیوانی میں ہوئی تو ہم متولیان نافذ الوقت قانون و قواعد کی سنت کے مطابق پیروی کریں گے اور جائیداد موقوفہ کے منافعہ سے تمام مصارف ادا کریں گے۔ ہم متولیان ہمارے خاندان کے نام اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے ہماری زندگی میں جائز اور مناسب اخراجات ہمارے لئے ذرائع اور حیثیت کے مطابق کریں گے اور ہماری مرضی کے مطابق ان افراد کی پرورش و گذارے کے لیے جو اب حیات ہیں یا بعد میں پیدا ہونگے وظائف مقرر کریں گے اور مستفیدین کو ماہ بہ ماہ وظیفہ ادا کرتے رہیں گے۔ ان کی شادی یا غمی کے مراسم بھی حسب ضرورت انجام دیں گے۔ مقران متولیان یا ہمارے جانشین متولیان اس امر کے مجاز ہوں گے جن کے حق میں وقف کیا گیا ہے خواہ زندہ ہوں یا بعد میں پیدا ہوں ان کے وظائف میں کمی بیشی ان کے مرتبے حالات نیز جائیداد ہائے موقوفہ کی آمدنی کے پیش نظر کریں گے مقران اس کے بھی مجاز ہونگے کہ جائیداد ہائے وقف بطور کفالت یا پٹنی یا دوپٹنی عطیہ مستقل یا عارضی اجارہ پر دیں اور دیگر جائیداد اس روپیہ سے جو بطور سلامی آئے خرید لیں۔ آراضیات وقف کا دیگر آراضیات سے باہمی مبادلہ کریں یا ان آراضیات کو وقف میں شامل کریں جو خرید یا مبادلہ سے آئی ہوں یا ان میں سے بعض کا منافع مصارف وقف پر

صرف کریں اور فاضل منافعہ تحویل خود میں رکھیں اور جائیداد ہائے اوقاف میں اضافے اور منافعہ میں کوشاں رہیں اور مقران متولیان کی بعد تحریر دستاویز ہذا جو بھی جائیدادیں ہیں وہ سب وقف ہذا میں شامل رہینگی۔ وہ اشخاص جن کے استفادہ کے لیے وقف کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی جائیداد وقف میں سے کسی کو بیع یا رہن یا ہبہ نہ کر سکے گا اور نہ ان کا وظیفہ ان کے خلاف کسی ڈگری میں قرق یا بیع ہو سکے گا۔ اس لئے کہ جائیداد ہائے موقوفہ ہمارے لڑکوں پوتوں وغیرہ کے لیے نسلاً بعد نسلاً کی گئی ہیں۔ وہ اشخاص (موقوف علیہم) جن کے حق میں وقف ہے اس امر کے مجاز نہ ہونگے کہ متولی یا متولیان سے موقوفہ جائیداد کا حساب طلب کریں یا ان کے خلاف عدالت میں نالش بابت اضافہ وظیفہ یا جائیداد ہائے وقف پر حصول قبضہ یا ان سے متعلق حساب فہمی کا دعویٰ کریں اس سلسلہ میں کوئی بھی دعویٰ قابل پیش رفت نہ ہوگا اور ایسے دعوی کو عدالت خارج کرے گی۔ موقوف علیہم میں سے کوئی اس امر کا مجاز نہ ہوگا کہ اضافہ وظیفہ یا ہنگامی اخراجات کے لیے درخواست پیش کرے اگر متولیان واقعی ضرورت اضافہ سے مطمئن ہوں تو وظیفے میں اضافہ کرنے اور ضرورت پورا کرنے کے مجاز ہونگے۔ وقف ہذا کا اصل منشاء یہ ہے کہ جائیداد ہائے موقوفہ میں کوئی نقصان نہ ہو اور ان کا منافعہ خاندان کے نام کو برقرار رکھنے اور ان لوگوں کی پرورش اور جن کے لیے وقف ہے ان کے کام آئے۔ اس موقعہ پر مقران یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ بوقت تحریر دستاویز ہذا مقران کسی کے مقروض نہیں ہیں اور جائیداد ہائے موقوفہ اب تک ہمارے قبضے میں ہے تعین اصل میں سے ہم نے افضل ترین حصہ قبضہ خود میں رکھا ہے تمام جائیداد پر قبضہ تحویل خود سے نکال کر وقف کر دیا ہے اور جائیداد ہائے اوقاف کی تفصیل اور حالات کا علم دستاویزات متذکرہ سے ہوگا اس لئے ان کے بارے میں کوئی فہرست بطور ضمیمہ شامل نہیں ہے۔

دستاویز ہذا کی رو سے یہ وقف بلا شبہ قطعاً واقفان اور انکی آل اولاد کے لیے نافذ اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا پر عود کرے گا۔ پس فقہ حنفی کی رو سے جس کے واقفان پیرو ہیں لازمی شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ان کے متولیان کی تقرری بھی خلاف شرع نہیں ہے۔ البتہ وہ اختیار جو مقران دستاویز نے وظائف کے کم کرنے کے بارہ میں مخصوص کر لیا تھا اور یہ کہ مستفیدین اسی سلسلہ میں کوئی عذر بھی نہیں

کر سکتے اور یہ شرط کہ مقران حساب دہی کی ذمہ داری سے بھی بری ہوں گے مثل دیگر شرائط کے ناقص اور منشاء قانون کے خلاف ہے۔

لیکن اگر وقف فوراً ہی قطعی ہو جائے تو وقف نامہ کی حد تک نافذ رہتا ہے۔ جیسا کہ مسئلہ کا منشا ہے اس لئے کہ شرائط خلاف شرع سے وقف باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط زائل ہو جاتی ہیں۔ شرائط وقف مطابق شرع کے نفاذ کو نہ واقف کم کر سکتا ہے اور نہ اپنے مابعد طرز عمل سے ان کی نوعیت کو متاثر کر سکتا ہے پس یہی اصول شرع ہے۔

رام سوامی چودھری بنام فتح محمد اسحٰق کا جائزہ

شرائط وقف نامہ سے ظاہر ہے کہ جائیداد ہائے موقوفہ کا وقف قطعی کیا گیا تھا اور اس میں متولیان کے لیے کہ وہ واقفان اور ان کی اولاد ذکور سے ہونگے شرط رکھی تھی۔

بعد تحریر دستاویز وقف نامہ عبدالرحمان عبدالقادر اس جائیداد کو بطور وقف جائیداد برتتے رہے انہوں نے خود کو متولیان سمجھا اور چند سال تک وصولی اور انتظام جائیداد کے متعلق خود کو کاغذات میں ایسا ہی بتاتے رہے۔ ۱۸۷۴ء میں عبدالرحمٰن مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا اور ۷ر نومبر ۱۸۷۴ء کو ایک اجارہ پٹہ جائیداد مالیتی مبلغ دو ہزار چار سو روپیہ سالانہ اپنے بھائی عبدالقادر کے حق میں کر دیا اور عبدالقادر نے یکم جون ۱۸۷۵ء کو اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے حق میں دستاویز قبولیت تحریر کر دی ان ہر دو دستاویزات کی باضابطہ رجسٹری ہوئی ہر دو بھائیوں نے یہ تحریر کر دیا کہ انہوں نے ۱۸۷۴ء کے وقف کو بوجہ ضروریات ذاتی فسخ کر دیا ہے جس کا شرعاً انہیں کوئی اختیار نہیں تھا۔

۱۸۸۱ء میں عبدالرحمٰن و عبدالقادر نے اپنی جائیداد کا باضابطہ تقاسمہ کر لیا اور دستاویز تقاسمہ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۸۸۱ء میں تحریر کیا کہ وقف نامہ مورخہ ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۴ء ناجائز تھا اس لئے کہ دستاویز مذکور میں الفاظ صدقہ یا امر خیر درج ہونے سے یہ اصول شرع کے مطابق نہ تھا۔ تقاسمہ نامہ کی تحریر کے بعد عبدالقادر و عبدالرحمٰن نے اپنے اپنے حصہ کو بلاشرکت غیرے ملکیت ذاتی کے طور پر استعمال کیا اور عبدالرحمٰن جو کہ قرضہ سے گراں بار ہو چکا تھا اس نے اپنی جائیداد کو بہت سے حصوں اور ٹکڑوں میں منقسم کر کے علاحدہ علاحدہ رہن کر دیا۔ اگر آغاز ہی میں وقف جائز تھا تو متولیان کے مابعد

افعال بیجا جواز وقف یا او قاف متذکرہ پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔

۶/ مارچ ۱۸۸۷ء عبدالفتح محمد اسحٰق نے اپنی اور اپنے نا بالغ بھائیوں دپسران عبدالرحمٰن کی جانب سے بطور استفادہ کنندگان وقف یہ دعویٰ دائر کیا اور منجملہ دیگر امور کے جائیداد ہائے موقوفہ کے استقرار وقف کے لیے مع اس داد رسی کے استدعا کی کہ جائیداد ہائے موقوفہ جو ان کے باپ عبدالرحمٰن نے منتقل الیہم کو منتقل کردی تھی وہ واپس دلائی جائیں اور اسے تولیت سے علیحدہ کیا جائے۔ مقدمہ ہذا میں خاص خاص تنقیحات درج ذیل قائم ہوئیں۔

۱۔ آیا وقف نامہ جو مدعیان نے تحریر کیا جائز تھا۔ بصورت اثبات مدعیان کس داد رسی کے مستحق ہیں۔

۲۔ آیا وقف نامہ متنازعہ قانوناً ناجائز یعنی سازشی اور فریب کارانہ تھا اور کیا اس پر کبھی عمل ہوا۔

۳۔ آیا وقف نامہ متنازعہ مدعا علیہم ا۔۲۔ کے طرز عمل اور طریقہ ہائے کار مابعد سے منسوخ ہو گیا۔

فاضل سب جج نے یہ طے کیا کہ عبدالرحمٰن و عبدالقادر ہر دو نے یہ وقف نامہ تحریر کیا تھا اور یہ کہ ہر دو بوقت تحریر جائیداد ہائے مشترکہ مالک و قابض تھے یہ کہ ان پر کوئی قرضہ کا بار نہ تھا اور دماغی و جسمانی اعتبار سے صحت مند تھے اور انہوں نے بخوشی ورضا و رغبت جائیداد کو راہ خدا میں بر بنائے نیک نیتی وقف کیا تھا۔ یہ کہ بعد تحریر دستاویز ہر دو نے بطور متولیان اپنا فرض انجام دیا اور استفادہ کنندگان کی پرورش کرتے رہے۔ قرآن پاک اور مسلمانوں کی دیگر مذہبی کتب تعلیمکے لیے مدرسہ جاری رکھا اور جمعبندی کاغذات چھٹا تیرج تولی اور توضیح اور دیگر دستاویزات سے متعلق انتظام جائیداد ہائے وقف میں خود کو متولی بخوبی ظاہر کیا۔ پانچ چھ سال بعد تحریر وقف نامہ عبدالرحمٰن بہت مقروض ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی عبدالقادر سے ۱۶/ نومبر ۱۸۸۰ء کو وقف کا تقاسمہ کر لیا۔ یہ کہ عبدالرحمٰن نے بلا علم واجازت عبدالقادر بعض جائیداد ہائے اوقاف کو منتقل کر کے رہن اور پٹے پر دے دیا اور یہ کہ وہ اتلاف و بد نظمی جائیداد کا ذمہ دار ہے۔ سب جج نے یہ فیصلہ دیا کہ دستاویز وقف نامہ شرعاً جائز اور جائیداد نا قابل تقسیم تھی یہ کہ متولی کو الگ کیا

جائے اور مدعا علیہ ۲ کو متولی مقرر کیا جائے اور یہ کہ مدعا علیہ عبدالرحمٰن کے جائیدادہائے موقوفہ کے انتقالات رہن نامے و پٹے ناجائز تھے ان کو منسوخ کیا جائے اورڈگری بحق مدعیان صادر کی جائے۔

مدعا علیہ نے ہائی کورٹ میں یہ اپیل دائر کی۔ فاضل ججان نے متذکرہ واقعات کو درج کرتے ہوئے تجویز کی کہ فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے بحث کی ہے کہ مقدمہ ہذا میں مقدمہ قاسم علی بنام حسین میاں، رحمت اللہ و محمد عبد اللہ خان بنام لطف الحق اور مقدمہ دو جان بی بی بنام عبد اللہ بابر کی سند غلط تھی موخوذ الذکر مقدمہ میں سپریم کورٹ کلکتہ کے چیف جسٹس اور دیگر ججان نے فیصلہ دیا تھا اس مقدمہ میں فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے دوران بحث مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی اور امرت لال کالید اس بنام شیخ حسین اور ان اسناد پر جن کا امیر علی نے اپنے ٹیگور لا لیکچر میں مختصراً۔ جزواً ذکر کیا اور جس میں مسٹر بیلی کا حوالہ دیا گیا انحصار کیا ہے۔

فاضل چیف جسٹس رین کا فیصلہ ان علماء کی رائے پر منحصر ہے جن سے اصول شرع کے بارے میں استصواب کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ بہت اہم ہے مگر جواز وقف کے بارہ میں جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسا وقف بھی جو اغراض خیر کے لیے کیا گیا ہے جائز ہے خواہ واقف نے حین حیات خود کرایوں اور منافعوں کو اپنے لئے مختص کرلیا ہو اور خواہ واقف نے خود کو متولی بھی مقرر کرلیا ہو اور دوسرے کو قبضہ بھی نہ دیا ہو۔ اگرچہ فیصلے میں یہ درج نہیں ہے کہ آیا ایسا وقف جو بادی النظر میں مذہبی وامور خیر کے لیے وقف نہ ہو جائز ہے؟ اور یہی مسئلہ ہمارے سامنے زیر غور ہے۔

فیصلہ مذکور میں البتہ یہ ضرور بتایا ہے کہ فیصلہ ہائے مقدمہ عبدالغنی قاسم بنام رحمت اللہ اور محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق اس حد سے آگے چلے گئے ہیں کہ ایک وقف جائز اپنی تخلیق سے ہی خالصتاً و محض مذہبی اور اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ان کا اصلاً اور حقیقتاً مذہبی وامر خیر پر مبنی ہونے کا نظریہ غلط تھا۔ اور مقدمہ دوجان بی بی بنام عبداللہ بار بر میں مذہبی اغراض کے لیے جس منافعہ کا وقف نامہ میں حوالہ ہے نہ قطعاً اور نہ غیر یقینی طور پر واقف یا اس کی اولاد کے حصوں کے لئے جب تک کہ موخرالذکر قائم ہیں ملتوی کیا گیا ہے بلکہ وہ اسی سے مفاد حاصل کرتے رہیں۔ البتہ

اس سے جو کچھ بچے وہ واقف اور بعض دوسرے اشخاص کے لیے جو موجود ہوں ان کے استعمال کے لیے تھا۔

فاضل ایڈوکیٹ جنرل نے موجودہ ودیگر مقدمات فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل بمبئی وکالی داس بنام شیخ حسین پر انحصار کیا ہے ان میں یہی طے کیا گیا ہے کہ ایک واقف کا اس کی اولاد کی حق میں دائماً وقف کرنا جائز ہے بشرطیکہ بالآخر وہ وقف کسی مذہبی یا امر خیر کے لیے ہو خواہ کتنا ہی بعید الامکان ہو۔ ہم اس نظیر کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تاوقتیکہ اس کی مکمل تائید مسلمہ اسناد سے نہ ہو۔ بلا شبہ بیلی اور ٹیگور لا لیکچرر کے فاضل مقرر نے قانون کی اس توسیع کی تائید کی ہے لیکن ہدایہ (ترجمہ ہملٹن اور دیگر نظائر سے جو ہمارے سامنے پیش ہوئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وقف اغراض مذہبی یا امر خیر کے لیے ہونا چاہئے خواہ عارضی یا تھوڑی مدت کے لیے کلاً یا جزواً مفاد خاندان واقف کے لیے ہو تمام نظائر جن میں کہ موخرالذکر اصول کو جائز قرار دیا گیا ہے وہی ہیں جن میں کہ وقف کا ماخذ اصلی اور صریحاً مقصد کسی حد تک مذہبی یا خیراتی تھا اور یہ کہ وقف کسی غیر معین وقوعہ مثلاً خاندان کے امکانی سقوط پر قطعاً منحصر نہ ہو۔ یہی معاملہ حال میں مدارس ہائی کورٹ نے تھلی متوکٹی بنام اور آ پتھل کٹی بالوضاحت طے کیا گیا ہے

ہمارے سامنے مسٹر انولس کی محولہ نظیر پریوی کونسل بمقدمہ محمد احسان اللہ چودہری بنام امر چند کندو ہے جس میں مسٹر انولس نے ایسے وقف نامہ کو جائز تسلیم نہیں کیا جس میں کہ خاص قسم کے الفاظ کے استعمال سے خاندان کا جائیداد موقوفہ پر اقتدار با اختیار کا اضافہ اور اسے ناقابل انتقال بنانے کے لیے پردہ پوشی کی گئی ہو۔

بعینہٖ ہماری نظر میں مسئلہ متنازعہ کا وقف نامہ ہے اور اس امر کے باوجود کہ بعد تحریر دستاویز مالکان جائیداد نے چند سال تک خود کو برائے نام متولی ظاہر کیا مگر ان کا اپنے حقوق مالکانہ سے کبھی دست برداری کا ارادہ نہیں تھا۔ اور بہت پہلے سے ہی انہوں نے اپنی تولیت کا شائبہ تک بھی ترک کردیا تھا۔ ہم یہ یقین نہیں کرسکتے کہ فقہائے شرع کی کبھی یہ نیت رہی ہو کہ بارگاہ خداوندی کے نام پر وقف کے فرضی پردے میں اس جائیداد موقوفہ کو اپنے استعمال کے لیے محفوظ کرلیں یا اس طرح اپنے یا اپنے ذاتی قرضوں سے حفاظت میں متعین کرلیں اور ایسے انتقالات کو جن کا پورا بدل مل چکا تھا منسوخ کردیں۔

بد قسمتی سے عدالت کے سامنے نہ اصل ماخذ پر بحث ہوئی اور نہ قطعاً فیصلے میں ہی اس کا کوئی حوالہ ہے حتیٰ کہ مسٹر بیلی کے مجموعہ قوانین کا بھی محض سرسری حوالہ ہے۔ان نظریات سے جن کا فیصلہ میں ذکر کیا گیا ہے نہ اصول محولہ کی وضاحت ہوتی ہے اور نہ مطابقت ہملٹن کی ہدایہ کا حوالہ اس نظریہ کی تائید میں دیا گیا ہے کہ ایک وقف کا مذہبی واغراض خیر کے لیے ہونا ضروری ہے خواہ وہ کل وقف یا اس کا جز عارضی ودرمیانی مدت کے لیے واقف کے خاندان اور متعلقین کے استفادہ کے لیے کیا گیا ہو۔ مسلمہ اسناد کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نظریہ اصول شرع کے قطعاً متضاد ہے اور اوقاف کو مجوزہ طریقہ پر محدود کردینے کے لیے کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ہدایہ میں آیا اس نظریہ کی تائید میں کوئی سند ہے یا نہیں اس پر بعد میں اظہار خیال کیا جائے گا مگر یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ سابقہ زمانوں میں عدالت ہائے معدلت اولاً خود ان مآخذ قانون پر غور وفکر کرتی ہیں جن کے متعلق انہیں فیصلہ کرنا نہیں تھا جس طرح مثلاً بمقدمہ دودوم جان بی بی بنام عبداللہ باربر میں فریقین میں سے کسی نے بھی اسناد کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ بلکہ سپریم کورٹ نے بھی بطور خود ہی ممکنہ حصول اسناد کا بہت ہی کاوش سے ترجمہ کرایا۔ زمانہ مابعد میں اصل مآخذ کا حوالہ کسی حد تک کم ہو گیا۔

یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ اصل اصول جس پر زیر بحث فیصلے کی اساس ہے وہ الفاظ کی غلط تعبیر پر مبنی ہے۔ فاضل ججان نے مقدمہ دوجان بی بی بنام عبداللہ باربر میں فاضل چیف جسٹس کے فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قطعی ظاہر ہے کہ مقدمہ غنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ اور محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق کے فیصلے میں حد سے تجاوز کیا گیا تھا کہ ایک جائز وقف اپنی تخلیق سے ہی اصلاً اور مختص طور پر مذہبی یا اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس تعبیر میں غلط تھے کہ اصلاً اور مختص طور پر اغراض بھی اسی نوعیت کے ہونا چاہئے اور مزید یہ کہ وہ تمام مقدمات جن میں کہ مؤخر الذکر کے طریقے (وقف کی کل آمدنی یا جزو واقف کے لیے ترجیح ہو) کو صریحاً منظور کیا گیا ان میں کہ وقف کا صریح اور اصل مقصد مذہبی یا خیراتی تھا۔ ہر دو عبارتوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ اصطلاحات اور الفاظ کا غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے بلکہ الفاظ بلاشبہ انگریزوں کے نہ کہ مسلمانوں کے مفہوم کے مطابق استعمال

کیے گئے ہیں۔ یہ اصطلاحات مسٹر ہملٹن نے ہدایہ کے ترجمہ میں ایک نوٹ میں استعمال کی ہیں مگر شرع میں کہیں نہیں ہیں بلکہ شرعاً ہر امر خیر کے لیے وقف ہو سکتا ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق جو مسئلہ کہ فاضل ججان کے زیر غور تھا یہ صریحاً بتایا گیا ہے کہ خود کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا ایک کار ثواب ہے اور اپنے بچوں یا اقربا کے گزارے کے بارہ میں تمام مذاہب میں قطعی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مذہب اور قانون اسلام کے مطابق ایسا وقف اتنا ہی مذہبی اور امر خیر ہے جیسا کہ غربا کے لیے وقف کرنا۔ لفظ وقف کو محض ان اغراض تک محدود کرنا جو کہ انگریزوں کے طریقہ قانون کے مطابق ہو غلط ہے مقدمہ میر محمد اسرائیل خان بنام ششی چرن گھوس ہیں میں فاضل جج نے اس رائے کا بہت ہی بر محل اظہار کیا ہے کہ ایک وقف نامے کی توضیح کرتے وقت ہمیں قدرتاً اس پر غور کرنا چاہئے کہ مسلمانوں میں ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے۔ بعض الفاظ کے ہم جانتے ہیں اسکاٹ لینڈ میں بالکل اس کے مختلف معنی ہیں جو انگلینڈ میں مستعمل ہیں۔

پس ہندوستان میں الفاظ کا کسی مسلمان کے نزدیک کیا منشا ہے ہمیں مسلمانوں کے قانون (شرع) میں ان کی تعریف دیکھنا چاہئے نہ کہ وہ تعریف جو انگلش ڈکشنری میں دی گئی ہو۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ وقف کی تعریف ملکیت خداوندی میں عین جائیداد کو اس طرح روک دینا ہے کہ اس کا منافعہ بندگان خدا کے کام آسکے۔ یہ کہیں درج نہیں ہے کہ وہ غریب اور نادار ہی ہوں۔ مقدمہ دوجان بی بی بنام عبداللہ بار بر میں یہ نظریہ ہے کہ محفوظ حصہ خود واقف اور محض بعض ان اشخاص کے لیے مختص تھا جو پہلے سے موجود تھے۔ اس سے جواز وقف زائل ہوتا ہے۔ یہ فاضل ججان کی قطعاً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مسلم قانون کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ وقف خواہ اشخاص موجودہ یا غیر موجود کے حق میں کیا گیا ہو جواز وقف پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ فیصلے میں دوسرا پیرا قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ہم یقین نہیں کر سکتے کہ فقہاء اسلام کا کبھی یہ منشا ہو سکتا تھا کہ راہ خدا میں ایک فرضی وقف علی اللہ کی آڑ میں مالکان جائیداد اس کو اپنے مفاد میں استعمال کا موقع دیا جائے اور وہ اسے ہمیشہ اپنے اور اپنی اولاد کے قرض خواہوں سے بچائے رکھیں اور ان انتقالات کو منسوخ کر دیں جن کا کہ وہ پورا بدل حاصل کر چکے ہیں۔ یہ ادباً تحریر ہے کہ

اس جملے کے واقعی معنی سمجھنا مشکل ہیں اسلیئے کہ شرعاً وقف کی نوعیت اور اس کے قانونی اثر کے سمجھنے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ لفظ وقف کے فریب آمیز استعمال سے یہی زیر نزاع مسئلہ بمنزلہ ثبوت طے ہو جاتا ہے۔

مسلم لا کے تحت کسی کا اپنے یا اپنی نسل یا اقربا کی بسر اوقات کے لیے وقف کرنا ایک امر خیر ہے جو وقف کے لیے ایک مناسب مقصد ہے۔ لفظ وقف جو سلسلہ بسلسلہ انتقال خواہ بذریعہ ہبہ بیع یا وقف ہو اس کا مفہوم بظاہر انتقال ہے مگر اصلاً منتقل کنندہ اپنے حقوق مالکانہ سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا۔ اس کا فرضی ہبہ سے یہ منشا ہے کہ اگرچہ واقف کا مقصد دوسرے کو جائیداد دینا ہوتا ہے لیکن وہ اسے اپنی ہی جانتے ہوئے قبضہ خود میں رکھتا ہے ایسی صورت میں اگر انتقال قبضہ ہو جاتا ہے تب بھی یہ خفیہ طور پر واقف کی ہی ملک رہتی ہے اسی طرح بذریعہ بیع یا وقف بائع یا واقف اپنا حق ملکیت جائیداد سے علیحدہ نہیں کرتا اور بلکہ ملکیت تمام عرصہ قائم رہتی ہے۔ جب ایک بار وقف ہو جاتا ہے تو جائیداد میں واقف کا حق ملکیت قطعاً ختم ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر بروئے قانون حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے اور اس وقت سے ہی جائیداد ملکیت خداوندی میں تفویض ہو جاتی ہے اور اگر واقف بوقت وقف مقروض ہے تو شرعاً ان حالات میں کس طرح عمل کیا جائے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے لیکن اگر واقف اس وقت مقروض نہیں ہے یا اس کے پاس دوسری جائیداد ہے جس سے قرضہ بیباق ہو سکتا ہے تو قرض وصول خواہ کریں۔ اگر آمدنی وقف میں اس کا کوئی حصہ ہے تو اس کے حین حیات یہ آمدنی اس کے قرضوں کے ادائیگی میں کام آئے گی۔

استفادہ کنندگان اس کی اولاد میں ہیں اور ان میں سے کوئی قرضہ لیتا ہے تو اسی کے حصہ سے تاحین حیات قرضے کی ادائیگی کی جاسکتی ہے لیکن نہ واقف نہ ورثاء جائیداد کو کسی صورت میں بھی خواہ بدل یا بے بدل نہ مکفول کر سکتے ہیں اور نہ منتقل۔ وقف نامہ کی شرائط کے خلاف کوئی بھی معاملہ خلاف ورزی معاہدہ ہے پس یہی اصول شرع ہے اور کسی اور لفظ کے استعمال سے ایسے شخص کے فعل سے نتائج قانونی پر کوئی اثر نہیں ہوتا جو ایسی جائیداد لازمی وقف کرنے کا مجاز ہو جو قانوناً فوراً قابل نفاذ اور ناقابل تنسیخ ہو۔

محمد احسن اللہ چودھری بنام امر چند کندو

بمقدمہ محمد احسن اللہ چودھری بنام امر چند کندو جس کا فاضل ججان نے حوالہ دیا ہے بلا شبہ ان کے ظاہر نظریہ سے کسی حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس میں بھی پریوی کونسل کے فاضل ججان نے کسی کلیہ کے وضع کرنے سے انکار کر دیا اور انہوں نے بہت غور و احتیاط سے امر خیر کی نوعیت کو بر قرار رکھتے ہوئے بتایا ہے کہ جائز وقف کیسا ہو سکتا ہے یا اس کی ٹھیک تعریف کیا ہو سکتی ہے یا واقف کے اہل خاندان کے گذارہ کے لیے اس میں کس حد تک گنجائش رکھی جا سکتی ہے۔ اصلاً جہاں تک اس مقدمہ کا تعلق ہے ظاہر نہیں ہوتا کہ جوڈیشل کمیٹی کا ارادہ واقعات پیش کردہ کے ماسوا ان اسباب پر بھی غور کرنے کا تھا جو کسی حد تک انگریز قانون دانوں کے ذہن میں شبہات اور بدظنی کی وجہ ہو سکتے تھے۔ وقف نامے کا پیرا ۸ جس کی رو سے متولیان اپنی صواب دید سے اپنی تنخواہوں میں اضافہ کرنے کے مجاز تھے قابل اعتراض تھا اور شاید ناجائز بھی مگر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے حسب شرع کسی وقف نامے میں ناجائز شرط وقف کو باطل نہیں کرتی بلکہ وہ خود باطل ہو جاتی ہے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ججان کے علم میں یہ امر نہیں لایا گیا۔ اس کے برعکس ان کے سامنے نہ کسی سند کا حوالہ دیا گیا نہ ایسی کوئی مستند نظیر ان کے سامنے تھی۔ شرعاً ایک ہبہ بھی مثل وقف ہی موثر ہے تاوقتیکہ جائیداد اصلاً امور خیر مقررہ یا غیر مقررہ کے لیے وقف نہ کی جائے۔ مگر ایسے اوقاف کے جواز کی تائید میں کوئی سند پیش نہیں کی گئی ہے اگرچہ اس امر پر اتفاق رائے ہے۔ نہ عربی زبان میں کسی کتاب فقہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مقدمہ مذکور میں عدالت عالیہ اور جوڈیشل کمیٹی ہر دو کے سامنے ایسے غلط نظریہ پر بحث کی گئی کہ ایک وقف جواز کے لیے اس طرح فی الاصل وقف ہونا چاہئے جو انگریزی قانون کے مطابق ہو جیسا کہ شرعاً مفہوم ہے نہ اس کی وضاحت کی گئی ہے اور نہ بتایا گیا ہے کہ مسلم قانون میں کسی شخص کا خاندان کے کسی شخص یا خاندان کے گذارہ کے لیے وقف کرنا اعلیٰ ترین امر خیر ہے اور کسی کا اپنی آل کی پرورش کے لیے جائیداد کو بطور وقف محفوظ کر دینا اغراض خیر کے لیے ایسا ہی وقف ہوگا جیسا کہ در مختار کی زبان میں غربا کے لیے وقف کرنا۔ نہ مشہور اسناد کے حوالے سے یہ بتایا گیا کہ

الفاظ صریح میں وقف کردیا جاتا ہے تو اصل وقف کی غرض یا اغراض کے ناکام ہونے پر اصل گیرندگان وقف کا ذکر نہ ہونے سے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ حسب منشاء قانونی وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ بالانجام غربا پر عود کرے گا۔ جیسا کہ غیاث البیان میں صریحاً آیا ہے کہ تمام اوقاف کے اصلی گیرندگان وہی (غربا) ہیں خواہ ان کا نام آیا ہو یا نہ اور یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ غیر پیدا شدہ بچوں کے حق میں وقف جائز ہے اور یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جب تک وقف کی اصل غایت ہی کسی وجہ سے ناکام یا باطل نہ ہو جائے تو جائیداد نہ واقف پر عود کرتی ہے اور نہ اس کے ورثاء کو پہنچتی ہے بلکہ غرض مابعد پر صرف ہوتی ہے اگر اس کا بھی کوئی حوالہ نہ ہو تو غربا کو پہنچتی ہے مثلاً اگر کوئی وقف بچوں کے حق میں ہے اور کوئی بچے نہ ہوں تو جب تک A کے بچے نہ ہوں وہ آمدنی غربا کے کام آئے گی اور اگر بچے بعد میں پیدا ہوئے ہوں تو ان کے کام آئے گی اور اگر A کے حق میں وقف اسکے نہ ہونے یا اس کے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے ایک دشمن دین کے حق میں جاتی ہے تو ایک مسلمان کا اس طرح کا وقف کرنا ناجائز ہے ورنہ وقف فی نفسہٖ ناجائز نہیں ہے۔ اولاً B کے حق میں اور مابعد غربا کے حق میں نافذ ہوگا۔

اس مقدمے کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی ہے جو کہ ذہن میں نہیں آیا اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اس کا اسلام اور مسلمانوں کے معاشرے سے تعلق ہے۔ وقف ناموں میں جب کہ جائیداد زیادہ تر واقف کے خاندانوں اور فقرا اور وارد صادر کے لیے وقف ہوتی ہے مگر مؤخر الذکر اغراض کے لیے کوئی رقم معین نہیں ہوتی۔ بہر صورت یہ اس منشا کا اظہار ہے کہ اہل خاندان کو زیادہ رقم ملے۔ اس کے برعکس رقم مختص ہونے کے صورت میں اس سے زیادہ صرف کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ معدودے چند کی پرورش ہوا اور اکثر محروم رہ جائیں جو عام کلیہ کے مطابق امداد کے خواہاں ہوں ان کی ضرور مدد ہونی چاہئے۔ اگر ان کی مدد نہ ہو تو ان کے لیے قاضی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور متولی کی علیحدگی یا اس کی نگرانی سے ان کی دادرسی ہو سکتی ہے۔

نفاذ شرع

۱۸۹۷ء سے ہی عدالت ہائے انصاف نے مسلم اصول شرع ان مقدمات کے

تصفیہ میں یکساں طریقہ پر نافذ کئے ہیں جن کا ان جائیداد ہائے موقوفہ کے انتظامات کے جواز سے تعلق تھا جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔ مقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین میں اپیل کنندہ ایک ہندو تھا۔ امر تصفیہ طلب یہ تھا کہ آیا جائیداد متدعویہ وقف تھی یا نہیں۔ فاضل ججان پریوی کونسل نے برنبائے شرع اس کا فیصلہ صادر کیا اور اسی اصول کے مطابق مقدمات قبل ومابعد فیصل ہوئے۔ اس سوال سے قطع نظر کہ آیا کسی واقف کا منشاء وقف مذہبی کرنا تھا یا نہیں اس سلسلے میں بڑے ادب سے یہ گزارش ہے کہ یہ نظریہ نہ صرف اصول ہائے معدلت ومساوات اور نیک نیتی کے برعکس ہوگا جنہیں برطانوی ہند کی عدالتوں کو نافذ کرنا ہے بلکہ قدیم الایام کے مسلمہ ضابطہ کے بھی اس طرح خلاف ہوگا کہ اصول شرع کے ماسوا دیگر قانون کو بھی نافذ کیا جائے۔ جوڈیشل کمیٹی کے فاضل ججوں نے اس نظریہ کی واضح الفاظ میں مذمت کی ہے کہ مسلمانوں کے انتقالات جائیداد ہائے موقوفہ کے جواز کو ان کے شخصی قانون ورواج کے علاوہ کسی دیگر طریقہ قانون کی رو سے طے کیا جائے۔

پس شرع سے متعلق مسائل کا حل مسلمانوں کی مسلمہ اسناد میں ہی تلاش کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ بڑی ناانصافی ہوگی کہ شرع کے مطابق تو ان کے مقدمات کے فیصلوں کو بتایا جائے اور ان کے تمام قوانین کتب ہائے فقہ کو جن میں کہ اصلاً وہ قانون ملتا ہے قطعاً نظرانداز کردیا جائے۔ مجموعہ قوانین میں ان مآخذ کو بتایا ہے کہ جن سے مسلم قانون مرتب ہوا ہے انہوں نے مجموعہ قانون میں بتایا ہے کہ جن پر شرع کی بنیاد ہے وہ (الف) کلام پاک (ب) احادیث پیغمبر (ج) مشہور فقہاء کے فتاویٰ ہیں۔

آنحضرت صلعم کے بالراست اقوال واسوۂ حسنہ اسلام کے محکومہ قوانین ہیں جو کہ کلام پاک میں احکام الٰہی کے ضمیمہ کے طور پر ہیں۔ مسٹر مرلے نے متواتر یہ بھی بتایا ہے کہ مسلمانوں میں ان کے مذہب کا قانون سے کس قدر قریبی تعلق ہے اور ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا کتنا ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی رائے قابل غور ہے۔

ہندو یا مسلم قوانین میں تبدیلی یا تنسیخ کی ضرورت پر غور کرکے وقف میں انگریزی یا مقامی اصول قانون کے بالمقابل تصورات کو قانونی حیثیت دینا چاہئے اور اس پر بحث ہے کہ آیا یہ قوانین فی نفسہٖ اچھے یا برے ہیں اس لئے کہ یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ عوام (ہندو مسلمان) کے مذاہب کا یہ اہم حصہ ہیں اگرچہ ہم کسی قطعی صلح نامہ کی رو

سے ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے پابند نہیں ہیں مگر ہم اصلاً خود اس عہد کے پابند ہیں کہ ہم ان کی مسلسل فرامین و آئین کی رو سے حفاظت کریں گے۔

واقف کے خاندان کے لئے وقف

ایسے اوقاف جن سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والے خود واقف، واقف کی آل اولاد اور اہل خاندان ہوں ان کی ابتداء ہی آنحضرت صلعم کے صریح ارشادات سے ہوتی ہے۔ آپ نے محض یہی ارشاد نہیں فرمایا کہ کسی کا اپنے کنبے کے لیے وقف بہترین امر خیر ہے بلکہ اپنے اہل بیت اور اصحاب کو ترغیب دی کہ وہ ایسے اوقاف کریں۔ خیبر میں آپ نے بعض آراضیات کو وقف کر کے ایک مثال قائم فرمائی جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں۔ شرعاً مسلمانوں کا جو منشا اس سے ہے وہ بدنصیبی سے نظر انداز کر دیا گیا۔

بلا لحاظ واقف اور اس کی آل اولاد کوئی فیصلہ درست نہیں۔ اور تقویٰ اور خدا پرستی سے مراد ایسے افعال ہیں جن کا یورپ میں مفہوم الگ ہو سکتا ہے یا پرہیزگاری یا مذہبی خیال کیا جاتا ہے۔ یہ شرع کا منشا نہیں ہے بلکہ ان عبارتوں میں بہتر انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کا پہلے کیا منشا تھا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا۔ جب کوئی مسلمان اپنے کنبے یا اقربا کے حق میں اجر آخرت کے لیے وقف کرتا ہے خواہ یہ غربا کے حق میں نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے بچوں اور اہل خاندان کے لیے ہو تب بھی یہ امر خیر ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ایک دینار تو وہ ہے جو تم راہ خدا میں صرف کرتے ہو اور ایک وہ ہے جو تم غلام آزاد کرانے پر صرف کرتے ہو۔ ایک وہ ہے جو تم نے غربا کو بطور خیرات دیا ایک وہ ہے جو تم نے افراد خاندان اور اپنے بچوں کو دیا مگر اجر کے اعتبار سے سب سے بڑا دینار وہ ہے جو تم نے اہل خاندان پر صرف کیا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ اعلیٰ ترین دینار جو کوئی شخص صرف کرتا ہے وہ ہے جو اپنے کنبے پر خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو راہ خدا میں چوپایوں پر صرف ہو اور اس کے بعد وہ جو دوستوں پر خرچ ہو۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا میرے لئے ابو سلمہ کے بیٹیوں کے لیے کسی انعام (عطیہ) دینے کی کوئی خوشخبری

ہے کہ اس کے وہ لڑکے میرے ہی لڑکے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا پس ان کو دیدو اور جو کچھ تم ان کو دوگی اس کا تمہارے لئے اجر ہے۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا (غربا کو خیرات دینے سے ایک خیرات کا اجر ملتا ہے مگر اقربا کو خیرات دینے سے دو کا، ایک خیرات دینے کا اجر دوسرا اقربا کو دینے کا اجر۔

یہ احادیث قاضی خان نے اپنے فتوؤں الموسوم بہ فتاویٰ قاضی خان میں درج کی ہیں جو بعینہٖ ایسے وہی جیسی کہ فتح القدیر میں درج کی گئی ہیں جو قابل پابندی ہیں۔

مسلم اور بخاری شریف میں آنحضرت صلعم کی احادیث سے صرف دو کا حوالہ دونگا۔

پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ کسی کا اپنے اقربا کو کوئی عطیہ (ان کی ضرورتوں کا انتظام کرنا) زیادہ کار ثواب ہے اس کے بہ نسبت کہ فقرا کو دیا جائے۔ اعلیٰ ترین صدقہ وہ ہے جو اپنے کنبے کی بسر اوقات کے لیے دیا جائے۔ غلام کو آزاد کرنے کے لیے روپیہ دینا غربا کو خیرات دینا یا اپنے بچوں اور اقربا کو دینا یہ سب صدقہ ہیں۔

مسلم قانون کا مفہوم

ان اقوال میں اضافہ کرنا اس لیے غیر ضروری ہے کہ کسی بھی مسلم قانون یا کتاب فقہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ امر خیر شرع میں اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا جیسا کہ برٹش عدالت ہائے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کے ارشادات کے مطابق ان کے اور ان کی اولاد کے لیے اوقاف کا انتظام ایک مذہبی فریضہ ہے اور تمام دنیا کے حصوں میں بسر اوقات کے انتظام کے زمرے میں آجاتا ہے۔ دوسرے طریقہ ہائے قانون یا دیگر مذاہب کے نظریات مذہب اسلام کو سمجھنے کے لیے دلیل راہ نہیں ہو سکتے۔ الفاظ امر خیر کی دوسرے مذہب کے مقابلہ میں شرع میں زیادہ اہمیت ہے۔ ہر کفایہ کی زبان میں وجہ الخیر جو خدا کو پسندیدہ ہو یا اس سے قربت حاصل ہو سکتی ہو وہ جائز ہے اس کا وقف صحیح طور پر جائز ہے۔ اپنے بچوں اپنے رشتہ داروں اور حنفی قانون کے مطابق اپنے بچوں کا انتظام کرنا اتنا ہی امر خیر اور کار ثواب ہے جیسا کہ عام جماعت غربا کی مدد کے لیے وقف کرنا یہ مذہب اسلام کا بنیادی اصول ہے اور آنحضرت صلعم کی تعلیمات پر مبنی ہے۔

جائزہ اسناد

آنحضرت صلعم کی حیات مبارک میں ان کے احکام مقدس کی بنا پر جو وقف ہوئے فتح القدیر میں ان کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اور امام ذہبی نے جو شرع کے عظیم ترین شارحین میں سے ہیں انہوں نے عثمان بن ارقم (آنحضرت صلعم کے مقرب صحابی) کے وقف نامہ کی ایک نقل محفوظ کی ہے جس کی رو سے انہوں نے اپنا مکان اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا جس میں غربا کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

فتاویٰ برمکیہ

فتاویٰ کا اولین مجموعہ جو فتاویٰ برمکیہ کے نام سے مشہور ہے جو امام ابو یوسف نے بزمانہ خلیفہ ہارون رشید بغداد کے چیف جسٹس کی حیثیت سے صادر کئے تھے مرتب ہے۔ ان میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کسی بھی مقصد کے لیے وقف جائز ہے اور اس مقصد کے معدوم ہونے پر وہ بحق غربا ہوگا اس لئے کہ بالآخر وہی تمام خیرات کے مستفیدین ہیں۔

فتاویٰ حاوی

دوسرا بالترتیب تاریخ وار فیصلوں کا مجموعہ (جو اب تک محفوظ ہے جن کا فتاویٰ عالمگیری میں حوالہ ہے) مقدس حاوی کے نام سے ہے۔ اس کے مصنف قاضی جمال الدین مشہور زمانہ فقیہ تھے جن کا ۶۰۰ھ میں انتقال ہوا وہ غزنی (افغانستان) کے قاضی تھے اس میں اصول درج ذیل ہے۔

اپنے وا پنی نسل کے حق میں وقف

اگر کوئی قطعہ آراضی یا باغیچہ کو اس شرط پر وقف کرتا ہے کہ جب آمدنی کی ضرورت ہوگی تو اسے ملے گی اس شرط کے مطابق بھی وقف جائز ہوگا۔ اگر وہ جائیداد وقف کی تمام آمدنی خود کے لیے مختص کرلے یا خود کو متولی بنالے بطور استحان یہ جائز ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی یہی ہوگا، جب کوئی اس شرط پر وقف کرتا ہے کہ تاحین حیات اس میں سے خود بھی کھائے گا اور دوسروں کو بھی کھلائے گا اور اس کی موت پر اس کے بچے کو بھی حق حاصل ہوگا یہی استحقاق اس کے بچوں کو اور بچے کے بچوں کو جب تک

کہ ان کی نسل قائم ہے حاصل رہے گا کہ وہ خود کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں ان شرائط سے بھی وقف جائز ہوگا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے اور اس کے مطابق فتوے ہیں۔

کفایت المحیط

ذخیرۃ الفتاویٰ ان فیصلوں کا مجموعہ ہے جو قریباً تیرہویں صدی کے اختتام پر مرتب ہوئے ہیں اور عدالت ہائے صدر کے حکام نے ان کا حوالہ دیا ہے ان میں یہ آیا ہے۔

کتاب اجناس مصنفہ شاطبی میں ہے کہ اگر کوئی شخص وقف میں یہ شرط رکھتا ہے کہ تا حین حیات خود کھائے گا اور دوسرے کو جنہیں وہ پسند کرے کھلائے گا اور اس کے بعد اس کے بچے کا حق ہوگا پھر اس کے بعد بچوں کے بچوں کو جب تک اس کی نسل قائم ہے ملتا رہے گا۔ اور اس کے معدوم ہونے پر غربا کو ملے گا۔ ابو یوسف (جن پر اللہ کی رحمت ہو) کے نزدیک یہ جائز ہے اور بچوں کے حق میں انتقال مثل وصیت نہیں ہے اس لئے کہ بچہ وہ جائیداد جو ملک خداوندی میں ہے اس سے استفادہ کرتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بچوں کے حق میں جب تک اس کی نسل رہے اور مابعد غریبوں کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ جائز ہے اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔

خزینۃ المفتیان

خزینۃ المفتیان میں جو ۱۳۳۹ء کے فیصلوں کا اہم مجموعہ ہے اور جس کے مطابق ہندوستان کی عدالتوں کے حکام فیصلے صادر کرتے ہیں فتویٰ اس طرح ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اپنی زمین کا وقف میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کے بعد غربا کے لیے وقف کرتا ہوں تو اس ترتیب سے اس کی آمدنی اس کے بچوں کے بچوں کو ملتی رہے گی۔ مگر جب ان میں سے کوئی بھی نہ رہے تو اس کی آمدنی غربا کو دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ آمدنی میرے بچے اور میرے بچے کے بچے اور اس طرح تین نسلوں کے حوالے پر یہ آمدنی دائماً اس کی آل کو جب تک کہ اس کی نسل قائم ہے نسل کو ملے گی خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو۔ اس صورت میں جب تک کہ آل میں سے کوئی بھی زندہ ہے غربا کو نہیں ملے گی۔

فتح القدیر اور بحر الرائق

فتح القدیر کا حوالہ پہلے آچکا ہے مصنف کمال الدین سواسی جن کا ۱۴۰۶ء میں انتقال ہو گیا اور بحر الرائق ۱۰۶۱ء جو ہندوستان میں بڑی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے اسکے مطابق کسی کا اپنی اولاد کے حق میں وقف کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

درالمختار

درالمختار مصنفہ ۱۶۶۰ء میں اس اصول کو ان الفاظ میں بتایا گیا ہے۔

اگر کوئی جائیداد موقوفہ کی آمدنی کے بارے میں طے کرے کہ تاحین حیات خود لیتا رہے گا اور اس کے بعد اس کے بچے اور بچوں کے بچے لیتے رہیں گے تو امام دوم ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔ اگر تیسری نسل کا بھی اضافہ کردے تو تمام نسل شامل ہو گی۔

ردالمختار

ردالمختار میں کہ جو سترہویں صدی کے ختم پر تصنیف ہوئی مندرجہ بالا عبارت کی تشریح اس طرح ہے کہ اگر کوئی آمدنی جائیداد تاحین حیات اپنے لئے اور اس کے بعد اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو یہ ابو یوسف کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے لئے وقف کی آمدنی مختص کرنا جائز ہے۔ ابو یوسف کے مطابق الفاظ بعد ازاں و بعد ازاں جو کہ واقف استعمال کرتا ہے ان کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے وقف کرتا ہے اور بعد ازاں بچوں کے لیے اور ان کے بعد بچوں کے بچوں کے لیے تو موخرالذکر کے لیے بھی وقف جائز ہے صرف فرق یہ ہے کہ واقف تمام آمدنی تاحین حیات اپنے لئے وقف کرتا ہے اس سے واقف کے بچوں کے حق میں جواز وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مجمع الانہار

مجمع الانہار کی عبارت سے جو گذشتہ صدی کے اختتام پر مدون ہوئی ظاہر ہے کہ

کسی شخص کا اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کے حق میں جواز وقف کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اور یہی اصول فتاویٰ الفردیہ مصنفہ شیخ الاسلام محمد ابن الحسین جن کا ۴۹۸ھ مطابق ۱۰۸۶ء میں انتقال ہوا میں جو احناف میں بہت مستند مانی جاتی ہے ملتا ہے۔ مسلم قانون (شرع) کی وہ تمام کتابیں جن کے مطالعہ میں ہندوستان میں انصاف نافذ کرنے والوں کی دلچسپی ہے ان کے لیے مسلم قانون کی تمام کتابوں میں سب سے اہم وہ عظیم مجموعہ ہے جو برٹش حکومت کے قیام سے بمشکل سو سال قبل ہندوستان کے قاضیوں اور مفتیوں نے شہنشاہ اورنگ زیب کے دور حکومت میں اس ملک میں تالیف کیا۔

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری کو نہ صرف قدیم عدالت ہائے صدر سپریم کورٹ میں مستند سمجھا جاتا ہے بلکہ عدالت العالیہ کلکتہ میں بھی اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ بمقدمہ خواجہ حسین علی بنام شہزادی ہاجرہ بیگم میں فاضل جج نے اس کے وضع کردہ اصول کے مطابق فیصلہ دیا اور مقدمہ ملک عبدالغفور بنام مسماۃ ملکیہ میں فاضل چیف جسٹس نے بھی اس کا متواتر حوالہ دیا ہے۔ اس میں اپنے اور اپنے بچوں اور اپنی نسل کے حق میں اوقاف کے موضوع پر دو پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ایک حصے میں اپنے اور اپنے بچوں اور انکی اولاد کے حق میں جواز وقف کے مسلمہ اصول پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور دوسرے حصے میں شرائط اوقاف کے بارہ میں مختلف صورتوں سے بحث کی گئی ہے۔ اول الذکر میں بتایا ہے کہ کوئی شخص اپنے یا اپنی آل کے حق میں خود وقف کر لے تو بالراست منافع پا سکتا ہے جو انجام کار غربا پائیں گے۔ دوسرے وہ عام لوگوں کے مفاد کے لیے یا صریحاً غربا کے لیے وقف کرے اس کا منافع اپنے اور اپنے خاندان کے لیے مختص کر سکتا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں وقف جائز ہے۔ بیلی کے مجموعہ کے سرسری مطالعہ سے حسب فتاویٰ عالمگیری یہی ظاہر ہوگا۔ یعنی اس بارہ میں جواز وقف میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس کی آل منافع حاصل کنندہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد امام محمد کی اس رائے کو کہ واقف اپنی ذات کے لیے وقف نہ کرے احناف میں کبھی تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ اس سلسلہ میں ابو یوسف کے اصول پر ہمیشہ عمل ہوا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ہندوستان میں اصلاً مسلمانوں سے متعلق مجموعہ قوانین ہے اور

اس سے ظاہر ہے کہ اس کے وضع کردہ محولہ اسناد سے اخذ کئے ہوئے اصولوں کو عدالت ہائے انصاف نے اس انگریزی حکومت کے قیام ہی سے اس ملک میں تسلیم اور نافذ کیا ہے۔

قطعی اتفاق رائے

اشاعت اسلام سے آج تک کسی شخص کے اپنے بچوں اعزہ اور پڑوسیوں کے حق میں وقف کرنے کے بارہ میں مکمل اتفاق رائے ہے اس امر پر وکلاء تجربہ کار ججان اور مسلمان حکمرانوں کے تحت ہر نقطہ خیال کے عقیدہ پر تجربہ کار ججان اور ذمہ دار افسران متفق ہیں۔ سوائے جزوی اختلاف کے جیسے کہ اگر کوئی وقف اپنے لئے کیا جائے تو کیا مقصد دائمی واضح کرنا ضروری ہے، آیا جائیداد کا تقاسمہ کیا جائے یا نہیں۔ آیا متولی کو تفویض جائیداد ضروری ہے یا نہیں لیکن جہاں تک اپنے خاندان یا اولاد یا آل کے حق میں کلیاً یا جزواً منافع حاصل کرنے کا اصول ہے اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اصول

وقف مخلوق خدا کی فلاح کے لیے ایک دائمی امر خیر ہے اور واقف اس کے نفع نہ کہ اصل کو جس طرح اور جس طریقہ سے چاہے وقف کر سکتا ہے لیکن یہ دائمی ہونا چاہئے۔ اگر اس کی آمدنی فلاں لوگوں کے گذارہ کے لیے جن کی پرورش کی اس پر ذمہ داری ہے، اپنی آل کے لیے تاکہ ان کو محتاجگی کا سامنا نہ ہو وقف کرتا ہے تو یہ کار ثواب ہے بلکہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق عام جماعت غربا کو وقف کرنے کے مقابلے میں یہ زیادہ باعث خیر ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ کسی شخص کے اہل خاندان اور آل امر خیر کے لیے زیادہ موزوں اغراض ہیں اس لئے اس کے حق میں وقف کرنا اور مستحقین کے گذارہ کا انتظام کرنا زیادہ کار ثواب اور ناداروں سے زیادہ اس میں ثواب ملتا ہے۔ اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر کوئی وقف عام طور پر نادار اور غربا کے حق میں بھی کیا جاتا ہے تو اولاً اس کے بچوں اس کی آل اور رشتے داروں کی حاجت براری پر استعمال ہوتا ہے اور جب تک گیرندگان قائم رہتے ہیں تو غربا کا صریحاً یا کنایتاً حوالہ وقف کی اغراض خیر کو محض دائمی حیثیت دینے کے لیے ہوتا ہے اس لئے کہ جب واقف کی کوئی آل معدوم ہو جاتی ہے تو یہ غریبوں کو ہی ملتا ہے پس یہ ایک دائمی امر

خیر ہے اور جواہر الکلام (فقہ شیعہ) کی عبارت میں یہ فعل ایسا فعل عبادت ہے جس سے کہ بحرالرائق (حنفی) کے مطابق قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

دوجان بی بی بنام عبداللہ بار بر

عدالت ہائے ہند کے منفصلہ مقدمات میں اس موضوع پر سب سے پہلے منطبق نظیر دوجان بی بی بنام عبداللہ باربر کی ہے۔ اس وقف میں آخری استفادہ کنندگان میں بالتصریح غربا کا حوالہ نہیں تھا واقفہ نے اپنی جائیداد کو مسلمانوں کے رواج کے مطابق عام انداز تحریر سے یہ وقف کر دیا تھا۔ پہلے پیرے میں اس لئے یہ شرط رکھی تھی کہ مال گزاری اور ٹیکس کی ادئیگی کے بعد آمدنی حسب ضرورت اپنے تصرف میں لائے گی اور بقیہ ورثہ پانے والوں اور اغراض خیر کے لیے یہ بھی شرط رکھی تھی کہ سب رشتہ دار مثل سابق اپنی رقم گذارہ پاتے رہیں گے اور وہ اس کی بھی مجاز ہوگی کہ استفادہ کنندگان کی تعداد کم یا زیادہ کردے اور دیگر مصارف متعلق رمضان شریف اور عیدین کی تقریبات بھی اس آمدنی سے انجام پائیں گے۔

پیرا ۶ میں تاحین حیات خود اپنے کو متولی مقرر اور اپنے بعد متولی اپنے نواسہ کو مقرر کیا اس کے بعد جو سب سے زیادہ اہل ہو نیز یہ بھی شرط رکھی کہ جائیداد ہمیشہ ناقابل انتقال ہوگی۔ ظاہر ہے کہ بعد ادائے مال گذاری آمدنی واقف کے استعمال ذاتی اور افراد کنبہ کے گذارہ پر صرف ہونا تھی۔ مگر وہ رقم جو مسجد کی مرمت اور مذہبی تقریبات پر صرف ہونا تھی کنبے کے گذارے پر مرجح ہونے کی وجہ سے روک دے گی۔

مگر عدالت کا خیال اس طرف مبذول نہ ہوا کہ نہ حسب شرع نہ ججوں کے فیصلوں کے مطابق اور بحالت موجودہ کنبے کی پرورش کے حوالہ سے وقف ناجائز ہو گیا۔ پہلے پیرے میں الفاظ قابل ارث استفادہ کنندگان کی تعداد میں اضافہ کا اختیار، اغراض وقف کی تکمیل کے لیے یکے بعد دیگرے متولیوں کے تقرر بشمول تیسرے سوال وافسران قانون کا جواب ان سب سے ظاہر ہے کہ بسر اوقات کے حوالہ سے مراد حاضر الوقت مختص افراد ہی نہ تھے بلکہ واقف کی تمام آل اولاد بھی شامل تھی اس مقدمے میں کبھی یہ بحث نہیں کی گئی کہ وقف اس لئے غلط تھا کہ وہ کلیتاً یا اصلاً واقف کے کنبے کی پرورش کے لیے تھا

اور کلیتاً یا اصلاً اور واقعتاً مصارف مسجد پر اور غربا کے لیے نہیں تھا۔ اس پر صرف قانون کے تحت اس بنا پر اعتراض کیا گیا کہ واقف نے اس کی آمدنی اپنے لئے مختص کر لی تھی مقدمہ حاملان قانون کے اس فتویٰ پر طے کیا جو ابو یوسف کے مقررہ اصول اتباع میں مشہور اسناد پر مبنی ہے اور ان کا یہ اصول ایک مسئلہ متنازعہ میں ہمیشہ ایک قول فیصل تسلیم کیا گیا ہے۔

بی بی کنیز فاطمہ بنام بی بی صاحب جان

بمقدمہ کنیز فاطمہ بنام صاحب جان مسئلہ یہ تھا کہ بعض جائیدادیں جو مدعا علیہم میں سے ایک نے دوسرے کو منتقل کی تھی آیا وقف تھیں یا نہیں اور اس لئے نا قابل انتقال تھیں۔

اس مقدمے کو طے کرتے ہوئے (فاضل ججان نے دو امور پر غور کیا (الف) مدعی کو ارجاع نالش کا حق اور (ب) مقدمے میں عطیات کا مفہوم۔ مدعی نے مقدمے میں جو اسناد پیش کی ہیں اس میں لفظ وقف کا کوئی حوالہ نہیں تھا وہ سب در اصل مدد معاش کے لیے عطیات تھے۔ فاضل جج نے اس مسئلہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آراضیات متنازعہ (عطیات) میں وقف کنندہ کا حوالہ ہے نہ اس کے خاندان کے کسی فرد کا حوالہ ہے۔ نہ ایسا کوئی ذکر ہے کہ اگر ان کا حوالہ ہوتا تو وقف ناجائز ہوتا یا اس غرض کے لیے کوئی وقف ہی نہ ہوتا۔ یہ بتانے کے بعد کہ وقف متذکرہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ء کے تحت نہیں آتا جسٹس نے مزید لکھا ہے کہ مدعیہ کو دعوی دائر کا کوئی استحقاق نہیں تھا۔

انہوں نے اس سلسلہ میں شروع میں دستاویزات میں سے ایک کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ یہ کہ سید محمد میر عطیہ دار کو ایک بڑے کنبے کی پرورش کرنا تھی اور اس کو اہل خاندان، مسافران شب گرفتہ وار، نادار طلبا بیماروں کے مصارف بھی پورے کرنا ہوتے تھے۔ اور یہ کہ متذکرہ عطیہ داروں کو ان فرائض کی ادئیگی میں معینہ رقم خرچ کرنا ہوتی تھی۔ اس صرفہ کے پیش نظر دیہات جن کی تفصیل دستاویز عطیہ میں درج ہے وہ ان کو مقررہ سالانہ جمع مبلغ ۸۹۶ روپیہ کے بدل کے طور پر دیدئے گئے اور اس سلسلہ میں عطیہ دار کو دوسرے جو محصولات ادا کرنا ہوں گے معاف کردئے جائیں گے۔ مذکورہ جمع جواب تک ادا ہوتی رہی ہے وہی طے کی گئی یہ بھی مزید درج ہے کہ عطیہ دار بعد ادائیگی جمع اس امر کا مجاز ہوگا کہ جائیداد کی آمدنی سے خود کی پرورش کرے اور عطیہ

دہندگان کے حق میں دعائے خیر کرے۔

فاضل جج نے مزید لکھا ہے کہ یہ بالکل واضح ہے کہ یہ ایسا عطیہ ہے جو کہ وقف نہیں ہے۔ جائیدادیں نہ راہ خدا میں وقف ہیں اور نہ مذہبی اغراض خیر کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ سند عطیہ میں درج ہے کہ عطیہ دار اور اس کے پیش رو کے پاس یہ زمین مبلغ ۸۹۶ روپیہ سالانہ مقررہ جمع پر اسی وقت سے ہیں اور چونکہ عطیہ دار کا میلان طبع مخیّرانہ رہا ہے اور ہر نادار طلباء و مساکین پر خیرات اور مسافروں کے قیام پر عطیہ دار برضاء و رغبت خرچ کرتا رہا ہے۔ عطیہ کنندگان ابواب اور دیگر محاصل کی ادائیگی سے اسے مستثنیٰ کرتا ہے جو نواب ناظم کے دور میں اضافی بوجھ ہے اور حکامان تحصیل کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ عطیہ دار سے یہ وصول کرنے میں باز رہیں۔ اس رعایت کے سلسلہ میں عطیہ دار سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ عطیہ کنندہ کو اپنی دعاؤں سے مستفید کرے۔ عطیہ دار بعد ادائے جمع آمدنی مقررہ مبلغ ۸۹۶ روپیہ سے استفادہ کی مستحق تھی۔ مختصراً یہ عطیات ایک فرد کو مختص طور پر اس کے حق کلی بنا پر اس لئے دئے گئے تھے کہ اس سے عطیہ دار کا گذارہ ہو سکے نہ کہ کسی اور غرض سے۔ یہ قطعی طور پر ظاہر ہے کہ متذکرہ عبارت میں درج اصطلاحات کو فاضل جج نے منشاء قانون سمجھنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ یعنی اس سے وہ مفہوم مراد لیا ہے کہ جن معنی میں متعلقہ عوام لیتے ہیں انہوں نے اس امر کی پہلے ہی تصریح کر دی تھی کہ ان میں عطیہ دار کے کنبے کی پرورش کی کوئی شرط نہیں تھی۔ اس کے بعد یہ بھی درج تھا کہ اس میں خانقاہ مسافروں یا طلبا کے گذارے کے لیے بلکہ اس کے برعکس عطیہ دار کے مخیّرانہ رجحان کی بناء پر جو کہ امور خیر کی ادائیگی میں بخوشی مصارف برداشت کرتا تھا یہ عطیہ ذاتی مصارف کے لیے دیا گیا تھا۔ تاکہ اس کے بدل میں عطیہ کنندہ کو اپنی دعا میں یاد رکھے۔ اس بناء پر فاضل جج نے طے کیا کہ اس عطیہ کو مسلم قانون کے مطابق وقف نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ خیال کہ اس طرح کے استعمال سے ان کا منشاء محض غربا کے لیے محدود تھا فیصلے کے تمام مفہوم کے برعکس ہوگا۔

خواجہ حسین علی بنام شہزادی ہاجرہ بیگم

بمقدمہ خواجہ حسین علی بنام شہزادی ہاجرہ بیگم محض یہ مسئلہ تصفیہ طلب تھا

جیسا کہ فاضل جج نے بتایا کہ بوقت وقف جائیداد رہن ہونے کی وجہ سے وقف نامہ حسب شرع ناجائز تھا یا نہیں۔ فاضل جج جنہوں نے اپنے ساتھی جج سے اختلاف کیا مقدمے سے متعلق اپنے خیال کی تائید میں مختلف حوالے دئے۔ جسٹس اور عدالت اپیل جس نے ان کے فیصلے کی توثیق کی انہوں نے متنازعہ مسئلہ پر فتاویٰ عالمگیری کے مندرجہ اصول سے استفادہ کیا۔ جسٹس نے فتاویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ فتاویٰ بمنزلہ فیصلہ قانونی ہیں جو اصلاً ابو یوسف اور امام محمد کے مطابق ہیں۔

مقدمہ ہذا میں فاضل جج کے فیصلہ میں درج ذیل وقف نامہ کا حوالہ ہے۔

فاضل جج نے لکھا ہے کہ دستاویز ہذا وہ ذمہ دار جس کی ادئیگی بسلسلہ مدد مسافران اور مرحوم کے لڑکے کے ورثاء کی پرورش کے لیے وہ لازمی سمجھتا تھا واقف اس طرح لکھتا ہے۔ حاصل کلام خواجہ حسین علی کے گذارہ کے لیے میں ذریعہ ہذا اس کو (جو میرا پوتا ہے) مندرجہ بالا آستانے کا متولی مندرجہ ذیل شرائط پر مقررہ کرتا ہوں۔ یہ کہ حسین علی مندرجہ بالا جائیداد وقف کو بیع۔ ہبہ۔ یا رہن یا کسی اور بنا پر منتقل نہیں کر سکے گا اس کو ذریعہ ہذا اس امر کا بھی مجاز کیا جاتا ہے کہ وہ مسافران غربا کی دیکھ بھال کا انتظام کرے اور وہ شب برأت۔ محرم شریف۔ وعیدین مبارک کی فاتحہ کا بھی انتظام کرے اور اس امر کا بھی مجاز ہے کہ ان مراسم کی تکمیل کے مصارف ادا کرے اور بعد ادائیگی مراسم مندرجہ اور آمدنی متعلق پوسٹ بکس نیز آمدنی باغات سے جو کچھ بچے اپنے ذاتی مصارف اور اپنے خاندان کی یعنی دادی وماں کے اخراجات پر صرف کرے۔

پس اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ وقف واقف کے پوتے کے گذارے کے لیے تھا اور آمدنی مذکورہ مصارف کی ادئیگی کے بعد اس کی اور اس کے خاندان کی پرورش کے لیے ہیں۔ مسافر۔ غربا۔ اور تہواروں پر صرفہ کا حوالہ محض اشارتاً تھا وہ صرف اس امر کا مجاز تھا کہ مسافروں اور غربا کی دیکھ بھال و امداد کرے۔ شب برأت۔ محرم وعیدین کا فاتحہ جو مسلمانوں کے مروّجہ تہوار ہیں ان کا خیال رکھے اور ان تہواروں کی ادئیگی میں جو بھی مصارف ہوں ان کی ادائیگی کا وہ مجاز تھا۔ مگر ان اغراض پر صرفہ کے لئے کوئی مختص وقف نہیں تھا۔

فاضل جج نے مقدمہ ہذا میں عدالت ماتحت کے وقف کے بارہ میں اعتراضات

میں سے ایک کے بارہ میں کہا کہ یہ امر کہ وقف غیر یقینی اور مشروط تھا درست ہے مگر میں تولیت نامہ کے ملاحظہ کے بعد ایسا نہیں سمجھتا مسلمانوں کے بڑے تہواروں کے مراسم کی ادئیگی کی گنجائش رکھی گئی ہے اور انہوں نے تہواروں کو واضح طور پر بتادیا ہے اس طرح غربا جو ہمیشہ سے رہتے ہیں ان کی امداد اور مسافروں کی بھی دیکھ بھال کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سرکاری مال گزاری اور بصورت موجودہ محاصل ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم واقف کے اقربا (جو کہ مختص کئے گئے ہیں) یعنی ماں اور دادی کی پرورش پر صرف ہوگی۔ واقف کی ہمشیرہ کے گذارے اور شادی پر صرف کا حوالہ بھی ہے اس میں غربا کی پرورش کا بھی حوالہ ہے جو کہ ہر وقف کی اصلاً غایت ہوتے ہیں۔

اعزاء جن کے گذارے کا ذکر ہے وہ مختص طور پر بتائے گئے ہیں پس شرعاً ایسا وقف ہر طرح صحیح ہے۔

فاضل جج نے پیش شدہ دستاویزات کی تفصیلات کا حوالہ دیا ہے جن سے ثابت ہے کہ وقف غیر یقینی تھا اور شروط میں غربا کا بھی حوالہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وقف ایک معنی میں بلا شبہ صحیح تھا مگر دوسرے میں نہیں یعنی ہر وقف کا اصل منشاء غربا کا استفادہ ہے مگر بلا شبہ ایسے بہت سے وقف ہیں جن سے غربا کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ جیسے مساجد کے لیے وقف جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ان کی رائے ایک طرح صحیح ہے اس لئے کہ ہر وقف سے استفادہ کسی فرد یا اس کی آل کے لیے ہوتا ہے۔ ان کے معدوم ہونے پر استفادہ صریحاً و تعبیراً غربا کے لیے ہوتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان واقف کے ذہن میں غربا ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔

فاضل جج کا ان کے فیصلے میں یہ منشاء تھا کہ صرف وہی اوقاف جائز ہیں جو غیروں یا غربا کے لیے ہوں۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ وقف نامہ میں جس کو انہوں نے جائز قرار دیا اس میں غربا کو قانونی حیثیت دی گئی ہے اور ثانیاً فتاویٰ کے حوالہ سے ہی ظاہر ہے جس میں کہ اولاد کے حق میں ہر وقف کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

جسٹس کے ان الفاظ کی خواہ کچھ بھی تعبیر کی جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مقدمے میں اولاً اصل استفادہ کنندگان خواجہ حسین علی اور ان کے اہل خاندان تھے۔ اگر چہ وقف نامہ کی رو سے غربا کی امداد اور خاندان کی مروجہ تقاریب کی ادائیگی کے سلسلہ

میں ان کی صواب دید پر خرچ مجاز کیا گیا تھا۔ پس مقدمہ متذکرہ کے واقف کے اہل خاندان کے استفادہ کنندگان کے نہ ہونے کے بجائے ان کی تائید میں ایک اہم سند ہے۔

مظہر الحق بنام یوراج دماری

مقدمہ مظہر الحق بنام یوراج وماری میں چند آراضیات پر قبضہ پانے کے لیے دعوی کیا تھا حالانکہ اس نے باوجود نوٹس کے کہ وہ وقف ہیں خرید لیا تھا۔ مرافعہ گذار کی جوابدہی یہ تھی کہ وہ وقف تھا اور حسب شرائط وقف نامہ وہ اس کا متولی تھا۔ عدالت ما تحت نے دعوی اس بنا پر ڈگری کیا کہ

(الف) مدعی بائع نے ان آراضیات کو وقف نہیں کیا تھا۔

(ب) چونکہ وقف نامہ رجسٹرڈ نہیں ہوا تھا اس لئے قابل ادخال شہادت نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اپیلانٹ کو کوئی حق سماعت حاصل نہیں ہوتا۔ جج نے پہلے عذر پر شرائط وقف نامہ پر غور کرنے کے بجائے یہ لکھا ہے کہ یہ شرائط سب وقف جائز کی تکمیل کے لیے تھیں۔ وقف نامہ کی شرائط پر غور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شرائط سب وقف جائز کی تکمیل کے لیے تھیں اور وقف شرع کی بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔ اصلاً اغراض جن کی بنا پر آراضیات وقف کی گئی ہیں وہی ہیں جو تمام مسلمان بصورت وقف آراضیات پیش نظر رکھتے ہیں۔ مسجد کا قیام اور اس میں عبادت کے مصارف کی ادئیگی جو جدا طور پر آراضی موقوفہ پر عرصہ سے قائم تھی۔

پہلی شرط یہ کہ موقوفہ آراضیات کے منافعہ سے مسجد کی مرمت وروشنی اور بعض تقاریب پر چراغاں ہونگے۔ یہ کہ مسافروں کو بھوکا جانے نہیں دیا جائے گا اور مسجد کے عملہ میں موذن بھی شامل ہے۔ نیز دیگر ضروری ملازمین رکھے جائیں گے، مساکین کو خیرات ملتی رہے گی اور غریب طلباء کی مقررہ تعداد کی عربی تعلیم کے لیے ایک استاد رکھا جائے گا۔ اور بالا نجام اس سے بھی جو بھی رقم فاضل رہے گی متولی مظہر الحق کے افراد خاندان کی شادی تجہیز و تکفین اور ختنہ پر صرف ہوگی۔ موخر الذکر مصارف پر اس وقت رقم صرف ہوگی جب کہ اصل اغراض جن کی تفصیل آچکی ہے پوری ہو جائیں۔

مقدمہ ہذا کے فیصلہ سے ظاہر ہوگا کہ فاضل جج نے وقف کا اصل مقصد مسجد

سے متعلق خیال کیا تھا۔ سابق مقدمہ میں اصل مقصد وقف غربا کو قرار دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ فاضل جج کا ان فیصلوں میں یہ منشاء نہ تھا کہ ان کے الفاظ ہر دو فیصلوں میں جامع سمجھے جائیں۔ اس لئے انہوں نے پہلے واضح کر دیا کہ وقف مذہبی یا امر خیر کے لیے ہوتا ہے اور وہ اس سے بھی پوری طرح باخبر تھے کہ شرعاً کسی کے کنبے کی پرورش کی غایت غربا اور ناداروں کی پرورش سے کہیں افضل ہے اور اس لئے افراد خاندان بھی شرعاً اس طرح غربا کے زمرہ میں آتے ہیں جیسا کہ وہ سمجھے جاتے ہیں۔ فاضل جج نے اس کے بعد لکھا ہے۔

ہماری رائے ہے کہ جائیداد کے منافعہ سے بعض مدات پر خرچ کے بعد جو معمول کے مطابق لازماً ختم ہوگا وہ صرف ایک ہی خاندان کی مخصوص اغراض کے لئے محدود تھا اس کے ساقط ہونے پر تمام مفادات بعینہٖ محض اصل غرض پر صرف ہونے تھے جس کے لیے وقف کیا گیا تھا۔

وقف مسلم شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ ایک شخص آراضیات کو وقف کر کے تاحین حیات اس سے استفادہ کرے اور اپنے بعد وہ مفادات غربا کی پرورش کے لیے مختص کر سکتا ہے جو کہ شرع کا اصل مقصد ہے۔ آراضیات سے استفادہ دائمی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہیئے چونکہ غربا ہمیشہ رہتے ہیں۔ پس جب کوئی شخص وقف سے تاحین حیات مفاد حاصل کر سکتا ہے تو اس کے بعد غربا مستفید ہوتے ہیں۔ پس ایسا وقف غیر یقینی اور معدوم غایت پر محدود نہیں ہے۔

فیصلہ کی عبارت پر غور

فاضل جج نے یہاں بطور تمثیل اس مسئلہ پر اظہار رائے کیا تھا اس خیال کے لیے ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ تمثیل جامع یا مختص طور پر تھی بلکہ اس کے برعکس محض اس امر سے کہ انہوں نے اس وقف کو ایک خاندان کے افراد کی مخصوص اغراض کے لیے خیال کیا تھا یہ ظاہر ہے کہ کبھی ان کے ذہن میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا وقف جس کی آمدنی افراد کی پرورش کے لیے ہو وہ ناجائز ہے۔ فاضل جج کے نظریہ کو جس کی پچھلی عبارت میں حوالہ ہے پریوی کونسل کے فاضل ججان نے بھی مقدمات محمد احسن اللہ

چودھری اور ابو الفتح محمد اسحٰق تسلیم کیا ہے۔ مگر میرے خیال میں وہ عبارت مذکور کے پیش نظر اس مسئلہ کے دو پہلوؤں پر غور کر رہے تھے جس کا کہ انہوں نے پہلے حوالہ دیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کا ذکر ہے فاضل جج نے بطور ایک سند اس پر انحصار کیا ہے اول الذکر کے مطابق کہ جب کسی زمین کو کوئی اس طرح وقف کرتا ہے کہ کل یا جز تا حین حیات اپنے لئے اور بعد ازاں غربا کے لیے ہوگا تو ابو یوسف کے نزدیک یہ جائز ہے اور مشائخ بلخ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے اور وہ حالات جب کہ ایسا وقف کیا جاتا ہے ذیلی ہیں۔

اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ میری زمین موقوفہ ہے اور اس کی آمدنی متولی تا حین حیات مجھے دیتا رہے گا اور میرے آمدنی میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل میں جو بھی موجود ہو کو ملے گی۔ بعد ازاں ناداروں کو ملے گی تو یہ جائز ہے اگر وہ یہ شرط رکھے کہ اس سے اپنی پرورش اور اپنی بچوں کی پرورش کرے گا اور اپنے قرضہ بھی ادا کرے گا اور اس کی موت پر اس وقف کی آمدنی فلاں بن فلاں کو اور اس کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور نسل کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔

اگر کوئی شخص اس شرط پر غربا کے لیے وقف کرتا ہے کہ خود کھائے گا اور آمدنی میں سے دوسروں کو بھی کھلائے گا اور اسی طرح اپنے بچوں کو اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل کی شکم پری کرے گا تو یہ بھی جائز ہے۔ ایسا وقف یا تو عام شرائط کے مطابق ہوتا ہے یا صریحاً غربا کے لیے ان شرائط کے ساتھ ہوتا ہے۔ منافعہ کو کلیتًا یا جزواً واقف یا اس کا خاندان جب تک کہ وہ قائم ہے استفادہ کرے گا اور امر خیر وقف کا ایک جزو غربا کو صرف واقف کی اولاد ساقط ہونے پر ہی آمدنی ملے گی۔

دوسرے پیرے میں واقف اور اس کے کنبہ کے حق کے متعلق بتایا گیا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے لئے میری زمین صدقہ موقوفہ ہے تو مسلمہ جدائی کے مطابق وقف جائز ہے اس طرح اگر کوئی کہے کہ میں نے میرے اور میرے بعد غربا کے لیے اور فلاں فلاں کے لیے وقف کیا ہے تو ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میری یہ زمین فلاں کے لیے موقوفہ ہے تو اصول کے مطابق جائز ہے۔

وقف اصلاً خاندان اور آل کے لیے غربا کی تخصیص کے ساتھ

اگر کوئی کہے کہ میری زمین میرے بچے کے اور بچے کے بچے کے اور اس کے صلب سے بچوں کے لیے اور اس کے بچوں کے بچوں کے لیے صدقہ موقوفہ ہے تو خواہ بروز وقف موجود ہوں یا بعد میں پیدا ہوں سب نسلیں اس میں شامل ہیں اور نہ حسب ظاہر الروایت لڑکیوں کے بچے اس میں شامل ہیں اور اس کے مطابق فتاویٰ ہیں۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچے اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے تو یہ آمدنی دائماً اس کی آل اولاد جب تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی ہے قائم رہے گی اور غربا کے کام نہ آئے گی۔ جب آل میں قریب اور بعید سب مساوی ہیں تاوقتیکہ واقف بوقت وصیت یہ وضاحت نہ کرے کہ قریب دراصل قریب ہے یا یہ کہ میرے بچے کے لیے اور اس کے بعد میرے بچوں کے بچوں کے لیے یا یہ کہ نسلاً بعد نسلاً یا ابتداء ان سے کرے جن سے کہ وقف شروع کیا ہے۔

ان تمام صورتوں میں وقف واقف کے بعد اس کے بچوں کے لیے اور ان کے بعد غربا کے لیے ہے یہاں یہ بتانا ہے کہ فاضل جج نے ہر دو اصولوں کی توضیح کی ہے پیرے کے پہلے حصہ محولہ میں انہوں نے مسلم قانون کے مندرجہ مجموعہ قوانین بیلی صفحہ ۵۹۶ کو تسلیم کیا ہے یہ الفاظ وصیّت سے بعض مدات کے تحت حاصل شدہ منافع جو حسب معمول وقت آنے پر ختم ہو نا ضروری ہیں وہ صرف ایک خاندان اور مخصوص اغراض کے لیے ہیں (خواہ ان سے واقف کے قرضوں کے ادائیگی یا اس کے کنبہ کی پرورش یا مصارف شادی کی ادائیگی ہو۔

اور جب وہ قائم نہ رہیں تو مفادات بعینہ اصل اغراض پر جن کے لیے وقف کیا گیا تھا صرف ہونگے، اس سے ظاہر ہے کہ فاضل جج نے ان شرائط کو جو واقف جائیداد موقوفہ کے استعمال یا تصرف کے بارے میں عائد کرے جائز سمجھا تھا اور فتاویٰ عالمگیری میں مندرجہ دوسرے حصے میں اس نے بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص آراضیات یا ان کا منافع جن کو حیات خود کے لیے وقف کرتا ہے اور اپنے بعد غربا کی پرورش کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ مسلم لاء کا اصل مقصد یہ ہے کہ موقوفہ زمینوں سے منافع

ایسی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہئے جو دائمی ہوں۔ یہاں منافعوں کی مدات کا جو مختص غرض کے لیے وقف کئے گئے کوئی حوالہ نہیں ہے یہ اصول واضح ترین الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی آراضیات اپنے لئے وقف کرتا ہے جو غربا پر عود کرنے والی ہوں جو ہمیشہ رہتے ہیں بالفاظ دیگر یہ غایت دائمی امر خیر ہے یہاں ایک واقف کے وقف کا حوالہ بھی ہے۔ اس مسئلہ پر ابو یوسف و محمد میں اختلاف تھا فاضل جج نے اول الذکر کے وضع کردہ اصول کو تسلیم کیا ہے اور یہاں اس قیاس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل جج کا مسلم قانون میں تبدیلی یا ترمیم کا ارادہ تھا اگر ان کے الفاظ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے مسلم قانون کا مسلمہ اصول تسلیم کیا ہے۔ یعنی واقف اس شرط کے ساتھ وقف کر سکتا ہے کہ وہ اور اس کے خاندان اور بچے منافع سے جب تک کہ وہ باقی ہیں استفادہ کریں گے۔ اس کے معدوم ہونے کی صورت میں منافعہ عام غربا کو ملے گا۔ یا یہ کہ وہ آراضیات کو بالراست اپنے بچوں یا اپنے یا آل کے لیے وقف کر سکتا ہے مگر انجام کار غربا ہی استفادہ کریں گے۔ بالفاظ دیگر اولاً وہ خود، اس کے بچے اور ان کے معدوم ہونے پر غربا ان کی جگہ لے لیں گے۔

محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق

بمقدمہ حمید اللہ خان بنام لطف الحق میں نے پہلے ہی یہ بتانے کی جسارت کی ہے کہ یہ مسلم شرع کے قطعاً متضاد ہے اور اس سے خیالات کا الجھاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ وقف نامہ کے اصل متن کی عبارت یہ ہے:

"میں نے وقف میں چار آنے جمیلہ خاتون الموسوم دوجان بی بی میری بیٹی کی بیٹی اور اس کی آل اولاد کے حق میں جب تک وہ قائم رہے مختص کئے ہیں۔ ان کے معدوم ہونے پر غربا کے حق میں وقف کیا ہے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ وقف ہذا سے تمام ضروری شرائط قانون کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ فاضل ججان نے بہر حال لکھا ہے کہ ہمارے سامنے اصطلاح وقف کی اصل مقر کے سلسلہ میں کافی بحث کی گئی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسلم قانون کے مصنفین بیلی اور متھ اور ہملٹن کا اس موضوع پر اختلاف ہے۔ مگر اس بارے میں جو امام ابو حنیفہ (جو بلا شبہ سنی المشرب ہیں اور غلام

شریف کا خاندان ان کے مسلک کا پیرو ہے) کی نصب ہدایہ کے مطالعہ اور امام اعظم کے شاگردوں کے وضع کردہ اصولوں پر غور کرنے کے بعد ہماری رائے وہی ہے جو فیصلہ عدالت عالیہ بمبئی نے بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین مرزا رحمت اللہ میں کیا ہے ہماری رائے کا غالب وزن یہی ہے۔ جائیداد کا وقف جائز راہ خدا یا مذہبی اور خیراتی اغراض کے لیے ہونا چاہئے۔

ابو حنیفہ نے بلا شبہ ۲ ہدایہ صفحہ ۳۳۴ میں بتایا ہے کہ وقف اغراض خیر کے لیے ہونا چاہئے۔

مقدمہ محمد حمیداللہ بنام لطف الحق سے ظاہر ہے کہ یہ وقف بدر النساء کے حق میں خیراتی نوعیت کا نہیں تھا اور نہ اپنی لڑکی کے حق میں تملیکی نوعیت کا تھا۔ یعنی ایسی جائیداد تملیک جو کہ قابل ارث ہے اور جس سے بدر النساء کی اولاد کو کچھ حصہ بطور ورثہ ملتا تھا۔ الفاظ واضح ہیں کہ ہر لڑکے کو حسب شرائط اقرار نامہ چار آنے ملیں گے۔ پس وقف علی الخیر کے اصول کے مطابق جائیداد موقوفہ بالآخران اغراض کے لیے ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ تمام اغراض مذہبی یا امور خیر کی نوعیت کے ہیں مگر اس مختص وقف سے ان کی غرض پوری نہیں ہوتی پس ۴/ حصہ کا وقف جو بنائے اپیل ہے ناجائز ہے اور اس کو وقف نہیں کہا جاسکتا۔

پس ہمارے سامنے جو بحث کی گئی ہے اس میں کچھ جائیداد تملیکی کا وقف جو اپنی اولاد کے حق میں کیا جائے اسے قانون کے مختلف شارحین نے جائز طور پر وقف سے موسوم کیا ہے لیکن مسلم قانون کے تحت یہ سب تملیکی اوقاف صدقہ ہیں۔ اور بظاہر بیلی کی رائے میں کوئی تملیکی جائیداد آل کے حق میں وقف کرے تو لفظ صدقہ کا استعمال کرنا چاہئے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ وقف نامہ مورخہ یکم بھادوں ۱۲۴۸ء میں یہ اصطلاح ان معنوں میں استعمال کی گئی تھی مزید براں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسلم لاء کے تحت اس قسم کی تملیکات کا وقف ہو سکتا ہے تو موجودہ وقف تملیک وقف کے اصولوں سے خارج ہے۔

مقدمہ ہذا میں پہلے بتایا گیا کہ اصول تملیک کلیتاً اس قول پر مبنی ہے جو آنحضرت صلعم سے منسوب ہے کہ ایک شخص جو اپنی پرورش کا انتظام کرتا ہے وہ امر خیر کرتا ہے مگر بقول ہملٹن یہ اصول اس وقت نافذ ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی تمام جائیداد

کو وقف کردے اور خود اتنا بے سرو سامان ہو جائے کہ اس پر امر خیر لاگو ہو سکے جس طرح کہ کسی مفلس کے حق میں۔ پس جواز وقف کی غرض سے کوئی شخص آنحضرت صلعم کے فرمان کے مطابق جائیداد اپنے اور اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو اس کو خود اس طرح نادار بن جانا چاہئے۔

مقدمہ ہذا میں جیسا کہ فریقین کو بھی تسلیم ہے واقف کی تحویل میں جائیداد ہائے مندرجہ کے علاوہ اور بھی جائیدادیں ہیں پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بدرالنساء کو یہ جائیداد ایک نادار کی حیثیت سے ملی تھی۔

ادبانہ یہ عرض کرتا ہے کہ اس فیصلے میں بھی محض غلط قیاسات سے ہی کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس میں غیر معمولی طور پر خیالات کا انتشار ہے یہ کسی فیصلہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ جواز وقف کے لیے واقف یا مستفیدین میں مفلس کون ہے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلم قانون کے مصنفین میک نائن اور بیلی کی رائے میں تضاد ہے میک نائن نے مسلم قانون پر کسی تصنیف کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ محض چند عام ابتدائی اصولوں کو مرتب کیا ہے ان میں سے بہت سے نامکمل ہیں۔

مندرجہ اصول ۴ سے ظاہر ہے ایک شخص اپنے بچوں کے حق میں اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لیے وقف کر سکتا ہے۔ ایسے اوقاف کی بھی واضح مثالیں دی گئی ہیں جو مخصوص خاندان کی پرورش کیلئے کئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں خزینۃ المفتیین کا حوالہ زیادہ موثر ہے۔

اصول مندرجہ ہدایہ

ہدایہ میں ایسا کوئی اصول نہیں ہے جس سے فاضل ججان کی تائید ہوتی ہو۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہدایہ کا انگریزی ترجمہ ہدایہ کے فارسی ترجمہ سے کیا گیا ہے جس میں اصل ہدایہ بزبان عربی کے مقابلے میں بہت اضافے اور فرد گزاشتیں ہو گئی ہیں۔

مسٹر ہملٹن نے فارسی ہدایہ کا انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے لفظ وقف کا انگریزی ترجمہ تصرف کیا ہے لیکن ۱۸۹۴ء میں یہ سمجھتے ہوئے کہ ہر تصرف کو وقف نہیں کہہ سکتے انہوں نے حاشیہ میں احتیاطاً یہ اضافہ کیا کہ ایسا تصرف جو امر خیر کی نوعیت کا

حامل ہو۔ اس لئے فاضل ججان نے مقدمہ زیر تجویز کا فیصلہ اس حاشیہ کے نوٹ کی بنا پر دیا ہے اور اس کے معنی انگریزی مفہوم کے مطابق مستنبط کئے ہیں۔

متذکرہ بالا نظریہ کی تائید میں خود ہدایہ میں کوئی جواز نہیں ہے۔ ہدایہ میں وقف کی تعریف اسطرح کی گئی ہے (امام ابو حنیفہ کے مطابق شرعاً اس کا مفہوم یہ ہے موقوفہ شئے کے عین کو محفوظ کردیا جائے اور اس کی آمد امور خیر میں کام میں لائی جائے جو بمنزلہ "عاریت" ہو امام اعظم کے دو شاگردوں (صاحبین) کے مطابق اصل شئے کو ملکیت خداوندی کے اصول کے مطابق اس طرح محفوظ کردیا جائے کہ شئے مذکورہ میں واقف کے حقوق مالکانہ ساقط ہوجائیں تاکہ حاصل شدہ منافع خدائے تعالیٰ کی مخلوق پر صرف ہوسکے۔

صاحبین کی تعریف کو فتویٰ کے لیے اختیار کیا گیا ہے اور اسے متواتر تمام شرحوں، قانون کی کتابوں، فیصلوں اور فودن میں واضح کیا گیا ہے اور اس میں مستحسن نوعیت کا ہر مقصد شامل ہے جس سے کہ خوشنودی خداوندی یا اجر حاصل ہوسکے۔ حتیٰ کہ کسی کا اپنے بچوں کے حق میں وقف کرنا مسجد کے وقف کے مساوی سمجھا گیا ہے۔ یہ قول کہ جواز وقف کے لیے وقف محض عبادت خداوندی یا اغراض کے لیے ہونا چاہئے اس کی کسی سند سے تائید نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں بچوں کے حق میں وقف کا حوالہ نہیں ہے اس لئے کہ امام ابو یوسف وامام محمد میں اس بارہ میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

یہ مسئلہ کہ آیا ایک وقف خود اپنی ذات کے لیے جائز ہے یا نہیں اس پر امام ابو یوسف وامام محمد میں اختلاف ہے اور اسی لئے مصنف نے اس پر کافی تحقیق کی ہے اور آنحضرت صلعم کے فرمان کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ ایک واقف اصلاً اپنے مفاد کے لیے جائز طور پر وقف کرسکتا ہے۔ مترجم نے اس اصول کی زمرے میں حاشیہ نوٹ کی بنا پر غلط تاویل کی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص بھی جواز وقف کے لیے خود کو قطعاً نادار بنالے۔ ہملٹن نے متن ہدایہ اور آنحضرت صلعم کے ارشاد گرامی کی شرح کی ہے اس کو فقہائے اسلام نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق اپنی ذات کے لیے بسر اوقات کا انتظام کرنا بمنزلہ امر خیر ہے خواہ وہ شخص اپنی جائیداد یا اس کے جزو کو بھی وقف کرے۔ آمدنی وقف کے کل یا جزو کو محفوظ کرنا امر ثواب وکار

ثواب ہے۔ لفظ صدقے کا ترجمہ خیرات دینا ہے یہی اصل وجہ تھی کہ فاضل ججان عدالت سے غلطی ہوئی۔ کسی کا اپنے حق میں وقف کرنا جس بنا پر جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ امر خیر اور امر ثواب ہو۔ یعنے اپنے بسر اوقات کے ذرائع مہیا ہوں اس امر کے پیش نظر کہ مشرق میں ہمیشہ ہی مذہبوں اور دولت کی ہیرا پھیری ہوتی رہتی ہے حنفی فقہا نے اس اصول کو واضح کیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی جائیداد نوع انسانی کے مفاد کے لیے ملکیت خداوندی میں تفویض کرے وہ خود بھی اس وقف سے جس کا امین اللہ تعالیٰ ہے استفادہ کر سکتا ہے۔

فاضل ججان نے مزید طے کیا کہ بچوں کے حق میں محض صدقہ کے استعمال سے وقف ہو سکتا ہے اسناد محولہ سے ظاہر ہے کہ یہ خیال قانون کے مسلمہ اصولوں کے قطعاً خلاف ہے۔

فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام عارف اسماعیل میں اس امر پر قطعاً بحث نہیں ہوئی اور فاضل جج نے مقدمہ ابوالقاسم بنام محمد حمید اللہ خان دو فاضل ججان میں سے ایک جج نے محمد حمید اللہ خان کے مقدمے میں فیصلہ دیا تھا اور اس کے بعد اس قسم کے مسئلہ پر بمقدمہ بچھی پت سنگھ بنام امیر عالم میں غور کیا جس میں انہوں نے اپنی رائے میں کسی حد تک ترمیم کی ہے۔ بچھی پت سنگھ کے مقدمے میں وقف نامہ میں واقف کے قرضوں کی ادائیگی اور مسجد کی دیکھ بھال کے مصارف اور اس کے بزرگوں کے تجہیز و تکفین مراسم کی ادائیگی اور اس کی آل کی پرورش شامل تھی۔ اس طرح کلیتاً ایسا وقف نہیں تھا جو خوشنودی خداوندی کے لیے مختص ہو۔ فاضل جج نے اس وقف کے مسئلہ کو طے کرتے ہوئے اس طرح اپنا اظہار خیال کیا۔ دوسرا قضیہ یہ ہے کہ آیا مسلم قانون کے مطابق یہ وقف جائز ہے۔ عدالتوں میں ہمیشہ اس بارہ میں کافی اختلاف رائے رہا ہے کہ جواز وقف کے کیا ضروری امور ہیں اور کن کن سے وقف ناجائز ہو جاتا ہے۔ ایک طرف یہ بحث کی گئی ہے کہ کوئی وقف تاوقتیکہ یہ کلیتاً اغراض ثواب اور امور خیر کے لیے نہ ہو اور دائمانہ ہو ہرگز جائز نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ مذکور کیا گیا ہے کہ واقف کے کنبے کی پرورش

کے لیے اگر واقعی دائمی بسر اوقات کا انتظام ہو سکتا ہے تو وقف جائز ہے۔

یہ امر کہ سب جج جنہوں نے کہ اس مقدمہ کی سماعت کی وہ خود علوم عربیہ میں بلند استعداد والے مسلمان تھے اور اس لئے ان کی رائے ایسے مقدمات میں خاص توجہ کی مستحق ہے۔

فیصلے مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اس وقف کے مکمل جواز نوعیت اور اغراض کے متعلق کوئی شبہ نہیں تھا اور محض عدالت ماتحت کے فیصلے کے اس امر سے متاثر ہوئے جس سے اغراض وقف کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا اسی طرح متذکرہ وقف کی نوعیت بھی فیصلہ عدالت سے مشتبہ بن جاتی ہے۔ وقف نامے میں ماسوا امور مذہبی وامور خیر واقف کی اولاد ذکور کے گزارہ کی بھی صریح گنجائش رکھی گئی ہے لیکن عدالت عالیہ بمبئی نے فل بینچ کے فیصلے کی بنا پر یہ طے کیا کہ ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے جائیداد محض عبادت خداوندی یا مذہبی وخیراتی اغراض کے لیے وقف ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ۔ اس رائے کی عدالت عالیہ کی ڈویزن بینچ نے خود محمد حمیداللہ خان بنام بدرالنساء خاتون میں تائید کی ہے اس تعریف کی رو سے وقف کی قانونی نوعیت میں خاندان واقف کے پرورش کی شامل نہیں ہے۔ تاہم عدالت ماتحت نے اس مسئلہ کو اس طرح یہ لکھ کر طے کر دیا کہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس موضوع پر کسی سند کی حوالے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ وقف جائز ہے ۔ عدالت عالیہ بمبئی کے مقدمہ میں فاضل ججان نے مسئلہ متعلقہ پر تمام ممکن الحصول نظائر پر غور کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ جس قول کی بنا پر یہ فیصلہ ہے کثرت رائے اس کی تائید میں ہے اور یہی رائے ڈویژن بینچ کی تھی جس نے مقدمہ حمیداللہ خان بنام بدرالنساء خاتون کا فیصلہ صادر کیا جس کا کہ ہم میں سے ایک ممبر تھا۔ متذکرہ مقدمے میں محولہ وقف جس کو ہم نے تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اس کے اغراض میں عبادت خداوندی و فرائض مذہبی کی ادائیگی شامل نہیں ہے۔ بلکہ غربا کی پرورش کے لیے دور از کار شرط تھی کہ وہ محض واقف کی لڑکی اور اسکی اولاد کے گذارہ کے لیے جب تک وہ رہے ایک دائمی صورت تھی۔

چھجی پرت سنگھ بنام امیر عالم

ہمارے سامنے وقف نامہ مختلف نوعیت کا ہے اور اس کی عبارت پیش نظر ہے اسکی نوعیت کے متعلق بلا اظہار رائے متذکرہ نظیر کو اس پر منطبق کرلیں اور وقف ہذا کو متذکرہ شرائط کی مطابق تکمیل پذیر وقف سمجھ لیں اس لئے کہ واقف نے ہر قسم کی جائیداد کی آمدنی کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے سب کو مسجد اور خاندان کے اہم شخصیتوں کے مقبروں کے مصارف و آستانہ کے ملازمین اور مقبروں پر عرس اور فاتحہ کے لیے وقف کردیاہے یہ سب اغراض وقف ہیں اور تمام مذہبی ہیں اور کسی حد تک غربا کے لیے خیرات بھی شامل ہے۔ پس ہم نظائر محولہ بالا کے مطابق اس کو وقف جائز قرار دیتے ہیں۔

مقدمہ زیر غور اور مقدمہ محمد حمید اللہ خان میں جو امتیاز کیا گیا ہے وہ اصل کی نسبت زیادہ واضح تھا اصل میں واقف کی اولاد کے لیے وقف تھا جس میں مسجد وغیرہ کے بعض مصارف کی ادائیگی بھی شامل تھی۔ تاہم وقف جائز قرار دیا گیا اسی لئے قیاس کیا گیا کہ موخر الذکر کے مصارف کی گنجائش ہے اول الذکر کے مصارف بھی پورے ہوتے ہیں۔

امرت لال کالی داس بنام محمد حسین

سب جج نے جو ایک مسلمان اور مسلم قانون کے ماہر تھے انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ دراصل وہی شرط جو عدالت عالیہ کو مشکوک نظر آتی تھی یہ وہی تھی جس کے بارہ میں غالباً کوئی نزاع ہی نہ تھا۔ ان تینوں مقدمات کے نظائر پر فاضل جج نے بمقدمہ کالی داس امرت لال بنام شیخ حسین محمد میں بڑی قابلیت اور وضاحت سے بحث کی ہے۔ فاضل جج نے بہت صحیح لکھا ہے کہ نظائر مقدمات محمد حمید اللہ خان بنام لطف الحق اور عارف اسماعیل جی بمبئی کی معنویت اس لئے بہت کم ہوگئی ہے کہ ان مقدمات کو طے کرنے والے ججان نے نظیر بمقدمہ عبدالغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں محض اپنے رجحان کا اظہار کیا تھا مگر ان ججوں نے اسکو فیصلہ سمجھ لیا اور عدالتی بنچ نے مقدمہ چھجی پت بنام امیر عالم میں شبہ کا اظہار کیا تھا کہ ان ججوں میں سے ایک وہ فاضل جج بھی جو کہ اول الذکر ہر دو مقدمات کے فیصلہ کرنے والوں میں تھے۔ مقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل کا نہ ان ہر دو مقدمات میں نہ موخر الذکر مقدمہ میں حوالہ دیا گیا تھا۔

عبد الغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ

اب میں مقدمہ عبد الغنی بنام حسین میاں رحمت اللہ کو لیتا ہوں۔ عدالت عالیہ کلکتہ کے اس مقدمے میں نہ عدالت عالیہ کے مابعد کے فیصلوں میں دوجان بی بی بنام رحمت اللہ کا حوالہ ہے۔ یہ چیف جسٹس رائن کا فیصلے ہے جو انہوں نے دو جان بی بی بنام رحمت اللہ میں طے کیا تھا۔ عبد الغنی قاسم بنام حسین میاں رحمت اللہ میں کسی مستند نظیر کا حوالہ نہیں البتہ دیگر اصول ہائے قانون پر جو مختلف مسائل و نظریات سے متعلق ہیں بحث کی گئی ہے مگر مسلم قانون کے وہ اصول جو مستند کتب ہائے فقہ سے مستنبط ہو سکے تھے ان کا خاص طور پر کوئی حوالہ نہیں ہے۔

فاضل ججان نے پریوی کونسل کے فیصلے مقدمہ جیون داس ساہو بنام شاہ کبیر الدین احمد سے استنباط متنازعہ کو جس کا عدالت عالیہ بمبئی کے روبرو مقدمہ سے کوئی تعلق نہ تھا اس طرح طے کیا۔

مقدمہ متذکرہ میں یہ ہے کہ شرعاً وقف کی تشکیل جو اغراض مذہبی یا امور خیر کے لیے ہے اصطلاح وقف ایسی آمدنی کے بارہ میں استعمال کی جائے کہ عطیہ کی نوعیت سے ہی حق فیصلہ آراضی متصور ہو سکے مگر میرے خیال میں اس مسئلہ کے برعکس قابل عمل ہے۔ یعنی کسی وقف کی تشکیل کے لیے اس کا مذہبی و خیراتی اغراض کے لیے وقف ہونا ضرور ہے اور یہ کافی نہیں ہے کہ محض اصطلاح "وقف" ہی کا اس عطیہ میں حوالہ دیا جائے ورنہ ہر شخص محض باللسان دوام کا ادعا کرے گا۔ اس سلسلہ میں بتانا ہے کہ ایسی دلیل محض مغالطہ آمیز ہے اور مسلم قانون کی صریح دفعات کی خلاف ورزی ہے۔

غلام نظام الدین بنام عبد الغفور وغیرہ

مقدمہ نظام الدین غفور وغیرہ میں عدالت عالیہ بمبئی نے اصلاً اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی بھی مسلمان اولاد کے حق میں جائیداد کو جائز طور پر وقف کر سکتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی طے کیا ہے کہ انجام کار جب جائیداد کسی خیراتی مصرف کے لیے وقف نہ ہو تو بھی ایسا وقف جائز ہے۔ یہاں بھی اس کی تائید میں کسی نظیر کا حوالہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ کو ہی نظر انداز کر کے مسلم قانون کے اصول کو غلط سمجھا گیا۔

اور یہ فیصلہ انہی دلائل پر مبنی ہے جن کی بنا پر ماقبل فیصلے ہو چکے ہیں اور ان سے ججوں کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی

عائشہ بی بی بنام غلام حیدر خان پٹھو کٹی بنام اپتھل کٹی

اور مقدمہ عائشہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل کی نظیر کی عدالت عالیہ کلکتہ نے مقدمات عائشہ بی بی بنام غلام حیدر خان اور فوجیہ بی بی بنام حاجی محمد قاضی اسحاق میں پیروی کی ہے۔ مقدمہ پٹھو کٹی بنام اپتھل کٹی وقف کا نفاذ اس پر مشروط تھا کہ واقفہ کے کوئی اولاد نہ ہونے کی صورت میں جائیداد وقف ہوئی۔ اور اگر وقف نہ ہوتی اور اولاد ہو تو پوری جائیداد اسے ملے گی۔ شرعاً ایسا وقف ناجائز تھا۔

مرتضائی بی بی بنام جمنابی بی

مقدمہ مرتضائی بی بی بنام جمنا بی بی میں فریقین مقدمہ اور واقف سب ہی شیعہ تھے اور شیعہ فقہ کے مطابق جب مختص طبقے افراد کے لیے وقف کیا جائے جیسے کہ واقف کے افراد خاندان یا اس کی اولاد تو انجام کار مقصد دوامی کی تصریح ضروری ہے اور یہ اصول حنفی شیعہ فقہ کے اختلافی اصولوں میں سے ایک ہے۔ مرتضائی بی بی کے وقف نامے میں غربا کا حوالہ نہ تھا اور اس نقص پر مقدمہ طے ہو جاتا مگر فیصلہ کنندہ فاضل جج غالباً اس اختلاف سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے حنفی اصول فقہ کی بنا پر فیصلہ صادر کیا۔

ہدایہ

وقف کے موضوع پر فی الوقت تمام الجھن ہدایہ کی وجہ سے ہے مگر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہملٹن نے ہدایہ کا موجودہ ترجمہ اصل عربی سے نہیں کیا ہے بلکہ ان کی تحریک پر کلکتہ کے بعض مولویوں نے اولاً عربی سے فارسی میں ہدایہ کا ترجمہ کیا اور فارسی ترجمے میں انہوں نے کئی اضافے کئے اور وہ غالباً اس لئے کہ اس موضوع کی مزید وضاحت ہو سکے مگر اسکے برعکس مزید الجھن پیدا ہو گئی۔

اکثر اہم جملے حذف ہو گئے ہیں جس سے ترجمے کی قدر بالکل ہی زائل ہو گئی اور اسی نام نہاد ترجمہ پر فیصلوں کی بنیاد ہے۔ مسٹر نیل بیلی جو فتاویٰ عالمگیری کے مترجم ہیں

انہوں نے ہملٹن کی شرح کے بارے میں لکھا ہے کہ مسٹر ہملٹن نے لفظ "وقف" کی قانونی تصریح میں مذہبی اور امور خیر کی نوعیت کو غیر ضروری طور پر محدود کردیا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے مسلم قانون کا مطالعہ کیا مسٹر بیلی کی تنقید کی صحت پر ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں کریگا اس تنقیدی جائزہ سے ظاہر ہے کہ ہدایہ اور مسلم قانون کی دوسری کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہدایہ میں جیسا کہ بتایا جاچکا ہے قانون وقف کے سلسلہ میں بہت ہی کم حوالے ہیں۔ حتیٰ کہ اسمیں کسی شخص کا اپنے بچوں یا نسل کے وقف کے جواز کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر اپنی ذات یا خود پر جواز وقف کے بارہ میں انہیں اختلاف ہے اور اس پر تفصیل سے بحث نہیں کی گئی ہے مگر تمام شروح مثلاً فتح القدیر، حیات البیان وغیرہ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث ملتی ہے۔

متعلقہ متن اس طرح ہیں۔ ابو حنیفہ رحمت اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ جائیداد موقوفہ میں واقف کا وقف میں اس وقت تک حق ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ جج ڈگری صادر نہ کردے یا واقف کی موت پر اس وقف کا انحصار ہو پس ان کے بقول واقف کو یہ بتانا چاہیئے کہ جب میں مرجاؤں تو میرا یہ مکان وقف ہوگا۔ ابو یوسف کے مطابق واقف کا حق محض وقف کے حوالہ سے ہی ساقط ہوجاتا ہے۔ ابو محمد کے مطابق واقف کا حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ متولی کا تقرر نہ ہو اور جائیداد تفویض نہ کی جائے۔

مسلمہ اصول

مصنف کے مطابق لفظ "وقف" کے لغوی معنی جیسا کہ وہ بتاتے ہیں روکنے یا جانور کو باندھ دینے کے ہیں۔ گویا یہ کہ میں نے باندھ دیا ہے۔ اس عبارت کا منشا بھی یہی ہے۔ قانوناً ابو حنیفہ کے مطابق اس کا منشا یہ ہے کہ اصل جائیداد کو واقف کی ملکیت میں باندھ دیا جائے یا روک دیا جائے اس کی آمدنی کو جو بمنزلہ عاریت ہے وقف کردیا جائے تب ہی یہ وقف جاسکتا ہے۔ جب کسی شئے کی آمدنی غیر موجود ہو اس لئے کہ غیر موجود شئے کا امر خیر میں وقف کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس میں اس کا حوالہ ہے کہ۔

ابو حنیفہ کے مطابق یہ بالکل صحیح ہے کہ ایسا وقف اگرچہ قطعاً جائز نہیں ہے

مگر بطور "عاریت" جائز ہے۔ صاحبین کے مطابق اصل شئے "جائیداد" کو ملکیت خداوندی کے اصول کے مطابق "روک" دینا ہے تاکہ واقف کا حق مالکانہ ساقط ہو جائے اور یہ کسی بھی مقصد کے لیے خداوند تعالیٰ کی جانب سے منتقل ہو سکے تاکہ اس کے منافعوں سے مخلوق خدا کو فائدہ ہو۔ پس ایک وقف جو ہمیشہ مطلقاً ہوتا ہے کہ نہ بیع و فروخت ہو سکتا ہے اور نہ ورثہ میں دیا جا سکتا ہے۔

پس لفظ "وقف" میں وہ دونوں ہی مفہوم جو صاحبین نے بتائے شامل ہیں۔ اور اسی لئے اس مفہوم کو بر بنائے ثبوت ترجیح ہے۔ صاحبین کی رائے آنحضرت صلعم کے اس ارشاد پر مبنی ہے جو آپ نے حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر ان کی آراضی الموسوم ثماغ پر فرمایا تھا۔ اصل زمین عین اس طرح محفوظ کر دو کہ نہ بیع ہو سکے نہ کسی کو دی جا سکے نہ اس پر ورثہ عائد ہو۔ ثانیاً اس ارشاد گرامی کے پیش نظر وقف قطعی ہونا چاہئے تاکہ اسکا اجر دائماً واقف کو مل سکے۔ اور یہ محض اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جائیداد میں واقف کا حق ساقط ہو جائے اور وہ ملکیت خداوندی میں دائماً تفویض کر دی جائے۔ شرعاً اس کی مثال مسجد ہے پس اسی طرح وقف ہونا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ تمام عبارت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے کہ وقف کا مفہوم محض عبادت خداوندی لیا جائے۔ ہملٹن نے "جعلہ اللہ تعالیٰ" کا جس طرح ترجمہ کیا ہے اس سے وہ جائیداد کو واقعی ملکیت خداوندی بنا دیتا ہے۔ اس کے خیال میں وقف محض خداوند تعالیٰ کے لیے وقف ہوتا ہے۔ دراصل عربی عبارت کا فارسی میں آزاد ترجمہ کیا گیا ہے اور اس سے انگریزی ترجمہ ہوا۔ فاضل جج ان بمقدمہ عبدالغنی بنام قاسم جان اس نتیجہ پر پہونچے کہ وقف سے مراد محض عبادت خداوندی کے لیے وقف کرنا ہے۔

کفایہ کی تنقید

صفحہ ۹۱۱ کے خاتمہ پر شرح مصنف کفایہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ایسے تمام معاملات میں صاحبین کی رائے کے مطابق معروفاً اور رسماً فتویٰ ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔ اس مسئلہ کی تائید میں اسناد کا حوالہ غیر ضروری ہے کہ امام اعظم کے نظریات احناف میں بطور اصول کبھی نہیں مانے گئے اس کی تائید بعض کتب ہائے فقہ مثلاً فتاویٰ

عالمگیری فتاویٰ قاضی خان ۔ حمیدیہ ۔ فتح القدیر ۔ غایت البیان ۔ شرح طحطاوی سے ہوتی ہے ۔ ہدایہ کی عبارت پر جہاں ہملٹن نے تنقیدی الفاظ استعمال کئے ہیں ان پر کفایہ میں تنقید کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ صاحبین کے مطابق قطعیت وقف کی مثال شرعاً مسجد ہے اس لئے کہ ان کے مطابق مسجد کی تشکیل بالا جماع وقف قطعی ہے اور اسی طرح جائیداد سے کسی مفید مقصد کی خاطر واقف کا اپنے حق ملکیت کو واپس لینا ہے اور خوشنودی خداوندی کی خاطر خواہ کوئی بھی غرض ہو جائیداد "باندھ" دی جاتی ہے اور تمام اوقاف کی یہی صورت ہے ۔

مگر صاحبین کے قول کے مطابق وقف کا مفہوم جائیداد میں خود کے حق ملکیت کو خداوند تعالیٰ کے لیے ساقط کرنا ہے پس شئے موقوفہ ملکیت خداوندی میں اس شرط پر روک دی جائے گی کہ اس کی پیداوار مخلوق خدا کے کام آئے ۔ پس خداوند تعالیٰ کے لیے جائیداد وقف سے مراد نوع انسانی کے مفاد کے لیے اس کا استعمال ہے ۔

ابو حنیفہ کے مطابق وقف کا منشا جیسا کہ انگریزی قانون کا مفہوم ہے یہ نہیں ہے کہ جائیداد کو عبادت خداوندی یا محض خیرات کے لیے وقف کیا جائے کہ کفایہ کے مطابق بقول امام ابو حنیفہ اصل شئے کو واقف کی ملکیت میں باندھ دیا جائے ۔ میں یہاں ہدایہ کے ایک دوسرے پیرے کا حوالہ دوں گا جس کی غلط تاویل کی گئی ہے ۔

ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق ایک وقف اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ واقف اس سے حاصل شدہ مفاد کو انجام کار ایسی غرض کے لیے مخصوص نہ کردے جو دائمی ہو مگر ابو یوسف کے مطابق اگر واقف محض ایسی غایت کے لیے وقف کرتا ہے جو معدوم ہونے والی ہے تب بھی وقف جائز ہوگا اور اس مقصد کے معدوم ہونے پر غربا کے کام آئے گا خواہ اس کا حوالہ نہ ہو ۔ امام ابو حنیفہ و امام محمد کی دلیل ہے کہ وقف کا منشا جائیداد پر حق ملکیت بلا کسی شخص کو دواماً منتقل کرنا مثل غلام آزاد کرنے کے ہے اگر کوئی ایسا مقصد بتایا گیا ہے جو معدوم ہونے والا ہے تو اس سے مقصد متذکرہ کی تکمیل نہیں ہوتی مثلاً بیع عارضی یا وقف عارضی ناجائز ہے ۔

ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ غایت وقف خوشنودی خداوندی حاصل کرنا ہے ۔ جس کی کئی صورتیں ہیں بعض وقف کسی ایسے مقصد کے لیے ہوتے ہیں جو کہ معدوم

ہونے والا ہے اور بعض وقف کسی ایسی غایت کے لیے وقف ہوتے ہیں جو دائمی ہو ایسی دونوں صورتوں میں وقف جائز ہوتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق دوام کا حوالہ ضروری نہیں ہے۔ ان کے نزدیک الفاظ "وقف" و "صدقہ" سے ہی دوام کا مفہوم واضح ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں جائیداد وقف میں مثل غلام آزاد کرنے کے بلا انتقال حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے اور کتاب مختصر القدوری میں ہے کہ اگر کسی وقف میں غربا کا حوالہ نہ ہو تو اصل غایت کے معدوم ہونے پر غربا ہی اس سے استفادہ کریں گے اور یہی صحیح مسئلہ ہے۔

ہملٹن کے ہدایہ کا ترجمہ یک طرفہ اور غلط ہے

ہملٹن کے ترجمہ میں پچھلی چند سطریں غائب ہیں۔

ابو یوسف کا وضع کردہ اصول مسلمہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتب شرع کے مستند اقتباسات سے ظاہر ہے مثلاً

فتاویٰ عالمگیر، فتاویٰ قاضی خان، فتح القدیر، درالمختار، غیاث البیان، اور تسہیل بصورت موجودہ یہ غیر ضروری ہے کہ اسی تفصیل کا مزید اعادہ کیا جائے تاہم اس کے متعلق مسلمہ اصول و نکات کا مختصر اعادہ مناسب ہوگا۔

(۱) اجماع کے مطابق ایسا وقف جائز اور صحیح ہے۔

(۲) ابو یوسف کے مطابق جونہی واقف اعلان وقف کرے وقف قطعاً موثر ہو جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر اعلان کے فوراً بعد ہی وقف قائم ہو جاتا ہے۔

(۳) وقف کے لیے خاص الفاظ کا استعمال ضروری نہیں ہے جب کہ واقف کے طرز عمل اور منشا سے ایک دائمی وقف کا منشا ظاہر ہو۔ یہ کافی ہے۔

(۴) وقف کوئی بھی مسلمان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ہے خواہ وہ معدوم ہونے والا ہے یا نہیں مگر شرعاً مکروہ ہے۔

(۵) اور خواہ وقف ان اغراض کے لیے کیا جائے جو ختم ہونے والے یا معدوم ہونے والے ہوں لیکن انجام کار غربا اس سے مستفید ہوں گے خواہ وقف صریحاً ان کے لیے نہ کیا گیا ہو۔

اور بعض وقف ناموں میں اس کی مستعملہ عبارت سے ظاہر ہوگا کہ کسی نسل کے حق میں لفظ وقف کے استعمال سے منشا وقف ایک امر خیر کی صورت میں ہے۔ اس کے مطابق تمام فیصلوں پر ہی غور کرنا ہوگا کہ ظاہر ہے یہ خیال مسلم قانون کے اصولوں کے متعلق غلط فہمی پر مبنی ہے اس کے مطابق دوام خواہ صریح ہو یا تعبیری وقف کی لازمی شرط ہے۔ واقف کے لیے لازم ہے کہ جائیداد میں اپنا حق ترک کر کے اس کو دائماً اللہ تعالیٰ کو تفویض کر دے لیکن لفظ دوام کا استعمال ضروری نہیں ہے نہ صریح الفاظ میں یہ درج ہونا ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لئے وقف کیا گیا اگر وقف دائمی غرض کے لیے ہے تو وقف جائز اور قابل پابندی ہے خواہ لفظ دوام کا استعمال نہ ہو۔ یا ایسے مقصد غرض یا اغراض کے لیے جو معمولاً معدوم ہونے والے ہوں تو مروجہ اور مسلم اصول کے مطابق قانوناً یہی قیاس ہوگا کہ یہ وقف بالآخر غربا کے لیے ہے جو ہمیشہ ہی ہوتے ہیں بشرطیکہ دائمی نوعیت کا حوالہ نہ ہو اگر امام محمد کے مطابق غرض معدوم ہونے والی ہو جیسے کہ لفظ نسل ایسی صورت میں لفظ صدقہ سے مراد غربا پر عود کرنا لازمی ہوگا۔ یا غربا کا صریحاً حوالہ دیا جائے۔ لفظ "غریب" کے حوالے سے یہ منشاء نہیں ہے کہ اولاد کے حق میں وقف سے غربا مستفید ہوں تو محمد و ابو یوسف کے نزدیک ایسا وقف جائز ہے حتیٰ کہ تمام مذاہب حنفی و شافعی و شیعہ کے نزدیک بھی جائز ہے اگر غربا کا حوالہ نہیں ہے تو قانوناً یہی قیاس ہوگا اور ایسی فرو گذاشت سے مسلمہ طور پر حنفی اصول کے مطابق غربا ہی کو قیاس کرنا ہوگا۔ مسلمہ حنفی قانون کے مطابق وقف جن کی اغراض معدوم ہونے والی ہوں ایسا ہی جائز اور درست ہے جیسا کہ مستقل اور دائمی اغراض کے لیے وقف۔ اول الذکر سے بھی اتنی ہی قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ مؤخر الذکر سے۔

کسی کا اپنے بچوں کے لیے وقف اتنا ہی کار ثواب ہے جیسا کہ غربا کے لیے۔ وقف کی ابتدا اولاً اولاد سے ہوتی ہے اس کے بعد رشتہ دار بعد ازاں پڑوسی سے اور مابعد اہل وطن ہوتے ہیں۔

اب میں ہدایہ کے دوسرے پیرے پر آتا ہوں اس میں بھی ایسی ہی غلط تعبیر کی گئی ہے جیسی کہ ابو یوسف اور ابو محمد میں وقف کے بارہ میں اختلاف پر بحث کی گئی ہے اگر واقف اپنے حق میں وقف کرتا ہے یا اس کی نگرانی خود پر مختص کرتا ہے تو ابو یوسفؒ

کے نزدیک جائز ہے۔ میرے خیال میں یہ دو علیحدہ موضوع ہیں۔ یعنی اپنی اولاد کے لیے وقف کی آمدنی مخصوص کرنا دوسرے خود کو متولی مقرر کرنا۔

ابو یوسف کے مطابق اول الذکر جائز ہے اگر چہ ابو محمد کے نزدیک ایسا نہیں ہے اور یہی ہلال کی رائے ہے جسے شافعی نے اختیار کیا ہے۔ بعض کی رائے میں دونوں میں اختلاف حقیت یا علیحدگی کی بناء پر ہے جبکہ دوسروں کے مطابق ان کے اختلاف کا موجودہ معاملہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور یہ اختلاف قائم ہے۔ خواہ وہ واقف تا حین حیات آمدنی کا حصہ مخصوص کرے اور اپنی موت کے بعد سب کا سب غربا کو دیدے۔

اگر کوئی شخص اپنی کل آمدنی یا اس کے جزو کو اپنے بچے کی ماں یعنی باندی کے لیے یا اپنے غلام کے لیے جس کو کہ اس نے آزاد کر دیا ہے ان کی حین حیات تک مختص کرتا ہے اور بعد میں غربا کے لیے تو بعض کے نزدیک حسب اجماع جائز ہے۔ مگر بعض کے نزدیک ابو یوسف و امام محمد کے درمیان اختلاف ہے اور صحیح ہے۔ اپنی آمدنی کو ان کے حین حیات مخصوص کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے اپنے لئے مخصوص کی۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ وقف ایک امر خیر ہے اور جائیداد کو خداوند تعالیٰ کے حق میں منتقل کرنا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا اور نتیجتاً آمدنی کا کل یا جزو اپنے لئے مخصوص کرنے سے وقف مثل تملیک (انتقال جائیداد) بحق خود کرنے سے باطل ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی شخص مخصوص صدقہ کرے یا مسجد کا حصہ اپنے لئے مختص کرے۔

ابو یوسف کی رائے آنحضرت صلعم کے اس اسوہ حسنہ پر ہے کہ آپ اشیاء موقوفہ کو خود استعمال فرماتے تھے چونکہ واقف قانوناً اشیائے موقوفہ بلا شرط کھانے میں نہیں لے سکتا لیکن ایسی شرط کی صورت میں ان اشیا کا استعمال جائز ہو گا۔

ثانیاً جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ مفہوم وقف کے مطابق وقف میں حقوق مالکانہ ساقط ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتے ہیں تاکہ اس کی قربت حاصل ہو سکے۔ پس اگر کوئی جانتا ہے کہ آمدنی کا کل یا جزو تا حین حیات اس کیلئے مختص ہو جائے تو اسکا منشاء یہ ہے کہ اس شئے میں سے جو اللہ تعالیٰ کو تفویض ہو چکی ہے فائدہ حاصل کرے نہ کہ اس میں سے جو اس نے اپنے لئے مختص کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جو اشیا خوشنودی حق تعالیٰ کے لیے منتقل کر دی ہوں ان میں اپنا حصہ مقرر کرے مثلاً کارواں

سرایا پانی کے بند کی تعمیر کرنا یا ایک قطعہ آراضی قبرستان کے لیے مخصوص کرنا اور یہ شرائط کہ وہ اس خانقاہ میں رہے گا یا بند سے پانی پیے گا یا اسی قبرستان میں دفن ہوگا یہ سب جائز ہے۔ تیسرے اگر وقف کی غرض قرب خداوندی ہے اور وقف کی آمدنی کو وہ اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو یہ بھی کار ثواب ہے جس سے قربت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کا اپنی بسر اوقات کے لیے انتظام کرنا بھی امر خیر ہے۔

کفایہ

کفایہ میں اس عبارت کی شرح میں آیا ہے کہ اگر واقف کی جائیداد (پیداوار) یا اس کے انتظام کو اپنے لئے مختص کرلے تو یہ جائز ہے۔ اول الذکر یعنی واقف کا اپنے لئے مخصوص کرنا ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور فقہائے بلخ اس پر متفق ہیں اور بقول صدر الشہید ابو یوسف کے نزدیک یہی فتویٰ ہے۔

اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف سے کوئی فرق نہیں

ہدایہ یا دوسری کتابوں میں کسی کا اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف کے موضوع پر کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اپنے حق میں منافعہ وقف محفوظ کرنے میں اختلاف رائے ہے اسی طرح اس بارے میں بھی قدرے اختلاف ہے کہ آیا کوئی شخص اپنے غلاموں کے لیے وقف کر سکتا ہے اسی لیے کہ ایسا وقف بھی بمنزلہ اپنے حق میں وقف کرنا ہے مگر اپنے بچوں یا اولاد میں وقف کرنے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور اس پر تمام مذاہب متفق ہیں۔

فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل

بمقدمہ فاطمہ بی بی بنام ایڈوکیٹ جنرل مسلم قانون کے اصول کا صحیح طور پر ادراک کیا گیا ہے۔ اس مقدمے میں جسٹس ویسٹ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقدس اور معدوم نہ ہونے والے وقف کی تکمیل ہو جاتی ہے تو درمیانی مدت کے لیے وقف میں جو واقف کے بچوں اور ان کی اولاد کے حق میں کیا جاتا ہے ناجائز نہیں ہوتا۔ یہاں یہ بتایا گیا

ہے کہ اس مسئلہ پر اتفاق رائے ہے اور ابو یوسف و محمد میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے بلکہ ابو یوسف کے مطابق لفظ وقف سے قانوناً یہی قیاس ہو گا کہ یہ وقف انجام کار ایک دائمی مقصد کے لیے کیا گیا ہے۔

فاضل جج نے مزید لکھا ہے کہ وہ مفادات جو اولاد کے بعد دیگرے حاصل کرتی ہے وہ انگلش لا میں دائمی سمجھے جاتے ہیں مگر مسلم قانون کے مطابق اس سے وقف باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ انجام کار مقصد وقف صریحاً معدوم ہونے والا ہے۔

اور یہ ابو محمد نہ کہ ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے بظاہر فاضل جج نے ہر دو کے اختلاف رائے کو نظر انداز کیا اور ابو یوسف کے ہی وضع کردہ اصول کو جو مسلمہ قانون ہے ترجیح دی ہے۔ تاہم اس نظریہ کی بھی کچھ حقیقت ہے جس کا انہوں نے مندرجہ بالا آخری عبارت میں حوالہ دیا ہے اگرچہ دیگر مقدمات میں فیصلے تمام مسلم فقہاء کی جماعت اور مسلم قوانین کی کتابوں کے بر عکس ہیں۔

دوامیت کا انگریزی قانون

انگریزی قانون (انگلش لا) میں دیئے گئے ٹرسٹ یا سیٹلمنٹ کی کسی مطابقت سے مسلم قانون کے ادراک میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس لئے کہ مسلم قانون آنحضرت صلعم کے احکام اور ان پر آپ کے صحابہ متقدمین کے عمل سے واضح ہوتا ہے۔ انگریزی قانون میں کسی بھی سیٹلمنٹ کے دوام کو ناقص سمجھا جاتا ہے اور اس کے بر عکس مسلم قانون میں بلا کسی شائبہ اختلاف کے تشکیل وقف کے لیے دوام ایک ضروری عنصر ہے۔ کسی کا اپنے کنبے کے حق میں دائماً وقف کرنا مسلم مذہب کے مطابق اصطلاح وقف کے صحیح ترین مفہوم میں ایک امر خیر اور غرض ثواب ہے۔ لیکن چونکہ کسی کی بھی آل کبھی نہ کبھی ضرور معدوم ہوتی ہے قانون کا تقاضہ ہے کہ دوام کے تحفظ کے لیے وقف ایک ہمیشہ قائم رہنے والے مقصد کی طرف عود کرے خواہ مسلمہ حنفی قانون کے مطابق ایسے عود کا عبارت میں صریحاً ذکر نہ ہو۔ تاہم وہ مقصد جن کا وقف میں ذکر نہ ہو تب بھی نسل واقف معدوم ہونے پر قانوناً اس فرد گزاشت کی تلافی ہو جائیگی اور وقف بالآخر غربا پر عود کرے گا۔

دوامیت کا انگریزی قانون مسلم قانون پر لاگو نہیں ہوتا

انگلش اور مسلم اصول قانون کے نظریات میں اختلاف کے پیش نظر یہ تعجب انگیز نہیں ہے کہ اول الذکر انگلش قانون دوام کے خلاف ہے اس لئے مسلم قانون کے مطابق کنبے کے حق میں جو وقف ہو اور جس اصول پر وہ مبنی ہے اسے سمجھنا مشکل ہے۔ اصول معدلت گستری کے عمل سے متذکرہ قول کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے کہ خود گورنمنٹ مفادات عامہ کے پیش نظر خاندانی اوقاف کی حفاظت اور استحکام چاہتی ہے مگر عدالت ہائے انصاف نے اس سے یکسر برعکس طریقہ اختیار کیا ہے۔ عدالت العالیہ کلکتہ کے فیصلہ بمقدمہ ابوفتح محمد اسحٰق بنام روضہ میاں چودھری کی پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے توثیق کردی ہے۔

اوقاف بحق خاندان کے سلسلہ میں تائیدی نظائر فاضل ججان جوڈیشل کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی ان کے بارہ میں انہوں نے لکھا ہے۔ جیسا کہ فاضل ججان (لامگن مسلمان قانون داں بحوالہ فیصلہ اختلافی بمقدمہ بیکا) کی رائے خیالی نوعیت کی ہے اور ان نظائر پر مبنی ہے جو بہت ہی غیر مکمل پیش کی گئی ہیں۔

تمثیلاً اس نے (اختلاف کنندہ جج نے) خود آنحضرت صلعم کے ایک ارشاد کا حوالہ دیا ہے اور وہ یہ کہ کسی کا اپنے کنبے کے حق میں بسر اوقات کے لیے وقف کرنا فقرا کو خیرات دینے سے زیادہ امر ثواب ہے اور اعلیٰ ترین صدقہ وہ ہے جو اپنے کنبے پر صرف کیا جائے اور بطور نظیر انہوں نے ایک موہوبہ مکان کا حوالہ دیا ہے جو وقف یا صدقہ تھا اور اس سے منافعہ ان کی اولاد کو ملتا تھا۔ دیگر قدیم نظائر بھی اس قسم کی ہیں۔ نظائر کے بارہ میں فاضل ججان کو اس سے قبل کہ آیا وہ منطبق کی جائیں زیادہ تفصیل سے معلوم ہونا چاہئے ان کو صرف ہبہ اور اسکی دیکھ بھال کا علم ہوتا ہے مگر جائیداد کے حالات کا علم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ متذکرہ نظیر میں اس مکان کو یا اس کنبہ کو یا اس واقف کو خاص احترام سے دیکھا جاتا ہو۔

جوڈیشل کمیٹی کے فیصلہ بمقدمہ ابوفتح محمد اسحٰق بنام رام سوامی دھر چودھری کا جائزہ

یہ قابل توجہ ہے کہ وہی نظائر جو فاضل ججان کو غیر متعلق اور ناکافی معلوم

ہوتی ہیں وہی مسلم قانون کے بارہ میں وقف کی بنیاد ہیں یہی وقف ہذا میں بتایا ہے اور انہی نظائر پر وہ مبنی ہے اس کے مطابق دنیائے اسلام کے مسلمانوں نے صدیوں سے اپنے رواج اور مذہبی و سماجی زندگی کو اسی قالب میں ڈھال لیا ہے۔

فاضل ججان نے لکھا ہے کہ جہاں تک آنحضرت صلعم کے ارشادات گرامی کا تعلق ہے وہ مسلم قانون کے اصول اساسی ہیں۔ فاضل ججان نے اس امر کو نظر انداز نہیں کیا کہ مسلمانوں میں قانون اور مذہب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں مگر دوران بحث انہوں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اسلام کے عام قانون کے مطابق (جیسا کہ ہندوستان میں نافذ ہے) یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی شخص کا ہبہ سادہ ایک بعید غیر پیدا شدہ اولاد کی نسل کے لیے تاحین حیات (یعنی قابل انتقال مفادات) ممنوع ہوں اور آیا وہی انتقالات بسلسلہ ہبہ عام جو مروجہ الفاظ سے ہو جائز ہو جائیں۔

کیا یہ سمجھا جائے کہ وہی انتقالات جو عام الفاظ جن سے عام ہبہ ناجائز ہوتے ہیں لیکن اگر واقف وہی الفاظ ہبہ وقف کے لیے استعمال کرے اور یہ کہے کہ وہ خوشنودی خداوندی کی خاطر غریبوں کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ ان سوالات کا کوئی جواب نہ دیا گیا اور نہ اس کی کوشش کی گئی اور نہ ججان کے علم میں لایا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ واقف کا جائیداد میں حق ملکیت قطعاً محدود ہو جاتا ہے اور مفاد صرف حین حیاتی ہوتا ہے یعنی وقف نامہ کی رو سے تاحیات وہ متولی پابہ زنجیر رہتا ہے اور آمدنی اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتا ہے اور کوئی بھی اس سے حساب طلب نہیں کر سکتا۔ اس کے منصب ملکیت میں تبدیلی خاندان میں دوام کے ارادہ کے مطابق ہوتی ہے اور ارادہ کی فوری تکمیل کے لیے وقف ضروری ہے۔

ہبہ اور وقف میں فرق

فاضل ججان کے فیصلے میں بنیادی اور مرکزی نقطہ اس بات پر مبنی ہے کہ وہ ہبہ سادہ اور ان کے الفاظ میں ”وقف“ میں کوئی فرق محسوس نہیں کر سکے اور نہ ہی لائق وکلاء نے ان کے روبرو اس فرق کی وضاحت کی۔ یہاں دونوں میں ایک اہم فرق کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ حنفی قانون کے مطابق جب کوئی ہبہ کیا جاتا ہے تو موہوب الیہ شئے موہوبہ پر

کلیتاً اختیار و تصرف حاصل کرتا ہے۔ اس کے انتقال کا وہ مکمل مجاز ہوتا ہے اور جس طرح چاہے اسے استعمال اور تصرف میں لا سکتا ہے، اس کے حق ملکیت پر کسی قسم کی پابندی یا اس میں کمی بوجہ حق حین حیاتی ناجائز ہے۔ ہر ہبہ میں موہوب الیہ بطور انسان ہوتا ہے۔ وقف خواہ کسی مقصد سے کیا جائے جب تک کہ وہ غیر اخلاقی نہ ہو موہوب الیہ خداوند تعالیٰ ہوتا ہے۔ ہبہ کا مقصد جائیداد کو ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل کرنا ہے۔ وقف جائیداد بحق خداوند تعالیٰ نوع انسان کے مفاد کے لیے تفویض ہوتی ہے پس اگر اصل منشا وقف واضح نہ ہو تب بھی اس کے دیگر اغراض میں موثر ہو سکتا ہے۔

اگر وقف بہت سے اشخاص کے لیے مختص ہو تو ایسی صورت میں یہ غربا اور حاجت مندوں کی پرورش کے کام آئے گا مکرر یہ کہ ہبہ کی صورت میں شئے موہوبہ پر تصرف ایک شخص سے دوسرے پر منتقل ہو جاتا ہے اور بصورت وقف حق ملکیت قطعی ساقط ہو جاتا ہے اور واقف کا قبضہ بطور امین ہوتا ہے اور وہ شرائط وقف کی خلاف ورزی پر کسی بھی وقت علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ استفادہ کنندگان کا جائیداد پر کوئی حق ملکیت نہیں ہوتا وہ وقف سے صرف حسب صراحت وقف نامہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

فاضل ججان فیصلہ میں رقم طراز ہیں کہ ہم نے اپنے امکان بھر کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں مروجہ مسلم قانون کا تعین اور استعمال کریں لیکن اس نوعیت کے ساتھ نہیں کر پائے بلکہ جیسا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد گرامی انتہا پسندانہ ذہنی اطلاق ہے۔ اگرچہ آپ کے ارشادات مناسب موقع پر استعمال کے لیے اعلیٰ ترین ہیں مگر ایسا قیاس آپ کے شایان شان مناسب نہیں ہے کہ آپ نے ایسے ہبہ جات کو پسند فرمایا ہے جن کو واہب خود ترک کر چکا ہو یعنی جنہیں ایک ہاتھ سے لیکر دوسرے ہاتھ سے واپس کر دے تاکہ اضافہ آمدنی کے لیے مرکز تشکیل ہو اور کنبے کی جائیداد خاندان کو مزید رعایتیں حاصل ہو سکتی ہوں تاکہ حساب کے ذمہ دار منیجر ان کی حفاظت ہو سکے اور اس طرح واہبان اور ان کا کنبہ قرض خواہوں کے بارے سے محفوظ ہو۔ جائیداد پر حق استعمال حاصل ہو سکے اور دوسروں کے مفاد کا حوالہ محض خالی الفاظ کے استعمال ہونے کے سوا کچھ نہ ہو۔

اصول متذکرہ کے سمجھنے میں غلطی

ادبا یہ عرض ہے کہ فاضل ججان نے بوقت صدور فیصلہ اس اصول شرع کو ذہن میں نہیں رکھا کہ کسی کا اپنے اور اپنے کنبہ کے بسر اوقات کا انتظام کرنا کار خیر ہے اور یہ غیروں کو دینے سے زیادہ قابل ثواب ہے۔ اسی لئے فقہاء کا آنحضرت صلعم کے ارشاد گرامی پر وضع کردہ اصول فاضل ججان کو ایک انتہا پسندانہ اطلاق معلوم ہوتا ہے۔

محولہ بالا عبارتوں سے جوڈیشل کمیٹی کے فیصلوں پر مبنی جو اصول ہے وہ بلا کسی اعتراض کے پیش کئے جاتے ہیں۔

آیا عدالت ہائے انصاف کسی قوم کے ان مروجہ مسلمہ قوانین کے بارے میں تحقیق کی مجاز نہیں جس کے استعمال کی اجازت برٹش گورنمنٹ نے حسب فرمان شاہی دیدی ہو۔

کیا وہ اپنے مروجہ قانون کے مطابق جسے تسلیم کرتی ہے عمل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ کیا عدالتوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ عموی طور پر اس قوم کے قانون نافذ الوقت کا تعین کریں اور اگر عدالتیں قانون سازوں کے مافی الضمیر پر غور کرنے کی مجاز ہیں تو کیا وہ آنحضرت صلعم کی ہدایت اور اسوہ حسنہ کو (جس پر آپ کے پیرو دنیا میں عمل کرتے ہیں) صرف نظر کر کے اپنی ذاتی رائے اور نظریات پر انحصار کریں۔

عدالت کو یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسلم قانون وقف کی ترقی پذیر شکل کیا تھی جس کو مسلم قانون دانوں اور فقہانے عام طور پر تسلیم کیا اور اس کو کس طرح نافذ کیا گیا اگرچہ ان کو ایسا محسوس ہوتا ہو کہ بعض صورتوں میں قانون ہبہ سے یہ متضاد تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا ہے کہ عدالت ہائے متعلقہ اس امر کی مجاز نہیں ہیں کہ وہ قانون پر اس وقف کے نفاذ سے انکار کر دیں جب تک اس امر کا نہیں یقین نہ ہو جائے وہ قانون ریاست کے مسلمہ نہج یہ آئین کے صریحاً خلاف ہے۔

اگر قانون کے نفاذ کا یہی منشاء ہے کہ جو وقف محض کسی کی اولاد کے حق میں ہو جائز نہیں ہے تو یہ ادب سے کہنا پڑیگا کہ فاضل ججان نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ شرع اور مسلم اقوام کے اجماع عام متضاد ہے۔

مسلم قانون کو تسلیم کرنا

ہم شاہ معظم کی رعایا فاضل ججان کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے بہت صریح الفاظ میں اس نظریہ کی مذمت کی ہے کہ وقف کے متعلق مسلم قانون کا اطلاق نہ ہونا چاہیے۔

فاضل ججان لکھتے ہیں کہ مفصل استدلال اور فیصلوں کے پیش نظر جو بیکاتی میاں کے مقدمے میں پیش کیے گئے اس امر کے متعلق شکوک ظاہر کیے گئے ہیں کہ آیا اس قسم کے مقدمات پر مسلم قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ احسان اللہ چودھری کے فیصلے میں مسلم اصول قانون کے بجائے انگلش قانون نافذ کیا گیا ہے مگر واضح طور پر مسلمانوں سے متعلق انتقال جائیداد کا فیصلہ بھی مسلم قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔

بمقدمہ ابو فتح محمد اسحق بنام راما سوامی دھر چودھری کے فیصلے میں اگرچہ بہت سے نظریات متنازعہ فیہ نوعیت کے اور مسلم قانون سے متصادم ہیں اور ان سے مسلمانوں میں ایک ہمہ گیر جذباتی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس طرح ان کے مذہبی امور میں صریحاً مداخلت ہو رہی ہے ادباً بتانا ہے کہ ایسے نظریات بہت محدود ہیں اور ان کا منشا صرف یہ تھا کہ ایسے مقدمات خاص واقعات تک ہی محدود رہیں۔ چونکہ وقف نامہ کی بعض شرائط او قاف یا اسے افلاس سے بچانے کے لیے نہ تھیں بلکہ اصلاً اپنی آمدنی اور توقیر کے اضافہ کا مرکز بنانا تھا اور بانیان کے تشکیل وقف سے امر خیر کی نیت نہ تھی۔

منقلی سے مستخرجہ اصول

فاضل ججان کے محولہ فیصلے کے پیش نظر دو اصول مستخرج ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایک جائز وقف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جائیداد کلیتاً مقدس مصارف کے لیے وقف کی جائے اس ضمن میں فاضل ججان نے لکھا ہے کہ بعض نظائر میں اس حد تک آیا ہے کہ کسی جائز وقف کے لیے ضروری ہے کہ جائیداد کلیتاً مقدس اغراض کے لیے وقف کی جائے اس مسئلہ پر بورڈ نے احسان اللہ چودھری کے مقدمے میں دی ہوئی کی رائے کو اختیار کیا ہے اس طرح کہ واقف کی جائیداد سے خاندان کے گذارے کی صورت اصلاً بجائے وقف ایک حصہ کی شکل ہے جب اس قسم کا کوئی وقف کیا جاتا ہے تو واقعی بسر

اوقات کا انتظام ہونا چاہئے نہ کہ محض چند مقدس اغراض کے لیے ایک تصوری وقف مگر وہ مقدس اغراض قیاسی طور پر اس قسم کی ہونا چاہئیں جنہیں غیرمسلم بھی مذہبی سمجھیں۔

جوڈیشل کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق جب یہ ثابت ہو کہ آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ ان اغراض پر جو مسلمانوں کے قانون و مروجہ طریقوں کے مطابق مقدس اور مستحسن ہیں یا وہ ان رسومات کی ادئیگی اور امور خیرات پر صرف ہوتی ہے جو کہ مقدس سمجھے جاتے ہیں تو ایسا وقف جائز ہے۔

مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آمدنی کو عام مذہبی یا مقدس اغراض کے لیے مختص کر لیا جائے تاکہ وقف نہ محض خیالی معلوم ہو نہ اس کا منشا واقف کے خاندان کے اقتدار میں اضافے کا ہو تو ایسا وقف جائز ہوگا خواہ بقیہ آمدنی واقف کی اولاد کے بسر اوقات میں کام میں لائی جائے۔ ایک دوسرا مقدمہ جس میں کہ وقف نامے کی رو سے اولا واقف کی اولاد اور اعزہ کے گذارے کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی اور ان کو سہارے کی ضرورت تھی وقف نامہ میں یہ اندراج کہ جائیداد کی موقوفہ آمدنی سے رقم فاضل خالصا مذہبی مقاصد پر صرف ہوگی ایسا وقف جائز قرار دیا گیا۔ اس اصول کے اطلاق کا انحصار منفرد ججوں کی افتاد طبع پر منحصر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا کس طرح عملاً نفاذ ہوگا۔

بمقدمہ محمد اسحٰق بنام روضہ رام سوامی چودھری میں جن آرا کا اظہار کیا گیا ہے وہی کم و بیش مابعد کے فیصلوں میں ظاہر کی گئی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم قانون وقف کا نفاذ ایک مشکل مسئلہ ہو گیا ہے اس لئے کہ اس کا مسلمہ قانون پر انحصار نہیں رہا ہے بلکہ انفرادی آراء پر جو قیاسی توجیہات پر مبنی ہیں۔

مثلاً بمقدمہ دیوکی پرساد بنام عنایت اللہ میں عدالت عالیہ الہ آباد نے طے کیا کہ اگر کسی واقف نے وقف نامہ میں اپنے رشتہ دار اور اولاد کے گذارے کا انتظام کیا ہے تو یہ وقف ناجائز نہیں ہے مگر ایک دوسرے مقدمے میں اسی عدالت نے یہ طے کیا کہ اگر کسی جائیداد کے منافع جو اغراض خیر کے لیے ہوں اور واقف کے خاندان کے گذارے کے لیے دائما ہوں اور جو اصلاً اغراض خیر کے لیے وقف نہ ہوں تو یہ ایک جائز اور صحیح وقف کے لیے کافی نہیں ہے۔ میں نے اوپر بتایا ہے کہ یہ نظریہ محض اس قیاس پہ مبنی ہے کہ ایک واقف کے اہل خاندان کے حق میں کوئی وقف جائز نہیں ہے اور یہ نظریہ

مسلم قانون کے سراسر خلاف ہے۔

ایک دوسرے مقدمہ میں جس کا پہلے اسی موقع کے دوسرے ضمن میں حوالہ دیا گیا ہے الہ آباد ہائی کورٹ نے طے کیا۔ اگر میں جسارتاً یہ کہوں کہ کسی مسلمان کے انتقال جائیداد کی بابت کہ وقف جائز ہے یا ناجائز واقف کی نیت کی توضیح بوقت وقف مروجہ طریقہ وقف کے مطابق ہونا چاہئے اور جوڈیشل کمیٹی کے منفصلہ مقدمات کے پیش نظر اگر جائیداد فی الاصل امور خیر کے لیے وقف کی جائے تو ایسا وقف جائز ہے۔

یہ مقدمہ محمد عزیزالدین احمد خان بنام منگل پریم ایک حنفی العقیدہ مسلمان نے (اگرچہ نظیر میں اسے سنی کہا گیا ہے) ایک دستاویز جس کی وقف نامہ کی نوعیت تھی تحریر اور رجسٹری کرادی مگر اس پر عمل نہیں کیا اور جائیداد مندرجہ وقف نامہ پر یوم وفات تک اس کا قبضہ رہا اور اس کے بعد اس کے دونوں لڑکوں کو وراثتاً منتقل ہوگئی۔ فاضل ججوں نے یہ طے کیا کہ ان حالات میں جائیداد متذکرہ دستاویز کا وقف جائز نہیں ہے۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سنی مسلمانوں کے قانون کے مطابق کسی وقف کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ جائیداد موقوفہ کے تصرف سے خود کو علیحدہ کردے۔ موخر الذکر شرط مسلمہ حنفی اصول کے خلاف ہے اس لئے واقف کی نیت کا تمام حالات گرد وپیش سے جائزہ لینا چاہئے محض یہ امر کہ واقف نے جائیداد موقوفہ کا قبضہ اپنے پاس رکھا جواز وقف پر اثر انداز نہ ہوگا۔

مقبرہ کی حفاظت کے لیے وقف

انگریزی قانون کے مطابق مقبرے کی حفاظت کے لیے وقف ناجائز ہے کیونکہ یہ دوامی اصول کے خلاف ہے۔ یہ اصول دراصل عدالت عالیہ مدراس نے طے کیا ہے جس نے کہ مسلم قانون کے تحت فیصل شدہ مقدمات میں واضح طور پر مقبروں۔ تربتوں۔ اور مزارات کی حفاظت کے لیے وقف کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مقدمہ محولہ میں ایک مسلم خاتون نے تحریری دستاویز کے ذریعہ اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اپنے خاندان کے مقبرے کے لیے وقف کی اور یومیہ۔ ماہانہ۔ سالانہ مصارف مثل روشنی۔ بخورات۔ پھول وغیرہ اور حفاظ اور دعا خوانوں کی تنخواہیں وغیرہ مقرر کیں۔ مزید براں متوفی کی

سالانہ مراسم فاتحہ نیز خود کے انتقال پر سالانہ فاتحہ کے لیے مصارف مقرر کئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ واقفہ نے مسلمانوں کے لیے سرائے بھی مقبرے کے لوازمات کے طور پر تعمیر کی تھی اور مراسم کی ادئیگی میں تفصیل خیرات اور مقبرہ پر روشنی راہ گیروں کے مفاد کے لیے لازما شامل تھی۔ مسلم قانون کے مطابق اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک قطعاً جائز وقف تھا لیکن عدالت عالیہ مدراس نے طے کیا کہ دستاویز وقف نامہ سے کوئی جائز وقف قائم نہیں ہوتا۔ یہ اصول دوام کے خلاف ہے اس لئے باطل ہے۔ بمقدمہ بی بی جان بنام کلب حسین سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سنی العقیدہ مسلم عورت نے کافی جائیداد ہائے خود کو امور مذہبی و خیر کے لیے راہ خدا میں وقف کر دیا اور اس کی آمدنی امور بابت مراسم پیدائش حضرت علی کرم اللہ وجہ اسلام کے خلیفہ چہارم مراسم محرم واقف کے خاندان کے افراد کی سالانہ مراسم فاتحہ تعزیہ داری اور امام باڑے کی مرمت کے لئے وقف کر دی۔ خاتون کے ورثا کا اس وقف کو نا جائز قرار دینے کے مقدمہ میں عدالت عالیہ الہ آباد نے طے کیا کہ وقف قیاسی نہ تھا بلکہ جن اغراض کے لیے وقف کیا گیا جائز تھا۔ فاضل ججان نے یہ بھی طے کیا کہ تعزیہ داری ایک مقدس و مذہبی رسم ہے جو کہ محض اہل شیعہ تک محدود نہیں ہے۔

باب ۱۱۔ مقاصد وقف (جاری)

فصل اول:۔ کسی کا اپنے بچوں اور آل کے حق میں وقف

اصول تعبیر

تمام فقہاء کے نزدیک جب کوئی واقف اپنی اولاد کے حق میں اور مروجہ عام شرائط یا (۳) تین نسلوں کے حوالہ سے وقف کرے تو وقف رہتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں کے لیے وقف ہے اور اصطلاحات ولد یا فرزندان استعمال کرے تو عام طور پر ان سے ہی مراد ہوگی۔ اور اس کی اولاد کے حق میں جب تک وہ قائم ہے وقف برقرار رہے گا۔ اور جب تک واقف کی اولاد میں سے ایک فرد بھی باقی ہے آمدنی کا کوئی جزو بھی غربا کو نہیں دیا جائے گا۔

اس طرح اگر وہ یہ کہے کہ یہ وقف میرے بچے کے لیے ہے اور میرے بچے کے بچے کے لیے اور اس کے بچے کے بچے کے بچے کے لیے (لفظ واحد) کا استعمال کرے مگر اس سے مراد نسل ہو اس طرح تین نسلوں کا حوالہ دے ایسی صورت میں آمدنی دائما جب تک کہ اولاد میں سے کوئی بھی زندہ ہے وقف اسکے ہی حق میں ہوگا۔ اور ان میں سے سب سے غریب، قریب اور زیادہ بعید سب برابر ہیں۔ تاوقتیکہ یہ صراحت نہ کرے کہ قریب قریب ہے یا یہ کہے کہ میرے بچے کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچے کے بچے کے حق میں یا یہ کہے بطناً بعد بطناً جب کہ ایک بار ان سے ابتداء کی جائے جن سے کہ واقف نے آغاز کیا تھا۔

اگر یہ کہے کہ میری یہ زمین وقف یا صدقہ میں موقوفہ میرے بچوں (اولاد) کے حق میں ہے اس میں بچوں کی عمومیت کے اعتبار سے تمام مابعد کی نسلیں شامل ہیں مگر یہ سب پہلی نسل سے متعلق ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی بچ رہے اور جب یہ بھی ختم ہو جائے تو دوسری نسل اور اسی طرح تیسری نسل اور چوتھی نسل و پانچویں نسل تک منتقل ہوتا رہے اور اس میں قریب تر اور بعید تر سب یکساں ہیں۔

بعینہ یہی کلیہ ان ہی شرائط کے ساتھ فتح القدیر میں ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ یہ میرے ولد کے لیے وقف ہے تو یہ اس کے برعکس ہوگا اور یہاں پر واحد استعمال کرے اور اگر یہ بھی کہے کہ میرے بچے کے بچے کے لیے بشرطیکہ وہ اپنا مفہوم دوسرے جملوں سے اس طرح واضح نہ کرے کہ خواہ یہ اصطلاح واحد کے لیے استعمال کی گئی ہے یا محض دو نسلوں کا حوالہ ہو تو یہ ٹھیک ہے۔ اس کا منشاء اپنی اولاد کو اپنی آمدنی دینے کا تھا جب تک وہ قائم رہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مزید ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میری یہ زمین میرے ولد کے لیے موقوفہ ہے تو اس کی آمدنی اس کے صلب کے بچوں کے لیے ہوگی اور اس میں مذکر اور مونث یکساں طور پر شریک ہوں گے اور جب تک کہ اس کے صلب سے ایک بھی بچہ رہے گا اس کو منافعہ ملے گا اور جب پہلی نسل سے کوئی بھی نہ رہے تو وہ آمدنی محض غربا پر صرف ہوگی اور بچوں کے بچوں کو نہ ملے گی لیکن اگر بوقت وقف اس کے صلب سے کوئی بھی بچہ نہ ہو اور اس وقت ایک ہی لڑکا تھا تو آمدنی اس بچہ کے بچہ کو ملے گی اور بعد میں آنے والی نسل کو ملے گی۔ لڑکے کے بچے ایسی صورت میں جب صلب سے کوئی بچہ ہو اس کی جگہ لے گا۔ مسلمہ احادیث کے مطابق لڑکی کا بچہ اسکے صلب سے کوئی بچہ ہو تو ذخیرہ کے مطابق آمدنی اس بچہ پر صرف ہونا چاہئے اور اگر پہلی اور دوسری نسلوں سے پھر بچے نہ ہوں بلکہ تیسری چوتھی اور اس سے بعد والی نسل میں ہوں تو محیط کے مطابق تیسری نسل بلکہ اس سے بعد والی بھی نسلیں خواہ کتنی ہی ہوں آمدنی سے حصہ پائیں گی۔

اس کے بعد وہ اہم عبارت ہے جس میں تمام اصول جو اس کے بچہ (مراد واقف کا بچہ) کے حق میں وقف کے سلسلہ میں بتائے گئے ہیں وہی اصول اس کے (مراد دیگر شخص) بچہ کے بچوں پر منطبق ہوتے ہیں۔

درالمختار میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص محض یہی کہے کہ اس کے ولد کے حق میں وقف ہے ایسی صورت میں لڑکی کے بچے شامل نہ ہونگے اس لئے کہ ولد سے مراد خود اس کے بچے ہیں۔ اگرچہ مروجہ اسلوب کے مطابق لڑکے کے بچے بھی اس میں شامل ہیں کہ وہ بھی واقف کی اولاد میں ہیں۔

لیکن لڑکی کے بچوں کے خارج ہونے کے سلسلے میں جب وہ دو نسلوں کا حوالہ

ہو وسیع اختلاف رائے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں بحوالہ محیط السرخسی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے موقوفہ ہے یا تو اس کے صلب سے بچے اور ان بچوں کے بچے جو یوم وقف موجود ہوں یا جو بعد میں پیدا ہوں شامل ہیں اور آمدنی سے دونوں ہی نسلیں استفادہ کر سکتی ہیں مگر نہ اس کے بعد پیدا ہونے والے بچے۔ عصر الروایات کے مطابق لڑکیوں کے بچے شامل ہیں اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

امام محمد کے مطابق اصطلاح ولد الولد یا بچہ کا بچہ یا بچوں کے بچوں میں لڑکی کے بچے بھی شامل ہیں۔ اور درالمختار میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ فاضل فقہاء مثل خصاف اور ابن ہمام کا خیال اس کے برعکس ہے یعنی ایسے وقف میں لڑکیوں کے بچے شامل نہ ہونے چاہئیں۔

دراصل خصاف کی رائے ان کی علیحدگی کے اصول کے بارہ میں ہے۔ ابو حنیفہ کے اس قول کے علاوہ جو وصیتوں کے متعلق ہے اور کوئی سند نہیں ہے۔ قاضی خان کا یہی قول ہے کہ خصاف نے بھی امام محمد کی رائے کے مطابق یہ طے کیا ہے کہ لڑکی کے بچے بھی وقف سے استفادہ میں شامل ہیں دوسرے موقع پر یہ اصول ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ (وقف) میری اولاد کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے ہے ان تمام صورتوں میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے۔

شیخ علی المقدس مصنف ''حاوی'' نے جن کا ۱۰۰۶ھ میں انتقال ہوا نے یہ کلیہ مقرر کیا کہ اگر کوئی اپنے ولد اور ولد کے ولد کے حق میں وقف کرے تو ایسی صورت میں ان کے بچے اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے۔

خصاف اور قاضی خان نے اس رائے کو اختیار کیا ہے۔

فتح القدیر کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے اور ولد کے ولد کے لیے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو اس میں اس کے صلب کے تمام بچے شامل ہیں اور اس میں لڑکے اور لڑکیوں کے بچے سب مساوی ہیں۔ ہلال اور خصاف کے نزدیک یہ اصول مسلمہ ہے اور قاضی خان نے بھی اسی اصول کو تسلیم کیا ہے۔

پس اس سے یہی مراد ہے کہ فتاویٰ عالمگیری میں بیان کردہ رائے محض ایک

ہی طبقہ کی نمائندہ رائے ہے۔ مگر خصاف کا اصول زیادہ مقتدر اور اہم حلقوں میں مسلمہ ہے۔ان اصولوں کو قاضی خان نے مختصراً اس طرح بتایا ہے۔

اگر کوئی اپنی زمین اپنے ولد (صلب) کے مفاد کے لیے اور مابعد غربا کے لیے وقف کرے اور وفات خود کا کوئی حوالہ نہ ہو تو فقیہ ابوالقاسم کے نزدیک اس کے تمام بچے مستفید ہوں گے اور ان کے بعد منافع غربا کو ملے گا اگر یہ کہے کہ یہ میرے ولد کے لیے اور ولد کے ولد کے لیے ہے اور ان کے بعد غربا کے لیے تو ابوالقاسم کے نزدیک یہ آمدنی واقف کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور واقف کے بچوں کے بچوں میں سے سب سے بعد والے بچے کے انتقال پر غربا کو ملے گی نہ کہ تیسری نسل کی اولاد کو اسکے بعد غربا پائیں گے لیکن تیسری نسل کی اولاد نہیں پاسکے گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے اور میرے ولد کے ولد کے ولد کے لیے اور میرے ولد کے ولد کے لیے اور اس طرح صریحاً یا تعبیراً تیسری نسل بھی شامل کردے تو وہ آمدنی دائماً اسکی اولاد کو جب تک کہ اس میں سے ایک بھی باقی ہے ملتی رہے گی اور غربا اس وقت تک آمدنی نہ پاسکیں گے جب تک کہ اولاد میں خواہ کتنی ہی بعید ہو کوئی بھی باقی ہے۔

جب واقف سلسلہ ہائے اولاد کا حوالہ دے ایسی صورت میں جب تک اولاد میں سے کوئی بھی باقی ہے مستفید ہوتی ہے اور اس کے منافع سے قریب و بعید یکساں مستفید ہونگے اگر واقف نے ترجیحاً قریب تر کے مستحق ہونے کی شرط نہیں رکھی ہے یا الفاظ سلسلہ بہ سلسلہ اگر واقف نے استعمال کئے بھی یا میرے بچوں اور ان کے بچوں کا حوالہ دیا ہے تو نسل کا آغاز واقف کی منشا کے مطابق سمجھا جائے گا۔

باالفاظ دیگر جب کوئی اپنے بچے یا ولد کے حق میں وقف کرتا ہے مگر اس کا حوالہ نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں بچے کی موت پر یہ آمدنی نسلوں کے مفاد میں کام آئے گی اور پہلی نسل کے ساقط ہونے پر یہ آمدنی غربا کے لیے ہوگی لیکن اگر اولاد فرزندان یا نسل اعقاب و اخلاف کا حوالہ ہو تو یہ اولاد ذکور اور اناث کیلئے وقف دائمی رہے گا اور جب بسبیل عام مسلسل نسلوں کے مستفید ہونے کا حوالہ ہو تو مزید کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر واقف سے مسلسل تین نسلوں کے مستفید ہونے کا ذکر ہے تو گویا اس کی

اولاد کے حق میں دائمی وقف کے مساوی ہے۔ ان میں سے جب تک کوئی زندہ ہے اسے مفاد ملتا رہے گا۔

بچوں کے حق میں وقف جو خاص طور پر نامزد ہوں

ایک وقف جو بچوں کے حق میں کیا جائے اور وہ نامزد ہوں۔

(A) کے حق میں کوئی وقف اور اس کے بعد بچوں کے حق اس میں ذکور اور اناث سب بچے شامل ہونگے اسی طرح اولاد کے حق میں وقف میں بھی ذکور اور اناث آجاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وقف میرے بچوں اوران کے بچوں کے بچوں کے لیے ہے تو بوقت وقف جو بھی زندہ ہوں یا مابعد پیدا ہوں اوران کے بچے اس سے سب استفادہ کر سکیں گے۔ ان بچوں کے بچے جو قبل از وقف انتقال کر گئے نہیں کر سکیں گے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ وقف میرے بچے یا بچوں کے لیے ہے اور میرے بچے کے بچے کے یا بچوں کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں کے لئے اوران کے بعد بچوں کے بچوں کے لیے ہے تو تشکیل وقف سے قبل جو انتقال کر گئے وہ اس میں شریک ہونگے اس لئے کہ الفاظ میرے بچوں کے بچوں سے مراد تمام بچوں کی اولاد ہے نہ کہ محض ان بچوں کے بچے جو تشکیل وقف پر اس میں منافع کے مستحق تھے۔

اپنی اولاد کے حق میں جواز وقف

یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ اصول اپنے کنبے یا اولاد کے جواز حق کے بارے میں ہے اور اس سلسلہ میں ہندوستان کی عدالتوں کے فیصلوں کا کوئی وزن نہیں ہے۔ اصلاً اصولوں کا اطلاق واقف کی نیت پر مبنی ہے جو اس کی مستعملہ عبارت سے مستنبط کیا جا سکے گا۔

جب ان الفاظ کے ساتھ کہ آئندہ پیدا ہونے والوں بچوں اور میری نسل کے لیے وقف ہے اور ان کی نسل میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس میں شامل رہے گا۔ لیکن الفاظ ان کی نسل استعمال کئے گئے ہیں تو خود واقف کے مابعد پیدا شدہ بچے اس میں شامل نہیں ہوں گے اگر واقف یہ کہے کہ میرے ولد کے لیے جو پیدا ہوں اور انکی نسل کے لیے اور اس کے بعد میرے اولاد کے لیے، جو پیدا ہوں تو اس کے مابعد پیدا شدہ بچے بھی استفادہ کریں گے خواہ

ان کے والدین مستفید نہ ہو سکیں اگر بچوں کے حق میں بلا حفاظت حق پس ماندگان وقف کی گئی ہے تو جو بچہ بھی مرتا جائے گا تو اس کا نفع غربا کو ملتا رہے گا۔

بچوں اور غربا کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص اپنے بچوں یا غربا کے حق میں وقف کرتا ہے تو یہ ظاہر ہے کہ واقف کی نیت یہ تھی کہ واقف کے بچوں کے حق میں جب تک کہ ان میں کوئی بھی زندہ ہو منافع جاری ہے اور محض ان کے معدوم ہونے کی صورت میں وقف غربا پر منتقل ہو گا لیکن جب ایک بچہ کا بھی انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ اس کے پس ماندگان کو یا اس کے بچہ کو جیسی بھی صورت ہو منتقل ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی بیوی یا بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے تو اس بیوی کی موت پر اس کا حق سب پر منتقل ہو گا تاوقتیکہ اس کے برعکس کوئی صریحاً شرط نہ ہو جس کی رو سے انتقال حق محض بیوی کے بچوں تک ہی محدود ہو۔

اگر لڑکوں یا دوسرے بھائیوں کے نام سے وقف کیا گیا ہے تو اس میں اناث بھی شامل ہوں گی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ وقف میری لڑکیوں کے لیے ہے اور اس کے صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ وقف تاوقتیکہ اسکے لڑکی پیدا نہ ہو غربا کے کام آئے گا یا یہ نہ بتایا جائے کہ محض لڑکیوں کا حوالہ غلطی سے تھا۔ بلکہ خواہ اس میں لڑکیوں کا ہی ذکر اور حوالہ ہے مگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہیں۔

اگر وقف عام طور پر اس طرح کیا جائے جس میں ذکور اور اناث ہر ایک کی بابت تخصیص نہ ہو تو مروجہ تناسب حصص دو لڑکے کے لیے اور ایک لڑکی کے لیے قائم رہے گا۔ لفظ نسل میں لڑکے لڑکی کے تمام اولاد شامل ہے۔

اعقاب اور اخلاف

لفظ اعقاب اور اخلاف میں واقف کی تمام آل اور اہل بیت معہ ان اشخاص کے شامل ہیں جو واقف سے باپ یا دادا یا کسی دوسرے مرد مورث سے رشتہ رکھتے ہیں۔ واقف کے قرابت دار اور ارحام اور انصار میں وہ سب شامل ہیں جو کہ متوفی سے بذریعہ مرد یا عورت مورث کے مطابق ہوں۔ اعلیٰ ترین مورث وہ شخص ہو گا جس نے اسلام قبول کیا ہو۔

اگر کوئی کہے یہ وقف میرے ولد یا میری نسل کے لیے دائماً ہے اور ان کے

انتقال کی صورت میں وہ حصہ بھی نسل کو ملے گا اور ایسی صورت میں تمام آمدنی واقف کے بچوں اور نسل میں تقسیم ہوگی اور جو ان میں سے مرگئے ہوں ان کے بچے حصہ پائیں گے۔

اگر کوئی اپنے بچوں کے حق میں وقف کرے اور ان کے گذارہ کا انتظام نہ کرتے ہوئے یہ قرار دے کہ ان میں سے کسی کی موت بھی ہونے پر اس کے بچوں کو حصہ ملے گا ایسا حصہ عام آمدنی میں شامل کردیا جائے گا اور اس منافعہ وقف کو سب استفادہ کنندگان میں تقسیم کردیا جائے گا۔

اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ اولاد میں سے کسی کے انتقال پر حصہ اس کی نسل میں کسی کو ملے تو متوفی کی اولاد کے تمام بچوں میں منتقل ہوگا بچوں میں سے کسی کے مرجانے پر اس کا بچہ یہ حصہ پائے گا۔ اگر متوفی اولاد پر حصہ منتقل ہونے کے سلسلہ میں کچھ نہ کہے یا یہ کہ اولاد کے انتقال پر اس کا حصہ کسی مورث اعلیٰ کو ملے گا اور ہر دو صنف سے کوئی باقی نہ ہو تو تمام آمدنی فی الوقت باقی ماندہ استفادہ کنندگان میں جو واقف کی اولاد میں ہو تقسیم کردی جائے گی۔ اور جب تک ان میں سے کوئی زندہ ہے غربا کو تقسیم نہیں ہوگی۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ اس کی اولاد میں سے کسی کے انتقال پر اس کا حصہ اس کی نسل کو ملے گا ایسی صورت میں متوفی اولاد کے تمام بچوں پر حصہ منتقل ہوگا اور بچوں میں سے کسی کے انتقال پر اس کے بچوں کو حصہ ملے گا۔ اگر متوفی اولاد کے حصہ کے بارہ میں کچھ نہ کہے تو اولاً متوفی کا حصہ اس کے مورث اعلیٰ کو ملے گا اگر ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو باقی ماندہ استفادہ کنندگان میں سردست واقف کی اولاد میں تقسیم کردی جائے گی۔ واقف کی نسل سے جب تک کہ کوئی زندہ ہے غربا کو نہیں ملی گی۔

اگر کوئی کہے کہ جب اس کی آل میں سے کوئی مرجائے تو اس کا حصہ آل میں سے دوسروں کو جو اس زمرہ میں ہوں ملے گا اور قریب تر کو بعید تر پر ترجیح ہوگی۔ اگر اس زمرہ میں کوئی نہ ہو تو حصہ عام آمدنی میں شامل کردیا جائے گا۔

تمثیلاً اگر کوئی شخص مرجائے اور پس ماندگان میں بہن اور چچا کے بچے چھوڑ جائے تو موخر الذکر کو اول الذکر پر ترجیح ہوگی خواہ ایک ہی زمرہ میں ہوں مگر رشتہ میں دور بھی اپنے بچوں کے حق میں حسب حصص قانونی اس شرط سے وقف کرکے کہ اناث کے بچے تاوقتیکہ بیوہ نہ ہوں حصہ نہ پائنگے اور بچوں کے بعد ان کے بچوں اور بچوں

کے بچوں کے لیے وقف ہوگا۔ اگر ان میں کوئی بھی بچوں کو چھوڑ کر مر جائے تو اس شرط کے مطابق ان کے بچوں کو حصہ ملے گا اور مندرجہ بالا شرط سبھی پر لاگو ہوگی۔

فرزند میں لڑکیاں بھی شامل ہیں

اگر کوئی کہے کہ یہ وقف میرے بچوں کے لیے ہے اور اس کی لڑکیاں اس وقت حیات ہوں تو وہ بھی حصہ پائیں گی اس لئے کہ کسی کے لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو صنف مذکر ہی استعمال ہوتی ہے خواہ تمام بچے لڑکیاں ہی ہوں۔

جب عملی طور پر تذکیر کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس میں تانیث بھی شامل ہوتی ہے اگر کوئی اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بعد بچوں کے لیے وقف کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شرط کرے نسلاً بعد نسل اور ان میں سے کوئی بھی بچے چھوڑ کر مر جائے تو اس کا حصہ اس کے بچوں کو ملے گا اگر مختص آمدنی (کرائے میں حصہ کے مقرر ہونے) سے پہلے مر جائے اور اپنے بعد ایک بچہ چھوڑ جائے تو موخرالذکر کو حصہ ملے گا وہ اپنے اور اپنے والدین کے منافعوں میں حصہ کا مستحق ہوگا۔

اگر واقف اپنے پس ماندگان میں کئی بچے چھوڑ کر مر جائے تو A کا حصہ واقف کی مقررہ شرائط کے مطابق A کے بچوں کو ملے گا اگر بالفرض B کا انتقال ہو جائے اور وہ کئی بچے اور پہلے کے انتقال ہونے والے بچوں کے بچے چھوڑ جائے تو کیا اس کے بچوں کے ساتھ اس کے پوتے بھی حصہ پانے کے مستحق ہوں گے؟ مصنف وبکی نے اس کا جواب نفی میں دیا ہے اسکی رائے میں B کا حصہ کلیتاً اسکے بچوں کو ملنا چاہیے نہ کہ پوتوں کو۔

احناف میں یہ مسئلہ مختلف ہے ان کی رائے میں پہلے سلسلہ کے آخری پس ماندہ افراد یعنی واقف کے بچوں کے بچوں کے انتقال پر یہ اصول عائد نہ ہوگا۔ یعنی واقف کا آخری پس ماندہ بچہ مر جائے تو اس کا حصہ یہ بچے نہیں پائیں گے بلکہ اس کی کل آمدنی واقف کے پوتہ پوتی یعنی دوسرے طبقہ کے افراد میں تقسیم کر دی جائے گی اور ان پر بھی پہلے والوں کا یہی اصول لاگو ہوگا یعنی ایک (گروپ) نسل کے بچوں کا حصہ اس کے بچوں کو ملے گا تاوقتیکہ اس کی نسل ختم نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں تیسرے گروپ کے افراد کی تعداد کے مطابق حصہ تقسیم ہوگا۔ خصاف کے مطابق اس لئے ہر طبقے کے ممبران حصہ پائیں

گے۔ اس کی رائے میں جیسے جیسے ہر طبقے کے ممبران انتقال کرتے جائیں گے ان کے حصص بھی ہر بچے پر علی الترتیب منتقل ہوتے رہیں گے۔

جلال الدین سیوطی کی رائے خصاف کی رائے سے مختلف ہے۔ اس کی رائے میں جب کسی ایک طبقے کے فرد کا انتقال ہو جائے اور متوفی بچے کے بچے ہوں تو بچوں کے حصے ان کے دادا کے حصے میں یعنی پوتے اپنے والدین کا حصہ با نسل پائیں گے۔

مصنف انباء و سبکی سے متفق ہے تمام مجددین نے ان کی پیروی کی ہے نتیجہ یہ ہے۔ جب لاحقہ (دادا) دو سطروں کے درمیان استعمال ہوتا ہے تو ہر سطر کے معدوم ہونے پر مکرر تقسیم شروع ہوتی ہے اور اسی نظریہ کو شافعی فقہاء کی اکثریت اور بعض حنفی فقہاء نے اپنایا ہے۔ اس طرح بالاتفاق رائے جب کوئی اپنے باپ کے حین حیات انتقال کر جائے اور ایک بچہ چھوڑ جائے تو وہ بچہ اپنے باپ کا حصہ اپنے دادا سے پائے گا لیکن چچا کے حصے میں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اولاد ذکور کے حق میں وقف

اگر کوئی اولاد ذکور کے حق میں وقف کرتا ہے تو اس میں لڑکی کے بچے اس وقت تک شامل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ بچے ان خاندانوں کی اولاد میں نہ ہوں جو کہ واقف کی اولاد ذکور سے ہیں۔ اگر کوئی عورت اپنے اہل بیت یا اپنی جنس کے حق میں وقف کرتی ہے تو اس کے بچے اس وقت تک شامل نہ ہونگے جب تک اس کا خاوند اسی گروپ میں رہتا ہے۔

اصول

اگر کوئی اپنے یا کسی دوسرے شخص کی اولاد کے لیے وقف کرتا ہے اور اس ترتیب کا جس سے وہ وقف سے منافع اندوز ہوں ذکر نہیں کرتا تو اس سے قریب و بعید بقدر مساوی مستفید ہوں گے۔

بالفاظ دیگر تقسیم بالراست ہوگی مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں یہ وقف زید کی اولاد کے حق میں دواماً کرتا ہوں اس صورت میں جب تک زید کی نسل میں سے کوئی بھی باقی رہے گا تو زید کے بچے اور بچوں کے بچے اسکے بقدر مساوی مستحق ہونگے اور لڑکے لڑکی کے بچوں میں کوئی امتیاز نہ ہوگا اور وہ برابر برابر حصہ پائیں گے۔

یہ اصول اس وقت لاگو ہوتا ہے جب کہ جانشینی کی ترتیب بحوالہ بطن نہ دی گئی ہو اور نہ سلسلہ نسل دیا گیا ہو تو بطناً بعد بطناً کے حوالہ سے کرایہ اور منافع تمام اولاد میں خواہ وہ ذکور ہو یا اناث اور بوقت تقسیم زندہ ہوں دیدیا جائے گا۔

اسی طرح قریب وبعید وقف میں شامل ہوتا جائے گا اور اس کا استفادہ تقسیم کنندگان میں جو اس وقت زندہ ہوں تقسیم کر دیا جائے گا اور اگر ترتیب نسل کا حوالہ ہے یعنی وقف نسلاً بعد نسل یا بطناً بعد بطن اولاد کے حق میں ہے ایسی صورت میں اول قریب ترین نسل پھر مابعد نسل مستفید ہوگی۔

شمولیت اناث

اگر کوئی اپنے اقربا یا اپنے کے بھائیوں کے حق میں وقف کرے تو اس میں اناث بھی شامل ہوں گی اگر کسی کے ولد کے حق میں وقف ہے اور مابعد غربا کے حق میں تو وہ بچہ جو بوقت حصول آمدنی موجود ہو تو وہ بھی آمدنی کے منافع میں شامل ہوں گے خواہ وہ بوقت تشکیل وقف پیدا ہوا ہو یا اس کے بعد۔

اسی طرح اگر الفاظ اس طرح ہوں کہ میرے بچے کے لیے یا میرے دوسرے بچے کے لیے وقف ہے اگر دونوں نہ رہیں تو غربا کے لیے ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق ان الفاظ سے وقف جائز ہے اور آمدنی غربا میں تقسیم کر دینا چاہئے اور اگر بعد تقسیم واقف کے بچہ ہو تو مابعد آمدنی جب تک وہ بچہ زندہ رہے اس پر صرف ہوگی۔ لیکن اگر کوئی بچہ نہ ہو تو غربا پر تقسیم ہوگی۔

بچے جن کی ولدیت معلوم وقف میں شامل ہیں

جب وقف ایک شخص کی اولاد کے حق میں کیا جائے تو صرف ان بچوں کا حق ہوتا ہے جن کا نسب اور ولدیت معلوم ہو اور اگر کوئی ایسا بچہ ہے کہ جس کا نسب صرف واقف کو ہی معلوم ہو تو ایسا بچہ حصہ نہیں پائے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا ہے اور بوقت آمدنی ایک ہی بچہ ہو تو نصف بچہ کو دی جائے گی اور نصف غربا کو لیکن اگر الفاظ یہ ہوں "میرے بچے کو" تو تمام وقف بچے کے لیے ہوگا خواہ اس کے کئی بچے ہوں

لیکن ان میں ایک بچہ (لڑکا) ہو۔

باقی ماندہ کے لیے حق مخصوص

شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل کا قول ہے کہ جب کوئی دو بچوں کے حق میں وقف کرے اور ان دونوں کے انتقال کی صورت میں ان کے بچوں کے حق میں وقف ہو تو ان میں سے ایک کے انتقال پر جو بچے چھوڑ جائے تو اس کے حصے کا منافع اس وقت تک غربا کو دیا جائے گا جب تک کہ واقف کا دوسرا بچہ بھی نہ مر جائے۔ ایسی صورت میں تمام منافع پوتوں کو ملے گا بشرطیکہ واقف نے یہ شرط نہ کی ہو کہ قریب ترین استفادہ کرنے والوں میں سے ایک کی موت پر آمدنی متوفی کے باقی ماندہ بچوں کے ملے گی اور ایسا ہی فتاوئ عالمگیری میں آیا ہے۔

اصول

جب کوئی شخص زمین اولاد کے حق میں وقف کرے اور انجام کار یہ استفادہ غربا کے لیے ہو تو ہر استفادہ کنندگان کی موت پر بقیہ کو ملے گا اور ان سب کے معدوم ہونے پر ہی استفادہ غربا کو ملے گا جب تک کہ اولاد میں سے ایک بھی باقی ہے غربا کو نہیں ملے گا۔

جب کسی شخص نے وقف اپنے لڑکے اور اس کے بچے اور بچوں کے بچوں لئے دوامًا کیا ہو جب تک اس کی اولاد زندہ ہے تو بقول ابو القاسم واقف کے بچوں میں آمدنی بالراست تقسیم ہوگی اور ذکور اور اناث مساویانہ حصہ لیں گے اور جب ان سے لڑکیوں کے بچوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی مستحق ہوں گے اس لئے کہ وہ اولاد کی اولاد ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین اولاد کے لیے وقف ہے اس میں لفظ اولاد کی عام اصطلاح سے تمام آنے والی نسل شامل ہوگی مگر تمام سے مراد پہلی نسل ہے جب وہ بھی ختم ہو جائے تو دوسری نسل سے مراد ہے اور اس کے ختم ہونے پر دوسری تیسری چوتھی پانچویں نسل مراد ہے جب تمام نسلیں تقسیم میں شریک ہوں تو اس میں قریب اور بعید ترسب ہی حصہ لینے والی ہیں۔ اگر وہ کہے آمدنی وقف نصف بچہ کے لیے اور نصف غربا کے

لیے ہے اور اس کے ایک بچہ ہو تو یہ وقف اس کے لیے ہی ہوگا اور اگر اسکے کئی بچے ہوں اور سب لاولد انتقال کر جائیں سوائے ایک کے بچے کے۔

اگر ان الفاظ کے ساتھ کوئی وقف کرتا ہے کہ یہ وقف میرے دو بچوں کے لیے کرتا ہوں اور جب یہ نہ رہیں تو بچوں کے لیے ہے جب تک انکی کوئی اولاد قائم رہے اور اگر ان میں سے ایک کا بچہ ایک بچہ چھوڑ کر مر جائے تو نصف آمدنی پس ماندہ بچے پر اور نصف غربا پر صرف ہو گی۔

لیکن جب واقف کے دوسرے بچے کے بچے بھی مر جائیں تو تمام آمدنی دونوں لیں گے اور ان کے بچوں کے بچوں پر صرف ہو گی اور یہ جائیداد میرے حاجت مندوں کے لئے صدقہ موقوفہ ہو گی اور ان میں سے صرف ضرورت مند ایک ہی بچہ ہو تو آمدنی کا نصف حصہ اس پر اور بقیہ نصف حصہ غربا پر تقسیم ہو گا۔

ان تمام تمثیلوں میں اصل امر واقف کی نیت ہے اگر اس کی نیت کئی بچوں کو فائدہ پہنچانے کی ہے اور اس کے صرف ایک بچہ ہے تو اسے صرف نصف آمدنی ملے گی اگر اس کی یہ منشا ہو کہ اس کے بچے اصلاً استفادہ کنندگان ہوں تو تمام منافع ایک ہی بچے کو ملے گا۔

اس موضوع کے متعلق یہ ذہن نشین رہے کہ غایت وقف رواج پر منحصر ہے اگر کوئی اپنے بچے اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہے اور مابعد ان میں سے جو بھی زندہ رہے تمام منافع حاصل کرتا رہے تو اس کی اولاد مستفید ہو گی خواہ وہ ایک ہی ہو۔

اگر کوئی اپنی نسل یا ذریات کے لیے وقف کرے تو اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے سب بچے بھی مستفید ہونگے خواہ وہ قریب ہو یا بعید۔

بمقدمہ شیخ فہیم الدین بنام نواب میر عالم عدالت عالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ اصطلاح احفاد وسیع ترین و عام ترین مفہوم کی حامل ہے اور اس میں اولاد ذکور اور اناث دونوں شامل ہیں۔

جب ایسا شخص جو مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو وقف تو آمدنی تمام استفادہ کنندگان میں بلا امتیاز صنف تقسیم کر دی جائے گی اور یک جدی اور ہم خون برادران بھی حصہ لیں گے۔

وقف کی آمدنی کے تقاسمے کے متعلق اصول

جب بچوں کے لیے وقف کیا جائے تو ان میں حسب قول ابو یوسف مساویانہ تقاسمہ ہونا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ وقف نامہ میں کوئی ایسی شرط کہ ایک بچے کو دوسرے بچے سے زیادہ یا لڑکی کو لڑکے کی نسبت زیادہ دیا جائے مکروہ ہے ایسا ہی قبل میں آیا ہے اور یہی مشہور فقہاء کی رائے ہے۔

شیخ نور الدین مقدسی مفتی قاہرہ اور شیخ الاسلام طحطاوی شافعی مفتی مصر نے اسی کے مطابق فتوے دئے ہیں۔ بالالفاظ دیگر ایک واقف کسی طبقے کے لیے وقف کرے تو اس طبقے کے افراد مساویانہ حصہ پائیں گے خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثلاً اگر کوئی وقف بھائیوں کے لیے ہو تو ہم خون ہم جدی بھائی شرعاً قانون توریث کے مطابق ان کو حصہ ملے گا۔ بعینہٖ اگر کوئی کہے کہ وقف سے منافع ان رشتہ داروں کو ملے گا جو کہ رشتے میں اس سے قریب ترین ہوں اگر اس کا چچا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑ کر مرجاتا ہے تو آمدنی سے ذکور اور اناث کو مساوی حصہ ملے گا۔ اصطلاح فامر اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قانون وراثت کے مطابق ان کے حصے کے تقسیم ہوں بلکہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق کسی کو ترجیح نہ ہونا چاہئے پس تمام موہوب الیہم کو مساوی حصہ ملے گا۔

جب کوئی A کے حق میں وقف کرتا ہے اس توقع پر کہ لڑکے باہر رہتے ہیں اور اس کے بعد شہر یا ملک کی رہائش ترک دیتے ہیں تو اپنے حق سے محروم ہوتے تو اس ملک میں واپس آنے پر ان کو حق نہیں ملتا پس اسی طرح A کے بچوں کے حق میں وقف کیا جاتا ہے جو کہ علم کے حصول میں مصروف ہیں اور اس کے بعد تعلیم ترک کر دیتے ہیں تو اس وقف میں ان کا تمام مفاد ختم ہو جاتا ہے تاوقتیکہ واقف نے ہی ایسی صورتوں میں پہلے سے ہی یہ طے نہ کیا ہو کہ واپس ہونے پر استفادہ کر سکیں گے۔

استفادہ کنندگان تقاسمے کے مستحق نہیں ہیں

جب کوئی دو یا زیادہ کے لیے وقف کرے تو وہ اپنی جائیداد موقوفہ کا حصہ رسدی تقاسمہ نہیں کرا سکتے۔ البتہ متولی مجاز ہے کہ شرائط وقف کے مطابق یہ ایسی سبیل کر دے جس میں آراضی وقف کی کاشت اور حدود وقف کی نگرانی شامل ہو۔

جب کوئی وقف کسی کے بچوں کے لیے اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کے لیے کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ ہلال کی رائے میں بچوں کے بچے خواہ بوقت وقف نہ ہوں مگر اس سے استفادہ کر سکیں گے بشرطیکہ اس سے منافع حاصل ہو۔ یہ اصول مسلمہ فقہاء بلخ ہے۔ پس اگر کوئی بچوں اور پوتوں کے لیے وقف کرتا ہے تو وہ قابل وصول آمدنی میں شریک ہوں گے۔

واقف کی نسل کے حق میں وقف جائز ہے

جب واقف کے بچے اور بچے کی نسل کے لیے وقف ہو تو حسب فتاویٰ عالمگیری وہ جائز ہے۔

اس میں بچے او ر بچوں کے ذکور واناث بچے شامل ہیں اور اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے قریب وبعید و آزاد و غلام مساوی ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ میں نے اپنے بچے اور بچے کی نسل کے لیے وقف کیا ہے تو اس کا نواسہ اور بعد وقف اس کے صلب سے پیدا شدہ بچہ دونوں وقف میں شامل ہونگے اگر کوئی اپنے حاضر الوقت بچوں اور نسل کے لیے صدقہ موقوفہ بتائے تو حسب فتاویٰ قاضی خان نسل اس میں شامل ہو گی۔ اگر وہ آراضی کو اپنے بچوں اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں پر برابر صدقہ موقوفہ بنائے تو موہوبہ بچے اور نسل موجودہ ہے پس اسی طرح اپنے حاضر الوقت بچوں کے بچوں کے لیے جو موجود ہوں اور اس کے صلب سے جو بعد میں پیدا ہوں کے لیے وقف کرے تو اس میں موخرالذکر شامل ہوں گے اور اگر کوئی اپنی حاضر الوقت بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں اور ان کی نسل سے جو بچے ہوں اور ان بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہے تو ایسی صورت میں ان بچوں کی اولاد میں کوئی بھی ہو وہ شامل ہوں گے۔

اصول مکرر یہ کہ اگر مرض الموت میں مبتلا یہ کہے کہ یہ میری زمین میں نے دائماً خوشنودی خداوندی کے لیے وقف کی ہے میرے بچوں اور بچوں کے لئے اور دائماً نسل کے لیے تو قیام نسل تک جو بچہ بوقت وقف تھا اور وہ بچے جو مابعد وقف قبل از آمدنی پیدا ہوئے مگر انہی بچوں کا بچہ دائماً مفاد وقف میں شریک ہوگا۔ اگر ان میں سے

کوئی قبل وصولی پیداوار انتقال کر جائے تو متوفی کا حصہ ساقط ہو گا۔ اگر وصولی پیداوار تک اس کی موت واقع نہ ہو تو متوفی کا بھی حق ہو گا۔ جو اس کے ورثاء پر منتقل ہو جائے گا اور قریب بعید نسل والے مساویانہ شریک ہونگے تاوقتیکہ بوقتِ وقف یہ توضیح نہ ہو کہ ابتداء نسل قریب سے ہو گی بعد میں نسل بعید کا نمبر آئے گا اس صورت میں اگر نسل قریب کے تمام افراد سوائے ایک کے انتقال بھی کر جائیں تب بھی یہ ایک نسل بعید کے تمام افراد کو محروم کرے گا۔

اگر کوئی الفاظ "بطناً بعد بطنٍ" نہ کہہ کر صرف میرے اور بچے کے بچے کے لیے جب تک کہ نسل باقی ہے کہے لیکن یہ اضافہ کرے اس صورت میں جب بھی کوئی مر جائے تو اس کا حصہ آمدنی اس کے بچے پائیں گے اور آمدنی ان میں سے کسی ایک کے انتقال سے پہلے تمام بچوں اور بچوں کے بچوں اور نسل پر مساویانہ تقسیم ہو گی اور اگر ان میں سے کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو متوفی کا حصہ اس کا بچہ پائے گا اس طرح وہ اپنے باپ کا حصہ بھی پا سکے گا جو واقف نے اپنے لئے مقرر کرایا تھا۔

پس یہ ظاہر ہے کہ جب ولد اور نسل کے حق میں وقف ہو تو صرف ایک ہی بچے کا بچہ ہوتا ہے مگر مابعد واقف کے ایک اور بچہ ہونے پر دونوں ہی اس میں شریک ہو جائیں گے اسی طرح اگر کوئی اپنی موجود الوقت اولاد اور نسل کے لیے وقف کرے تو مابعد پیدا ہونے والے بچے بھی استفادہ کر سکیں گے۔

اصول

جب کوئی بچوں کے لیے وقف کرے ایسی صورت میں محض وہی بچے جو بوقت وقف صغر سن تھے مستحق ہونگے۔ بچپن ایک ایسی صفت ہے جو ختم ہو کر کبھی واپس نہیں آئے گی اور اس لئے بچوں کو نامزد کرنا ان کے حق میں مختص کرنے کے مساوی ہے۔ اگر وقف بچے کے لیے کیا جائے اور واقف کا دوسرا بچہ آمدنی وقف موصول ہونے کے چھ ماہ بعد پیدا ہو تو مؤخر الذکر بھی اولاد اول الذکر کے ساتھ آمدنی میں شریک ہو گا۔

(ا) اگر بچہ چھ مہینے بعد پیدا ہو تو وہ اول الذکر کے ساتھ آمدنی میں شریک نہ ہو گا اس لئے کہ حسب قیاس بوقت حصول آمدنی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر کوئی اپنے بچے کے

لیے جبکہ وہ پیدا نہ ہو وقف کرے تو یہ آمدنی غربا ہی پائیں گے مابعد آمدنی بچوں کو ملے گی۔

غربا کے حق میں وقف کو کس طرح استعمال کیا جائے

جب وقف غربا کے لیے ہو تو یہ آمدنی کس طرح صرف کی جائے بقول ناتکی پہلے غریب اولاد اور پھر ایسے اس کے اعزہ پر اور پھر آزاد غلاموں پر اس کے بعد پڑوسیوں پھر اس شہر کے اس حصے کے باشندوں کو جہاں واقف کے اقربا رہتے تھے بوقت تقسیم پڑوسیوں میں غربا اور بچے بھی شامل ہوں گے۔

اگر کوئی فلاں فلاں کو نامزد کرتے ہوئے او راس کے بچوں کے لیے وقف کرے مگر نامزدگان قبول نہ کریں تو اس سے بچوں کے حق پر خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ کوئی اثر نہ ہوگا۔

فصل دوم:۔ واقف کے اقربا کے حق میں وقف

واقف کے الحبین اور اہل البیت میں وہ اشخاص شامل ہیں جو کہ باپ دادا یا کسی مورث ذکور کی وجہ سے واقف کے رشتہ دار ہوں اور قرابت دار ذو قرابت ارحام وانساب میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا متوفی سے کسی مورث مرد یا عورت کے ذریعہ رشتہ ہو۔ سلسلہ کا اصل ترین مورث وہی ہوگا جو سب سے قبل مشرف بہ اسلام ہوا ہو۔

ابو یوسف وابو محمد کی رائے میں قرابت سے ہر وہ شخص مراد ہے جن کا مشترک مورث کے ذریعہ تعلق ہوا اور جو اسلام میں سب سے پہلے باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے داخل ہوا ہو۔ خواہ وہ رشتہ ازدواج میں ہو یا نہ ہو اور اس سلسلہ میں قریب و بعید یکساں ہیں اور خواہ لفظ واحد استعمال ہوا ہو یا جمع۔

ابو حنیفہ کے مطابق جب وقف واحد کے لیے کیا جائے۔ مثلاً الفاظ میرا قریب یا میرا قرابت دار۔ اس سے مراد رشتے مانع ازدواج میں قریب ترین رشتے دار ہے جو مفاد وقف میں شامل ہے لیکن اگر وقف جمع میں ہے مثلاً میرے قریبی رشتہ دار یا میرے اقربا اس میں دو یا دو سے زیادہ شامل ہوں گے۔ بقول بعض بعید ترین مورث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے سب سے اول اسلام قبول کیا مگر بعض کے نزدیک بعید ترین سے وہ شخص مراد ہے جس نے

اسلام کے نافذ ہونے پر اسلام قبول کیا ہو اور اس وقت وہ موجود تھا۔ اس موضوع پر صاحبین کی رائے مسلمہ قانون ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے اقربا یا میرے اہل بیت کے لیے وقف ہے تو صاحبین کے نزدیک اگر ان میں سے ایک بھی موجود ہو تو وقف موثر ہوگا۔

نادار ی وہ ہے جو تقسیم کے وقت ہو

جب کوئی اپنے غریب نادار رشتہ داروں کے لیے وقف کرے تو بوقت تقسیم آمدنی ناداری دیکھی جائے گی مگر گیرندہ اس آمدنی کا وہ ہوگا جو قانوناً ایسے رشتہ میں منسلک نہ ہو کہ اس پر پرورش کی ذمہ داری عائد ہوگئی ہو مثلاً خاوند یا باپ یا دوسرا شخص جس پر کہ ایسا فرض عائد ہوتا ہو۔

اصول

جب وقف بچوں یا رشتہ داروں کے لیے کیا جائے تو اگر وہ سب آمدنی وصول ہونے کے وقت موجود ہیں تو حصہ کے مستحق ہونگے خواہ بعد وقف ہی پیدا ہوئے ہوں۔

اصول جو اس کے اقربا یا ذوالقرباء کے بارے میں ہے وہی ارحام ذوی الارحام انساب اور ذول الاانساب پر لاگو ہوں گے۔ ان سب اصطلاحات کا ایک ہی مفہوم ہے۔

جب کوئی جائیداد کو اپنے اقربا غریبوں اور اپنے بچوں کے بعد غریبوں اور ان کے بعد ناداروں کے لیے وقف کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ مستحق اشخاص وہ ہیں جو آمدنی موصول ہونے کے وقت غریب تھے۔ بلال کے مطابق ہم بھی اس سے متفق ہیں اور یہی فتویٰ ہے۔ اسی طرح وقف میں بجائے لفظ قریب اگر میرے رشتہ داراوں میں نادار اور حاجت مند کے الفاظ اور اس کے بعد غربا کے الفاظ استعمال ہوں بشرطیکہ وہ ایک غریب لڑکا چھوڑ کر مر جائیں تو ابو یوسف کی رائے میں وہ لڑکا اقربا میں شامل ہوگا اور یہی صحیح ہے جب کسی دوسرے شہر میں جہاں وہ واقف رہتا ہو اس کے اقربا ہوں اس کو وہ آمدنی نہیں دی جائے گی بلکہ اس کے ان کے شہر والوں پر ہی تقسیم ہوگی۔ لیکن اگر منتظم دوسرے شہر والوں کو بھی کچھ رقم دیدے تو وہ بددیانتی کا مرتکب نہیں ہوگا۔

لفظ صالح کا مفہوم

(۱) صالح اشخاص میں وہ شامل ہیں جو کہ پاکباز ہوں اور جن کی پاکبازی شبہ سے بالا تر ہو، ان کے خلاف نہ کوئی تہمت ہے اور وہ ایمانداری پر قائم ہیں اور نہ بدزبانی کرتے ہیں اور نہ شراب پیتے ہیں نہ عورتوں کے لیے فحش الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ دیانت دار اور راست باز ہیں۔ یہی راست باز اور صالح ہیں۔

نوع انسانی میں قریب ترین کے حق میں وقف

اگر کوئی ان لوگوں کے لیے وقف کرے جو کہ نوع انسانی میں اس سے قریب ترین ہوں اور ان کے بعد غربا کے لیے تو اگر اس کے ایک بچہ وماں یا ایک باپ وماں ہے تو آمدنی اولاً غریب بچے کو ملے گی خواہ وہ اناث میں ہو اس لئے کہ بچہ واقف سے قریب ترین ہے اور بچے کے بعد غربا پائیں گے مگر والدین نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ واقف نے قریب ترین کو اور اس کے بعد قریب ترین کو درج نہیں کیا تھا۔ اگر واقف کے کوئی بچہ نہیں ہے اور محض والدین ہیں تو آمدنی ان کو مساویانہ ملے گی۔ اگر واقف کے پس ماندگان میں اور ہیں تو کل آمدنی ماں کو ملے گی اگر پس ماندگان میں اس کے چچا ماموں اور بھائی ہیں تو تمام آمدنی اس کے بھائیوں کو ملے گی۔

اگر واقف کے کوئی نواسی یا پرپوتہ ہے تو نواسی قریب ترین ہونے کی وجہ سے وہ تمام مفاد کی مستحق ہوگی۔

اگر کوئی اپنے قرابت داروں میں قریب ترین کے لیے وقف کرے تو اس کے والدین اور بچے حصہ نہیں پائیں گے اس لئے کہ وہ قرابت کی اصطلاح میں نہیں آتے۔

اگر کوئی اپنے اقارب کے حق میں اس شرط پر وقف کرے کہ تقسیم نساب یا قرابت سے شروع ہوگی اور اس کے بعد جو بھی قریب ترین ہوں اگر واقف کے دو بھائی بہن ہوں تو تقسیم بھائی اور بہنوں سے شروع ہوگی اور اس کے بعد قرابت داروں سے اگر ان میں کوئی ایک تو حسب ابو حنیفہ مؤخر الذکر پہلے حصہ لیں گے مگر صاحبین کے نزدیک مساویانہ حصہ لیں گے اس طرح ایک حقیقی چچا ماں اور بہن پر قابل ترجیح ہے، ایک حقیقی چچا اور چچی ماموں یا مومانی پر قابل ترجیح ہیں یہ ابو حنیفہ کی رائے ہے اور صاحبین کے نزدیک برابر کے

حصہ دار ہیں مگر ان دونوں صورتوں میں صاحبین کے اقوال قانون سمجھے جاتے ہیں۔

یہی اصول اصل کی اولاد پر لاگو ہوتا ہے اس عمل کو ذہن میں رکھتے ہوئے بقول صاحبین اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تعلق ذکور یا اناث کی طرف سے ہو یا باپ و ماں کی طرف سے۔

لفظ قریب محض قرابت تک ہی محدود نہیں ہے پس کوئی بھی شخص میرے قرابت داروں کے قریب ترین کے لیے وقف کہنے کے بجائے کہے کہ وقف تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ قریب ترین کے لیے ہے اور اس میں قرابت دار اور غیر قرابت دار بلکہ والدین اور بچے بھی شامل ہونگے۔

اگر کوئی اپنے بچوں کے لیے وقف کرے اور ان میں سے کسی کے مرنے پر اس کا مابعد قریب تر کو بعید تر پر ترجیح دے اور اگر واقف کے بچے اور چچا کی بھی اولاد ہو تو متوفی استفادہ کنندہ کا حصہ واقف کی چچا کی اولاد پائے گی نہ کہ واقف کی بہن کے بچے مگر یہ اس جزیہ کے فتویٰ کے برعکس ہے جہاں واقف کی بہن کے بچوں کو ترجیح دی گئی ہے۔

اگر کوئی اپنے قرابت دار یا ذوی القربا کے لیے جائز وقف کرے تو اناث کو ذکور پر ترجیح نہیں ہوتی۔ زیادت میں آیا ہے کہ دادی اور پوتہ پوتے مفاد وقف میں شریک ہوں گے لیکن بیوی قرابت دار یا اقربا میں شامل نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو قریب ترین اعزہ کے لیے وقف کرے اور بہن اور اس کی نواسی کی لڑکی موجود ہو تو وقف اس لڑکی کے لیے ہوگا کیوں کہ وہ واقف سے اس کی اولاد میں قریب ترین ہیں خواہ ویسے کتنے ہی بعید ہیں وقفمو خر الذکر کے لیے رہے گا۔

جب وقف غریب رشتہ دار کے لیے ہو اور وہ بہت نادار حالات میں ہو تو وہی تمام حصہ پائے گا اور یہ مسئلہ کہ کون نادار ہے اور کون نہیں ہے فتویٰ عالمگیری میں اس اصول کو واضح کیا ہے۔

نادری کے متعلق عالمگیری کا معیار

مسلمہ اصول یہ ہے کہ تمام وہ اشخاص جو زکوۃ کے جائز مستحق ہوں یا نادار ہوں ان کو اغراض وقف کے لیے بھی نادار سمجھنا چاہئے۔ ایک غریب شخص جس کے پاس

شخص سکونتی مکان ہو اور ایک ملازم (غلام) بھی ہو اسے نادار ہی کہا جائے گا اور وہ زکوٰۃ پانے کا مستحق بھی ہوگا۔ اسی طرح وہ وقف کا منافعہ پانے کے لیے بھی نادار سمجھا جائے گا۔ مزید یہ کہ اسکے پاس کافی کپڑے ہوں مگر کوئی فاضل شئے نہ ہو مثلاً گھر کے فرنیچر جو کہ علیحدہ نہ کیا جاسکتا ہو۔

اگر اس کے پاس کپڑے اور فرنیچر اتنے زیادہ ہیں جن کی مجموعی حالت دوسو درہم کے برابر ہے تو اسے مالدار (نہ کہ مفلس) قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ اور وقف کے منافع کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

اگر کسی کے پاس دو سکونتی مکان یا دو غلام ہوں اور فاضل مکان یا غلام کی مالیت دوسو درہم کی ہو تو اس اعتبار سے اس کو بھی مالدار سمجھا جائے گا اور اس کا زکوٰۃ یا وقف سے استفادہ کرنا قانوناً ناجائز ہوگا لیکن زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی اگرچہ فاضل مکان فاضل کپڑے فاضل غلام یا فرنیچر میں سے ہر ایک دوسو درہم کی مالیت کے ہوں۔ اگر مجموعی طور پر ان سب کی مالیت دوسو درہم ہو تب بھی مالدار سمجھا جائے گا اور قانوناً وقف سے منافع حاصل نہیں کر سکے گا۔ مگر اس کے پاس دوسو درہم کی مالیت کی زمین ہو جس کی آمدنی خواہ اس کے گذارے کے لیے ناکافی ہو مگر وہ مسلمہ طور پر دولت مند ہی سمجھا جائے گا۔

اگر اس کے پاس کثیر جائیداد ہو لیکن فوراً ہی ملنے والی نہ ہو یا اسکا دوسرے کے ذمہ قرض ہو تو اسے وقف و زکوٰۃ سے استفادہ کی اجازت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ ابن سبیل کی اجازت میں آجاتا ہے۔ اگر وہ قبضہ لے سکتا ہے تو خیرات لینے کے مقابلہ میں نہ لینا بہتر ہے۔

نادار ی کا معیار

ہر ایسا شخص جو دوسرے سے گذارہ حاصل کرنے کا مستحق ہو اور اسے بلا اس کی رضامندی یا حکم قاضی کے حاصل کر سکتا ہو یا اگر قاضی اسے غیر حاضر شخص کی جائیداد سے استفادہ کا مجاز کرے یا وہ شخص کہ جس کی جائیداد دوسرے شخص کی جائداد میں اس قدر شامل ہے کہ کوئی بھی ان میں شاہد نہیں ہو سکتا تو وقف سے متعلق مالدار سمجھا جائے گا۔ وہ شخص جو کہ اس کا نگراں ہے اور جس سے اس کے تعلقات ہیں اور اس کی مثال اس کے والدین بچے اور بچوں کے بچے ہیں لیکن ایسے اشخاص جو کہ دوسرے سے گذارہ

حاصل کرنے کے مستحق ہیں بلا اس شخص کی اجازت اور قاضی کے حکم کے حاصل نہیں کر سکتے اور قاضی دوسرے شخص کی غیر موجودگی میں ایسے اشخاص جن کی جائداد کے منافع دوسروں کے منافعوں سے اتنے علیحدہ ہوں ایک دوسرے کی گواہی قبول کی جا سکتی ہو ان کو بسر اوقات مہیا کرنے والی دولت کی بنا پر مالدار نہیں سمجھا جائے گا۔

اور اس کی مثالیں بھائی یا بہنیں یا دوسرے رشتہ دار رشتہ مانع ازدواج کی ہیں۔

اگر عورت کا خاوند متمول ہے تو وہ عورت غربا کے لئے مختص وقف سے استفادہ نہیں کر سکتی لیکن ایک غریب آدمی خواہ اس کی عورت مالدار ہو وقف سے استفادہ کر سکتا ہے۔

قاضی خان

قاضی خان نے اس سلسلہ میں درج ذیل اصول مرتب کیا ہے جو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہے۔ ان کے بقول جس کے پاس سوائے رہائشی مکان کے کچھ نہ ہو وہ فقیر کہلائے گا اور وہ زکوٰۃ صدقہ وقف سے جو غربا کے لیے ہو استفادہ کر سکتا ہے اس طرح ایسا شخص جس کے پاس سکونتی مکان ہو مگر گذارہ کے لیے روپیہ نہ ہو خواہ اس کے پاس ملازم بھی ہو فقیر ہے۔ ایسا شخص جس کے پاس کپڑے ہوں لیکن اور کچھ نہ ہو فقیر ہے۔

در المختار

ابو یوسف کے نزدیک آراضی کا مالک جس کی مالیت دو سو درہم ہے خواہ اس کی آمدنی بسر اوقات کے لیے کافی نہ ہو مگر نادار نہیں ہے لیکن محمد ابن شاہانہ اور محمد ابن مقاتل اس کو فقیر ہی کہتے ہیں۔ ابو یوسف کے الفاظ متنبہ کرنے والے ہیں مگر ابن شاہانہ کے قول میں کافی لچک (گنجائش) ہے مصنف کے مطابق وہ شخص جس کے پاس بظاہر گذارے کے لیے وسائل ہوں مگر مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جائیداد سے فائدہ حاصل نہ کر سکے نادار ہی سمجھا جائے گا۔ ان کے بقول وہ شخص جس کے پاس سوائے ایک آدمی کے ذ‌ِمّی قرضہ کے کوئی جائیداد نہ ہو وہ بھی نادار قرار پائے گا۔

نتیجہ

اقوال متذکرہ سے ظاہر ہے کہ مسئلہ کا انحصار کہ کوئی نادار ہے یا نہیں اس پر

مقامی خاص حالات ،سوسائٹی کی ضروریات اور ہر منحصر معتبر پر غور کئے بغیر مسئلہ طے نہیں ہوتا اور بعد غور یہ مسئلہ طے ہوتا ہے۔

جب واقف کے نادار رشتہ داروں کے لیے کوئی وقف ہو اور اس کی رشتہ دار عورت کو آمدنی وقف موصول ہونے سے چھ ماہ میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے توایسا بچہ کسی حصے کا مستحق نہ ہوگا اس لئے کہ کوئی بچہ نادار رشتہ دار کے زمرہ میں خیال نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا بچہ جس کو آمدنی موصول ہواور بعد میں نادار ہو جائے مثل غنی رشتہ دار کے سمجھا جائے گا جب کہ خواہ سر دست وہ آمدنی میں حصہ کا مستحق ہو۔ مگر مستقبل میں موصولہ آمدنی میں شریک ہوگا۔ جب واضح طور پر کوئی وقف ایک سے زیادہ اشخاص کے لیے جو مثل ایک جماعت کے ہوں کیا جائے اور اس جماعت سے محض ایک ہی فرد ہو تو وہ نصف آمدنی پائے گا اور بقیہ غربا میں تقسیم ہوگی اگر بادی النظر میں یہ معلوم ہو کہ منافع اسی جماعت کے افراد کے لیے بلا لحاظ تعداد مقرر ہے تو ایسے شخص کو تمام منافع ملے گا مثلاً اگر وقف ایک ہی نسل کے ناداروں کے مفاد کے لیے ہو اور صرف ایک ہی شخص باقی ہے تو وقف سے حاصل شدہ کل آمدنی اسی ایک کو دیدی جائے گی لیکن اگر وقف ایک ہی نسل کے مفلسوں کے لیے ہو اور ان میں ایک ہی شخص ہو تو وہ نصف آمدنی پائے گا اور بقیہ غربا لیں گے۔

اصطلاح یتیم کا مفہوم

یتیم اعزہ کے لیے وقف چند اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ ایک یتیم سے مفہوم ایک ایسے صغیر سن بچے سے ہے جس کا باپ زندہ نہ ہو خواہ اسکی ماں یا دادا زندہ ہوں۔ حالت یتیمی اس کے سن بلوغ پر پہونچنے پر ختم ہو جاتی ہے بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہونے پر بھی بقول امام ابو یوسف عمر کے پندرہ سال پورے ہونے پر وہ سن بلوغ پر پہنچ جاتا ہے۔ ابو حنیفہ کی رائے میں مردوں کے لیے سن بلوغ پندرہ سال اور عورتوں کے لیے سترہ سال زفر کی رائے میں دونوں کے لیے سن بلوغ ایک ہونا چاہئے اور وہ اٹھارواں سال ختم ہونے پر ہے۔

اگر کوئی اپنے غریب رشتہ داروں کے لیے جائیداد وقف کرے تو کیا اس کے انتقال کے بعد متولی اس کا مجاز ہے کہ آمدنی سے اس کے نادار پوتے کو بھی حصہ دے سکے؟ زیادہ تر فقہاء اس کے حق میں ہیں۔ اور بقول فقیہ ابو اللیث کہ امام محمد نے زیادت میں یہی رائے اختیار کی ہے حالانکہ بظاہر ابو یوسف و ابو حنیفہ کی رائے اسکے بر عکس ہے۔

ایسے رشتہ دار کے لیے وقف جو کہ خاص بستی میں رہتا ہو

جب واقف ان رشتہ داروں کے لیے وقف کرے جو کسی خاص بستی میں رہتے ہیں اور ان کے بعد غربا کے لیے تو سوال یہ ہے کہ اگر وہ وہاں سے اپنی سکونت ترک کر دیں تو کیا منافع سے محروم ہو نگے۔ ابو بکر فقیہ بلخ کی رائے میں اگر واقف کے رشتہ دار جو وقف سے استفادہ کنندہ ہوں اور اولاً ان کی تعداد محدود ہے تو وہ مختص ہو سکتے ہیں ایسی صورت میں منافع وقف میں ان کا منافع جاری رہے گا اور جہاں بھی وہ جائیں ان کو ملتا رہے گا اگر وہ نہ مختص کئے جا سکتے ہوں اور نہ ان کی تعداد محدود ہو تو رشتہ داروں میں سے بستی کی سکونت ترک کرنے والے کا حق ساقط ہو جائے گا اور مقام پر رہنے والوں میں سے ترک سکونت والوں کے بجائے غریبوں کو ملے گا۔ فقیہ ابو اللیث کا قول ہے کہ اگر رشتہ داروں میں سے کوئی بھی ایک جو سکونت ترک کر چکا ہو بستی میں واپس آجائے تو اس کا حق بحال ہو گا۔

اگر وقف کسی کے اقربا کے لیے وقف ہو مگر لفظ "آل" کا اضافہ نہ کیا جائے تب بھی وہ ان میں شامل ہوں گے اس لئے آل کے اقربا بھی اقربا ہی ہوتے ہیں۔

اگر کوئی اقربا کے لیے اور ان کے بعد اپنی اولاد کے لیے وقف کرے تو بعد والے اس وقت تک شریک نہ ہو نگے جب تک کہ سب اقربا ختم نہ ہو جائیں۔

ایسا وقف جو متولی کے صواب دید پر ہو

ایسا شخص جو بذریعہ وصیت کئی انتقالات کرے اگر اپنی زمین غربا کے لیے وقف کرتا ہے۔ تو وصی وقف مجاز ہے کہ حسب مرضی جس کو چاہے اور جو چاہے دے اس صورت میں وصی کا اپنی بیوی والدین اور بیوی کے رشتہ دار جو غریب اور حاجت مند ہوں کو دینا اصلاً غربا کو ہی مثل وقف سمجھا جائے گا۔

پڑوسیوں کے حق میں وقف کا کس طرح استعمال ہو

اگر کوئی اپنے پڑوسیوں کے لیے وقف کرے تو آمدنی ان سب پر تقسیم ہوگی مگر وسیع مفہوم کے مطابق وہ بھی شامل ہوں گے جو اس سے ملتے ہوں اور وہ جو کہ محلہ کی مسجد میں عبادت کے لیے جمع ہوتے ہوں اور یہی مسلمہ ہے۔

ابو حنیفہ کے واضح اصول کے مطابق سکونت شرط ہے خواہ جائے سکونت ساکن کی ملکیت ہو یا نہیں اور یہی صحیح ہے جب ساکن مالک نہ ہو تو منافع وقف ساکن کو ملے گا نہ کہ مالک کو۔ پڑوسی خواہ مسلمان ہوں یا کافر مرد ہوں یا عورت آزاد ہوں یا مکاتب نابالغ ہوں یا بالغ اس آمدنی کے مستحق ہوں گے اور وہ باعتبار تعداد ان میں تقسیم ہوگی اور اگر منتظم ایک کے مقابلے میں دوسرے کو زیادہ دے تو اس کا وہ ذمہ دار ہوگا۔

اگر واقف کے پڑوسیوں میں سے بعض دوسرے محلّہ میں چلے جائیں اور اپنے مکانات فروخت کر جائیں مگر وہ لوگ ان مکانات میں فصل تیار ہونے کے بعد آئیں اس سے قبل کہ وہ وہاں جمع ہوں تو وہ بھی تقسیم آمدنی کے وقت پڑوسی ہی سمجھے جائیں گے۔

اگر کوئی شخص مکان میں رہتے ہوئے پڑوسیوں کو وقف کرے اور اس کے بعد خود وہ کرایہ کے مکان میں منتقل ہو جاتا ہے اور اپنی موت تک اسی میں رہتا ہے تو اس کی آمدنی بعد والے پڑوسیوں کو ملے گی اگر کوئی پڑوسیوں کو وقف کرنے کے بعد مکہ معظّمہ چلا جائے اور وہیں انتقال کر جائے اور وہاں اس کے کوئی نہ ہو وہ صرف حج کی غرض کے لیے گیا ہو اور کوئی مکان خریدے تو وہ مکان اس کے وطن کے پڑوسیوں کا سمجھا جائے گا اگر کسی کے پاس دو بڑی عمارتیں ہوں اس سے ایک میں وہ رہائش رکھتا ہو اور دوسری میں اسباب تجارت تو جس رہائشی مکان میں وہ رہتا ہے پڑوسی اس کی آمدنی سے استفادہ کریں گے اگر کسی کے پاس دو مکان ہوں اور ہر ایک میں اس کی ایک ایک بیوی رہتی ہو تو ہر دو مکانوں کے پڑوسی آمدنی کے مستحق ہونگے خواہ اس کا کسی میں انتقال ہوا ہو اور اسی طرح اگرچہ اس کے مکانات میں سے ایک بصرہ میں دوسرا کوفہ میں ہو اور ہر ایک میں ایک ایک بیوی رہتی ہو۔

اگر کوئی اپنے غریب پڑوسیوں کے لیے وقف کرے اور خود کا ذکر نہ کرے

تب بھی اس کا منشا پڑوسی سے ہوگا۔

اگر کوئی بیمار ہو جائے اور اس کا لڑکا اسے کسی دوسرے محلے یا گاؤں میں لے جائے اور وہاں جاکر وہ مر جائے تو اس کے پہلے والے پڑوسی ہی مستحق ہونگے اور اس کے منتقل ہونے سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اگر کوئی عورت کسی عمارت میں رہائش رکھتی ہو جس کو وہ کسی پڑوسی کو وقف کرے اور بعد میں شادی کرے اور اپنے خاوند کے مکان میں منتقل ہو کر مر جائے۔ اس کے پڑوسی وہی ہونگے جو اس کے خاوند کے پڑوسی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کر کے اس کے مکان میں منتقل ہو جائے اس کے پڑوسی بھی عورت کے حق میں بدل جاتے ہیں تاوقتیکہ اس نے اپنا فرنیچر پہلے والے مکان میں نہ چھوڑا ہو تو اس وقت اس کے پڑوسی وہی ہونگے جو اس مکان میں منتقل ہونے سے پہلے تھے۔ جب یہ معلوم نہ ہو کہ آدمی کے پڑوسی کون ہیں تو تاوقتیکہ گواہان اس مکان کی تصدیق نہ کر دیں جہاں اس کا انتقال ہوا ہو اس وقت تک آمدنی تقسیم نہیں ہونا چاہیئے۔ بعد ازاں مکان کے پڑوسیوں میں آمدنی تقسیم ہونا چاہیئے۔

اگر کوئی پڑوسی خود کو غریب ہونا ظاہر کرے اور اس کی غربت کا علم نہ ہو تو اسے غریبی کی تائید میں گواہان پیش کرنا چاہیئے۔

فصل سوم:۔ تعبیر کے عام اصول

جب کوئی بعد وقف تاحین حیات خود کو متولی نامزد کرے اور اپنے بعد لڑکے کو متولی مقرر کرے اس کے بچوں میں موزوں اور اہل متولی ہوگا تو یہاں A سے مراد متولی ہے نہ کہ واقف اگر وقف زید اور عمر کو اس کے بچوں کے لیے ہے تو اس سے مفہوم عمر کا ہے۔

اصول تعبیر

اگر کوئی اپنے بچوں کے لیے اور ان بچوں کے لیے جو صنف ذکور سے ہیں وقف کرے تو یہ شرط پوتوں پر عائد ہوگی نہ کہ اس کے بچوں پر۔

سوال۔ ایک شخص اپنے لڑکے مسمی حامد اور اسکے بچے اور اولاد کے لیے جو مابعد پیدا ہوں وقف کرے اول ان کے لیے پھر اس کے بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں

کے لیے اولاد ذکور سے ہوں اور ما بعد ان بچوں کے لیے جو اولاد اناث سے ہوں اور پھر ان بچوں کے بچوں کے لیے اس طرح تشکیل وقف کے بعد ایک لڑکا اور پیدا ہو جس کا نام محمد ہے اور بعد میں حسین اور پھر حسین کا انتقال، ہو جائے تو کیا پہلے سے مراد حسین ہے یا واقف تاکہ محمد بھی اس میں شامل ہوگا۔

جواب۔ مصر کے حنفی مفتی مولانا شیخ حس شر بنلا نے اس سوال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ واقف اپنی منشا سے واقف ہے اور خیر یہ کے مطابق نیت سے زیادہ قریب ہے جب کوئی لفظ مفہوم میں مبہم اور ذو معنی ہو تو وہی معنی لئے جائیں جو نیت واقف سے قریب تر ہوں بصورت موجودہ ضمیر سے منشا حسین کا ہوگا اور خود واقف کا بچہ محروم ہو جائے گا۔

جملہ (انشاء اللہ) اگر ایک شرط استفتاء ہے مگر الا تاوقتیکہ نہی نفی کے مساوی نہ ہو شافعیہ کے نزدیک تمام دستاویز پر وہی حاوی ہوتی ہے نہ کہ محض قریب تر مفہوم پر۔ احناف کے مطابق یہ آخری شرط سے متعلق ہے بشرطیکہ دوسری شرطوں کے تحت نہ ہو اور علیحدہ پڑھی جاسکے ورنہ یہ سب پر ہی حاوی ہوگی مثلاً اگر کوئی کہے کہ اپنا مکان اپنے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں اور اپنا باغ میرے بھائیوں کے لیے لیکن اگر وہ کسی کو دیں گے تو یہ وقف ختم ہو جائے گا تو جملہ شرط بھائیوں سے متعلق ہے۔

لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ مکان میرے بچوں کے لیے اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں لیکن اگر وہ اس کو چھوڑ دیں تو یہ شرط سب پر ہی حاوی ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی مفاد وقف سے استفادہ کے لیے قبضہ کو ضروری شرط قرار دے تو ایسی شرط محولہ قریب کے اشخاص ے بارے میں ہوگی۔

لیکن اگر اس شرط میں سب ہی شامل ہوں تو عموماً جو قریب ہوں ان پر نافذ ہوگی مثلاً اگر کوئی اپنے نادار بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرے تو شرط "نادار" محض بچوں تک محدود ہوگی اگر وہ یہ کہے کہ وقف اس کے بچوں کے لیے ہے تو سب ہی پر لاگو ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک بہر صورت سب ہی پر لاگو ہوگی۔

اگر کوئی اپنی جائیداد کا حصہ بطور صدقہ عبداللہ اور زید کے لیے وقف کرے

اس کی آمدنی سے دونوں بطور قابض مشترک استفادہ کریں گے جب ان میں سے ایک مرجائے تو ایک حصہ غربا پائیں گے اور ہر دو کی موت پر تمام کرایہ ومنافع خیرات ہوگا۔اسی طرح جب کسی قوم کے لیے وقف ہو تو کرایہ اور منافع ان میں سے حسب تعداد قابضان مشترکاً تقسیم ہوگا اور ان میں سے کسی ایک کے انتقال پر اس کا حصہ غربا کو خیرات ہوگا اور جب عبداللہ کے بچوں کے لیے بلا حصص حوالہ تعین تعداد کے وقف ہوگا تو عبداللہ کے سب بچے شرعاً قابض ہوں گے اور ان میں سے جب تک کوئی بھی زندہ رہے غربا کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

جب زید وعمرو دونوں ہوں زید کو نصف حصہ اور عمرو کو ۲/۳ حصہ ملے گا اس طرح تو حسب ورثہ سات حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور اس طرح تین حصے زید کو اور چار عمرو کو ملیں گے۔ اگر وقف اس طرح ہو کہ حسب اندراج بالا کہ زید کو نصف اور عمرو کو تین حصہ تو بقیہ مساویانہ تقسیم کر دئے جائیں گے۔ جب واقف ان الفاظ میں وقف کرتا ہے کہ میری زمین زید کیلئے وقف ہے زید کو اس میں سے ۳/۱یا ۱۰۰ درہم ملیں گے اگر دوسرے کے بارہ میں کوئی خاص حوالہ نہیں ہے تو جو بھی زید کے لیے درج ہے بقیہ وہ پائے گا جس کے لیے کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ عام طریقہ ہے کہ جب کسی ایک کا حوالہ ہو تو دوسرے کا ذکر نہیں ہوتا۔ جب واقف استفادہ کنندگان میں سے ہر ایک لئے مختص رقم طے کرے لیکن خسارہ کی وجہ سے آمدنی کی مختص رقم نہ وصول ہو تو واقعی آمدنی علی الترتیب ان کی مختص رقم کی مناسبت سے تقسیم کردی جائے گی اگر آمدنی مقررہ الاؤنس سے زیادہ ہو تو زائد رقم ان میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔

اصول

ببب وقف کسی قوم کے لے ہو اور وہ اسے نہ ملے تو آمدنی غربا کے لیے ہوگی لیکن اگر ان میں سے صرف چند ہی نہ لیں تو مساوی آمدنی لینے والوں میں تقسیم ہوگی اگر وہ منصب جس کے نام سے عام طور پر وقف کیا گیا ہے تو وہ اصطلاح سب ہی پر لاگو ہوتی ہے لیکن وہ اصطلاح سب پر ناقابل اطلاق ہے ان لوگوں کا حصہ جو نہیں لیتے غربا پر منتقل ہوجائے گا اگر واقف یہ کہے کہ عبداللہ کے بچوں کے لیے ہے تو یہ سب کا سب جو لیتے

ہیں انہیں ملے گا اگر وہ کہے کہ زید و عمر کے لئے ہے مگر زید نہیں لیتا تو وہ غربا پر تقسیم ہو جائے گا۔

ایسا وقف جو واقف نے اپنے رشتہ داروں کے لیے کیا ہو اس سے استفادہ کرنے والے غریب رشتہ دار کا فرض ہے وہ اس کے قرابت دار ہونے، دوسرے غریب ہونے کی بابت ثبوت پیش کرے تب وہ متولی سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔

اصول جس کی بنا پر اپنے بستی کو چھوڑ کر جانے والے افراد منافع وقف سے محروم رہتے ہیں درج ذیل صورت میں لاگو نہیں ہوتا۔

(۱) ایک شخص اپنے غریب رشتہ داروں کے لیے جو بغداد میں رہتے ہیں وقف کرتا ہے اور ان میں سے کچھ کوفہ میں رہتے ہیں اور اس کے بعد وہ بھی بغداد میں آجاتے ہیں واپسی پر وہ وقف کے مفاد سے اپنے حصہ کے مستحق ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ بوقت تقسیم غربت اصل معیار استحقاق ہے اور واقف کی غایت رشتے دار غربا کی امداد کرنا ہے۔

اصول بابت متولی کی ذمہ داری

جب کوئی اپنی اولاد کے لیے وقف کرے اور جب متولی اس کی اولاد میں سے بعض کو آمدنی میں سے حصہ تقسیم کردے اس کے بعد ایک دوسرا شخص بطور اولاد واقف حصہ طلب کرے تو وہ سابقہ حصص آمدنی بھی پانے کا مستحق ہے بشرطیکہ متولی نے بلا اجازت قاضی کے حصص تقسیم کردئے ہوں ایسی صورت میں متولی کی حیثیت ایک وصی تعمیل کنندہ کے ہے جو کہ قرض خواہوں کا مطالبہ ادا کرنے کے بعد وصی کی جائیداد کو غربا میں تقسیم کردیتا ہے اور مابعد اپنا حق ثابت کرنے والا دوسرا اس امر کا مجاز ہے کہ ادائیگی قرضہ کی متولی پر دعویٰ کرے۔

اصول متعلق اہل خانہ

جب کوئی اپنے اہل بیت یا اہل خانہ کے لیے وقف کرے اور ہر وہ شخص جو یک جدی ہونے کی وجہ سے متعلق شخص خواہ کتنا ہی بعید ہو بلا امتیاز عقیدہ صنف یا قرابت کے مطالبہ کرسکتا ہے اور اس صورت میں مسلم یا غیر مسلم مرد یا عورت رشتہ مانع ازدواج یا عدم ازدواج قریب یا بعید سب مساوی ہیں لیکن بعید ترین بچے اس میں شامل

نہیں ہیں اس میں واقف کے بچے اور والدین شامل ہیں۔ مگر اس کی لڑکیوں یا بہنوں کے بچے ان دوسری عورتوں کے بچے سوائے ان کے جو کہ واقف کے چچازاد بھائیوں کو بیاہی ہوں شامل نہیں ہیں۔ سرخسی سیر کبیر کی شرح میں اس طرح لکھا ہے کہ لفظ "اہل خانہ" جب کسی وقف نامے یا وصیت نامہ میں ہوں تو ان کی تعبیر منشا وصی کے مطابق ہونا چاہیے اگر مکان سے اس کا منشا رہائشی مکان ہے تو اس کے کنبے والے بھی جو اس کے ساتھ مکان میں رہتے ہیں اور جن کی وہ پرورش کرتا ہے خواہ ان میں قربت اور رشتہ داری نہ ہو شامل ہیں۔ اور اگر مکان سے منشا نصاب کا ہے تو اس کے سب گھر والے اس کے باپ کے مسلمہ بچے ہیں۔

امام علی اسوخ کی رائے میں اگر کسی شخص کا مکان نصاب مثل اہل عرب کے ہے تو الفاظ گھر کے لوگ کا منشا اس کے مورثِ اعلیٰ کی اولاد سے ہے (لغوی طور پر) باپ دادا کے بچوں سے ہوگا خواہ وہ اس کے ساتھ کنبے میں نہ رہتے ہوں لیکن اگر اس کے پاس نصاب کا کوئی مکان نہیں ہے یا وہ جو اس کے ساتھ کنبے میں رہتے ہوں وہ ان کی پرورش کرتا ہو اور دوسرا نہیں کرتا اگرچہ اس کے قرابت دار ہوں اور یہی مسلمہ ہے جب وقف گھر کے لوگوں کے لئے کیا جائے جو موجود ہوں وہ اور جو ان کے بعد آئیں اور ان کے بچے اور بچوں کے بچے شامل ہیں۔

جب کوئی اصطلاح آل یا جنس استعمال کرے تو اصلاً وہی جیسا کے میرے گھر کے لوگ اور اس میں غربا کے حق میں کوئی تخصیص نہیں ہے جب تک وقف ان کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ جملہ ان میں سے غربا کے لیے اس کے مثل ہیں جب وہ غریب ہو جائیں اور نتیجتاً یہ آمدنی اس کے لیے ہے جو اس وقت غریب ہو اگرچہ بوقت وقف غریب ہی ہو گیا ہو ان تک محدود نہیں ہے جو کہ ایک وقت امیر تھے بعد میں غریب ہو جائیں۔ اگر کوئی عورت اپنے گھر والوں کے لیے یا اہل جنس کے لیے وقف کرتی ہو تو اس میں اس کی ماں اور بچے شامل نہ ہوں گے۔

اہل کے مفہوم کا مسلمہ اصول

اگر کوئی کہے کہ عبداللہ کی اہل پر تو ابو حنیفہ کے نزدیک خاص طور پر اصلی

بیوی ہوگی لیکن ہلال کا کہنا ہے کہ یہ بہتر ہے کہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں اس میں شامل کرلیں اور یہی مسلمہ ہے مگر اس میں غلام شامل نہیں ہے اور نہ عبداللہ اور اس کے کنبے کے لوگ جو دوسرے مکان میں رہتے ہیں شامل ہیں۔

عیال ''آمال'' میں ہر وہ شخص شامل ہے جس کی کہ وہ شخص پرورش کرتا ہے خواہ اس کے ساتھ رہتا ہو یا نہ رہتا ہو اور احسام عیال کے مراوف اور احقاب میں وہ سب شامل ہیں جو کسی شخص سے اس کے باپ کی وجہ سے قرابت رکھتے ہیں مگر لڑکیوں کے بچے اس میں (سوائے ان عورتوں کے جن کے خاوندان میں سے ہوں) شامل نہیں ہیں۔ اگر کوئی زید یا اس کے احقاب کے حق میں وقف کرے اور زید زندہ ہو اور اسکے بچے بھی ہوں مگر وہ کچھ نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ کسی آدمی کا بچہ احقاب میں شامل نہیں کیا جاسکتا (سوائے اس کی موت کے بعد)

فتاویٰ عالمگیری میں وقف کی آمدنی نادار رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لیے درج ذیل اصول ہیں۔

(۱) اولاً غریب بچوں رشتے داروں کو اور فاضل غیروں کو

(۲) جس روز آمدنی آئے وہ روز غربت کا معیانہ ہونا چاہئے بلکہ جس روز آمدنی تقسیم کی جائے وہ غربت کا معیار ہونا چاہئے۔

(۳) رشتے داروں میں سب سے پہلے قریب تر کو بعد ازاں بعید تر کو یعنی اپنے صلب کے بچوں کو اولین ہونا چاہئے اور اس کے بعد بچوں کے بچوں اور اس کے بعد تیسری نسل بعد میں چوتھی نسل اور بعد والی نسلوں کو لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی نہ رہے یا ان کو دینے کے بعد کچھ بچ رہے تو غریب رشتے داروں کو دینا چاہئے مگر ان میں بھی قریب ترین کو ترجیح ہونا چاہئے۔

(۴) وہ شخص جس کو حصہ دیا جائے اس کی حیثیت دو سو درہم سے کم ہونا چاہئے بشرطیکہ وقف عام غربا کے لیے ہو ان میں بعض رشتے دار حاجت مند ہوں لیکن اگر وقف کسی شخص کے غریب رشتہ داروں کے لیے ہو تو تمام آمدنی ان میں تقسیم کر دینا چاہئے خواہ ان میں سے ایک کا حصہ دو سو درہم سے زیادہ ہو جائے۔

جب کوئی واقف آمدنی کو مقروضوں یا مسافروں کے لیے یا راہ خدا میں مثلاً حج

کے لیے مختص کرے لیکن اگر اس کے بچے یا رشتہ دار حاجت مند ہوں (تاوقتیکہ وہ بچے یا رشتے دار حج پر جانے والے نہ ہوں) تو ایسی صورت میں ان کو دینا چاہیے۔

اگر کوئی شخص اپنے بچوں کے حق میں اس شرط سے وقف کرے کہ وقف اس کے مرنے کے بعد نافذ ہوگا تو الفاظ اس کے مرنے کے بعد صحیح ترین سند کے مطابق اس کے حق میں بطور میراث ہیں اور وہ دائماً ہیں۔

اگر وقف زید یا اس کے بچوں کے حق میں کیا جائے اور ان کے بعد غربا کے حق میں اور زید یہ کہے کہ وقف عمرو اور غربا کے حق میں تھا مگر اس کا یہ کہنا بچوں اور غربا کے مفاد پر اثر انداز نہ ہو گا۔ بلکہ کرایہ اور منافع زید اور ان بچوں میں جو موجود ہوں مساویانہ تقسیم کر دیا جائے گا اور زید کا حصہ عمرو کو ملے گا۔

اگر عمر زید سے پہلے مر جائے اس کا حصہ زید کی زندگی میں غربا کو دیا جائے گا اور اگر زید عمرو سے پہلے مر جائے تو اس کے مفاد میں اس کا حصہ ختم ہو جائے گا۔

اگر وقف زید اور غربا کے لیے ہو اور زید بجائے اپنے اس کو عمرو کے حق میں کر دے تو ایسی صورت میں کرائے اور منافع ہر دو میں مساوی تقسیم ہوں گے اور اگر زید کا انتقال ہو جائے تو اسی کا حصہ غربا کو ملے گا۔

اگر عمرو زید کی حیات میں انتقال کر جائے تو زید کا حصہ غربا کو تقسیم ہوگا اس لئے کہ جب زید خود کو نصف حصہ کا اور نصف حصہ عمرو کو دے چکا تو عمرو کا نصف حصہ غربا پائیں گے۔ جب کوئی وقف A کے حق میں یا اس کی آل کے حق میں کیا جائے تو ایک ہی نسل کے معدوم ہونے پر وقف غربا کے لیے ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے خواہ ان کا حوالہ صریحاً ہو یا نہ ہو۔ اگر وقف کا منافع لینے سے انکار کر دے تو آمدنی اس کی آل اولاد اور ان بچوں کو دیدی جائے گی جو موجود ہوں اور اگر بچے نہ ہوں تو وہ آمدنی حاجت مندوں کی مدد پر صرف ہوگی۔ اگر A کے اس کے بعد کوئی بچے پیدا ہوں تو بچے فائدہ میں شریک ہوں گے۔

اگر A اور اس کے بچے جو موجود ہوں مگر وقف کے تحت منافع لینے سے انکار کر دیں تو یہ غربا پر تقسیم ہوگا مگر اس انکار کی آنے والی نسلیں پابند نہ ہوں گی۔

اگر کوئی وقف A کے حق میں ہے اور اس کے بعد B کے حق میں اور وہ دونوں

ہی انکار کر دیں تو وہ غربا کو ملے گا۔

اصول

عام اصول کے مطابق یہ مختصراً بتانا ضروری ہے کہ قانون کی ضروری توضیح کے مطابق انجام کار غربا ہی وقف سے استفادہ کرنے والے ہوتے ہیں خواہ یہ وقف افراد یا افراد کے طبقات کے حق میں کیا جائے وقف کی اصل غرض یا اغراض کے معدوم ہونے پر وقف منسوخ نہیں ہوتا بلکہ انجام کار غربا پر ہی اسکا اطلاق زود تر ہوتا ہے۔

مدراس ہائی کورٹ کی ایک نظیر کہ اولاد کے حق میں وقف ایک بے معنی سی بات ہے اس لئے موثر نہیں ہے کہ پریوی کونسل نے طے کیا ہے کہ ایک وقف جو کہ جزواً اغراض خیر کے لیے اور جزواً واقف کے ورثا کے لیے ہو کالعدم نہ ہوگا اس لئے کہ موخر الذکر وقف کا منشا قانون نہیں ہے بلکہ وقف جائز ہوگا اور تمام آمدنی جائز اغراض پر صرف ہوگی۔

لفظ فقیر کے معنی

میں نے لفظ "درویش" کے معنی مختلف اسناد کے حوالے سے پہلے ہی واضح کر دئے ہیں۔ فتاویٰ میں جو تعریف ہے وہ کسی سند سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ بالمقابل معنی سے اخذ کی گئی ہے نتیجہ یہ ہے کہ جیسا کہ نفع الوسائل میں بتایا گیا ہے کہ ہر وہ شخص سماج کے ضروریات کے مقابل جن میں وہ رہتا ہے غربت اور حاجت کے حالات سے گزرتا ہے یا اس کے پاس اپنی اور اپنے بچوں کے لیے چند ایام کے گذارہ کے لیے روپیہ نہیں ہوتا وہ غریب ہے قاضی خان نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے وہی غربا کے حق میں وقف کے پہلے مفاد کا مستحق ہے ایسا وقف جو اولاد واقف کی ضرورتوں میں امداد اً کیا گیا ہو ان کی ناداری کی صورت میں جائز ہے۔

(۳) ایسا وقف جو عام طور پر غریبوں اور ناداروں کے لیے ہو یا واقف کے ضرورت مند اقربا یا اولاد کے لیے ہو وہ ان کو خوراک کپڑے اور گھر مہیا کرنے کے کام میں آسکے گا۔

قاضی کی صواب دید

اگر وقف نامہ میں وقف کے اغراض کی تکمیل کے لیے کوئی شرط ہو تو قاضی یا جج کو اس کے متعلق اسکیم تیار کرنے کا پورا اختیار ہے۔

(۴) جب کوئی وقف غیر معین تعداد کے لوگوں کے لیے کیا جائے جیسے کہ عام طور پر غربا کے لیے ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بقول امام محمد دس آدمیوں کو کھانا کھلانا اور ان کی پرورش کرنا چاہئے ابو یوسف کے نزدیک سو آدمیوں کی تعداد ہے اور دیگر اقوال کے مطابق چالیس یا اسّی ہونا چاہئے دوسروں کے قول کے مطابق لیکن فتویٰ یہ ہے کہ تعین تعداد قاضی جج کی صواب دید پر ہے۔

فصل چہارم:۔ مرض الموت میں کیا ہوا وقف

مریض کا کیا ہوا وقف

جب کوئی مرض الموت میں مبتلا مریض اپنی جائیداد اپنے ورثا کے لیے جب تک کہ اس کی نسل رہے وقف کرتا ہے تو تمام فقہا کے نزدیک وصی کے انتقال پر یہ وقف ورثا کے حق میں جائز ہوگا مگر ابو حنیفہ ابو یوسف اور زفر کے مطابق غیر ورثا کے یعنی پوتوں کے حق میں جائیداد کے بقدر ۱/۳ حصہ جائز ہوگا اس لئے کہ مریض کا کیا ہوا وقف مثل ایک وصیت کے ہے اور جائیداد کا بقدر ۱/۳ حصہ غیر ورثا کے حق میں جائز ہے۔

جب مرض میں مبتلا کوئی شخص اپنی زمین اپنے بچے اور بچہ کے بچہ کے حق میں وقف کرتا ہے اور اس جائیداد کے علاوہ کوئی اور جائیداد نہیں چھوڑتا تو ایسی صورت میں ایک ثلث آراضی اس کے بچہ کے بچہ کے حق میں وقف ہوگی خواہ دوسرے ورثا اس پر رضامند ہوں یا نہ ہوں بقیہ ۲/۳ حصہ جائیداد دوسرے ورثا پر تقسیم ہوگی لیکن اگر وہ ورثا اس وقف پر بھی رضامند ہو جائیں تو ۲/۳ بھی بچہ کے بچہ میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔

مرض الموت میں ورثا کے حق میں وقف

مثلاً مرض الموت میں مبتلا ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کے حق میں وقف کرتی ہے اور ان کے انتقال کے بعد اپنی لڑکیوں کے حق میں اور ان کے بعد لڑکیوں کی لڑکیوں

کی حق میں اور سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اغراض مسجد کے لیے وقف کرتی ہے اور یہ عورت اپنے پس ماندگان میں دو لڑکیوں اور ایک بہن کو چھوڑ کر انتقال کرتی ہے اور ورثا اس وقف پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں اس جائیداد کے ۱/۳ کی حد تک ہی وقف جائز ہوگا اور بقیہ ۲/۳ ورثا میں حصص شرعی کے تناسب کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا اور وہ ۱/۳ حصہ جو کہ وقف کیا گیا ہے اس کی آمدنی بھی ورثا میں ان کے حصص کے تناسب سے جب تک کہ ان دونوں لڑکیوں کا انتقال نہ ہو تقسیم کردی جائے گی اور پھر اس کی آمدنی ان کے بچوں کو ملے گی۔

اس طرح اگر واقف نے یہ کہا ہوتا کہ میں اس زمین کی پیداوار کو پچاس سال کے بعد میرے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہوں تو یہ جائز ہوتا۔ وجہ یہ کہ اگرچہ کسی کی وارث کے حق میں وصیت بطور وقف جائز نہیں ہے مگر اپنے بچوں کے حق میں جائز ہے۔

پس اس لئے جب کہ دوسرے ورثا رضامند نہ ہوں تب بھی ۱/۳ حصہ کے لیے وقف جائز ہوتا ہے اگر ورثا کو نہ بھی دیا جائے تو وہ علیحدہ رکھ دیا جائے گا اور اس کی آمدنی تمام ورثا میں تقسیم کردی جائے گی ان میں قریب تر استفادہ کرنے والے بھی شامل ہوں گے اور اس کی موت پر ۱/۳ حصہ کی آمدنی اس کے بچوں پر تقسیم کردی جائے گی۔

مرض الموت میں وقف

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کسی شخص کا مرض الموت میں وقف کرنا جائیداد کے ۱/۳ کی حد تک جائز ہے تاوقتیکہ اس کے ورثا راضی نہ ہوں اگر وقف ۱/۳ حصہ سے تجاوز کر جائے اور اس کے ورثا اس پر آمادہ نہ ہوں تو اس حصہ کا وقف باطل ہے اگر بعض ورثا آمادہ ہو جائیں تو ۱/۳ حصہ سے زیادہ ان کی رضامندی کی حد تک جائز ہے اس طرح اگر کوئی شخص راہ خدا میں اپنی زمین کو وقف کردے جو دائماً اس کے بچے اور بچے اور نسل کے لیے ہو جب تک اس میں سے کوئی بھی زندہ رہے اور ان کے بعد حاجت مندوں کے لیے ہو ایسی صورت میں یہ آراضی اس ۱/۳ حصہ جائیداد میں آتی ہے تو اس کی آمدنی تمام ورثا میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اگر واقف کے پس ماندگان میں بیوی اور بچہ ہیں تو آٹھواں حصہ اس کے بیوی کو دیا جائے گا۔ اگر وہ ماں باپ اور بچہ چھوڑتا ہے تو چھٹا

حصہ اس کے ماں باپ کو دیا جائے گا بقیہ ہر صورت میں اس کے بچوں میں بہ تناسب ۲ حصہ مرد کے اور ایک حصہ عورت کے حساب سے تقسیم ہوگا یہ وہ صورت ہے جب کہ واقف اپنے بچے چھوڑے۔ اگر کوئی بچوں کے بچے بھی چھوڑے لیکن جب دو بچے اور بچوں کے بچے چھوڑ جاتا ہے اور دوسرے حالات یکساں ہوں تو وہ آمدنی بچوں اور پوتوں میں بالراست تقسیم ہوگی اور اس تقسیم میں وراثت کے اصول کے مطابق بچوں کے حصص دئے جائیں گے اور پوتوں کے حصص مساویانہ طور پر ان میں تقسیم ہوں گے جب صلب سے ہونے والے بچے نہ رہیں تو آمدنی پوتوں میں اور انکے بعد ان کی نسل میں تقسیم ہوگی اور بیوہ اور والدین کو کچھ بھی نہیں ملے گا اگر آراضی متنازعہ واقف کی جائیداد کے ۳/۱ حصہ سے زائد نہ ہو مگر اس کے وقف پر تمام ورثا راضی ہوگئے ہوں تو کل جائیداد کا وقف جائز ہے اور اس کی آمدنی تمام بچوں میں بلا لحاظ صنف مساویانہ تقسیم ہوگی مگر اس میں بیوی اور والدین کچھ نہ پا سکیں گے۔

لیکن اگر ورثا وقف پر راضی نہ ہوں تو یہ واقف کی جائیداد کے محض ۳/۱ حصہ پر نافذ ہوگا اور اسکی آمدنی تمام ورثا میں اصول وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی اور واقف کی آل کے ختم ہونے پر اس حصہ کی آمدنی غربا پر تقسیم ہوگی۔

مرض الموت میں ترکہ کا وقف

اگر مرض الموت میں وقف کیا جائے اور اس میں میراث بھی شامل ہو تو کے ۳/۱ حصہ تک وقف نافذ ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری اس زمین کی آمدنی میرے انتقال کے بعد عبداللہ اور اس کے بچوں کے دی جائے تو یہ آمدنی کا ترکہ ہوا اور اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میری موت کے بعد اس کو عبداللہ کے بچوں کے لیے روک دیا جائے تو یہ آمدنی کا ہی ترکہ ہے۔

اولاد کے حق میں مرض الموت میں وقف

المختصر جب کوئی وقف مرض الموت میں اپنے بچے اور بچہ کے بچوں کے حق میں اور نسل کے لیے کیا جائے تو اپنے بچہ کے حق میں وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ ورثا میں سے ہیں لیکن بچوں کے بچوں کے لیے جائز ہے جب تک واقف کا کوئی بچہ زندہ

ہے تو آمدنی بالراست اس کے بچوں کے بچوں کو تقسیم کی جائے گی اور وہ حصے جو بچوں کو ملیں گے وہ واقف کے ورثا کو دیئے جائیں گے تاکہ بچوں کے علاوہ اگر واقف کا کوئی وارث ہے تو وہ بھی بچوں کے حصے میں بالراست شریک ہو جائے مثلاً اگر واقف چار لڑکے ۲ پوتے ایک بیوی چھوڑتا ہے اور وقف کی آمدنی چھ سو درہم ہے تو وہ ان کی تعداد کی مناسبت سے تقسیم کی جائے گی اگر بچوں کا حصہ چار سو درہم ہے تو یہ روپیہ واقف کے ورثا میں جن میں بیوائیں بھی شامل ہیں تقسیم ہو گا یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ پوتا پوتی ورثا میں شامل نہیں ہیں اگر واقف کے کچھ بچے مر جائیں تو آمدنی پس ماندہ بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں پر بالراست تقسیم ہو گی اور پس ماندہ بچوں کے حصص واقف کے تمام ورثا پر جو اس کی موت کے وقت زندہ ہوں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

پس اگر کوئی شخص اس طرح وقف کرے کہ اس کی موت کے بعد اس کے بچوں اور بچوں کے بچوں اور اس کی نسل پر وقف نافذ ہو تو بچوں کے حق میں وقف جائز ہو گا اس لئے کہ وہ ورثا میں آتے ہیں لیکن دوسروں کے حق میں جائز نہ ہو گا اور تقسیم اس طرح ہو گی جیسا کہ مرض الموت میں وقف کے بارہ میں ہوتی ہے۔

ان حالات میں بچوں کے حق میں وقف اسلئے نافذ نہیں ہوتا کہ وہ مرض الموت میں ہوا ہے یا وصیت نامہ کی صورت میں اگر وقف بحالت صحت جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ مابین زندہ اشخاص کے ہوا ہے تو یہ بچوں کے حق میں بھی نافذ ہو گا۔

باب ۱۲۔ عمومی اور مثل عمومی اوقاف

فصل اول:۔ عام اصول

پبلک اور مماثل پبلک اوقاف جو بااعتبار استفادہ اغنیا اور فقرا کے لیے یکساں ہیں

(۱) مساجد و خانقاہ

(۲) امام باڑے

(۳) روضہ اور درگاہیں

(۴) خانقاہیں

(۵) کاروان سرائے و مسافر خانے

(۶) مدرسے و مکاتب

(۷) ہسپتال و شفا خانے

(۸) پانی کی بند ٹنکیاں۔ حوض۔ محرابی نالے۔ سڑکیں و پل

(۹) رباط، قیام گاہیں اور آرام گھر

(۱۰) قبرستان

اوقاف بالا میں امیر و غریب اغنیا اور فقرا مساویانہ استفادہ کے مستحق ہیں یہ ادارے اور مقامات غریبوں کے لیے مختص ہونے کی حالت میں وہی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ مثلاً

کوئی اسکول غربا کے بچوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا جائے یا کوئی شفا خانہ یا ایسا کوئی ادارہ غربا کے علاج اور آرام کے لیے وقف کر دیا جائے۔

لنگر خانے کی صورت میں اسی نوع کے دیگر ادارے غریبوں کے لیے ہوتے ہیں اور اغنیا اس سے استفادہ کر سکتے ہیں تاہم واقف شرط بھی رکھ سکتا ہے۔

مساجد اتنی عام ہیں کہ اس کے لیے علیحدہ تفصیل کی ضرورت نہیں لفظ مسجد

سجدہ سے ماخوذ ہے اور اس کا منشا عبادت کی جگہ ایسی جگہ جہاں خداوند تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہو۔ ہرک نے اپنی کتاب قانون اسلام میں ایک عام مسجد کا بہت ہی واضح ذکر کیا ہے۔ مصلےٰ عبادت کی جگہ ہے یہ لفظ صلوۃ یا عبادت سے اخذ کیا گیا ہے ہندوستان میں عام طور پر عید گاہ یا نماز گاہ سے موسوم ہے اور اس میں وہ قطعہ آراضی شامل ہیں جو عیدین اور روزانہ کی نماز کے لیے مخصوص ہیں۔

لفظ امام باڑے کے لغوی معنی ہیں امام کا گھر یہ ایسی عمارت ہوتی ہے جو حضرت امام حسین کی یاد میں وقف کی جاتی ہے اور عام طور پر یہ ایک شیعہ ادارہ ہے حالانکہ سنی مسلمان بھی امام باڑے بناتے ہیں اور اسے قائم رکھتے ہیں اور ایران میں ایک امام باڑہ کو عام طور پر امام زادے یا مشہد کہتے ہیں۔

ہندوستان میں اہل اللہ یا مقدس شخصیتوں کے مقبرے عام طور پر درگاہوں سے موسوم ہوتے ہیں۔ ایران اور مغربی ایشیا میں وہ روضہ کہلاتے ہیں جیسے کہ خلیفہ حضرت علیؓ کا روضہ یا بمقام مشہد حضرت امام علی قدسی کا روضہ وغیرہ وغیرہ۔

خانقاہ

ایک خانقاہ جو کبھی "خانگاہ" سے بھی موسوم ہوتی ہے رچرڈسن نے اسکی تعریف اس طرح کی ہے۔ایسی تعمیر یا مذہبی عمارت جو کہ متبرک کے صوفیہ یا درویشوں کیلئے کی جائے اور ہینسکی نے بھی اس کی تعریف اسی طرح کی ہے۔

برہان قاطع اور مجالس العارفین میں خانقاہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جہاں درویش یا دوسرے طالبان حق تعلیم دین اور ذکر الٰہی کے لیے جمع ہوں یہ عام طور پر عبادت گزاروں مسافروں اور فقرا کی رہائش کا ادارہ ہوتی ہے۔ مغربی ایشیا میں یہ رباط سے موسوم ہے اور عام طور پر زائرین اور درویشوں کے قیام کے لیے ہوتی ہیں۔

ہندوستان میں خانقاہیں بتدریج اس طرح وجود میں آئی ہیں کہ ایک درویش یا ایسا شخص جس کی پاکبازانہ (مقدس) زندگی پڑوسیوں میں احترام اور تقدس کا سبب ہو یا کوئی صوفی تقدس کے ساتھ کسی بستی میں بس گیا ہو اس وقت تک اس کی رہائش گاہ تکیہ کہلاتی ہے جب تک اسے کافی اہمیت حاصل نہ ہو جائے مگر اس کے تقدس کی کافی شہرت

ہونے پر وہ آستانہ کہلاتی ہے اور وہ اپنی پاکبازانہ زندگی اور مذہبی خدمات کی بنا پر مرجع عوام ہوتا ہے، عقیدت منداس کے گرد جمع ہوتے ہیں اور ان کی رہائش کے لیے عمارت وجود میں آتی ہے اور معمولی تکیہ خانقاہ اور بزرگ کے انتقال کے بعد ان کا مدفن ہوتا ہے وہ مقبرہ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں یہ نہ صرف ایک زیارت گاہ ہوتی ہے بلکہ دور ودراز کے لوگوں میں جو ہندو اور مسلمان ہیں وہ درگاہ یا آستانہ یا روضہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے اور ایسی ہی خانقاہیں شاہ کبیر درویش کی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ بادشاہوں اور دوسرے نیک فرمارواؤں نے ان مقدس ہستیوں اور ان کی اولاد کے گذارہ کے لیے دائمی عطیات مختص کئے ہیں تاکہ امور خیر کی ادئیگی ہوتی رہے۔

ہندوستان میں بہت سی درگاہیں ہیں اور جنوبی ہند میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ہرک لوٹ نے ان کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دیگر بہت اہم درگاہیں اجمیر شریف اور آگرہ کے قریب فتح پور سیکری میں ہیں ایک مشہور درگاہ نواح کلکتہ میں مولا علی کی درگاہ کہلاتی ہے جہاں ہر قسم کی منت کے لیے نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ مشہور شاعر شیخ علی حزیں کی قبر کو بھی نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی مقبرہ سمجھتے ہیں۔

غازی یا سپاہیوں کی آرام گاہوں کو جو کہ غزوہ یا جہاد میں مصروف رہے ہوں وہ بھی رباط کہلاتے ہیں۔

فصل دوم:۔ مساجد اور مصلےٰ

مصلےٰ

ایک واقف کا ایسی عمارت یا زمین سے حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اسے عبادت کے لیے مسجد یا مصلیٰ قرار دے یا اس میں عبادت کی جائے۔ ہر وہ زمین جو عبادت کے لیے مختص کی جائے مصلیٰ ہوتی ہے اور مسجد سے متعلق قواعد اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ مصلےٰ وہ جگہ ہے جہاں نماز جنازہ یا عیدین کی نماز ادا ہوتی ہے اور اسی غرض سے وہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اس پر مسجد کے قواعد لاگو ہوتے ہیں۔ ایک قطعہ آراضی ادائیگی نماز کی غرض سے مختص کیا جاسکتا ہے یہ وقف ہوتا ہے اور اس پر مسجد کے ہی قواعد لاگو ہوتے ہیں۔

مسجد کا وقف

ملتقہ کے مطابق اس پر ادائیگی نماز وقف کے مساوی ہے مگر ذخیرہ میں ہے کہ ایسی نماز صلوۃ بالجماعت ہونا چاہئے کہ یہ تفویض قبضے کے مساوی ہے اگر ایک شخص مسجد کے لیے وقف کی غرض سے کوئی عمارت تعمیر کرے اور لوگوں کو نماز کی اجازت دیدے تو بلا اس اعلان کے کہ یہ مسجد وقف کی گئی ہے اگر اس میں نماز بالجماعت ہوتی ہے تو یہ ناقابل تنسیخ وقف ہے۔اگر کوئی مسجد نئی تعمیر یا رہائشی مکان میں (مسجد) بناکر اس میں عبادت کی اجازت دی جائے اور نمازیوں کی آمدورفت کے لیے علیحدہ راستہ معین کردیا جائے تو بالاتفاق رائے یہ بھی ایک مسجد ہے اگر کسی راستے کی نشاندہی نہ ہو تو بقول امام ابو حنیفہ وقف جائز نہیں ہے۔ مگر ابو یوسف اور محمد کے مطابق یہ کافی ہے کہ راستہ کا مفہوم بھی نماز کی اجازت میں شامل ہے اور یہی صحیح ہے۔

اگر ایک شخص مکان یا مسجد بناتا ہے تو یہ عام مسجد نہیں ہے اور نہ اس پر عام مذہبی ادارے کے اصول منطبق ہوں گے تاوقتیکہ بیرونی اشخاص کو اس میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اجازت صریح الفاظ میں ہو۔ لیکن کوئی مسجد جو رہائشی مکان میں تعمیر ہو اور بلا اصلاً و تعبیراً اجازت عام مسجد نہ ہوگی جس کو عام مسلمان بطور مسجد استعمال کرنے کے مستحق ہوں۔ عوام کو بھی کسی خانگی مسجد کو وقف بنانے یا ورثا واقف کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کا حق ہے۔ اگر ایک بار مسجد میں نماز ادا کرلی جائے تو ضروری نہیں کہ صریحاً وقف بنایا جائے محض ادائیگی نماز کا واقعہ ہی اس کے جائز وقف ہونے کے لیے کافی ہے۔

ابو یوسف کے مطابق واقف کا یہ قول کہ اس نے یہ زمین یا حدود زمین وقف کردئے ہیں کافی ہے مثلاً۔

اگر وہ یہ کہے کہ ایک خاص عمارت مسجد میں تبدیل کردی گئی ہے (خواہ اس میں نماز نہ پڑھی گئی ہو) تو یہ ایک جائز وقف ہے یہ مسلمہ مسئلہ ہے اس کا درالمختار کے مصنف کا قول درالمختار۔ وقایہ۔ اور دوسری مستند کتابوں میں حوالہ ہے اور ہم بھی اس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

اصول

اگر عمارت کی شکل مسجد سے مشابہ نہ ہو یا اس امر کی کوئی شہادت نہ ہو کہ واقف نے اس عمارت کو مسجد قرار دیا تھا اور شہادت وقف مسجد ادائیگی عبادت پر منحصر ہے تو بعض فقہا نے ایسی عبادت کے لیے اذان اور اقامت کی شرط مقرر کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وقف کی صورت میں قبضہ دہانی لازمی ہے اگرچہ ابویوسف کی رائے مختلف ہے۔ نوعیت قبضہ بہر صورت شئے کی نوعیت پر منحصر ہے مثلاً قبرستان پر قبضہ ایک شخص کے دفن ہونے پر پانی کے حوض پر اس میں سے ایک کے پانی لینے پر۔ مسافر خانے کا ایک شخص کے وہاں قیام کرنے پر اس طرح مسجد کی غرض بھی یہ ہے کہ لوگ نماز بالجماعت ادا کریں اس لئے ضرورت ہے کہ جب صریحاً عمارت وقف نہ کی گئی ہو تو ادئیگی نماز کی شہادت درکار ہو گی۔ نماز اذان و اقامت کے ساتھ ہونا چاہئے۔

مسجد میں ایک مرتبہ نماز سے وہ وقف جائز ہو جاتی ہے

لیکن اگر ایک شخص خود موذن اور امام دونوں ہی فرائض انجام دے تو تنہا اس کی نماز مسجد کو وقف قرار دینے کے لیے کافی ہے۔

اگر کسی مسجد میں صرف ایک بار نماز پڑھی گئی ہے تو وقف ہونے کے لیے کافی ہے لیکن اگر صرف واقف ہی اس میں عبادت کرے تو یہ کافی نہیں ہے تاوقتیکہ وقف کا اعلان نہ کرے۔

مسلمہ اصول

فتاویٰ قاضی خان میں یہ ہے مسجد پر قبضہ دہانی اسی وقت مکمل ہو جاتی ہے جب کوئی شخص اذان اور اقامت سے نماز پڑھے۔ کسی مسجد میں ایک شخص کے نماز پڑھنے سے وہ عبادت خداوندی کے لیے عام مسجد ہو جاتی ہے اس لئے کہ مسجد خانہ خداوندی ہے اور اس میں ہر عام مسلمان کو عبادت کا حق ہے اور یہ حق قائم رکھنے کے لیے خلق اور خالق کائنات کی جانب سے ہر شخص مختار ہے۔ ابویوسف کے مطابق کسی وقف کے جواز کے لیے خواہ مسجد ہو یا کوئی اور وقف تفویض ضروری نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص مسجد بناتا ہے اور لوگوں کو عبادت کی اجازت دیتا ہے تو یہ مکمل وقف ہے۔

تفویض بلا نماز کے بھی کافی ہے۔ قبرستان وغیرہ کا وقف

اگر کوئی مسجد کسی متولی کو تفویض کی جائے اور اس میں نماز نہ ہو تب بھی یہ وقف جائز ہے اگر ایک شخص عام حوض یا چشمہ یا قبرستان تعمیر کرے تو ابو یوسف کے مطابق لغوی معنی کے ہم پیرو ہیں یہ وقف منسوخ نہیں ہو سکتا۔ قبرستان میں محض ایک آدمی کا دفن ہونا وقف ہونے کے لیے کافی ہے اسی طرح ایک مسافر خانے میں قیام وقف کو ناقابل تنسیخ کر دیتا ہے۔

ان اصولوں کا عام اثر یا نتیجہ

مندرجہ بالا اصولوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے اگر کسی وقف کو اس کی خاص جہت اور نوعیت کے مطابق ایک بار نافذ کر دیا جائے تو وقف مکمل اور ناقابل تنسیخ ہوتا ہے مثلاً مسجد کی خاص غایت یہ ہے کہ لوگ اس میں نماز پڑھیں، قبرستان کی غایت یہ ہے کہ لوگ اس میں دفن ہوں، پانی کے بند کی یہ ہے کہ لوگ اس پانی کو استعمال کریں وغیرہ وغیرہ۔ ابویوسف کے مسلمہ اصول کے مطابق اگر وقف صریح کی کوئی لسانی شہادت نہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ علاوہ واقف کے ایک فرد واحد نے بھی اس مقام پر نماز پڑھی ہے یا قبرستان میں ایک ہی شخص دفن ہوا یا ایک شخص نے پانی پیا تو اس مختص مقصد کے لیے وقف مکمل سمجھا جائے گا اس طرح وقف کے مقصد کی تکمیل اس وقف کی مخصوص غرض کے استعمال سے فیصلہ کن سمجھا جائے گا مثلاً۔

مسجد کی خاص غرض یہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھیں اور قبرستان میں دفن ہوں اور پانی کے حوض سے پانی کام میں لیں وغیرہ وغیرہ۔ پس غرض مختص کے لیے وقف مکمل سمجھنا چاہئے وقف کی غرض کے مطابق اس کا استعمال مسلمہ طور پر قطعاً وقف ہے۔

اگر کسی کے پاس کوئی قطعہ آراضی ہو اور وہ عوام کو بلا پابندی یا رکاوٹ نماز کی اجازت دے تو اس کے مرنے پر وہ قطعہ آراضی ورثہ میں شامل نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اجازت کسی خاص موقع یا خاص وقت تک محدود ہو تو قطعہ آراضی اس کی موروثی جائیداد ہوگی اس لئے کہ موقع اور وقت کی پابندی سے وقف قطعی کے قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

اصول

ایسی جگہ جہاں نماز عید یا نماز جنازہ عام طور پر پڑھی جاتی ہو تو قاضی خان اور مصنف آساف کے نزدیک اس پر بھی مسجد کے قانون لاگو ہوں گے۔

اگر کوئی کہے اس کمرہ کو میں نے اس لئے ہبہ کردیا ہے کہ اس کی آمدنی سے فلاں مسجد کے چراغوں کے لیے تیل مہیا ہوتا رہے اور مزید کچھ نہ کہے تو فقہ ابو جعفر کے مطابق وہ کمرہ بشرطیکہ متولی کے سپرد کردیا جائے مسجد کے لیے وقف ہو جائے گا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

اگر کوئی قطعہ آراضی مسجد کے لیے وقف کر کے متولی مسجد کے سپرد کردے تو یہ جائز ہے اور منسوخ نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص مسجد کی تعمیر کے معاملات یا مسجد کی خدمت کے لیے روپیہ دے تو یہ بعد ادئیگی متولی جائز ہوگا۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان مسلمانوں کے مفاد کی خاطر مسجد کے لیے وقف کرے تو یہ جائز ہے اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے۔

مساجد وغیرہ کی مرمت کے لیے وقف

مساجد اور قبروں کی مرمت کے لیے وقف جائز ہے کہ اس سے دوامی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ ایک فرماں روائے وقت ایسا قطعہ آراضی جو اسے صلح یا گفت و شنید سے حاصل ہوا ہو بلا اجازت اصل مالکان مسجد کے لیے نہیں دے سکتا۔ مگر وہ کسی بھی قطعہ آراضی کو جو جنگ میں حاصل ہوا ہو وقف کر سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی فرد کے راستہ کی آمد رفت کے حق میں مداخلت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص بعد تعمیر مسجد کسی کو مقرر نہیں کرتا تو تولیت اور انتظام اسی کی تفویض میں رہتا ہے اور یہی ہلال اور تیمی کے مطابق مسلمہ اصول ہے۔

اہل محلّہ کے حقوق

اہل محلّہ یعنی اس علاقہ کے لوگ مسجد کی توسیع یا مکرر تعمیر اپنے بہتر سامان سے اپنے صرفہ سے کر سکتے ہیں مگر تاوقتیکہ قاضی کی اجازت نہ ہو اس میں مسجد کی رقم صرف نہ

ہو گی ۔اگر اہل محلہ قاضی کی اجازت یا بلا اجازت مسجد کو ترقی دینا چاہیں تو اس پر ورثا واقف اعتراض کے مجاز نہیں ہیں تاوقتیکہ ایسی ترقی واقف کی خواہشات کے صریحاً خلاف نہ ہو۔

اگر خانگی رہائش گاہوں میں اہل خاندان کی عبادت یا مراسم محرم کی ادائیگی کے لیے کمرے مخصوص کر دئے جائیں تو ایسے کمرے مختص طور پر وقف نہیں ہوتے کہ ورثا اپنے حقوق سے محروم ہو جائیں۔ بہت سی صورتوں میں علیحدہ حصے مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لیے مخصوص کئے جاتے ہیں جیسے کلکتہ میں کربلا یا محمد کا امام باڑہ۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ داخلہ کا دروازہ خانگی رہائش گاہ سے علیحدہ ہوتا ہے اور اس طرح مقررہ شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے جیسا کہ بقول ان کے جب مسجد واقف کی خانگی جائیداد یا رہائش گاہ سے ایسی ملی ہوئی ہو کہ جس میں امتیاز ضروری ہو تو حدود وقف کی تصریح کرنا چاہئے ان حالات میں ان حصوں کا جو کہ جائز طور پر وقف ہیں کوئی بدل ہی نہیں ہوتا بلکہ اصولاً قانون کسی کی خانگی رہائش گاہ کے حصے کو وقف کے لیے ناپسند قرار دیتا ہے خاص طور پر جبکہ دوسرا حصہ واقف کے قبضے میں ہو مثلاً کسی عمارت کی بالائی یا زیریں منزل کو بطور مسجد وقف کرنا جائز نہیں ہے تاوقتیکہ اس علاقے میں ہجوم آبادی کی بنا پر اس قسم کی مسجدوں کی تعمیر کا رواج نہ ہو گیا ہو۔

ابو یوسف اور ابو محمد اس صدی میں شہروں کی گھنی آبادی کی بنا پر ایسے وقف جائز بتاتے ہیں۔

کسی شخص کو اپنی خانگی رہائش کے حصہ کو خاندانی عبادت گاہ یا اپنی عبادت کے لیے عارضی طور پر مسجد میں منتقل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اصول یہ ہے کہ جب تک بعض شرائط کی تکمیل نہ ہو ان حصوں پر قانون وقف لاگو نہیں ہوتا۔ وہ واقف کی خانگی جائیداد ہی رہیں گے بلکہ اس سلسلے میں ایک اہم شرط مزید قابل توجہ یہ ہے کہ حصہ وقف بقیہ تمام رہائش گاہ سے مابہ الامتیاز ہو اور ایسی صورت میں ہی وقف جائز ہے۔

اگر تمام عمارت مسجد یا مدرسے کے لیے وقف ہو اور عمارت کا ایک حصہ غایت مختص کے لیے وقف ہو ۰ ں سے اس ادارے کے کارکنوں کی رہائش یا آمدنی وقف کے لیے لوگوں کو کرایہ دیا جائے تو یہ وقف جائز ہے واقف کا کچھ حصہ عمارت بطور متولی

یا رہائش اپنے کام میں لینے سے جواز وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ہدایہ میں ہے کہ ابو یوسف اور ابو محمد نے ایک مکان کے مرکزی ہال کو مسجد کی غرض سے وقف قرار دینا جائز بتایا ہے مگر درالمختار میں یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں آمد ورفت کا علیحدہ راستہ ہونا چاہیے۔

غیر مذہبی عمارتوں کا مسجد سے ملحق ہونا مذہبی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتا

بہت سی جگہ یہ عام رواج ہے کہ مسجدوں یا مقبروں کو اس طرح تعمیر کیا جاتا ہے کہ ان کی منزل زیریں اور بیرونی حصے میں دکانیں تعمیر ہو سکیں تاکہ ان کا کرایہ اس کی اولاد کے کام آسکے۔ یہ غیر مذہبی عمارتیں جواز وقف یا ان کی مذہبی نوعیت پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتیں۔

کارکنوں کا حق

جب کسی عمارت کا کوئی حصہ کارکنوں کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو کارکنوں کو حق نہیں ہے کہ دوسروں کو کرائے پر دیں۔ وہ اس وقت تک اس میں رہائش رکھ سکتے ہیں جب تک کہ وہ مسجد کی ملازمت میں ہیں لیکن بلا اجازت متولی نہ وہ دوسروں کو کرایہ پر رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی اور طرح استعمال کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں اگر سلسلہ ملازمت موروثی ہے تو ان کے جانشینوں کو بھی اسی قدر وہی حق حاصل ہے اس سے زیادہ نہیں۔

بقول درالمختار چونکہ مسجد یا مدرسے کے کارکن اپنے وظیفے دوسروں کو تفویض نہیں کر سکتے پس وہ اپنے کمرے بھی دوسروں کو نہیں دے سکتے۔

مسجد مسلمانوں کے تمام طبقات کے لیے کھلی ہوتی ہے

ایک مسجد کسی خاص طبقے کی نہیں ہوتی اس کے دروازے تمام مسلمانوں کے لیے کھلے ہوتے ہیں کہ وہ اس میں جائیں اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کریں۔ فرض کرو اگر ایک حنفی مسجد تعمیر کرتا ہے تو اس میں شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ احناف کے ساتھ مساویانہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ کسی شیعہ پر اس کے مذہبی رسوم کے مطابق امور عبادت سے اعتراض ہو سکتا ہے۔ ایک حنفی متولی کسی ایسے شخص کو نہیں روک سکتا جو خداوند تعالیٰ کی

عبادت کرے اور دوسروں کے مسجد میں داخلہ اور عبادت خداوندی کی ادائیگی میں مخل اور مانع ہو۔

بمقدمہ عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ مسجد عبادت خداوندی کے لیے تمام مسلمانوں کی ہوتی ہے اور قانوناً کسی مخصوص طبقے کے لیے مختص نہیں ہوسکتی۔

ایک سنی مسلمان جو چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کا بھی پیرو ہو جائز طور پر کسی دوسرے امام مذہب کی اقتدا میں نماز ادا کرسکتا ہے۔

نماز میں کسی بھی امام کی قیادت جائز ہے

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق دوسرے اماموں کے پیرو کی امامت جو آزاد منش اور ملحد نہ ہو جائز ہے اور یہی اصول درالمختار میں ہے۔

لیکن عالمگیری میں آیا ہے کہ کسی (متشبہ کی) جو کہ خدا کو مثل ایک انسان کے یقین کرے) کی امامت میں نماز جائز نہیں ہے۔

مختصراً آزاد خیالی سے امامت کا نااہلنہیں ہوتا اور ایک آزاد خیال کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور یہی صحیح ہے اور یہی ہدایہ میں ہے کہ ایک سنی کا شیعہ کے پیچھے یا ایک شیعہ کا سنی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ مگر جائز نہں ہے بلکہ بعض شیعہ فقہاء نے تو سنی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتایا ہے۔ یہ علیحدگی صرف شیعہ فقہاء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ سنیوں کے مختلف مذاہب بھی شیعہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارہ میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ دونوں فرقوں میں بربنائے تعصب رکاوٹوں کے باوجود یہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ شیعہ سنی کی موقوفہ مسجد میں جاتے ہیں اور سنی اس مسجد میں جہاں شیعہ عام طور پر نماز پڑھتے ہیں اور اپنے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ سنی اور شیعہ ایک ہی وقت میں اپنی اپنی نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں اس طرح کوئی چیز خلاف قانون نہیں ہے۔ نہ کسی مسجد کا متولی دوسرے کو مسجد سے باہر کرسکتا ہے تا آنکہ وہ شخص دوسروں کی نماز میں مداخلت اور رکاوٹ پیدا نہ کرے۔

احناف اور شیعوں کے مطابق نماز باجماعت اس وقت تک مستحسن نہیں ہے

جب تک امام اہل نہ ہو اور پاکباز زندگی نہ بسر کرتا ہو مگر شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کے مطابق صلوۃ باالجماعت پر امام کے طریقہ زندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دو اذانیں یا دو نمازیں نہیں ہو سکتیں اور ادیگی نماز کا طریقہ

اگر چہ ایک مذہب کے پیرو دوسری مسجد میں جاسکتے ہیں جب کہ دوسرے مذہب کے پیرو اپنی نماز میں مصروف ہوں اور نماز ادا کر سکتے ہیں لیکن نہ دو اذانیں ہو سکتی ہیں اور نہ ایک ہی وقت میں دو جماعتیں۔

سنی اپنی نماز میں سامنے کی طرف ہاتھ باندھتے ہیں لیکن شیعہ دونوں طرف اپنے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں ہر دو طریقے مبنی پر روایات ہیں۔ ایک طبقے نے تسلیم کیں اور دوسرے نے نہیں کیا۔ شافعی، مالکی، اور حنبلی تکبیر کے وقت اور نماز کے کچھ حصوں میں اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس فعل کو "رفع یدین" کہا جاتا ہے اور سورہ فاتحہ کو جب امام ختم کرتا ہے وہ زور سے آمین کہتے ہیں جن کو حنفی صحیح نہیں مانتے یہ طریقہ آمین بالجہر کہا جاتا ہے۔

حنفی ان دونوں طریقوں کو خلاف قاعدہ سمجھتے ہیں وہ آمین آہستہ کہتے ہیں اور بوقت تکبیر اپنے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں اٹھاتے۔

ہندوستان میں رسوم عبادت میں معمولی اختلاف سے کافی جھگڑے ہوئے ہیں ہندوستان میں سنیوں کا کثیر طبقہ ہے وہ کسی خاص امام کی تقلید کی ہم نوائی نہیں کرتے بلکہ چاروں کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کا مذہب شافعی کی طرف میلان ہے جو خود کو عامل بالحدیث کہتے ہیں انہوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر کو اختیار کیا ہے۔ ناواقف حنفی ان بدعتوں پر معترض ہوتے ہیں اور ان پر جھگڑتے ہیں۔ وہ عامل بالحدیث کی امامت میں نماز نہیں پڑھتے اور ایسی مسجدوں میں جہاں اہل سنت نماز پڑھتے ہیں اہل حدیث کو نہیں آنے دیتے اور عامل بالحدیث کے اصول کے مطابق طے ہونے میں بمقدمہ فضل کریم بنام حاجی مولا بخش پریوی کونسل کے فاضل ججوں نے طے کیا ہے ایک امام جو عامل بالحدیث کے اصولوں پر عامل ہے وہ امامت کا نااہل نہیں ہوتا۔

عامل بالحدیث اپنے طرز عمل کی تائید میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کا حوالہ دیتے

ہیں کالج۔ اسکول۔ شفاخانے۔ دواخانے وغیرہ بھی اسی طرح پر سمجھے جاتے ہیں جیسے کہ مساجد یا دوسرے ادارے۔ قانون انگریزی کے نقطہ نظر سے وہ غیر مذہبی وقف سمجھے جائیں گے مگر مسلم قانون میں خالص مذہبی اداروں اور دوسرے اداروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے یہ سب ایک ہی سطح پر رکھے جاتے ہیں۔

ایسی مسجد کا استعمال جو کہ ترک کردی گئی ہو

خلاصے کے باب وقف فصل سوم میں آیا ہے کہ صاحب منیہ سے ایک اسی طرح کے وقف کے بارہ میں سوال کیا گیا۔

س:- ایک مسجد جو اجڑ گئی اور اس کا ایک حصہ شکستہ ہو گیا اور اہل محلہ کو اس کی ضرورت بھی نہ ہو اور اس کے متصل ایک اور مسجد ہو تو کیا اجڑی ہوئی مسجد کا بقیہ حصہ فروخت کر دیا جائے اور اس کا منافع دوسری مسجد کے کام میں لیا جائے۔

ج:- اس معاملہ میں قاضی سے دریافت کیا جائے۔

کفایہ میں آیا ہے جب کسی مسجد کا حوض ضائع ہو جائے اور لوگ اسے چھوڑ دیں تو قاضی اس کے فروخت کی آمدنی دوسرے حوض یا مسجد میں استعمال کرنے کا مجاز ہے اور یہ بھی ہے کہ جب دو شکستہ مسجدیں ہوں اور کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں کے واقف کون تھے قاضی مجاز ہے کہ ایک کے سامان کو دوسری مسجد کی تعمیر مکرر کی غرض سے صرف کرے۔ اگر واقفان کے بارہ میں معلوم ہو تو ان کے ورثا ہوں تو انہیں خود ہی اجازت دینا چاہئے۔

کفایہ (فتاویٰ قاضی خان) میں ہے جب مسجد ترک ہو جائے اور اس بستی کے لوگوں کو ضرورت نہ ہو تو اس مسئلہ کو قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ ملبہ کی فروخت اور اس کی آمدنی کو دوسری مسجد میں استعمال کی اجازت دے اگر عمارت وقف ضائع ہو جائے اور اس کی عمارت کی مرمت یا مکرر تعمیر کی اجازت نہ ہو تو بعض کے نزدیک واقف (اور اس کے انتقال کی صورت میں) اس کے ورثا اسے واپس لے سکتے ہیں مگر صدر الشہید نے اپنے فتوے میں کہا ہے کہ یہ رائے قابل اعتراض اور خلاف اصول ہے۔

بقول درالمختار جب مسجد خستہ ہو جائے اور اس کے تعمیر کرانے والے کا علم نہ

ہو تو اہل محلہ مجاز ہیں کہ قاضی کی اجازت سے اس ملبہ کو فروخت کر کے آمدنی کو دوسری مسجد پر صرف کریں۔ مسجد میں ایک کنواں اگر وہ منہدم ہو تو تیار کیا جاسکتا ہے۔

ایک واقف حدود مسجد میں سے کسی حصے کو اپنی اغراض کے لیے کرایہ پر نہیں دے سکتا جب کسی عمارت میں مسجد نہ رہے تو واقف اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا ایک مسجد سے نہ کوئی منافع حاصل کرنا چاہئے نہ اسے کسی خانگی رہائش یا کرایہ پر دینا چاہئے۔

ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق جب زمین ایک بار مسجد کے لیے وقف کر دی جائے وہ وقف ہی رہتی ہے خواہ ضائع ہو کر اسکی عمارت برباد ہی ہو جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے ابو یوسف نے مزید بتایا ہے کہ قاضی کی اجازت سے برباد یا ضائع شدہ حصہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور اسکی آمدنی دوسری مسجد کے قیام یا تعمیر میں جو غیر مستعملہ مسجد کے قریب ہو کام میں لی جاسکتی ہے یہی اصول دوسرے مذہبی یا خیراتی ادارہ پر منطبق ہوتا ہے اور یہ سب فتویٰ ابو یوسف مطابق ہے۔

شرح ملتقہ کے مطابق جب کسی وقف کی غرض معدوم ہو جائے تو جائیداد وقف کی آمدنی ایسے دوسرے مقصد پر جو ابتدائی مقصد سے قریب تر ہو صرف کرنا جائز ہے مثلاً وقف اگر پانی کا تالاب ہو تو آمدنی کسی حوض یا نہر پر صرف ہو سکتی ہے اگر غایت مسجد ہو تو آمدنی دوسری مسجد روضوں یا عبادت گاہوں پر صرف ہو سکتی ہے۔

شمس العلماء الحلوانی کے مطابق جب کوئی حوض یا مسجد اس طرح ضائع ہو کہ خارج از استعمال ہو جائے تو قاضی اس کے ملبہ کو کسی دوسرے حوض مسجد میں استعمال میں اجازت دے سکتا ہے۔ اس عصر کے مصنف امام الحلوانی کی نظریات قابل لحاظ ہیں ان کے مطابق قاضی مجاز ہے کہ ضائع شدہ مسجد کے ملبہ کو دوسری آباد مسجد میں استعمال کی اجازت دیدے۔

جب دو "وقف" ہوں جن کے واقف اور ان کی غرض ایک ہی ہو مگر چند حادثات کی بنا پر ایک کی آمدنی قلیل ہو جائے اور دوسرے کی آمدنی میں صرفہ کے بعد بھی بچت ہو جائے تو جج (قاضی) اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اول الذکر کے ملازمین کی تنخواہیں دوسرے کی فاضل آمدنی میں سے ادا کرے لیکن اس صورت میں قاضی کو

اجازت نہیں ہے کہ جب او قاف کی غایت ہی مختلف ہو مثلاً اگر ایک شخص کسی مسجد کے لیے دو وقف کرتا ہے ایک کی آمدنی عمارت کے لیے اور دوسرے کی آمدنی امام اور موذن کے لیے مگر دوسرے وقف کی آمدنی اتنی کم ہو جائے کہ امام اور موذن نہ رکھے جاسکیں تو حاکم مجاز ہے کہ محلّہ کے اہل الرائے کے مشورہ سے یہ ہر دو کے مشاہرے کو عمارت وقف کی آمدنی سے ادا کرنے کی اجازت دیدے بشرطیکہ ہر دو کا ایک ہی واقف ہو اگر ہر دو او قاف کا متولی (امین) ایک ہی ہو تو تب بھی وہ با اختیار خود ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف کے متعلقین کی پرورش پر صرف نہیں کرسکے گا اسے بذریعہ درخواست جج سے اجازت حاصل کرنا چاہیے۔

"جامع الفصولین" کی تیرہویں فصل میں ہے کہ جب ایک شخص کہے کہ اس کے مکان یا کمرہ کی آمدنی وستی پر صرف ہو گی تو اس کمرہ یا مکان کی آمدنی مسجد پر صرف ہو گی۔

"وقفیۃ الحائی" میں ہے کہ اگر مسجد کی روشنی کے لیے روپیہ ہو اور یہ مناسب سمجھا جائے کہ مکان یا کمرے کی آمدنی کا روپیہ اذان کے لیے ایک منارہ کی تعمیر پر صرف کیا جائے تاکہ اذان کو اچھی طرح سنا جاسکے تاہم اگر خاص ضرورت نہ ہو تو صرف نہ کیا جائے۔

جب کئی او قاف کسی ایک مسجد سے ہی وابستہ ہوں تو متولی یا منیجر ان سب کی آمدنی ایک جگہ رکھ سکتا ہے بلکہ مشترکہ حساب بھی رکھ سکتا ہے اگر مسجد سے متعلق ایک دکان خستہ ہو جائے تو مسجد کی دوسری دکان کی آمدنی سے اس کی مرمت کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر ایک شخص قطعہ آراضی تعمیر مسجد کے لیے وقف کرے تو نہ یہ بیع ہو سکتا ہے اور نہ ورثہ میں دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ قطعہ آراضی سے انفرادی حق ملکیت منتقل ہو کر خداوند تعالیٰ میں تفویض ہو گیا۔

اصولاً ہر شئے کا اصلاً مالک اللہ تعالیٰ ہے جب ایک فرد حق زمین ترک کرتا ہے تو حق اصل کی طرف عود کرتا ہے اور قبضہ بر بناء ملکیت ختم ہو جاتا ہے یہ اسی طرح سے ہے کہ ایک غلام کو آزاد کرنے پر قبضہ ختم ہو کر دوبارہ بحال نہیں ہو سکتا۔

فصل سوم:۔ پلوں اور سرائے کے لیے وقف

حوض اور سرائے اور قبرستانوں کے لیے وقف

ابو یوسف کے مطابق واقف کے قول سے کسی بھی امر فلاح کے لیے وقف مثل مسجد موثر ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص مسلمانوں کے لیے کوئی پل تعمیر کرائے یا مسافروں کے قیام کے لیے سرائے بنائے۔ یا اپنی زمین کو قبرستان کیلئے دے تو محض اس کے قول سے ہی وقف مکمل ہو جائے گا اور آراضی پر تمام حقوق مالکانہ ساقط ہو جائیں گے۔

امام محمد کے مطابق جب عوام پل کا استعمال کریں کارواں سرائے میں قیام کریں یا قبرستان میں دفن ہوں تو محض ایک شخص کے ہی عمل سے واقف کا حق مالکانہ ختم ہو جائے گا۔

کنواں اور تالابوں کے لیے بھی یہی اصول ہے ان کے منتظم کے مستقل ہونے کی صورت میں بھی وقف جائز ہو گا بقول سیوطی اس پر عام اتفاق رائے ہے اور فتویٰ بھی صاحبین کے مطابق ہے باالفاظ دیگر ایک وقف کسی بھی طریقے سے موثر ہو سکتا ہے واقف کے اصل قول سے یا شئے کو تفویض کرنے سے باالفاظ دیگر ایک فرد واحد کے استعمال سے بھی جائز ہو سکتا ہے۔

کوئی شخص بھی کنواں اور تالابوں سے پانی پی سکتا ہے اور مویشی اور اونٹوں کو پانی پلا سکتا ہے وضو کے موقعوں پر کام میں لے سکتا ہے پانی کے مندرجہ بالا اغراض خیر کیلئے استعمال میں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ سب کے لیے۔

یکساں طور پر جائز ہے کہ سرائے میں مقیم ہوں حوض سے پانی پئیں اور قبرستان میں دفن ہوں اگر کسی عمارت کی آمدنی غازیوں یا مذہبی جنگ آزماؤں کے لیے مختص ہے تو اسے صرف وہی استعمال کر سکتے ہیں جو حاجت مند ہوں۔ جب کوئی عمارت حاجیوں کے لیے مختص ہو تو راہ گیروں کو حق نہیں ہے کہ اس میں قیام کریں اور موسم حج ختم ہونے پر اسے کرایہ پر دینا چاہئے اور اس آمدنی سے مرمت کرانا چاہئے بصورت رقم فاضل ہونے غربا تقسیم ہونا چاہئے۔

راستہ یا سڑک کا وقف

گواہان کے سامنے مالک آراضی کا یہ اعلان کہ اس نے کوئی سڑک یا راستہ وقف کردیا ہے تو وقف جائز ہے مگر ان فقہاء کے نزدیک جو تکمیل وقف کیلئے تفویض ضروری سمجھتے ہیں خواہ ایک ہی شخص راستہ سے گذر جائے اس طرح استعمال کی شہادت فراہم ہو، ہلال کے مطابق اسی کلیہ کا پل پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

ابو یوسف کے نزدیک جائیداد کے بارہ میں محض قول یا ایک فرد کا استعمال ملکیت ذاتی ساقط کردیتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

قبرستان

اگر زمین میں کوئی نعش زیادہ یا کم مدت پہلے دفن کردی ہو تو بلا کسی وجہ کے یہ نہیں نکالی جاسکتی لیکن اگر زمین غصب کرلی گئی تھی یا حق شفعہ کے مطابق دوسرا اس آراضی کا مستحق ہو تو قانونا برآمد کی جاسکتی ہے۔

جب اوزجندی سے ایسی مسجد کے لیے دریافت کیا گیا کہ جس میں نماز با جماعت نہیں ہوتی ہے اور تمام ضائع ہوچکی ہو تو کیا اس کو قبرستان میں تبدیل کردیا جائے تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ جب ان سے ایک گاؤں کے قبرستان کے بارہ میں دریافت کیا گیا جو اگرچہ تباہ ہوچکا تھا مردے کا نشان اور ہڈیاں تک نہ تھیں ایسی صورت میں کیا اس قبرستان کی آراضی پر کاشت کرنا اور اس کی آمدنی جائز ہے اس کا جواب نفی میں آیا اس لئے کہ شرعی حیثیت سے وہ قبرستان ہی ہے۔

قبرستان

ایک شخص اپنی آراضی پر قبرستان یا سرائے بناتا ہے تو اگر وہ آراضی خراجی (مالگزاری) تھی تو اس کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے۔

اگر کوئی عورت اپنی آراضی کے کسی حصہ پر قبرستان بناتی ہے اور اس سے اپنا حق ملکیت علاحدہ کرلیتی ہے اور اس نے اپنے لڑکے کو بھی اس میں دفن کیا ہے مگر وہ آراضی پانی کے شدید بہاؤ کی وجہ سے قبرستان کے لیے ناموزوں ہے اس لئے اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے پس اگر وہ آراضی اس حالت میں ہو کہ لوگ مردے دفن

کر سکیں تو وہ اس کو فروخت نہیں کر سکتی اگر لوگوں کو اس کی خواہش نہ ہو تو وہ اسے فروخت کر سکتی ہے۔

قبرستان کی آراضی وقف ہے جو نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ اس کا تقاسمہ ہو سکتا ہے۔ حتی کہ ایسی آراضیات بھی جو صریحاً وقف نہ کی گئی ہوں مگر ان پر قبریں بنی ہوئی ہوں تو ان کو بھی وقف ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وہ کسی دوسرے استعمال کے ناقابل ارث ہیں لیکن اگر کسی جگہ مقبرہ نہ ہو اور وہاں صرف ایک یا دو ہی نعشیں دفن ہوں تو صرف اتنی آراضی وقف سمجھی جائے گی۔

آیا کسی جگہ مقبرہ ہے یا نہیں ان لوگوں کی تعداد پر جو دفن ہیں یا ان گواہوں کی توثیق پر جو قف کی شہادت دیں یا عام شہرت پر منحصر ہے۔

اگر کسی مسجد کی تعمیر کے لیے کوئی رقم یا وسائل نہ ہوں تو زمین کا کوئی جزو یا حصہ کچھ مدت کے لیے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے تاکہ مرمت کے لیے روپیہ حاصل ہو سکے۔

مسجد کے روپیہ کا کوئی جزو مسجد کی زینت پر اس وقت تک خرچ نہ کرنا چاہیے جب تک واقف نے اس سلسلہ میں کوئی گنجائش نہ رکھی ہو مگر جہاں مسجد واقع ہے وہاں کے اہل محلّہ اپنے پاس سے صرف کر سکتے ہیں۔

غلاف کعبہ پر وقف

یہاں تک کہ غلاف کعبہ کے حصے بھی جو ٹکڑے ٹکڑے ہوں اس کا کوئی جزو منتقل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ متولیان مقبروں کے لیے جائز طور پر منتقل کریں یہی اصول تمام مساجد پر لاگو ہوتا ہے۔

آراضیات یا جائیداد کا عام طور پر مساجد یا رباط یا دوسرے مذہبی خیراتی اداروں کے قیام کے لیے وقف جائز ہے۔

ابو یوسف کے مطابق مسجد کے لیے وقف قطعاً جائز ہے اس لئے کہ تاروز قیامت قائم رہے گی خواہ وہ کتنی ہی خستہ اور قطعاً خارج از استعمال ہو جائے اس میں ملکیت ذاتی عود نہیں کرتی البتہ اس کا ملبہ کسی اور مسجد میں کام آسکتا ہے اور یہی فتویٰ ہے ذمی (غیر مسلموں کے لیے) اس امر کی اجازت ہے کہ یروشلم (مقدس) اور تمام مساجد میں

کسی کام یا دوسرے مناسب اغراض کے لیے داخل ہوں مگر مسجد کی محراب یا منبر تک جانا قابل اعتراض ہے۔

حدودِ مسجد میں تمام نازیبا افعال ممنوع ہیں نہ کوئی وہاں کچھ دھو سکتا ہے نہ تھوک سکتا ہے اور نہ ہی ناشائستہ گفتگو کر سکتا ہے نہ جنگ کے لیے اسلحہ اندر لے جا سکتا ہے مگر ایک سپاہی اندر جا کر نماز پڑھ کر اسی طرح لوٹ سکتا ہے۔

ایک شخص کے لیے یہ نامناسب ہے کہ جب تک وہ پاک وصاف نہ ہو مسجد میں داخل ہو مسجد کا دروازہ کسی وقت بھی بند نہ ہونا چاہئے چوری کا اندیشہ ہو اور چوکیداری نہ ہونے کی صورت میں علاوہ اقاتِ نماز مسجد کا دروازہ بند رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

مسجد کی توسیع کے لیے آراضی حاصل کرنا

اگر کسی مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے اور اس کے متصل ایسا قطعہ آراضی ہو جس کا مالک بیع سے انکار کرے تو یہ جائز ہے کہ اس کی مناسب قیمت پر اس سے لی جائے خواہ وہ آمادہ ہو یا نہ ہو۔

مسجد کی کوئی بھی مملوکہ شئے کسی کو نہ دینا چاہئے حتیٰ کہ گھانس پرانی اشیاء یا پرانا سامان مثلاً چٹائی وغیرہ تاوقتیکہ اس کی قیمت نہ لی جائے۔ ان کو قیمت پر ہی فروخت کرنا چاہئے تاکہ آمدنی ضروریات مسجد پر صرف ہو سکے۔

اہل محلہ یا اس حصے کے لوگ

اہل محلہ مجاز ہیں کہ مسجد قدیم منہدم کر کے جدید وضع کی تعمیر کریں یا دوسرے طریقہ سے جس طرح بہتر سمجھیں ترقی دیں یہ محض اپنے روپیہ سے کر سکتے ہیں وقف کا روپیہ تاوقتیکہ قاضی کی پہلے سے اجازت حاصل نہ کرلیں استعمال نہیں کر سکتے۔

خلاصہ میں آیا ہے کہ اہل محلہ پانی پینے اور وضو کرنے کے لیے حوض بنا سکتے ہیں بشر طیکہ واقف کا علم نہ ہو ورنہ اس کی پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے تاہم اس کے ورثا مسجد کی ترقی پر جو کہ اہل محلہ مسجد میں کرنا چاہیں معترض نہیں ہو سکتے۔

اہل محلہ قاضی کی اجازت سے کسی منہدم اور غیر آباد مسجد کا ملبہ استعمال میں

لے کر اس کی آمدنی سے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں۔

نجاریہ میں ہے کہ واقف عمارت مسجد کے کسی حصے کے کرایہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا ایک مسجد خواہ منہدم ہو کر کبھی استعمال میں نہ آئے تب بھی یہ مسجد ہے اور عبادت خداوندی کے لیے ہمیشہ یوم قیامت تک وقف ہے اور بقول امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف قیامت تک وقف ہے اور اسی کے مطابق جیسا کہ حوائل قدسی میں ہے فتویٰ ہے۔

اگر کوئی مسجد اس حد تک منہدم ہو جائے کہ نہ وہ استعمال میں آسکے یا لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا ترک کر دیا ہو تو بقول ابو حنیفہ حسب اجازت قاضی مسجد اور اس کا سامان دوسری مسجد میں کام آئے گا۔

غیر مستعملہ وقف کے حصہ کا استعمال

یہی اصول ایسے ہی دوسرے اداروں پر منطبق ہوتا ہے با الفاظ دیگر غیر مستعمل لنگر خانے یا حوض وغیرہ سے کوئی فائیدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو اس کا ملبہ یا دیگر متعلقہ سامان قریب ترین مسجد یا لنگر خانے میں استعمال ہوگا۔ اور اجتماعی طور پر مسلمہ اصول ہے جیسا کہ درر میں آیا ہے۔

غیر آباد مسجد کے فنڈ کا استعمال

لیکن کوئی مسجد خواہ خستہ حالت میں ہو یا شکستہ ہو چکی ہو یا اس سے متصل دوسری مسجد ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ ہو تاہم نہ یہ واقف کی ملکیت میں عود کرے گی نہ اس کی متعلقہ جائیداد کا دوسرے کام میں لینا جائز ہے اور حاوی القدسی میں یہی فتویٰ ہے اور یہی فتاویٰ مختار۔ بہار۔ فتح القدیر۔ خصاف میں ہے اور وہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے قول پر متفق ہیں۔

اصول پر بحث

مصنف درالمختار نے حلوانی کے وضع شدہ اصولوں پر زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے یعنی یہ کہ ابو یوسف کے مطابق ضائع شدہ مسجد یا اس کا متعلقہ سامان یا جائیداد جو اسی کے لیے وقف ہو کسی اور مسجد میں کام نہیں آسکتا۔ بحر الرائق۔ مختصر۔ اور آساف میں

صریحا درج ہے کہ جب کوئی عمارت۔ چشمہ۔ یا حوض شکستہ ہو جائے یا ترک کر دیا جائے تو اس کا سامان حسب اجازت قاضی اسی کے قریب ترین مقصد پر استعمال ہونا چاہئے۔ یعنی مسجد کا سامان مسجد پر اور چاہ کا چاہ پر۔ اگر چہ یہ ابو یوسف کی رائے کے مطابق نہیں ہے مگر آساف و فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ قابل اجازت ہے۔

سید امام ابو شجاع سے دریافت کرنے پر کہ آیا ایسے لنگر خانے کی آمدنی جو غیر مستعمل ہو چکا ہو دوسرے متصل لنگر خانے میں کام آسکتی ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا کہ یہ ایسی ہی صورت ہے کہ گاؤں کی مسجد ضائع ہو جائے اور گاؤں والے وہاں نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔

اس مسئلہ پر بعد استصواب قاضی سے اجازت حاصل کرنا چاہئے تاکہ یہ جائز ہو سکے۔ شمس العلماء الحلوانی نے "ذخیرے" میں ذکر کیا ہے کہ ان سے ایک ترک شدہ مسجد کے لیے سوال کیا گیا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

شیخ الاسلام امین الدولہ ابن عبد العلاء اور امام احمد ابن یونس اور شبلی اور شیخ زین ابن مزاحم اور شیخ محمد الو قائی اور دوسروں کے فتاویٰ اسی کے مطابق ہیں۔

امام ابو شجاع اور امام الحلوائی کے فتووں پر انحصار کافی ہے خاص طور پر اس زمانے میں جبکہ نگران غاصب اور دوسرے بدنیت لوگ غیر آباد مسجد کی جائیداد کو اکثر چراتے اور غصب کرتے ہیں۔

حلوانی میں تمثیلاً ہے کہ جب ایک پانی کا حوض خراب ہو جائے اور اس کی ضرورت نہ ہو تو اس سے متعلقہ اوقاف کی آمدنی دوسرے اوقاف کے کام آئے گی۔

غیر آباد مسجد وغیرہ کے وقف کا استعمال

خلاصہ میں ہے کہ جب کوئی مسجد یا تالاب خارج الاستعمال ہو اور ان کی مزید ضرورت نہ ہو اور وہاں کے ساکنان نے سکونت ترک کر دی ہو تو متذکرہ آمدنی دوسری مساجد اور تالابوں کے کام آئے گی۔

اس بناء پر اگر بادشاہ یا اس کا نمائندہ قطعہ آراضی بیت المال سے لیکر کسی فرد کو مفاد عام کے لیے ایک نہر کی تعمیر کی غرض سے عطا کرے مگر بعد اس ملک کے غیر آباد

ہونے پر اس نہر کی ضرورت نہ رہے تو عطیہ دار اس آراضی کو بطور جائیداد ذاتی نہ رکھ سکے گا۔ بلکہ اس میں گلہ اور مویشیوں کے استعمال کے لیے پانی کا ذخیرہ رہے گا۔

شافعیوں کے نزدیک اس کو کلیتًا لے لیا جائے گا۔ نہر کے مطابق یہ مندرجہ بالا اصول کا نتیجہ ہے ہمارے طریقے کے مطابق جب کسی خاص وقف کے استفادہ کنندگان ختم ہو جائیں تو وہ آمدنی اسی جہت کے وقف پر استعمال ہونا چاہئے۔ پس ایک مسجد کا وقف دوسری مسجد اور ایک حوض کا دوسرے حوض پر کام آسکتا ہے۔

بیت المال سے زمین کا وقف قائم کرنے کے مثل ہے اسی طرح زمین حاصل کرنے کے بعد کسی بھی شخص کو لوگوں کے استعمال کے لیے تعمیر نہر کی غرض سے دی جاسکتی ہے اور نہر کے ختم ہونے پر گلہ اور مویشیوں کے پانی پینے یا ایسے مقاصد کے کام میں آئے گی۔

اگر وقف کے مویشی ناکارہ ہو جائیں تو متولی ان کو فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ مسجد کی وہ اشیاء جو ناکارہ ہو گئی ہوں تو جج (یا قاضی) اگر کوئی ہو تو اس کی اجازت سے فروخت ہو سکتی ہیں۔

اگر کوئی گاؤں یا موضع یا اینٹوں سے تعمیر شدہ چاہ یا حوض کلیتًا غیر آباد اور بے کار ہو جائیں تو واقف یا اس کی عدم موجودگی میں قاضی کی اجازت سے وہ ملبہ کسی متصل گاؤں کے کنویں یا چاہ کی تعمیر میں استعمال ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی چیز مسجد کے لیے وقف کی ہو اور مابعد ضائع ہو جائے تو شئے موقوفہ واقف یا اسکے ورثا پر عود نہیں کرے گی بلکہ قریب ترین مسجد میں استعمال ہو گی۔

جب کوئی شئے موقوفہ واقف کی اصل غرض کے لائق نہ رہے تو وقف منسوخ ہو جائے گا مثلاً اگر کوئی قطعہ آراضی قبرستان کے لیے وقف کیا جائے اس میں نعشیں بھی دفن ہوں بعد میں معلوم ہو کہ وہ قبرستان کیلئے ناموزوں ہے اور لوگ اس کے استعمال کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسے واقف فروخت کردے گا اس لئے کہ وہ غرض وقف کے لیے ناموزوں ہے اس صورت میں وقف منسوخ ہو جائے گا۔

اگر کوئی قطعہ آراضی کسی اچھے مقصد کے لیے وقف ہو مگر وہ ناقابل کاشت ہو جائے اور گاؤں سے بوجہ فاصلہ اسے نہ کوئی اجارہ پر لینے کے لیے تیار ہو اور نہ کوئی

منافع حاصل ہو سکتا ہو نہ کوئی تعمیر ہو سکتی ہو تو حسب قاضی خان اسے قاضی کی اجازت سے بیچ کیا جائے اور اس کی آمدنی اغراض خیر پر صرف ہو سکتی ہے۔

مسجد کو جانے والی سڑک اور راستہ کے شکستہ ہونے پر مسجد کے روپیہ سے اس کی مرمت جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کے مسجد تک جانے کا صرف یہی ایک راستہ ہو۔ کسی دریا کے کنارے سے تعمیر شدہ لنگر خانہ تک پہونچنے کے لیے ایک ہی پل ہو اور پل بھی شکستہ ہو جائے تو لنگر خانہ کے فنڈ سے اس کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

فصل چہارم:۔ ان معاملات میں اصولوں کا اطلاق جب کہ وقف کے اصل یا مابعد اغراض باقی نہ رہیں

مذکورہ صدر موضوع کے سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق کسی وقف کے اصل مقصد کے ناکام یا معدوم ہو جانے سے وقف کی تنسیخ کی ناجوازی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وقف کی انجام کار اغراض کی ناکامی یا سقوط پر اصل منشا پر غور کرنا ہوگا مگر وقف منسوخ یا باطل نہیں ہوتا۔

مسلم شرع میں اصول کار خیر ہم قسم

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی وقف غیر پیدا شدہ یا کسی غیر موجود شئے کے لئے کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر کوئی وقف زید کے بچوں کے لیے جو اس وقت تک پیدا نہ ہوئے ہوں یا مسجد کے لیے جو اس وقت تک تعمیر نہ ہوئی ہو کیا جائے۔ تو یہ جائز ہے اس کا کرایہ یا منافع غربا کی پرورش پر جب تک کہ زید کے بچے نہ ہوں یا مسجد تعمیر نہ ہو کیا جائے تو یہ علماء کے مطابق جائز ہے۔

نہر النائق میں یہ مزید ہے کہ جب کوئی وقف جس غرض کے لیے کیا جائے اگر وہ نہ رہے مگر وہ غرض عملاً حاصل ہو سکتی ہو تو حتی الامکان وہ کرایہ یا منافع اس مقصد پر صرف کیا جائے۔

مثلاً اگر کوئی شخص ایسے مدرسے کے طلباء کو جو تعمیر نہیں ہوا عطیہ دیتا ہے مگر

یہ کسی دوسری عمارت میں تعلیم پاتے ہیں تو طلباء وقف سے استفادہ کے مستحق ہیں۔ ردالمختار کے مطابق غایت وقف دو صورتوں میں نہیں ہوگی۔ اولاً جب وقف کیا جائے تو استفادہ کنندگان موجود نہ ہوں اس کو مقاطع الاول (شروع میں کٹا ہوا) کہتے ہیں اور ثانیاً وہ اشخاص جن کے لیے وقف ہو بعد وقف ختم ہو جائیں تو یہ وقف قاطع الوسط (درمیان میں کٹاہوا) کہلاتا ہے قاضی خان نے دونوں حالات میں وقف کی مثالیں دی ہیں۔ ایک شخص اپنے بچوں کے لیے جواس کے صلب سے ہوں وقف کرے مگراس وقف تک بچہ پیدا نہ ہوا ہو تو یہ وقف مقاطع الاول ہے۔ کرائے ومنافع غربا کے کام آئیں گے لیکن اگر بچے بعد میں پیدا ہوئے ہیں تو کرائے ومنافع بعد میں دئے جائیں گے۔

آساف میں بعینہ درج ہے کہ وقف کسی ولد یعنی بچے کے حق میں بھی ہو سکتا ہے اگر اس وقت ولد نہ ہو اور پوتہ ہو تو جب تک بچہ نہ ہو آمدنی واقف پوتے کو دیدی جائے گی۔

وقف مقاطع الوسط کی دوسری مثال دو طرح ہے۔ ایک شخص دو لڑکوں اور ان کے بعد ان کے بچوں اور بچوں کے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہے بعد ازاں لڑکوں میں سے ایک دوسرے لڑکے کو چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے تو اس صورت میں کرائے اور منافع پس ماندہ لڑکے کو ملیں گے اور دیگر آمدنی غربا اور ناداروں کو مگر جب پس ماندہ لڑکا بھی مر جائے تو تمام کرائے اور منافع اس کے بچے پائیں گے۔

(۱) چونکہ واقف نے ہر دو لڑکوں کے بعد انتقال پوتوں کو مفاد وقف کا مستحق قرار دیا ہے جب یہ معلوم ہو کہ واقف کی نیت یہ تھی کہ پس ماندہ لڑکا متوفی لڑکے کا تمام مفاد یا منافع حاصل کرے تو یہ اس کے بچے کو منتقل ہونا چاہئے اور اس کی خواہش کا نفاذ ہونا چاہئے۔ یہ قانون "چریہ" میں کسی قدر مختلف جہت سے ہے مقصد وقف نہ ہونے یا ختم ہو جانے پر کرایے یا منافع ان اغراض سے قریب ترین مقاصد پر جن کے لیے واقف نے وقف کیا تھا کام میں لائے جائیں گے۔ یہ نظریہ ہمارے (حنفی فقہاء) کے بھی مطابق نہیں ہے۔ بلکہ شافعی اصول کی پھر وضاحت فرمائی ہے۔ شافعیوں کے مطابق موروثی اولاد کے حق میں وقف کیا جائے اور وہ نہ رہے تو یہ وقف ان لوگوں کے جو واقف سے قریب ترین ہوں کام آئے گا۔ حنفیوں کے نزدیک اس کی آمدنی غربا کو دی جائے گی۔

اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کا نصف غریب اقربا کے لیے اور بقیہ نصف عام ناداروں کے لیے وقف کرتا ہے تو طے شدہ مسئلہ کے مطابق رشتے دار بوجہ غربت دوسرے نصف حصہ میں بھی مستحق ہوں گے۔

ابراہیم ابن یوسف علی ابن احمد العرسی اور ابو جعفر ہندوانی اس پر متفق الرائے ہیں۔ یہی نہر میں درج ہے اور یہی قاضی القضاۃ مولانا علی الحلی کی رائے ہے۔ انہوں نے بھی رسالہ اکبر اس زمانے کے بارہ میں لکھی ہے جبکہ مولانا محمد شاہ قزوینی کا دور حکومت ختم ہوا۔ فتاویٰ قاضی خان کے نزدیک مسلمہ اصول یہ ہے کہ جب کسی فرد اور غربا کے لیے وقف کیا جائے اور شخص مذکورہ بعد میں غنی ہو جائے تو وہ غربا کے وقف میں شریک ہو سکے گا۔

وقف کی تقسیم بیوی اور بیٹے کو حنفی قانون کے مطابق

قاضی خان کے نزدیک اگر کوئی اپنی آراضی نصف بیوی کے اور نصف لڑکے زید کے حق میں اس شرط پر وقف کرے کہ زوجہ کے انتقال پر نصف واقف کے بچوں کو ملے گا اور زید بھی اس نصف میں مثل دیگر بچوں کے حصہ پائے گا ایسی صورت میں بیوی کا نصف زید اور بقیہ دوسرے بچوں کو اور زید کا نصف محض اس کے بچوں کو ملے گا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسلم قانون میں اصول کار خیر ہمہ قسم

محض ابہام یا غیر یقینی صورت سے وقف معدوم نہ ہوگا۔ قانون میں اس نقص کی تلافی اس طرح ملتی ہے کہ واقف کی نیت کے مطابق اس کی منشا کی قریب ترین نوعیت کے لیے وقف ہونا چاہیے۔ واقف کی صریح ہدایات نہ ہونے پر جج مجاز ہے کہ استفادہ کنندگان کے مشورہ سے انتظام وقف کی اسکیم مرتب کرے۔ یہی اصول جو کہ وقتاً فوقتاً اوقاف پر منطبق کیا جاتا ہے مگر وہ مسلم قانون کے مطابق اوقاف پر لاگو نہیں ہوتا اس لئے کہ شرعاً اصول کار خیر ہمہ قسم کو انتہائی صورت میں ہی برتنا چاہئے پس اصل مقصد کے ختم ہو جانے سے وقف ختم نہیں ہوتا۔

ہر وقف میں غربا انجام کار استفادہ کنندگان ہوتے ہیں

قانون کے منشا کے مطابق ہر وقف جو افراد یا واقف کی اولاد کے لیے اور انجام کار غربا کے استفادہ کیلئے ہوتا ہے اور اصل مقصد معدوم ہونے پر کالعدم ہونے کے بجائے انجام کار علی الاطلاق انجام پذیر ہوتا ہے۔

اگر کسی مذہبی یا خیراتی ادارے کے لیے وقف ہو اور وہ معدوم ہو جائے تو ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ واقف یا اس کے ورثا پر عود کرنے کے بجائے کسی دوسرے مذہبی یا خیراتی ادارے کے (جو معدوم ادارہ کی ہی نوعیت کا ہو) ایسے مقصد کے لیے جو نوع انسانی کے لیے مفید ہو استعمال ہو گی۔

باب ۱۳۱۔ وقف کی آمدنی کا استعمال

فتاوئ عالمگیری میں ''حاوی القدسی'' کے حوالہ سے ہے کہ جائیداد وقف سے آمدنی اولاً ضروری مرمت پر صرف ہونا چاہئے خواہ واقف نے یہ شرط رکھی ہو یا نہیں بعد ازاں اگر کوئی مقصد بدل مختص نہیں ہے توان مقاصد پر جو اصل مقصد کے قریب تر ہیں۔ بالفاظ دیگر ان اغراض پر جو وقف کے مقصد عام یا منشا کی تکمیل کے لیے مثلاً امام مسجد اور پروفیسر کالج یا چراغ روشن کرنے والے یا جانماز پہنچانے والے ملازموں کی بہ نسبت ہوں۔ لیکن مقصد مختص ہونے کی صورت میں آمدنی اس مقصد پر فوراً خرچ کردی جائے۔

آمدنی وقف کا استعمال

درالمختار میں یہ اصول بعینہٖ اس طرح بتایا ہے۔

ہدایہ کے مطابق بھی اولاً آمدنی مرمت پر صرف کی جائے خواہ اس کے لیے واقف نے کوئی شرط رکھی ہو یا نہیں چونکہ مقصد وقف یہی ہوتا ہے کہ آمدنی ایک دائمی صورت میں قائم رہے اور جائیداد وقف سے اسی وقت دائمی آمدنی حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ مناسب حالت میں رہے پس یہ لازمی شرط ہے۔

ردالمختار کے مطابق وقف سے حاصل شدہ کرایہ یا منافعہ جائیداد کی حفاظت قیام نگراں اور چوکیدار کی حق الخدمت پر صرف ہونا چاہیے۔ آمدنی وقف اولاً جائیداد کو مناسب حالت میں رکھنے پر صرف ہونی چاہئے تاکہ مستقل آمدنی ہوسکے۔ جائیداد وقف میں پھل دار درخت بھی شامل ہیں اور ایک جزو آمدنی نئے پودے خریدنے میں صرف کرنا چاہیے۔ اور اگر ایسی زمین ہے جس میں بلا آب پاشی فصل پیدا نہیں ہوسکتی تو اولاً آمدنی اس ضروری مد پر صرف کرنا چاہیے۔ ایسا ہی محیط اور فتاوئ قاضی خان میں آیا ہے۔

غیر منقولہ جائیداد کی آمدنی سے اولاً اس کو مناسب حالت میں قائم رکھنے کے لیے ضروری صرفہ ہونا چاہئے بعد ازاں جائیداد کے نگراں اور محافظوں کے معاوضوں کی

ادائیگی ہے۔ باقی رقم اغراض وقف پر صرف ہونا چاہیے اگر وقف افراد کے لیے ہے جیسے واقف کے بچے تو حسب شرائط وقف نامہ ان کے مفاد پر صرف کی جائے یا انہیں دیدی جائے بصورت عدم صراحت وقف کی عام منشا کے مطابق یہ رقم صرف کی جائے۔ اگر واقف کی آمدنی وقف ہے بچوں کی پرورش مقصود تھی تو اس کے مطابق عمل ہوگا۔ یہی صورت اس وقف کی ہے جو دوسرے کے لیے ہو کہ مقصد کی تفصیلات اگر واضح نہ ہوں تب بھی عام مقصد وقف پیش نظر ہونا چاہیے۔

جائیداد وقف سے ادائیگی

اگر کسی رسم کے لیے وقف کیا ہو اور مزید تفصیل کا علم نہ ہو تو کرایوں اور منافعوں کی حاصل شدہ رقم اولاً عمارت کے قیام واستحکام عمارت پر صرف کرنے کے بعد باقی رقم عملہ اساتذہ پر صرف ہوگی۔ وقف مسجد کی صورت میں اولاً رقم عملہ کی تنخواہوں پر مابعد مروجہ اشیاء فرنیچر وغیرہ جو ادائیگی نماز کے لیے ضروری ہوں صرف ہوگی خواہ واقف نے حوالہ نہ دیا ہو۔

وقف کا لازمی اصول اس منشا یا مقصد کا قیام ہے جس کے لیے وقف ہو مسجد کے لیے وقف کی صورت میں اگر پیش امام کا مقررہ مشاہرہ ناکافی ہے تو واقف کے لیے مقررہ مشاہرہ کے بجائے معمولی وظیفہ مقرر ہونا چاہیے۔

ایک بار مسجد وقف ہونے کی صورت میں معطل نہ ہونا چاہیے۔ الحاصل آمدنی اولاً مقصد وقف پر صرف ہونا چاہیے بعد ازاں آمدنی مقاصد وقف کی اہمیت کے تناسب کے مطابق بر بنا کتب صرف کرنا چاہیے۔ اگر واقف نے مصارف مختص کردئے ہیں تو اصل مقصد قیام وقف کے ساتھ اس کی خواہشات کی تکمیل کا بھی پورا لحاظ رکھنا چاہیے۔

وقف کا برقرار رکھنا

آمدنی وقف کے استعمال میں اولاً جس امر پر توجہ دی جائے وہ جائیداد وقف کا قائم رکھنا ہے اگر وقف کی تمام آمدنی اس کی عمارتوں یا جائیداد کی مرمت پر صرف کرنا ضروری ہو تو اس پر خرچ کردینا چاہیے اور مسجد کی صورت میں کسی بھی شخص حتی کہ امام اور موذن کو بھی جب تک کہ مرمت مکمل نہ ہو تنخواہ نہ دینا چاہیے۔ اس سے وقف کی

حفاظت اور قیام کی اہمیت ظاہر ہے اصل غایت وقف جائیداد کا مستحسن امور خیر کے لیے دواماً بر قرار رہنا ہے۔ قانوناً یہ لازم ہے کہ عمارت کے گرنے کے اندیشہ کی صورت میں آمدنی اولاً تعمیر اور مرمت پر صرف ہونا چاہئے اگر مصارف تعمیر سے کوئی رقم بچ جائے تو ارکان عملہ کو معاوضہ پر صرف کرنا چاہئے جن کی علیحدگی سے مقصد وقف کو نقصان پہونچ سکتا ہے۔اس کے بعد مدات متعلق وقف پر ان کی اہمیت کے مطابق صرفہ ہونا چاہئے۔ ایسے ارکان عملہ جن کی علیحدگی سے وقف کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو وہ اس وقت تک وظیفہ کا کوئی جزو نہ پائیں گے جب تک مرمت کی تکمیل نہ ہو جائے۔ وقف کے ارکان کو تنخواہ رقم مندرجہ وقف نامہ نہ ملے گی تاہم مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب آمدنی وقف ضروری مرمت کے مصارف کے لیے ناکافی ہو اور ملازمان وقف اور دیگر استفادہ کنندگان کو پورا معاوضہ نہ مل سکے۔

واقف کی اس شرط کے باوجود کہ وقف کے مقام اور اس کی مرمت پر خرچ کے بعد فاضل رقم غربایا استفادہ کنندگان پر صرف ہوگی۔ متولی کے لیے ضروری ہے کہ آمدنی سے ہر سال کچھ رقم مرمت کے لیے وضع کرے خواہ اس کی فوری ضرورت نہ ہو، تاکہ اس طرح ایک رقم جمع ہوتی جائے اس لئے کہ بعض ہنگامی حادثوں کی بناء پر یہ ممکن ہے کہ وقف کی کبھی کوئی آمدنی ہی نہ ہو۔

طریقہ جس طرح وقف کی عمارت کو استعمال کرنا چاہئے

اگر ایک مکان کسی دوسرے شخص کے لیے وقف کیا جائے تو وہ حاصل شدہ آمدنی کا مستحق ہوگا نہ کہ رہائش کا۔ اسی طرح جس شخص کی رہائش کے لیے مکان وقف کیا جائے وہ اس کی آمدنی کا مستحق نہیں ہے۔

قاضی کی صواب دید

اس اصول کی صحت مشتبہ ہے اور یہ قاضی کی صواب دید پر منحصر ہے اور وہ کسی بھی فعل کا جو مفید ہو مجاز ہے مندرجہ بالا اصول سے قابل استخراج کلیہ یہ ہے کہ استفادہ کنندگان خود کسی بھی صورت میں نوعیت وقف کو تبدیل نہیں کر سکتے۔

شرح دہبانیہ'' میں لکھا ہے کہ وہ اشخاص جو وقف کے مقصد کے لیے ضروری خیال کئے جائیں ان میں پیش امام ہے۔ (جو نماز پڑھاتا ہے) خطیب جو خطبہ پڑھتا ہے) اور

موذن شامل ہیں خواہ واقف نے مصارف مرمت میں ان کا ذکر کیا ہو یا نہیں۔

بحر الرائق کے مطابق مسجد کے محافظ یا دروازہ کے نگہبان جن کا فرض مسجد کو صاف رکھنا ہے وہ مسجد کے ناگریز لوازمات میں سے ہیں۔

اگر جائیداد کے ذمہ کوئی قرضہ ہے تو متولی کا فرض ہے کہ جائیداد کو کرایہ پر دیکر اور یا کسی اور طریقہ سے اولاً ادائیگی قرضہ کرے۔

اگر واقف کی کوئی آمدنی اور جائیداد موقوفہ ضائع ہو رہی ہو تو قاضی، متولی کو اس امر کا مجاز کر سکتا ہے کہ تمام یا کچھ جائیداد کو کرایہ پر دے یا اس کی آمدنی سے مرمت کرائے جب جائیداد وقف سے آمدنی مصارف قیام کے لیے ناکافی ہو یا مسجد ایسی شکستہ حالت میں ہو کہ اس کے ضائع ہونے کا امکان قوی ہو اور مصارف مرمت کے لیے آمدنی ناکافی ہو تو قاضی مجاز ہے کہ وہ مسجد کی فروخت اور اس کی آمدنی سے دوسری جائیداد شرائط وقف کی تکمیل کی غرض سے خرید کی ہدایت کرے۔

یہ اصول ابو یوسف نے وضع کیا ہے اور حتی الامکان اس پر عمل ہونا چاہئے اور اگر جائیداد وقف کی بیع ناممکن ہو یا زر ثمن استفادہ کنندگان یا غربا کے مفاد پر صرف کرنا ناممکن ہو تو امام محمد کے اصول کا نفاذ ہو گا یعنی مقصد کی قطعاً ناکامی کی صورت میں جائیداد ورثا واقف پر عود کرے گی۔

اگر طلبا کے لیے وقف ہو مگر قلیل ہو تو اس سے محض غریب طلبا کی ہی امداد ہو گی مگر عام طور پر لفظ طالب علم سے مفہوم حاجت مند کا ہے۔ وقف جب عام طور پر غربا کے لیے ہو تو یہ محض نادار طلبا تک محدود رہتا ہے۔ اس لئے کہ طلبا ہی عام طور پر مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں۔

طلبا کے لیے وقف

اس طرح مسجد میں کلام پاک یا کتابوں کا وقف عام طور پر اس وقت تک غربا کے لیے ہوتا ہے جب تک کہ کتابوں کے دستیاب ہونے کے بارہ میں ظاہر نہ کیا جائے۔

خلاصۃ الوقینا کے مطابق کتابوں کے وقف یا طلبا کے لیے وقف کی صورت میں غربا اور صاحب حیثیت ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں مزید براں اس کے مطابق ایسے اوقاف پر دو نقطہ نظر سے غور کرنا چاہئے۔ اولاً غریب اور امیر مسافر خانوں قبرستان تالاب وغیرہ کے معاملہ میں یکساں ہیں اور دوسرے ان سے سب ہی یکساں استفادہ کرتے ہیں۔ کتابوں

کے وقف کی صورت میں مالدار طلبا بھی کتابوں کے حصول کی صورت میں اس سطح پر ہیں جیسے کہ غریب طلبا۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اصل مقصد عام فائدہ رسانی ہے اور یہی مسلمہ اصول ہے۔ اگر کتابوں کا وقف کسی مختص مقام کے لیے ہے تو ان کا استعمال اس کے لیے مخصوص ہو گا وہاں سے کتابیں لے جانے کی اجازت نہ ہو گی اگر محض طلبا کے لیے ہے تو گو ہر طالب علم ان کے استعمال کا مستحق ہے مگر باہر نہیں لے جاسکتا۔

اگر واقف نے استعمال وقف کے لیے کچھ شرائط مطابق قانون رکھی ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہئے۔ فقہاء واقف کی عائد کردہ شرائط کو قانون کے عائد کردہ شرائط کے مثل سمجھتے ہیں اگر کسی خاص شخص پر کوئی پابندی ہو تو ثابت ہونا چاہئے کہ واقف نے واقعی وہ شرط عائد کی تھی۔

جب وقف مقررہ افراد کے لیے ہو تو بلااجازت واقف تعداد میں توسیع نہ ہونا چاہئے۔ وقف سے استفادہ کنندگان کو بھی حق ہے کہ وقف میں ایسی تبدیلی کی صورت میں جس سے صرفہ کثیر ہو ان سے مشورہ کیا جائے۔

دوسرے کی رہائش کے لیے مکان کا وقف

اگر کوئی مکان دوسرے کو رہائش کے لیے وقف کیا جائے تو مرمت کی ذمہ داری اس پر آتی ہے۔ اگر اس کے وسائل ایسے نہ ہوں تو کچھ عرصہ کے لیے قاضی کرایہ پر دیکر اس کے کرایہ سے مکان کی مرمت کرائے اگر وہ شخص جس کی رہائش کے لیے مکان وقف ہوا ہے وہ دوران مدت مرمت ادائیگی کرایہ کا اقرار کرے تو قاضی کو مکان اسکے قبضہ میں چھوڑ دینا چاہئے اگر وہ خود متولی ہے تو مکان موقوفہ میں مجاز سکونت ہے۔ مرمت نہ کرانے کی صورت میں قاضی اسے مرمت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ یا کسی دیگر شخص کو بطور نگران مرمت مقرر کر سکتا ہے بعد تکمیل مرمت یہ مکان اسی شخص کو جس کی سکونت کے لیے وقف تھا واپس ہو گا۔

کسی عمارت وقف کے برباد ہونے کی صورت میں متولی بطور خود مجاز نہیں ہے کہ اس میں استادہ درختوں کو مرمت مکان کے لیے وقف کر دے لیکن وہ مکان کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے مرمت کرا سکتا ہے۔

باب ۱۴۔ عام اصول

فصل اول:۔ اختیارات واقف

واقف کو جائز ہے کہ تا حین حیات خود جائیداد موقوفہ اپنے لئے مخصوص کرے اور اس پر عام اتفاق ہے یہ بھی ابو یوسف کے مطابق جائز ہے کہ تا حین حیات آمدنی وقف خود استعمال کرے اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

واقف کو ایسی شرط رکھنا جائز ہے کہ جائیداد وقف کا دوسری جائیداد سے مبادلہ ہو سکے گا یا وہ بیع ہو سکے یا بیع ہو کر وہ آمدنی اغراض وقف کے لیے دوسری زمینوں پر صرف ہو سکے گی یا ایسے کاروبار میں روپیہ لگایا جا سکے گا جس کی آمدنی سے مقاصد وقف پورے ہو سکیں مگر نئی جائیداد پر پہلی والی ہی جائیداد کی شرائط خواہ اس بارہ میں کوی شرط ہو یا نہیں عائد ہوں گی۔

کاروبار میں روپیہ لگانے یا جائیداد کی تبدیلی کا اختیار

جائیداد وقف کے کسی دوسری جائیداد سے مبادلہ کا اختیار بالفاظ دیگر تبادلہ کاروبار کے اصول ہر سہ عنوانات ذیل پر مشتمل ہیں۔

(۱) اگر واقف نے اپنے یا متولی کے لیے یہ اختیار عام طور پر محفوظ رکھا ہو کہ وہ جائیداد کا تبادلہ کرے گا ایسی صورت میں مبادلہ بلا اعتراض جائز ہے۔

(۲) اگر ایسا اختیار نہ ہو تو بصورت آمدنی جائیداد قاضی کی اجازت سے مبادلہ ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر جائیداد کا مبادلہ محض مفاد وقف میں ہو تب بھی مبادلہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک علاقے کے تبدیل شدہ حالات کی بنا پر مبادلہ یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ ہو یا اس وقف کے صریح مفاد میں نہ ہو۔ پیش نظر اصل اصول وقف کو دائماً برقرار رکھنا ہے۔

آیا جائیداد موقوفہ سے کوئی منافع ہوتا ہے یا نہیں اسکی جانچ کا معیار یہ ہے کہ آیا جائیداد سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ مرمت اور دیکھ بھال ہو سکے۔ فقہا متقدمین آراضی یا جائیداد غیر منقولہ کو اغراض وقف کے لیے بہت اہم سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اس سے تیقن "دوام" ہوتا ہے اور ایسا تبادلہ زمین سے ہی ہوتا ہے مگر دور حاضرہ کے حالات میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس سے جائیداد وقف کی آمدنی کو کسی دوسری قسم کے مقامی سرمایہ کی دستاویز میں تبدیل کیا جاسکے۔ واقف قانوناً سرمایہ کی تبدیلی کا حق اپنے لئے مخصوص کر سکتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان کے مطابق یہ صحیح ہے اور دوسری جگہ بالاجماع درست ہے۔

مبادلہ کی شرط جائز ہے

اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ واقف اپنی مرضی کے مطابق آراضی وقف دوسری آراضی سے تبدیل کر سکتا ہے تو مبدلہ زمین پہلی زمین کے بجائے وقف ہوگی۔ ابو یوسف کے مطابق اس صورت میں وقف اور شرط دونوں جائز ہیں۔ اور اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ واقف آراضی کو قیمتاً بیع یا تبادلہ کر سکتا ہے تو فتویٰ اسی کے حق میں ہے۔

اگر کوئی واقف کاروبار (سرمایہ کاروبار) میں تبدیلی کا اختیار اپنے لئے مخصوص کرلیتا ہے تو اس غرض کے لیے وہ ایجنٹ مقرر کر سکتا ہے لیکن یہ اختیار کسی وصی (تعمیل وصیت کنندہ) کو بطور وصیت نہیں دے سکتا اور اس لئے وصی اس اختیار کو نافذ نہیں کر سکتا بشرطیکہ اختیار اپنے یا دوسرے کے لیے محفوظ ہے تو دوسرا تنہا اسکا مجاز نہیں ہے۔ مگر قانوناً خود واقف یہ تنہا کر سکتا ہے۔ اگر مبادلہ کا اختیار ایسے شخص کو ہو جو سربراہ وقف ہو تو صدر اور سربراہ قانون اس اختیار کو استعمال کر سکتا ہے۔ اگر واقف نے یہ شرط قرار دی ہو کہ فلاں شخص (نامزد) مبادلہ کا مجاز ہوگا تو وہ شخص مجاز واقف کی اجازت سے اس اختیار کو استعمال کر سکتا ہے جب تک کہ اس کے بارہ میں کوئی صریح شرط نہ ہو۔ قیم یا سربراہ کو مبادلہ کا اختیار نہیں ہے تاوقتیکہ وہ مبادلہ کا مجاز نہ ہو۔ اگر یہ شرط ہو کہ وہ مبادلہ کر سکتا ہے تو واقف اس اختیار کو بلا ایسی کسی اور شرط کے اپنی مرضی کے مطابق کام میں لا سکتا ہے۔

عام طور پر جب ایک بار مبادلہ مختص شرائط کی بنا پر ہو جائے تو وہ دوبارہ نہیں

ہو سکتا جب تک کہ وقف نامہ میں ایسے علامتی الفاظ نہ ہوں کہ واقف یا دوسرا شخص سرمایہ لگانے کے بعد اپنی صواب دید کے مطابق (جیسا کہ مناسب سمجھے) تبدیلی کا مجاز ہے۔

اگر وقف نامے میں جائیداد موقوفہ کی تبدیلی یا استبدال کے متعلق کوئی شرط نہ ہو یا واقف نے بھی اس کے برعکس کوئی شرط رکھی ہو تو جج اسے تبدیل کرنے کا مجاز ہے مگر یہ اس اصول کے مستثنیات میں سے ہے اس لئے کہ واقف کی ہدایات قطعی ہوتی ہیں اور ان پر سختی سے عمل ہونا چاہئے۔

جب کوئی کہے کہ میری زمین راہ خدا میں اس شرط پر دائماً صدقہ موقوفہ ہے کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی میرے کام آئے تو یہ جائز طور پر کر سکتا ہے مگر واقف ایک بار کسی نادار کو دینے یا حج کی غرض سے استعمال میں لینے یا فرد خاص کو بطور عطیہ دینے کی صورت میں واپس نہیں لے سکتا۔ اور اس طرح یہ کہنے کے بعد کہ میں نے فلاں شخص کو دی ہے واپس لینے کا مجاز نہیں ہے۔ وہ ایک کے بعد دوسرے کو دے سکتا ہے مگر آمدنی اپنے کام میں نہیں لے سکتا لیکن یہ صورت حال اس سے مختلف ہے جب وہ کہے کہ اس شرط پر میں وقف کرتا ہوں کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہوں دیدوں۔

واقف کی مقررہ شرائط

واقف کی مقررہ شرائط کے موافق وقف ہونے پر وہ جس کو چاہے اپنی آمدنی دینے کا مجاز ہے اور وقف جائز ہوگا اور وہ تا حین حیات مجاز ہے کہ جس کو چاہے آمدنی دے مگر وہ اس سلسلہ میں نہ ایسا کوئی انتقال کر سکتا ہے جو بعد موت بھی قائم رہے اور نہ آمدنی اپنی ضروریات (خود کے کھانے پینے میں) پر استعمال کر سکتا ہے تاہم وقف منسوخ نہ ہوگا۔ مزید برآں "ہدیہ" کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔

ایک شخص اگر اس شرط پر جائیداد وقف کرے کہ نگراں جس طرح چاہے آمدنی کو کام میں لا سکتا ہے تو اس صورت میں غریب اور امیر دونوں کو دے سکتا ہے۔

اگر واقف بوقت وقف جائیداد پر یہ شرط عائد کرے کہ فلاں شخص (متولی) جس کو چاہے اس کی آمدنی دے تو جائز ہے۔ اور وہ واقف کی حین حیات وبعد موت اسکا مجاز ہے وہ اپنے بچے اور اولاد اور نیز واقف کے بچے اور اولاد کو آمدنی دے سکتا ہے مگر

اپنے نفس "ذات" پر استعمال نہیں کر سکتا۔

اگر شخص مجاز جائیداد وقف کا منافع خود لے تو ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا تاہم فتاویٰ عالمگیری میں آیا ہے کہ اس کے یہ کہنے سے (کہ یہ آمدنی میں نے اپنے کو دی ہے اختیار اسکے ہاتھ میں نہیں جاتا) محض ایک اعلان سے اختیار ضائع نہیں ہوتا لیکن کیا اس آمدنی کو غیر قانونی طریقہ پر اپنی ضرورت کے لیے کام میں لینا خیانت کے مساوی نہیں ہے۔

ردالمختار میں ان فقہاء کے قول کا حوالہ ہے جن کی رائے میں کوئی شخص خود کے لیے وقف نہیں کر سکتا اگر متولی جائیداد کی آمدنی جو کہ واقف کے لیے ہو اور اس کو دے تو یہ جائز نہیں ہے مگر یہ اصول مسلمہ قانون نہیں ہے اس لئے کہ عام طور پر اس اصول کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ واقف خود کو جائز طور پر وقف سے استفادہ کنندہ مقرر کرتا ہے اور اس اصول کے مطابق جس کی تائید میں فتویٰ ہے ایسی صورت میں متولی آمدنی لے سکتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری زمین فلاں شخص کے لڑکوں کے لیے اس شرط پر وقف ہے کہ میں جس کو چاہوں منتخب کردوں تو وہ جس کو چاہے منتخب کر سکتا ہے۔

اگر یہ کہے کہ اس سال میں کسی کا انتخاب نہیں کرتا تو یہ جائز ہے اور آمدنی سب میں مساویانہ تقسیم ہوگی۔ اور اگر وہ کہے کہ میں ایک کے سوا جس کو چاہوں محروم کردوں اور وہ ایک کے سوا سب کو محروم کردے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر تمثیلاً سب کو محروم نہ کرسکے تو مناسب حال تقسیم کا مجاز ہے مگر جن کو وہ محروم کرچکا ہے انہیں نہیں دے سکتا۔ اس صورت میں وقف غربا کے لیے ہوگا۔ اور اگر اس سال کی آمدنی سے محروم کرچکا ہے تو اس سال کی آمدنی میں اسکا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور آمدنی غربا میں تقسیم ہوگی۔

اگر کوئی اپنے بچوں کی ماں کے حق میں (ام الولد) اس شرط سے وقف کرے کہ اس کی موت کے بعد وہ شادی نہ کرے تو اسے وقف سے حصہ ملے گا۔ اگر وہ شادی کرے اور طلاق ہو جائے تب بھی تاوقتیکہ اس کے برعکس شرط نہ ہو طلاق کی صورت میں منافع بحال ہو جائے گا۔

اس طرح اگر کوئی وقف ایک شخص کے لڑکوں کے حق میں (سوائے ان کے جو شہر سے باہر چلے جائیں) اور ان میں سے کچھ ایسے ہوں جو واپس آجائیں۔ یا ایسے شخص کے ان لڑکوں کے مفاد میں جو تحصیل علم میں مصروف ہوں وقف ہو جو اپنی تعلیم ترک کر دیں اور بعد میں شروع کر دیں تو وقف کے منافع سے تاوقتیکہ اس کے برعکس کوئی شرط نہ ہو مسلسل محروم رہیں گے حتی کہ اگر کوئی دواماً اپنے بچے اور نسل کے لیے وقف کرے بعد ازاں غربا کے لیے بدیں شرط کہ استفادہ کنندگان میں سے امام ابو حنیفہ کے اصول ترک کر کے شافعی اصول اختیار نہ کریں تو وہ اور دوسرے ترک کرنے والے وقف کے مفاد سے محروم ہو جائیں گے۔

واقف کے یہ کہنے پر کہ استفادہ کنندگان میں سے اگر کوئی سنی اصول ترک کر کے ملحد ہوگا تو وہ اس منافع سے محروم ہو جائے گا خواہ ان میں سے ایک بھی ترک کرے۔ اس سلسلہ میں مرد اور عورت یکساں سطح پر ہیں کہ اگر کوئی بھی مسلمہ اصول کو ترک کرے تو مسلمہ اصول ترک کرنے کی صورت میں خلاف ورزی کرنے والا محروم ہو جائے گا۔ اصول پر مکرر عمل پیرا ہونے کی صورت میں بلا مزید صراحت منافعوں سے استفادہ کرے گا اس طرح کسی مقررہ اصول کی خلاف ورزی کی شرط پر منافع سے محرومی کی شرط کی پابندی لازمی ہو گی اسی طرح اگر اقربا میں سے کسی کے بغداد سے باہر جانے پر کچھ نہ پانے کی شرط پر پابندی لازمی ہو گی الا اس صورت کے کہ اس کے بغداد سے واپس آنے پر منافع میں شریک ہو جائے گا۔

شرائط مقررہ واقف

واقف کی مقررہ شرائط کے حوالہ سے کہ جن پر عمل ہونا ضروری ہے "خصاف" نے اس شرط کا ذکر کیا ہے کہ متولی ان آراضیات کو بلا اجازت قاضی کرایہ پر نہ دے گا اس کی خلاف ورزی پر اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔

اگر واقف یہ شرط کرے کہ باغبانی یا کاشت کے لیے آمدنی کی تقسیم کی بنیاد پر کسی معاہدے میں شریک نہ ہو گا یا ایسی شرط کرے کہ اگر متولی زمین کو کسی کو کرایہ پر دے گا تو وہ اپنے منصب سے علیحدہ کر دیا جائے گا ان صورتوں میں ان شرائط کے خلاف عمل

کرنے پر قاضی ایک دوسرا شخص جس پر کہ وہ شرائط کی بجا آوری کے لیے اعتماد کر سکے مقرر کرے گا۔

استفادہ کنندگان میں تبدیلی کا اختیار

واقف بوقت وقف استفادہ کنندگان وقف میں تبدیلی کا اختیار خود کے لیے مختص کر سکتا ہے اور اس میں استفادہ کنندگان کی تعداد میں اضافہ یا کمی یا منافع وقف میں کمی بیشی شامل ہے لیکن مابعد تحریر وقف نامہ ایسا نہیں کر سکتا۔

درالمختار کے مطابق واقف شرائط وقف میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کر سکتا تاوقتیکہ یہ اختیار اس نے مختص نہ کر لیا ہو اگر اس سے استفادہ کنندگان میں اضافے کمی و بیشی یا متولی کو منصب سے علیحدگی کا اختیار ہے تو وہ یہ کر سکتا ہے مگر وہ فی نفسہ وقف کی نوعیت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس طرح نہ متولی کے لیے جائز ہے کہ شرائط مندرجہ وقف نامہ سے تجاوز کرے۔

وقف نامہ میں متولی کو اس امر کے مجاز کرنیکی صورت میں کہ کسی بھی شخص کے الاؤنس میں کمی بیشی یا استفادہ کنندگان میں سے کسی کا اضافہ یا کمی کر دے تو ایسی صورت میں مصلحت وقف بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

قاضی خان کے مطابق اگر ایک شخص بحالت صحت کوئی زمین ناداروں کے لیے وقف کر کے متولی کو تفویض کرتا ہے اور بصورت انتقال وصی (تعمیل کنندہ) کو مجاز کرتا ہے کہ آمدنی وقف میں سے اس قدر فلاں فلاں کو دیدے تو یہ جائز نہ ہو گا اس لئے کہ بوقت وقف اس کے اختیارات آمدنی وقف پر ختم ہو چکے تھے۔ لیکن بوقت وقف اگر اس نے آمدنی وقف متولی کو دینے کا اختیار اپنے لئے مختص کر لیا تھا تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

واقف کے اختیارات

ایک واقف جائیداد کو مستحسن یا اغراض خیر کے لیے وقف کرے اور اپنے حقوق ملکیت خداوندی میں تفویض کر دے تو وہ جائیداد اس متولی سے جس کو خداوند تعالی کی جانب سے نگراں مقرر کیا ہے واپس نہیں لے سکتا۔ اور نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تاوقتیکہ صریحاً ایسا اختیار اپنے لئے نہ رکھا ہو۔

اگر کوئی شخص یہ شرط رکھے کہ بوقت ضرورت آمدنی آراضی وقف کسی دوسری جائیداد پر صرف کردی جائے تو تمام شرائط وقف اس نئی جائیداد پر عائد ہونگی۔ اور اس جائیداد پر وہی شرائط عائد ہوں گی جیسے کہ پہلے والی جائیداد پر عائد تھیں۔

وقف کی مقررہ شرائط قانون کی شرائط کے مساوی ہیں

شرائط وقف کی تکمیل میں نیت واقف پر ہمدردانہ توجہ کی ضرورت ہے اس کا منشا واضح نہ ہو تو اس کے مفہوم اور مانی الضمیر کی روشنی میں جو بھی منشا واضح ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ وقف نامہ کی عبارت بظاہر واضح اور غیر مبہم ہونے کی صورت میں واقف کی نیت میں تبدیلی یا ترمیم کے لیے کسی خاص شہادت کی ضرورت نہیں ہے اگر واقف نے واضح عبارت میں اپنے بچوں کے لیے وقف کیا ہے تو اس امر کی کوئی شہادت نہیں لی جائے گی کہ واقف کی، خواہ اولاد ذکور کو بھی شامل کرنے کی نیت تھی۔ اگر وقف نامہ کی عبارت سے ذکور بچوں کو شامل کرنے کا بھی منشا ظاہر ہوتا ہے تو خواہ لفظ اناث استعمال کیا ہو تب بھی اناث کے ساتھ ذکور بھی شامل ہوں گے۔ منشا واقف کے صحیح ادراک کے لیے مستعمل لفظ کے سیاق و سباق اور مروجہ استعمال پر بھی غور کرنا چاہئے۔

اگر کسی لفظ سے دو مفہوم پیدا ہوں تو واقف کی نیت کے قریب ترین مفہوم کو اختیار کرنا چاہئے۔

فصل دوم:۔ قاضی کے فرائض، نگرانی

واقف کی ہدایات میں قاضی کا اختیار مداخلت

کتاب المفتی الجواب المتقین کے کتاب ابواب وقف کے مطابق واقف کی مقررہ شرائط وقف کے مطابق پابندی لازمی ہے بعض فقہاء ان شرائط کو قانون بنانے والے کے مساوی قرار دیتے ہیں۔

شرائط جو کہ وقف کی نوعیت سے غیر مطابق ہوں

قاضی بعض صورتوں میں مجاز ہے کہ واقف کی مقررہ شرائط میں سے ایسی شرط جو وقف کی نوعیت کے مطابق نہ ہو۔ مقصد وقف کی ضروریات کے ہم آہنگ نہ ہو مسترد

کردے مثلاً یہ شرط کہ قاضی واقف یا اس کے جانشین کے مقررہ کردہ متولی کو علیحدہ نہیں کر سکتا تاہم قاضی مجاز ہوگا کہ ایسے متولی کو جو نااہل ثابت ہو یا جس کا وقف کے سلسلہ میں غلط رویہ ہو یا فعل ناجائز کا مرتکب ہو اسے علیحدہ کر دے یا اگر وقف نامہ کے مطابق قاضی کو جائیداد وقف ایک سال سے زیادہ اجارہ پر دینے کا اختیار نہ ہو یا کوئی شخص ایک سال سے کم اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہو تو قاضی مجاز ہے کہ متولی کو ایک سال سے زیادہ اجارہ پر دینے کا مجاز کر دے یا اگر واقف کی یہ شرط کہ ایسے نادار جو کسی دیگر مسجد کے وقف سے بھی گذارہ پاتے ہوں انہیں وقف مذکور سے کوئی مدد و معاش نہ دی جائے تاہم متولی مجاز ہے کہ ان ناداروں کی بھی اس وقف سے مدد معاش کی سبیل کر دے یا اگر واقف نے موقوف الیہ کے لیے مقررہ راشن کی شرط رکھی ہو مگر متولی استفادہ کنندگان کی رضامندی سے راشن زر نقد کی ادائیگی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ استفادہ کنندگان یک مشت ادائیگی کے لیے بھی درخواست کر سکتے ہیں۔

قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ اگر امام کی تنخواہ ناکافی ہے اور اگر امام دین دار یعنی اہل ہو تو اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے۔

قاضی کی نگرانی

واقف کی ہدایات پر سختی سے پابندی کے اصول کئی مستثنیات اشباہ والنظائر میں تفصیل سے دیئے گئے ہیں جن کا مفہوم پہلے ہی دیا جا چکا ہے لیکن یہاں ان کا خلاصہ مفید ہوگا۔

(۱) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ قاضی متولی کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا تب بھی وہ ناقابل اعتماد اور نااہل متولی کو علیحدہ کر سکتا ہے اور بحر الرائق کے مطابق اگر واقف کی یہ بھی شرط ہو کہ بادشاہ و قاضی وقف کے انتظام میں مداخلت نہیں کر سکے گا تب بھی قاضی نگرانی کر سکے گا اس لئے کہ نگرانی وقف ہر امر سے بالاتر ہے۔

(۲) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ جائیداد وقف زائد از ایک سال اجارہ پر نہ دی جائے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی بھی صرف ایک سال کے لیے اجارہ پر لینے کو آمادہ نہیں ہے یا یہ استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہے کہ جائیداد زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دی جائے تو قاضی مجاز ہے کہ زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دے مگر متولی باختیار خود اس کا مجاز نہیں ہے۔

(۳) اگر واقف نے یہ شرط رکھی ہو کہ مقررہ غلہ روز محض ان فقرا کو دیا جائے جو اس کی مسجد کے دروازہ پر سوالی ہوں اس شرط کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور ان فقرا کو بھی خیرات دی جاسکتی ہے جو وہاں سوالی نہ ہوں۔

(۴) اگر واقف نے یہ شرط رکھی ہے کہ پختہ غذا استفادہ کنندگان کو دی جائے تو متولی پکے ہونے کھانے کے بجائے نقد دینے کا مجاز ہے اور گیرندگان بھی زر نقد کی ادائیگی کی درخواست کرسکتے ہیں۔

(۵) اگر امام عالم اور دیندار ہے اور واقف کا مقررہ الاونس اس کے لیے ناکافی ہے تو قاضی اضافہ کا مجاز ہے۔

امام کے اضافہ تنخواہ میں ان سب لوگوں کی تنخواہیں بھی شامل ہیں جن کی علیحدگی سے وقف کو نقصان ہو۔ مثلاً اگر متولی یا موذن یا پروفیسر یا چوکیدار وغیرہ اگر یہ عملہ مقررہ تنخواہ لے کر کام نہیں کرسکتا تو ان کے معاوضے یا اجرت میں قاضی اضافہ کا مجاز ہے۔

اور بقول سند ردالمختار اس نظریہ کی تائید "برازیہ" کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب ایک امام یا موذن مقررہ تنخواہوں پر دستیاب نہیں ہوتا تو قاضی مجاز ہے کہ بعد مشورہ اہل الفاتح واہل محلہ آمدنی وقف سے ان کا اضافہ کردے مگر ان تمام مشاہروں کے مقرر کرنے میں اس کو مروجہ مشاہرہ (اجر المثل) کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

قاضی کوئی نیا وظیفہ نہیں مقرر کرسکتا بالفاظ دیگر واقف کی منشا کی بغیر جائیداد موقوفہ سے متعلق کوئی نیا عہدیدار مقرر نہیں کرسکتا۔

یہ اس اہم شرط کی تابع ہے کہ مصنف ردالمختار، درالمختار کی عبارت کی شرح میں رقمطراز ہے کہ نئے عہدیدار کا تقرر فتاویٰ شیخ قاسم کے مطابق مقید بعدم ضرورت ہے اس لئے کہ جب بھی ضرورت پیش آتی ہے اور کسی نئے عہدیدار کی خدمات حاصل کرنا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے مثلاً جیسے کہ کرایہ جمع کرنا یا دیوان کے روبرو شہادت پیش کرنا تو یہ معاملہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے اور ایسے تقرر کی ضرورت اس کے سامنے ثابت کرنا چاہئے اور پھر وہ اس مقصد کے لئے مناسب موزوں شخص کا تقرر کرے گا اور مروجہ تنخواہ پر اس کا تقرر کرے گا اور مقررہ متولی کو اس امر کی اجازت دے گا۔

اگرچہ متولی کو نئے ملازمان کے تقرر یا پہلے کے ملازمان کے مشاہروں میں

اضافہ کا اختیار نہیں ہے تاہم ایسی صورت میں کہ واقف نے تنخواہ یا الاونس مقرر نہ کیا ہو تب بھی یہ جج کے اختیار تمیزی پر (اس کی ہدایت اور نگرانی کے تابع) پر مبنی ہے اس سلسلے میں فتاویٰ قاضی خان کا قول اہم ہے۔ اس کے مطابق اگر کوئی شخص غریب مسافروں کے لئے قیام گاہوں کو وقف کر دے اور اگر ان کو صاف رکھنے اور دروازوں پر نگرانی کے لیے کسی نگراں کی ضرورت ہو تو متولی اس صورت میں بھی کسی کا تقرر کر سکتا ہے اور چاہے تو خدمات کے عوض رہائش کے لیے اس کو ایک کمرہ بنا دے۔

(۶) اگر یہ بھی شرط ہو کہ جائیداد وقف کبھی تبدیل نہ کی جائیگی لیکن اگر قاضی قرین مصلحت سمجھتا ہے تو ایسا کرنے کے لیے مجاز ہے۔

ایک جج کا جائیداد وقف کے تبادلہ کے سلسلہ میں اختیار تمیزی اس نظریہ کے تابع ہے کہ نئی جائیداد خریدنے یا صرف اثاثہ یا سرمایہ لگانے سے وقف کی حفاظت اور اس کی مستقل بقا کا تیقن ہوتا ہے اور یہ اس کے مفاد میں ہے۔ بعض وقت اس کے شدید نا جائز استعمال کی نوبت آجاتی ہے اور اسی لئے مفتی ابن سعید نے اپنی معروضات میں لکھا ہے کہ ۱۹۰ھ فرمان عالی (الاموالشریف) صدر الشریعہ کی منظوری سے جاری ہوا تھا کہ بلا منظوری بادشاہ وقت جائیداد وقف کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ اگر چہ یہ بطور تمثیل ہے مگر کسی طرح جامع نہیں ہے مصنف زواہر الجواہر (جو اشباہ والنظائر) کی شرح ہے نے واقف کی قطعیت شرائط میں ایک مزید استثنا کا اضافہ کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

اگر واقف یہ قرار دے کہ اس کا مقرر کردہ نگراں (یا مشرف) وقف کا کل انتظام سنبھالے لیکن اگر جج یہ مناسب سمجھے کہ کسی اور مختص کو بھی اس کا شریک بنائے تو یہ جائز ہوگا جیسا کہ وصی تعمیل کنندہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

طحطاوی نے سراج دسوقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مزید استثنا ہے یعنی اگر واقف یہ شرط کرے کہ جائیداد موقوفہ مقررہ رقم سے زیادہ پر کرایہ نہ دی جائے گی اور مروجہ کرایہ بھی رقم کرایہ سے زیادہ ہو تو اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

(۹) ابتدائی ادوار میں متوفیان کی قبروں پر تلاوت کلام پاک ابو حنیفہ کے اقوال کے مطابق جائز تھی مگر بعض کے نزدیک یہ قابل اعتراض تھی اسی لئے اشباہ والنظائر میں ہے کہ واقف کی یہ شرط کہ کلام پاک کی تلاوت اس کی یا دیگر شخص کی قبر پر کی

جائے اس کی تعمیل نہیں ہونا چاہئے تاہم امام محمد نے مقابر پر تلاوت کلام پاک کو جائز قرار دیا ہے اور اس کا جواز مسلمہ اصول کے طور پر عملی ثبوت ہے۔

ہندوستان میں عام رواج ہے کہ متوفی کی قبروں پر تلاوت کلام پاک کے لیے قاری مقرر کئے جاتے ہیں۔

ایک فقیہ نے سرمایہ کاری میں تبدیل کے اختیار کو محدود کرنے کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ شئے جس سے کہ جائیداد وقف تبدیل کی جائے یا جس میں نیا سرمایہ لگایا جائے وہ پہلے جیسی جائیداد کی نوعیت کی ہونی چاہئے۔

ردالمختار کے مصنف کے مطابق ایسی کوئی شرط نہ ہونا چاہئے بلکہ دیکھنا ضروری ہے کہ کونسا سرمایہ وقف کے لیے مفید ترین ہے مثلاً اگر کسی شخص نے دکانوں کو وقف کیا ہے اور نگراں کے نزدیک دکانوں کے بیع کی آمدنی کو زمین میں لگانا مفید تر ہے تا کہ اغراض وقف کے لیے زیادہ آمدنی آسکے۔ یا کسی نے کوئی قطعہ آراضی کاشت کیلئے وقف کیا ہو لیکن بطریق وقف حالات کی تبدیلی سے اس پر مکانات یا دکانیں بنانا زیادہ مفید ہو تو ان صورتوں میں متوفی مجاز ہے کہ طریقہ استعمال میں تبدیلی کردے۔

پس جب کہ جائیداد موقوفہ کے بارہ میں متوفی یا واقف کو یہ اختیار ہو کہ وہ جائیداد موقوفہ کو فروخت کردیں اور تابع شرائط وقف نامہ اس آمدنی کو دوسری جائیداد وقف میں لگادیں تو اس پر اصرار نہ ہونا چاہئے کہ وہ جائیداد کی ہی قسم اور نوعیت کی ہو۔

جائیداد وقف کی آمدنی کو درہم یا دینار میں بھی لگایا جاسکتا ہے تاہم یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جب کوئی سرمایہ واقعی روپیہ کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال رہتا ہے پس یہ مناسب ہے کہ آمدنی وقف کو اسی شکل میں رکھا جائے تا کہ عین (اصل) کا نقصان ہوئے بغیر فائدہ ہو اور یہ بصورت سرکاری لگان جائز ہے۔

واقف نہ صرف استفادہ کنندگان کو علیحدہ کرنے کا اختیار اپنے لئے مختص کرسکتا ہے بلکہ بوقت وقف ایسی شرائط بھی رکھ سکتا ہے کہ بعض ہنگامی حالات میں مخصوص استفادہ کنندگان یا ان کے خاص طبقے کو منافع وقف سے خارج کردے یا ایسی شرط رکھ دے کہ بعض اشخاص یا طبقہ اشخاص متذکرہ وجوہ سے منافع میں شریک نہ ہوسکیں گے یا متولی مقرر نہ ہوسکیں گے مثلاً اگر وہ یہ قرار دے کہ ترک اسلام کی صورت میں وقف کے

فائدے سے وہ محروم ہو جائے گا یا کوئی شخص خاص بوجہ بد چلنی اس سے استفادہ حاصل نہ کر سکے گا تو یہ جائز ہے اور اس کی ان خواہشات پر عمل کیا جائے گا۔ چونکہ اوقاف سے منافع حاصل کرنا وراثت کی بنا پر نہیں ہے پس ایکٹ ۲۱/ ۱۸۵۰ء مسلم قانون کی ان دفعات پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

فصل سوم:۔ وقف میں شرائط

وقف بصواب دید

جب کوئی وقف تابع صواب دید واقف کیا جائے تو ابو یوسف کے مطابق وقف معہ شرط جائز ہے بشرطیکہ صواب دید کے استعمال کے لیے کوئی وقت معین ہو۔

مثلاً

اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنے اس مکان کو وقف کرتا ہوں مگر مجھے بمیعاد تین یوم اسے منسوخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اگر یہ اختیار استعمال نہ کیا جائے تو تین دن بعد یہ وقف قطعی ہو جائے گا لیکن اگر یہ شرط غیر یقینی ہے اور اس کی صراحت نہیں ہوتی ہے تو یہ وقف ناجائز ہوگا۔

فقیہ ابو جعفر کی رائے میں ایسی صورت میں وقف کو جائز سمجھنا چاہئے اور شرط کو باطل۔

بلال اور محمد کی رائے میں صواب دید کے استعمال کے اختیار کو محدود کر دینے سے خود وقف ہی ناجائز ہو جاتا ہے جب کہ ابن یوسف بن خالد کے مطابق وقف تمام صورتوں میں قائم رہتا ہے محض شرط باطل ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہی مسلمہ اصول ہے۔

اگر کوئی شخص مختص مدت کے لیے وقف کرے مثلاً ایک دن یا ایک مہینے کے لیے اور بلا دیگر الفاظ کے اضافہ کے تو ایک دائمی وقف کی صورت میں جائز قرار دیا جا کر نافذ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ خاص مہینے کے لیے وقف ہے اور اس مہینے کے انقضا پر وقف باطل ہوگا تو ایسی صورت میں وقف ابتدا سے ہی باطل ہوگا۔

مشروط وقف باطل ہوتا ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ جب کل ہوگا تو میری آراضی صدقہ موقوفہ ہوگی یا جب

میں آراضی کا مالک بن جاؤنگا تو یہ آراضی وقف ہوگی ایسا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ وقف کا واقع ہونا کسی اتفاقی واقعہ کی شرط پر منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

محدود مدت کے لیے وقف

وقف دائمی طور پر نافذ ہوتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد میری زمین مقررہ سالوں کے لیے وقف رہے گی تو اس کی موت کے بعد یہ وقف دائماً نافذ ہوگا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میری آراضی اس شرط پر صدقہ موقوفہ رہے گی کہ جب میں چاہوں منسوخ کردوں تو ہلال کے نزدیک ایسا وقف ناجائز ہے۔

مگر یوسف ابن خالد کی رائے میں وقف جائز ہے اور شرط باطل لیکن ابویوسف کی رائے میں جب حق صواب دید کے استعمال کی مدت میں توسیع ہوگئی ہو اور وہ غیر معین ہو تو وقف فی نفسہ ناجائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں اس زمین کو اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ یہ میری جائیداد رہے گی اور اپنی مرضی پر جب میں چاہوں مجھے جمع کرنے کا اختیار رہے گا اور آمدنی وقف رہے گی تو ایسا وقف ناجائز ہے۔

مشروط وقف

جب کوئی وقف مشروط ہو تو یہ جائز ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر یہ زمین میری ہو تو وقف ہے ایسی صورت میں اگر اس وقت وہ زمین اس کی جائیداد ہو تو یہ جائز طور پر وقف ہوگی۔

بوقت وقف تبدیلی کا اختیار محدود کردینا، حنفی و شافعی اصولوں میں اختلاف ہے

حنفیہ کے مطابق جائیداد وقف جو دوسروں کے قبضہ میں ہو لیکن اگر اس کے قابض اس کے وقف کی توثیق کردیں تو جائز ہے مگر شافعیوں کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ میری یہ زمین اس شرط پر راہ خدا میں دائماً وقف ہے کہ میں اسے فروخت کرکے اس قیمت سے دوسرا قطعہ آراضی خریدوں گا جو پہلے کی شرائط کے مطابق ہے وہ وقف رہے گا تو ہلال اور ابویوسف کے مطابق وقف اور شرط ہر دو جائز ہیں۔

قاضی بیع کی اجازت دے سکتا ہے بشرطیکہ وقف کے لیے مفید ہو

واقف سرمایہ کو صرف اس صورت میں تبدیل کر سکتا ہے جب کہ اختیار بیع صریحاً محدود ہو بصورت عدم اختیار حسب صواب دید خود جائیداد موقوفہ کا بیع مکرر وقف کو بجہت مناسب قائم رکھنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ (خواہ اسکی آمدنی تابع وقف کسی بھی صورت میں استعمال کرے)

مُنیہ کے مصنف سے جب ایک مکان کے بارہ میں جو مسجد کے لیے وقف تھا دریافت کیا گیا کہ آیا قاضی کو مکان کے بیع کی اجازت اس صورت میں دینا جائز ہے جبکہ زمین کی قیمت سے دوسری زمین اضافہ نفع وقف کیلئے خریدی جاسکتی ہے تو مصنف مذکور کا جواب یہ تھا کہ ہر مسئلہ حسب قانون قاضی کو طے کرنا چاہئے۔ بعد غور کامل اس کے خیال میں اگر ایسے بیع میں سرمایہ لگانا مفاد وقف میں ہو تو جائز ہے اور یہی امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے۔

اجازت ہونے پر جائیداد موقوفہ کا بیع یا تبادلہ

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ جب صریحاً جائیداد موقوفہ کا بیع یا مبادلہ مفاد وقف میں ہو تو قاضی اس کی اجازت دے سکتا ہے مثلاً وقف سے کوئی آمدنی نہ ہو اور دیگر شخص اس کے عوض ایسی زمین یا مکان جس سے کہ آمدنی ہوسکے دینے کو تیار ہو تو ابو یوسف اور محمد کے نزدیک ایسا مبادلہ جائز ہے۔

ایسی جائیداد موقوفہ جس سے آمدنی ہو اور کوئی شخص دیگر ایسی جائیداد سے اسکے مبادلہ کا خواہاں ہو جس کی زیادہ آمدنی ہو یعنی اگر جائیداد موقوفہ بازار کی کسی گلی میں واقعہ ہو اور وہ شخص جائیداد مذکور کو اس جائیداد سے تبادلہ کا خواہش مند ہو جو بازار میں بہتر جگہ واقع ہے تو محض اس صورت میں قاضی خان اور ابو یوسف وغیرہ کے مطابق تبادلہ جائز ہے ورنہ نہیں اور اسی کے مطابق عمل ہے۔

ناظم وہبانی کی شرح میں محیط اور قاضی خان کے حوالے سے ہے کہ امام محمد کے مطابق متولی آراضی موقوفہ کا دیگر آراضی سے مبادلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس سے بہتر اور زرخیز تر قطعہ آراضی ہو اور آراضی موقوفہ کی پیداوار میں کمی آگئی ہو۔

ہشام اور محمد کے حوالہ سے تیمیہ میں ہے کہ جب جائیداد وقف کی یہ حالت ہو کہ استفادہ کنندگان اس سے منافع حاصل نہ کر سکیں تو قاضی بیع کا مجاز ہے اور اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید سکتا ہے۔ سوائے قاضی کے کوئی اور اس اختیار کو کام میں نہیں لے سکتا۔

سیر کبیر کے نزدیک اگر چہ بعض فقہا کے مطابق جائیداد موقوفہ کی تبدیلی جائز نہیں ہے لیکن ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے اور محیط میں ہے کہ شمس العلماء حلوانی سے درج ذیل سوال کیا گیا تھا۔

آیا ایسی جائیداد وقف متعلق مسجد کو جس سے کوئی آمدنی ہوتی ہو متولی فروخت کر کے دوسری جائیداد خرید سکتا ہے؟

انہوں نے اثبات میں جواب دیا کہ یہ جائز ہے ان سے اس سوال پر کہ جائیداد سے آمدنی کی صورت میں کیا اس سے ایک بہتر جائیداد خریدی جاسکتی ہے تو انہوں نے اسے بھی جائز قرار دیا۔

اگر چہ فقہاء میں سے بعض جائیداد موقوفہ کے بیع و مبادلہ کے خلاف ہیں مگر ہم امام ابو یوسف کے پیرو ہیں۔

فتاویٰ القدیر کے مطابق اگر واقف کو جائیداد موقوفہ کے مبادلے کا اختیار ہو اور اس کے بجائے جائیداد مبدلہ بھی وقف ہی رہے تو ابو یوسف اور خصاف کے نزدیک جائز ہے اور قانون کی وسیع اور (منصفانہ تعبیر) کے مطابق یہ استحسان ہے۔

اگر اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر واقف نے حین حیات خود متولی کو دوسری جگہ سرمایہ کی تبدیلی کا مجاز کیا ہو تو واقف کی موت کے بعد متولی اس امر کا مجاز ہو گا۔

جائیداد موقوفہ میں تبدیلی

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق ابو یوسف اور بلال کا اصول صحیح ہے اور انصاری نے بھی اس شرط کو جائز قرار دیا ہے مگر متولی بلا اجازت جج اسے فروخت نہیں کر سکتا۔ جج کے سامنے پیش ہونے پر اگر مفاد وقف میں (تبدیلی شرط) ضروری معلوم ہو تو اس کی اجازت دے دے گا۔ ابو یوسف کے مطابق تبدیلی سرمایہ کی جائز ہے اور یہ مسلمہ ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق بھی تبدیلی سرمایہ کی شرط جائز ہے اور یہ مسلمہ ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق جماعت فقہامیں اس پر اتفاق ہے کہ اگر واقف تبدیلی سرمایہ کا اختیار اپنے لئے مختص کرے کہ وہ سرمایہ میں تبدیل کر سکے گا تو شرط اور وقف دونوں جائز ہیں۔ اور بلا شرط نہیں ہے۔ تاوقتیکہ قاضی اجازت نہ دے تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔

باالفاظ دیگر اگر واقف نے بوقت وقف یہ اختیار اپنے لئے مختص کرلیا ہے تو بالاجماع اس اختیار کو وہ کسی بھی وقت استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ضروری اجازت کے لیے اسے قاضی سے اجازت لینا ہوگی۔

مختصر اُقدوری میں نص ابو یوسف کے مقررہ اصول کے مطابق ہے تمام اسناد کا نتیجہ یہ ہے کہ واقف جائیداد موقوفہ کو جائز طور پر تبدیل کر سکتا ہے باالفاظ دیگر وہ سرمایہ کو تبدیل کر سکتا ہے بشرطیکہ بوقت وقف اس نے یہ اختیار اپنے لئے مختص کرلیا ہو ورنہ بلا اجازت قاضی یا جج کے (حسب صواب دید خود مفاد وقف میں تبدیل سرمایہ کا اختیار نہیں ہے) اور کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

ایک واقف حسب فقہ حنفی جو جائز شرائط وقت وقف کر سکتا ہے اس سے ایک شرط پہلے دی گئی ہے یعنی واقف جائیداد وقف سے اپنے قرضوں کی ادائیگی کی شرط رکھ سکتا ہے۔

وقف کے انتظام کے سلسلے میں واقف کے اختیارات

خزینۃ الفتاویٰ کے باب وقف میں ہے کہ صاحب المنہ (الغفار) سے ایک ایسے وقف نامہ کی بابت دریافت کیا گیا جس میں کہ یہ شرط ہو جس کے مطابق واقف کی صرف اولاد ذکور تک ہی وقف کی ولایت کی شرط تھی مگر ایک سابقہ تاریخ کے دستیاب شدہ وقف نامہ کے مطابق حق تولیت واقف کی اولاد ذکور اور اناث دونوں کو ہی تھا۔ سوال یہ ہے کہ تولیت کے باب میں کس وقف نامہ پر عمل کیا جائے۔

صاحب المنہ نے جواب دیا اگر واقف نے بوقت وقف پہلے وقف نامہ میں انتظام وقف کے سلسلہ میں تبدیل شرائط کا اختیار اپنے لئے مختص کرلیا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے وقف نامہ پر عمل ہونا چاہئے۔ یعنی وہ وقف نامہ جس میں کہ حق تولیت

محض اولادِ ذکور تک محدود کر دیا گیا ہے لیکن اگر اس نے اصل وقف نامہ میں ایسا اختیار مختص نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں پہلے وقف نامہ پر جس میں ایسی پابندی نہیں ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

خصاف میں ہے کہ واقف وقف کی شرائط وقف سے تجاوز نہیں کر سکتا فوائد میں خصاف کے حوالہ سے درج ہے کہ جب واقف نے متضاد شرائط عائد کی ہوں تو دوسرے وقف نامہ کی شرائط (تاوقتیکہ اس کے اختیارات سے تجاوز نہ ہوں) کی تکمیل ہوگی اس لئے کہ حنفیوں کے نزدیک شرط مابعد شرط اول کو مسترد کر دیتی ہے۔

اس اصول کے مطابق جب کسی وقف نامہ میں دو متضاد شرائط ہوں تو دوسری شرط کو اول پر ترجیح ہونا چاہیے۔ اسیاف نے اس کی مثالیں دی ہیں۔

مثلاً اگر وقف نامے کے شروع میں واقف یہ طے کرتا ہے کہ شئے موقوفہ نہ بیع ہوگی نہ بطور ہبہ دی جائے گی اور نہ کسی فرد کی ملکیت ہوگی اور مابعد متولی کو جائیداد کی فروخت اور اس کی آمدنی سے دوسری جائیداد (جو کہ اصل وقف کی قائم مقام ہوگی) کی خرید کا مجاز کرتا ہے تو ایسی صورت میں جائیداد موجودہ کی بیع جائز ہوگی اور دوسری شرط اول شرط کو مسترد کردے گی۔ یا اگر یہ کہے کہ متولی جائیداد وقف کو فروخت کر کے اور دوسری جائیداد اسی کے بجائے خرید سکتا ہے اور بعد ازاں یہ قرار دے کہ نہ فروخت ہوگی اور نہ ہبہ کی جائے گی تو پھر یہ فروخت نہ ہوگی۔

اگر دونوں شرطیں متضاد نہ ہوں اور دونوں ہی نافذالعمل ہوں تو ہر دو کی تکمیل لازمی ہوگی اس لئے کہ شرائط وقف مثل نص ہیں جب وقف نامے میں عام شرائط ہوں بعد ازاں تفصیلات دی جائیں اور بشرطیکہ دستاویز وقف نامہ سے اس کے برعکس مراد نہ ہو تو ہمارے (احناف) کے مطابق شرط آخر نافذ ہوگی۔ شافعیوں کے مطابق یہ تفصیلات تمام شرائط سے متعلق ہیں اگر یہ لفظ دو سے جڑی ہوئی ہوں لیکن اگر یہ لفظ (تین) سے جڑی ہوئی ہیں تو صرف آخری شرط سے متعلق ہیں۔

اختیارات قاضی

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ قاضی مجاز ہے کہ واقف کے مقرر کردہ متولی کے علاوہ

ایک اور متولی مقرر کردے بشرطیکہ قاضی وقف کے لیے اسے مفید سمجھے خواہ واقف نے تقرر کے خلاف ہی شرط رکھی ہو۔

متفرق

کوئی شخص اگر وقف نامہ کی رو سے وقف کرے اور بعد میں اس کی عبارت سے لاعلمی ظاہر کرے یا کہے کہ اس کی نیت وقف نامہ کو ناقابل تنسیخ کرنے کی نہیں تھی، ایسی صورت میں اگر شہادت گواہان یا کسی اور طرح ظاہر ہو کہ دستاویز (واقف) نے پڑھ لی اور اسے سمجھا دی گئی تھی اور جس کا مفہوم وہ پوری طرح سمجھتا تھا تو اسکا انکار بے معنی ہو گا۔ اور یہ اصول محض وقف پر لاگو نہیں ہو سکتا بلکہ بیع ودیگر معاملات (لین دین) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

ایسا وقف جس کے نتائج سے آگاہی ہو وہ قطعاً قابل پابندی ہے

ایسا شخص جس کی خاص موضع میں اپنی آراضیات وقف کرنے کی نیت ہو اور بوقت اپنی موت دستاویز وقف تیار کرائے مگر کاتب دستاویز بعض قطعات آراضیات کا اندراج ترک کردے اور جب اس کو دستاویز (وقف نامہ) سنایا جائے مگر اس وقت بھی سہو کی بابت اسے نہ بتایا جائے مگر وہ یہ کہے کہ اس موضع میں جو کچھ بھی ہے سب میں نے وقف کیا تو ابو اللیث فقیہ کے مطابق تمام آراضیات کا وقف نافذ ہو گا اور یہی اصول اس وقف پر لاگو ہوتا ہے جو بحالت موت کیا گیا ہو۔

ضروری قابل غور یہ ہے کہ آیا واقف کی نیت تمام آراضیات کو وقف کرنے کی تھی یا نہیں۔

فضیلۃ المتقین میں ہے کہ اگر بعض مختص افراد کے حق میں کوئی وقف کرے مگر انجام کار وقف کی واپسی کی نوعیت ظاہر ہو اور نیز وقف نامہ پر قاضی سے مہر ثبت کرائے تو بوجہ غربت قاضی کو منسوخی وقف کی اجازت کے لیے درخواست دے سکتا ہے تاکہ اس کو غریبی میں سہارا مل سکے۔ قاضی کی مہر برٹش انڈیا میں رجسٹرڈ دستاویز کے مساوی ہے۔

وقف آراضی کی صورت میں تو زمین کے تمام ملحقات مثلاً مکانات سڑکیں گھاٹ درخت وغیرہ جو اس کے متصل یا اس پر واقع ہوں اسی کے ساتھ منتقل ہو جاتے

ہیں لیکن اس کی جداگانہ پیداوار منتقل نہیں ہوتی۔
جب کوئی زمین قبرستان کے لیے وقف کی جائے اور اس پر بڑے درخت اور عمارتیں ہوں تو وہ وقف میں شامل نہیں ہونگے خواہ وقف نامہ میں یہ درج ہو کہ اس وقف میں تمام ملحقات و حقوق شامل ہیں۔
اگر کسی آراضی پر بار آور درخت ہوں یا سکونتی مکانات سے متصل موقوفہ حمام ہو اور وقف نامہ میں تمام ملحقات اور حقوق کا حوالہ ہو تو یہ سب وقف میں شامل ہوں گے۔

غریبوں کے لیے قبروں کے واسطے وقف

ایسا وقف جو غربا کے لیے قبریں اور کفن مہیا کرنے کے لیے ہو جائز ہے۔
امام علی السعدی کی رائے ہے کہ صوفیہ کے لیے وقف جائز نہیں ہے لیکن دیگر فقہاء اس کی تردید کرتے ہیں۔
شمس الائمہ کے مطابق تمام حاجت مندوں اور ناداروں کے لیے وقف جائز ہے۔ اگر آدمیوں کے گروہ کثیر کے لیے کوئی وقف کیا جائے تو اس سے مراد جو ان میں غریب اور نادار ہیں اگر وقف عام ہے تو اس میں امیر و غریب مساویانہ شامل ہوں گے۔ اور اگر بعض لوگ یا ان کی جماعت کے فائدے کے لیے وقف ہو تو اس کی صریح وضاحت ہونا چاہئے یا وقف کے الفاظ سے یہ (اگرچہ عبارت عام ہو) لیکن یہ منشا ہونا چاہئے کہ غربا اسکے منافع کے مستحق ہیں مثلاً اگر کوئی وقف عام طور پر غربا کے لیے ہو تو جائز ہے اور اس سے غربا مستفید ہوں گے پس وقف لنگڑے لولوں۔ مفلوج۔ نابیناؤں۔ قرآن خوانوں۔ قانون دان اور محدثین کے لیے جائز ہے اور اس کا منافع جو ان میں نادار ہوں ان پر صرف ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ان الفاظ سے واضح طور پر عسرت منتج ہوتی ہے اس لئے کہ نابینا اور دوسرے اپاہج و معذور اور وہ طالب علم یا ایسے ہی دیگر کاموں میں مصروف ہوتے ہیں وہ روزی پیدا کرنے کیلئے وقت نہیں نکال سکتے اس لئے ان کی عام حالت میں عسرت اور تنگی ظاہر ہے۔ پس صوفیہ کے لیے بھی وقف جائز ہے اس لئے کہ وہ عام طور پر نادار ہوتے ہیں اور سختی کے ساتھ (متوکلانہ) سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

باب ۱۵۔ انتظام وقف

فصل اول :۔ متولی

واقف انتظام وقف خود اپنے لئے مخصوص کرسکتا ہے

ایک واقف جائز طور پر تولیت یعنی انتظام وقف خود کے لیے مختص کر سکتا ہے یہ ابو یوسف کے مطابق ہے اور ہلال نے اس کی تائید کی ہے۔ صاحب ہدایہ بھی اس کو مسلمہ اصول بتاتے ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ امام محمد نے اپنی تصنیف کبیر میں لکھا ہے کہ اس وقت تک ایک واقف متولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ تولیت وقف اپنے لئے مختص نہ کرے مگر ابو یوسف کے مطابق واقف کو تفویض ضروری نہیں ہے۔ پس اگر تولیت اپنے لئے مختص نہ کی ہو تب بھی وہ متولی بن سکتاہے ذخیرہ اور تتمہ میں ایسا ہی ہے اور صاحب ہدایہ نے یہ لکھاہے کہ ہمارے مذہب کا یہ مسلمہ اصول ہے۔

ایک واقف انتظام وقف کے لیے کسی متولی کے تقرر کا مجاز ہے۔ اگر واقف ایماندار اور متدین ہے تو بمقابلہ قاضی متولی نامزد کرنے کا زیادہ مستحق ہے اگر چہ واقف کا جائیداد سے علیحدہ ہونے پر حق ساقط ہو جاتا ہے تاہم اس کو حق ہے کہ آمدنی وقف کی شرائط کے مطابق استعمال ہو۔

واقف نمازیوں کے مقابلہ میں موذن اور امام مقرر کرنے کا زیادہ مستحق ہے بشرطیکہ وہ نااہل اشخاص کو نامزد نہ کرے ایسا ہی نوازل میں آیاہے اور بقول ابواللیث یہی فتویٰ ہے۔

اسی طرح ردالمختار میں آیاہے کہ اگر واقف نے کوئی وقف کیا ہے تو اس کی تولیت اپنے لئے مختص کر سکتاہے اگر اپنے انتظام وقف کے لیے کسی متولی اور امین کا تقرر نہیں کیاہے اور خود کیلئے صریحاً تولیت مختص کی ہو تو تب بھی بحیثیت واقف منصب تولیت اس سے ہی متعلق رہے گا۔

تقرر متولی کا اختیار اصلاً واقف ہی کو حاصل

اگر واقف کا مقرر کردہ متولی واقف کی عین حیات ہی انتقال کر جائے تو واقف (نہ کہ قاضی) دوسرے متولی کا تقرر کر سکتا ہے یہی فصول المساویہ میں ہے۔ صغریٰ میں ہے کہ واقف کی زندگی میں متولی کے انتقال پر واقف (نہ کہ قاضی) کو دوسرے متولی کے تقرر کا اختیار ہے۔ اگر واقف کا بھی انتقال ہو جائے تو بمقابلہ جج یہ اختیار وصی کو ہوگا۔ لیکن اگر واقف کوئی بھی وصی مقرر نہ کرے تو قاضی متولی کے تقرر کا مجاز ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ میں آیا ہے۔

عورت تولیت کی اہل ہے

کوئی بھی قابل اعتماد شخص جو منصب تولیت کے فرائض کی انجام دہی کا اہل ہو متولی مقرر کیا جا سکتا ہے اور اس میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔ یعنی ایک عورت بھی اسی طرح متولی ہو سکتی ہے جیسے کہ ایک مرد۔ فرقہ اور مذہب کا اختلاف اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ پس ایک شیعہ، سنی وقف کی تولیت کے نااہل نہیں ہے۔

پس اگر ایک شخص فرائض متعلق وقف کی انجام دہی اصالتاً یا اپنے معاون (خواہ مرد ہو یا عورت) کی مدد سے کر سکتا ہے تو وہ منصب تولیت کا اہل ہے۔

منصب متولی ایک ذاتی امانت ہے اور ایسا شخص جو اصالتاً امانت کی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا ہے وہ ان کی انجام دہی کے لیے ذمہ دار نہیں پائے گا۔

جب متولی کو مذہبی فرائض انجام دینا ہوتے ہیں

جب متولی کو وقف سے متعلق کوئی مذہبی یا روحانی فرائض و مراسم کی انجام دہی مطلوب ہو اور وہ ذکور سے متعلق ہوں تو ذکور ہی انجام دیں گے۔ مثلاً ایک متولی جو مذہبی ادارہ کا سربراہ ہے اور مذہبی تقاریر کا فرض انجام دیتا ہو تو ایسی صورت میں ایک عورت بااعتبار صنف منصب تولیت کے لیے ممنوع ہے۔ ہندوستان میں ایسے سربراہ سجادہ نشین کہلاتے ہیں (سجادہ) ایک فرش ہے جس پر نماز پڑھی جاتی ہے اور نشین سے وہ شخص مراد ہے جو اس پر بیٹھتا ہے۔ سجادہ نشین محض متولی نہیں ہے بلکہ روحانی پیشوا اور درگاہ کا نگراں بھی ہوتا ہے جہاں کہ بزرگ دفن ہوں اور رشتہ روحانیت کے تسلسل کا قیاس ہو۔

درگاہیں

درگاہوں سے مراد مشہور درویشوں کے مقبرے ہیں جو حین حیات ولی سمجھے جاتے تھے ان میں سے بعض نے خانقاہیں قائم کر کے سکونت اختیار کرلی جہاں ان کے مرید جمع ہوتے تھے ان میں سے اکثر کی خانقاہ کو اہمیت حاصل ہے اور ان کے انتقال پر ان کا مقبرہ مزار یا درگاہ ہی رہا یہ ان درویشوں کے تزکیہ باطن کے اصول اور واضح طریقہ تصوف کی تبلیغ کرتے تھے کیونکہ یا تو یہ متولی تھے یا میاں روشن بایزید کے مرید تھے جو اکبر کے زمانے میں ہوئے اور جنہوں نے ایک آزاد باطنی برادرانہ نظام قائم کیا جس کا سربراہ خاص امتیاز کا حامل ہوتا تھا وہ خود کو اس مفروضہ کی بنا پر فقیر کہتے تھے کہ انہوں نے دینا ترک کردی ہے اور خدا کے حقیر بندے ہیں ان کے پیرو شاہ یا بادشاہ کے لقب سے تمیز کرتے تھے۔

کتابوں میں تصوف کے مختلف سلسلوں کے اور ان کے مروجہ اصولوں کی تفصیل دی گئی ہے ان کا پیشوا پیر اور شاگرد مرید کہلاتا تھا۔ پیر کی وفات پر اس کا جانشین مریدوں کو درویشی یا تصوف کے مقامات سے واقف کرتا تھا پیر اور مریدوں کا باہمی تعلق میرے خیال میں فقیر کے نظریاتی عملی طریقے ہیں جو روحانی اور ذاتی ہیں۔

تقرر سجادہ نشین

ایک کمسن بچے کا منصب سجادگی پر تقرر اس منصب کے منافی سمجھا جائے گا تاہم ایسی بھی مثال ہے کہ ایک ۹ یا ۱۰ سالہ بچے کو پیر نے اپنا سجادہ نشین مقرر کردیا اور اس کی نابالغی کے زمانے میں تصوف اور اس کے اذکار کی ذمہ داری ایک خلیفہ کو تفویض کردی اس لئے کہ وہ خاندانی منصب تھا۔ اور کوئی دوسرا فرائض کی انجام دہی کا اہل نہ تھا۔ کسی درگاہ کے سجادہ نشین کا تقرر اور اس کے مراسم کی ادئیگی کے یا قریبی درگاہوں کے رواج کے مطابق ہونا چاہئے جنوبی ہند کی درگاہوں کے رسم ورواج کی تفصیل بتائی گئی ہے اور جہاں تک میرے علم میں ہے اور یہی رسم ورواج ہندوستان کے دوسرے حصوں میں رائج ہیں یعنی آخری سجادہ نشین کے انتقال پر سویم یا تیجہ کی رسم (انتقال کے تیسرے روز) درگاہ کے متعلق فقرا اور مریدین قریبی درگاہوں کے سجادہ نشینوں کے مشورہ سے

ایک اہل شخص کو سجادہ نشین مقرر کرتے ہیں۔ اور منتخبہ شخص بالعموم متوفی کا لڑکا ہوتا ہے۔ منصب سجادگی پر نامزدگی سے اس امر کا قیاس ہوتا ہے کہ نامزد شخص ان تمام مسائل تصوف سے بخوبی واقف ہے۔ جن کی مریدوں کو تعلیم دینا ہے۔ بعض صورتوں میں نامزدگی باضابطہ مسند نشینی کی شکل اختیار کرتی ہے جو کہ انتخاب کنندہ جماعت کرتی ہے اور سجادہ نشین کی حین حیات کردی جاتی ہے بہرصورت مسند نشین وہی ہوتا ہے جو مریدوں کو طریقت کے راز اور تصوف کے مسائل بتاسکے۔

اسی طرح اگر واقف کا کسی ایسے ادارے سے تعلق ہے جہاں ایک ہی مذہب یا فرقہ مختص سلسلے کے روحانی اذکار اور اشغال ہوں تو بالعموم دوسرے طبقہ یا فرقہ کا پیرو اس سلسلہ میں تولیت پر مقرر نہ کیا جائے گا۔

تقرر متولی

طحاوی میں ہے کہ ایک متولی بستر مرگ پر دوسرے کو مثل وصی تفویض کرسکتا ہے۔ وقف نامہ شئے موقوفہ میں تقرری متولی کے بارہ میں جانشین کے تقرر کا حوالہ کسی رواج کی شہادت نہ ہونے پر بستر مرگ پر اپنا جانشین نامزد کرسکتا ہے اور ایسی نامزدگی بلا کسی عدالت کی تصدیق کے جائز ہوگی مگر اس نامزدگی کے مؤثر ہونے کے لیے نامزد شخص کا بالغ اور عاقل ہونا ضروری ہے اس پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ ایک قانوناً نابالغ متولی نہیں ہوسکتا۔

متولی کا قابل، بالغ، اور عاقل ہونا ضروری ہے

فتاویٰ عالمگیری میں یہ اصول اس طرح ہے کہ تقرر کے لیے شرط جواز یہ ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہو اور ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔ ردالمختار میں بھی تقرر کے جواز کی ضروری شرائط میں بلوغ اور عاقل ہونا چاہیے۔

وقف نامہ کی شرائط کے مطابق انتقال تولیت

اگر منصب تولیت حسب شرط وقف نامہ کسی نابالغ پر منتقل ہو مثلاً اگر وقف نامہ میں یہ شرط ہو کہ تولیت واقف کی آل ذکور یا کسی خاص خاندان کے افراد میں محدود

رہے گی اور شخص مذکور جس پر حسب شرائط وقف نامہ تولیت منتقل ہوتی ہے اگر وہ نابالغ ہو تو تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائے تقرر ملتوی رہے گا اور بالغ ہونے پر ہی تولیت منتقل ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی خاندان میں تولیت موروثی ہے اور آخری متولی بستر مرگ پر نابالغ بچے کو متولی مقرر کرتا ہے تو قاضی اسے قبول نہ کرے گا بلکہ دوران نابالغی کسی دیگر شخص کو ان فرائض کی ادائیگی کے لیے مقرر کرے گا۔

تقرر نابالغ

انفاء الوسائل میں ہلال کے وقف کے حوالے سے ہے کہ اگر واقف یہ کہے کہ ولایت میرے بچوں کے لیے ہے اور وہ اپنے بالغ اور نابالغ بچے چھوڑے تو قاضی کو بجائے نابالغ کے کسی اور کو مقرر کرنا چاہیئے۔ یا نابالغ کے نمائندہ کے طور پر مقرر کرنا چاہیئے مگر ایک نابالغ کا تقرر قاضی کی منظوری سے نہیں ہو سکتا خواہ اسے قاضی خود یا کوئی اور شخص مقرر کرے اس لئے کہ بوجہ ناقابلیت وہ نہ معاملات وقف کے انتظام کا اہل ہے اور اس کے بجائے قاضی کوئی اور نائب مقرر کر سکتا ہے۔ اگر واقف کسی نابالغ کو متولی مقرر کرتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی بالغ معاون نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو بھی نابالغ کے حصول بلوغ تک کام کے لیے مقرر کرے گا اور اگر کوئی بالغ نابالغ کی مدد کے لیے مقرر ہے تو قاضی کسی بھی شخص کو نابالغ کی نمائندگی کے لیے مقرر کرے گا اور وہ شخص دوسرے بالغ (متولی) کے ساتھ مشترکہ کام کریگا۔ یا بالغ کو نابالغ متولی کے بجائے کام کا مجاز کرے گا۔

کسی غلام یا مشرک کا تقرر

تقرری کے لیے حریت اور اسلام ضروری شرائط نہیں ہیں۔ ردالمختار میں یہ جتانے کے بعد کہ متولی کی جائز طریقے پر تقرری کے سلسلہ میں بلوغ اور عاقل ہونا ضروری شرائط ہیں مزید یہ کہ حریت اور اسلام ضروری نہیں ہیں۔ پس اگر کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا جائے تو ازروئے قیاس یہ قطعی باطل ہوگا اور استحسان کے مطابق یہ اس وقت تک غیر موثر ہوگا جب تک کہ وہ نابالغ رہے اور جب بالغ ہو جائے تو ولایت اس پر عود کرے گی۔ اگر شخص مقررہ غلام ہے تو قیاس اور استحسان دونوں کی رو سے یہ تقرر جائز

ہو گا اسلئے کہ اس میں وہ ذاتی قابلیت ہے جو نابالغ میں نہیں ہے۔ یہی صورت ذمی (غیر مسلم رعایا) کے ساتھ ہے اگر قاضی غلام (عبد) کو ولایت سے علیحدہ کردے تو وہ آزاد ہونے کے بعد بھی بحال نہ ہوگا اور نہ ایک ذمی بعد قبول اسلام کے اسلئے کہ یہ دونوں صورتیں نابالغ سے مختلف ہیں۔

پس اس سے ظاہر ہوگا کہ ایک غلام (ذمی رعایا کے فرد) کو متولی مقرر کر سکتا ہے تاہم یہ قاضی کی مرضی پر ہے کہ وہ اس کو علیحدہ کردے اگر اس کے خیال میں یہ تقرر مفادات وقف کے خلاف ہے یا استفادہ کنندگان کی خواہشات کے برعکس ہے یا دوسرے مذہب کے پیرو کا بطور منتظم وقف ہونا خلاف مصلحت ہے۔

"فتویٰ الکفایہ" میں اسی طرح ہے

جب تولیت کسی نابالغ میں منتقل ہو تو ایک بالغ کو تولیت کے فرائض کے انجام دہی کے لیے مقرر کرنا چاہئے

س:-اگر واقف نے اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہے کہ اس کا انتظام اس کے بچوں سے متعلق رہے گا اور اس کے بچوں میں بالغ اور نابالغ دونوں ہوں تو کس کو تولیت سپرد کی جائے۔

ج:- قاضی صغیر بچوں کی جگہ کسی شخص کو مقرر کرے گا اور اگر وہ چاہے تو بالغ بچوں کو نابالغان کا بطور قائم مقام ولی مقرر کرے۔

اگر واقف نے تولیت کسی نابالغ لڑکے کو تفویض کی ہے تو پھر یہ تولیت جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو غیر موثر رہے گی اس کے بعد وقف اسکے سپرد کردیا جائے گا

اگر واقف کسی ایسے شخص کو متولی مقرر کرے جو غیر حاضر ہے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس کی غیر حاضری کے دوران عارضی طور پر کسی دوسرے شخص کو نامزد کردے اور جب واقف کا مقررہ متولی آجائے تو وقف اس کو عود کرے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ واقف بوقت وقف متولی کے جائیداد سپرد کرنے سے پہلے متولی کی علیحدگی یا جائیداد کی تبدیلی کے سلسلہ میں اپنا حق مختص کر سکتا ہے مگر اور کسی

صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بعد وقف کسی دوسرے کو متولی اس شرط پر مقرر کرے کہ متولی کو اپنا جانشین کسی دستاویز کی رو سے کرے گا تو یہ شرط جائز ہو گی۔

جب کوئی شخص وقف کرے اور اپنی موت کے وقت کسی کو اپنا وصی مقرر کرے اور وقف کے بارہ میں کوئی ذکر نہ ہو تاہم یہ وصی اس وقف کا متولی ہو گا۔

اگر کوئی تندرست شخص اپنی آراضی کو غربا کے لیے وقف کر کے متولی کے سپرد کرے اور (مابعد) بوقت موت وصی سے یہ کہے کہ زمین کی پیداوار سے فلاں فلاں کو حصے دو اور باقی جس طرح چاہے کام میں لو اور وصی واقف کی ہدایت کے مطابق عمل کرے تو یہ جائز نہ ہو گا اس لئے کہ وقف تو شروع سے ہی ہو چکا تھا اور واقف اگر یہ اختیار اپنے لئے پہلے مختص کر لیتا تب ہی جائز ہو سکتا تھا۔

فصل دوم:۔ تقرر متولی

متولی کا تقرر

متولی کا تقرر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اصلاً واقف کی مرضی پر منحصر ہے ورنہ وصی کی مرضی پر ہے اس لئے کہ وہ واقف کا قائم مقام ہے۔ وصی کے نہ ہونے کی صورت میں تقرر متولی کا اختیار جج کو ہوتا ہے اور وصی سے متعلق بالالفاظ دیگر وصی کے مقرر کردہ وصی کو وہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو اصلاً وصی کو ہوتے ہیں۔

متولی شرائط کے مطابق مقرر ہوتا ہے یا واقف کی حین حیات تک ہی وقف سے متعلق اس کی قانونی حیثیت مثل وصی کے ہوتی ہے مثل وصی اور اس کے بوقت مرگ یا مرض الموت میں بوقت مرگ جانشین کے تقرر کا مجاز ہے۔

اگر واقف اپنی موت کے بعد دو شخصوں کو متولی مقرر کرے اور ان میں سے ایک دوسرے کو وصی بنا کر انتقال کر جائے تو پس ماندہ شخص فرائض تولیت کی انجام دہی کا مستحق ہے۔ ایسا وصی محض جائیداد ہائے اوقاف کے لیے ہی مقرر کیا جائے گا وہ وصی عام بھی ہو گا۔ ابو یوسف اور دوسرے فقہاء میں اختلاف ہے۔ احناف کے مطابق اگر واقف پہلے وقف کا متولی مقرر کرے اور مابعد اسی وقف کا ایک وصی تاوقتیکہ ان کے فرائض

مختص نہ کردے جائیں دونوں فرائض متولی انجام دیں گے اور ان کے فرائض اس طرح مختص ہوں گے۔

اگر واقف یہ کہے کہ میرا فلاں قطعہ آراضی وقف اور فلاں اس کا متولی ہے اور باقی جائیداد کا فلاں وصی ہے۔اس طرح ہر دو کے فرائض علیحدہ ہوں گے۔

ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ سلطانی بیگم

بمقدمہ ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ بیگم یہ طے پایا ہے مسلم قانون کے مطابق ایک واقف کو یہ اختیار ہے کہ وقف کا انتظام اپنے لئے مختص کرے یا کسی دوسرے کو مقرر کرے اگر وہ اس طبقہ کو مختص کرتا ہے جس سے کہ متولی کا انتخاب کیا جائے تو وہ وقف نامہ کے خلاف نہیں کرسکتا اور ایسے شخص کو مقرر نہیں کرسکتا جو وقف نامہ کی مندرجہ شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اور ان کے مرنے کے بعد اس کے جانشین کی نامزدگی کا اختیار بھی وقف نامہ کے مطابق مندرجہ طبقہ تک ہی محدود رہے۔

اگر واقف نے بوقت وقف طبقہ کی تبدیلی کا اختیار جس سے منیجر کا انتخاب ہوتا ہے اپنے لئے مختص کرلیا ہے تو پھر ایسے شخص کے تقرر سے ہی جو وقف نامہ کی شرائط پر پورا نہ اترتا ہو وقف ناجائز ہوگا۔

اقربا کا مفہوم

اقربا کی اصطلاح اگرچہ زیادہ مناسب طور پر خون کے رشتہ داروں تک ہی محدود ہے لیکن جب کہ متن سے یہ معلوم ہو کہ وسیع مفہوم میں استعمال کرنے کا منشا تھا تو اس میں خاندانی رشتہ داروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے مگر واقف کی اہلیہ یا بیوہ اقربا میں شامل نہیں ہیں۔

بقول ابویوسف اگر کوئی واقف اپنی حین حیات بلا اس حوالہ کے کسی کو متولی مقرر کرتا ہے کہ یہ تقرر اس کی موت کے بعد بھی قائم رہے گا تو واقف کے انتقال پر چاہے تو وہ اپنا منصب ترک کردے تاہم اصول قانون یہی ہے کہ جب کوئی تقرر بلا حوالہ مدت ہو تو وہ مقرر کرنے والے کی موت پر ختم نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص حین حیات وقف کرے اور مرض الموت میں بھی متولی کے بجائے

ایک وصی مقرر کرے تو وہ وصی اور متولی دونوں ہوگا۔ یہ ابو یوسف کی رائے ہے اور ایسا ہی فتویٰ ہے اگر واقف نے حین حیات میں متولی مقرر کر دیا ہے تو وصی متولی وقف ہوگا۔

بمقدمہ شاہ رحمت اللہ صاحب بنام محمد اکبر صاحب عدالت عالیہ مدراس نے مسلم قانون کے اس مسلمہ اصول کو اختیار کیا کہ جب کوئی جائیداد مذہبی یا خیراتی اغراض کے لیے وقف ہوتی ہے تو واقف عموماً تقرر اور جانشینی متولی کے قواعد وضع کرتا ہے۔ اور مسئلہ جانشینی کا انہی قواعد پر انحصار ہوتا ہے۔ خواہ یہ قواعد منضبط ہوں یا رسم ورواج کی بنا پر نافذ ہوں۔ قواعد نہ ہونے کی صورت میں واقف کو حین حیات خود اختیار تقرر ہوتا ہے۔ اس کی موت پر وصی کو اگر وصی نہ ہو تو مجسٹریٹ یا دوسرے مقتدر (یعنی عدالت) کو یہ اختیار ہوتا ہے۔

اگر واقف نے بچوں کے لیے تولیت کی شرط رکھی اور ان میں بعض نابالغ ہوں تو قاضی بالغان کو مجاز کر سکتا ہے کہ وہ نابالغان کی طرف سے تقرر کر دیں یا اپنے متعلقہ کام کرنے کیلئے معاون مقرر کر دیں جو کہ بچوں کی نمائندگی کر سکیں۔

خصاف نے انفع الوسائل میں لکھا ہے کہ ایک شخص جب دو قطعات آراضی وقف کر کے دو متولیان کا تقرر کرے اور بوقت مرگ زید کو وصی مقرر کرے تو زید متولی ہوگا اور اگر زید عمر کو وصی مقرر کرے تو عمر کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو زید کی ہے۔

اگر کوئی شخص یکے بعد دیگرے دو وصی مقرر کرے مگر پہلے وصی کو علیحدہ نہ کرے تو دونوں ہی وصی ہوں گے اس لئے کہ (احناف) میں منصب وصی آپ ہی تفویض نہیں ہوتا۔ چنانچہ قاضی کا دیگر متولی مقرر کرنا واقف کے دوسرے متولی کے تقرر سے مختلف ہے مؤخر الذکر صورت میں ہر دو تقرر جائز ہیں اگر قاضی دو تقرر کرے تو دوسرے تقرر سے پہلا تقرر ناجائز ہو جاتا ہے بشرطیکہ پہلا متولی دوسرے کے تقرر سے باخبر ہو۔

اگر قاضی نے متولی مقرر کیا ہے تو واقف کو قاضی کے مقرر کردہ شخص کو علیحدہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر واقف نے متولی کا تقرر نہیں کیا۔ بلکہ قاضی نے کیا ہے تو واقف قاضی کے مقررہ متولی کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

متولی کو مقرر کرنے میں قاضی کو اختیار

اگر بلا تقرر متولی واقف کا انتقال ہو جائے تو قاضی منتظم وقف کے تقرر کا مجاز ہے اس طرح آخری متولی کے بلا تقرر جانشین یا وصی انتقال ہو جانے پر اس تقرر کا قاضی مجاز ہو گا۔ اسی اصول کے مطابق فتویٰ ہے۔ اور علامہ خصاف نے بھی یہی طے کیا ہے۔

آخری متولی کو نامزدگی جانشین کا اس وقت اختیار ہے جب کہ واقف نے اس منصب کے تقرر کے بارہ میں کوئی شرط نہ رکھی ہو۔ اگر واقف نے یہ عہدہ تولیت خاندان کے سلسلہ ذکور کیلئے مختص کیا ہو تو کسی بھی مابعد متولی کو سلسلہ تولیت میں تبدیلی کا اختیار نہ ہو گا۔

یا اگر واقف نے یہ طے کیا ہے کہ (A) کے بعد اس منصب پر (B) ہو گا تو (A) کو تقرر وصی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

جب تک واقف کا کوئی بھی رشتہ دار جو منصب تولیت کا اہل ہو مل سکے تو کسی غیر شخص کو متولی مقرر نہ کیا جائے اس لئے کہ واقف کے رشتہ دار کو زیادہ تعلق خاطر ہو گا اور واقف کی بھی عام طور پر یہی نیت ہوتی ہے کہ رشتے دار ہی متولی ہو۔

واقف کے کنبے دار کا حق منصب تولیت پر

کافیہ میں حاکم کا یہ قول نص قرار دیا گیا ہے کہ جب تک کہ واقف کی آل یا اس کے کنبے کے افراد (اہل) میں سے کوئی بھی اہل شخص منصب متولی کیلئے مل سکے کسی غیر کو متولی نہ بنایا جائے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی اہل نہ ہو تو تولیت غیر کو تفویض ہو گی بعد میں اگر واقف کے خاندان سے اس منصب کا اہل مل جائے تو وہ متولی ہو گا۔

الحاصل منصب تولیت کے لیے اولاد واقف کو ترجیح ہو گی خواہ وقف ان کے لیے نہ ہو جس طرح کہ دوسروں کے لیے وقف ہوتا ہے۔

وقف کے افراد خاندان کا مرجح حق

والجز المحیط میں ہے کہ جب تک واقف کی اولاد یا اس کے خاندان کا کوئی فرد (اہل بیت) زندہ اور تولیت کا اہل ہے قاضی کو منصب تولیت پر کسی غیر کو مقرر نہ کرنا چاہیے اگر آل کنبہ میں اس منصب کا کوئی اہل نہ ہو تو قاضی ایک بیرونی شخص کو مقرر

کر سکتا ہے۔ لیکن تقرر کے بعد اگر ان آل سے کوئی اہل شخص مل جائے تو اسی کو تفویض کر دینا چاہئے اس اصول کی فتاویٰ انقرویہ فصول عمادیہ اور فتاویٰ عالمگیری میں اس الفاظ میں تکرار ہے حتیٰ کہ ردالمختار کے مصنف نے یہاں تک لکھا ہے۔

ہندیہ میں تہذیب کے حوالے سے ہے کہ جب موقوف الیہ کے رشتے دار یا آل میں کوئی شخص ہو تو اس کا ہی تقرر مرجح ہے لفظ "موقوف الیہ" سے واقف کی آل مفہوم ہے پس مندرجہ بالا قول "محی" متضاد نہیں ہے۔

مکرر یہ کہ الفاظ قابل ترجیح سے ظاہر ہے کہ اولاد واقف کے مقابلہ میں غیر کا تقرر ناجائز ہے جامع الفصولین کے نظریہ سے متضاد نہیں ہے اور وہ اسی طرح ہے۔ اگر واقف یہ شرط رکھے کہ اس کے بچے اور یکے بعد دیگرے بچوں کے بچے وقف کے متولی ہوں گے تو قاضی کسی بیرونی شخص کے تقرر کا اس وقت تک مجاز نہیں ہے جب تک کہ واقف کی آل اعتماد شکنی کا مرتکب نہ ہو۔ اگر قاضی واقف کی آل میں سے ناجائز طور پر کسی کو علیحدہ کر کے کسی دیگر شخص کو متولی مقرر کر دے تو وہ متولی نہ ہو سکے گا بشرطیکہ واقف نے صریحاً یہ شرط رکھی ہو۔ لیکن اگر ایسی کوئی شرط واقف نے نہ رکھی ہو تو جائز ہے۔

خیریہ میں "وقف" کے آخیر حصہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا تقرر (تقرر شخص غیر) قطعاً ناجائز ہوگا۔ اور بلا شبہ یہی لاامجلو کا منشا ہے جو قابل غور ہے اور جزیہ کے فتویٰ کے مطابق اہل الاوقاف میں کسی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اشخاص (جن سے متولی کا انتخاب کیا جائے) ایسے ہوں کہ اگر مابعد انکی عدم اہلیت دور ہو سکے تو کافی ہے اسے منصب تولیت پر واضح طور پر مقرر ہونا چاہئے۔ مخفی نہ رہے یہ اصلاً اس صورت میں ہے جب کہ واقف کی آل یا اہل بیت میں کوئی اہل نہ ہو۔

فصول عمادیہ میں ہے کہ مصنف (فصول العمادیہ) کے والد سے دریافت کیا گیا کہ اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ تولیت آل ہی میں محدود رہے گی تو کیا قاضی کسی غیر کو متولی مقرر کر سکتا ہے۔ اس کا انہوں نے نفی میں جواب دیا۔

ایک بیرونی شخص متولی کب ہو سکتا ہے

اگر واقف کی آل یا اعزہ میں کوئی اہل یا موزوں شخص نہ ہو تو بیرونی شخص کا

تقرر ہو سکتا ہے۔ اگر واقف کی آل اولاد یا رشتے داروں میں سے متولی ہونے کی صورت میں اگر وہ نااہل یا اعتماد شکن ہو تو وہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ واقف کے خاندان میں اگر دوسرا اہل شخص نہ ہو تو بیرونی شخص کا تقرر ہو سکتا ہے۔ جب خود واقف اعتماد شکنی پر علیحدہ ہو سکتا ہے تو دوسرے نااہل شخص کی علیحدگی کے لیے تو اور بھی قوی جواز ہے۔

اگر واقف کی آل رشتے دار یا پڑوسی میں سے کوئی بھی اس منصب کے لیے تیار نہ ہو اور کوئی بیرونی شخص بلا مشاہرہ کام کرنے پر آمادہ نہ ہو تو قاضی کو غور کرنا چاہئے کہ مفاد وقف میں کس کا تقرر بہتر ہوگا اور اہل ترین کون ہے۔

تقرر متولی

قانون میں اس امر کی صریحاً وضاحت ہے کہ واقف کے افراد خاندان میں جب تک کوئی بھی اہل اور موزوں شخص ہے کسی غیر کا تقرر نہ ہو۔ یہی کلیہ اس مقررہ متولی پر لاگو ہوگا۔

عدالت العالیہ کلکتہ نے اس کا نفی میں جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ اگر مرض الموت میں مبتلا متولی اپنا جانشین مقرر کرے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ نامزد شخص واقف کے خاندان تک ہی محدود ہو اگر جائز طور پر تقرر ہوا ہے تو جب تک پہلا متولی موجود ہے دوسرے کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ متولی بطور خود منصب تولیت ترک نہیں کر سکتا۔ ترک منصب کے لیے اسے قاضی کی اجازت لینا ضروری ہے۔ بعض فقہا نے بلا شبہ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک متولی دوسرے کے حق میں استعفیٰ دے سکتا ہے مگر انہوں نے بتایا ہے کہ ایسا شخص اس وقت تک متولی نہ ہوگا جب تک قاضی نے استعفیٰ کو منظور نہ کیا ہو بلکہ اس منصب پر تقرر کے لیے وہ پابند نہیں ہے۔

اگر کوئی متولی کسی مالی فائدہ کے لیے دوسرے شخص کے حق میں عہدہ تولیت سے دست بردار ہو جائے اور قاضی موخرالذکر کو مقرر نہ کرے تو وہ شخص متولی کے خلاف وصول یابی رقم کی کاروائی کر سکتا ہے اگرچہ ایسا معاہدہ خلاف قانون ہے مگر فقہائے متاخرین اس کو قانوناً جائز بتاتے ہیں۔ اصلاً یہ قانون کی صحیح تعبیر کے خلاف اور قطعاً غیر اخلاقی ہے۔

بزمانہ سابق اوقاف کے نگراں فرائض خود کی ادئیگی ذریعہ نمائندگان کرتے تھے اور نگراں مقررہ وظیفہ اعزازی طور پر کچھ نمائندگان کو دیتے تھے اس طریقہ کار کے قانوناجواز کے سلسلہ میں فقہاء متقدمین نے کافی غور کیا ہے۔ مگرمتاخرین اس پر عموماً متفق ہیں کہ جب تک وہ جائزنہ ہو قائم مقام کا تقرر ناجائز ہے۔

ایک متولیہ (عورت) اگر بوجہ صنف منصب تولیت کے فرائض کی ادئیگی کے ناقابل ہو تو وہ نائب (معاون) مقرر کرنے کی مجاز ہے اسی طرح اگر ناقابلیت (مجبوری) عارضی یابسبب غیر حاضری یاعلالت ہو یا بہ سبب جائز ہو تو منتظم یا قاضی کا نامزد یہ فرض انجام دے سکتاہے۔اس صورت میں نامزد شخص حصہ اور جزوالاونس اصل جواس کے اور اصل عہدیدار کے درمیان طے ہواہے پاسکے گا۔

ابن شبلی کے فتویٰ میں ہے کہ جب بوجہ کمزوری متولی نگرانی کار کے ناقابل ہو تواس سلسلہ میں کوئی قائم مقام یانائب مدد کے لیے مقرر کرسکتاہے مگر تمام معاملات میں ذمہ داری اس کی ہوگی اور متولی سے الاونس پاسکے گا۔

اختیار جانشینی متولی

ایک متولی حین حیات کسی کو نہ اپنا عہدہ تفویض نہ منتقل کرسکتاہے جب تک کہ وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ اور اگر وہ حین حیات بحالت صحت اپنے بجائے کسی دوسرے کو مقرر کرے تو ایسا تقرر خلاف قانون و ناجائز ہوگا تاوقتیکہ متولی اسکا مجاز نہ ہو۔ایسی صورت میں اگر اپنے بجائے متولی کسی دوسرے کو مقرر کرے تو وہ موخرالذکر کو علیحدہ نہیں کرسکتا بجز اس صورت میں کہ واقف نے بوقت تشکیل وقف کسی دیگر شخص کے تقرر یا علیحدگی کا اختیار دیاہو۔

مندرجہ شرط اصلاً غیر مستقل جانشین کے تقرر کے بارے میں ہے جسے متولی کے تمام اختیارات حاصل ہونگے۔ بلکہ وہی اس منصب پر فائز ہوگا نہ کہ اس کا قائم مقام۔ متولی جانشین کا تقرر مرض الموت میں کرسکتاہے مگر کسی نائب یا نمائندے کے تقرر کیلئے یہ شرط لاگو نہیں ہوتی۔

فتح القدیر کے مطابق متولی جن لوگوں کو نمائندہ یا مددگار مقرر کرسکتاہے وہ

متولی کے ذمکی فرائض انجام دے سکتے ہیں متولی نمائندے یا نائب کو اور دوسرے کے تقرر کا مجاز ہے۔ متولی کے فاتر العقل ہونے کی صورت میں اس کے نائب یا نمائندہ کا تقرر خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے اور قاضی متولی کا نمائندہ مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ یہ اصول دونوں صورتوں میں جب کہ قاضی یا واقف نے متولی مقرر نہ کیا ہو لاگو ہوتا ہے۔ متولی کا تقرر اگر عام حالات میں ہوا ہے تو وہ دوسرے شخص کو بھی تفویض کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق یہی مسلمہ اصول ہے۔

متولی بوقت مرگ منصب تولیت اس طرح تفویض کر سکتا ہے جس طرح ایک وصی دوسرے کو تفویض کرے۔ اگر واقف نے مختص جائیداد متولی کو تفویض کی ہے تو وہ اس کی مملوکہ نہ ہوگی۔ مگر بذریعہ وصیت یہ منصب منتقل ہوگا۔ یہ مسئلہ جج کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ اس خدمت کے معاوضہ میں تنخواہ یا مشاہرہ مقرر کرے بشرطیکہ واقف نے کوئی وظیفہ مقرر نہ کیا ہو اور یہی فتح القدیر میں ہے۔ اگر متولی بحالت صحت حین حیات خود کسی دوسرے شخص کو مقرر کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ یہ تفویض اس کو علی السبیل تسلیم کی گئی ہو۔ ایسا ہی محیط میں آیا ہے۔

لفظ عام کا مفہوم

اصطلاح "عام طریقے" پر یا علی السبیل القیم کے بارہ میں مصنف ردالمختار نے اس طرح وضاحت کی ہے۔ عام طریقہ سے مراد یہ ہے کہ اگر واقف یا قاضی بوقت تقرر متولی کو اسے کسی دوسرے کو وقف منتقل کرنے کا مجاز کریں اور دوسرے اپنے بجائے بذریعہ وقف یا وصیت کسی اور کو قائم مقام بنا سکے گا۔ اس شرط کے علاوہ متولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی حین حیات یا مرض الموت میں متولی مقرر کر دے۔

اگر تقرر متولی یا تفویض وقف علی السبیل القیم نہیں ہے بالفاظ دیگر متولی کو اگر اختیارات عمومی حاصل نہ ہوں تو بحالت صحت جب وہ فرائض منصبی کی ادائیگی کا اہل ہو تو دوسرے کو وقف تفویض نہیں کر سکتا اگر وقف نامہ میں جانشینی کے طریقہ کار کے بارہ میں کوئی شرائط نہ ہوں تو مرض الموت میں اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے اسکی وجہ بقول قاضی خان یہ ہے کہ متولی اس وقت بطور وصی اور مثل وصی مرض الموت میں

اپنے بجائے دوسرا متولی مقرر کر سکتا ہے تاکہ اسکے فرائض متعلقہ انجام دے سکے۔ وصی جب ایک بار منصب قبول کرے تو منصب مذکور سے استعفٰی کا مجاز نہیں ہے جس طرح ایک متولی وقف سے بلا اجازت علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

متولی جس کو عمومی اختیارات ہوں بحالت صحت جانشین مقرر کرسکتا ہے

ایسا شخص جسے عمومی اختیار نہ ہو بلا اجازت قاضی کسی دوسرے کو متولی مقرر کردے تو اس کی عہدہ تولیت سے علیحدگی کے مساوی ہے تاہم وہی ذمہ دار ہے جب تک کہ اس کے تقرر یا تبدیلی کی قاضی نے مابعد تصدیق نہ کی ہو۔

متولی کے عمومی طریقہ پر تقرر کے سلسلہ میں کہ لفظ "القیم" کی "انفع المسائل" میں اس طرح توضیح ہے کہ واقف متولی کا اپنے بجائے تقرر کر سکتا ہے اور اپنا قائم مقام بناکر اس امر کا مجاز کرتا ہے کہ وہ جس کو چاہے وقف تفویض کرے ایسی صورت میں متولی بحالت صحت یا مرض الموت وقف منتقل کر سکتا ہے۔

اگر ناظر (متولی) مرض الموت میں بلا شرط تولیت دوسرے کو منتقل کرے تو یہ جائز ہے اور اگر بحالت صحت منتقل کرے تو یہ ناجائز ہے جیسا کہ تتمہ میں ہے کہ وہ ایک وصی کی حیثیت میں ہوتا ہے اور بحیثیت وصی منصب وصی کو بذریعہ دستاویز منتقل کر سکتا ہے وہ ایک متولی بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ صحیح ہے کہ ایک قیم (نگراں) اور وصی کے اختیارات یکساں ہوتے ہیں مگر بحالت صحت جو بھی افعال صادر ہوں اس سے مختلف ہیں اس لئے بحالت صحت قیم ایک وکیل یا مددگار ہوتا ہے اور مددگار اپنے اختیارات تفویض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

اس موضوع کے سلسلے میں سیرت الفتوئی بالکل واضح ہے اگر واقف کی یہ شرط ہے کہ متولی دوسرے شخص کو وقف تفویض کرنے کا مجاز ہوگا تو ایسی صورت میں بحالت صحت متولی کا تفویض تولیت جائز ہے ورنہ نہیں۔ لیکن بلا ان اختیارات کے اگر مرض الموت میں تفویض تولیت ہو تو جائز ہے۔ کفایہ اور تتمہ میں ایسا ہی ہے۔

اگر متولی اس اختیار کی بنا پر جو واقف اس کے لیے مختص کرے کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کرے تو وہ اس شخص کو علیحدہ نہیں کر سکتا تاوقتیکہ واقف نے اس کو تقرر کا

اور علیحدگی کا مجاز نہ کیا ہو۔ ترنوسی نے اپنی کتاب انفع الوسائل میں اس اصول کی وضاحت کی ہے مجھ سے ایک ایسے متولی کے بارے میں جسے اس کے پیش رو نے بربناء اختیار تقرری مقرر کیا تھا۔ اور جو اس وقف کو کسی تیسرے شخص کے اختیار میں چھوڑ کر انتقال کر گیا تھا۔ دریافت کیا گیا کہ آیا حاکم کسی اور کو تولیت دے سکتا ہے میں نے جواب دیا کہ اگر متولی نے بحالت صحت تولیت تفویض کی تھی تو مامور شدہ شخص تقرر کرنے والے کی حیات تک اس وقف کا نگراں رہے گا لیکن اسکے انتقال پر قاضی تقرر کا مجاز ہے۔

میرے خیال میں یہ ایسی صورت ہے جب کہ متولی جسے اس کے پیش رو (متولی) نے واقف کے مقبوضہ اختیار کی بناء پر مقرر کیا تھا مگر خود اسے کوئی اختیار نہ تھا با الفاظ دیگر پہلے متولی کو اس کی ذاتی حیثیت کی بناء پر بستر مرگ سے مقرر کئے ہوئے جانشین کے تقرر کا اختیار ہے تو جائز ہوگا۔

بستر مرگ پر تقرر

جب واقف بستر مرگ پر دوسرے سے کہے (اس وقف کو تم میرے بجائے سنبھالو یا یہ کہے کہ اس وقف کے متعلق میرے بچوں کو وہی اختیار ہوگا جو مجھے ہے یہ اصلاً آل کو وہی اختیار تفویض کرنا ہیں جو اس کو تھے اور جیسا کہ میں سمجھتا ہوں ایسے معاملات میں واقف کے بچوں کے وصی کو اپنی حیات میں ہی متولی کے تقرر کا اختیار ہوگا۔ اس مسئلہ پر واحد علی بنام اشرف حسین پر مناسب طور پر غور نہیں کیا گیا۔

واقف یہ شرط کر سکتا ہے کہ فلاں اس وقف کا متولی ہے مگر بذریعہ وصیت دوسرے کو وقف کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ شرط جائز ہے۔

ایک واقف جائز طور پر یہ شرط کر سکتا ہے کہ فلاں شخص وقف کا متولی ہوگا مگر نہ وہ اور نہ کوئی دوسرا متولی بذریعہ وصیت کسی دوسرے کو وقف بذریعہ وصیت تفویض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

جب وقف نامہ میں ایسی کوئی شرط ہو کہ متولی کے جانشین کے تقرر کا اختیار جج کی مرضی پر ہو تو ایسی صورت میں متولی بحالت صحت یا بحالت بیماری اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکتا اور ہر متولی کے انتقال پر قاضی جانشین مقرر کرے گا۔

واقف کو متولی کے علیحدہ کرنے کا اختیار اس صورت میں ہے جب کہ اس بارے میں اس نے اختیار اپنے لئے مختص کر لیا ہو

ایسا متولی جسے واقف نے مقرر کیا ہو اسکے اختیار علیحدگی کے بارہ میں ابو یوسف وابو محمد کی رائے میں اختلاف ہے ابو یوسف کی رائے میں خواہ یہ اختیار اس نے پہلے سے اپنے لئے مختص کیا ہو یا نہیں ابو محمد کا اس سے اختلاف ہے ان کی رائے میں یہ اختیار اس وقت استعمال ہو سکتا ہے جب واقف نے متولی کو بلا فعل ناجائز کے بھی اختیار علیحدگی اپنے لیے مختص کر لیا ہو اور فتویٰ ابو محمد کی رائے کے مطابق ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان اختلافات کی تفصیل ملتی ہے ایک شخص نے جائیداد وقف کرنے کے بعد قیم یا نگراں کو منتقل کر دی۔ بعد میں اسی سے واپس لینا چاہے تو ابو محمد کی رائے میں اگر بوقت وقف اسکے واپسی کی یہ شرط رکھی ہے، کہ وہ قیم کو علیحدہ کر کے جائیداد واپس لینے کا مجاز ہے تو یہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

ابو یوسف کے مطابق وہ ہر حالت میں خواہ یہ اختیار اس نے اپنے لئے مختص کیا ہو یا نہیں ایسا کر سکتا ہے اور بلخ کے مشائخ فقہا ابو یوسف کے مطابق طے کرتے ہیں۔ فقیہ ابو اللیث نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے مگر بخارا کے فقہا ابو محمد کے مطابق طے کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور مضمرات میں بھی ایسا ہی ہے۔

ردالمختار میں اسی اختلاف کی وجہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

ابو یوسف متولی کو واقف کا نائب یا وکیل قرار دیتے ہیں اس لئے کہ واقف ہر وقت اسے علیحدہ کرنے کا مجاز ہے۔ ابو محمد کے نزدیک متولی استفادہ کنندگان کا نمائندہ یا وکیل ہے اور واقف اسے علیحدہ کرنے کا مجاز محض اس صورت میں ہے اگر بوقت وقف یہ اختیار اس نے اپنے لئے مختص کر لیا ہو۔

علامہ قاسم کی کتاب تفسیر القدوری کے مطابق یہی اصول صحیح ہے اور اسی کے مطابق فتوے دئے جاتے ہیں۔ درالمختار میں اشیاء کی سند پر اصول اس طرح ہے کہ واقف کو متولی کے علیحدہ کرنے کا کلیتًا اختیار ہے اور فتویٰ اسی کے مطابق ہے مگر فتاوی عالمگیری کے مولفان کا یہ اصول درالمختار کے مصنف کے نزدیک مسلمہ طور پر قابل

پابندی نہیں ہے۔ متولی عہدیداران وقف کو علیحدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ متولی واقف کے یا قاضی کے علم میں لاکر اپنے منصب سے مستعفی ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر ان کی اجازت سے علیحدہ ہو سکتا ہے مگر محض اپنی مرضی سے ایسا نہیں کر سکتا۔

واقف اس امر کے لیے متولی کو مجاز کر سکتا ہے کہ وہ وظیفہ داران (وظیفہ پانے والوں) کے الاونس میں بہ صواب دید خود بیشی یا کمی کرے یا وظیفے داران کو علیحدہ یا ان میں اضافہ کرے۔

تولیت کے منتقل کرنے کے سلسلہ میں واقف کی ہدایات

اگر ایک شخص وقف کرے اور عبداللہ کو اس کا متولی مقرر کرتے ہوئے یہ طے کرے کہ عبداللہ کے انتقال پر زید متولی ہوگا ایسی صورت میں عبداللہ مجاز نہیں ہے کہ کسی اور کو متولی مقرر کردے خواہ عبداللہ نے کسی اور کو متولی کردیا ہو زید ہی متولی رہے گا۔

علامہ سیوطی کے مطابق اگر کوئی یہ طے کرے کہ تولیت وقف اس کے آل میں سب سے ہوش مند کو تفویض کی جائے اور ان میں سے ایک جو اس وقت متولی ہو اپنے داماد کو متولی مقرر کرکے انتقال کر جائے تاہم تولیت واقف کی آل میں سے اسی کو ملے گی جو شرائط وقف نامہ کے مطابق ہو۔ کوئی بھی تقرر جو شرائط وقف کے خلاف یا واقف کی مقرر شرائط کے خلاف ہو ناجائز ہے۔

اوپر آچکا ہے کہ مسجد کے کارکن (نگراں) متولی کو علیحدہ نہیں کر سکتے مگر متولی ان کو نااہلیت یا بد اطواری یا دوسرے وجوہ کی بنا پر علیحدہ کر سکتا ہے۔

فقہانے عوامی اور خانگی اوقاف میں امتیاز کیا ہے۔ ایک مسجد کی صورت میں مسلمہ اصول کے مطابق ایک جماعت کو متولی کے تقرر کا اختیار نہیں ہے مگر ایک خانگی وقف جو محدود افراد کے لیے ہو استفادہ کنندگان متولی کی نامزدگی کے مجاز ہیں۔ یہ اصول فتاویٰ قاضی خان کے اور دیگر معتبر تصانیف سے اخذ کیا گیا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں اولاً یہ عبارت ہے: ایک شخص کسی خاص مسجد میں وقف کے لیے قیم مقرر کرتا ہے اور اس کی وفات پر اہل المساجد جمع ہو کر بلا اجازت قاضی متولی مقرر کردیں اور متولی سابق آمدنی وقف سے مسجد کی مرمت شروع کردے تو مشائخ

فقہاء میں تولیت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح ترین اصول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔

وجہ یہ کہ قیم کے تقرر کا اختیار قاضی سے متعلق ہے لیکن اگر متولی (مقررہ) نے آمدنی وقف سے کوئی روپیہ مسجد کی مرمت میں صرف کیا ہے تو وہ اس کا جوابدہ نہ ہوگا اگر اس نے وقف کو کرایہ پر دے کر اور روپیہ اپنی ذات پر صرف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اور وہ مرتکب خیانت ہوگا۔

مختص افراد کے حق میں وقف

اگر مختص افراد (ارباب المعلومین جن کی تعداد محدود ہے) کے لیے وقف کیا ہے اور بلا اجازت قاضی وہ کسی مناسب دیانت دار شخص کا تقرر کردیں تو یہ جائز ہے مگر بہتر ہوگا کہ یہ مسئلہ قیم کے تقرر کے لیے قاضی کے سامنے رکھیں۔ فقہا اور ان میں سے بعض کے مطابق یہ بہتر ہے کہ اس زمانے میں یہ مسئلہ قاضی کے سامنے رکھا جائے۔ اس لئے کہ ہمارے دور کے قاضیوں نے (الجمع الفاسدہ) لالچ کا مظاہرہ کیا ہے تاہم اہل مساجد (نمازی) اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ وہ متولی یا قیم کا بلا قاضی کی اطلاع یا بلا اس کی اجازت تقرر کردیں۔

ردالمختار کے مصنف کے نزدیک تتار خانیہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر کسی مسجد کے نمازی یا اہل مساجد انتظام (بمصالح المسجد) پر کسی متولی کے تقرر پر متفق ہوں تو فقہاء قدیم کے مطابق جائز ہے تاہم قاضی کی اجازت ارفع تر ہے۔

فقہاء دور جدید کی متفقہ رائے ہے کہ اس زمانے میں یہی بہتر ہے کہ قاضی کو اطلاع ہی نہ دی جائے کہ وہ جائیداد اوقاف کے کسی قدر لالچی ہیں۔ اس طرح اگر کوئی وقف محدود افراد کے لیے ہو تو جو دیانت دار ہوں ان میں سے کسی کو متولی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں وہ اصول جس کی بنا پر اہل مساجد کو متولی کے تقرر سے باز رکھا گیا ہے وہ عوامی نوعیت کے اوقاف جیسے مسجد اور ہیچوں قسم کے ادارے ہیں جن میں کہ عوام مسلمانوں کو دلچسپی ہو۔ اگر وقف خاص اشخاص کے لیے ہو جن کی تعداد معین ہو تو فقہا جدید نے مستفیدان کے تقرر کا جواز تسلیم کیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری نے ایسے تقررات کے بارہ میں دیگر فقہا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے شیخ الاسلام ابو الحسن کے نزدیک اگر تمام مشائخ فقہا اس امر کے حق میں ہیں کہ استفادہ کنندگان کسی متولی کا تقرر کریں تو اس

تمام مشائخ فقہا اس امر کے حق میں ہیں کہ استفادہ کنندگان کسی متولی کا تقرر کریں تو اس کا تقرر اس طرح سمجھا جائے گا گویا کہ قاضی نے تقرر کیا ہے یہی اصول درالمختار اور واجز المحیط میں ہے۔

اگر واقف نے متولی کی نگرانی کے لیے ناظرین کا تقرر کیا ہو اور ان کو بوجہ بے عنوانی یا بداطواری علیحدگی کا اختیار تفویض ہو تو انہیں جانشین کے تقرر کرنے کا اختیار ہوگا خواہ وقف نامہ میں ان کو صریحاً یہ اختیار نہ دیا ہو۔ اگر واقف کسی متولی کا تقرر کرے مگر اس امر کا حوالہ نہ ہو کہ واقف کے انتقال کے بعد بھی متولی کا تقرر عملاً قائم رہے گا تو واقف کے انتقال پر متولی علیحدہ کر دیا جائے گا۔

متولی

ردالمختار میں یہ اصول اس طرح ہے کہ اگر واقف نے کسی متولی کو مقرر کیا ہے تو اس کے انتقال پر وہ علیحدہ ہوگا۔ یہ ابو یوسف کے اصول کے مطابق ہے اس کی تائید میں فتویٰ بھی ہے ایسا متولی واقف کا محض نمائندہ ہے۔ اگر واقف حین حیات بعد موت بھی متولی کا تقرر کرتا ہے تو واقف کی موت کے بعد متولی علیحدہ نہ ہوگا۔

اگر خود واقف متولی کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے بد عنوانی اور خیانت کا مرتکب ہو تو اسے علیحدہ کر دیا جائے خواہ اس وقف نامہ میں ایسی شرط ہو یا نہیں۔ فرائض وقف کی انجام دہی میں نااہلیت منصب تولیت سے علیحدگی کا سبب ہوتی ہے۔

واقف وقف کے انتظام سے بدعنوانی کی بنا پر علیحدہ کیا جا سکتا ہے

اگر واقف خود ہی متولی ہو مگر بددیانت ثابت ہو تو شئے موقوفہ کے مفاد میں قاضی اسے علیحدہ کرنے کا ٹھیک اسی طرح مجاز ہے جیسے کہ بددیانت وصی کو علیحدہ کرنے کا اختیار ہے۔

اسی طرح قاضی کو بوجہ قوی بددیانتی متولی کی علیحدگی کا اختیار ہے خواہ واقف نے شرط علیحدگی نہ رکھی ہو تاہم قاضی مجاز ہے۔

تصرف بیجا یا بددیانتی کا ثبوت ضروری ہے محض عقیم ہونا جواز علیحدگی نہیں ہے۔ ایک متولی جس کے پاس وقف کا سرمایہ ہو مگر وقف کی عمارتوں کی مرمت میں بوجہ لاپرواہی مرمت نہ ہو اور وہ برباد ہوں تو یہ بمنزلہ بددیانتی ہے اسی طرح اگر وہ دیدہ دانستہ وقف کو نقصان یا ضرر پہونچائے اور جائیداد وقف کا غلط استعمال کرے تو اسے منصب تولیت سے علیحدہ کردینا چاہئے۔

فتح القدیر میں یہ مسئلہ بہت وضاحت سے ہے کہ قاضی علیحدگی کا مجاز ہے خواہ وقف کی یہ بھی شرط ہو کہ اس کی بددیانتی کی صورت میں نہ قاضی نہ فرمانروائے وقت اس کی علیحدگی کے مجاز ہوں گے۔

جامع الفصولین میں ہے کہ جب واقف یا جج کسی کو متولی مقرر کریں تو وہ سوائے ان وجوہ کے (جن کی بناء پر علیحدگی جائز ہو) وہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً واضح بددیانتی بیجا اطوار اور اسی طرح کے اسباب میں فرائض منصبی کی ادائیگی میں نااہلیت اور بداخلاقی بھی شامل ہیں۔

علیحدگی

قاضی متولی کو محض استفادہ کنندگان کی شکایت پر جسے خواہ واقف نے یا خود اس نے مقرر کیا ہو علیحدہ نہیں کرسکتا البتہ مگر بداطواری یا بددیانتی کے ثابت ہونے پر علیحدہ کرسکتا ہے۔

قاضی کو محض استفادہ کنندگان کی شکایت پر متولی کی علیحدگی کا اختیار نہیں ہے تاہم ایسی شکایت کو جسے وہ صحیح اور جائز سمجھے تو متولی کے ساتھ کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کو مشاہرہ پر مقرر کرسکتا ہے خواہ یہ متولی کے الاونس سے دیا جائے یا عام فنڈ سے اسی طرح محض کسی کی شکایت پر قاضی متولی کے مقرر کردہ وصی کے علیحدگی کا مجاز نہیں ہے۔

متولی کی ذمہ داری

متولی کی دانستہ غفلت سے وقف کو جو بھی نقصان ہو وہ متولی برداشت کرے گا یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا ایک اعزازی متولی بھی نقصان کا خمیازہ برداشت کرے گا جو اس کی غفلت سے وقف کو پہونچے۔ فتح القدیر کے مطابق ایسا متولی بھی لائق علیحدگی ہے جو

شراب نوشی یا اس قسم کی بدعادتوں کا عادی ہو۔

اگر متولی کی عمارت وقف میں رہائش ہے مگر وقف نامہ میں اس کی کوئی صراحت ہو نہ اس کی اجازت حاصل کی ہو تو یہ فعل بمنزلہ بددیانتی و بدعنوانی ہے۔ متولی عام طور پر واقف کے رشتہ داروں میں سے مقرر ہونا چاہئے متولی اگر واقف کے رشتے داروں اور پڑوسیوں میں سے کوئی بھی شخص بلا معاوضہ خدمت تولیت کے لیے تیار نہ ہو اور دیگر بیرونی شخص اس کے لیے آمادہ ہو تو اس کا تقرر قاضی کی صواب دید پر ہے۔ تقرر کا اہل ترین کون ہے یہ اس کو ہی طے کرنا ہوگا۔

وقف سے وظیفہ یافتگان اسی وقت تک وظیفوں سے محروم نہ ہوں گے جب تک وہ کسی جرم کے مرتکب ہو کر سزایاب نہ ہوں۔

عدالت العالیہ کلکتہ کے فیصلہ کے مطابق ایسے منصب کی فروختگی جس میں یہ نئے ذمہ داران شامل ہوں وہ شرعاً باطل ہے الاونس موروثی ہونے کی صورت میں وظیفہ خوار کے بچوں کو دیا جائے اور یہی اصول ہر وظیفہ خوار کے الاونس کی حالت میں منطبق ہوگا۔

اگر ایک شخص کو ماسوا تنخواہ مسجد یا حجرہ یا کمرہ میں رہائش کی اجازت دی جائے اور وہ بلا اجازت متولی اسے کرایہ پر دے تو وہ برخاستگی کا مستوجب ہے۔

استفادہ کنندگان اپنے مفاد کو منتقل نہیں کر سکتے

جب ایک شخص بروئے وقف نامہ کسی شخص کا وظیفہ مقرر کرے اور الاونس کسی دوسرے کے لیے مقرر ہو تو اگر موخرالذکر کسی تیسرے شخص کو حق الاونس منتقل کردے تو مؤخر الذکر (استفادہ کنندہ) کے انتقال پر واقف کا مقررد شخص الاونس پائے گا۔ اصل استفادہ کنندگان کا منتقل الیہ یا کوئی استفادہ کنندہ اپنے بجائے کسی دوسرے کو قائم مقام کرنے کا مجاز نہیں ہے لیکن کسی دوسرے شخص کو الاونس حاصل کرنے کے لیے مقرر کر سکتا ہے۔

ایک ایسے طالب علم کو جو تین ماہ سے غیر حاضر ہے محض عدم حاضری کی بنا پر وظیفہ اور کمرہ رہائش سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

"اشباہ" میں ہے کہ اگر خود فرمانروائے وقت کسی نااہل شخص کا بطور استاد تقرر

کرے تو استاد علیحدہ کردیا جائے گا اس لیے کہ فرمانروائے وقت کا فعل غیر معقول یا غیر مناسب نہ ہونا چاہئے۔ "بزازیہ" کے مطابق ایک فرمان رواکے نا اہل شخص کو مقرر کرنے سے برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور اہل افراد کے ساتھ نا انصافی ہوتی ہے، دوسرے منصب کے نا اہل شخص کے تقرر سے عوام کے ساتھ ظلم ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ جب کوئی متولی قطعاً فاتر العقل ہو جائے اور یہ حالت ایک سال تک رہے تو وہ خود ہی منصب سے علیحدہ سمجھا جائے گا اگر وہ تندرست ہو جائے تو پھر سے متولی ہوگا اس مسئلہ پر تاہر کی رائے میں چونکہ شرائط وقف نامہ کی بنا پر اس کا تقرر ہوا ہے اس لئے دوبارہ فائز ہو سکتا ہے۔ مگر قاضی کے مقررہ متولی پر یہ اصول عائد نہ ہوگا۔ باالفاظ دیگر فاتر العقل ہونا اس کی علیحدگی کی وجہ ہوگی اور تندرست ہونے پر وہ منصب نہ ملے گا۔

ایک متولی جو قابل اعتماد ہو اور کسی جرم کا مرتکب نہ ہو فرمان روائے وقت اسے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ اگر قاضی نے جائز طور پر کسی کو متولی مقرر کیا ہوا اور اس کے مابعد فرمانروائے وقت کسی دوسر کو متولی مقرر کردے تو اول الذکر تقرر نافذ ہوگا نہ کہ مؤخر الذکر۔

اگر واقف نے متولی کو اپنے قائم مقام (متولی) کے تقرر کا مجاز کیا ہو تو جو بھی تقرر اس اختیار کی بنا پر کرے جائز ہے۔ قاضی اس میں مداخلت کا مجاز نہیں ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

تصحیح کی "کتاب وقف" میں ہے کہ اگر لوگوں کی جماعت کے حق میں کوئی وقف کیا جائے اور متولی واقف کی شرائط بابتہ مفاد ماموره پوری نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا تو متولی کو علیحدہ کر کے اس کے بجائے دوسرے کو مقرر کرنا چاہیے۔

واقف کی اولاد کے اختیارات

متولی کی عدم حاضری میں کسی مسجد کے امام یا موذن کی تقرری کا اختیار دوسروں کے مقابلہ میں واقف کی اولاد اور اس کے افراد خاندان کو ترجیحاً ملنا چاہئے۔

"اشباہ" میں یہی اصول مسجد کی مرمت یا تعمیر کے سلسلہ میں ہے۔ وہ شخص

جس نے مسجد تعمیر کی ہو بیرونی اشخاص کے مقابلہ میں اس کی اولاد اور اہل مسجد میں قابل ترجیح ہیں اور یہ نفع الوسائل کے مطابق ہے۔

واقف کی اس شرط سے کہ انتظام کسی قابل ترین شخص پر منتقل ہونا چاہئے مفہوم یہ ہے کہ اس کی اولاد میں جو قابل ترین ہو اور مولانا ابو سعید کے فتوے کے مطابق ایسے دو اشخاص جو یکساں ذہین ہوں تو دونوں سے ہی یہ کام لینا چاہئے۔ نہار میں "احناف" کے حوالے سے ہے کہ اگر واقف کا بچوں میں اہل ترین کو تولیت پر مقرر کرنے کا منشا ہو اور ہر دو یکساں قابل ہوں تو عمر میں جو سب سے بڑا ہوگا اسے تولیت تفویض ہوگی۔ صنف کی اس میں کوئی قید نہ ہوگی۔ اور اگر ان دو میں ایک بہت پاکباز ہو اور دوسرا معاملات وقف اور اس کے انتظام میں ماہر ہو تو تولیت موخرالذکر کو تفویض ہوگی۔ ردالمختار کے مصنف کے مطابق ناہر کے اس قول کی ابو سعید کی رائے سے تائید ہوتی ہے اس لئے اعلیٰ کارکردگی اور قابلیت دونوں ہی ضروری ہیں اور دونوں ہی یکساں ذہین اور پاکباز ہوں تو ایسی صورت میں عمر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور نہار کے مطابق اگر تمام اولاد دیانت، تقدس، علم و فضل راستبازی اور عمر رسیدہ ہوں تو وہ شخص جو معاملات وقف میں زیادہ واقف اور فرائض وقف کی انجام دہی میں زیادہ قابل ہو خواہ مرد ہو یا عورت لائق ترجیح ہے۔

مجمع الانہار کے مطابق "رشتہ" یا ذہانت سے مراد وہ صلاحیت ہے جس سے فرائض منصبی کی ادئیگی ایمانداری سے کرے آساف میں یہ بھی ہے کہ جب آل میں دو یکساں اہل ہوں تو دینی صلاحیتوں کے حامل کو جو عمر میں بڑا ہو تولیت تفویض ہوگی۔ رہا یہ امر کہ ایک مرد ہے دوسرا عورت بے معنی ہے صرف وہ شخص جو اوقاف کے معاملات میں زیادہ تجربہ کار ہو قابل ترجیح ہے اگرچہ فتاویٰ اسماعیلیہ میں ہے کہ جب دو اشخاص مساوی طور پر اہل ہوں تو مرد کو عورت پر ترجیح دینا چاہئے۔

جب واقف اولاد میں اہل ترین کو تفویض کی شرط رکھے اور ان میں کوئی اہل نہ ہو تو قاضی مجاز ہے کہ ایک غیر شخص کو اس وقت تک اس منصب پر رکھے جب تک واقف کی اولاد میں سے کوئی موزوں شخص نہ مل جائے۔ اگر اس کی اولاد میں کوئی موزوں اور اہل شخص ہو اور وہ غیر حاضر ہو اور اس کی واپسی تک اس کے بچوں میں دوسرا لائق

تقرر نہ ہو تو اس کی واپسی تک اس منصب پر کسی غیر شخص کو بطور قائم مقام مقرر کر دے اور اگر دو بچے ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ اہل ہو تو ان دو میں اولاً جو زیادہ اہل ہو اس کو مقرر کرنا چاہیے۔ اس کے بعد دوسرے کو مقرر کرنا چاہیے۔

ناظر کے اختیارات

الفاظ ناظر، قیم اور متولی گو علیحدہ علیحدہ مستعمل ہیں مگر ان کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی منتظم وقت۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واقف بوقت تقرر متولی پر ایک ناظر اور نگراں مقرر کرتا ہے تاہم ناظر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وقف کی رقم میں سے کچھ خرچ کرے اس لئے کہ یہ کام متولی کا ہے اس کی ذمہ داریاں تو محض دیکھ بھال یا نگرانی کی نوعیت کی ہیں اور متولی بلا علم و اجازت ناظر خرچ کر سکتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق ناظر پر ہوتا ہے جو وصی پر مقرر ہوتا ہے۔ دراصل بصورت وقف جو فرائض متولی اور ناظر پر عائد ہوتے ہیں وہی فرائض وصی کے متعلق بھی اصول قانون سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مسجد کے تعمیر کرانے والے کو امام مؤذن وغیرہ کے تقرر میں ترجیحی اختیار ہوتا ہے اور یہی مسلمہ اصول ہے اگر واقف کا مقرر کردہ شخص نااہل اور ناموزوں ہے تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ وہ اہل تر شخص کو منتخب کریں۔ کیا اس صورت میں یہ تقرر بلا اجازت قاضی نافذ ہوگا۔ میرے خیال میں اولاً نااہل نگراں کی علیحدگی کے لیے قاضی کو درخواست پیش کی جائے تاکہ اہل مسجد کا منتخبہ شخص مقرر ہو۔

ایسے معاملے میں جب کی مدعی نے بحیثیت سجادہ نشین اس جائیداد کی بازیابی کا دعویٰ دائر کیا جس کے لیے اس کا عذر تھا کہ اس کے پیش رو نے جائیداد مذکور ناجائز طور پر منتقل کر دی تھی۔ مدعا علیہ کی جانب سے جواب دہی تھی کہ مدعی ارجاع نالش کا مجاز نہیں ہے اس لئے اسے نہ آخری سجادہ نشین نے مقرر کیا تھا اور نہ قاضی نے۔ اس کا تقرر ناجائز تھا بلکہ اس منصب (سجادہ نشین) پر مسلمانوں کی اکثریت نے جس میں مریدین اور پڑوس کی درگاہوں کے سجادہ نشین شامل تھے مقرر کیا تھا۔ عدالت عالیہ کلکتہ نے طے کیا یہ تقرر مسلم قانون اور عام رواج کے مطابق جائز تھا۔

متولی سرمایہ وقف سے جو جائیداد خرید ے وہ بلا صریح اعلان وقف ہوتی ہے اور

انہیں شرائط کے تابع ہوتی ہے جیسی کہ اصلاً جائیداد وقف مگر بشرط ضرورت فروخت ہو کر دوسری جائیداد سے اس کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ دوسری جائیداد بھی وقف ہو گی۔

نگران و طلبا کے وظائف

امام خطیب و موذن کی واجب الادا تنخواہیں ان کے انتقال پر ورثاء پائیں گے اور بچوں کے لیے وقف کی صورت میں متوفی استفادہ کنندگان کے ورثاء وصول شدہ کرایوں اور منافعوں میں حصہ پانے کے مستحق ہوں گے۔

اگر کوئی طالب علم مدرسہ سے غیر حاضر ہو جائے تو اسے سابقہ واجب شدہ وظیفہ اور آئندہ کا وظیفہ ملے گا۔ اگر وہ تلاش علم میں (بہ اجازت استاد) مدرسہ سے بلا قطعہ تعلق قطعی کے پندرہ روز غیر حاضر رہا ہو یا جائز وجوہ کی بنا پر غیر حاضر ہو جس میں تلاش معاش یا حج شامل ہیں مگر یہ مدت تین مہینہ سے زیادہ نہ ہو تو وظیفہ سے محروم نہ کیا جائے گا۔

نگراں وقف کو جائز وجوہ کی بنا پر رخصت مل سکتی ہے دوران رخصت تاوقتیکہ اس کے بجائے کسی دوسرے مددگار کا تقرر نہ ہو وہ اپنی تنخواہوں سے محروم نہ ہو گا۔

رقم بچت سرمایے سے تنخواہوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ آمدنی کی بچت کا واقف کے افراد خاندان یا استفادہ کنندگان کے مشورے سے استعمال کا انتظام کرے۔

اگر وہ شخص جو متولی مقرر کیا گیا ہے اپنے بجائے دوسرے کو مقرر کرے تو موخر الذکر وہ شخص (جس کو متولی نے مقرر کیا ہو) اپنی حین حیات اصل متولی کی آمدنی سے محض ایک حصہ پانے کا مستحق ہو گا اور متولی کے انتقال پر یہ تبدیلی ختم ہو جائے گی۔ اور تولیت معہ تمام ملحقات کے واقف کے نامزد شخص اصل متولی سے وابستہ رہے گی۔

متولی جائیداد موقوفہ پر کوئی بار پیدا نہیں کر سکتا

متولی کسی حالت میں بھی جائیداد موقوفہ پر کوئی بار (بصورت رہن) بلا اجازت قاضی عائد کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ نہ استفادہ کنندگان جائیداد موقوفہ کو مکفول کر سکتے ہیں۔ پس اگر متولی جائیداد موقوفہ کو رہن رکھے اور مرتہنان اس پر قبضہ حاصل

کرلیں تو وہ مروجہ کرایہ ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔اسی طرح اگر کوئی متولی بعض آراضیات وقف کو فروخت کرے اور مابعد قاضی اس بیع کو منسوخ کردے تو خریدار (اگر متذکرہ آراضیات پر قبضہ حاصل کرے) زمین سے موصولہ منافع جو کہ مروجہ شرح کے مطابق ہو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

اگر کوئی متولی جائیداد موقوفہ کو رہن رکھے تو اس کا یہ فعل بمنزلہ بددیانتی ہوگا۔ اسے علیحدہ کردینا چاہئے اور مرتہن کو بھی جائیداد مرہونہ پر قبضہ نہ لینا چاہئے۔اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ہرجہ کا مستوجب ہوگا۔ کنایہ میں ہے کہ متولی کے لئے یہ جائز نہیں ہے وہ اغراض وقف کے مفاد میں بشرط ضرورت بلا اجازت قاضی قبضہ حاصل کرے۔ اگر وہ قاضی سے دور ہو تو اپنے کھاتے میں اسے قبضہ لینا چاہئے اور ایسا ہی خزینہ المفتین میں ہے۔

اشباہ اور نظائر میں ہے کہ صاحب المتا (مصنف متا) سے ایک ناظر (متولی) کے بارہ میں سوال کیا گیا جس نے کہ جائیداد وقف پر قبضہ لے کر اسے استفادہ کنندگان پر خرچ کردیا اور اس کے بعد وہ برخاست بھی کردیا گیا۔ تو کیا دوسرا متولی واجب الادا قرضوں کی ادائیگی کے لیے جائیداد موقوفہ پر قبضہ لینے کا پابند تھا۔

صاحب المتا نے جواب دیا کہ متولی کو استفادہ کنندگان پر خرچ کے لیے قرضہ لینے کا اختیار نہیں ہے گو خاص ضروری موقعوں پر جیسے کہ مرمت اور ایسی ہی دوسری صورتوں میں قاضی کی اجازت سے قرض لے سکتا ہے پس برخاست شدہ متولی ہی ذاتی طور پر ان قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا نہ کہ جائیداد موقوفہ سے ادائیگی کی جائیگی۔

اسی طرح ردالمختار میں ہے کہ متولی وقف پر قرضہ نہیں لے سکتا تاوقتیکہ یہ واقف کی ہدایات کے مطابق نہ ہو متولی جائیداد موقوفہ پر نہ کوئی بار پیدا کرسکتا ہے اور نہ ایسے قرضے لے سکتا ہے (جو جائیداد موقوفہ پر بار ہوں) تاوقتیکہ واقف نے صریح اختیارات اس قسم کے قرضے لینے یا بار پیدا کرنے کے نہ دئے ہوں۔ مگر وصی کے اختیارات پر یہ پابندی عائد نہیں ہے وجہ یہ کہ وہ نابالغان جو اس کی نگرانی میں ہوں ان کی ضروریات کے لیے قرضہ لینا جائز ہے پس نابالغ نیز اس کی جائیداد پر ان قرضوں کا بار عائد ہوگا جو وصی نے نیک نیتی سے نابالغ کی ضروریات کے لیے کئے ہوں۔ جائیداد

موقوفہ پر کسی حالت میں بھی اس قرضہ کا بار نہیں ہو سکتا جس کا وقف نامہ میں حوالہ نہ ہو اور جو متولی نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر کیے ہوں۔

متولی کے لیے ہوئے قرضے

ایسا قرضہ جو متولی نے لیا ہو وہ اس کا ذاتی قرضہ ہے۔ اگر وقف کے لیے قرضہ لینے یا جائیداد وقف پر کوئی بار عائد کرنے کی ضرورت ہو تو متولی قاضی کی منظوری سے (جو پہلے حاصل کی گئی ہو) ایسا کر سکتا ہے۔ یہ اصول ان قرضوں پر لاگو نہیں ہے جو سوسائٹی کے حالات کے پیش نظر ضروریات وقف کی تکمیل کے لیے جس کا آئے دن لینا ضروری ہو (مثلاً مسجد میں روشنی کے لیے تیل کا قرضہ یا مدرسہ کے طلباء کی روٹی کے لیے نانبائی کا قرضہ) یہ سب قرضے محض متعین وقفوں پر ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ضروری قرضے وقف کی آمدنی سے ہی ادا ہونا چاہیے۔

فصل سوم:۔ متولی کے اختیارات

اگر متولی نے مفاد وقف کے لیے جائیداد وقف کی خاطر اپنا روپیہ قرض دیا ہو تو جائیداد وقف کے موصولہ منافع سے اپنا روپیہ لے سکتا ہے۔ لیکن اگر متولی نے جائیداد موقوفہ کی خاطر پہلے کوئی رقم صرف کی ہے تو اس کی وصول یابی کے لیے اسکو مناسب شہادت سے ثابت کرنا چاہیے ورنہ اس کا مطالبہ قابل ادئیگی نہ ہوگا پس متولی اس امر کا پابند ہے کہ خرچ کے حسابات معہ رسیدات و دیگر ثبوت رکھے۔ اسی صورت میں وہ قرضہ جو متولی نے وقف کو دیا ہے قابل ادائیگی ثابت ہو سکے گا اور ایسی پیشگی رقومات کی جائیداد وقف کے موصولہ کرایوں اور منافعوں سے ادائیگی ہو سکے گی۔ لیکن جائیداد وقف پر کوئی بھی بار کسی بھی قرضے کا خواہ وہ متولی کا ہو یا کسی اور کا بلا قاضی کی پیشگی اجازت عائد نہ ہوگا۔

اگر واقف کے مقرر کردہ فرائض کا تعین نہ ہو سکے تو متولی کو اپنے پیشرو کے طریقہ پر عمل کرنا چاہئے

متولی کے لیے جائز ہے کہ آمدنی وقف سے دکانات مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جس سے کہ وقف کو فائدہ ہو اس لئے کہ یہ سب وقف کی آمدنی کے لیے ہیں اور تمام جائیدادیں جو وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہوں وہ وقف کا ہی حصہ ہیں۔ اور ان کے

ساتھ ہی وہی قانونی ملحقات عائد ہوتے ہیں جس طرح کہ جائیداد وقف کو متولی بلا اجازت قاضی منتقل کرنے کا مستحق نہیں ہے۔اگر واقف کی ہدایات یا وقف کے انتظام کے اصول متعین نہ ہوں تو متولی کو اپنے پیشرویاں کے طریقے کے تعین کے بعد اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ متولی اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ وقف کی اصل جہت کے قطعاً خلاف کوئی جواز پیدا کرے۔ مثلاً مسجد کا متولی مسجد کے سرمایہ سے کپڑا خرید کر غربا میں تقسیم نہیں کر سکتا اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ رقم اسے اپنی جیب سے ادا کرنا ہو گی۔

اگر متولی مسجد کی ضروری اشیاء کی خرید کیلئے قرضہ لیتا ہے جب کہ مسجد میں روپیہ نہ ہو باالفاظ دیگر وقف کے لیے کوئی سامان اس منشا سے خریدے کہ اس کا کرایہ وصول ہونے پر ادا کرے گا یا اپنی جیب سے وہ روپیہ ادا کیا ہے تو وصول یابی کرایہ پر جیسی بھی صورت ہو قرضہ ادا کر سکتا ہے اور اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جائیداد موقوفہ میں وظیفہ ملے تو متولی اس میں سے کچھ رقم ذویقہ پانے والے کو دے سکتا ہے۔

اگر عمارت وقف کا کچھ حصہ اس قدر خستہ حالت میں ہو جس سے کہ زندگی کو خطرہ لاحق ہو اور پڑوسی اس کی مرمت کے لیے متولی پر مصر ہوں لیکن اس کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے قرضہ لے سکتا ہے یہ اسی صورت میں ہونا چاہئے جب کہ متولی کے پاس ضروریات وقف پورا کرنے کے لیے کوئی سرمایہ نہ ہو۔ متولی آمدنی وقف سے وہ رقومات جو اس نے جائز طور پر اغراض وقف کے لیے اپنے پاس سے ادا کی ہوں وضع کر سکتا ہے۔

اگر کوئی اپنی آراضیات غریبوں کے لیے مرمت یا کاشت کے خرچ کو مختص کئے بغیر وقف کرتا ہے تو آمدنی سے اولاً خراج یا ٹیکس ادا کیا جائے گا اس کے بعد وصول یابی صرفہ نگرانی یا مرمت یا کاشت اور اسی طرح کے امور پر جو خرچ ہوا ہے ادا ہو گا۔ اور یہ تمام مصارف پورا کرنے کے بعد بقیہ رقم غربا پر صرف ہو گی۔ یعنی اگر اس وقف میں ایسی زمینیں شامل ہیں جن پر کھجور کے درخت ہوں تو اصولاً کھجوروں کے نئے درخت لگانے اور ان کو قائم رکھنے کے لیے جو صرف مزید دیواریں یا بند بنانے پر اس غرض سے ہو گا کہ پھل دار درخت ختم اور ضائع نہ ہو جائیں جائز ہو گا۔ اگر وقف شدہ آراضی کا کوئی حصہ قابل کاشت ہے تو متولی کو اس کی زرخیزی کے لیے آمدنی وقف سے صرفہ کرنا

چاہیے۔ اگر غلہ کے لیے کوٹھے یا پانی کے لیے بغرض آبپاشی حوض ضروری ہوں تو متولی مجاز ہے کہ آمدنی کا ایک حصہ ان امور پر صرف کرے۔ اگر کوئی آراضی وقف جو شہر سے ملحق ہو اور بجائے کاشت کرایہ پر دینا زیادہ مفید ہو تو متولی کرایہ کے لیے عمارت تعمیر کر سکتا ہے یا بلا عمارت تعمیر کیے زمین کرایہ پر دے سکتا ہے۔

بقول امام محمد اگر آراضیات وقف نا قابل کاشت ہو کر ان سے آمدنی بند ہو جائے اور متولی کو ان کی قیمت سے زیادہ منافع رساں زمین مل سکتی ہے تو ایسا کرنا مناسب ہوگا یعنی ضروری اجازت سے وہ زمین فروخت کر کے دوسرا قطعہ آراضی خرید لے۔ لیکن اگر آراضی شہر سے اتنے فاصلے پر ہے کہ اس پر عمارتیں بنانے سے کوئی فائدہ متوقع نہ ہو تو وہ عمارتیں تعمیر نہ کرے۔

ابو جعفر کی رائے میں واقف کے آراضی موقوفہ کے طریقہ استعمال کے لیے وقف نامہ میں کوئی شرط نہ رکھی ہو تب بھی زمین کو مقاصد وقف مفید طریقہ پر استعمال کے لیے متولی مجاز ہے البتہ بلا منظوری قاضی طویل مدت پٹے پر نہیں دے سکتا۔

اختیاری اوقاف

اگر کوئی شخص کسی جائیداد کو وقف کر کے یہ قرار دے کہ متولی اس کی آمدنی کسی بھی شخص کو دے سکتا ہے یا اپنی صواب دید کے مطابق کام میں لا سکتا ہے تو یہ جائز ہے اور متولی غریب و امیر دونوں کو دے سکتا ہے خواہ ان اختیاری اوقاف کی صورت میں وقف کا انتظام متولی کو تفویض ہو تاہم اس اختیار کے ساتھ ذمہ داری ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اور قاضی مجبور کر سکتا ہے کہ آمدنی مناسب طور پر صرف کی جائے۔

طریقہ خرچ جب رواج کی سند نہ ہو

منار میں زین ابن نجیم کے حوالہ سے ہے کہ جب کسی قدیم وقف کی دستاویز گم ہو گئی ہو اور متولی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ استفادہ کنندگان پر آمدنی کس طرح صرف کی جائے تو اس کو اپنے پیش روں کے طریقہ کے مطابق جس پر وہ عمل کرتے تھے صرف کرنا چاہیے۔

اگر اس بارہ میں کوئی ثبوت دستیاب نہ ہو کہ استفادہ کا مستحق کون ہے یا پہلے

زمانہ میں متولیوں نے کس طرح صرف کیا تو وقف کی آمدنی غربا کے مفاد پر صرف ہوگی۔

انفع الوسائل میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ جب کوئی قدیم وقف ہو اور واقف کا علم نہ ہو اور متولی کی حیثیت سے کوئی شخص اس پر قابض ہو کر مصر ہو کہ وقف متنازعہ کسی خاص مقصد کے لیے تھا اور گواہان کی شہادت سے کوئی ثبوت نہ ہو تو یہ قول تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگر مقصد وقف کا علم ہو یا واقف کی مقررہ شرائط لائق تسلیم ہوں تو شہادت متذکرہ کو باور نہ کیا جائے گا۔

بقول درالمختار وقف کے بلا اعلان شہادت سے وقف ثابت ہو سکتا ہے یہ مسئلہ ابو یوسف کا طے شدہ ہے بلخ کے فقہا نے اسی اصول کو تسلیم کیا ہے خصاف میں بھی یہی ہے جب کوئی قدیم وقف بطور وقف مشہور ہو اور واقف کے بارہ میں علم نہ ہو اور غلط شخص اس پر قابض ہو جائے تو متولی دو گواہوں کی شہادت سے اپنا قبضہ ثابت کر سکتا ہے یہی مسلمہ اصول ہے اور جامع الفصولین میں اسی تجزیہ کو تسلیم کیا ہے۔

شہرت کی بنا پر بھی وقف ثابت ہو سکتا ہے

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ بلخ کے فقہاء کے مطابق ایک وقف شہرت کی شہادت سے جائز طور پر ثابت ہو سکتا ہے اگر وقف ایسا ہے جو عوام الناس کے علم میں ہے اور بہت معروف ہے مثلاً عمرو ابن العاص کا وقف (یورپین تاریخ میں عمرو کے نام سے مشہور ہے) تو یہ گواہان کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے یا اغراض وقف کے طریقہ استعمال کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ وقف تحریری ہو یا جائیداد پر قبضہ ہو چکا ہو تشکیل وقف کی نیت محض زبانی اعلان اگر گواہان کے سامنے ہو تو کافی ہے۔ خواہ اس بارے میں گواہان کی حتمی طور پر شہادت نہ ہو تاہم ان کی شہادت کی اگر دیگر واقعات سے تائید ہوتی ہو تو یہ قانوناً کافی ہے۔

قاضی ایسے وظائف جو واقف نے مقرر نہ کئے ہوں دینے کا مجاز نہیں ہے نہ وہ واقف کے مقرر کردہ وظائف کی رقم کا تعین کر سکتا ہے اگر متولی کے رقم مقرر کرنے کی شرط ہے تو قاضی کو اختیار نہیں ہے

خیر الرملی کی بہار کی شرح میں درج ہے کہ قاضی کے اختیارات پر اس صورت

میں پابندی ہے جب کہ واقف وقف کو صریحاً عوامی نوعیت کا نہ بتائے۔ ایسے اوقاف جو افراد نے اپنے ذاتی طور پر کئے ہوں ان پر قاضی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ نہ شاہی وقف صریحاً قاضی کے حدود اختیار کے تابع ہیں۔

ایسی جائیداد کا وقف جس کی وقف نامہ میں غلط نشان دہی ہونا جائز ہے بشر طیکہ یہ واضح نہ ہو سکے کہ کس جائیداد کا وقف کیا گیا ہے اگر جائیداد کی تفصیل اس قدر غیر یقینی اور مبہم ہو کہ اصل جائیداد وقف کا معلوم کرنا ناممکن ہو تو وقف نافذ نہ ہو گا۔

صاحب المنار سے درج ذیل سوال نفاذ وقف کے حوالہ سے کیا گیا۔

اگر ایک شخص غربا اور مفلسوں کے حق میں وقف کر کے ایک وقف نامہ تحریر کرے جس پر حسب ضابطہ مہر و دستخط اور تصدیق ثبت ہو مگر اس کے انتقال کے بعد شہادت گواہان سے ظاہر ہو کہ واقف کی اصل منشا وقف ایک مختص شرط تھی جس سے غربا مراد نہ تھے تو کیا ایسی شرط قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

صاحب المنار نے جواب دیا اگر وقف نامہ اس تاریخ سے پہلے کا ہے جس کی شرط کی گواہان کی شہادت ہے تو اس پر عمل نہ کرنا چاہئے۔ اگر واقف نے شرائط مندرجہ وقف نامہ میں اختیار تبدیلی و تنسیخ مختص کر لیا ہے تو شہادت گواہان کا لحاظ کرنا چاہئے۔

ایک شخص کا عمارت وقف میں ایک حصہ اپنی بیوی کی رہائش کے لیے وقف کرنے کے بعد انتقال ہو جائے بعد ازاں بیوہ کے نکاح ثانی کرنے پر اس کا حق سکونت زائل ہو جاتا ہے خواہ دوسرا خاوند بھی اسے طلاق دیدے تب بھی اس کا حق سکونت بحال نہ ہو گا۔

اگر بعض افراد کی سکونت کے لیے کوئی مکان وقف ہو تو وہ افراد اس عمارت کو مابین خود تقسیم نہیں کر سکتے۔ اگر عمارت ایک خاص کنبہ کے افراد کی رہائش کے لیے وقف ہو تو ان میں سے صرف ایک دوسرے کے محرم ہی رہائش رکھ سکتے ہیں بشر طیکہ وہ عمارت ایسے علیحدہ حصوں اور کمروں میں تقسیم ہو جس کے علیحدہ دروازے ہوں اور عورت خاوند کے ساتھ بلا مداخلت غیر محرم رہ سکے۔

اگر کوئی مکان کسی کنبے کی رہائش کے لیے ہو جو دو شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں پر مشترکاً وقف ہو کہ شادی شدہ لڑکیوں کے شوہر اس مکان میں رہ سکیں تو اس

غرض کے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے علی الترتیب علیحدہ کمرے مختص ہونا چاہئیں۔

اشباہ و النظائر میں ہے کہ صاحب المنار نے فرمایا کہ ایک ناظر (متولی) کے لیے جس نے جائیداد وقف پر قرض لیا۔ اور استفادہ کنندگان نے وقف سے خرچ کیا اور بعد میں وہ برخاست کر دیا گیا لیکن قرضہ برابر باقی رہا تو متولی ثانی جائیداد وقف سے ادائیگی کا پابند ہے۔

بد دیانتی سے وقف کی نوعیت تبدیل نہیں ہو گی

متولی کی بد دیانتی سے نہ خاص نوعیت وقف میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ جائیداد موقوفہ منتظم کی ذاتی جائیداد ہو سکتی ہے۔ عطیہ (انعام) کی توضیح انعام دہندہ کی منشا کے مطابق نہ کہ لفظ انعام کے محدود معنی کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ لفظ انعام ذاتی اور مذہبی وقف کے لیے بلا امتیاز استعمال ہوتا ہے۔

مذہبی وقف

مسلم قانون کے مطابق مذہبی منصب تولیت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا اگر کسی مذہب کو قائم رکھنے کیلئے کوئی عطیہ دیا جاتا ہے تو عطیہ پانے والے کے انتقال پر اس کے افراد خاندان زمین سے حاصل شدہ آمدنی اپنے درمیان تقسیم نہیں کر سکتے۔ ایسی آراضی کا حق آمدنی اس منصب سے ناقابل علیحدگی ہے جس کے قائم رکھنے کے لیے انعام دیا گیا تھا یہ ہو سکتا ہے کہ انعام کی شرائط کے تحت اس آمدنی سے گذارہ پانے والے مستحق ہوں۔

انتظام وقف کے لیے جانشین

جب ایک مسلمان مذہبی یا امور خیر کے لیے کوئی جائیداد وقف کرے تو جانشین کے مسئلہ کا تصفیہ واقف کے مقررہ اصولوں (جو بوقت تشکیل وقف طے پائے ہیں) پر منحصر ہے یعنی آیا ایسے قواعد و ضوابط تحریر میں آتے ہیں یا بر بنائے رواج طے پاتے ہوں اگر آخری عہدہ دار کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا رواج ہو تاکہ شئے موقوفہ کے استعمال کے بارہ میں منشا واقف کی تکمیل ہو سکے۔ عدالت محض اس بنا پر کہ پہلے کے مقررہ اشخاص واقف کے بڑے لڑکے ہی ہوں گے اس کو ہمیشہ کے لیے ایک اصول نہ بنانا

چاہئے کہ جانشین ہمیشہ بڑا لڑکا ہی ہوگا۔

عدالت عالیہ بمبئی نے اگر چہ شرع کے مطابق یہ طے کیا ہے کہ واقف کو یہ حق ہے کہ وہ انتظام وقف خود کرے یا کسی دیگر شخص کو مقرر کرے۔ اگر ایسا طبقہ مختص کردیا جائے جس سے منیجر کا انتخاب ہوتا ہے اس صورت میں ایسے شخص کو جو متذکرہ معیار پر پورا اترے منیجر نامزد کیا جاسکتا ہے۔ واقف کی موت پر منیجر کی نامزدگی اس کے وصی یا اس کے موجود الوقت پس ماندگان میں تفویض ہوتی ہے۔

فصل چہارم:۔ جائیداد موقوفہ کا اجارہ

جائیداد موقوفہ کا اجارہ

فقہاء متقدمین نے جائیداد وقف کے سلسلہ میں جو حد مدت اجارہ کی مقرر کی ہے اس سے بقول ردالمحتار متاخرین نے تجاوز کیا ہے اور اب یہ اصول جو پہلی بار وضع کیا گیا تھا اس کے مقابلہ میں زیادہ نرم ہے۔

متولی کے اختیارات

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق جو کہ اولین مستند تصانیف میں سے ہے اگر واقف نے اصلاً وقف نامہ میں جائیداد موقوفہ کا اجارہ دینے کی کوئی شرط نہ رکھی ہو تو متولی مجاز ہے کہ غربا (بالفاظ دیگر استفادہ کنندگان) کے مفاد میں جو بھی مناسب ہو کرے مگر اس شرط پر کہ ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے وہ مکان پٹے پر نہ دے اس لئے کہ طویل المدت اجارہ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ پٹے دار ہی مالک ہے۔ پس زیادہ مدت کے لیے ایسی زمین اجارہ پر نہ دے جس کی کاشت کے لیے ضرورت ہو۔ اگر واقف نے ایسی شرط عائد کی ہو کہ آراضی ایک سال سے زیادہ کے لیے اجارہ پر نہ دی جائے گی اور لوگ اتنی کم مدت کے لیے اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہوں اور جائیداد کو زیادہ مدت کے لیے اجارہ پر دینا استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہو تاہم قیم (متولی) وقف کی شرط کے خلاف زیادہ مدت کے لیے اجارہ نہیں دے سکتا الا یہ کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے۔ اگر یہ وقف کے مفاد میں ہے تو طویل مدت کے لیے منظور کر سکتا ہے اس لیے کہ قاضی غربا غیر

حاضر اور متولی اشخاص کے مفاد کا نگراں ہے۔

اگر واقف نے وقف نامہ میں یہ شرط رکھی ہو کہ متولی ایک سال سے زیادہ مدت کا پٹہ نہ دے گا الا اس کے کہ یہ غربا یا استفادہ کنندگان کے مفاد میں ہو ایسی صورت میں متولی بطور خود (بشرطیکہ وہ مناسب سمجھے) ایسا کر سکتا ہے۔ایسی حالت میں قاضی کی عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ واقف نے پہلے سے اختیار دے دیا ہے۔

اگر متولی نے پانچ سال کے لیے اجارہ دیا ہے تو بقول شیخ ابو القاسم ساکن بلخ ایک سال سے زیادہ مدت کا اجارہ ناجائز ہے مگر فقیہ محمد بن فضل کی رائے میں ایسا اجارہ باطل نہیں ہے تاہم حاکم کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اگر وقف کے نقصان میں ہو تو اس کو منسوخ کر دینا چاہئے۔

ابو الحسن علی اسعدی نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے اور فقیہ ابو اللیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی اجارہ کی ایک سال سے زیادہ منظوری کی کوئی پابندی نہ ہو تو تین سال تک کے لیے بلا لحاظ اس امر کے کہ آیا یہ جائیداد مکان تھا یا زمین اجارہ دیا جا سکتا ہے امام ابو جعفر بخاری کے حوالہ سے آیا ہے کہ انہوں نے آراضی کے اجارہ کی ۳ سال کی اجازت دی مگر تین سال سے زیادہ اجارہ دینے کے متعلق اختلاف رائے ہے۔فقہاء بلخ کی اکثریت کی رائے میں ایسا اجارہ جائز نہیں ہے اس کے برعکس دوسروں کی رائے کے مطابق اسے قاضی کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ اگر وہ چاہے تو منسوخ کر دے۔ فقیہ ابو اللیث نے اس رائے کو اختیار کیا ہے۔

درالمختار میں اس اصول کا لب لباب دیا گیا ہے۔ جائیداد کے پٹے کے متعلق اگر کوئی بھی شرط واقف نے عائد کی ہو تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور قیم اور متولی اس کے خلاف نہیں کر سکتا مگر قاضی جس پر کہ غربا غیر حاضر اور متولی افراد کی نگرانی کا فرض ہے وہ کر سکتا ہے جبکہ واقف نے کسی وقف جائیداد کو اجارہ دئے جانے کی مدت کو غیر معین رکھا ہو تو بعض فقہا کے نزدیک قیم کو مدت اجارہ کی بابت عام اختیار حاصل ہے مگر دوسروں کے نزدیک تمام صورتوں میں مدت ایک ہی سال ہونا چاہئے۔ مکانات کے اجارہ کے متعلق فتویٰ ایک سال اور زمین کے اجارہ کے متعلق تین سال کا ہے بشرطیکہ خلاف مصلحت نہ ہو جو مصلحت وقت اور جائے وقوع کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔

مصنف ردالمختار نے مندرجہ بالا عبارت کی تشریح کرتے ہوئے قاضی الهدایہ کے فتویٰ کی سند پر ایک اہم اصول کا حوالہ دیا ہے۔ اگر کسی عمارت وقف کی مرمت بلا اس کے کچھ حصے کو کرائے پر دیئے نہیں ہو سکتی ہو تو یہ مسئلہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے جو اس مقصد کے پیش نظر طویل مدت کے لیے کرایہ کی اجازت دے سکتا ہے۔ اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

اسی طرح اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ متولی طویل عرصہ کے لیے پٹہ منظور نہیں کرے گا اور لوگ قلیل عرصہ کے لیے پٹہ لینے کو تیار نہ ہوں اور یہ مفاد وقف میں ہو کہ طویل مدت کے لیے پٹہ دیا جائے تو متولی کو یہ معاملہ قاضی کے سامنے رکھنا چاہئے اور اگر وہ مناسب سمجھے تو اس بارہ میں حکم صادر کر سکتا ہے اس لئے کہ قاضی غربا کا سرپرست ہے اور اگر واقف یہ شرط کرے کہ متولی زیادہ مدت کے لیے نہ دے گا تاوقتیکہ وہ شئے موقوفہ کے مفاد میں ہو تو ایسی صورت میں بحالت ضرورت بلا قاضی سے دریافت کئے پٹہ پر دے سکتا ہے۔

قاضی کا اختیار

پس قاضی جو تمام صدقات کا نگراں عام ہے بحیثیت نمائندہ فرماں روائے وقت مجاز ہے کہ واقف کی مقررہ مدت سے زیادہ مدت پٹہ کا اختیار دیدے۔ اگر واقف نے مدت پٹہ کے بارہ میں کوئی ہدایت نہ دی ہو تو وہ مدت پٹہ اپنے صواب دید سے جو مفاد وقف میں ہو مقرر کر سکتا ہے۔

حدود اختیارات عدالت ہائے دیوانی

ہندوستان میں انگریزی دور حکومت میں ابتدائی عدالت ہائے دیوانی کو وہی اختیارات تفویض کئے گئے تھے جو قاضی کو ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک حالیہ مقدمہ میں عدالت کلکتہ نے اس اختیار کی عدالت سب جج تک توسیع کر دی ہے پس منظوری کے لیے درخواست اگر جائیداد مفصلات میں واقع ہے تو ڈسٹریکٹ جج کو اور اگر پریسیڈنسی ٹاؤن میں ہے تو عدالت عالیہ کی ابتدائی اختیار سماعت عدالت میں پیش کرنا چاہئے اور اس کی منظوری کے لیے دعوی دائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ متولی کی جانب سے مناسب

درخواست پیش ہونے پر اجازت مل جاتی ہے۔ اگر وقف میں ناظر بھی عہدیدار ہو تو قبل درخواست اس کی اجازت بھی حاصل کرلی جائے۔اور اگر وقف عوامی نوعیت کا ہے تو حسب ہدایت جج استفادہ کنندگان کے نام نوٹس جاری کئے جائیں خواہ مشتہری بذریعہ اخبارات ہو یا اس عمارت پر (جو ملک وقف ہے) بذریعہ چسپاندگی کی جائے۔

اگر کسی مسجد کے متولیان بلا اجازت جج آراضی (متازعہ) موقوفہ کو اس لئے فروخت کردیں تاکہ مقدمے بازی اور مسجد کی مرمت کے لیے روپیہ حاصل کیا جاسکے ایسی صورت میں یہ طے کیا گیا کہ ایسی بیع نہ محض لائق فسخ تھی بلکہ قطعاً باطل تھی چونکہ انڈین ٹرسٹی ایکٹ ۲/۲۷ ۱۸۶۶ء اور مارگیج ایکٹ ۲۸/ ۱۸۶۶ء کا مسلمانوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔درج ذیل اضافی قواعد قابل توجہ ہیں۔

اگر کوئی وصی یا سرپرست اپنے کسی زیرولایت (نابالغ) کی جائیداد کو مناسب مروجہ کرایہ کے خلاف پٹہ پر دے دیتا ہے یا کوئی متولی جائیداد موقوفہ کے خلاف ایسا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو ان تمام حالات میں مشہور امام ابو بکر محمد بن فضل کے مطابق پٹہ دار غاصب خیال کیا جائے گا۔ مگر خصاف کی رائے میں ایسا قیاس نہ ہوگا بلکہ مناسب اور مروجہ کرایہ عائد ہوگا۔ اس موخرالذکر رائے کے مطابق فتویٰ ہے اور اسی طرح صورت الفتاویٰ میں ہے۔

اگر کوئی متولی جائیداد موقوفہ اصل کرایہ سے کم پر دے تو کرایہ دار مناسب کرایہ (اجر المثل) دینے کا ذمہ دار ہوگا اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی ہے۔

متولی کا منظور شدہ اجارہ اس کی موت سے منسوخ نہیں ہوتا۔

جائیداد وقف کا کرایہ دار

جائیداد ہائے اوقاف کا اجارہ دار آراضی اجارہ میں پودے لگا سکتا ہے یا تعمیر کرسکتا ہے بشرطیکہ جائیداد کو اس فعل سے کوئی ضرر نہ پہونچے چنانچہ آراضی مذکورہ پر بند یا تالاب نہیں کھودا جاسکتا۔اجارہ دار کے بہ اجازت وہی افعال جائز ہوں گے جو جائیداد وقف کے لیے فائدہ رساں ہوں۔

پٹہ دار صرف وہی تعمیرات جو اس کے روپیہ سے ہوں علیحدہ کرسکتا ہے

بشر طیکہ ان کے علیحدہ کرنے سے جائیداد وقف کو کوئی نقصان نہ ہو۔

آراضیات وقف پر تعمیرات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اصول لاگو ہوتے ہیں۔

اگر متولی جائیداد وقف یا اس کی آمدنی سے کوئی عمارت تعمیر کرے تو یہ تعمیر جائیداد وقف ہوگی خواہ یہ تعمیر وقف کے لیے ہو یا اس کی ذات کے لیے اور خواہ بلا کسی مختص غرض کے لیے کی گئی ہو۔ اگر یہ تعمیر اس نے اپنی ذاتی روپیہ یا مصالحہ سے وقف کے لیے یا عام لوگوں کے لیے کی ہو تو یہ بھی جائیداد وقف شمار ہوگی تاوقتیکہ خود واقف اس کا متولی نہ ہو اور یہ تعمیر بلا کسی صریح مقصد کے لیے کی گئی ہو۔ ذخیرہ کے مطابق اس صورت میں اس کی جائیداد ذاتی سمجھی جائے گی اگر متولی اپنے روپیہ سے خاص ضرورت کے لئے عمارت تعمیر کراتا ہے اور شہادت سے ثابت ہے کہ یہ تعمیر اس نے اپنے ہی روپیہ سے اپنی غرض کے لیے تعمیر کی ہے تو یہ اس کی ذاتی جائیداد قرار دی جائے گی اور ایسا ہی کفایہ اور مجتبےٰ میں ہے۔

جب علاوہ متولی کوئی دیگر شخص جائیداد وقف پر استعمال وقف کے لیے کوئی تعمیر کرے تو خواہ یہ تعمیر عارضی اور واپس لینے کی نیت سے کی گئی ہو لیکن اگر با اجازت متولی تعمیر ہوئی ہے تو یہ وقف ہے۔ اگر بلا اجازت متولی استعمال وقف کے لیے تعمیر ہوئی ہے لیکن اگر بوقت تعمیر شخص تعمیر کنندہ کی غرض کے لیے تعمیر تھی یا عام طور پر بلا اظہار صریح مقصد کی گئی ہے تو اس تعمیر کی علیحدگی کا اختیار ہے بشر طیکہ اسکی علیحدگی سے جائیداد وقف کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر احاطہ مسجد میں کوئی شخص درخت لگاتا ہے تو وہ مسجد کی جائیداد ہوگی۔ متولی کا آراضیات وقف اپنے باپ بیٹے کو دینا جائز ہے بشر طیکہ کرایہ مروجہ کرائے سے کم نہ ہو۔ جیسا کہ بصورت وصی نابالغ کی جائیداد تاوقتیکہ زیادہ قیمت پر نہ ہو وہ فروخت نہیں کر سکتا۔

منار کے باب وقف میں ہے کہ ایک مکان دائماً ایک شخص اپنے بچوں کے حق میں (جب تک نسل قائم ہے) وقف کرتا ہے اور لڑکوں میں سے کوئی ایک کسی شخص کو طویل اجارہ پر دیتا ہے اور شخص مذکورہ اجارہ کی بنا پر مکان موقوفہ میں مزید تعمیر کرے تو سے اگر اجارہ دہندہ متولی نہیں ہے تو وہ اجارہ باطل ہے اور اجارہ دار اس روپیہ کی جو اس نے تعمیرات میں صرف کیا وصول یابی کا مستحق ہوگا۔ اگر اجارہ دہندہ متولی ہے تو اجارہ دار کو اس مدت کا مناسب کرایہ جو قاضی طے کرے دینا ہوگا۔

فصل پنجم :۔ جائیداد وقف پر بار

وقف ہو جانے پر جائیداد موقوفہ میں واقف کا حق ملکیت کلیتًا ساقط ہو جاتا ہے اور جائیداد موقوفہ مثل ملکیت خداوندی ہوتی ہے اور کسی بھی شخص کو جائیداد موقوفہ کے بارہ میں معاملہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ واقف اس کے ورثا اور وقف کے استفادہ کنندگان تمام کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے اور جائیداد بیع و ہبہ کی صورت میں نہ منتقل ہو سکتی ہے اور نہ اس پر حق وراثت عائد ہوتا ہے۔

ایسا وقف جو دو زندہ اشخاص کے لیے ہو اور اس کا موثر ہونا وصی کی موت پر منحصر نہ ہو تو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا نہ خود واقف نہ اسکے تابع دیگر اشخاص کی بد کرداری یا غلط رویہ سے اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ جائیداد ہی منتقل کر دی جائے یا وقف کی ناقابل انتقال خصوصیت ضائع کر دی جائے۔

جہاں تک وقف کے لیے ایک ایسے قرضہ کا مسئلہ ہے جو عائد ہو سکے مسلم قانون اس سلسلہ میں قطعاً واضح اور صریح ہے۔ ایک بار وقف ہو جانے کی صورت میں نہ واقف نہ متولی موقوفہ جائیداد پر اس وقت تک کوئی بار عائد نہیں کر سکتے جب تک کہ واقف نے متولی کو صریحاً اس امر کا مجاز نہ کیا ہو کہ وہ ہنگامی حالات میں وقف کے لیے قرضہ حاصل کرے۔ بصورت عدم اختیار جج کی اجازت سے وہ ایسا کر سکتا ہے۔

استعدادیت یا اختیار قرضہ

فتاویٰ قاضی خان میں اصول اس طرح ہے کہ جب قیم پر مال گزاری یا خراج یا دوسرے ٹیکس (جبایہ) کا مطالبہ ہو اور آمدنی وقف (فی الوقت) سے کچھ نہ ہو تو فقیہ ابو القاسم کے مطابق اگر واقف قرض لینے کا مجاز ہے تو وہ قرض لے سکے گا۔ مگر عدم مجاز کی صورت میں، قرض لینے پر وہ اسے اپنی جائیداد سے ادا کرے گا نہ کہ آمدنی سے۔

فقیہ ابواللیث کے مطابق ہنگامی حالت میں جب کہ قرض لینا ضروری ہو تو حاکم کی اجازت سے قرضہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور اسی صورت میں قرضہ آمدنی سے ادا ہو سکتا ہے اس لئے کہ صرف قاضی وقف کے لیے استعانت یا قرضہ حاصل کر سکتا ہے۔

ناطقی کے مطابق اگر متولی با جازت قاضی قرض لے سکتا ہے تو تمام فقہا کے مطابق قرضہ لینا جائز ہے۔اس لئے کہ قاضی قرضہ حاصل کرنے کا مجاز ہے اس سلسلہ میں اس کا متولی کو مجاز کرنا جائز ہے متولی بطور خود قرضہ لینے کا مجاز نہیں ہے۔

اگر قیم جائیداد وقف کسی قرضے کے عوض رہن کرے تو یہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ وقف سے گریز کے مساوی ہے اور جس طرح یہ متولی کے لیے ناجائز ہے اسی طرح اہل المساجد باالفاظ دیگر استفادگان وقف کے لیے بھی۔ اور اگر قیم مکان موقوفہ کو رہن کرے اور مرتہبان کی رہائش ہو تو فقہاء کی رائے میں وہ مروجہ کرایہ کا مستحق ہوگا خواہ مکان کرایہ کے قابل ہو یا نہیں۔ مکرر یہ کہ اگر قیم کے پاس کوئی آمدنی وقف نہ ہو تو اسے یہ معاملہ قاضی کے روبرو پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ مفاد وقف میں قیم کو قرض لینے کی اجازت دے سکے۔ قیم بلا اجازت قاضی قرض نہیں لے سکتا۔ حصول قرض کا مفہوم یہ ہے کہ متولی کے پاس وقف کی آمدنی کوئی نہ ہو اسلئے قرض لیناضروری ہے۔

درالمختار میں بھی یہی اصول ہے وقف پر کوئی بار قرضہ (استدانت) یا قرضہ سوائے مفاد وقف کی ضرورت کے جائز نہیں ہے۔ مثلاً مرمت یا کاشت کے لیے بیج خریدنا ان ہر دو صورتوں میں جائز ہے اول بااجازت قاضی لیکن اگر اس کی رہائش قاضی سے بہت فاصلہ پر ہو تو بااختیار خود قرضہ لے سکتا ہے۔ دوسرے وہ اغراض ضروری پر کرایہ خرچ کر سکتا ہے۔

متولی بلا اجازت جج جائیداد پر قرضہ نہیں لے سکتا

درالمختار میں اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے کہ وقف پر استدانت یا قرضہ لیناجائز نہیں ہے مصنف ردالمختار نے لکھا ہے کہ اگر واقف نے صریحاً شرط رکھی ہو کہ متولی اغراض وقف کے لیے جائیداد موقوفہ پر قرضہ لے سکتا ہے تو پھر یہ مسئلہ قابل بحث نہیں رہتا۔ایسی کوئی شرط نہ ہونے پر اگر متولی کو مختص اختیار نہ ہو تو اس کی حیثیت وصی سے مختلف ہوگی اگر متولی قرضہ حاصل کرتا ہے تو ان کے لیے وہ ذمہ دار ہے اس صورت میں کہ یہ مختلف حالت میں حاصل کیا گیا ہو۔ ابو اللیث کے قول کے مطابق یہ ایک مسلمہ اصول ہے اگر قرض لینا ناگریز ہو (یعنی اگر سخت ضرورت ہو) تو متولی قاضی

کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ قاضی سے فاصلہ پر نہ رہتا ہو اس لیے کہ قاضی مسلمانوں کے معاملات کا عام طور پر نگراں ہے بعض کے مطابق مرمت کے لیے متولی کو اختیار قطعی حاصل ہے لیکن اول الذکر اصول کو حنفی مسلک میں تسلیم کیا ہے۔

عبارت مندرجہ کی مزید شرح میں پہلی شرط قاضی کی منظوری ہے۔ مصنف درالمختار کے مطابق متولی کی درخواست بظاہر بلا ثبوت منظور ہونا چاہئے اگر جائیداد کو اجارہ پر دینا ممکن نہ ہو "یہاں لفظ اجارہ" عام مفہوم میں مستعمل ہے اس میں مختصر اور طویل المدت دونوں اجارے شامل ہیں یا جو متواتر مختصر المدت ہوں اگر اجارہ دینے کا امکان ہو تو وقف پر بار قرضہ نہ کرنا چاہئے۔ یہی اصول فتح القدیر بحرالرائق اور دوسری مستند کتابوں میں ہے اور یہی مسلمہ ہے۔

مندرجہ بالا جواز قرضہ کے لیے دو اصول منضبط ہوتے ہیں اول یہ کہ وقف کے لیے واقعی ضرورت ہو جو نہ اس کی موجودہ آمدنی اور نہ جائیداد کو کرایہ پر دینے سے پوری ہو سکتی ہو۔ دوسرے یہ کہ قاضی ضرورت قرضے کی تائید میں شہادت پر بعد غور متولی کو خاص طور پر قرضہ حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔

پس عام اصول یہ ہے کہ آراضیات وقف کا عارضی یا رہن قطعی یا کسی اور صورت میں انتقال خواہ وہ مرمت جائیداد وقف یا کسی دوسرے قرض کے لیے ہو حسب شرع ناجائز ہے۔

بعض وقف کی صورت میں، جو ہندو کرتے ہیں یہ طے کیا گیا کہ محض برائے نام سے وقف تابع انتقال نہیں ہے اور یہی اصول ان مسلمانوں کے اوقاف پر منطبق کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔

نوعیت وقف

مسلم قانون کے بارے میں ایسی کوشش غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اوپر بتایا گیا ہے کہ لفظ برائے نام مثل لفظ دائم کا مفہوم ہے کہ اگرچہ وقف کرنے کا منشا ہے لیکن دراصل واقف نے جائیداد سے علیحدگی اختیار نہیں کی ہے۔ مسلم لا کے مطابق جب کوئی وقف لفظ "وقف" کے پورے معنی مفہوم اور نتیجہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے تو اس صورت میں

جائیداد پر حق یا ملکیت نہیں رہتی اور قانوناً واقف کے حقوق مالکانہ جائیداد موقوفہ سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں۔ صریحاً وقف کی صورت میں مطابق شرع وقف برائے نام نہیں کیا جا سکتا۔ کسی فرد کے گذارے کے لیے انعام کا تعین حق ذاتی کی صورت میں وقف نہیں ہے۔ یہ بتادینا ضروری ہے کہ خاص صورت میں حالات کی بنا پر انعام کی نوعیت میں ترجیح ہو سکتی ہے اگر کوئی انعام محض انعام پانے والے کے ہی لئے مخصوص نہ ہو بلکہ اس کی آل کی بسر معاش کے لیے بھی ہو تو وقف جائز ہے۔ مکرر یہ کہ اگر کسی شخص کو انعام بطور وقف دیا جائے جس میں مستقبل کے استفادہ کنندگان کا حوالہ نہ ہو تاہم انعام یا بندہ کی موت کے بعد یہ وقف غربا کے لیے مخصوص ہو گا اور اس کے ورثا کا اس پر کوئی حق نہ ہو گا۔ عدالت عالیہ کلکتہ نے ایک مقدمہ میں جب کہ قابل ارث جائیداد جس پر کہ وقف کا بار تھا یعنی اس کے منشا میں ایک بزرگ کے مقبرہ کی دیکھ بھال شامل تھی یہ طے کیا کہ وقف اسی شرط کے تحت منتقل ہو سکتا ہے مگر خود یہ فیصلہ بہت ہی تشنہ ہے۔ اس نظیر کی رپورٹ سے نہ تو واقعات مقدمہ نہ دستاویز کی نوعیت معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس اصول کو بتانا مشکل ہے جس کی بنا پر قابل جج صاحبان نے فیصلہ صادر کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل جج صاحبان جنہوں نے یہ دوررس فیصلہ صادر کیا ان کے سامنے اس مسئلہ پر بحث ہی نہیں ہوئی۔ اس مقدمہ میں سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ آیا جائیداد قابل ارث تھی۔ اگر جائیداد کی تشکیل صریحاً بطور وقف نہیں تھی بلکہ وہ صرف بزرگ کے مقبرہ کی دیکھ بھال کی غرض سے وقف کی گئی تھی تب بھی قانونی نتیجہ وہی ہے۔ اگر جائیداد کو اس تمام مدت میں قابل ارث ہی سمجھا گیا تو مقدمہ مذکور میں طے شدہ اصول یہاں بھی منطبق ہو گا اور وہ جائیداد تابع وقف منتقل ہو سکے گی۔

بشن چند بساوت بنام سید نادر حسین

انگریزی اصول ''دوام'' کے خلاف ہے جو مسلم قانون میں لائق تسلیم ہے اور اگر کوئی جائیداد وقف کی گئی ہو جو بظاہر دائمی نوعیت کی نہ ہو تو اس مقصد کے لیے جائز جائیداد حبس متصور ہو گی۔ اور اس لئے ناقابل انتقال اور ناقابل ارث ہے اس سلسلے میں بمقدمہ بشن چند بساوت بنام سید نادر حسین فاضل جج صاحبان پریوی کونسل کی رائے اہم

ہے۔ بمقدمہ دل رام پھل بنام عزیز الاسلام عدالت صدر نے طے کیا کہ اگر تمام جائیداد وقف ہے تو متولی حین حیات خود اسے مزید مدت کے لیے اجارہ پر نہیں دے سکتا۔ اگر منصب موروثی ہے اور وقف میں متولی کا مفاد بھی شامل ہے تو عدالت اسے جائیداد موروثی قرار دے گی۔ تاہم حق ملکیت متولی اور ورثا کو تفویض ہوگا اور وہ وہی حق استعمال کر سکتے ہیں جو کہ دوسرے مالکان دائمی پٹے پر دینے میں استعمال کرتے ہیں چونکہ دستاویز وقف نامہ عدالت کے سامنے نہیں تھی اور عہدہ متولی بظاہر موروثی تھا جس کی آمدنی میں اس کی افراد خاندان کا مفاد بھی شامل تھا اس لئے فاضل ججان نے اسے ایک قابل ارث جائیداد تابع وقف قرار دیا۔ ان فقروں سے ان کا منشا یہی تھا کہ وقف مذکور کو عام اوقاف کے زمرہ سے خارج کر دیں بلکہ انہوں نے محض (غالباً کسی حد تک بے ربط عبارت میں) ان وجوہات کا جن کی بنا پر وہ اس کو جائز اجارہ سمجھنے پر مائل ہوئے کہ آیا ایک جائیداد ایک موروثی جائیداد تابع وقت کہی جائے یا خالص وقف جس کی آمدنی واقف کے ورثا کو ملے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں نتیجہ یکساں ہے۔

اگر کوئی جائیداد مختص مقاصد کے لیے وقف کی جائے اور بعض مدات مصارف ساقط ہو جائیں تو یہ وقف نا جائز ہوتا ہے اور نہ مذہبی رسوم کی ادئیگی سے وقف کے خلاف کوئی تمادی عارض ہوتی ہے۔

مقبروں میں آئی ہوئی زمین

مسلمانوں کی وہ زمینیں جن پر مقبرے ہوں اجرائے ڈگری میں نیلام نہیں ہو سکتیں نہ کوئی مقبرہ یا قبرستان جہت وقف کی نوعیت کی بنا پر منتقل ہو سکتا ہے۔ کسی زمین کا قبرستان کے لیے وقف عام خود ثبوت وقف ہے اور اولاد کو ورثہ میں منتقل ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ یہ طے شدہ ہے کہ کوئی قطعہ آراضی محض مقبروں کی وجہ سے تقسیم آراضی کے تابع نہیں ہے تاوقتیکہ اس میں مقبرے شامل نہ ہوں۔ سوائے اس باقی ماندہ آراضی کے جو مقبروں میں شامل نہیں ہے۔ ایسی آراضی جو بطور قبرستان استعمال کی جائے اور اس کی ملکیت ان افراد خاندان میں تفویض ہو چکی ہو جو مقبروں میں مراسم مذہبی انجام دیتے ہیں ان کو یہ حق ہے کہ ان مالکان آراضی کے خلاف جو فرائض کی انجام دہی میں

مزاحم ہوں حکم امتناعی حاصل کرلیں۔ ایسی زمین جو دفن کے کام آتی ہے وہ دائماً مقدس ہے۔ اس میں اجازت دفن ان لوگوں کی اجازت کے تابع ہے جن کے مردے اس میں دفن ہیں۔ اس میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جن کی بنا پر عام مروجہ مراسم ادا کئے جاتے ہیں۔ اگر مسجد سے متعلق انعام کی زمین کسی ایسی ڈگری کے بے باقی میں قرق ہوئی ہو جو مرتہن جائیداد یا بندہ کی اولاد نے رہن کنندہ آراضی کے خلاف حاصل کی تھی۔ ایسی صورت میں مسلم قانون کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ چونکہ زمین مذہبی اغراض کے لیے وقف تھی اصل مالک کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ اس کو فروخت اور نہ رہن کر سکتا تھا۔ عدالت نے یہی طے کیا کہ اس کو قرقی سے واگزاشت کیا جائے۔

متولی کو بلا اجازت جج آراضی وقف کو رہن کرنے کا اختیار نہیں ہے

ایک متولی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے خاص حالات میں جائیداد کو کلیتاً یا جزواً با اجازت قاضی رہن کر سکتا ہے بلکہ جائیداد کے حصے کو منتقل بھی کر سکتا ہے۔ مگر کوئی بھی فعل بلا اجازت قاضی کلیتاً باطل اور غیر موثر ہے۔

مسلم قانون کے تحت جج کی اجازت یا منظوری شرط مقدم ہے اور برٹش دور حکومت کی ہندوستانی عدالتوں نے دور ابتدائی کے مقدمات میں اس اصول کا ہمیشہ نفاذ کیا ہے۔

مولوی عبداللہ بنام راجہ سری دوسہ وغیرہ

بمقدمہ مولوی عبداللہ بنام راجہ سری دوسیہ میں (جو کہ اس مسئلہ سے متعلق ایک اہم فیصلہ ہے) مدعی نے (جو عدالت صدر میں مرافعہ گذار تھا) بعض آراضیات متعلقہ مسجد کے کرایہ کا دعویٰ کیا۔ مدعا علیہ راجے دوسیہ نے جواب دہی کی کہ سابق سپرنٹنڈنٹ مسجد محمد افضل نے مبلغ ایک سو ایک روپیہ بہ غرض مرمت مسجد اس کے خاوند سے قرض لے کے اس کے عوض تین سال کے لیے آٹھ کوٹھوں کا کرایہ اور ایک پانی کی ٹنکی رہن کر دئے تھے۔ بروئے رہن نامہ مورخہ ۹ جیٹھ ۱۲۱۹ یہ قرار پایا تھا کہ سود شرح ایک روپیہ فی ماہ مدت رہن کا واجب ہوگا اگر تین سال منقضی ہونے تک قرضہ ادا نہ ہو تو آٹھ کوٹھوں کا کرایہ پانچ روپیہ سکہ سالانہ کے حساب سے قرضہ کے عوض فروخت کیا جائے گا اور ٹنکی کا کرایہ ایک روپیہ سالانہ پریسیڈنٹ مسجد کو مسجد کے

مصارف کیلئے دیا جائے گا۔ مدعا علیہ (خاتون) کی جانب سے یہ جواب دہی کی گئی چونکہ محمد افضل نے قرضہ جو مرمت مسجد کے لیے لیا تھا اور زر رہن ادا نہیں کیا اس لئے اسکا جانشین (موجودہ مدعی) اس کی ادائیگی کا پابند ہے عدالت اول نے دعویٰ مدعی اس بنا پر ڈگری کیا کہ سابق عہدیدار نے مفاد مسجد کے لیے رہن کیا تھا اس لئے جائز تھا مگر عدالت ماتحت اپیل نے اس کو خارج کر دیا۔ عدالت صدر نے مدعی کی اپیل پر افسران قانون کے مشورے کے مطابق یہ طے کیا کہ ایسی زمین جو مذہبی اغراض کے لیے ہو اس کا رہن اور اس سے پیدا شدہ آمدنی ناجائز تھی۔ اور زمین کا مسجد کی مرمت یا کسی دوسرے منافع کی ضرورت کی غرض سے رہن نوعیت معاملہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

بمقدمہ نیمائی چند بنام غلام حسین میں بھی عدالت کلکتہ نے یہی رائے ظاہر کی۔ متولی نے جائیداد کو کلکٹر کے نوٹس نیلام سے بچانے کے لیے بلا اجازت قاضی رہن رکھ دیا تھا۔ چونکہ راہن کی ذاتی جائیدادیں بھی خطرہ میں تھیں اس لئے مرتہنان کی جانب سے نفاذ رہن کی کاروائی کے سلسلہ میں سب جج نے مسلم لا کے مطابق منظوری حاصل نہ کرنے کی وجہ سے یہ طے کیا کہ یہ قانون وقف کے خلاف ہے۔ اپیل میں عدالت عالیہ نے طے کیا کہ بعض نظائر کی بنا پر متولی کو یہ اختیار محض اس صورت میں ہے جب قاضی کسی دور ودراز مقام پر رہتا ہو اور ایسے انتقال سے وقف کو منافع پہونچتا ہو تو سابقہ منظوری موثر ہوتی ہے اس مسئلہ پر فاضل ججان نے اس طرح اظہار خیال کیا کہ وہ اسناد جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے ان سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ جب قاضی دستیاب ہو سکتا ہو تو اس کی اجازت ضروری ہے اسلئے کوئی وجہ نہیں جائیداد کے انتقال کے بعد ان کی منظوری اتنی ہی موثر قرار نہ دی جائے جتنی کہ انتقال سے پہلے ضروری تھی۔ یہ معقولیت پر بنی ہے کہ قاضی کی اجازت کا حاصل کرنا ضروری خیال کیا گیا خاص کر جب کہ قرضہ لینا ضروری تھا اور اسی لئے اجازت ماقبل مساویانہ طور پر موثر ہونا چاہیئے۔

یہاں اظہار کرنا ہے کہ اس سے متعلقہ مسلم قانون کے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تمام اسناد کے مطابق ہر اس معاملہ کا جواز جس سے کہ وقف پر بار ہو قاضی کی ماقبل اجازت پر مبنی ہے اور رہر معاملے میں ضروری ہے اور ایسا نہیں جیسا کہ فیصلہ میں کہا گیا ہے۔ (محض جب کہ قاضی دستیاب ہو) ان الفاظ میں جو "شرط" قانونی کا مفہوم ہے ادباً

یہ بتانا ہے کہ ان اسناد کی بنا پر جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ جملہ کہ جب متولی قاضی سے فاصلے پر ہو وہ بطور خود کارروائی کر سکتا ہے۔اس سے شرط اول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ خود متولی پر ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ مسلمان فقہا نے تو فعل مابعد کی منظوری کا تصور بھی نہیں کیا اس لئے کہ اس بارہ میں جج کی اجازت ایک شرط قطعی تھی کہ اس بارے میں بھی غور کیا جائے کہ قرضے کی محض قطعی ضرورت نہیں تھی بلکہ آیا یہ بھی ضروری تھا کہ شرائط بہت سخت نہ ہوں اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا ہو۔ مقدمہ کے واقعات کے پیش نظر عدالت نے شرائط رہن کے خلاف جو ہدایات دیں ان سے ظاہر ہے کہ یہ ایسا معاملہ نہ تھا جو اصلاً وقف کے مفاد میں ہو اور جج نے مفاد ٹرسٹ کے پیش نظر بلا سنجیدگی سے غور کئے ہوئے منظوری دی ہو۔

پس یہاں یہ ظاہر نہیں ہے کہ جج اتنے فاصلے پر تھا کہ اس کے سامنے مسئلہ منظوری کے لیے پیش نہ ہو سکتا تھا حتیٰ کہ انگلینڈ کے قانون میں کسی بھی جائیداد پر جواز بار کے لیے عدالت کی منظوری پہلے حاصل کرنا ضروری ہے۔

مسلم لا کے مطابق اگر کسی جائیداد وقف پر بار ہو تو محض اس کی آمدنی پر ہی ادائیگی کا بار عائد ہونا چاہئے اور کسی حالت میں بھی جائیداد کو منتقل نہ کیا جائے نہ مبادلہ میں فروخت کیا جائے۔ باالفاظ دیگر محض آمدنی قرضہ میں مکفول کی جاسکتی ہے جب جائیداد وقف کی بیع اس بنا پر کہ یہ ناقابل انتقال تھی منسوخ ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ خریدار نے اس عرصہ میں تعمیرات کی ہیں تو وہ ان تعمیرات کو علیحدہ کرنے کا مجاز ہوگا بشرطیکہ جائیداد وقف بلا نقصان علیحدہ ہوسکتی ہو۔ اس طرح وہ تعمیرات جو وقف کو نقصان پہنچائیں یا وہ درخت جو کرایہ دار نے لگائے ہوں تو قاضی اپنی صواب دید پر ان کے جائز معاوضہ کا حکم دے سکتا ہے بشرطیکہ ان تعمیرات سے جائیداد وقف کی حیثیت میں صریحاً اضافہ ہوا ہو۔اگر اصل عمارت وقف منہدم کر کے تعمیر کی گئی ہو یا جائیداد وقف پر استادہ درختوں کی قلموں سے ہی درخت لگائے گئے ہوں تو ان کا کوئی معاوضہ خریدار پانے کا مستحق نہیں ہے۔ خریدار محض اس رقم کی بازیابی کا مستحق ہے جو اس نے ادا کی ہو۔

اگر عمارت وقف میں خریدار یا کسی دیگر شخص نے کوئی بھی تبدیلی کی ہو تو وہ وقف کی نوعیت کو نہیں بدل سکتی۔اگر جائیداد وقف میں کسی تبدیلی یا اضافہ سے کوئی بھی

نقصان عمارت موقوفہ کو ہوگا تو خریدار اس کو اصل حالت میں لانے کا ذمہ دار ہوگا۔ مگر اس کی حیثیت میں تبدیلی کی بنا پر معاوضہ کا اس صورت میں مستحق نہ ہوگا جب تعمیر واضح طور پر قابل علیحدگی ہوں تو خریداران تعمیرات کے علیحدہ کرنے کا مستحق نہ ہوگا بشرطیکہ ان تعمیرات سے وقف کو فائدہ پہنچتا ہو مثلاً ایک خریدار روٹی پکانے کے پرانے تندور کے بجائے اچھی قسم کا تندور لگائے اسے وہ نہ علیحدہ کر سکتا ہے نہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر وہ ایک لیمپ نصب کرتا ہے اور اس کو علیحدہ بھی کر سکتا ہے لیکن اس کو وہیں رہنے دے تو معاوضہ کا مستحق ہوگا۔

خریدار بیچنے والے سے اس وقت عمارت کی قیمت پانے کا مستحق ہے جب بیع منسوخ ہو جائے نہ کہ جب اس نے قیمت ادا کی ہو مثلاً اگر کوئی شخص دس ہزار درہم میں مکان خرید کر اس میں رہائش رکھے اور اگر وہ شکستہ ہو جائے تو بوقت منسوخی نیلام وہ قیمت پانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور اگر قیمت زیادہ ہے تو خریدار اضافہ شدہ قیمت پانے کا مستحق ہوگا۔

عام اصول حق نالش

بمقدمہ قاضی حسین بنام سیام بال کشن قدیم ضابطہ دیوانی کا اطلاق ان جائیداد ہائے وقف کی بازیابی کے مقدمات پر زیر بحث تھا جو غلط طریقے سے منتقل کی گئی ہوں۔ مدعیان نے بعض آراضیات پر بحالی قبضہ کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ وہ ان کے مورث اعلیٰ کو بطور وقف اس غرض سے انعام میں ملی تھیں کہ وہ مصارف جو خدمت مسجد سے متعلق ہوں پورے کر سکیں۔ نیز (مدعا علیہم ۳، ۴، ۵) کے والد نے جو اس عمارت کے نگراں ومتولی تھے کچھ جائیداد خلاف قانون منتقل کردی تھی۔ مسجد کی خدمت بھی بند کردی تھی یہ کہ مدعیان بطور متولی کام کر رہے تھے اس لئے انہوں نے آراضیات متنازعہ کی نگرانی اور حق استفادہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مدعا علیہم کی جانب سے منجملہ دیگر عذرات یہ بھی عذر کیا گیا کہ وہ اپنے والد (مدعا علیہ ۳) کی حین حیات مجاز نالش نہیں تھے اس لئے کہ اس نے اپنا حق ان پر منتقل نہیں کیا تھا۔

عدالت نے طے کیا کہ مدعیان یہ انتقال جو کہ ان کے باپ اور چچا نے کیا تھا منسوخ کرانے اور جائیداد وقف کو مسجد کے حق میں برنبا خدمت مسجد بحال کرانے کے

مستحق ہیں محض استفادہ کنندگان نہیں ہیں بلکہ وہ نہ صرف متولی کے افراد خاندان ہیں بلکہ ان اشخاص میں ہیں جن پر کہ موجودہ متولی کے انکار پر منصب تولیت عائد ہوگا بشرطیکہ اصلاً حسب بیان دعویٰ وہ ان پر ترک کرنے یا استعفے سے منتقل نہ ہوا ہو۔

مسجد کا کوئی بھی نمازی شخص غیر کے خلاف منسوخی انتقال کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے مگر یہ کہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے تحت نہ ہوگا اسلئے کہ دفعہ مذکور صرف اس صورت میں لاگو ہوگی جب کسی عوامی یا خیراتی ادارہ کے متعلق بددیانتی کی گئی ہو اور انتظام وقف کے لیے عدالت کی مدد کی ضرورت ہو۔ مگر غیر متعلق اشخاص کے سلسلہ میں دفعہ ۵۳۹ کے تحت کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔

باب ۱۶۔ شیعہ قانون وقف

فصل اوّل

شیعہ اصول کے مطابق وقف ایک مذہبی فعل ہے جس کی رو سے اصل یا عین جائیداد حبس ہو کر اس کی آمدنی صرف میں آتی ہے۔

جواہر الکلام کے مطابق منشا وقف سے مراد خوشنودی خداوندی کے لیے دائمی قیام اور ایک فعل عبادت ہے وہ صریح لفظ جس سے کہ وقف کیا جاتا ہے "وقف" یعنی میں نے وقف کیا مگر جیسا کہ حنفی قانون کے سلسلے میں پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ایک وقف کسی بھی عبارت سے جب کہ منشا وقف صاف اور صریح واضح ہو کیا جاسکتا ہے۔

جواہر الکلام کے مطابق "وقفت" کے علاوہ کسی دوسرے لفظ کے استعمال سے قانوناً تشکیل وقف ممنوع نہیں ہے مثلاً الفاظ "حرمت" (میں نے پاک کیا) یا "تصدقت" میں نے خیرات کیا سے بھی وقف ہوتا ہے لیکن ان الفاظ کا لازمی مفہوم چونکہ کلیتاً دائمی جہت وقف نہیں ہے اس لیے واقف کی نیت کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ حاصل کلام جب کسی واقف کا منشا تشکیل وقف ہوگا خواہ اس نے کوئی بھی جملہ استعمال کیا ہو تو وقف نافذ ہوگا۔ اگر محض لفظ "وقف" ہی استعمال ہو تو بلا شبہ وقف نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر ایک شخص ایسا کوئی لفظ استعمال کرے جس سے کسی حالت میں بھی وقف کا مفہوم ظاہر نہ ہوتا ہو لیکن اس سے منشا وقف ظاہر ہو تب بھی وقف نافذ ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ مکان غربا کے لیے وقف کیا اور دائماً دے دیا تو یہ وقف ہوگا۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے اس جائیداد کو حبس کر دیا ہے اور اس کا منافع راہ خدا میں مختص کر دیا ہے تو بھی وقف ہوگا۔

فوضیہ بی بی وغیرہ بنام حاجی محمد قاسم اصفہانی وغیرہ

جب صریحاً کوئی وقف کیا جائے اور اس میں تمہیدی الفاظ میں کہیں لفظ وقف نہ آئے تب بھی نوعیت وقف تبدیل نہیں ہوتی۔

بمقدمہ فوضیہ بی بی بنام حاجی محمد قاسم وغیرہ فاضل جج نے مورخہ ۳۱؍مارچ ۱۸۸۶ء کا فیصلہ نواب سید نظیر علی خان کی وصیت کی تعبیر کی روشنی میں صادر کیا متذکرہ وصیت کی رو سے نواب نے اپنی تمام جائیداد بذریعہ وصیت نامہ وصی کو منتقل کردی تھی اور مدعیان کا استدلال تھا کہ وہ وصیت میر محمد کاظم وصی کے حق میں صریحاً ایک ہبہ تھی۔ مدعا علیہم کی جانب سے یہ عذر کیا گیا کہ اگرچہ دستاویز میں جو بزبان انگریزی تھی لفظ وقف استعمال نہیں ہوا تاہم ایک جائز وقف تھا۔

فاضل جج نے اصل عذر کے حوالہ سے فیصلہ میں لکھا ہے یہ بحث کی گئی ہے کہ نظیر علی نے اپنی جائیداد اس طرح وقف کی کہ جو بظاہر مثل وقف تھی مگر عملاً ایسا نہ تھا۔ یہ سوال کہ آیا یہ عذر جائز ہے اس سلسلہ میں اصل نظیر پر مسٹر فلپ نے اظہار خیال کیا۔

معاملہ ہذا میں یہ محسوس کرتا ہوں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آیا واقعی وقف کیا گیا تھا بلکہ مدعیہ دعویٰ میں کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ یہ ثابت نہ کرے کہ میر محمد کاظم کو متولی بنانے کی نیت نہ تھی اگر ان کو متولی بنانے کی نیت ہوتی تو وہ خود ذاتی فائدہ حاصل نہ کرتا۔ وقف نامہ سے ظاہر ہے کہ میر محمد کاظم کو متولی سمجھا گیا مگر یہ اب مدعیہ کو ثابت کرنا ہے کہ وہ (میر کاظم) ذاتی حیثیت سے کام کررہا تھا۔ اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسجد وغیرہ کی عمارت میں ایک حصہ وقف تھا اور اس نے بطور متولی اپنا فرض انجام دیا۔ غیر خرچ شدہ آمدنی کے متعلق یہ استدلال کیا گیا ہے کہ میر محمد کاظم نے اس کو کلیتاً اپنی سمجھ کر حاصل کیا۔ مگر وصیت نامہ میں اس کو متولی بنایا ہے اگر اس میں یہ تحریر ہوتا کہ منصب متولی موروثی تھا تو متولی کے استدلال کو مزید تقویت ملتی لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میر محمد کاظم کے ورثا کا مفاد اس سے وابستہ تھا اس لئے کہ ہر متولی کو دوسرے متولی کے تقرر کا اختیار تھا پس ایسی صورت میں میرے نزدیک وصیت نامے کے مختلف فقرے متولیوں کے تقرر اور ذمہ داریوں کے بارہ میں ہیں۔ اگر اس میں اس مسئلہ کو برنباء اصول قانون طے نہ کرنا ہوتا تو غالباً اس طرح لکھتا۔ نظیر علی کا یہ منشا تھا کہ جائیداد اس کے دوستوں کی اولاد پر منتقل ہونا چاہئے اس لئے ان میں سے ہر ایک اختیار تقرر کو یکے بعد دیگرے اپنے ورثا یا ان میں سے بعض کے حق میں استعمال کرے گا لیکن وصیت کی واضح عبارت کی تعبیر کی غرض سے میں فیصلے میں اس

مفروضہ پر انحصار نہیں کرتا۔ یہ بھی بحث کی گئی ہے کہ محض غیر صرف شدہ آمدنی فائدہ کی غرض سے استعمال کرنے سے اس قوی نیت کا اظہار ہوتا ہے کہ فائدہ حاصل ہو اور اصلاً یہ فائدہ حاصل ہوا۔ نظائر مقدمات کا تفصیل سے جائزہ لئے بغیر یہ بتانا کافی ہے کہ وہ مقدمات جن کا مسٹر کنیڈی وامیر علی نے حوالہ دیا ہے خاص کر دیوجان بی بی بنام عبداللہ بار میر اور ایڈوکیٹ جنرل بنام فاطمہ بی بی سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ بچی ہوئی آمدنی سے متولیان استفادہ کرتے ہیں اس صورت حال کے پیش نظر خیال کرتا ہوں کہ مدعی کا عذر ناکام ہونا چاہئے۔ اور اس مسئلہ کا جواب کہ آیا نظیر علی کی جائیداد میر محمد کاظم کی جائیداد کا ایک حصہ تھی نفی میں ہونا چاہئے۔

اصطلاح وقف کی تعریف

وقف ایک فعل عقد ہے جس کا نتیجہ اصل شئے کو حبس کرنا اور اس کے فائدہ کو کام میں لانا ہے محض ایک لفظ صریح جس سے کہ اس کی تشکیل ہوتی ہے وہ ''وقفت'' (میں نے وقف کیا) ہے اس لئے کہ الفاظ ''حرمت'' میں نے پاک کیا اور ''صدقت'' میں نے خیرات میں دیا ان سے ظاہر ہے کہ وہ تشکیل وقف کے لیے بلا متعلقہ حالات کافی نہیں ہے اس لئے کہ علاوہ وقف انکے دوسرے معنی بھی ہوسکتے ہیں اگر تشکیل وقف کے ارادے سے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو ان الفاظ کے استعمال کرنے والے اشخاص پر بلا لحاظ ان حالات کے وہ (الفاظ) قابل پابندی ہیں اور اگر ان الفاظ کا استعمال کرنے والا شخص فی الاصل تسلیم کرے کہ ان کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا تھا تو اس کے الفاظ اقرار کے خلاف فیصلہ صادر ہونا چاہئے۔ یہ بتایا گیا ہے اگر وہ یہ کہے کہ جامت۔ مبلت۔ بلا ان حالات کو بتائے ہوئے جن کے پیش نظر یہ معنی لئے گئے ہیں وقف ہو جاوے گا اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ حبس الاصل وسبیل الثمرات یعنی اصل کو حبس کرو اور پھلوں کو دو دوسرے فقہا کے مطابق ان حالات میں بلا تائیدی اسباب ان الفاظ کا عموماً یہ مفہوم نہیں ہوتا اور یہی قول مسلمہ ہے۔

متذکرہ رائے جواہر نایہ اور دوسری مستند تصانیف میں اصول کی روشنی میں ظاہر کی گئی ہے باالفاظ دیگر اگر کوئی انتقال ان الفاظ میں جو معنی میں مبہم ہو کیا جائے تو نیت

واقف معلوم کرنا ضروری ہے اگر وہ زندہ ہے تو خود اپنا مفہوم ظاہر کرے گا۔ اگر واقف کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کی نیت اس کی منشاء کی نوعیت سے اخذ کی جائے گی جس غرض سے وقف کیا گیا ہے یا بر بناء حالات متعلقہ مثلاً شیعہ کے مطابق ایک حبس یا ایک محدود وقف کا قیام جائز ہے پس اگر کوئی وقف کسی فرد کے حق میں کیا ہے تو وہ انعام یا وقف ہو گا اگر اس نے A کے حق میں حبس کیا ہے اور اس کے بعد غربا کے حق میں تو یہ وقف ہو گا یا کسی مسجد یا مفاد عامہ کی غایت کے لیے ہے تو یہ وقف ہو گا۔ کسی مسجد یا مفاد عامہ کی خاطر وقف خواہ کسی عبارت میں کیا جائے چونکہ اس کی نوعیت دائمی اور ابدی ہوتی ہے اس کا منشا وقف ہی ہوتا ہے مثل دوسرے لوازمات کے تشکیل وقف میں نیت ایک ضروری عنصر ہے اور ایسے شخص کا وقف جو غافل ہو یا مدہوش ہو یا سورہا ہو جائز نہیں ہے۔

جب کوئی وقف مختص افراد کے لیے جو بالغ اور رضامندی کے اہل ہوں کیا جائے تو فقہا کی رائے میں استفادہ کنندگان کو چاہئے کہ اس وقف کو تسلیم کرلیں۔ اس پر عام اتفاق رائے ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی وقف کسی نابالغ یا صغیر سن یا ایسے اشخاص کے لیے جو کسی وجہ سے اہل نہ ہوں یا ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا لوگوں کی بڑی جماعت کے لیے کیا جائے یا ایسی غرض کے لیے جس میں عام لوگوں کی دلچسپی ہو تو اس میں عوام کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا وقف جو مختص بالغ افراد کے لیے ہو جبکہ خود واقف قبضہ کی نوعیت تبدیل کردے منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

شیعہ قانون کے مطابق قبضہ تابع شرائط ضروری ہے

قبضہ (اقباض) جواز وقف کے لیے لازمی شرط ہے مگر یہ اصول ان شرائط کے تابع ہے جن کا حنفی قانون کے سلسلہ میں حوالہ آچکا ہے۔ یعنی واقعی تبدیل قبضہ ضروری نہیں ہے محض تعبیری انتقال کافی ہے۔ مثلاً واقف کے لیے جائز ہے کہ وہ خود کو متولی بنائے ایسی صورت میں ایک رسمی تبدیلی قبضہ ضروری ہے۔ پس اس اصول کا منشا دوسرے کو قبضہ منتقل کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس پر قبضہ بالاختیار خود کی نوعیت کو تبدیل کرتا ہے۔ اس مفہوم کے مطابق مفاتیح میں ہے کہ اگر واقف جائیداد موقوفہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھے اور قبضہ کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہ کرے تو وقف نافذ ہو گا۔ اگر کوئی وقف عوامی مقصد

کے لیے ہو تو کسی صریح قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ کسی ایک فرد کا بھی استعمال جواز وقف کے لیے کافی ہے۔

جواہر کے مطابق قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے۔ جبکہ نوعیت وقف اصلاً صدقہ یا امور خیر کے لیے عطیہ ہو۔ بعینہٖ مسجد یا کوئی عام قیام (بیت العامہ) کے وقف کی صورت میں محض قبضہ نہ دینے سے وقف منسوخ نہ ہوگا۔ اگر وقف نجی افراد کے حق میں جو بالغ ہوں کیا جائے تو متولی مقرر کر کے اس کو استفادہ کنندگان کے مفاد میں قبضہ دینا چاہیۓ یا اگر اس پر واقف کا قبضہ ہے تو واضح طور پر یہ قبضہ بطور ایک متولی ہونا چاہیۓ۔

اگر واقف کے نابالغ بچوں کے حق میں وقف کیا جائے تو انتقال قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ قانون ایک باپ کے قبضہ کو نابالغان کی جانب سے متولی کا قبضہ قیاس کرتا ہے۔ یہی صورت غربا کے حق میں وقف کی ہے۔

اقباض یا قبضہ دہانی

میں نے اس سے پہلے باب میں اقباض کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ میرے لئے یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اقباض کی حالت میں واقعی قبضہ دہانی ضروری نہیں ہے محض اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ واقف نے جائیداد موقوفہ سے اپنا حق مالکانہ علیحدہ کر دیا ہے۔ اگر جائیداد غیر منقولہ ہے تو دستاویزات ملکیت کی سپردگی سے ضروریات قانون کی تکمیل ہو جائے گی۔ اگر یہ کوئی مکان ہے تو اسکی کنجی سپرد کرنا یا اگر محفوظ سرکاری تمسکات ہیں تو ان کی بینک کی رسید سپرد کرنا یا اگر یہ کوئی کاروبار ہے تو کاروبار کے کھاتوں میں اندراج انتقال مثل ہبہ انتقال قبضہ کے لیے کافی ہے۔

انتقال قبضہ

تکمیل وقف کی تمام ضروری شرائط پوری ہو جانے پر وقف قطعی (بشرطیکہ بحالت صحت کیا جائے) ہو جاتا ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ پر بقول مصنف جواہر الکلام ابو حنیفہ کا ہم سے اختلاف ہے۔ حالانکہ ان کے شاگرد ابو یوسف نے بغداد پہونچنے پر ان سے بھی اختلاف کیا۔ اگر شئے موقوفہ پر قبضہ تبدیل ہو چکا ہے اور واقف کے قبضہ میں نہیں ہے یا استفادہ کنندگان یا ان کی جانب سے متولیان کے قبضے میں ہے تو

واقف نہ اس کو منسوخ کر سکتا ہے اور نہ وقف کی شرائط میں تبدیلی کر سکتا ہے اور نہ راہ خدا میں وقف ہونے کے بعد اسے واپس لے سکتا ہے اور نہ وہ اغراض جن کے لیے وقف ہے ان میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

اگر وقف نا بالغ بچوں کے لیے ہے تو یہ قابل تنسیخ ہے خواہ قبضہ میں کوئی تبدیلی نہ ہو یہ تمام اوقاف مابین زندہ اشخاص کے ہوتے ہیں۔ ایک وقف بالوصیت جو کہ موصی کی موت کے بعد قابل نفاذ ہو وہ قابل تنسیخ ہے۔

بمقدمہ آغا علی خان جسٹس محمود نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ایسا وقف جائز اور موثر نہیں ہے تاوقتیکہ واقف نے حین حیات خود قبضہ منتقل نہ کر دیا ہو۔

دستاویزی وقف کا نتیجہ

جائیداد موقوفہ کے دستاویزی وقف کے بارہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب تک موصی کی حین حیات جائیداد موقوفہ پر قبضہ نہ دیا جائے اور ورثا کی اجازت نہ ہو تو یہ کلیتاً غیر موثر ہوتا ہے۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس نظریہ کو قانون کی محدود تعبیر کی بنا پر بمقدمہ باقر علی خان بنام منظور آرا بیگم .جان پریوی کونسل نے تسلیم نہیں کیا۔ مقدمہ مذکور میں یہ طے کیا گیا تھا کہ شیعہ قانون کے مطابق ایک جائز وقف بر بنائے وصیت نہیں ہو سکتا۔ مقدمہ محمد احسن بنام عمر دراز الہ آباد ہائی کورٹ نے طے کیا کہ ایسا وقف جو کسی شیعہ نے بذریعہ وصیت کیا ہو اس بنا پر ناجائز نہیں ہو سکتا کہ یہ نہ قطعی اور نہ غیر مشروط ہے حتیٰ کہ چند شرائط کی بنا پر جن کی رو سے موصی کی حین حیات بچہ ہو جانے یا موصی وصیت شرائط کو منسوخ یا ترمیم کرنے کا اختیار اپنے لئے مختص کرلے تو یہ ناجائز نہیں ہوتا۔ مقدمہ مذکور میں موصی نے یہ قرار دیا تھا کہ جائیداد کی آمدنی اسکی بیوہ (جسے اس نے حقیت حین حیاتی دی تھی) کے انتقال کے بعد اغراض وقف پر صرف کی جائے۔ عدالت عالیہ نے طے کیا کہ وصیت کی شرائط سے صاف ظاہر ہے کہ اصل غرض وقف تھی۔ محض یہ امر کہ موصی کے انتقال پر جائیداد فوراً ہی متولیان پر منتقل نہیں ہوتی اور یہ کہ بیوہ کی حقیت حین حیات کی بنا پر بطور وقف اس کا استعمال ملتوی رہا۔ اس سے وقف ناجائز نہیں ہوتا۔

مرض الموت میں وقف ورثا کی رضامندی سے جائز ہے

ایسی صورت میں جب واقف مرض الموت میں مبتلا ہو اگر وقف کیا جائے اور اس کی نیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ قبضہ منتقل کرنا چاہتا ہے تو یہ کل وقف نافذ ہو گا بشر طیکہ اس کے ورثاء واقف کے موت کے قبل یا بعد اس پر رضامند ہوں ورنہ یہ وقف موصی کی جائیداد کے یک ثلث پر موثر ہو گا۔ اس لئے کہ وقف بھی مثل دیگر انتقالات مثل ہبہ و بیع ہے جو فوراً نافذ ہو جاتے ہیں۔ اگر جائیداد موقوفہ محض ۳/۱ حقیت پر مشتمل ہے تو تمام وقف جائز ہے ورنہ ترجیحاً دیگر شرائط نافذ ہوں گی۔ اگر وقف یک ثلث جائیداد کا نہ ہو۔

شرائع میں ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت مرض الموت کوئی وقف، ہبہ، عطیہ، بیع یا غلام کو آزاد کرتا ہے اور ان انتقالات کی ورثا اجازت نہیں دیتے تو یہ اس کی ملکیت کے ایک ثلث پر نافذ ہوں گے ورنہ تقدیم و تاخیر کے مطابق ان پر عمل ہو گا اور ان میں سے ہر ایک انتقال بالترتیب جائیداد کے ایک ثلث ۱/۳ پر نافذ ہو گا۔ اس سے زیادہ کا انتقال باطل ہو گا۔

آغا علی خان بنام سلطان علی خان

بمقدمہ آغا علی خان فاضل جج کی رائے میں مرض الموت میں کئے گئے وقف میں بھی قبضہ دہانی اسی طرح ضروری ہے جیسے کہ حالت صحت میں وقف کی صورت میں یہ نظر یہ محض استنباطی دلیل کی بنا پر تھا اس لیے کہ اسناد محولہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

اگر کسی شخص نے ہبہ یا کوئی وقف یا عطیہ مرض الموت میں کیا ہے تو ہر دو آرا میں صحیح رائے کے مطابق ایک ثلث تک ہی نافذ ہونا چاہئے۔ الا اس صورت میں کہ ورثا رضامند ہو گئے ہوں۔ یہی اصول وقف پر لاگو ہوتا ہے جب بحالت صحت وقف کیا جائے مگر قبضہ موت تک نہ ملا ہو۔

اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ مؤخر الذکر شرط پہلے حصے پر ہی لاگو ہوتی ہے بلکہ محض یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں نتیجہ یکساں ہے۔ اہل تشیع کے اعظم المجتہد شیخ جعفر نے اہل سنت واہل تشیع کے ایسے اوقاف کی تشکیل کے بارہ میں اس اختلاف کی

بابت جو مرض الموت میں کیے جائیں واضح کرتے ہوئے کہیں بھی اس امر کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ قبضہ دہانی نہ صرف ایک لازمی شرط ہے بلکہ ضروری امر واقف کی واضح نیت تشکیل وقف اور انتقال کی بابتہ ہے۔

وقف بالوصیت

کسی موصی کی اپنے ورثا یا وصی کو یہ ہدایت کہ موت کے بعد جملہ جائیداد وقف کر دی جائے یہ وقف بالوصیت کہلاتی ہے اور فوری انتقالات جائیداد کے درمیان یہ فرق ہے یعنی انتقالات ما بین زندہ یا ترکہ یعنی اول الذکر صورت میں جائیداد موجودہ میں ایک ثلث واجب ہوجاتا ہے اور ترکہ کی صورت میں موصی کے انتقال کے بعد حالت اصلی پر غور کرنا ہے اگر کسی وقف میں بہت سے ترکے ہوں اور یہ طے کرنا مشکل ہو کہ کون سی شرط کو اولیت دی جائے یعنی جب تمام شرائط ایک ہی درجہ کی اہمیت کی ہوں تو ایسی صورت میں شرائع کے مطابق تمام ہی شرائط کو نافذ کیا جائے اور محض وہ یک ثلث جس کے بارہ میں وقف موثر ہے تمام اغراض کے نافذ کرنے میں کام میں لایا جائے۔ کچھ جائیداد بطور ترکہ چھوڑ دی ہو اور ان میں سے بعض فرائض موصی کے لیے لازمی ہوں اور بعض اختیاری ان سب کو ہی نافذ کرنا چاہیے۔ بشرطیکہ اس مقصد کے لیے ایک ثلث کافی ہو۔ اگر ایک ثلث کافی نہ ہو اور ورثا بھی رضامند نہ ہوں تو موصی کے ذمگی فرائض عام جائیداد سے ادا ہوں گے ۔ اور دوسرے فرائض موصی کی اس جائیداد سے جو ایک ثلث سے بچ رہے ادا ہوں گے۔ اگر اس ترتیب میں بعض فرائض لازمی نوعیت کے نہ ہوں بلکہ اختیاری ہوں تو یہ بھی وصیت کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوں گے۔ موصی نے اگر اول حق فرائض کی ادئیگی طے کی ہو تو ابتدا ان سے ہی کرنا چاہیے حتی کہ ایک ثلث پورا ہو جائے۔

فصل دوم:۔ شرائط متعلق شئے موقوفہ

شیعہ قانون کے مطابق یہ لازمی ہے کہ

۱۔ شئے موقوفہ معلوم ہو۔ مختص بالیقین ہو اور غیر یقینی نہ ہو۔

۲۔ اس کی نوعیت دائمی فائدہ پر مشتمل ہو۔ بقول شرائع اس سے منافع حاصل

ہو سکیں یعنی اصل شئے کے ضائع ہوئے بغیر منافع حاصل ہو سکیں۔
۳۔ ایک متولی سے دوسرے متولی کو منتقل ہو سکے۔ جواہر الکلام میں یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے۔
۴۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جائیداد وقف کی گئی ہو۔

قدیم نظریات

قدیم فقہا کے نزدیک کسی بھی شئے کا وقف جو بہ شکلِ جنس نہ ہو جائز نہ تھا یعنی کسی شخص کو قابل ادائیگی قرضے کا وقف جائز نہ تھا اس لئے کہ ان کی رائے میں قرضہ کی بصورت جنس کوئی حیثیت نہ تھی۔

شئے موقوفہ

ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایسی شئے کا وقف جس سے بلا صرف کئے کوئی فائدہ نہ ہونا جائز تھا۔ فائدہ برائے فائدہ کے استدلال پر وقف کے ناقابل سمجھا گیا۔ لیکن جیسا بعد میں آئے گا وہ نظریات جن پر قدیم آرا مبنی تھیں وہ بڑی حد تک صنعت و حرفت کی کثرت اور ترقی تجارت کی بنا پر بدل گئے ہیں۔

مشاہدہ کرنے والا قاری یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا کہ موضوع زیر بحث پر حنفی و شیعہ فقہ میں قریبی مماثلت ہے۔ حنفی فقہا متقدمین جائیدادہائے منقولہ کے اوقاف سوائے ان کے جو برنبائے رواج ہوں ناجائز قرار دیتے ہیں اس لیے کہ ان میں کوئی استحکام نہیں ہوتا نیز اس لیے کہ دوران استعمال ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ تاہم شیعہ فقہا حنفی فقہا سے ایک اعتبار سے آگے ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق کسی بھی شئے کا وقف جس کے استعمال سے جائز طور پر فائدہ ہو سکتا ہو اس شئے کے "عین" کو قائم رکھتے ہوئے جائز ہے۔ پس ایک تربیت یافتہ کتے اور بلی کا وقف بھی ان سے فائدہ کے امکان کی بنا پر جائز تھا اس اصول کی وجہ سے یہ طے کیا گیا ہے کہ نہ محض زمین و مکانات کا وقف بلکہ کپڑے۔ زیورات۔ فرنیچر اور قانونی دستاویزات کا وقف بھی جائز ہے۔ جواہر میں تو اس حد تک ہے کہ اگرچہ غذا اور مثل ایسی ہی دوسری چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ دوران استعمال صرف ہوجاتی ہیں مگر نقشے یا عام طور پر دوسرے پھلوں۔

قندیل۔ فرش وغیرہ کا وقف بھی رواج زمانہ کے مطابق جائز ہے۔

قرضوں کا وقف

قرضوں کے جواز وقف کے متعلق انہوں نے اس طرح بحث کی ہے کہ غیر معین وقف اس لئے ناجائز ہے کہ اس کا تعین ہو سکتا ہے نہ نشان دہی۔ زر نقد کے سلسلے میں ان کے خیال میں "دوام" کا جزو مفقود ہے۔

جواہر الکلام میں اس موضوع پر کسی حد تک تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ آیا دینار ودرہم کا وقف جائز ہے یا نہیں۔ مگر بعض کی رائے میں یہ جائز نہیں ہے اور یہی متقدمین کی رائے کے مطابق ہے۔ مبسوط میں ہے کہ اس بارہ میں سوائے ان کے جواسے جائز سمجھتے ہیں کلی طور پر اتفاق ہے۔ مگر ایسے بہت کم ہیں۔ اس لئے کہ دینار اور درہم ختم ہو جاتے ہیں اور ان سے مزید کوئی فائدہ نہیں ہوتا مگر یہ خلاف اصول ہے۔ اس لئے کہ ایک وقف ہمیشہ قائم رہ کر اسکا منافع غریبوں اور دوسرے فلاحی کاموں میں صرف ہونا چاہئے۔ مگر جب کسی شئے کا منافع دائمی ہو جیسا کہ شہد کے چھتے کا تو یہ جائز ہے۔

اصول جدید

کتب فقہ کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہے کہ منافعوں اور روپیوں کا وقف جب وہ تجارت یا کاروبار میں دائماً استعمال ہوں اور ان سے مستقلاً منافعہ حاصل کیا جاسکے جائز ہے اور یہ ان اقوال سے ظاہر ہوگا جو اصول فقہ حنفی کے بارہ میں پہلے ہی بتائے گئے ہیں۔

یہ نظریہ سوسائٹی کے تبدیل شدہ حالات کے مطابق ہے۔ وہ اصول جس کی بنا پر مذہب شیعہ کے بیشتر متقدمین نے زر نقد یا منافع کے وقف کو ناجائز قرار دیا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ ایسی اشیا ہیں کہ ان میں کوئی استحکام اور دوام نہیں ہے یا جن مقاصد کے لیے کہ وقف کی گئی ہیں ان کے دوران استعمال ہی یہ سب ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب تجارت میں روپیہ لگایا جائے یا لگے ہوئے سرمائے سے منافعہ حاصل کیا جائے تو اس اعتراض کا وزن ختم ہو جاتا ہے اس لئے فقہا دور جدید نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک متعین اور مختص وقف کو جائز تسلیم کیا ہے۔

شئے موقوفہ مختص یا قابل شناخت ہونا چاہئے

شئے موقوفہ خاص طور پر متعین ہونا چاہئے اس لئے کہ کسی شخص کا محض یہ کہنا کہ اس نے مکان یا کوئی عمارت وقف کی ہے جائز نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ یہ مختص نہ کرے کہ اس کا منشا کس مکان سے ہے۔ لیکن اگر شئے موقوفہ صریحاً مختص نہ ہو مگر بعد جانچ متعین کی جاسکے تو یہ وقف جائز ہوگا۔

وقف کے لیے لازمی شرط ہے کہ شئے موقوفہ واقف کی ملکیت ہو ورنہ وقف ناجائز ہوگا۔ اگر کسی دوسرے کی مملوکہ جائیداد وقف کی جائے تو اصل مالک کی توثیق پر جائز ہے۔

وقف شئے جائز ہے

وقف شئے یا کسی اور شئے میں غیر منقسم حصہ کا وقف جائز ہے جس پر مثل بیع قبضہ دیا جاسکتا ہو۔

فصل سوم :۔ واقف سے متعلق شرائط

واقف سے متعلق شرائط

واقف کا بالغ ہونا بھی شرط ضروری ہے تاکہ اس کو پورا ادراک ہو کہ وہ اپنی جائیداد کا معاملہ کرسکے۔ یعنی کسی عدم اہلیت کی بنا پر وہ ممنوع نہ ہونا چاہئے۔ مصنف جواہر کا یہ خیال صحیح ہے کہ شرط ثانی شرط اول پر منحصر ہے اور شرح اما میں حبس کے لیے محض مکمل فہم ہی لازمی شرط ہے۔

تشکیل وقف بھی مثل ادئیگی عبادت کے ہے پس یک پاگل یا وہ بچہ جو بلوغ کو نہ پہونچا ہو ان پر عبادت کی ادئیگی لازم نہیں ہے۔ اس طرح اس کا وقف بھی ناجائز ہے وجہ یہ کہ وہ ضروری فہم جس سے وقف کی نوعیت اور اس کے نتیجہ کا ادراک ہوسکے اس میں مفقود ہے اس مسئلہ کے بارہ میں وہ لڑکا جس نے کہ بہت ہی جلد مثلاً دس سال میں ہی بلوغ حاصل کرلیا ہو قیاساً اس کا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ قانون پندرہ سال کی عمر تک فہم کا قیاس نہیں کرسکتا۔

واقف نگرانی وقف اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے

ایک واقف انتظام وقف اپنے اختیار میں رکھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے مگر ایسی شرط جس سے کہ واقف وقف کو منسوخ یا ناجائز قرار دے سکے صحیح اور جائز نہیں ہے اور نہ کوئی واقف ایک بار متولی مقرر کرنے کے بعد اس کی علیحدگی یا بحالی کا اختیار اپنے لئے مختص کر سکتا ہے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ناظر یا پریسیڈنٹ ایک دیانت دار شخص ہو تاکہ فرائض کی انجام دہی سے واقف ہو۔ اگر واقف نا اہل یا بدنیت ہے یا معاملات وقف میں غفلت برتتا ہے یعنی وقف میں بدعنوانی کا مرتکب ہو تو اسے علیحدہ کر دینا چاہئے۔ یا کسی دیگر شخص کو اگر واقف نے وقف کی نگرانی کے لیے کسی کو مقرر نہ کیا ہو تو امین کے تقرر کا اختیار استفادہ کنندگان پر منتقل ہو تا ہے۔ اگر وقف مختص اشخاص کے لیے ہو تو وہ اپنی جانب سے متولی مقرر کر سکتے ہیں لیکن اگر وقف مفاد عام یا راہ خدا یا مختلف النوع اشخاص کے لیے ہو تو حاکم شرع تقرر متولی کا مجاز ہے۔

فصل چہارم :۔ موقوف الیہ اور مامور لہ کے متعلق شرائط

موقوف الیہ کے متعلق چار شرائط ہیں

موقوف الیہم یا استفادہ کنندگان

۱۔ موقوف الیہ موجود ہونا چاہئے

۲۔ موقوف الیہ ملکیت جائیداد کا اہل ہونا چاہئے

۳۔ موقوف الیہ مختص ہونا چاہئے

۴۔ موقوف الیہ ایسا شخص ہونا چاہئے جس کے حق میں وقف کرنا جائز ہو

شرائط متعلق موقوف الیہم یا استفادہ کنندگان

متذکرہ شرائط کے پیش نظر اگر ایسے شخص کے لیے وقف کیا جائے جس کا وجود ہی نہ ہو مثلاً ایک بچہ جو پیدا ہونے والا ہو یا ایسی جنین جو ماں کے رحم سے اس وقت تک علیحدہ نہ ہوئی ہو تو وقف جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایسے شخص کے حق میں جو جانشین کے

طور پر ہو اور موجود ہو تو وقف جائز ہو گا۔

اس عبارت کے بارے میں شرح جواہر دلچسپ اور اس موضوع پر شیخ (مصنف مبسوط) کی رائے اہم ہیں۔ اگر کوئی ابتدا میں ہی ایک غیر موجود شخص کے حق میں وقف کرتا ہے تو شرائع کے مطابق جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے بچے کے لیے جو عنقریب پیدا ہونے والا ہے یا اس جنین کے لیے جو کہ ماں کے پیٹ سے جدا نہ ہوا ہو تو یا وہ شخص جو موجود ہو اور اس کے حق میں میراث چھوڑتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اور تقسیم وراثت کے وقت وہ اپنے حصے کا مستحق ہے تاہم وقف جائز نہیں ہے۔ یہ غالباً اس بنا پر کہ وہ جائیداد پر قبضہ کا اہل نہیں ہے لیکن اگر ایک غیر موجود مقصد جو موجود مقصد کی جگہ لینے والا ہو اور اس کے شریک منافع کے طور پر وقف کیا جائے تو جائز ہے۔

ایک غیر موجود وقف کی ابتدا

اگر کوئی شخص اول غیر موجود مقصد اور ما بعد موجود مقصد کے لیے وقف کرے تو اس کے تعین کے مطابق مقصد موجود کے لیے وقف جائز ہو گا۔ اور غیر موجود مقصد کے لیے ناجائز ہو گا۔ مثلاً اگر ایک غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں اور اس کے بعد موجودہ بچوں یا غربا کے حق میں وقف کیا جائے تو مؤخرالذکر کے لیے وقف ایک غیر موجود وقف کی ناجوازی موجود مقصد کے حق میں وقف پر عمل کو تیز بہ تیز کر دیتی ہے۔

جواہر الکلام کے مطابق عظیم فقیہ یحییٰ ابن موئید کی بھی یہی رائے ہے اور بظاہر وہی علما کی بڑی جماعت کی رائے سے مطابق ہے۔ مگر ایک شخص موجودہ مقصد کے لیے وقف کر سکتا ہے اور اس کی یہ شرط جائز ہو گی کہ اس کا منافعہ کسی دوسرے شخص کے وجود میں آنے پر اس کو یا ان کو بھی ملے۔

مثلاً کوئی بھی شخص اگر بوقت وقف اس کے بچے نہ ہوں جائز طور پر اس شرط کے ساتھ وقف کر سکتا ہے کہ اس کے بچے ہونے کی صورت میں وقف اس کی آل کے لیے ہو گا۔ ایسی صورت میں جس لمحہ کہ بچہ پیدا ہوا ہو وقف A سے علیحدہ ہو جائے گا اور اس کا منافعہ ان بچوں کے کام آئے گا۔ قانون کا یہ منشا ہے کہ وقف کا آغاز موجودہ مقصد سے ہونا چاہیے خواہ بعد ازاں وہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی غیر موجود مقاصد کے لیے وقف

رہے۔ جیسا کہ معلوم ہوگا سنّی قانون مختلف ہے اس کی رو سے ایک وقف غیر موجودہ مقصد سے شروع ہوتا ہے اور جب تک یہ وجود میں نہ آئے وقف غربا کے کام آئے گا۔

آل کے حق میں وقف مصالح کے لیے جائز ہے

مندرجہ بالا صراحت سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ کسی کی اولاد یا بچوں کے حق میں وقف قطعاً جائز ہے۔

مصالح عامہ یا امور فلاح عامہ یا عام امور خیر یا عام نوعیت کے اغراض خیر کے لیے وقف جائز ہے۔ ایک وقف جو اصلاً تمام مسلمانوں کے لیے خواہ اس سے محض چند افراد ہی مستفید ہوں مثلاً پل یا مساجد کی تعمیر یا مرمت کے مصارف میں یا مردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے خواہ اس کے فوائد سے ایک محدود تعداد بیک وقت استفادہ کر سکے خواہ ایسے مختص افراد (جن کے استفادہ کے لیے وقف ہو) کے حوالہ نہ ہو تب بھی وقف جائز ہوگا اس لئے کہ تمام مخلوق خدا اس وقف سے استفادہ کر سکتی ہے۔ پس ایسا وقف جس کا مقصد عوام کی فائدہ رسانی ہو مثلاً مدرسے یا کالج کے لیے وقف یا لائبریری کے لیے کتابوں کا وقف اس کی جائز مثالیں ہیں۔

حربی کے حق میں وقف ناجائز ہے

ایک مسلمان بیرونی دشمن کے لیے خواہ اس سے خون کا رشتہ ہو وقف نہیں کر سکتا لیکن وہ ایک ہی فرمانروا کے تحت کسی غیر مسلم رعایا کے فرد (ذمی) کے لیے خواہ عزیز ہو یا غیر وقف کر سکتا ہے۔ چونکہ ایک انسان مہربانی یا سلوک خیر سے صراط مستقیم پر آمادہ ہو سکتا ہے اسی لئے ذمی کے حق میں وقف جائز ہے۔ اس کو صدقہ یا عطیہ دینا جائز ہے اس کی تائید میں ایک مثال آنحضرت صلعم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ کی ہے جنھوں نے اپنے بھائی کے لیے جو یہودی تھے وقف کیا تھا۔ اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ ایک مسلمان کسی گرجا یا یہودیوں یا غیر مسلموں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کرے جو اشاعت الحاد میں مد ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے لیے ممنوع اور ناجائز ہے۔ ایک ذمی غیر مسلم عبادت گاہ کے لیے وقف کر سکتا ہے ایک مسلمان بھی ذمیوں کے استفادہ کے لیے ان مقاصد کی خاطر جو مسلم قانون کے تحت جائز ہیں وقف کر سکتا ہے مثلاً ان کے مکانوں کی مرمت

شفاخانوں یا پناہ گاہوں وغیرہ کی تعمیرات اور اسی طرح ایک غیرمسلم مسلمانوں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کر سکتا ہے۔

مقاصد معاصی کے لیے وقف ناجائز

شاہ راہ کے ڈاکوؤں یا شراب نوشوں کے لیے وقف ناجائز ہے اسی طرح توریت و انجیل کی نقل کے لیے بھی وقف ناجائز ہے اسی لئے کہ اصلاً وہ اب تبدیل اور مسخ ہو چکی ہیں مگر وہ اوقاف جو کسی ملحد نے کئے ہوں تو جائز ہیں مگر وہ جو باعث گناہ ہوں ناجائز ہیں۔

غربا کے لیے وقف

اگر کوئی مسلمان غربا کے لیے وقف کرے تو یہ اصلاً غربا کے کام آئے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان نہیں ہے تو دوسرے غربا کے کام آئے گا لیکن کسی غیرمسلم کا کیا ہوا وقف جو عام غربا کیلئے ہو بلا امتیاز مذہب اس کے پڑوس کے غربا کے کام آئے گا۔

عام مسلمانوں کے حق میں وقف

اگر کوئی وقف عام مسلمانوں کے لیے کیا جائے تو وہ تمام قوانین اسلام کے مطابق ہوگا اس میں مسلم خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ لفظ "مسلم" کے استعمال سے وہ خارج ہیں جو کہ پیرو اسلام نہیں ہیں۔ ان مومنوں کے حق میں وقف (جن کا ایمان پر صحیح عقیدہ ہے) دوازدہ (۱۲) اماموں کے پیروؤں کے مفاد میں استعمال ہوگا۔ ایک وقف جو عام مومنوں کے مفاد میں ہو انہی مقاصد میں کام آئے گا جو ان کے لیے فائدہ رساں ہو۔

اگر وقف شیعوں کے لیے ہے تو حالیہ رواج کے مطابق نو امامیوں کے مفاد میں بھی استعمال ہوگا اسی طرح شیعوں میں حروریہ، اسماعیلیہ، اور زیدیہ شامل ہیں۔

جہاں کہیں موقوف الیہ (جس کے لیے وقف کیا جائے) کا حوالہ کسی خاص رشتے سے ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ تمام جو اس کے تحت آتے ہیں وقف کے مفاد میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔

اسی طرح جب زیدیوں کے لیے ہو تو اس میں وہ تمام جو زید (پسر علی ثانی) کی

امامت پر عقیدہ رکھتے ہیں شامل ہوں گے۔اسی طرح کسی خاص مورث سے تعلق یا رشتہ ظاہر ہو تو وہ تمام جو اپنے باپ کے تعلق سے سلسلہ اولاد میں آتے ہیں شامل ہوں گے۔ مثلاً ہاشمیوں میں وہ سب شامل ہوں گے جو ہاشم کی نسل میں ابو طالب حارث عباس اور ابو لہب کے ذریعہ آتے ہیں۔ اور طالبوں میں ابو طالب کی تمام نسل والے (جن پر خدا کی رحمت ہو) ذکور واناث ہر دو شامل ہوں گے۔ اور اس میں وہ بھی شریک ہیں جن کا ان کے باپ کی طرف سے برنبا رواج تعلق ہے گو اس مسئلہ پر کچھ اختلاف رائے ہے۔

اگر کوئی غیر معینہ آدمیوں کے طبقہ کے لیے مثل بنی تمیم وقف کرے تو صحیح رائے کے مطابق جائز ہے اور ان میں سے جو بھی مل سکے اس کے لیے جائز ہے۔

پڑوسیوں کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص پڑوسیوں (جیران) کے لیے وقف کرے تو حسب رواج کون کون سے پڑوسی شامل ہونگے۔اس کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے۔ بعض کے نزدیک ہر وہ شخص جس کا مکان ۴۰ کلو میٹر کے اندر ہو پڑوسی ہے اور اس قول کی تائید بھی ہے۔ بعض کی رائے میں مکان واقف کے ہر دو جانب چالیس مکانوں کے مکین شامل ہیں مگر اب یہ رائے ترک کر دی گئی ہے۔

مصالح کے حق میں وقف

مثلاً اگر کوئی شخص مصالح یا مفاد عامہ کے لیے وقف کرے مگر اصل غایت فوت ہو جانے پر وقف کے اصول مسلمہ کے مطابق کسی مستحق یا امر خیر کے کام آئے گا۔ تاہم یہ بہتر ہو گا کہ اس کا منشا واقف کے مطابق استعمال کیا جائے۔ پس ایک مسجد کے لیے وقف (بشرطیکہ مسجد نہ رہے) دوسری مسجد کے کام آسکتا ہے۔ اسی طرح ایک مدرسہ کا وقف دوسرے مدرسے کے کام آسکتا ہے۔ غایت صراحتاً واقف کی نیت کے مطابق ہونا چاہئے۔

اگر ایک وقف بلا اختصاص غایت کسی اچھی غرض کے لیے کیا جائے تو یہ کسی بھی اچھی غرض کے لیے جو قربت خداوندی کا ذریعہ بنے کام آسکتا ہے۔

شرح منیہ میں ہے کہ اگر راہ خدا میں کوئی شخص وقف کرے تو یہ کسی بھی

مقصد کے لیے جس سے قربت خداوندی حاصل ہو استعمال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح راہ خدا سے مطلب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور انعامات ہیں۔ اس کا منشا ہے حاجت مندوں کی مدد۔ مساجد کی تعمیر سڑکوں کی مرمت۔ مردوں کے لیے کفن کا انتظام اور ہر وہ چیز جو خیر و برکت کا سبب ہو بعض کے نزدیک جہاد اور بعض کے نزدیک حج اور عمرہ کے مساوی ہے لیکن پہلی رائے صحیح ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امر خیر یا راہ ثواب کے لیے وقف کرے تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اور اس سے علیحدہ علیحدہ دو معنی اختیار نہ کرنا چاہئیں۔

بعض فقہا کے مطابق امر خیر سے منشاء یہ ہے کہ غرباء اور ناداروں کے باب میں ابتداء اپنے غریب رشتہ داروں سے کرنا چاہیے۔ امر خیر میں غرباء نادار مسافر اور وہ مقروض ہیں جو امر خیر کی انجام دہی میں مقروض ہو گئے ہوں۔ اس میں غلاموں کو فدیہ دیکر چھڑانا بھی شامل ہے مگر واقف کی نیت کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیے۔

عام امور خیر کے لیے وقف

اگر کوئی شخص بلا تعین اغراض خیر عام امور خیر کے لیے وقف کرتا ہے تو منافعہ ان تمام اغراض پر جن سے کہ قربت خداوندی حاصل ہو سکے صرف ہوگا۔ مثلاً طلبا کو نفع رسانی مساجد۔ مدرسے۔ پل وغیرہ کی تعمیر اور حجاج کی مدد، مردوں کے لیے فراہمی کفن اور مسلمانوں کی عام فلاح پر خرچ کی اجازت ہے۔

جواہر میں اصول اس طرح ہے اگر کوئی شخص مصالح عامہ جیسے مسجد پل وغیرہ نوعیت کے مقاصد کے لیے وقف کرے مگر جس کے لیے وقف کرے وہ تمام نشانات بھی معدوم اور مفقود ہو چکے ہوں تو ایسی صورت جائیداد وقف کی آمدنی عام امور خیر پر صرف ہوگی تاہم اس مقصد کو ترجیح ہوگی جو کہ ابتدائی غایت وقف کے قریب تر ہو۔

اصول۔۔۔(غایت وقف سے قریب تر نوعیت کا وقف)

شیعہ قانون بھی حنفی قانون کے مطابق کہیں زیادہ وسیع تعبیر کا حامل ہے جس کی اس تفصیل سے بخوبی وضاحت ہوگی۔ اگر کوئی شخص عام اغراض خیر کے لیے وقف کرے تو وہ بلا اختلاف رائے غربا نادار اور ان تمام مستحسن افعال و اغراض پر صرف ہوگا جو

ہد یہ خیر کی رو سے قربت خداوندی کا ذریعہ بن سکے۔ مختصراً اس میں تمام امور خیر شامل ہیں جیسے کہ واقف کے رشتہ داروں غربا اور کمزوروں کی مدد مسلمانوں کی حالت کی ترقی میں اعانت اور فرائض حج جہاد وغیرہ کی ادائیگی۔

ابن جنید کا نظریہ

ابن جنید کے علاوہ زیادہ تر فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ ایسا وقف جس کی غایت صریحاً یا تعبیراً ظاہر نہ ہو باطل ہے۔ مگر ابن جنید کی رائے اس سے مختلف ہے۔ ان کی اور ان کے متبعین کی رائے میں وقف کی صورت میں اگر اس کے مستحقین کے نام نہ بتائے جائیں تو وقف اغراض برِو "احسان" کے کام آئے گی اگر کوئی شخص اپنی جائیداد راہ خدا میں صدقہ کرے (جو وقف کی دوسری صورت ہے) خواہ ان لوگوں کا جن کے لیے کہ صدقہ کیا گیا ہے حوالہ نہ ہو تاہم بالاجماع وہ ان ہی لوگوں کے کام آئے گا جنہیں خداوند تعالیٰ نے اس منصوصہ خیرات کا مستحق قرار دیا ہے (یعنی غربا نادار حاجت مند بے سہارا) اصلاً جنید کے نظریات دوسرے فقہا سے مختلف نہیں ہیں ان کی بھی یہی رائے ہے کہ کسی غایت خاص کا صریح حوالہ نہ ہونے کی صورت میں مگر عام اغراض مستحسن وخیر کے حوالے سے ہے تو ان اغراض میں صرف ہوگا جو عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے ہوں۔

غیر معینہ مقصد کے لیے وقف ناجائز ہے

غیر معینہ مقصد کے لیے وقف ناجائز ہے یعنی واقف نے دو مساجد میں سے ایک کے لیے یا دو امام باڑں میں سے ایک کے لیے وقف کیا ہو اور یہ تخصیص نہ ہو کہ وقف کس امام باڑہ یا مسجد کے لیے ہے تو باطل ہے۔

عام رشتے داروں کے حق میں وقف

اگر کوئی شخص اپنے بچوں بھائیوں یا عام رشتہ دار ذکور یا اناث قریب اور بعید کے لیے وقف کرے تو وہ مساویانہ حصے دار ہوں گے بشرطیکہ حصہ پانے والوں کی ترتیب مختص نہ کی گئی ہو۔ اگر واضح طور پر یہ درج نہ ہو کہ یہ ذکور کے لیے ہے تو حصص کی تقسیم مقررہ اصول کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر کوئی وقف ماموں اور چچا کے لیے ہو تو وہ مساویانہ

اس میں شریک ہوں گے۔

ایک ایسا وقف جو واقف کے نزدیک ترین اعزہ کے لیے ہو وہ اصلاً اس کے والدین، اولاد ان کے بعد بھائیوں ۔ بہنوں۔ اوران کی اولاد مع اخلاف اور ان کے معدم ہونے پر ان کے ماموں چچااور ان کی اولاد پر ہوگا۔ حنفی اصول کے مطابق ہی شیعہ فقہ میں بھی واقف کی ہدایت پر جہاں تک ممکن ہو بشرطیکہ وہ معصیت پر مبنی نہ ہوں عمل کرنا چاہئے۔ اگر شرائط ناقابل عمل ہوں تو حاکم شرع (قاضی) ضروریات وقت کے مطابق عمل کی ہدایت کر سکتا ہے۔

فصل پنجم:۔ صحت وقف کے لیے ضروری شرائط

صحت وقف چار ضروری شرائط پر مبنی ہے

۱۔ دائمی ہونا

۲۔ کسی امر سے مشروط نہ ہونا

۳۔ شئے موقوفہ پر قبضہ دینا مناسب تر الفاظ میں واقف کا حق ملکیت جائیداد پر ختم سے ہونا۔

۴۔ جائیداد سے واقف کا حق قطعی طور پر علیحدہ ہونا

دوام۔ عام نظریہ کے مطابق پہلی شرط یعنی کسی جائیداد کا دائماً بطور وقف نافذ ہونے سے منشا یہ ہے کہ وہ کسی ایسے مقصد یا مقاصد کے لیے ہو جن کو انفراداً یا عموماً دوام ہو۔ایک وقف عام مصالح یا امور فلاح عامہ یا عام اغراض خیر کے لیے کسی بھی خاص مقصد کے لیے جائز ہے بشرطیکہ وہ تمام نوع انسانی کے مفاد کے لیے بااعتبار نوعیت دائمی ہو جیسا کہ عام نوع انسانی کے مفاد کے مماثل ہو۔

ایک مقصد خیر اپنی جہت میں دائمی ہوتا ہے اس لیے کہ غرباء ہمیشہ ہی ہوتے ہیں دراصل بِر اوراحسان کی غایت دائمی وقف کے لیے کافی ہے۔ مثلاً مسجدوں یا امام باڑوں میں اجتماع کے لیے پانی یا شربت کی فراہمی یا عبادت گاہوں میں روشنی یا مدرسہ میں لائبریری کا قیام یا جہاد کربلا کے غریب سادات کی مدد یا محرابی پلوں یا دیگر مذہبی مقامات وغیرہ کی مرمت۔

آل کے حق میں وقف اور ان کے سقوط پر غربا کے حق میں وقف بالاجماع جائز ہے
اگر وقف ان مختص اغراض کے لیے کیا جائے جو معدوم ہو سکتی ہیں اور جن کا منشا انجام کار غربا یا کسی مقصد فلاح یا عبادت گاہ کے لیے ہو جیسے مسجد یا امام باڑہ تو وقف جائز ہے مثلاً اگر وقف واقف کی آل کے لے کیا گیا ہے اور اس کے سقوط کی صورت میں شرط ہو کہ اس سے حاصل شدہ فائدہ غربا کے لیے ہوگا یا کسی خاص مسجد میں صرف ہوگا تو ایسا وقف بلا اختلاف جائز ہے۔

اگر زید کے حق میں وقف ہو اور بلا اس صراحت کے وقف ہو کہ اس کے انتقال کے بعد کس طرح استعمال ہوگا اور نہ وقف کی آئندہ آمدنی کے استعمال کے لیے واقف کی نیت کا اظہار ہو تو اس صورت میں فقہا کی ایک جماعت کی رائے کے مطابق یہ وقف زید کی حین حیات موثر ہوگا اور اس کی موت پر عام مسلمہ اصول کے مطابق واقف یا اس کے ورثا پر جو بھی صورت ہو عود کرے گا۔

اسی طرح اگر وقف زید اور اس کی آل کے لیے تھا کسی دوسرے دائمی مقصد کا جس پر آمدنی صرف کی جائے حوالہ نہ ہو تو زید کی نسل ساقط ہونے پر ان کے حق میں یہ وقف بطور حبس نافذ ہو کر انہیں حقیت حین حیاتی حاصل ہوگی۔ زید کی آل ساقط ہونے پر یہ جائداد واقف کے ورثا پر عود کرے گی۔ فقہا کے دوسرے مکتب خیال کے مطابق باقی ماندہ آمدنی ہر صورت میں عام مقاصد خیر پر استعمال ہوگی اور اس بارہ میں فقہا ابو یوسف سے متفق ہیں۔

اگر کوئی جائیداد دو شخصوں کے لیے حبس ہو اور ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے تو پس ماندہ اپنی بقیہ حیات میں اس وقف سے استفادہ کرے گا۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ متوفی کا نصف حصہ واقف کو عود کرے گا مگر اول الذکر نظریہ زیادہ مستند ہے۔ ایسا وقف جو واقف کے لڑکے کے حق میں ایک سال یا اس کی حین حیات کے لیے کیا گیا ہو اور غربا پر عود کرنے والا ہو بالاتفاق بطور ایک دائمی وقف جائز ہے اگر کوئی شخص اپنے لڑکوں کے حق میں اس طرح وقف کرے کہ ایک سال محمود کے لیے اور اس کے بعد کے سال زید کے لیے اور اسی طرح ان کے بعد غربا اور ان کے بعد علماء کے لیے ایک

ایک سال کے لیے، مقدس لوگوں کے لیے دوسرے سال کے لیے اور ان کے مشائخ کے لیے تیسرے سال کے لیے تو ایسا وقف جائز ہے اور نافذ ہوگا۔

ایسا وقف جو کسی امر کے وقوع پر منحصر ہو۔

ایک ایسا وقف جس کا نفاذ مستقبل کے وقوعہ پر منحصر ہو شیعہ قانون کے تحت ناجائز ہے۔ شرائع میں یہ اصول ان الفاظ میں ہے کہ اگر کوئی وقف کسی خاص وقت کے لیے محدود ہو یا کسی مستقبل میں کسی خاص نوعیت کے وقوعہ پر منحصر ہو تو یہ باطل ہے۔ شرائع کا یہ اصول مفاتیح اور اسناد الاذہان میں بہت وضاحت سے ہے کہ نفاذ وقف بلا اختلاف رائے فوراً نافذ ہونا چاہئے اور مستقبل میں کسی امر کے وقوعہ پر منحصر نہ ہونا چاہئے تاوقتیکہ وہ وقوعہ یقینی اور مثبت نہ ہو۔

اسی طرح شمع لمحہ میں علاوہ شرائط متذکرہ وقف میں سے ایک ہے پس اگر واقف نے اس کو کسی امر کے وقوعہ یا امر مستقبل کے ساتھ مشروط کیا ہے تو یہ جائز ہے الا اس صورت میں جب کہ امر موقوعہ کا محض اصطلاحاً حوالہ ہو نہ کہ اصلاً اور واقف بھی اس امر سے باخبر ہو مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ اگر آج جمعہ ہے تو میں نے وقف کر دیا ہے اور دوسرے معاہدوں کے بارہ میں بھی ایسا ہی اصول ہے۔

مبسوط اور عنایہ میں یہ اصول قریب قریب انہی شرائط کے ساتھ ہے یعنی اگر کوئی وقف کسی غیر یقینی واقع پر منحصر ہو تو یہ ناجائز ہے۔

سیدہ بی بی بنام مغل خان

مقدمہ سیدہ بی بی بنام مغل خان عدالت عالیہ الہ آباد نے اس اصول کو اس کی انتہائی صورت میں نافذ کیا ہے۔ شیعہ عقیدہ کے پیرو مسلمان نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کا نفاذ تاریخ رجسٹری وقف نامہ سے تھا مگر فاضل ججان نے وقف نامہ مذکورہ شیعہ اصول فقہ کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ طے کیا کہ۔

بمقدمہ حامد علی خان بنام مجاور حسین خان سے ظاہر ہے کہ ایک شیعہ عقیدہ کے مسلمان نے دستاویز وقف تحریر کی جس کی رو سے جائیدادوں حضرت امام حسین علیہ السلام کو وقف کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ حین حیات خود اس کا وہی متولی و مالک رہے گا۔ نیز یہ

کہ جائیداد موقوفہ کے انتظام کے لیے اختیارات کی وضاحت یا تفصیل تحریر ہوئی اور مدات کی وضاحت باتفصیل درج ہوگی۔ میری موت کے بعد اس پر عمل کیا جائے۔ متذکرہ وصیت نامہ بھی اسی روز تحریر ہوکر طریقہ کار کے بعض اصول منضبط کئے گئے۔

شیعہ قانون کے تحت قبضہ

ایک دعویٰ بعض اشخاص نے مدعا علیہ ۲ کے خلاف نوعیت سے علیحدگی نیز اس امر کے استقرار کی بابت کہ اس کے خلاف کارروائی اجرا میں جائیداد قابل بیع نہیں تھی۔ عدالت ابتدائی نے طے کیا کہ وقف جائز ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔ اپیل میں عدالت عالیہ کے فاضل ججان نے قدرے مختلف وجوہات کی بنا پر وہی رائے قائم رکھی۔ فاضل چیف جسٹس کی رائے یہ تھی حسب شیعہ قانون یہ وقف نامہ جائیداد ایک مکمل وقف تھا اس لیے کہ واقف کا منشا بوقت تحریر وقف نامہ جائیداد کو وقف کرنے اور بطور متولی اس پر قبضہ حاصل کرنے کا تھا تاہم وقف نامہ میں کوئی اغراض واقعی نہیں تھیں جن کی بنا پر وہ قبضہ لیتا۔ نیز وقف نامے کا بھی یہ منشا نہیں ہے کہ فیاض علی کی موت تک اس کو نافذ کیا جائے۔ اگرچہ بعض جہت سے وہ مابین زندہ اشخاص انتقال جائیداد تھا۔ مگر اس کے برعکس فاضل جج نے یہ طے کیا کہ وقف نامہ سے پہلے حصے کی شرائط کے مطابق یہ وقف جائز اور مکمل ہے اور بطور وقف نامہ موثر ہے۔ مگر چونکہ اس پر کبھی عمل نہیں ہوا اس لئے اس کے تحت وقف ناجائز ہوگا۔

فصل ششم :۔ مفاد واقف کی علاحدگی

مفاد واقف کی علاحدگی

اس موضوع پر اہل تشیع کو احناف کے مسلمہ اصولوں سے اختلاف ہے اور اہل تشیع امام محمد کے نظریات سے بہت قریب ہیں۔ بقول شرائط جواز وقف کے لیے قبضہ شرط ہے پس اگر کوئی شخص بطور وقف بلا قبضہ دیئے انتقال کر جائے تو شئے موقوفہ اس کا ترکہ ہوگی۔ قبضہ کی نوعیت کا انحصار شئے موقوفہ اور اغراض وقف پر ہے اگر مختص افراد کے لیے وقف ہے اور وہ قبضہ لینے کے اہل ہوں تو قبضہ لینا ضروری ہے لیکن اس کا یہ

منشا نہیں ہے کہ قبضہ واقعتاً دیا جائے۔ بلکہ ضروری امر یہ ہے کہ حق ملکیت منتقل ہو۔ اگر متولی مقرر ہوا ہے تو جائیداد پر قبضہ لینا چاہئے۔ اور اگر واقف ہی متولی ہے تو اسے بطور متولی قبضہ لینا چاہئے۔

اگر ایک شخص محض نابالغ بچوں کے لیے وقف کرتا ہے تو اس کا قبضہ بچوں کی جانب سے سمجھا جائے گا یہی اصول دادا یا وہ شخص جس کی سرپرستی میں بچے ہوں، کے واقف ہونے کی صورت میں لاگو ہوگا۔ واقف کے وصی کا قبضہ قانوناً موثر قبضہ ہے۔

جب اغراض خیر یا عام نوع انسانی کی فلاح کے لیے وقف کیا جائے تو قبضہ ضروری نہیں ہے۔ شرائع کے مطابق اصول اس طرح ہے کہ جب وقف غربا یا فقرا کے لیے کیا جائے تو جائیداد کے حصول کے لیے کسی قسم کا تقرر ہونا ضروری ہے اور اگر وقف مصالحہ عامہ کے لیے ہو تو محض وقف کرنا کافی ہے اس حالت میں قبولیت کی شرط قطعاً غیر ضروری ہے۔ جہاں تک قبضہ کا تعلق ہے ناظر نگراں کا قبضہ کافی ہے۔ اگر ایک شخص مسجد یا عبادت گاہ کے لیے وقف کرے تو وہ موثر ہے خواہ اس میں ایک شخص عبادت کرے۔ اسی طرح اگر کوئی قبرستان کے لیے آراضی وقف کرے تو محض ایک نعش کے دفن ہونے سے ہی وقف موثر ہو جائے گا۔ لیکن اگر لوگ کسی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں یا زمین میں مردے دفن کرتے ہوں تاہم جائیداد مذکورہ سے حق ملکیت اس وقت ساقط ہوگا جب کہ وقف کا اعلان ہو کر جائیداد وقف کی جائے۔

اگر مقررہ الفاظ استعمال بھی کئے جائیں مگر نوعیت قبضہ تبدیل نہ ہو تب بھی وقف موثر نہ ہوگا۔

واقف کے نابالغ بچوں کے لیے وقف

جب واقف متولی ہو تو نگراں وقف (متولی) کا قبضہ کافی ہے۔

اگر واقف کے نابالغ بچوں کے لیے وقف ہو تو حق ملکیت کے انتقال کی ضرورت نہیں ہے واقف کا قبضہ ہی ان کی جانب سے قبضہ سمجھا جائے گا۔

شیعہ قانون کے مطابق اپنے حق میں وقف جائز نہیں ہے

شرط ۴ کے مطابق یہ دیکھنا ہے کہ اس موضوع پر شیعہ و سنی قانون میں نمایاں

فرق ہے۔ ابو یوسف کے مطابق واقف جائیداد موقوفہ میں حق خود محفوظ رکھنے اور اس سے استفادہ کا مستحق ہے۔ شیعہ قانون کے مطابق جواز وقف کے لیے ضروری ہے کہ خود واقف کا کوئی مفاد وقف نہ ہو۔ جواہر کے مطابق اگر ایک شخص اپنے لئے وقف کرتا ہے تو بلا اختلاف رائے وہ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ایسا وقف جو واقف سے شروع ہو یعنے اول واقف کے لیے اور اس کے بعد دوسرے کے لیے تو ناجائز ہوگا۔ اگرچہ مشائخ میں سے بعض نے محض اس کی ذات کے لیے وقف ناجائز قرار دیا ہے تو اول الذکر رائے عام طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وقف دوسرے کے لے اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ واقف کے قرضے اور رواں اخراجات اس سے ادا ہوں گے تو یہ جائز ہوگا۔

یہ ابوالحسن خلیفہ حضرت علیؓ کے جواب خط سے جو انہوں نے علی بن سلیمان کو لکھا تھا ظاہر ہے۔ علی بن سلیمان نے امام کو لکھا تھا کہ کیا میں آپ کو کچھ قربانی پیش کر سکتا ہوں میرے کوئی بچے نہیں ہیں اور میری نیت ہے کہ نادار سائلوں کے لیے وقف کردوں اس لیے کیا میں اپنی حین حیات استفادہ کر سکتا ہوں۔ جواب یہ تھا کہ تمہارا خط موصول ہو کر اس کے مفہوم سے آگاہی ہوئی۔ اگر تم اپنی آراضیات کو وقف کر کے ان میں اپنا حصہ بھی رکھنا ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر تمہارے ورثا ہیں تو اس صورت میں آراضی کو فروخت کر کے اسکی آمدنی کا ایک حصہ غربا میں تقسیم کردو اور ایک حصہ آراضی جو تمہاری حین حیات ضرورتوں کے لیے کافی ہو اپنے لئے مختص کرلو اور بقیہ وقف کردو۔

جامع الحسنات کے درج ذیل حصہ سے اس موضوع پر کافی روشنی ملتی ہے۔

سوال۔ اگر ایک شخص کسی جائیداد کو اس طرح وقف کرے کہ میں نے اس جائیداد کو دائماً وقف کیا ہے اور تا حین حیات خود اس کی تولیت اپنے لئے مختص کرلی ہے۔ اور میرے بعد سب سے بڑے اور لائق ترین بچہ میں بالترتیب نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ منتقل ہوتی رہے گی یہ بھی قرار دیتا ہوں کہ جائیداد موقوفہ کا منافع بعد ادائیگی ٹیکس اور مصارف وصولی یابی اپنی ضرورت پر صرف کرونگا اور میرے بعد کرایہ اور منافعوں سے ایک عشر بعد منہائی حاصل مصارف متولی بطور تنخواہ دیا جائے گا ماقی میرے بچوں میں تقسیم ہوگا لیکن میری لڑکیوں کا حصہ ان کے بچوں کو نہ ملے گا۔ کچھ عرصہ بعد واقف کا انتقال ہو گیا اس نے تین لڑکے اور پہلے مرنے والے لڑکوں کے لڑکے چھوڑے تو کیا

موخرالذکر کے پوتے اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

واقف کے مفاد کی علاحدگی

ایساوقف ابتداء سے ہی باطل ہے اس لئے کہ واقف نے حین حیات خود جائیداد میں منافع مختص کرلیا۔ جواز وقف کی شرائط میں سے ہے کہ واقف خود کو جائیداد موقوفہ سے بالکل علیحدہ کرے اس لئے جب اس نے اپنے لیے اور خواہ دوسرے مستحقین کے لیے بھی وقف کیا مگر یہ باطل ہے۔ واقف کا اپنے لئے وقف کرنا بالاجماع باطل ہے اور ماقبی/بھی اسی طرح باطل ہے۔ جواز وقف کے بارہ میں دوسروں کے دلائل کمزور ہیں۔ اسی طرح اگر وقف کی آمدنی سے روزمرہ کے مصارف یا قرضوں کی ادئیگی کی شرط ہے تو یہ ناجائز ہے۔

واقف کے بچوں اور آل کے حق میں وقف جائز ہے

اگر واقف کے متعلقین بچے اور اہل خاندان کے بسر اوقاف کی شرط جیسا کہ آنحضرت صلعم اور آپ کی صاحبزادی نے جن پر خداوند تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے کیا تھا جائز ہے اور اس سلسلہ میں گذارہ کے مستحق اور غیر مستحق یکساں ہیں۔ اور اسی طرح متولی ناظر کا وظیفہ یا بسر اوقات کی اجازت اور دوسروں کو کھانا مہیا کرنا جائز ہے۔

مسالک میں یہ واضح طور پر ہے کہ اگر واقف خود ہی متولی ہے تو متولی کی بسر اوقات کے لیے وقف جائز ہے۔ اور یہ بسر اوقات کا خرچ واقف کے گذارہ کے زمرہ میں نہیں آتا (مصنف کو اس بارے میں تامل ہے کہ آیا واقف اپنا گذارہ وقف سے اسی طرح کر سکتا ہے۔ اگر چہ یہ مسئلہ ہے تاہم اس مسئلے کے بارہ میں بہت اشکال ہیں اسی طرح اکثر واقف کے بحیثیت متولی جواز منافع پر معترض ہیں مثلاً اگر ایک شخص کچھ جائیداد بچوں کے حق میں وقف کرے تو اس کی حین حیات وہی متولی رہے گا اس کے مرنے کے بعد اس کے بچوں میں اہل ترین متولی رہے گا اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ منافع وقف سے برنبائے حق تولیت ۹/۱ اسے ملے گا اور محض ۲/۱ اس کے بچے پائیں گے اور اس کے بعد حق تولیت کی بنا پر اس کے بچوں میں ۲/۱ قابل ترین پائے گا۔ اور ماقبی مساویانہ تقسیم ہوگا۔ یہ مسلمہ طور پر واقف کے لیے جائز ہے کہ تا حین حیات خود متولی رہے اور آمدنی وقف

سے متولی اپنے اور دوسروں کے گذارے کی شرط بھی رکھ سکتا ہے۔ ہر دو کتب ہائے فقہ کے حوالہ سے ہمارے بعض فقہا نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر واقف نے متولی اور دوسروں کے لیے وقف سے گذارہ کی شرط رکھی ہو اور واقف خود ہی متولی ہو اس طرح بسر اوقات جائز ہے۔ بعض نے اس کے جواز پر شک کیا ہے پس متولی کا وقف سے گذارہ کا جواز منصب تولیت پر منحصر ہے نہ کہ واقف کے متولی ہونے پر اور فقہا اس پر متفق علیہ ہیں کہ جب عام طور پر متولی کے لیے معاوضہ مقرر ہوتا ہے تو واقف کے لیے جو خود متولی ہو اس قدر معاوضہ جو متولی کے لیے مناسب ہو جائز ہے۔

واقف، متولی کی حیثیت میں وہ الاؤنس لے سکتا ہے جو عام طور پر متولیوں کے لیے ہوتا ہے

لیکن ایسا کہیں نہیں ہے کہ اگر واقف ہی متولی ہو تو اپنی صواب دید کے مطابق جس قدر منافعہ چاہے وقف سے حاصل کرے۔ باالفاظ دیگر اسے کلی اختیار حاصل ہو جائے کہ زیادہ سے زیادہ منافعہ خود حاصل کرے اور مستحقین کو کچھ نہ دے۔

یہ بات وقف کی اس ضروری شرط کے متضاد ہے جس کی بنا پر واقف کا حق مالکانہ سے مکمل دستبردار ہونا ضروری ہے۔ تاہم اس پر یہ شرط عائد نہیں ہوتی کہ جس نے ناداروں کے لیے وقف کیا ہو اور خود نادار ہو گیا ہو علماء کے لیے وقف کیا ہوا اور وہ خود بھی عالم ہو ان صورتوں میں واقف وقف کے منافعوں سے مستفید ہونے کا مستحق ہوگا اس سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ بوقت وقف وہ فقیر یا عالم ہے یا بعد وقف ہوا اگر یہ شرط ہے کہ ناداری کی حالت میں ہی حصہ لے سکتا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ پس جب کوئی وقف جہت عامہ کیلئے ہو تو واقف جائز طور پر اس میں شریک ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک واقف اگر وہ خود متولی ہے تو عام طور پر متولیوں کا مقررہ الاونس لے سکتا ہے۔

جامع الثقات میں ایک دوسرا حوالہ ہے اور متذکرہ مسئلہ کے ساتھ ہی ساری توجہ کا مستحق ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ کس حد تک ایک واقف جائیداد موقوفہ سے منافع حاصل کر سکتا ہے۔

سوال (استفتاء) ایک شخص زید نے اپنی کسی جائیداد کے چھ دام اور اپنی مل کے

چھ دام وقف کئے اور ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کی توثیق اس کے ہم عصر مجتہدین نے کی جن کا انتقال ہو گیا۔ وقف نامہ کا مفہوم اس طرح ہے۔ وقف میں چار دام واقف کے ذکور بچوں کے مفاد کے لیے ہوں گے جو نسلاً بعد نسلٍ جاری رہیں گے۔ اگر ذکور بچوں میں سے کوئی نہ ہو تو دو دام، رجب، شعبان، رمضان کے مقدس مہینوں کے مصارف پر خرچ ہوں گے تاکہ ان مصارف کے اجر سے واقف کی روح کی مغفرت ہو اول دو ماہ میں پندرہ قرآن خوانوں کو ہدیہ پیش کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کلام پاک کے چار پاروں کی تلاوت کرے گا۔ اور اس کے بعد اس کی روح کے ایصال ثواب کے لیے روزے رکھے گا۔ اور نوافل پڑھے گا۔ واقف حین حیات خود بطور معاوضہ منصب تولیت ۲۱۹/۲۰ آمدنی لے گا اور ۲۰/۲ اس کے بچوں کو دی جائے گی اور اس کے بعد ۲۰/۲ متولی کو دی جائے گی اور بقیہ اس کے بچوں پر تقسیم ہو گی۔ مسئلہ یہ تھا کہ کیا ایسا وقف جائز ہے۔

جواب (استفتاء ہذا) کا جواب بلا تین امور کی وضاحت کے نہیں دیا جا سکتا اگر صرف وہی دستاویز جس کا خلاصہ اوپر دیا گیا ہے شرائط وقف کی شہادت ہے تو اس میں بہت سقم قانونی ہیں۔ بدیں وجہ دو داموں کا وقف بلا انتقال واقف موثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ آمدنی کا بطور وصیت استعمال صرف موت کے بعد ہی نافذ ہو سکتا ہے چونکہ واقف نے آمدنی کا استعمال اپنی موت کے بعد ایصال ثواب کی غرض سے قرآن خوانوں کی تواضع غربا کی شکم پری ادائیگی نماز وغیرہ کے لیے مقرر کیا ہے۔ لیکن وقف ما بین اشخاص زندہ کے نفاذ کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کا نفاذ فوراً ہو۔ بصورت موجودہ دو دام کا وقف موصی کی موت پر منحصر ہے۔ دراصل اس حصے سے استفادہ کا کوئی بھی مستحق نہیں ہے۔ تاوقتیکہ یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ اس سے خود واقف ہی مراد ہے۔ اس لئے یہ ناجائز ہو گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ دو دام کی آمدنی عام خیرات پر واقف کی موت کے واقع ہونے تک کام میں لی جائے اور اس کی موت پر قرآن خوانوں وغیرہ پر جیسا کہ اوپر آچکا ہے صرف کی جائے تو یہ خود وقف نامے کے صریحاً خلاف ہے پس یہ وقف صریحاً ناجائز ہے کہ خود اپنے لئے ہی کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اس شرط سے وقف کرے کہ آمدنی وقف سے قرضے ادا کئے جائیں تو یہ وقف ناجائز ہو گا لیکن اگر ایک واقف بعد فروخت جائیداد موقوفہ اس کی آمدنی

سے اپنے قرضے ادا کرے اور بقیہ آمدنی مذہبی یا خیراتی امور یا اغراض مذہبی کے لیے عمارت کی تعمیر جس میں ارکان مذہبی کی ادئیگی کی شرط ہو تو یہ وقف جائز ہوگا۔

ایک وقف اپنے حق میں اور غربا کے حق میں حاجی کلب حسین بنام محرم بی بی

اگر کوئی اپنے اور غربا کے حق کے لیے وقف کرے تو محض نصف جائیداد ہی جائز طور پر وقف ہوگی بقیہ نصف کا وقف جائز نہ ہوگا۔ مقدمہ حاجی کلب حسین بنام محرم بی بی عدالت عالیہ الہ آباد نے اس اصول کو نافذ کیا ہے اس مقدمہ کا فیصلہ اہم ہے بنا بر افادیت عام بہ تفصیل ذیل ہے

۱۸۵۱ء میں ایک خاتون مسماۃ صاجزادی نے بذریعہ وقف نامہ اپنے مملوکہ زر نقد اور جائیداد کو مذہبی و دیگر امور کے لیے درج ذیل طریقہ سے وقف کیا کہ تا حین حیات خود آمدنی کا ۲/۳ حصہ اپنی ضروریات کے لیے اور آمدنی کے بقیہ ۱/۳ کو پچاس حصوں میں تقسیم کیا ان میں سے بعض حصے تو اشخاص مندرجہ وقف نامہ کے لیے جن کے کچھ مذہبی فرائض تھے مختص کئے گئے اور بقیہ بعض مذہبی مراسم کی ادئیگی کے لیے مختص رکھے گئے۔ اس نے خود کو تو متولی قرار دیا اور یہ طے کیا کہ ۵ حصے متذکرہ اسکے دوران تولیت وقف رہیں گے۔اور یہ کہ نہ وہ نہ دیگر منتقل الیہ یا اس کے نمائندے اس امر کے مجاز ہوں گے کہ جائیداد موقوفہ کو منتقل کر سکیں۔اس نے یہ بھی قرار دیا کہ اسکے بعد (تولیت ختم ہونے پر) اس کے جانشین متولی کو لازم ہوگا کہ گورنمنٹ کے محاصل اور انتظام کے سلسلہ میں ضروری مصارف ادا کرنے کے بعد بقیہ آمدنی ۱۶۵ حصوں میں تقسیم کی جائے اور ۵۵ حصے متولی کے لیے رکھے جائیں اور باقی ماندہ اشخاص مندرجہ وقف نامہ کو بطور پنشن جو کہ مذہبی فرائض یا دیگر مختص اغراض مذہبی کی ادئیگی کے معاوضہ کے طور پر دیے جائیں۔اور یہ کہ شرائط وقف نامہ مذکور کی رو سے جائیداد کی آمدنی ۵۵ حصوں میں سے ایک حصہ مدعی کو دیا جائے۔واقف کی حین حیات عدالت عالیہ میں جواب دہ رہے اور یہ کہ ۱۶۵ حصوں میں سے واقف کی تولیت کے ختم ہونے پر دس حصے اس کے کو دیے جائیں اور اس کے انتقال پر اس کے ورثا کو اس شرط پر دیے جائیں کہ وہ مذہبی فرائض متذکرہ کو ادا کرتے رہیں۔

۱۸۷۲ء میں واقف کا انتقال ہوگیا جواب دہندہ نے وقف نامہ ۱۸۵۱ء کے مطابق حصص موقوفہ کی ادئیگی نہ ہونے پر متذکرہ الاونس حاصل کرنے کے لیے دعویٰ دائر کیا جو عدالت ہائے ماتحت نے ڈگری کردیا۔ اپیل خاص میں منجملہ دیگر امور کے یہ بھی عذر کیا گیا کہ جواب دہندہ کو دعویٰ دائر کرنے سے قبل حسب دفعہ ۱۸ ایکٹ ۲۰ ۱۸۶۳ء عدالت کی منظوری حاصل کرنا لازمی تھی۔

ان عذرات کا حوالہ دیتے ہوئے عدالت نے فیصلہ کیا کہ وقف مذکور کے مطابق اس صورت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت تھی جب کہ ایکٹ مذکورہ کے تحت دعویٰ دائر کیا گیا ہوتا۔ دعویٰ ہذا ایکٹ کے تحت دائر نہیں کیا گیا بلکہ جواب دہندہ نے دستاویز ۱۸۵۱ء سے پہلے (جو اس کے حق میں تحریر ہوئی تھی) بالراست مالی منافع حاصل کرنے کے لیے دعویٰ دائر کیا ہے۔ وہ ایکٹ جو دعویٰ دائر کرنے کے لیے ان اشخاص کو مجاز کرتا ہے جن کا حق دعویٰ ایکٹ ہذا کے دائرہ اختیار سے باہر مشتبہ ہو پس جواب دہندہ کو محض اس لئے حق دعویٰ سے محروم نہیں کیا جاسکتا جو انہیں ایکٹ ہذا سے جداگانہ طور پر حاصل ہوگیا۔ اور نہ انہیں دعویٰ کے لیے منظوری عدالت کی ضرورت ہے مزید یہ کہ ایکٹ میں ان بنیادی امور کا حوالہ ہے جو زیر ریگولیشن ۱۹ بابت ۱۸۱۰ء کے احکامات پر بوقت مفاد ایکٹ منطبق تھے۔ اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء جائیداد وقف کا انتظام گورنمنٹ کے افسر پر تفویض نہیں ہوا تھا اور بوقت نفاذ ایکٹ متولی کی نامزدگی نہ گورنمنٹ نہ پبلک افیسر کو تفویض ہوئی تھی اور نہ متولی کی نامزدگی گورنمنٹ یا پبلک افسر کی توثیق کے تابع تھی پس متولی کی نامزدگی بعض حالات میں پبلک افیسر میں تفویض ہوسکتی تھی مگر وہ حالات ہی پیش نہ آسکے اس لئے ہم اس عذر کو مسترد کرتے ہیں۔

فاضل ججان نے اس عذر کے بارہ میں اس طرح فیصلہ صادر کیا کہ یہ عذر کیا گیا ہے کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء فرقہ امامیہ کے اصولوں کے مطابق جائز وقف نہ تھا اس لئے کہ صاحبزادی بیگم تاریخ ہبہ ۱۸۶۷ء تک جائیداد پر بطور مالک قابض رہیں۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے جائیداد وقف سے اپنے لئے منافع مختص کرلیا تھا۔ مزید یہ کہ اس میں بھی آمدنی کا ۲/۳ حین حیات خود ضروری مصارف کے لیے مقرر کرلیا تھا۔ اہل تشیع کے اصول کے مطابق ایک جائز وقف کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ قطعی غیر مشروط ہو اور شئے

موقوفہ پر قبضہ دے دیا جائے۔اور واقف سے جائیداد کلیتاً علیحدہ کر لی جائے پس اصولاً ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ آیا جائیداد موقوفہ کا قبضہ دیدیا گیا تھا۔ قانون واقف کو متولی ہونے کا مجاز کرتا ہے اوراس لئے واقفہ نے خود کو متولی مقرر کیا اور بعد تحریر وقف نامہ ۱۸۵۱ءاس نے اپنے فعل سے ظاہر کیا کہ وہ جائیداد مندرجہ وقف نامہ پر بطور متولیہ قابض ہے۔پس ہم طے کرتے ہیں کہ حسب قانون شرائط قبضہ کی بابت کافی ثبوت ہے۔ بلکہ ہم س۲ر۲ جائیداد کے لیے یہ طے کرتے ہیں کہ وقف نامہ ۱۸۵۱ء کی بنا پر جائیداد وقف ناجائز ہے۔

اصول کا استثنیٰ

اگرچہ واقف کا اپنے لئے وقف کرنا جائز نہیں تاہم اگر وقف راہ خدا یا امر خیر یا مذہبی غرض کے لیے کیا گیا ہو تو یہ جائز ہے۔ مثلاً ایک مسجد کی صورت میں واقف کے لیے جائز ہے کہ اس سے استفادہ کرے یعنی اس مسجد میں نماز (عبادت) میں شامل ہو اور عبادت کرے اس طرح عوامی نوعیت کے کسی دوسرے وقف مثلاً پل یا مسافر خانے کی صورت میں باالفاظ دیگر ایک واقف ایک ادارے سے اسی طرح استفادہ کر سکتا ہے جیسے عوام کا کوئی اور فرد۔

ایک ایسے وقف کے جواز کے دوران جو عوامی نوعیت کا نہ ہو اور واقف بھی کسی حد تک اس کے افادہ میں تعبیراً شریک ہو تصفیہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا وقف نے اس مفاد کو عمداً اپنے لئے مختص کیا۔

وقف کے منافع میں واقف کی شرکت

بشرطیکہ واقف کا اپنے فائدہ کی غرض سے وقف کرنا ثابت نہ ہو تو جائز ہے یہ اگر کوئی واقف یہ شرط رکھے کہ بصورت ضرورت جائیداد اس پر عود کرے گی تو شرط جائز ہوگی مگر وقف باطل ہوگا اور یہ انتقال محض حبس کی صورت میں نافذ ہوگا اور جائیداد بصورت ضرورت اس کے مالک پر عود کرے گی لیکن ضرورت ایسی ہونا چاہیئے جو رسم ورواج کے مطابق جائز سمجھی جائے اور ایسی نہ ہو جو برائے نام ہی ضرورت کہی جاسکے۔جب جائیداد ایک بار واقف پر عود کرتی ہے تو ساتھ ہی حق انتقال بھی قائم ہو جاتا ہے اور اس کے انتقال پر جائیداد ورثا پر منتقل ہو جاتی ہے۔

واقف کی جائز شرائط

واقف کو کسی وقف میں اس شرط کے ساتھ اختیار کہ جس کو چاہے منافعہ وقف سے خارج کردے ناجائز ہے مگر نئے مستحقین کو اس میں شامل کرنے کی شرط (سوائے بچوں کے) جائز ہے۔

جب کوئی شخص عام طور پر اپنے بچوں کے لیے وقف کرے تو بعد وقف پیدا ہونے والے بچے بھی شامل ہونگے خواہ اس بابتہ صریح شرط نہ ہو۔ اگر کوئی وقف بچوں کے لیے کیا جائے اور ان کی جائیداد انہیں دے دی جائے تو بعد وقف جو بچے ہوں گے تاوقتیکہ صریحاً کوئی شرط نہ ہو شامل نہ ہو سکیں گے۔

اگر کسی نے اپنے خرد سال بچے کے حق میں کوئی وقف کیا ہو تو شرائط وقف میں واقف ایسی تبدیلی کا مجاز نہ ہوگا جس سے کہ بیرونی لوگ بھی مفاد میں شامل ہو سکیں۔ الا اس صورت میں کہ اس نے یہ اختیار صریحاً اپنے ہاتھ میں رکھا ہو۔

قبضہ

قبضہ موقوف الیہ کی جانب سے ہونا ضروری ہے اور قبضے کے تمام ملحقات ما بعد کارروائی میں ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ بتایا گیا ہے قطعی انتقال قبضہ ضروری نہیں ہے۔ فی الاصل نوعیت قبضہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ایک واقف بعد وقف بھی وقف کے متولی کی حیثیت سے قابض رہ سکتا ہے اور اس طرح کا قبضہ وقف کی حیثیت کی جہت قانونی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

چونکہ مامور کی جانب سے شرط قبضہ کے لیے جہت قبضہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے اس لئے تعبیری قبضہ کافی ہے۔ حنفی اصول کے مطابق اگر قبضہ پہلے ہی سے مامور یا متولی کے پاس ہے تو رسمی قبضہ دہانی کی ضرورت نہیں ہے جواز وقف کے لیے پہلا قبضہ ہی کافی ہے۔ مثلاً اگر A بذریعہ نمائندہ B وہ جائیداد جو اس کے قبضہ میں ہے وقف کرے تو B کی حیثیت بطور ایجنٹ ختم ہو جاتی ہے اور اس کے پاس جائیداد بطور متولی رہتی ہے۔

شرائع کی یہ عبارت کہ موقوف الیہ کا قبضہ ضروری ہے دوسرے حالات کے پیش نظر قابل غور ہے نہ کہ خود مستحق کا قبضہ ضروری ہے۔ کوئی بھی شخص جو کہ اصلاً یا

تعبیراً ان کا نمائندہ ہو قبضہ لے سکتا ہے۔ جب کوئی وقف عوامی نوعیت کے مقاصد کی فلاح وخیر کے لیے کیا جائے جیسا کہ غربا۔ فقہا۔ طلبا وغیرہ کے لیے وقف تو یہ تمام کل جماعت مستحقین کا جائیداد پر قبضہ غیر ضروری ہے بلکہ واقف کا مقررہ نگراں یا اس کی عدم موجودگی میں قاضی یا واقف کا مقررہ نگراں کافی ہوگا۔

فلاح عام کے لیے موقف

واقف خود جائز طور پر وقف کا متولی ہو سکتا ہے۔ ایسا وقف جو فلاح (مصلحت عامہ) کے لیے ہو جیسے کہ پل مسجد اور اس کے مثل ان کے لیے نہ منظوری کی ضرورت ہے اور نہ کسی مختص شخص کا جو منافع حاصل کرتا ہو قبضہ ضروری ہے متولی یا ناظر کا قبضہ جو وقف کی دیکھ بھال یا انتظام کی غرض سے مقرر کیا جائے کافی ہے اگر واقف نے کوئی متولی یا نگراں مقرر کیا ہے تو قاضی سے استصواب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے تقرر کے جواز کے مسئلہ کی صورت میں قاضی باعتبار نگراں مسلمانان کے مفاد عام کے لیے ایک ناظر یا منتظم مقرر کر سکتا ہے۔

مسجد یا قبرستان کا وقف

جب کوئی مقام یا عمارت عبادت کے لیے وقف کی جائے اور اگر ایک شخص بھی اس میں نماز ادا کرے تو یہ وقف موثر ہوگا۔ اسی طرح ایک قبرستان کا وقف بھی اگر اس میں ایک نعش بھی دفن ہے تو موثر ہوگا۔ تاہم یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ واقف کی نیت واضح ہو مثلاً کسی مکان کا مالک دوسرے شخص کو مکان میں عبادت کی اجازت دے یا کسی کے ذاتی مکان میں مسلسل عبادت سے وہ سکونتی مکان مسجد یا عبادت گاہ میں تبدیل نہ ہوگا۔ لیکن اگر ایک شخص اپنے مکان کو بطور مسجد وقف کرنے کا اعلان کرے اور عبادت کی اجازت دے تو یہ جواز وقف کے لیے کافی ہے۔

مکرر یہ کہ اگر کوئی شخص مروجہ طرز تعمیر مسجد کے مطابق عمارت تعمیر کر کے سی دیگر شخص کو اس میں عبادت کی اجازت دے تو یہ وقف کے لیے کافی ہے۔ خواہ اس کو وقف بنانے کے بارہ میں کوئی اعلان نہ کیا ہو۔ ایک زمین میں محض کسی ایک نعش کے دفن کرنے یا کسی عمارت میں عبادت سے تاوقتیکہ واقف صریحاً یا تعبیراً اعلان وقف نہ

کرے وہ زمین یا عمارت وقف نہ ہوگی۔

اگر کوئی باپ یا دادا جائیداد مقبوضہ خود اپنے بیٹے یا پوتہ کو وقف کرے یا اس کی جانب سے قابض ہو تو متولی کے تقرر کے باوجود قبضہ جائز ہوگا اور قانوناً مامور کا قبضہ سمجھا جائے گا۔

اغراض خیر کے لیے وقف

ایسی جائیدادیں جو فلاح عامہ یا امور خیر کے لیے وقف کی جائیں ان سے استفادہ خوشنودی خداوند تعالیٰ ہے اسلئے کہ ان میں نہ کوئی مال ہوتا ہے نہ مالک حتیٰ کہ ایسے وقف کا کوئی مختص مالک نہیں ہوتا اور جائیدادیں تعبیراً ملکیت خداوندی ہوتی ہیں۔

ایک شخص کا اپنے بچوں کے حق میں وقف

ایک شخص اپنے بچوں کے بچوں (اولاد در اولاد) کے لیے وقف کرے تو لڑکیوں کے بچے بھی لڑکے کے بچوں کے ساتھ استفادہ میں شریک ہوں گے۔

اگر کوئی اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرے تیسری نسل کی اولاد اس وقت تک شامل نہ ہوگی جب تک کہ واقف کا اپنی تمام اولاد کو وقف میں شریک کرنے کا منشا معلوم نہ ہو۔ اگر کسی نے اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کیا ہو تو تمام آل بالراست مساویانہ حصہ لے گی جب تک ان کا بطناً بعد بطناً حصہ لینے کی تحریر میں حوالہ نہ ہو۔

بچوں کے لیے وقف

اگر وقف عام طور پر واقف کے بچوں کے لیے ہو تو یہ تمام واقف کی آل پر حاوی ہوگا اور محض ان کے معدوم ہونے پر ہی اس کا فائدہ غریبوں کو ملے گا۔

ایسی مسجد کے لیے وقف جو خستہ ہو چکی ہو اور ایسے علاقہ یا محلّہ میں ہو جو اجڑ چکا ہو تاہم وقف ساقط نہ ہوگا۔ خواہ عمارت مسجد کے نشانات باقی نہ ہوں یہ واقف کو عود نہ کرے گا۔ یہ اصول بقول شرائع بلا اختلاف مسئلہ ہے۔

اگر کوئی عمارت اس طرح تباہ ہو جائے کہ اس کے نشانات ہی باقی نہ رہیں تب

بھی وہ زمین جس پر عمارت ایستادہ تھی وقف کے زمرے سے خارج نہ ہوگی۔نہ فروخت ہوگی اور نہ عمارت کی تباہی سے وہ وقف زائل ہوگا۔اس لئے کہ وقف کی خصوصیت دائمی ہوتی ہے۔

جائیداد وقف کا بیع

واقف مجاز ہے کہ متولی کو فروختگی جائیداد موقوفہ یا اس کی آمدنی کو بہتر مفاد میں صرف کرنے کا اختیار دیدے۔بصورت دیگر اگر بیع مفاد وقف میں ہو یا سرمایہ (آمدنی) کسی زیادہ نفع آور جائیداد پر صرف کرنا ہو تو متولی حسب اجازت قاضی جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔

سرمایہ کی تبدیلی کا اختیار

اگر مابین مستفیدین تنازعات ہوں اور بظاہر جائیداد کو اصل حالت میں رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو بیع کی اجازت ہے۔

اگر وقف غربا کے حق میں ہو تو اس کا منافعہ جائے وقوع وقف کے غربا (استفادہ کنندگان) کے کام آنا چاہئے۔ متولی کو منافع یا آمدنی کی تقسیم کے لیے غربا مستحقین کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔

امام جعفر نے ابو علی ابن سلیمان کے استفسار پر جواب دیا کہ اگر زمین فلاں فلاں کی وقف ہے تو ان کے مقام پر جو جائے وقف پر زندہ ہوں یا استمداد کے لیے آئیں صرف ہونا چاہئے۔ لیکن متولی ان کو تلاش کرنے کے لیے پابند نہیں ہے۔

نہ صدقہ نہ وقف منسوخ ہو سکتا ہے

ایک بار قبضہ دینے پر صدقہ منسوخ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ہبہ بالعوض کے مساوی ہے صدقہ یا وقف کا مقصد حصول خوشنودی خداوند تعالیٰ ہے جو ایک بار صدقہ یا وقف ہو جانے پر منسوخ نہیں ہو سکتا۔

باب ۱۷۔ مالکی قانون وقف

فصل اوّل۔ وقف کی تشکیل

وقف سے متعلق مالکی قوانین اصلاً حنفی قانون کے مماثل ہیں سوائے بعض حقوق کے جن پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ مالکی بھی قانون وقف کا استنباط اسی حدیث سے کرتے ہیں جس سے کہ احناف۔

اہلیت واقف

واقف کے لیے بھی اسی اہلیت کی ضرورت ہے جیسی کہ دوسرے انتقالات مثل ہبہ وغیرہ میں۔

(الف) واقف کے لیے ضروری ہے کہ آزاد ہو غلام نہ ہو۔

(ب) عاقل ہو

(ج) بحالت صحت ہو یا زیادہ صحیح الفاظ میں مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ کسی بیمار کا وقف ورثہ کی مثل ہے اور اگر وارث کے حق میں ہے تو باطل ہے اور اگر ایسے شخص کے حق میں ہو جو مستحق وراثت ہے تو بہ بقدر یک ثلث رہ جاتا ہے۔

خلیل ابن اسحاق کے مطابق ایک ایسے شخص کا اپنے ورثا کے حق میں بحالت مرض وقف جس میں اس کا انتقال ہو جائے وہ کالعدم اور باطل ہے۔ لیکن ایسے شخص کا آل کے لیے بالراست وقف جو وراث نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ ورثہ کے ایک ثلث سے متجاوز نہ ہو۔

(ا) جائیداد جو وقف کی جائے اس پر قابض ہو یعنی اس پر تصرف ہو۔

عدالت ہائے انصاف نے اس اوقاف کو منسوخ قرار دیا ہے جب کہ واقف بحالت قرضہ انتقال کر جائے اور جائیداد موقوفہ کو قرضوں کی بے باقی کے لیے بیع کرنا پڑے۔

(۲) جب کہ واقف کی ذمگی قرضہ جات اس کے اثاثہ سے زیادہ ہوں۔
(۳) جب کہ واقف کا بوقت وقف جائداد موقوفہ پر قبضہ مالکانہ نہ ہو۔
(۴) ایسا بالغ جو اپنے حقوق کا پورا استعمال کر سکتا ہو۔
مالکی عقیدہ کی حامل شادی شدہ عورت اپنی ثلث سے زیادہ جائیداد بلا رضامندی شوہر وقف نہیں کر سکتی۔

ایک غیر مسلم جو متذکرہ بالا شرائط کو پورا کر سکتا ہے وہ اپنی جائیداد کے کلی یا جزو کو وقف کر سکتا ہے۔ قانون ان لوگوں کی آراضی پر جن کا اسلام پر عقیدہ نہیں ہے محض ایک پابندی عائد کرتا ہے اور وہ یہ کہ ان کے وقف سے مساجد استفادہ نہیں کر سکتیں متن کے مطابق یہ ہے کہ مسجد کے لیے غیر مسلم کا وقف ناجائز ہے۔

ہر اس شخص کے حق میں وقف کیا جاسکتا ہے جو جائیداد پر قبضہ کا اہل ہو بلکہ غیر پیدا شدہ بچوں اور معدوم اغراض کے لیے بھی وقف ہو سکتا ہے۔ واقف مستحقین کو نامزد بھی کر سکتا ہے۔

(الف) ایک مسلمان غیر مسلم (ذمی) کے حق میں وقف کر سکتا ہے مگر جو دشمن ملک میں رہتا ہے
اس کے حق میں وقف ناجائز ہے۔
(ب) مرد اور عورتیں
(ج) بالغان و نابالغان
(د) ورثا یا غیر ورثا
(ہ) اجنبی لوگ
(و) امور فلاح و خیر مثلاً قبرستان۔ کاروان سرا۔ ولی اللہ کا مقبرہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس شہر۔

اختیارات واقف

ایک واقف مجاز ہے کہ وہ مستحقین کو خواہ وہ افراد کنبہ ہوں یا خارج از کنبہ نامزد کرے۔
کیا اس کو قطعاً ایسا حق حاصل ہے؟

کیا اس حد تک حق حاصل ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بھی محروم کردے؟

ایک واقف کا اپنے بچے کو وقف کے فوائد
سے خارج کرنا جائز نہیں ہے

خلیل ابن اسحاق کے الفاظ اس مسئلہ پر بے کم وکاست صحیح ہیں (ایک شخص کا اپنے لڑکوں کے حق میں لڑکیوں کو خارج کر کے وقف کرنا خلاف قانون ہے اور الجیریا کی عدالت ہائے انصاف نے اس اصول کو ہمیشہ نافذ کیا ہے۔

عدالت الجیریا نے ۳۰ر دسمبر ۱۸۶۴ء کو ایک ڈگری صادر کرتے ہوئے لکھا ہے ہرگاہ کہ قرآن شریف مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور دیوانی قانون کا منبع ہے اور ہرگاہ اس کے احکامات خاص کر خاندانوں میں ترتیب اور طریقہ وراثت کرتے ہیں۔ (سورہ ۴) اور ہرگاہ کہ تقسیم جائیداد میں بر بنائے نص صنف اناث کے بچوں کا وراثت میں حصہ نہیں ہے جس سے کہ اولاد اناث اولاد ذکور کے حق میں بلا نص صحیح کو نظر انداز کئے محروم نہیں ہو سکتی پس اگر وقف کیا جائے تو وہ ایسا ہی شدید طور پر خلاف قانون اور باطل ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلعم کے احکام کی خلاف ورزی۔ اس لئے وقف متنازعہ منسوخ کیا جاتا ہے۔

۳ر نومبر ۱۸۶۸ء کی ایک دوسری مصدورہ ڈگری میں اس طرح ہے کہ اس امر کے پیش نظر کہ وقف مالکی مذہب کے مطابق کیا گیا تھا اور اس کے مطابق اولاد اناث وقف کے مفاد سے محروم نہیں ہو سکتی یہ وقف باطل اور کالعدم ہے۔

سیدی خلیل نے بیٹیوں کے لیے کہا ہے کہ واقف انہیں جائز طور پر وقف سے محروم نہیں کر سکتا ہے۔

پیرو کے مطابق اسکے برعکس (لڑکوں کا اخراج) درست ہے مگر عدالتیں ایسی اسناد پر جن کی بنا پر یہ رائے قائم کی گئی ہے عمل کرنے میں خود کو حق بجانب محسوس نہیں کرتیں۔ انہوں نے سیدی خلیل کے ہی اصول کی تعبیر میں بیٹوں اور بیٹیوں کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی فوائد وقف سے محروم نہ ہونا چاہئے۔

عدالت الجیریا کی ڈگریوں میں سے ایک ڈگری مصدورہ ۲۰ر مارچ ۱۸۶۷ء اس

طرح ہے قرآن شریف کے باب ۴ کی ایک آیت کی بنا پر بیٹے کو حق پدری میں ایک معینہ حصہ ورثے میں ملتا ہے جس سے وہ بالراست یا بالواسطہ محروم نہیں کیا جاسکتا پس ایک باپ کا اپنی بیٹی کے حق میں بیٹے کو محروم کرتے ہوئے وقف اگرچہ وقف ہے لیکن وہ منشا کے خلاف بناوٹی وقف ہے۔ اس لئے ان وجوہ کی بنا پر اسے منسوخ کیا جاتا ہے۔

دوسرے درجہ کی آل کو خارج کرنا چاہئے

بہر صورت محض پہلی پشت کے بچوں کو محروم کرنا ممنوع ہے۔ سیدی خلیل محض ان ہی اوقاف کو ناجائز قرار دیتے ہیں جو کہ بیٹیوں کو محروم کرتے ہوئے بیٹوں کے حق میں کئے جائیں پس عدالتوں نے درج ذیل کا اخراج منظور کیا ہے۔

(A) ایک پوتا

(B) بیٹیوں کی اولاد اناث

(C) بیٹیوں کی تمام اولاد

(D) بیٹیوں کے بیٹے

واقف نہ صرف وقف کے بالترتیب محض پہلے مستحقین کو نامزد کر سکتا ہے بلکہ جانشینوں کی ترتیب بھی وضع کر سکتا ہے پس اسے انتقال کے خاص قواعد جو شرع سے مختلف ہوں مرتب کرنے کا اختیار ہے۔

خاندانی وقف کے انتقال کے متعلق اصول

واقف کو اولاً حق نمائندگی تسلیم کرنا چاہئے۔ دوسرے انتقال بالراست ہو تیسرے مستحقین میں صنف کے مطابق تقسیم ہو۔ لیکن اگر وقف نامہ میں مختلف مسائل کے بارہ میں کوئی شرط نہیں ہے تو درج اصول پر عمل ہوگا۔

حق نمائندگی کے بارہ میں کوئی واضح حوالہ نہ ہونے کی صورت میں عام اصول شرع پر عمل ہوگا اس سلسلے میں مالکی اصول مسلمہ حنفی اصول کے مطابق ہیں۔

دوسرے امر کے متعلق یعنی پہلی پشت یعنی واقف کے بچوں میں انتقال لازماً بالراست ہونا چاہئے۔ اس کے برعکس دوسری پشت میں اور اس سے نیچے یا نسب (حق مورث) ہونا چاہئے۔ اس قاعدہ کے مطابق جو فضہ بن رشد نے وضع کیا ہے اور جس پر

النجم اور الخطاب وغیرہ نے عمل کیا ہے باپ سے بیٹے کو ورثہ ملتا ہے اور چچا اسے محروم نہیں کرتے اس لئے ہر بچہ اپنے باپ کا جانشین ہوتا ہے اور سلسلہ کو قائم رکھتا ہے پس واقف یہ طے کر سکتا ہے کہ تمام عرصہ میں انتقال یکے بعد دیگرے بالراست ہونا چاہیے۔

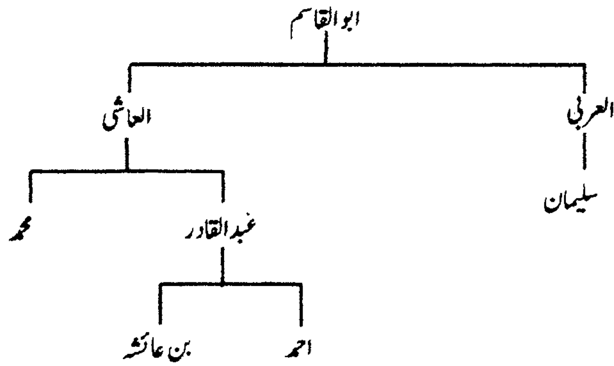
الجیریا کی عدالتوں نے اس اصول کو متواتر نافذ کیا ہے چنانچہ ایک ڈگری مورخہ ۲۰/اپریل ۱۸۷۴ء کو درج ذیل حالات میں صادر کی گئی (ایک وقف مسلسل یکے بعد دیگرے انتقالات کے بعد دو بھائیوں محمد اور الحاج علی میں تفویض ہوا محمد نے جس کا ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا سات بچے چھوڑے اور الجیریا کے قاضی نے جائیداد موقوفہ پر حصول قبضہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا ۲۰/ اکتوبر ۱۸۷۳ء کے فیصلہ میں (جس کی ۲۰/ اپریل کو توثیق ہوگئی) اس طرح لکھا محمد کے بچے اپنے باپ کے نصف حصے ایک شاخ کی نمائندگی کی بنا پر تقسیم کرلیں۔ اور یہ کہ الحاج علی دوسرے شاخ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے وقف کا دوسرا حصہ نصف اپنے قبضہ میں رکھے۔

تیسرا امر مستحقین میں تقسیم کی بابت ہے جس کی خلیل ابن اسحاق نے واضح الفاظ میں تشریح کی ہے۔ اگر واقف نے تناسب مقرر نہیں کیا ہے تو مرد اور عورت کو مساوی حصے ملنے چائیں۔

واقف یہ مزید شرط بھی رکھ سکتا ہے کہ دو پشتوں کا حق مرجح امر ہے لیکن کسی واضح شرط کی نہ ہونے کی صورت میں یک جدی کا وہی مساوی حق ہونا چاہیے جو حقیقی رشتہ دار کا ہوتا ہے۔

بقول شیخ الخطاب حقیقی بھائی مساوی حقوق کے مستحق ہیں اس لئے کہ ان کا باپ سے رشتہ پشت اور قانونی حیثیت سے مساوی ہے۔ سیدی خلیل کے مطابق اگر واقف کی یہ شرط ہے کہ فلاں شخص کو منتقل ہونے والا حصہ اس کے قریب ترین رشتہ دار کو ملے اگر اس شخص کے حقیقی بھائی قرابت دار بھائی اور برادران اخیافی ان میں سے جو وقف سے استفادہ کے مستحق ہیں موجود ہوں تو کیا اپنے حقیقی بھائیوں کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی۔ وہ تمام مساوی طور پر رشتہ داران بعید (ذوی الارحام) ہیں اور ان سب کے درمیان ایک ہی نسبت ہے۔

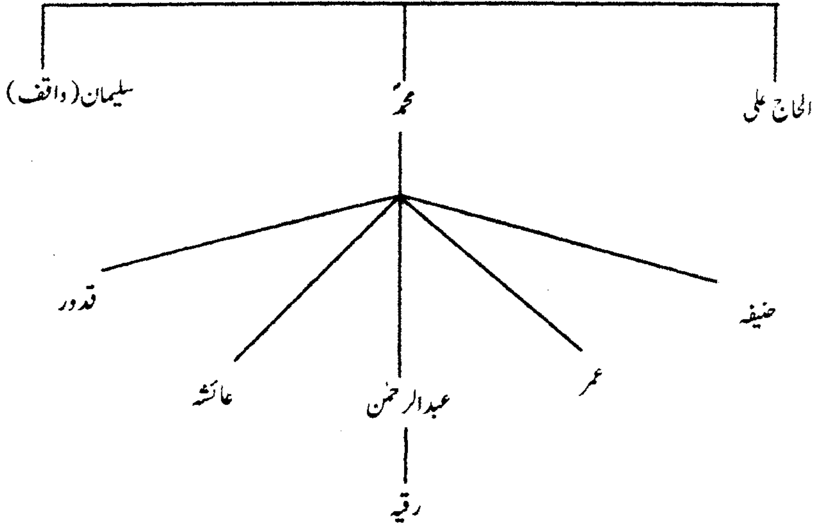
شارح عبدالباقی نے اس اصول کو منضبط کیا ہے الفاظ "قریب ترین رشتہ دار" سے یہ مفہوم کہ حقیقی بھائی اور قرابت دار بھائی کے مساویانہ حقوق ہیں۔ اس لئے کہ وہ باپ سے رشتہ ہونے کی بنا پر مساوی ہیں۔ ایک ہی شاخ کا ذیلی سلسلہ جو ایک درجہ بعید ہو مگر بالائی سلسلہ کے بھی قریب ہو شامل ہونا چاہیئے۔ بشرطیکہ شرائط وقف میں شریک ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ بالائی شاخ سے خارج ہو جاتا ہے اس اصول کو بالوضاحت سمجھنے کے لیے ہم ذیل میں شجرہ نسبی شامل کرتے ہیں۔



ابو القاسم بانی وقف کے دو بیٹے عربی اور عائشی نصف نصف مساویانہ آمدنی کے مستحق ہوئے۔ عربی کے انتقال پر منافع وقف دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ یعنی العاشی نے اپنے حصے کا نصف رکھا اور سلیمان نصف حصہ کا مالک ہوا۔ العاشی کے دو بیٹے عبدالقادر اور محمد ہوئے۔ عبدالقادر کا انتقال ہو گیا اور اس نے احمد اور عائشی اپنے دو قائم مقام چھوڑے۔

اس صورت میں کہ وقف کا نصف جو آل عائشی پر منتقل ہو گیا کون پائے گا۔
جواب۔ اگر وقف نامہ میں کوئی خاص شرط نہیں ہے تو کل حصہ محمد پائے گا اس لئے کہ اس کے بھتیجے احمد اور بن عائشی اسکی بہ نسبت ایک درجہ زیادہ بعید ہیں اور اپنے پہلے سے ہی فوت شدہ باپ کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اگر واقف نے یہ طے کر دیا ہو کہ تمام درجے والے مساویانہ حصہ لیں گے۔ یعنی کمتر برتر کے ساتھ یعنی احمد بن عائشی اور محمد العاشی کے حصے کے مشترکاً مستحق ہوں گے ان میں سے ایک وقف کی آمدنی کا ۱/۶ حصہ لے گا اور یہ عدالت

الجیریا کے فیصلے منفصلہ ۱۸ ر مئی ۱۸۷۶ء کے مطابق ہے۔ دوسری مثال اس طرح ہے۔



ایک شخص سلیمان نے بلا امتیاز صنف اپنے بچوں کے لیے وقف کیا اور اس کی آل کے ساقط ہونے پر اپنے بھائی العلی اور محمد اوران کے بچوں کے لیے بلا امتیاز صنف وقف کیا۔

سلیمان کے انتقال پر وقف بھائیوں پر منتقل ہو جاتا ہے اور محمد پانچ بچے چھوڑ کر انتقال کر جاتا ہے اور اس کے بچے اس وقف کو جو ان کے باپ نے چھوڑا تھا مساویانہ تقسیم کر لیتے ہیں۔ عبدالرحمان ایک لڑکی مسماۃ رقیہ چھوڑ کر انتقال کر گیا اور وہ اپنے باپ کے بعد سے پورے حصہ پر قابض ہو گئی جو اصل جانشینی کے خلاف ہے اس کے بعد علی لاولد فوت ہو گیا۔

س:- کیا اس کی نصف آمدنی اس وقف پر منتقل ہو گی۔

ج:- قدور۔ عائشہ۔ حنیفہ ہر ایک ۱/۴ حصہ لیں گے۔ رقیہ حصہ پانے کی مستحق نہیں ہے اس لئے کہ اس کے چچا اور چچیوں کے بہ نسبت وہ ایک درجہ زیادہ بعید ہے۔ چونکہ

اسکی جانب سے کوئی نمائندگی نہیں ہوئی اس لئے اپنے باپ کے حقوق کو جو پہلے ہی انتقال کر چکا تھا طلب نہیں کر سکتی اور یہی فیصلہ الجیریا کی عدالت نے ۲۰/ اپریل ۱۸۷۴ء کو کیا تھا۔

اگر مستحقین میں سے کوئی لاولد فوت ہو جائے تو اس کا حصہ (جیسا کہ آخری تمثیل میں ہے) قریب ترین رشتہ داروں پر منتقل ہوگا۔ بعض اوقات واقف اس امر کا رسماً اعلان کر دیتا ہے کہ دونوں میں سے ایک جس کا پہلے انتقال ہو جائے وہ اپنا حصہ دوسرے کو منتقل کر دے۔

اکثر اس بارہ میں وقف نامہ خاموش ہوتا ہے اور عدالتیں اس خاموشی کے یہ معنی لیتی ہیں کہ گویا مندرجہ بالا شرط اس میں شامل تھی۔ پس ایک شخص احمد بن عبدالقدیر نے اپنے بچوں کے لیے وقف کیا ان میں سے ایک لاولد فوت ہو گیا اور اس کا حصہ اس کے چار بھائیوں اور بہنوں پر منتقل ہوا اور ان میں سے ہر ایک نے مجلس منعقدہ کے فیصلہ مورخہ ۳/ ستمبر ۱۸۵۸ء کے مطابق ۲/۱ حصہ لیا اسی طرح آمدنی وقف سے مستحقین مستفید ہوئے۔ ان میں سے ایک کے انتقال پر پس ماندگان میں مکرر نزاع شروع ہوئی اور الجیریا کی عدالت نے حسب ڈگری مصدرہ ۱۸۷۷ء کے مطابق یہ طے کیا کہ متولی کا حصہ ان پس ماندگان میں جن کی متوفی سے ایک ہی پشت میں رشتے داری تھی مساویانہ تقسیم ہونا چاہئے۔ یہ فیصلہ پندرہویں سرکل کے قاضی کے فیصلے مورخہ ۱۰/ ستمبر اور ڈگری عدالت مورخہ ۲۰/ جولائی ۱۸۷۱ء کے مطابق توثیق شدہ ہے۔ اس فیصلہ میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ اس لئے کہ مستحقین بانی وقف کی بالراست آل یا ہم جدی سلسلے میں ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب رشتے داری کے بندھنوں میں جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے وارث ہیں لیکن ایسے معاملات میں صحیح اصول تصفیہ کیا ہو جب کہ واقف کے نامزد مستحقین ایک خاندان کے ہوں اور ان میں ایک لاولد فوت ہو جائے تو کیا اس کا حصہ اس کے شریک مستحقین پائیں گے جیسا کہ وقف نامہ میں بتایا جا چکا ہے۔ پس ایسے معاملات میں تصفیہ کا کیا اصول ہو۔ جب کہ واقف کے نامزد مستحقین ایک ہی خاندان کے نہ ہوں اور ان میں ایک لاولد فوت ہو جائے تو کیا شریک مستحقین کو اس کا حصہ ملے گا۔ اگر اس وقف نامہ میں ایک شرط مثل محولہ وقف نامہ ۱۸۷۴ء یا کوئی دیگر شرط جس سے واقف کی پس ماندگان کے مفاد کے لیے وقف کی خواہش ظاہر ہو سوال کا جواب اثبات میں ہوگا۔

خلیل ابن اسحاق کے وضع کردہ اصول سے صاف منضبط ہے کہ ایسا وقف جو دس آدمیوں کے حین حیات استفادہ کے لیے کیا جائے ان سب کے انتقال پر واقف یا اس کے بچے (ورثا) پر عود کرے گا۔

وقف نامہ میں اس کے بابتہ کوئی شرط نہ ہو تو شرکا مستحقین کا کوئی حق نہیں ہوتا اور متوفی کا حصہ مستحق مابعد کو ملے گا یا واقف پر بشرطیکہ جانشینی کا حوالہ نہ ہو عود کرے گا جیسا کہ متن میں درج ذیل عبارت سے واضح کیا ہے۔ اگر دو خاص شخصوں کے لیے وقف ہو اور ان کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کے لیے ہو تو یہ (غربا) ان دونوں کے حصے پر قابض ہوں گے۔

فصل دوم:۔ کس جائیداد کا وقف ہوسکتا ہے

شئے موقوفہ

خلیل ابن اسحاق نے اصول وضع کیا ہے کہ ایسی تمام جائیداد جس پر جائز حق ملکیت ہو سکتا ہے وہی بطور جائز وقف ہو سکتی ہے۔ بلکہ فقہا نے تو مویشی گھوڑے یا بیماروں کے تیمار داری کے لیے غلاموں کی خدمات ان سب کو وقف جائز کے فوائد سے قرار دیا ہے محض خدا کو بھی وقف ہوسکتی ہے یہ تعریف اس سوال کے جواب پر مبنی ہے کہ کیا جائیداد منقولہ کا وقف جائز ہو سکتا ہے۔ اگرچہ فقہا کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے مگر عام طور پر مسلمہ ہے کہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ وقف کی جاسکتی ہے یہ تعریف مالکی مذہب کے اصول کے مطابق ہے۔

عدالت الجیریا کی ایک ڈگری سے مندرجہ بالا اصول کی تائید ہوتی ہے۔ خلیل ابن اسحاق کے مطابق کتب خانہ کے لیے کتاب کا یا جہاد کے لیے گھوڑے کے زرہ بکتر کا وقف جائز ہے۔ لیکن وقف کے اصلی مقصد میں امور خیر کے لیے جائیداد کو محفوظ کرنے کی نیت پیش نظر ہے تو صرف شئے موقوفہ کا نفع مستحقین کو دیا جاتا ہے۔ فقہا کے نزدیک ایسی اشیا جو ضائع ہوں یا ابتدائے وقف سے خراب ہونے والی ہوں ان کا وقف نہیں ہو سکتا۔

جائیداد منقولہ کا وقف جائز ہے

ہر نوع کی شئے منقولہ جو قابل فروختگی ہو اس کا وقف ہو سکتا ہے تاکہ اس کی فروخت سے غیر منقولہ جائیداد خریدی جاسکے یا اس سے ایسی جائیداد جو استفادہ کی ہو خریدی جاسکے۔ آلات کشاورزی بیل یا اغراض کاشت کے لیے دوسرے مویشی بلاشبہ وقف کیے جاسکتے ہیں۔

وقف مشاع جائز ہے

کسی خاص جائیداد کا جزوی حصہ قانوناً وقف کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی مکان وقف ہو اور اس کا جزو واقف کے ذمّی قرضوں کے ادئیگی کے لیے فروخت کیا جائے تو بقیہ حصہ تابع وقف رہے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ واقف کا بوقت وقف جائیداد پر قبضہ واقعی ہو۔ قانون جائیداد آئندہ کے وقف کو بھی جائز قرار دیتا ہے اس اصول کی الجیریا کے قاضی نے ۱۸۷۳ مکرر ۱۸۷۴ بذریعہ صدور ڈگری تصدیق کی ہے۔ مؤخر الذکر کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ایک وقف علی الاولاد جو کسی شخص کے قبضے میں ہو یا مستقبل میں قبضہ میں آئے تو جائز ہے مگر اس کا اطلاق ان جائیدادوں پر ہوگا جن پر مستحق نے قبل وفات واقف مکمل قبضہ حاصل کرلیا ہو۔

تشکیل وقف کا طریقہ کار

سیدی خلیل کے مطابق درج ذیل جملوں کے استعمال سے وقف ہوجاتا ہے ''میں نے وقف کیا ہے یا میں نے صدقہ کیا ہے'' بلا اس عبارت کے نشاندہی وقف کا اظہار ہونا چاہئے۔

وقف کی اہمیت کے باوجود اسکی تشکیل کسی رسم یا اعلان سے مشروط نہیں ہے۔ ایک وقف گواہوں کے سامنے اعلان سے جائز ہوجاتا ہے مگر جواز وقف اصلاً بعض ضروری شرائط کے تابع ہے۔

(A) وقف کا منشا امر خیر ہونا چاہئے

(B) شئے موقوفہ منتقل کی جائے۔

(C) واقف کے حقوق مالکانہ شئے موقوفہ سے ساقط ہوجائیں۔

ان شرائط میں شرط اول تشکیل وقف کا ایک عام نتیجہ ہے۔ اگر پرائیوٹ افراد

کے لیے وقف کیا جائے تو بالآخر وقف ہمیشہ ان مقاصد کے لیے مختص رہے گا۔

جیسے ہر دو مقدس شہر۔ محلہ۔ کارواں سرائے۔ قبرستان یا مامن (حرم) غربا کے لیے۔ عام طور پر وقف نامہ میں ایک اسی طرح کی عبارت اضافہ کی جاتی ہے "اور مقررہ مستحقین کے کلیتًا معدوم ہونے پر وقف فلاں فلاں مقصد کے لیے ہوگا"۔ ہم یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ ایک امر خیر فعل صدقے سے آزاد ہے۔

سیدی خلیل نے صریحًا اس کا حوالہ دیا ہے اور یہ تشریح کی ہے کہ اگرچہ مستحقین متمول ترین حالات میں ہوں تاہم وقف جائز ہوگا اور امر خیر ہوگا۔

قبضہ دہانی ضروری ہے

مستحقین کی جانب سے متولی کو قبضہ دہانی یا تبدیل قبضے کی اہمیت پر امام مالک کا امام ابو یوسف سے اختلاف ہے مگر امام محمد اہل تشیع سے متفق ہیں۔ محمد عاصم کے مطابق قبضہ وقف کی روح ہے اور اگر واقف جائیداد موقوفہ کی نگرانی اور قبضہ کے ساتھ حق ملکیت بھی قائم رکھتا ہے تو فی نفسہٖ وقف باطل ہوگا۔ حتیٰ کہ قانونًا بھی یہ امر باطل ہے۔ اصلاً جس امر کی ضرورت ہے وہ واقعی قبضہ دہانی یا انتقال قبضہ نہیں ہے بلکہ جائیداد موقوفہ پر جہت ملکیت میں تبدیلی ہے۔ واقف جائز طور پر خود متولی ہو سکتا ہے۔

جب کوئی وقف کسی فرد کے حق میں کیا جائے اور اگر موقوف الیہ بالغ ہے تو اس کا قبضہ ہونا چاہئے۔ بصورت نابالغی اس کے باپ یا سرپرست کا قبضہ ہونا چاہئے۔ اگر کسی افراد کی جماعت کے حق میں وقف ہے تو انتقال قبضہ متولی کے حق میں ہونا چاہئے۔

ایسا وقف جو مذہبی یا دیگر امور خیر کے لیے ہو تو اس کے منتظم سے جائیدا موقوفہ کا قبضہ حاصل کر لینا چاہئے۔ محض اس صورت میں انتقال قبضہ ملتوی ہوگا جب ایک باپ اپنے نابالغان لڑکوں کے حق میں وقف کرے بشرطیکہ متعلقہ حالات سے یہ کافی طور پر ثابت ہو کہ اصلاً وقف کی نیت تھی یعنی وقف کی آمدنی مامورلہٗ کے مفاد میں صرف کی گئی تھی اور یہ کہ باپ نے اس سے خود قطعاً کوئی منافع حاصل نہیں کیا۔

قبضہ کب دینا چاہئے

پس حصول قبضہ ایک لازمی عنصر ہے مگر قبضہ کسی وقت ہو قانون نے یہ لازمی

قرار نہیں دیا کہ تحریر وقف نامہ کے فوراً بعد ہی قبضہ ہو جائے۔ بلکہ تکمیل قبضہ کو صحت وقف کے لیے ایک لازمی مرحلہ ترجیحی ہے۔

اگر واقف انتقال جائیداد کا اہل ہو اور اس کو جائیداد پر حق مالکانہ حاصل ہو تو خلیل ابن اسحاق کے مطابق ایسی جائیداد کا وقف باطل ہے جس پر واقف کی موت یا مرض الموت سے قبل قبضہ حاصل نہ ہوا ہو۔

واقف بعض شرائط کے تابع مجاز وقف ہے اور ان شرائط کی واقعی تکمیل کی جائے اور کسی شخص یا اشخاص کو انتظام وقف کے لیے مامور کرے اور یکے بعد دیگرے انتقالات کی نوعیت معین کرے۔ یہ بھی قرار دے سکتا ہے کہ بحالت عسرت مستحقین جائیداد وقف کو منتقل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ یہ بھی طے کر سکتا ہے کہ بعض حالات میں وقف غربا پر عود کرے گا۔ عام طور پر واقف تکمیل وقف کی غرض سے تمام مسلمہ طریقوں کے لیے حکم کر سکتا ہے۔ یہیں اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ مگر وقف کے بنیادی اصولوں کے خلاف کوئی بھی شرط یا خود کو اس کا مجاز کر لینا کہ وہ شرائط وقف میں تبدیلی یا وقف کی تنسیخ یا جائیداد میں تبدیلی غرضیکہ کوئی بھی شرط جو نبائے وقف پر منتج ہو وہ کالعدم اور باطل ہے۔

عارضی وقف

خلیل ابن اسحاق کے نزدیک دوام وقف کی شرط لازم نہیں ہے۔ حسین الکرخی اور عبدالباقی ہر دو شارحین نے عارضی اوقاف کی مزید وضاحت کی ہے۔ ایسے اوقاف جو ایک سال کے لیے ہوں یا کسی شخص کے حین حیات کئے جائیں جائز اور صحیح ہیں۔ وہ اوقاف جن کی آمدنی (مدت معینہ منقضی ہونے کے بعد) اگر کسی شخص کی نشاندہی نہ کی گئی ہو تو غربا پائیں گے۔

سوالات ۔ کیا واقف محض اپنے ہی صواب دید پر وقف کو منسوخ کر سکتا ہے۔ کیا واقف مستحق کو قبضہ دینے سے پہلے شرائط وقف میں ترمیم کر سکتا ہے۔

جوابات۔ اس کے جوابات فقہا خاص کر عبدالسلام اور ابن الخطاب نے نفی میں دئے ہیں۔ ان کے مطابق ایک بار جو وقف کر دیا جائے وہ پختہ رہتا ہے۔ اگر شرائط وقف

نامہ مبہم یا نا مکمل یا مختلف المعنی ہوں تو یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور اسے مقامی رسم و رواج کے مطابق جو مدت سے رائج ہوں عمل کرنا چاہئے۔

فصل سوم:۔ وقف کا قانونی نتیجہ

کسی جائیدا کے وقف سے تین مختلف نتائج بر آمد ہوتے ہیں

(۱) جائیداد موقوفہ نا قابل انتقال (۲) نا قابل تصرف (۳) اور نا قابل ارث ہو جاتی ہے۔ جائیداد موقوفہ اس لئے نا قابل انتقال ہوتی ہے کہ کلیتًا ملکیت خداوندی میں منتقل ہو کر نوع انسانی کے منافع کے لیے مختص ہو جاتی ہے اور اس سے وہ لوگ مستفید ہوتے ہیں جن کو اختیار انتقال نہیں ہوتا۔ اس کلیہ کے کئی مستثنیات ہیں۔ اگر وقف غیر مفید آراضی یا جائیداد منقولہ ہو تو اسے فروخت کر دینا چاہئے اور اس کی قیمت سے دوسری جائیداد خریدنا چاہئے۔

اگر کسی وقف کی توسیع مقصود ہے تو اس سے متصل ملحقہ قطعہ آراضی خرید لینا چاہئے بشرطیکہ حصول آمدنی مقصود کا وہی ایک ذریعہ ہو۔ ایسی صورت میں بیع ضروری ہے۔ اگر مستحق غریب ہو اور وقف کی آمدنی اس کے وسائل معاش کے لیے ناکافی ہو تو وقف نامے میں خواہ اس کی گنجائش ہو یا نہ ہو قاضی کی اجازت سے انتقال جائیداد کر سکتا ہے۔

اگر واقف بوقت وقف اس قدر زیادہ قرضہ میں دبا ہوا ہو کہ اس کے ذگی مطالبات اثاثہ سے زیادہ ہوں تو قرض خواہاں اس کی جائیداد سے اپنے قرضے حاصل کر لیں اگر قرضوں کی ادئیگی کے بعد زر ثمن سے کوئی رقم بچے تو وہ ماموِر لہٗ کے مفاد میں صرف ہو گی۔ شئے موقوفہ کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا تبادلہ قاضی کی اجازت سے ہو گا بشرطیکہ اس نے ذاتی طور پر اطمینان کر لیا ہو کہ ہر دو جائیدادوں کی قیمت مساوی ہے متبدلہ جائیداد اس اصول وقف کے تابع ہو گی۔ اگر وقف کی غرض مختص ساقط ہو جائے تو وہ دیگر امور خیر کے کام آئے گا۔ اور ممکن ہو تو وہ دوسرا امر خیر اصل جہت وقف سے مماثل نوعیت کا ہو مثلاً اگر واقف اپنی جائیداد پل یا اسکول کی تعمیر کے لیے وقف کرے لیکن یہ عمارتیں حکومت تعمیر کر دے تو آمدنی سے اس سے مماثل مقصد پر صرف ہو گی اور اس کے سقوط

کی صورت میں آمدنی واقف کے غریب رشتے داروں کے اور ان میں بھی ترجیحاً سب کے کام آئے گی۔ مستفیدین کو جائیداد وقف منتقل کرنے کا حق نہیں ہے وہ محض اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس غرض کے لیے وہ اصالتاً یا بذریعہ منیجر یا منتظم قبضہ کے مستحق ہیں۔[۱]

جائیداد وقف طویل عرصہ کے لیے پٹہ پر نہ مامور لہ، لے سکتا ہے اور نہ اس کا منتظم۔ سیدی خلیل کے مطابق دو سال اور دوسرے فقہا کے مطابق تین سال وہ طویل ترین مدت ہے جس پر جائیداد اجارہ پر دی جا سکتی ہے۔ اگر جائیداد کی مرمت کی ضرورت ہو تو پٹہ کی مدت میں توسیع ہو سکتی ہے۔ اصولاً جائیداد موقوفہ کو اچھی حالت میں رکھنا چاہیے اس لئے کہ مستقبل کے مستفیدین اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے قابض کو مکان جو خستہ حالت میں ہو پٹے پر دے کر اس کی از سر نو تعمیر یا مکمل مرمت کی غرض سے کام میں لا سکتے ہیں۔

واقف کی ہدایت پر عمل ہونا چاہیے

تشکیل وقف کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جائیداد ناقابل سقوط ہو جاتی ہے یعنی جائیداد ذاتی حقوق کے تابع نہیں رہتی۔

تشکیل وقف کا تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ جائیداد موقوفہ نا قابل ارث ہو کر اس کا منافعہ وقف کے مقررہ کردہ سلسلہ کے تحت ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر تمام مصنفین متفق ہیں۔ سیدی خلیل کے مطابق جائیداد موقوفہ پر واقف کے مقررہ اصول جانشینی کے مطابق سختی سے عمل ہونا چاہیے۔ ابراہیم جلالی نے بتایا ہے کہ واقف کو جائیداد موقوفہ کی آمدنی کے متعلق کلیتاً اختیار حاصل ہے۔

باب ۱۸۔ شافعی قانون وقف

یہ لازمی ہے کہ واقف اپنے خواہش کے اظہار کا اہل ہو، جائیداد کو منتقل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور شئے موقوفہ دائماً قابل استعمال ہونہ کہ جنس خوراک یا خوشبودار پودوں پر مشتمل ہو۔ لیکن اس کے علاوہ جائیداد منقولہ کا وقف بھی اسی طرح جائز ہے جیسے کہ جائیداد غیر منقولہ کا وقف مگر تربیت یافتہ کتے کا وقف جائز نہیں ہے مگر مشائع کا وقف جائز ہے۔ عمارتوں یا ان کے مالکوں کی زمین پر دوسرے اشخاص کے مزارعات یا ایسے مزارعات کے جو عمارت اجارہ پر ہوں او قاف مسلمہ طور پر جائز ہیں۔ وہ شخص جس کے حق میں وقف کیا جائے اصلاً یا تعبیراً جائیداد موقوفہ پر قبضہ حاصل کر سکنے کا اہل ہونا چاہیے۔ پس ایک بچہ یا غلام کے حق میں وقف ناجائز ہے۔

ایک ذمی (غیر مسلم) رعایا کے حق میں بھی وقف ہو سکتا ہے۔ مگر ایک ملحد (غیر مسلم جو مسلمان فرماں روا کی رعایا نہ ہو) خود کے حق میں وقف نہیں کر سکتا۔ ایک ناجائز مقصد کے لیے وقف مثلاً عیسائی گرجاؤں یا یہودی عبادت گاہوں کے لیے وقف باطل ہے مگر عیسائیوں اور یہودیوں کے اسپتال کی تعمیر کے لیے بوجہ امر خیر وقف جائز ہے۔

اسی طرح غربا اور امرا کے لیے وقف یکساں طور پر جائز ہ۔ علما، مساجد اور مدرسوں کے لیے بھی وقف جائز ہے۔

تشکیل وقف کی نیت واضح الفاظ میں ہونا چاہیے۔ (میں اس شئے کو وقف کرتا ہوں) یا (میرا کھیت فلاں شخص کے لیے وقف ہوگا) جیسا کہ میں وقف کرتا ہوں یا (میں صدقہ کرتا ہوں) سے واضح ہے۔

وہ فقرے جن سے کہ وقف کیا جاتا ہے

یہی صورت ان فقروں کی ہے کہ میں فلاں شئے وقف کرتا ہوں یا میں وقف کرتا ہوں اس طرح کہ شئے موقوفہ نہ دوسرے شخص کو بیع ہوگی اور نہ دی جائے گی۔ اس کے برعکس الفاظ "میں دیتا ہوں" بلا شرط مزید واضح نہیں سمجھے جائیں گے خواہ واقف کی

یہی نیت ہو یہ یا ایسی عبارت تو وقف کے لیے محض اس صورت میں واضح ہے۔ یہ جملے کہ میں اس شئے کو وقف کرتا ہوں یا میری خواہش ہے کہ یہ دائما اسی حالت میں رہے، واضح نہیں ہے مگر الفاظ "میں اس جائیداد کو مسجد کے لیے وقف کرتا ہوں" اس جگہ کو بغرض عبارت وقف کرنے کے لیے کافی ہیں۔

کسی خاص شخص کے حق میں اس وقت تک وقف مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ موقوف الیہ اسے منظور نہ کرے مگر ایک بار کے انکار سے بعد کی منظوری کسی طرح موثر نہ ہوگی وقف ان الفاظ میں "یہ زمین ایک سال کے لیے وقف کرتا ہوں" باطل ہے لیکن اگر یہ الفاظ اس طرح استعمال کئے جائیں کہ میرے بچوں کے حق میں وقف کرتا ہوں یا فلاں کے حق میں اس کے بعد اس کی اولاد کے حق تو میں بلا اضافہ مزید ایسا وقف خاندان کے سقوط کے بعد بھی بجنسہٖ قائم رہتا ہے۔

اگر منشا وقف معدوم ہوا اور مستفیدین مفقود ہوں تو وقف قریب ترین اعزہ پر عود کرے گا۔ شافعی اصول کے مطابق وقف جس کے لیے ہو وہ اصلاً موجود ہونا چاہیے۔ مثلاً اس بچہ کے حق میں وقف کرتا ہوں جو میرے بعد پیدا ہوگا تو احسا وقف ناجائز ہے اس لئے کہ وقف پر قبضہ لینے والا موجود نہیں ہے نیز درمیانی مستفیدین معدوم ہونے کی صورت میں وقف منسوخ نہیں ہوتا۔

ایک مشروط وقف

ایسے کسی واقعہ کے ہونے پر جو کبھی واقع نہ ہو وقف کا انحصار نہیں ہوتا مثلاً میں اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ زید آئے گا۔

واقف کی عائد کردہ شرائط کی تکمیل ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر یہ شرط ہو کہ موقوفہ زمین کرایہ پر نہ دی جائے گی۔ مگر قاضی کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے۔ یا اگر کوئی مذہبی عمارت کسی خاصِ مسلک کے پیرو جیسے مذہب شافعی کے پیروؤں کے لیے وقف کی گئی ہو۔

موخرالذکر صورت میں محض اس مسلک کے پیرو وقف سے استفادہ کے مستحق ہوں گے اور یہی اصول کسی مدرسہ یا سرائے قدیم کی تعمیر میں یکساں منطبق ہوتا ہے۔ دو شخصوں کے لیے وقف اور مابعد غربا کے لیے تو ان میں سے ایک کے انتقال

پر آمدنی کا بقیہ حصہ دوسرے کو عود کرے گا نہ کہ غربا کو جو دونوں کے انتقال پر ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس اصول کے خود امام شافعی موئد ہیں۔

بچوں اور اولاد کے حق میں وقف

اگر ان الفاظ میں وقف کیا جائے کہ یہ وقف میرے اور میرے بچوں کے لیے ہے تو اس کی آمدنی بچوں اور بچوں کے بچوں کو جو بوقت وقف ہوں ملے گی۔ خواہ یہ الفاظ بھی اضافہ کر دئے جائیں کہ جو ان کی اولاد میں ہوں یا نسلاً بعد نسلاً ہوں لیکن اس کے برعکس جب یہ الفاظ استعمال کئے جائیں" میرے بچوں کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچوں کے بچوں کے حق میں اور بعد ازاں یکے بعد دیگرے میرے بچوں کے بچوں کے حق میں یا پہلے اول الذکر کے حق "تو میں اس طرح مسلسل محض اس آمدنی سے استفادہ کریں گے۔ مگر اول الذکر پہلے آئے گا جب وقف محض بچوں کے لیے ہو تو اس میں بچوں کے بچے شامل نہیں ہوتے۔ بانی وقف کی لڑکی کے بچوں کے بچے الفاظ نسل۔ آل۔ بطن۔ (یا بچوں کے بچوں) میں شامل ہیں تاوقتیکہ یہ واضح نہ ہو کہ وقف صرف ذکور بچوں کے بچوں کے لیے ہے۔

ایسے الفاظ جو ساتھ ساتھ آئیں ان کے ماقبل الفاظ میں سب شامل ہیں۔ مثلاً یہ جملہ کہ میں ان میں وقف کرتا ہوں جو میرے عزیز ہیں میرے بچے اور میرے بچوں کے بچے میرے بھائی یہی وہ ہیں جن کو واقف عزیز خیال کرتا ہے۔ یہی صورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ بعد میں حوالہ نہ آئے اور اصل جملہ کے ساتھ کوئی شرط بڑھادی کی جاتی ہے بشر طیکہ یہ الفاظ حرف عطف اور جڑے ہوئے ہوں مثلاً میں اپنے بچوں اور اپنے بچوں کے بچوں، اپنے بھائیوں کے لیے جو میرے عزیز ہیں وقف کرتا ہوں۔ (یا بشر طیکہ ان میں سے کوئی بہت ہی بد اطوار نہ ہو)۔

جائیداد وقف کی ملکیت خداوند تعالٰی میں منتقل ہو جاتی ہے یعنی اس جائیداد پر اور کسی کا بھی ذاتی حق ملکیت خواہ واقف خواہ موقوف الیہ اور مستفیدان قائم و باقی نہیں رہتا۔

جائیداد موقوفہ ملکیت ذاتی کے تابع نہیں ہوتی

وقف سے صرف مستفید منفعت کا مستحق ہوتا ہے جو فی نفسہ یا بتوسل دیگر مثلاً

شئے موقوفہ کو وہ قرض یا کرایہ پر دے سکتا ہے مستفید کا کرایہ یا آمدنی وقف مثلاً پھول پھل جانوروں کے دودھ اور ان کے بچوں پر مکمل حق ہوتا ہے وہ وقف شدہ جانوروں کے بال اور ان کی کھال کا بھی مستحق ہوتا ہے۔

شافعی اصول مذہب کے مطابق درخت کے خشک ہونے پر وقف ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ درخت کے خشک ہونے سے لکڑی کا استعمال ممنوع نہیں ہے۔ اگرچہ بعض کے مطابق درخت بذریعہ نیلام فروخت ہونا چاہئے اور اس کی قیمت اس طرح استعمال ہونا چاہئے جیسے کہ متولی غلام کا فدیہ جو اس کے بجائے دوسرے کی خدمات حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسجد کی بوسیدہ چٹائیاں اور شہتیر فروخت کر دینا چاہئے اور یہ محض اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ ایندھن کے کام کے رہ جائیں۔ ایسی زمین جس پر کہ مسجد واقع ہے وہ کسی صورت میں فروخت نہیں ہو سکتی خواہ عمارت مسجد برباد ہو چکی ہو اور اس کی مکرر تعمیر ناممکن ہو۔

تولیت کے متعلق قواعد

اگر بانی وقف انتظام وقف خود کے لیے مختص کرے یا یہ منصب کسی تیسرے کو تفویض کر دے تو اس کو بروئے کار لانا چاہئے۔

اگر واقف نے کوئی ایسا انتظام نہ کیا ہو تو یہ قاضی پر منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ منیجر مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ یہ ضروری ہے کہ منیجر عمدہ چال چلن صحت جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر اس منصب کا اہل ہو۔ منتظم کے فرائض میں جائیداد وقف کی نگرانی وانتظام، کرایوں اور منافعوں کی وصولی یابی اور مستحقین کو تقسیم شامل ہے لیکن اگر اسے جزواً ہی انتظام کا اختیار دیا جائے تو اسے مفوضہ اختیارات کی حدوں سے تجاوز کرنا منع ہے۔ واقف ہر حالت میں منتظم کو علیحدہ کرنے اور اس کے بجائے دوسرے کو مقرر کرنے کا مجاز ہے۔

وقف نامہ میں منتظم نامزد کرنے کا اختیار مختص نہ ہو تو منتظم کا جاری شدہ پٹہ باوجود اضافہ شرح پٹہ یا مفید تر پیش کش کے بھی نافذ رہتا ہے۔

باب ۱۹۔ وقف کے آدابی قواعد

ضابطۂ کار

ایک مستفید وقف اپنے حق کی نسبت کہ جائیداد موقوفہ کا اعلان کیا جائے یا آمدنی وقف سے اس کے حصہ کا تعین کیا جائے اس بارہ میں مسلم قانون بہت واضح ہے اس کے مطابق کوئی بھی مستفید قاضی کے روبرو کسی بھی وقت پیش ہو سکتا ہے اور قانوناً جس دادرسی کا وہ مستحق ہو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے (حصول دادرسی) میں قانوناً کوئی پابندی نہیں ہے تاہم ہندوستان قانون سازوں نے بعض نوعیت کے مقدمات کے لیے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو قابل غور ہیں۔ خاص کر عدالت ہائے عالیہ کلکتہ و الہ آباد ضابطہ ہائے کار کے سلسلہ میں متفق نہیں ہیں۔ مسلم ممالک میں وہ عوامی نوعیت کے اوقاف جو عام پبلک مفاد کے لیے ہیں ان کا انتظام نگرانی دیکھ بھال گورنمنٹ کی مقررہ اشخاص کے سپرد ہے۔ مگر قاضی فرمانروائے وقت کے نمائندہ کی حیثیت سے اصلاً تمام اوقاف کا نگراں مجاز ہے۔ انگریزوں نے جب مغل شہنشاہ کے تحت صوبائی حکومتوں کا انتظام سنبھالا تو تمام ملک میں بے شمار اوقاف پھیلے ہوئے پائے خاص کردہ اوقاف جو فرمانرواؤں قف یا ان کے منصبداروں نے کئے تھے۔ کچھ عرصہ تک اوقاف کو اسی بدنظمی کی حالت میں جو وہ مسلم حکومت کے زوال پر تھے چھوڑ دیا گیا مگر ۱۸۱۰ء میں ایسے قانون کا نفاذ ضروری معلوم ہوا جس سے اوقاف اور عطیات کا تحفظ اور ان کی نگرانی ہو سکے۔ اور اسی غرض سے قانون ۱۹ بابت ۱۸۱۰ء نافذ ہوا۔

۱۸۶۳ء میں گورنمنٹ نے یہ مناسب سمجھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی اوقاف سے اپنا تمام تعلق علیحدہ کرے اور محض ایسے اداروں کا انتظام کرے جن کی نوعیت غیر مذہبی تھی۔ یہ خیال کیا گیا کہ ایک عیسائی حکومت کا ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اداروں پر اقتدار (دخل) بے قاعدہ اور نامناسب ہے۔

اس غلط مگر ہوش مندانہ پالیسی کے نتیجہ میں ۱۸۶۳ء کے ایکٹ ۲۴ کی تمہید اور

ابتدائی دفعات سے اس کی وسعت اور دوام کار نمایاں طور پر ظاہر ہے اور اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا دائرہ محض ان اوقاف تک محدود تھا جو اس ایکٹ کی دفعہ ۴، ۷، کے تحت متولیوں کو منتقل کیے گئے تھے۔

دل روز بیگم بنام نواب سید علی خان میں واضح طور پر یہ طے کیا گیا کہ ایسے انتقال کی صورت میں متولی و منیجر کے خلاف حسب دفعہ ۱۸ کوئی بھی درخواست بابت ارجاع نالش بلا اجازت قابل پیش رفت نہ ہو گی۔ اس لئے کہ ایکٹ مذکور کے تحت بھی نگرانی اوقاف متولیوں پر منتقل نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں جب کہ ایکٹ کی دفعات کے تحت اوقاف کی نگرانی متولیوں پر کبھی منتقل نہ ہوئی ہو تو ابتدائی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل دفعات ۴، ۷، کے تحت انتقال ایک معیار (آزمائش) تھا کہ آیا نوعیت وقف عوامی تھی یا نہیں۔

اگرچہ رینیو بورڈ نے قانون ۹ بابت ۱۸۱۰ء کے تحت اوقاف کو لے لیا تھا اور ما بعد قانون ۲۰، ۱۸۶۳ کے بادی النظر میں متولیاں (ٹرسٹیز) کو منتقل کر دیا تھا تو یہ ایسا وقف تھا جن کے منافعوں میں عوام شرکت کے مستحق تھے۔ اس لیے دعاوی دائر کرنے کے لیے اولاً اجازت حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔

بمقدمہ دل روز بیگم بنام نواب سید اصغر علی جو اصول ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کی نوعیت اور حدود کے بارہ میں طے ہوئے۔ دوجان علی بنام رام ناتھ منڈل کے فیصلہ سے قطعاً مسترد ہو گئے۔ فیصلہ مذکورہ میں دراصل یہ طے کیا گیا کہ ہر مسجد مندر اور کالج یا کوئی مذہبی ادارہ جس کی امداد کے لیے سابقہ حکومتوں یا افراد نے زمین بطور عطیہ دی ہے وہ سب ایکٹ ہذا کے حدود اختیار میں آتے ہیں۔ پس ان اداروں سے متعلق کوئی دعویٰ بلا اجازت حسب دفعہ ۱۸ کے دائر نہیں ہو سکتا۔

نظیر مذکور کو عدالت کلکتہ نے بظاہر ایک دوسرے مقدمہ کے فیصلہ میں اختیار کیا ہے جس میں مدعی نے چند قطعات آراضی پر بازیابی قبضے کا دعویٰ خلاف متولی دائر کیا تھا۔ بنا دعویٰ یہ تھی کہ وہ وقف ہے اور اس کا منافعہ راہ گیروں اور وارد و صادر کی خوراک اور بوقت شام، مسجد ودرگاہوں کی روشنی اور نیز موقع عیدین پر ادائیگی نماز کے مصارف کے استعمال کے لیے تھا۔ مگر وہ کبھی ان مقاصد پر صرف نہیں ہوا۔

مدعیہ کا یہ بھی عذر تھا کہ اس کا متوفی شوہر سابق متولی تھا۔اس کی موت پر اس کے سوتیلے لڑکے نے جائیداد ہائے اوقاف پر قبضہ کرلیا اور تب ہی سے ان نے آراضیات اوقاف کے مقرری پٹہ مدعا علیہ ۲، کو دیدیا پس یہ استدعا کی گئی ہے جائیداد ہائے متدعویہ کا پٹہ بیع و اجارہ منسوخ کیا جائے۔مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئی کہ ہر چار قطعات آراضی مذکورہ وقف تھے۔ عدالت ابتدائی نے اس کے حق میں ڈگری صادر کی۔جس کی جج نے مابعد توثیق کردی۔ عدالت عالیہ کلکتہ کے روبرو اپیل میں عذر اٹھایا گیا کہ وہ دعوی دائر کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ فاضل ججان نے ان عذرات کو منظور کرتے ہوئے درج ذیل وجوہ کی بناپر دعویٰ خارج کردیا۔

مقدمہ ہذا کے بیان دعوے کے مطابق وقف جزواً امور خیر و جزواً مذہبی اغراض کے لیے ہے۔ جہاں تک راہ گیروں کو خوراک مہیا کرنے کی صورت ہے یہ عوام کی کافی تعداد کے نزدیک وقف ہے۔اس سے ایک خاص مقصد کی تکمیل ہوتی ہے پس یہ عام مقصد خیر کے لیے وقف ہے۔مدعیہ کا منشاء دعویٰ متولی کی علیحدگی اور اس کے بجائے خود کا تقرر اور اپنی ذات میں جائیدادوں کا تفویض کرنا ہے۔

ضابطہ دیوانی کی دفعہ ۵۳۹ محض اس نوع کے مقدمات پر لاگو ہوتی ہے جو اصلاً وقف کے انتظام سے متعلق ہوں اور ایسا دعویٰ دفعہ مذکور کی شرائط کے مطابق ہی دائر ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وقف متدعویہ نہ ضابطہ عدالت دیوانی کی دفعہ ۵۳۹ کی منشاء کے مطابق ہے نہ کہ فلاح عام سے متعلق، نہ یہ مذہبی وقف جس پر کہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کا اطلاق ہوسکے۔ تاہم یہ تنہا تقرری تولیت اور حصول قبضہ جائیداد کے سلسلہ میں دعویٰ دائر کرنے کی مستحق نہیں ہے۔

عدالت ابتدائی نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ مدعیہ سابق متولی مکرم علی کی زوجہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ دائر کرنے کی مستحق تھی مگر محض یہ امر وجہ کافی نہیں ہے۔اگر ہم یہ بھی سمجھ لیں کہ اس نے وقف میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے دعویٰ دائر کیا مگر عرضی عویٰ سے ظاہر ہے کہ وقف میں دلچسپی رکھنے والے اور بھی لوگ ہیں تو وہ ان کی طرف سے دعوی دائر کرسکتی تھی اور اس صورت میں دعویٰ کے لیے ان کو عدالت سے اجازت حاصل کرنا چاہیئے ورنہ دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کی شرائط کی پابندی کرتی یہ سب کچھ نہ کرنے کی

وجہ سے ہمارے خیال میں اسے دعویٰ دائر کرنے کا حق نہیں ہے دعویٰ ہذا کو خواہ کسی پہلو سے دیکھیں یہ واضح ہے کہ وہ مناسب طور پر ترتیب نہیں دیا گیا اس لئے نا قابل پیش رفت ہے۔

بعد میں یہ معلوم ہوگا کہ یہ نظریہ مسلم قانون کے احکامات کے صریحاً خلاف ہے اور ایسی قیود عائد کرتا ہے جو قانوناً تسلیم شدہ نہیں ہیں۔ عدالت عالیہ الہ آباد نے عدالت العالیہ کلکتہ سے اس بارہ میں اختلاف کرتے ہوئے طے کیا ہے کہ ہر مسلمان وقف قرار دئے جانے کے لیے فی نفسہ دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے۔ یا اس کے مفاد میں اپنا حق ثابت کر سکتا ہے۔

ظفریاب علی بنام بختاور سنگھ

مقدمہ ظفریاب بنام بختاور سنگھ میں بعض مسلمانوں نے تکیہ الموسوم نجف علی شاہ پر قبضے کا دعویٰ کیا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ اس کا رہن نامہ مورخہ ۲۸/ مئی ۱۸۷۷ء اور ڈگری مورخہ ۱۸/ مئی ۱۸۸۰ء اور عدالتی نیلام مورخہ ۳۰/ مئی ۱۸۸۱ء منسوخ ہو کر ہر دو دیواریں منہدم کی جائیں اور مدعا علیہم کو بے دخل کیا جائے۔ مدعا علیہم نے یہ جواب دہی کی کہ جائیداد متدعویہ وقف یا وقف عام یعنی جو مسجد امام باڑہ قبرستان (جس میں بہت سے مقبرے تھے) پر مشتمل تھی یہ کہ مدعا علیہم جو جائیداد کا منیجر تھا مدعا علیہم ۲، ۳، کے آباؤ واجداد تھے مدعا علیہم ۵ کو رہن کر دیا تھا۔ اور اس نے رہن سادہ کی بنا پر ڈگری حاصل کر کے جائیداد کو نیلام کرایا جسے مدعا علیہم ۶، ۷، نے خرید لیا۔ یہ کہ مدعا علیہم ۵ نے بعد حصول قبضہ آراضی پر دو دیواریں تعمیر کرائیں جن سے اصل اغراض وقف میں مداخلت ہوئی۔ اس تمام کارروائی کا مدعیان کو جب ۴/ جون ۱۸۸۲ء کو علم ہوا تو دعویٰ دائر کیا گیا۔ مدعا علیہم کی جواب دہی ہوئی کہ مدعیان دعویٰ دائر کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ عدالت ابتدائی کا یہ فیصلہ ہوا کہ مدعیان دعویٰ کے مجاز ہیں۔ اور کہا کہ عام اصول ہے کہ شکایت کنندہ فریق شکایات کی داد رسی کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر معاملہ ہذا میں دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں نے مدعا علیہم کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا ہے تاکہ عدالت ہائے انصاف سے شکایات کا ازالہ کرا سکیں۔ مسلم قانون مدعیان کو اس طریقہ کار کے لیے مجاز کرتا ہے۔ اور ہر مسلمان مذہباً اوقاف عامہ کو اغیار کی دستبرد سے بچانے کا حق رکھتا ہے۔

فاضل جج نے اپیل میں عدالت ابتدائی کے فیصلے کو اس بنا پر کہ مدعی کو دعویٰ دائر کرنے کا حق نہ تھا منسوخ کردیا اور یہ بھی لکھا (حوالہ عالیہ اور قریب تر مماثل فیصلے عدالت پریسیڈنسی مصدرہ اگست جان علی بنام رام ناتھ منڈل تھا) میری رائے ہے کہ مدعیان کو دعویٰ ہذا کے لیے ایسی کوئی وجہ نہیں جو کہ وہ جائیداد کو وقف قرار دلا کر خود اس پر قبضہ کرلیں۔ وہ خود کو نہ تا جائیداد کا متولی بتاتے ہیں اور نہ اس میں کسی اور طرح انہوں نے اپنا خاص مفاد ظاہر کیا ہے اور نہ کوئی دستاویز وقف نامہ پیش کی ہے پس میں یہ خیال نہیں کرتا کہ دعویٰ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ء کے تحت ہے اس لئے کہ منشاء دعویٰ خلاف منیجر بر بنائے بددیانتی نہیں ہے۔ لیکن اسے اس لئے فریق بنایا ہے کہ تنسیخ وقف نامہ کی استدعا ہے۔ بہر حال دعویٰ خلاف قاعدہ ہے۔ عدالت ہذا یا کسی دیگر عدالت میں بھی دعویٰ دائر کرنے کی اجازت کی درخواست پیش نہیں کی گئی۔ یہ عذر کہ وقف امر خیر کی خلاف ورزی ہوئی ہے تب بھی حسب دفعہ ۵۳۹ کلکٹر کی اجازت حاصل کرنا ضروری تھی جو نہیں کی گئی۔ مدعیان نے عرضی دعویٰ کے کسی حصے میں بھی یہ نہیں بتایا کہ انہیں دعویٰ کا اس لئے حق خاص حاصل ہے کہ وہ مبینہ مسجد میں نماز میں شریک ہوتے رہتے ہیں اور (نماز میں) شریک ہونے کا حق حاصل ہے بلکہ وجہ مناط نالش محض یہ بتائی کہ مدعا علیہم نے جائیداد کو منتقل کردیا ہے۔ اگر موخر الذکر کی جانب سے یہ دعویٰ دائر ہوتا تو عدالت اس کو طے کرتی مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ جگہ عام عبادت گاہ ہے جو اس شہر کے میونسپل کمشنر ہی مناسب طور پر طے کر سکتے ہیں اور فی الاصل یہ طریقہ کار منشا قانون کے عین مطابق ہے۔ پس میں دعویٰ خارج کرتا ہوں۔

اپیل ثانی میں مدعیان نے عذر کیا کہ مسلمان ہونے کی بنا پر وہ قانوناً دعویٰ دائر کرنے کے مجاز تھے اور دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کے مقررہ اصول کے پابند نہ تھے دفعہ مذکور مقدمہ ہذا پر موثر نہیں ہے اور یہ کہ ماتحت عدالت مرافعہ نے مقدمے کا منشا غلط سمجھا کیونکہ دفعہ مذکور کے تحت کسی دادرسی کی استدعا نہیں کی گئی تھی۔ تحت دفعہ ۵۵۴ عدالت عالیہ کلکتہ نے عدالت دوئم کے فیصلے کو منسوخ کیا اور یہ لکھا کہ مدعیان چونکہ مسلمان ہیں اس لئے مسجد میں جانے اور وقف سے متعلق ایک مذہبی عمارت کو کام میں لانے کے مستحق ہیں اس بنا پر صریحاً دعویٰ کے مجاز ہیں اس لئے ضابطہ دیوانی کی دفعہ

۵۳۹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ہماری رائے میں وقف متدعویہ حسب دفعہ ۲۴ ایکٹ ۶ ۱۸۷۱ء کے مفہوم کے مطابق ایک مذہبی ادارہ ہے۔ اس لئے مسلم قانون کا اس پر اطلاق ہوتا ہے پس حسب دفعہ ۵۶۴ ضابطہ دیوانی ہم مقدمے ہذا کو روئدادی تحقیقات اور تجویز کے لیے واپس کرتے ہیں۔

جواہر بنام اکبر حسین

بمقدمہ مابعد جواہر بنام اکبر حسین کو عدالت ہذا کی پوری بنچ نے طے کیا اس میں کسی مسلمان کے مسجد کو عبادت کی غرض سے استعمال کے حق نالش پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ بیان دعویٰ میں ہے کہ موضع مملوکہ مدعی میں ایک شکستہ مسجد مسلمانوں کی عبادت کی غرض سے جس کی دیکھ بھال مدعی اور موضع کی دیگر مسلمان کرتے تھے اور چونکہ مسجد اور اس کے ملحقات وقف تھے موضع کی تقسیم کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔ مدعی مسجد کی مرمت کرانا چاہتا تھا مگر مدعا علیہم نے مسجد زمین کے ایک حصہ کو گھیر کر اس میں چکی نصب کر دی گئی۔ اور ایک خام خس تعمیر سے مسجد کو چارہ کے گودام میں تبدیل کر دیا تھا۔ تمام افعال خلاف قاعدہ تھے۔ یہ کہ مدعی نے مدعا علیہم کو سمجھایا اور قبضہ ہٹانے کے لیے کہا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہیں کہ بلکہ مدعیان کو مرمت سے روک دیا۔ چونکہ مدعا علیہم کے خلاف ورزی قانون افعال سے جائیداد وقف کی نوعیت متاثر ہو کر اس کے مذہب کی توہین ہوتی ہے مدعی نے ان وجوہ کی بنا پر استقرار حق کا دعویٰ دائر کیا کہ مدعا علیہ کی تعمیرات ہٹا کر وہ مسجد کی مرمت کا مستحق ہے۔ نیز احاطہ سے چکی و خس پوش ملبہ کو علیحدہ کرنے اور مسجد سے چارہ کا گودام خالی کرا کر احاطہ کی دیواروں کو منہدم کرانے کا بھی مستحق ہے۔ بیان دعویٰ ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ "مسلم مذہب کے اصول اور تحریری ولسانی شہادت کی بنا پر دعویٰ دائر کیا گیا ہے"۔ مدعا علیہم نے مدعی کے مبینہ افعال سے انکار نہیں کیا بلکہ جواب دہی میں علاوہ دیگر عذرات کے یہ عذر کیا کہ جائیداد متنازعہ مسجد نہ تھی بلکہ قطعہ خسرہ تھی جو زمانہ سابق میں لٹیروں سے حفاظت کی غرض سے تعمیر ہوا تھا اور یہ کہ مدعی کو اس کی تعمیر کا کوئی حق نہ تھا۔ عدالت ابتدائی نے یہ طے کیا کہ وہ مسجد تھی نہ کہ گڑھ اور یہ بھی طے کیا کہ مدعی بحیثیت مسلمان مذہبی عمارات کے محافظ کے

طور پر مرمت مسجد کا مستحق تھا۔ پس حسب دادرسی مدعی دعویٰ ڈگری کر دیا۔ اپیل میں مدعا علیہ نے عذر کیا ہے کہ چونکہ جائیداد موقوفہ ہے اس لیے تاوقتیکہ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ء کے تحت مدعی ایڈوکیٹ جنرل کی اجازت حاصل نہ کرے نہ دعویٰ دائر ہو سکتا ہے نہ قابل پیش رفت ہے۔ عدالت نے پہلا عذر مسترد کر دیا۔

ایسا ہی بمقدمہ ظفر یعقوب بنام بختاور سنگھ عدالت العالیہ نے فیصلہ صادر کیا کہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی کی لاگو نہیں ہوتی۔ مدعیان چونکہ مسجد میں داخلہ کے مستحق ہیں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں یہ فیصلہ عدالت العالیہ کلکتے کی نظیر سے بالکل مختلف ہے (ملاحظہ ہو جان علی بنام رام ناتھ منڈل) عدالت ابتدائی کی ڈگری کی پس توضیح کی گئی ہے۔

مرافعہ ثانی میں مدعا علیہ نے عذر کیا کہ بصورت موجودہ دعویٰ ناقابل پیش رفت ہے اس لئے کہ مدعی نے دعویٰ کے لیے کوئی بناء دعویٰ ظاہر نہیں کی اور جیسے کہ اس موضع میں غالباً دوسرے مسلمان باشندے بھی رہتے ہیں دعویٰ ہذا دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے تحت ناقابل پیش رفت ہے۔ واقعات اور عذرات پر چیف جسٹس نے درج ذیل فیصلہ صادر کیا۔

مجھے اس بارہ میں کوئی شبہ نہیں کہ مدعی دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ ایسی جائیداد کو عجیب طرح سے رکھا گیا مذہب اسلام کے مطابق جائیداد آراضی متعلق مسجد ہے جو نہ تفویض ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے بلکہ اب چونکہ مسلمان اس ملک کی آبادی کا ایک حصہ ہیں۔ عام پبلک کو یہ حق تفویض نہیں ہوتا پس یہ حق ذاتی کے مماثل ہے اور ہر شخص بلا کسی رکاوٹ اپنے حق استعمال میں مداخلت کرنے والے کے خلاف دعویٰ کا مستحق ہے۔

یہ حق مشترکہ نہیں ہے بلکہ اس حق میں بہت سے افراد شامل ہیں دفعہ ۳۰ کا ایسے مقدمات پر اطلاق ہوتا ہے جب کہ بہت سے اشخاص کو مشترکاً دادرسی میں دلچسپی ہو اور دیرینہ قانون کے تحت ایسے تمام اشخاص کو شامل کرنا ضروری ہو۔ دفعہ ۳۰ مقدمہ میں رکارڈ کو ناموں کی گراں باری سے مانع ہے اور عدالت کی اجازت سے ایک یا زیادہ اشخاص کو سب کی طرف سے دعویٰ یا جواب دہی کا مجاز کرتی ہے۔ اس دفعہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ متمول اشخاص باہم مل کر ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے لیے سامنے لا

کر تمام صرفہ سے بچ جائیں۔

مقدمہ ہذا میں ظاہر ہے کہ ایک انفرادی حق کے خلاف ورزی کی گئی ہے پس مقدمہ قابل پیش رفت ہے۔

فاضل جج محمود کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔

میں مسلم لا کے مطابق عام او قاف اور خاص طور پر مساجد کے بارہ میں چند جملوں کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔اولاً یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مقدمہ ہذا کے مثل دعویٰ کا حق حاصل ہے۔اور اس کے لیے نظائر کے حوالے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس اصول سے فقہا بخوبی واقف ہیں۔ موضوع ہذا پر اصول شرع یہ ہے کہ جب کوئی شخص اغراض مذہبی کے لیے وقف کا ارادہ کرے اور جب اسکی نیت کسی فعل مختص مثلاً قبضہ دہانی وغیرہ سے ظاہر ہو تو وقف فوراً تشکیل پاکر واقف جائیداد میں حقوق ملکیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمان فقہا کی اصطلاح میں یہ ملکیت خداوندی میں تفویض ہو کر قواعد وقف کے تابع ہوتی ہے۔اور مخلوق خدا اس سے استفادہ کرتی ہے۔

مسجد اسی قسم کا وقف ہے جس میں مسلمین یا کسی بھی مسلمان کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ فاضل چیف جسٹس نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے حالات میں مسجد عوام کو تفویض کی ہوئی خیال نہیں کی جاسکتی۔ مگر مسلم عوام کے بارہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی بھی مسلمان عام لوگوں کی طرف سے دعویٰ دائر کرنے کا مجاز ہے۔ استعمال مسجد کے بارہ میں بقول فاضل چیف جسٹس کسی بھی مسلمان کا حق خانگی سڑک کے حق کے استعمال کے مثل ہے اور کوئی بھی شخص جسے حق حاصل ہو دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔پس دفعہ ۳۰ ضابطہ دیوانی کے مطابق طے ہو جاتا ہے۔ دفعہ ہذا محض ان مقدمات پر لاگو ہوتی ہے جن میں انفرادی حق مداخلت نہ ہو مگر یہاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایسی مسجد کا معاملہ ہے جس میں نمازیوں میں سے ایک کی ادائیگی نماز میں مزاحمت کی جاتی ہے اس کو ایک حق ذاتی تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی۔

دفعہ ۵۳۱ ضابطہ دیوانی کے متعلق یہ بتانا ہے کہ میں بھی ان فاضل ججان کی بنچ میں تھا جس نے کہ یہ استصواب کیا تھا اور میں ان دلائل میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں جن کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ دفعہ مذکور مقدمہ ہذا پر لاگو نہیں ہوتی۔ یہاں مسئلہ وقف یا متولی یا

وقف کی مالیت میں بددیانتی یا خیانت کا نہیں ہے اور نہ دعویٰ ہذا کا منشاء دفعہ ۵۳۹ کی مختلف اشکال کے بارہ میں ہے۔ اخیر میں مقدمہ جان علی بنام رام ناتھ منڈل مفصلہ عدالت العالیہ کلکتہ و جان بارہ میں چند الفاظ لکھتا ہوں۔ یہ فیصلہ اس نتیجہ پر ختم ہوتا ہے کہ جہاں تک داد رسی کا تعلق ہے ہمارے خیال میں مدعیان کو بیان دعویٰ کے محض پیرا ۱۰،۱۱ کی بنا پر دعویٰ کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ بحیثیت مسلمان مسجد کے پڑوسی اور مسجد میں نماز یا جماعت کی پابندی سے یہ حق پیدا ہوا اور یہ تعلق دوسرے مسلمانوں کی کثیر تعداد سے مشترک ہے۔ لیکن اس میں ملک کی تمام آبادی نہیں آتی تاہم پڑوس کے کل رہنے والے شامل ہیں۔

معاملہ ہذا پر دفعہ ۳۰ ضابطہ عدالت دیوانی کا اطلاق ہونا چاہئے۔ دفعہ مذکور اس طرح ہے۔

"جب کسی مقدمے میں ایک ہی مفاد کے ایسے بہت سے فریق ہوں تو با اجازت عدالت فریقین میں سے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ پیروی مقدمہ یا (دائری دعویٰ یا جواب دہی) کے لیے بطور خود یا دیگر فریقین کی جانب سے کارروائی کے مجاز ہیں"۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر مدعیان نے دفعہ ۳۰ کے تحت عدالت میں درخواست پیش کی ہوتی تو ان کو دعویٰ کی اجازت مل جاتی۔ مگر اجازت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے وہ دعویٰ دائر کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ان حالات میں جواب دعوی کے پیرا ۲ میں مدعا علیہ کا عذر جس پر تنقیح ۲ قائم ہوئی ایک عذر معقول تھا اور ڈسٹرکٹ جج نے دعوی ہذا صحیح طور پر خارج کیا"۔

فاضل جان جنہوں نے یہ فیصلہ صادر کیا ان کے حفظ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے طے کرتا ہوں کہ شرع کا قطعی یہ اصول ہے کہ وہ اشخاص جن کو مسجد سے سب سے زیادہ تعلق ہوتا ہے وہ اس میں نماز ادا کرنے والے نمازی ہیں۔ میرے لئے یہ تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر ان کا ہی مسجد سے تعلق نہ ہوگا تو کس کا ہوگا۔ مجھے یہ بتانا ہے کہ اگر مقدمہ ہذا دفعہ ۵۳۹ کے تحت ہے تو ان میں سے بعض کو ہی دعویٰ کا حق ہے مگر وجوہات کی بنا پر جو میری رائے میں نہ دفعہ ۳۰ نہ دفعہ ۵۳۹ ضابطہ دیوانی مقدمہ ہذا میں لاگو ہوتی ہے اور یہ کہ مدعی دعویٰ کا مجاز تھا۔

عدالت العالیہ الہ آباد کا فیصلہ شرع کے مطابق ہے

عدالت العالیہ الہ آباد کا فیصلہ احکام شرع کے مطابق ہے وہ مسلمان جو کسی وقف سے فائدہ حاصل کرتا ہے متولی کے خلاف دعوی استقرار حق کا مجاز ہے کسی بیجا مداخلت کنندہ کے خلاف (جس نے جائیداد وقف کے حصہ میں تصرف بیجا کر رکھا ہو) بلا کسی دیگر شخص کو مفاد میں شامل کئے دعویٰ کا حق حاصل ہے۔

درالمختار اور ردالمختار کے وضع کردہ اصولوں سے واضح ہے کہ اول الذکر کے مطابق بعض مستفیدین دوسروں کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اسی طرح جیسے کہ بعض ورثا دوسروں کی نمائندگی کر سکتے ہیں اور اشیا کے مطابق ایسی کوئی تیسری صورت نہیں ہے جہاں ایسا ہو سکے۔

مصنف درالمختار لکھتا ہے کہ اسی طرح ایک مقروض کا افلاس بھی قرض خواہ کی موجودگی میں ثابت ہو سکتا ہے۔ (باالفاظ دیگر ایک قرض خواہ دوسرے قرض خواہان کی نمائندگی کر سکتا ہے) فقہا کے نزدیک مدعی کی عدم موجودگی میں افلاس کی شہادت دی جا سکتی ہے اور یہی اصول نابالغ کی شادی اور اس کے سرپرستوں کے اعتراضات کے سلسلے میں لاگو ہوتا ہے۔ ہر دو مساوی سطح پر ہیں۔ یہی صورت ایک مسلمان کی ہے جو انتظامیہ سے امن نیز عام مسلمانوں کے راستہ سے ضرر العام ہٹانے کی درخواست دے سکتا ہے۔

یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ طلب قرضہ میں ایک وارث تمام ورثا کی نمائندگی کر سکتا ہے مگر آمدنی وقف میں جبکہ جائیداد اس کے قبضہ میں نہ ہو ایسا نہیں کر سکتا بعض مستحقین پوری جماعت کی جانب سے جب کہ وقف جماعت کے حق میں ہو اور واقف بھی ایک ہی ہو دعویٰ کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں محض ایک شخص یا اس کا اپنے نام سے، بشرطیکہ وقف ثابت ہو دعویٰ کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ردالمختار کی شرح اس طرح ہے پس بعض مستفیدین کی نمائندگی سب کی نمائندگی کے مماثل ہے اور وقف کے بعض متولی تمام کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں جیسا کہ نذور خانیہ کے باب ۱۳ میں درج ہے۔

ایک شخص اپنے قرابت داروں کے حق میں وقف کرتا ہے اور دوسرا شخص خود

کو قرابت دار بتائے اس وقت اگر واقف زندہ ہے تو وہ دعوئ کنندہ کا مقابل ہے ورنہ متولی ہو گا۔ اگر کئی متولیاں ہوں تب بھی ایک کے خلاف دعوئ دائر ہو سکتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان سب کو ہی شامل کیا جائے۔ متوفی کا کوئی وارث مدعی علیہ نہیں بنایا جا سکتا۔

ایک وارث متوفی کے اثاثے کی وصولیابی کے بارہ میں دوسرے ورثا کی بھی نمائندگی کر سکتا ہے اور ایک قرض خواہ کی موجودگی میں مقروض کا افلاس ثابت ہونا دوسرے قرض خواہوں کے لیے بھی لائق پابندی ہو گا اسی طرح ایک ولی کی ایک درجے کی رضامندی دوسرے ولیوں کے لیے بھی لائق پابندی ہو گی۔

اسی طرح ایک مسلمان کے کسی حربی کو امن دینے سے مسلمان پابند ہوں گے جیسا کہ سیر (خبر) میں ہے اسی طرح کسی مقتول کے ولی کا قصاص ترک کرنا ایسا ہے جیسے کہ تمام ولیوں نے قصاص معاف کر دیا ہو۔ یہ امر کہ آیا قصاص بالغ ولیوں کے معاف کرنے سے نابالغ ولی بھی اس کے پابند ہوں گے اس بارہ میں اختلاف ہے اصول یہ ہے کہ چونکہ معافی کا حق تقسیم نہیں ہو سکتا ایک کی معافی بمنزلہ سب کی معافی کے ہے تاوقتیکہ بالغ ولی نابالغ ولی کا غیر نہ ہو۔

مثلاً اگر مقتول نے ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوہ جو اس لڑکے (نابالغ) کی ماں نہ ہو چھوڑے ہیں۔

اسی طرح ایک شخص دوسروں (مسلمانوں) کی جانب سے عام مسلمانوں کی مشکلات دور کرنے کے لیے دعوئ کر سکتا ہے باالفاظ دیگر ان کی تکالیف کے ازالے کے لیے دعوئ دائر کر سکتا ہے مثلاً ایک شخص کوئی نالہ بناتا ہے تو عوام میں (جس کو بھی اذیت پہونچے) اس کے ازالے کے لیے دعوی کے ذریعہ دوسروں کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ دیگر مستحقین یا متولیان کو (جیسی بھی صورت ہو) شامل کئے بغیر ایک مستحق یا متولی کی جانب سے جواز وقف کے دعوئ کی صورت میں محض مدعا علیہ کے عذر آور ہونے کی صورت میں مدعی کے دعوئ کا حق نہ متاثر نہ زائل ہو گا۔

محض اس صورت میں جب کہ وقف ثابت کرنے کے لیے دعوی دائر کیا جائے شرعاً ایک دوسرا طریقہ کار ہے۔ یعنی اگر قاضی کی اجازت سے دعوئ دائر کیا جائے تو دیگر اشخاص جو وقف سے دلچسپی رکھتے ہوں تو ان کی نمائندگی کی شرط کی تکمیل

ہو جاتی ہے۔

ہر وقف کے سلسلہ میں ایکٹ ۱۱، ۱۸۱۰ ایکٹ ۲۰، ۱۸۶۳ کے امور موخر الذکر ایکٹ کے تحت کا اس پر قبضہ نہ ہو۔ ایسے شخص کی جانب سے دعویٰ کے لیے جو وقف میں استفادہ کا مستحق ہو بطور شرط ما قبل اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ضابطہ دیوانی ایکٹ ۵، ۱۹۰۸ کی دفعہ ۹۲ جو ایکٹ ۱۴ دفعہ ۵۴۲ کے بجائے اس طرح ہے۔

"کسی وقف کی صریح یا تعبیری خلاف ورزی کی صورت میں جو فلاحی یا مذہبی اغراض عامہ کے لیے ہوں یا کسی وقف کے انتظام کے سلسلہ میں کسی عدالت کی ہدایات کی ضرورت ہو تو دو یا زیادہ اشخاص جنکا اس وقف میں مفاد ہو وہ ایڈوکیٹ جنرل کی اجازت تحریری کے بعد عدالت ابتدائی دیوانی یا کسی دیگر عدالت میں جس کو حکومت نے مجاز سماعت کیا ہو اور جس کے حدود ارضی میں جائیداد موقوفہ کا کل یا جزو واقع ہو۔ درج ذیل امور کی ڈگری کے لیے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔

(الف) کسی متولی کی علیحدگی کے لیے

(ب) نئے متولی کے تقرر کے لیے

(ج) متولیان میں تفویض جائیداد کے لیے

(د) حسابات کی جانچ یا تحقیقات کے حکم کے لیے

اس امر کی ہدایت کہ جائیداد موقوفہ کا کون سا حصہ یا اس میں مفاد وقف کے کن مقاصد کے کام آئے گا۔

(س) جائیداد وقف کے کل یا جزو کو کرایہ بیع۔ رہن۔ یا مبادلہ کا مجاز کرنا۔

(ش) کسی اسکیم کا طے کرنا

(ق) ایسی مزید یا دیگر دادرسی جس کی نوعیت مقدمہ کے مطابق ضرورت ہو۔ یا استثنا کے توقعات..... ۱۸۶۳ کوئی بھی دعویٰ کسی جائیداد کے متعلق دادرسی جو سب سکشن (۱) مختص کی گئی ہو جیسا کہ بتایا گیا سوائے سب سیکشن کی شرائط کے جو کہ اس کے مطابق ہوں کسی بھی صنعت کے لیے دائر نہیں کیا جاتا۔

پس اس سے ظاہر ہوگا کہ دفعہ ۹۲ کے احکامات کو وقف پر لاگو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وقف عوامی امور خیر یا مذہبی اغراض کے لیے ہو۔ باالفاظ دیگر یہ عوام کو

تفویض کیا گیا ہو اور اس کے مستحقین عوام میں سے ہی منتخب ہوئے ہوں۔

یہ دفعہ ایک پبلک وقف کے وجود کو جزواً یا کلیتاً اس کے انتظام کے بارہ میں مقدمہ کی پیش کش قیاس کرتی ہے۔ یہ اشخاص مندرجہ کو متولیان کے خلاف وقف کے بہتر انتظام کے لیے دعویٰ کا مجاز کرتی ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ دفعہ پیش قیاس کرتی ہے اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ اس سے قبل کہ دفعہ کا اعلان ہو سکے وقف کو تسلیم کرے بلکہ وقف کے وجود پر مقدمہ چلنا چاہئے۔ خواہ اسے مدعا علیہ تسلیم کرے یا نہ کرے۔

پرائیوٹ اوقاف افراد یا خاندان کی ذاتی ضروریات یا مدد کے لیے عوامی اوقاف سے وہ اوقاف مراد ہیں جو یا تو عوام الناس کے فائدے کے لیے ہو یا اس کا کچھ حصہ خاص مقصد کے لیے مختص کیا گیا ہو۔

خانگی اوقاف میں مفاد ایسے ایک یا زیادہ اشخاص میں تفویض ہوتا ہے جو کہ قطعاً معین ہوں یا کسی وقف کے اندر معین ہو سکیں۔ اور جو مجموعی طور پر (تاوقتیکہ کوئی قانونی رکاوٹ نہ ہو) وقف مقررہ میں وقف کی نگرانی۔ تبدیلی یا معین کرنے کے مجاز ہوں گے ایک عام یا امر خیر سے متعلق وقف میں اس کے برعکس تکمیل مقصد کے لیے اس کی جماعت میں ایک غیر یقینی اور تغیر پذیر ممبران کی تعداد ہوتی ہے۔ حالانکہ وقف فی نفسہٖ دائمی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ایسا وقف رفاہ عام جیسے کہ غرباء یا علم یا مذہب کی مدد یا فلاح عامہ کے مقاصد یا مذاہب کی ترقی کے لیے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ تمام مذاہب کی غرض فلاح عامہ ہے۔

شرع میں عوامی وقف کون سے ہیں

ایک مسلمان کی مسجد (تاوقتیکہ یہ جامع مسجد نہ ہو) ایک نجی امام باڑہ جو کہ نجی طور پر تقسیم خیرات کے لیے ہو جیسا کہ بمقدمہ لطف النساء بی بنام نظیرا بی بی میں ہے یا عوام کی کم و بیش محدود جماعت کے منافعہ کے لیے ہو ایسا وقف فقہا کے نزدیک عوام میں تفویض نہیں ہوتا۔ شرع میں ان اوقاف کے درمیان واضح امتیاز ہے وہ جو اپنی نوعیت میں عوامی ہوں اور وہ جو پرائیوٹ (نجی) ہوں۔ وہ اوقاف جو اپنی نوعیت میں عوامی ہوں غالباً دفعہ ۹۹ کے دائرہ میں آتے ہیں وہ مصالح عامہ سے متعلق ہیں۔

جیسے جامع مسجد۔ پل۔ نیز وہ جن پر عوام کے استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے

مثلاً کارواں سرائے جن میں ہر شخص ٹھہر سکتا ہے۔ عام شفا خانے۔ عام قبرستان۔ تمام لائبریریاں۔ پبلک مدرسے۔ پبلک امام باڑے مثل حاجی عزیز محسن کے امام باڑے کے جو دہلی میں واقع ہے۔

ایسے اوقاف جو پرائیویٹ یا از قسم پرائیوٹ نوعیت کے ہوں۔ دفعہ ۹۲ کے احکام کی طرح لاگو نہیں ہوتے اور اوقاف کے بارہ میں دعویٰ کا حق عام قانون احکام کے مطابق طے پائے گا۔

جائیداد وقف کی بازیابی کے لیے کون دعویٰ کرسکتا ہے

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب وقف کی نوعیت غیر مشتبہ ہو یا جائیداد موقوفہ تسلیم کرلی گئی ہو اور اس کے کئی متولیان ہوں تو اس سے ایک یا زیادہ دوسروں کو شامل کئے بغیر جائیداد موقوفہ کے بارہ میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی متولی نہ ہو یا کوئی بطور متولی کام کرنے کو تیار نہ ہو تو مستحقین میں سے کوئی یا ان میں سے بعض دوسروں کے جانب سے ۔اگر وقف کے سلسلہ میں کوئی نزاع ہو تو متولیان میں سے بعض اور ان کی عدم موجودگی میں مستحقین میں سے بعض دوسروں کی جانب سے با اجازت قاضی دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔ ایسی جائیداد وقف کی بازیابی کے دعویٰ کا حق واقف کے ورثا یا اولاد کو نہیں ہے بلکہ مشترکہ متولیوں کو ہے ایسا شخص جو جائیداد موقوفہ میں خیانت کے لیے سزا پا چکا ہو وہ جائیداد موقوفہ کی بازیابی کے سلسلہ میں (فرائض متولیوں کی انجام دہی کی غرض سے) عدالت سے دادرسی حاصل نہیں کر سکتا۔

وقف کے مستحقین یا ان میں سے بعض مجاز ہیں کہ متولیوں کو جائیداد موقوفہ کو ضائع کرنے یا ان کے غلط استعمال سے روک دیں۔

بچو لال بنام ولی اللہ

جب کئی متولیان ہوں اور ان میں سے بعض جائیداد موقوفہ کی بازیابی کے دعوے میں شامل ہونے کو تیار ہوں تو ضابطہ کار کے لیے بچو لال بنام ولی اللہ کی نظیر منطبق ہوگی جس میں طے کیا گیا ہے کہ جب بہت سے متولی ہوں اگر ممکن ہو تو وہ سب کو مدعیان نیا دیا جائے گا لیکن ان میں سے جو انکار کریں ان کو مدعا علیہم بنا دیا جائے۔

درج ذیل اصول کی بنا پر یہ ظاہر ہو گا کہ مقدمہ ہذا کی نظیر اصول شرع کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔

اگر واقف اپنی موت تک متولی مقرر نہ کر سکے اور کسی شخص کو یہ ہدایات دے کہ اس کی موت کے بعد وہ کسی طرح کام کرے تو وہ شخص اس کی جائیداد اور اثاثہ کا وصی اور اس وقف کا متولی قرار پائے گا۔ بلال کے مطابق وقف کنندہ کا وصی معاملات وقف میں متولی سے اس طرح تعاون کرے گویا کہ وہی متولی مقرر کیا گیا تھا۔ محیط میں ایسا ہی آیا ہے۔

اگر کوئی کسی کو وقف کا متولی اور دوسرے کو وصی مقرر کرتا ہے تو موخر الذکر انتظام وقف میں متولی کا شریک کار ہو گا۔

اگر دو مختلف شہروں میں قاضی ایک وقف کے لیے دو متولی مقرر کرتا ہے تو شیخ امام زاہدی کے مطابق ان میں سے ہر ایک ان جائیدادوں کے (جن کو قاضی نے اپنی حدود اختیار ارضی میں مقرر کیا ہے) انتظام کا مستحق ہو گا۔

اگر واقف وقف کی نگرانی دو شخصوں یا ایک متولی اور ایک وصی کو تفویض کرتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی آمدنی وقف کو تنہا فروخت کرنے کا مستحق نہ ہو گا۔

امام ابو حنیفہ کے مطابق ایک شخص دوسرے کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے اور ایسا شخص دوسرے کو ہدایت دہندہ سمجھا جائے گا۔

اگر دو واقف ایک وقف کرنے میں شامل ہوں اور مشترکا دو متولیوں کو مقرر کریں تو دونوں متولی مثل ایک سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر ان دونوں متولیوں کو دو مختلف قاضیوں نے علیحدہ علیحدہ مقرر کیا ہے تو وہ امام زہری کے مطابق وہ علیحدہ علیحدہ علی الترتیب (اپنے حدود اختیار میں واقع جائیدادوں کے متعلق) کارروائی کر سکتے ہیں۔

بعض مستحقین جس طرح دوسرے مستحقین کی جانب سے دائری دعوی کے مجاز ہیں اس طرح متولیوں میں سے بعض تمام جماعت متولیوں کی جانب سے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اور یہ وصی یا نکاح (ولی شادی) کی صورت ہے۔ تمام ولی اگر ایک سے زیادہ مراتب کے ہوں تو وہ ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اس لئے اگر ان میں سے ایک سب کی طرف سے مجاز ہو تو کوئی بیرونی شخص عذر آور نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی متولی ہو تو ماموز لہ' بلا اجازت' قاضی ایسی جائیداد کی بازیابی کا دعویٰ (جو

کسی بیرونی شخص نے بیع یا غصب کرلی ہو) نہیں کرسکتا۔اس لئے کہ یہ متولی کا حق ہے لیکن ایک مستحق، غاصب متولی پر دعویٰ کر کے منافع وقف میں حصہ قائم کراسکتا ہے۔

دعویٰ جب کہ جائیداد مسلمہ طور پر وقف ہو

اگر جائیداد مسلمہ طور پر وقف ہو تو وقف سے متعلق اشخاص میں سے بعض بلا اجازت قاضی دعویٰ دائر کرسکتے ہیں۔

درالغرر کے حوالہ سے بزازیہ میں ہے کہ جب کوئی جائیداد غربا کے حق میں یا ان اغراض میں سے جو خوشنودی خداوند تعالیٰ کے لیے وقف کی جائے اور کوئی غاصب اس پر ناجائز قبضہ کرے تو ایسی صورت میں متولی کو دعویٰ بازیابی جائیداد کا حق ہے۔ اگر غاصب نے کچھ تعمیرات کرلی ہوں یا درخت لگائے ہوں جو جائیداد وقف کو نقصان پہنچائے بغیر سے علیحدہ کی جاسکتی ہوں تو اسے علیحدہ کرنے کی اجازت دیدیجائے گی۔

موخرالذکر صورت میں اگر اس کا قبضہ بربنائے نیک نیتی تھا تو معمولی معاوضہ مل جائے گا اگر متولی خود غاصب ہو یا بددیانتی سے اس نے کسی دوسرے کو جائیداد منتقل کردی ہو تو استفادہ کنندگان متولی یا اس کے منتقل الیہ کے خلاف مشترکہ دائری دعویٰ کے مستحق ہیں۔

دعویٰ کا حق جبکہ نوعیت دعویٰ متنازعہ ہو

جب نوعیت وقف متنازعہ ہو تو کوئی بھی شخص جو دوسروں کے ساتھ مفاد وقف میں شامل ہو تو وہ جائیداد وقف (اگر اس کا بیجا تصرف کیا گیا ہو) کی بازیابی کے دعوی کا قاضی کی اجازت سے (بلا اختلاف رائے) مستحق ہے۔ اگر وہ بلا اجازت دعوی کرتا ہے اور وقف محدود افراد کے حق میں ہے تو اس مسئلہ کے بارہ میں اگرچہ دو رائیں ہیں لیکن زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ وہ قبضہ دہانی جائیداد کے لیے دعویٰ نہیں کرسکتا اس لیے کہ وہ دوسرے مختص اشخاص کے ساتھ آمدنی میں محض منافع کا مستحق ہے مثلاً اگر وقف A کے لڑکوں کے حق میں ہے یا زید۔ بکر۔ عمرو۔ حنیفہ کے لیے ہے تو ان میں سے کوئی بھی بلا اجازت قاضی جائیداد مقبوضہ کے لیے دعویٰ نہیں کرسکتا۔

یہ اصول جس وجہ سے مقرر کیا گیا [illegible] ہے۔ دوسرے مستحقین جو جائیداد

کے تحفظ کا خیال نہیں کرتے یا محض قیاسی دعویٰ کرتے ہیں اس لئے قاضی کو دیکھنا ہوگا کہ آیا دعویٰ کے لیے بادی النظری وجوہات ہیں لیکن ایک واحد مستحق شخص بلا اجازت دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی وقف کسی جماعت کے حق میں ہو جس کے افراد کی تعداد غیر معین ہو ان میں سے کچھ بلا اجازت قاضی دعویٰ کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وقف میں منافع کا حق مختص طور پر تفویض نہیں ہوتا بلکہ وہ سب جداگانہ اجتماعی طور پر بحیثیت جماعت منافع کے مستحق ہیں۔ مثلاً ایک مسجد کی صورت میں کوئی بھی شخص جو نماز کا عادی ہو اسے استعمال کا مکمل حق حاصل ہے اور اس کا حق دوسرے مسلمانوں کے حق سے بالکل علیحدہ ہے۔ نہ ان نمازیوں کی تعداد پر جو اس میں نماز ادا کریں پابندی ہو سکتی ہے پس نمازیوں میں سے کوئی بھی بلا اجازت قاضی دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ عدالت العالیہ کلکتہ کے نظائر میں اس فرق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

جب کسی وقف کے مفاد میں کئی مستحقین ہوں تو ان میں سے بعض بر بنا غبن دوسروں پر دعویٰ کر سکتے ہیں۔

متولی اور وصی کی حیثیت یکساں ہے دو وصیوں میں سے ایک کا معاملہ کرنا مثل دو متولیوں میں سے ایک کے معاملہ کرنے کے ہے۔ اس لئے کہ بعض معاملات میں ہر دو متولی وہر دو وصی یکساں ہیں۔ اور یہ کفایہ کا قول ہے۔ پس اگر دو متولیان یا وصیان میں سے ایک آراضی موقوفہ اجارہ پر دے تو یہ بلا دوسرے کی رضامندی کے جائز نہ ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ بعض فقہا کی رائے میں وہ ضرور علیحدہ علیحدہ معاملہ کر سکتے ہیں ابو اللیث کی رائے میں بھی یہ اصول مسلمہ ہے جو اختیار کر لینا چاہئے۔ مگر پہلا اصول جس کا مبسوط میں حوالہ ہے صحیح ہے۔ اور درر اور کاہستانی میں بھی اس اصول کو صحیح قرار دیا ہے۔

مصنف ردالمختار نے لکھا ہے کہ ایسا جب ہوتا ہے کہ جب دو متولیوں یا دو وصیان کو ایک ہی واقف یا ایک موصی یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو پس ایک کے فعل کی جب دوسرا تصدیق کر دے تو جائز ہوگا اور اس کی ذمہ داری ہوگی۔

تجدید کی حسب قیاس ضرورت نہیں ہے یہی حالت اس وصی کی ہے جو متولی کا شریک کار ہے۔

حمیدیہ میں اسمٰعلیہ کے حوالے سے ہے کہ اگر کوئی وصی بلا علم متولی کسی جائیداد کا معاملہ کرتا ہے اور اس میں سے کچھ ضائع ہو جاتی ہے تو وہ ہرجہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ایک وصی یا ایک متولی کے افعال کہاں تک جائز ہیں

لیکن دو وصیوں یا دو متولیوں میں سے ایک کے افعال موصی یا واقف کے کفن خریدنے یا اس کی تجہیز و تکفین کے بارہ میں جائز ہیں اور جائیداد موقوفہ سے قرضوں کی ادائیگی مقدمات کی پیروی یا اس کے حقوق کے بارہ میں کارروائی جائز ہے۔

ایک متولی یا ایک وصی کا متوفی کی جائیداد کے مطالبات طلب کرنے یا ان کی وصول یابی کے بارہ میں دعویٰ دائر کرنے کی یہ سب کارروائی اصل ضرورت پر مبنی ہے مثلاً اگر دوسرا وصی کارروائی سے انکار کردے اور اس کے فعل سے جائیدادا موقوفہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا دوسرا متولی غیر حاضر ہو پس یہی کفایہ میں ہے اور اس کے شارح کاہستانی کا یہی منشا ہے۔ دائری دعویٰ کے حق کی ذخیرہ سے تائید ہوتی ہے مگر بقول ابو یوسف متولیوں میں سے کوئی بھی بطور خود کارروائی کر سکتا ہے بشرطیکہ واقف نے صریحاً دونوں کے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی شرط نہ رکھی ہو۔ اگر ایک متولی کام کرنے سے انکار کردے اس کے بارہ میں یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے وقف ترک کردیا ہے پس دوسرا متولی جائیداد کی حفاظت کے لیئے کارروائی کر سکتا ہے تاوقتیکہ قاضی نے دوسرے کو مقرر نہ کیا ہو اور اس کو کلیتاً بحیثیت متولی مجاز نہ کیا ہو۔

ایک متولی کو دوسروں کے شریک کیئے بغیر دعویٰ دائر کرنے کی اس بنا پر اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ مشترکاً دعویٰ دائر نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دعویٰ میں شامل بھی ہوں تو ان میں سے ایک کو پیروی کی اجازت ہوگی درر میں ایسا ہی ہے۔

اگر کوئی شخص دو وصی مقرر کردے اور ان میں سے ایک دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو پس ماندہ وصی موصی کے بجائے واحد وصی کے طور پر کام کر سکتا ہے۔

اگر کوئی دو وصی مقرر کرے تو ابو حنیفہ اور ابو محمد کے مطابق موصی کی جائیداد کے بارہ میں ان میں سے کوئی باستثناء چند معاملات کے تنہا کارروائی نہیں کر سکتا یعنی

متوفی کے تجہیز و تکفین اس کے قرضوں اور ترکوں کی ادائیگی۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ جمع شدہ رقومات اور مقبوضہ جائیداد کی بازیابی) مگر وہ جائیداد پر اور قرضوں کی بازیابی کے سلسلے میں تنہا کارروائی نہیں کر سکتے خواہ ان میں سے کوئی ایک اپنے حقوق کے بارہ میں دوسرے کے خلاف دعویٰ کر سکتا ہے۔ متولیان میں سے کوئی بھی ایک مندرجہ معاملات میں تنہا کارروائی کر سکتا ہے۔

کفن کی خرید موصی کی تکفین اس کے نابالغ بچوں کو غذا اور لباس مہیا کرنا موصی کی رقومات کو واپس کرنا اس کے قرضوں اور ترکوں کی ادائیگی غلاموں کی آزادی اور اس کے حقوق کے لیے مقدمے بازی۔

اگر آراضیات کے کئی مشترک متولیان ہوں تو ان میں سے کوئی بھی کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ مگر متعلقین دستاویز میں سب شامل ہوں گے۔

اگر کوئی شخص بعد وقف دو متولیوں کو اپنے اپنے جانشینوں کی نامزدگی کا مجاز کرے کہ وہ مشترکاً ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق رائے سے کام کریں اس کے بعد متولیان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور واقف زندہ نہ ہو تو تمام اسناد کے مطابق پس ماندہ متولی کے لیے یہی طریقہ ہے کہ قاضی کو درخواست دے (بالفاظ دیگر عدالت اختیار سماعت معاملات دیوانی) کہ وہ اس کے ساتھ دوسرے متولی کا جانشین نامزد کرنے کی غرض سے مقرر کر دے۔

باب ۲۰۔ قانون وصایا

فصل اوّل

زمانہ قدیم میں اہل عرب کے رسم ورواج کے بارے میں (ان کے مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل) بحث تحریری سے بخوبی ثابت ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے فرقوں میں انتقالات دستاویزی سے ناواقفیت نہیں تھی۔ مگر معلومہ مواد سے ان حالات کے بارے میں۔ کچھ بتانا مشکل ہے جن سے وصایا کے جواز وعدم جواز کے اصول مرتب ہوتے تھے۔ ربّیوں کے شدید مذہبی قواعد جو یہودی قبائل میں سختی سے نافذ ہیں۔ ان کے ذریعے موصی کو اس امر کی ممانعت تھی کہ اپنے جائز ورثہ کو جانشینی سے محروم کردے لیکن انتقال بالوصیت کے ساتھ قبضہ دہانی کی صورت میں ربّائین ایسے انتقال کو بظاہر جائز کہتے تھے۔ وصیت زبانی یا تحریری دونوں طرح ہو سکتی تھی مگر عام طور پر دونوں میں اول الذکر طریقہ زیادہ قابل ترجیح تھا۔

کلام پاک میں انتقالات بالوصیت صریحاً جائز ہیں اور وہ مخصوص ہے اور یہ اجازت مسلمہ ضابطوں اور شرائط کے تابع ہے۔

ہدایہ کے مطابق گو وصایا کی مناسب حال تعبیر جائز ہے مگر قیاس اس کے برعکس ہے وصیت کا اصل منشا یہ ہے کہ کسی شے کو اس طرح تفویض کر دیا جائے کہ اس کا نفاذ زمانہ آئندہ میں اس وقت تک معلق رہے جب تک کہ مالک جائیداد (موصی کا حق ملکیت اس میں زائل ہو جائے۔ اور بصورت وقف نفاذ زمانہ آئندہ کے لیے ملتوی رہے۔

اسی طرح ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ میں تمہیں کل اس شے کا مالک بنا دوں گا تو یہ ناجائز ہے۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اس واقف کی ملکیت (حصہ) اس شئے میں اس وقت بھی قائم ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دستاویز اس وقت تک کے لیے کالعدم ہو چکی ہے۔ بوجہ مزید قوی تر وجہ ناجائز ہے۔ اس باب میں زیادہ وسیع تعبیر کے دو

اسباب ہیں۔اولاً ایک وہ ناگزیر ضرورت کہ انسانوں کی ناعاقبت اندیش و ناقص اعمال انسان کے حق میں میراث کا اختیار ہو کہ جب اس کی پر فریب امیدوں پر مایوسی کے سائے محسوس ہونے لگیں۔ مگر جب بیماری کا حملہ ہو جائے تو جائیداد کے ذریعہ اس طرح تلافی کرتا ہے کہ اگر مرض سے انتقال کر جائے تو اس کے مقاصد یعنی مکافات اعمال ہو کر ثواب اخروی مل سکے یا بصورت دیگر شفایاب ہو جانے پر جائیداد مذکور اپنی حوائج پر صرف کر سکے۔ چونکہ وصایا کو قانونی شکل دینے سے یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔اس لئے شرعاً اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

ثانیاً وصایا کو قرآن پاک اور احادیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔اور ہمارے تمام فقہا بھی اس بارے میں متفق الرائے ہیں.

اس موضوع پر M. Sautayra کی رائے خاص توجہ کی مستحق ہے۔

''مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے وصیت کی نوعیت مذہبی ہے۔اس لئے کہ کلام پاک اس کی عملاً توثیق کرتا ہے۔یہ موصی کو کسی حد تک قانون وراثت میں تبدیلی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ نیز رشتہ داروں کو جو ورثہ سے محروم ہو گئے ہیں ترکے سے کچھ حصہ پانے کا موقعہ ملتا ہے۔ نیز ان لوگوں کو حصہ ملتا ہے جنہوں نے اس کی خدمت کی ان کے معاوضہ خدمت کے اعتراف کے طور پر یا ان لوگوں کے اعتراف خدمت میں جنہوں نے اس کی آخری وقت دیکھ بھال کی۔ ساتھ ہی آنحضرت صلعم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اختیار اس طرح استعمال نہ کیا جائے کہ جائز ورثا کا نقصان ہو۔ ابی وقاص کی مروی حدیث مذکورہ بالا رائے کی تصدیق کرتی ہے اور شرع کی عائد کردہ اُس پابندی کو بنیاد فراہم کرتی ہے جو کہ کسی مسلمان کے انتقال دستاویزی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کی روایت ہے۔فتح مکہ کے سال اس قدر شدید بیمار ہو گیا تھا کہ مجھے اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ آنحضرت صلعم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔میں نے عرض کی کہ میرے پاس وسیع جائیداد ہے لیکن بجز ایک لڑکی کے کوئی دوسرا وارث نہیں ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا میں سب کو بذریعہ وصیت منتقل کر سکتا ہوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ نہیں۔اس پر میں نے علیحدہ علیحدہ دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا میں دو تہائی یا نصف ترکہ میں دے سکتا ہوں تب بھی آپ نے نفی میں فرمایا لیکن جب میں نے یہ عرض کی

کیا کہ میں ایک ثلث چھوڑ دوں اس پر آپ نے اثبات میں فرمایا کہ تم بذریعہ وصیت اپنی جائیداد کا ایک ثلث دے سکتے ہو لیکن ایک ثلث حصہ بھی بذریعہ وصیت دینا بڑا حصہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ورثا کو عسرت کی حالت کے مقابلہ میں دولت مند چھوڑ جاؤ تاکہ انہیں دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔"

ان احکام کے نتیجہ میں شرع محمدی کے مطابق ایک موصی جائز ورثا کو انتقال وصیتی کے ذریعے نہ ان کو حصہ سے محروم کرسکتا ہے نہ جائیداد کا ایک ثلث سے زیادہ منتقل کر سکتا ہے۔ وارث کو کسی بھی صورت میں وصیت میراث جائز نہیں ہے اگرچہ غیر وارث کو موصی کی جائیداد میں ترکہ بقدر ایک ثلث جائز ہے۔ خواہ موصی کے ورثا ایک ثلث پر بھی رضامند نہ ہوں ان اصولوں کی مناسب موقع پر تفصیل سے وضاحت کی جائے گی۔

یہاں تک اس بنیادی امر کو شرع کے مطابق وصایا کے بنیادی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے اب میں بتاؤں گا کہ حسب شرع وصیت کی کیا تعریف ہے اور جائز انتقال وصیتی کی ضروری شرائط کیا ہیں۔ یا ایک وصیت جائز کیا ہو بہ الفاظ دیگر موصی کی اہلیت بابت وصیت کے بارے میں مجھے بتانا ہے۔

فصل دوم:۔ وصیت کی ہیئت و خصوصیات

فقہا نے وصیت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ ایسی دستاویز ہے جس کی رو سے ایک شخص اپنی جائیداد کو اس طرح منتقل کرے جو اس کے بعد موت نافذ ہو اور جو باعتبار نوعیت حین حیات غیر مستقل اور قابل تنسیخ ہو۔ شرع کے مطابق وصیت زبانی یا تحریری ہوسکتی ہے۔ پس فتاوائے عالمگیری میں وصیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ "کسی مخصّص شے یا فائدے یا منافع میں حق ملکیت بصورت عطیہ اس طرح تفویض کرنا کہ وہ موصی کے انتقال پر ہی نفاذ پذیر ہو سکے۔"

شرائع میں بھی وصیت کی ایسی ہی ملی جلی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی موصی کے انتقال کے بعد اصل شے یا اس کے فائدے میں حق ملکیت تفویض کرنا۔

شرع کے مطابق وصیت کا تحریری ہونا ضروری ہے نہ کوئی اور خاص طریقہ معین ہے۔ حتیٰ کہ زبانی اعلان کا اسلوب بھی جس سے کہ وصیت کی تشکیل ضروری ہو

معین نہیں ہے جب تک کہ موصی کا منشا بعد وفات انتقال ملکیت کو موثر پورا ظاہر نہ کرے کسی بھی نوع کا اظہار رائے جس سے اس نیت کی کافی نشاندہی ہو وصیت قرار دیا جائے گا۔ یہ وصیت نامہ موہوب کے وصیتی کے فائدے میں ہو یا کسی غرض یا مقصد سے بہ شکل وقف ہو، ان الفاظ کی ادائیگی سے وصیت کی جہت اختیار کر لیتا ہے۔

''میں نے فلاں شئے فلاں شخص کے لیے ورثہ میں چھوڑی ہے'' یا ''میں نے فلاں کے حق میں ترکہ کیا ہے'' یا دوسرے الفاظ یا جملے جن سے انتقال جائیداد کا مفہوم وفات موصی پر نفاذ پذیر ہو۔

بمقدمہ اولیا بی بی بنام علاؤالدین

یہ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان خاتون کی جو دستاویزی وصیت بتائی وہ دراصل موصیہ نے جب کہ وہ مجاز وصیت تھی اس کی ہدایت کے مطابق اس نے مرتب کی تھی اس پر عدالت العالیہ الہ آباد نے قرار دیا کہ گو اس پر موصیہ کے دستخط نہیں تھے دستاویز جائز تھی۔

موصی کا ایک محررہ خط جس میں انتقال جائیداد کی ہدایات نہیں اس کو ایک جائز وصیت قرار دیا گیا تھا۔

وصیت اشاروں سے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ گونگا شخص جس میں گفتگو کی صلاحیت نہ ہو مگر اپنا مفہوم اشاروں سے ادا کر سکتا ہو۔ اسی طرح ایک مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہو اور بوجہ ضعف گویائی سے معذور ہو۔ ایک مریض جو میراث چھوڑتا ہے مگر بوجہ ضعف گویائی سے معذوری کی بنا پر سر کا اشارہ کرے۔ یہ ضروری ہے کہ اس کی خواہش اشارہ سے واقع ہو۔ ان حالات میں اگر اس کا صحیح مفہوم واقع ہو تو میراث جائز ہے ورنہ نہیں۔ اس اصول کا اطلاق تبھی ہوتا جب کہ قوت گویائی حاصل کئے بغیر وہ انتقال کر جائے اور یہ ظاہر ہو کہ ترک میراث تک گویائی کی امید نہ تھی اور اس کی حالت ویسی ہی تھی جیسے کہ ایک گونگے شخص کی۔

بعض حالات میں بظاہر انتقال جائیداد فوراً اثر پذیر معلوم ہوتا ہے مگر موصی کی نیت جن جہات میں وصیت پر عمل کی نہ ہو تو ایسی صورت میں انتقال جائیداد بطور وصیت

نافذ ہو گا۔ شخص کو منتقل ہونے والی ایسی جائیداد جس پر تصرف ذاتی ہو ہرگز انتقال وصی کی تعریف میں نہیں آتی۔ جیساکہ نواب امجد علی خان بنام محمودی بیگم کے قضیے سے ظاہر ہے۔ کسی بھی انتقال جائیداد کی نوعیت خواہ بصورت وصیت یا وصیت مابین اشخاص زندہ خواہ بصورت وصیت حال میں موثر ہونے والی ہو، یا مستقبل میں، یہ موصی کی منشا پر منحصر ہو۔

ایک مشروط وصیت

وصیت مشروط کے اتفاقی واقعہ کے امکان پر منحصر ہو سکتی ہے ایسی صورت میں اس کا نفاذ کسی اتفاقی واقعہ کے وقوع پر مبنی ہو گا۔ ایسے بہت سے حالات ہیں جب قریب الوقوع خطروں کا حوالہ عام طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ کہے "اگر میں اس مرض میں انتقال کر جاؤں" یا "میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے واپس نہ ہوں تو یہ ترکہ وغیرہ وغیرہ" یا "میں فلاں فلاں شئے کا ترکہ کرتا ہوں اگر میرے سفر مکہ کے درمیان مجھ پر کوئی واقعہ ہو جائے" ان سب حالات میں اگر کوئی اتفاقی واقعات وقوع پزیر ہوں تو وصیت نافذ ہو گی۔ خواہ وصیت کے الفاظ تحریری ہوں یا زبانی تاہم فقہا نے ایک تحریری مشروط وصیت اور ایک شریک وصیت میں امتیاز کیا ہے۔ ان کی رائے میں جب کوئی زبانی وصیت کا نفاذ کسی امر کے وقوع پر مبنی ہو اور وہ نہ ہو تو وصیت بنفسہٖ منسوخ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر موصی کی خواہش تحریر میں ہے اور وہ تحریر کسی تیسرے شخص کو تفویض کر دی جائے اور اتفاقی واقعہ کے وقوع کا امکان بھی ختم ہو جائے مگر موصی اس شخص سے تحریر واپس نہ لے تو یہی قیاس ہو گا۔ سابقہ وصیت کی تنسیخ کی نیت نہ ہو تو اس کو نافذ کیا جائے گا۔ لیکن اگر وصیت نامہ ہمیشہ موصی کے پاس رہے تو یہ قیاس نہ ہو گا۔ اگر وصیت ان الفاظ میں ہو "اگر میں انتقال کر جاؤں" یا "میرے ورثے سے اس قدر فلاں شخص کو ملے گا" تو یہ مشروط وصیت نہ ہو گی بلکہ ایک سادہ وصیت ہو گی۔ کیونکہ وصیت کی اصل یہ ہے کہ موصی کے انتقال پر ہی نافذ ہو۔

فصل سوم:۔ موصیان کی اہلیت

اہلیت موصی کے بارے میں مختلف فرقوں میں اگرچہ کافی اختلاف ہے تاہم سب کے نزدیک حریت (آزاد ہونا)ایک لازمی شرط ہے۔اس لئے کہ ایک عبد (غلام)خواہ وہ اپنے آقا کے مکمل اختیار میں ہو یا اس نے فدیہ دے کر کچھ مشروط آزادی حاصل کرلی ہو وہ اپنی جائیداد کو ہبہ بالوصیت نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ایسے شخص کا ترکہ حالت معذوری میں اس نے کیا ہو جائز ہو گا بشرطیکہ وہ آزاد ہونے کے بعد موثر ہونے والا ہو۔ایک قیدی ہو کسی جرم میں قید ہو وہ معذور نہیں ہے۔اس لئے کہ قانوناً اس کی آزادی سلب نہیں ہوتی کہ وہ اپنی جائیداد کے بارے میں کوئی معاملہ ہی نہ کر سکے۔اس لئے کے جرم کی سزا میں اس کی جائیداد کسی دوسرے کو تفویض نہیں ہوتی مگر ایک غلام خواہ وہ قطعی غلام ہو یا مشروط ہو جو اپنے آقا کے اختیار کے تابع ہو جائیداد رکھ سکتا ہے

عقل

جواز وصیت کے لیے عقل بھی ایک شرط لازمی ہے۔ فتاوائے عالمگیری کے مطابق کسی بھی شخص کا چھوڑا ہو ترکہ جو بلا معاوضہ کام کرنے کا اہل نہیں ہے کالعدم ہے۔ پس کسی فاترالعقل شخص یا مکاتب (وہ غلام جس نے اپنے آقا سے پھروتی یا خلاصی کا معاہدہ کیا ہو) یا ماذون (وہ غلام جس نے اپنے آقا سے خود کے لیے کام کرنے کا اجازت نامہ حاصل کرلیا ہو) کا ترکہ باطل ہے۔ایک شخص بوقت وصیت فاترالعقل ہو مگر صحتِ عقل کے بعد انتقال کر جائے لیکن بوقت ترکہ وہ اہل نہ ہو تو ترکہ ناجائز ہے۔

انگلش قانون کے مطابق ایک وصیت جو حالت ثبات عقل کے وقفہ میں کی جائے وہ جائز ہے۔بہ الفاظ دیگر اگر ایک شخص اپنے حالات بادی النظری شہادت کی بناپر گو فاترالعقل ہو اور اس طرح وصیت کی ناجوازی ظاہر ہو تاہم اس کے تابع نہیں ہے کہ دستاویز ثبات عقل کے دوران تحریر کی گئی ہو۔اصولِ شرع اس سے مختلف ہے۔

قاضی خان کے مطابق اگر کوئی شخص بعد وصیت دائماً پاگل ہو جائے تو ایسی صورت میں وصیت باطل ہو گی اگر یہ کیفیت (پاگل پن) چھ ماہ سے زاید نہ رہے تو ترکہ منسوخ نہ ہو گا۔

قانوناً مکمل طور پر (جائیداد) منتقل کرنے والے ذہن کی ضرورت ہے اور ایک شخص جو ترکے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی پاگل ہو جائے یا اس وقت پاگل ہو تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ اسے اپنے فعل کی نوعیت سمجھنے کی اہلیت نہ تھی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑے بعد ازاں گمراہ کن اوہام میں مبتلا ہو کر اس کی عقل زائل ہو جائے اور اپنی موت تک ایسی حالت میں رہے تو وصیت باطل ہو گی۔

مندرجہ بالا اصول سے ظاہر ہو گیا کہ جب کوئی شخص فاترالعقل ہو مگر بحالت صحت ترکہ کرے تو یہ ترکہ ناجائز ہو گا۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر ایسے شخص کی وصیت جو بعد ترکہ فاترالعقل ہو، باطل قرار دی جاتی ہے۔ پس مکمل صحت عقل شرط ضروری ہے۔

شرائع کے مطابق مکمل صحت عقل جواز وصیت کے لیے ضروری ہے۔ جامع الشتات کے محولہ مقدمات اور فقہ حنفی کے منشا عام سے ظاہر ہے کہ اصلاً جس چیز کی ضروت ہے وہ ایسا ذہن ہے جو قبل وصیت کا ادراک کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایسا ذہن جو جائیداد کے ترکہ پر آمادہ ہو اور اپنے فعل کی نوعیت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ محمدی اور شافعی اصول کے مطابق جواز وصیت کیلئے ترکہ کرنے والا ذہن ضروری ہے پس محض جزوی توہم کی وجہ سے اس کی وصیت کرنے کی اہلیت زائل نہ ہو گی۔ عام کلیہ کے مطابق یہ بتایا جاسکتا ہے کہ شرع کے اصولوں کے مطابق ایسے اشخاص جو خاص وجوہ سے ذہنی اوہام میں مبتلا ہوں لیکن ان کی قوت ادراک متاثر نہ ہوئی ہو، جائیداد منتقل کرنے کے لیے ان کی یہ اہلیت اصلاً انگلش قانون کے مسلمہ اصولوں کے مماثل ہے۔

انتقال جائیداد کی اہلیت محض فتور عقل سے ضائع نہیں ہوتی تاہم ایک تیسرے احمق کی وصیت باطل ہے۔ محض ضعف عقل جو بوجہ درازی عمر علالت یا اور کسی سبب سے ہو، اختیار وصیتی کو زائل کر دیتا ہے۔ اہلیت انتقال کا فقدان عارضی یا مستقل ہو سکتا ہے۔ ایک عارضی فقدان شراب نوشی، بیہوشی یا بیماری سے ہو سکتا ہے۔ کسی کمزور ذہن والے پر دباؤ بے جا بھی یہی نتیجہ مرتب کرتا ہے۔

ایسے شخص کے انتقالات جو مرض الموت میں مبتلا ہو

شرع کے مطابق وہ شخص جو ایسے مرض میں (جس سے موت کا خطرہ ہو) مبتلا ہو اور بالآخر اس مرض میں انتقال کر جائے اس کے انتقال کا اثر جائیداد پر محض محدود طریقے پر نافذ ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص جو مرض الموت میں مبتلا ہو ہبہ یا وقف کرے اگرچہ ایسا انتقال فوراً ہی موثر ہو تا ہے مگر یہ بطور وصیت نافذ ہوگا اور وہ بھی محض اسی حد تک نافذ ہو گا جہاں تک کہ وصیت جائز ہو سکتی ہے۔

یہ موصی کے ترکہ کرنے کا ذہنی حالت یا اس کے خود بہ خود عمل کی کیفیت سے علیحدہ صورت ہے۔ قانوناً یہ قیاس ہو گا کہ جو شخص بھی ایسی حالت میں ہو وہ انتقال جائیداد کی اہلیت سے مکمل طور پر محروم ہے پس انتقالات (بالرضا جن کا نفاذ فوراً ہو تا ہے) میں منتقل کنندہ کی حالت بوقت انتقال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اگر وہ اس وقت بہ حالت صحت ہے تو تمام جائیداد کے انتقالات جائز ہیں۔ اگر وہ بحالت صحت نہیں کئے گئے ہیں تو وہ ایک ثلث کی حد تک جائز ہیں۔ بشر طیکہ یہ انتقال ارث کے حق میں نہ ہو۔ افعال انتقال سے وہ افعال مراد ہیں جو روشناس یا استقرار پیدا کرنے والے ہوں۔ اور ان کی نوعیت کسی نہ کسی طرح بلا معاوضہ ہو کسی شخص کا بحالت علالت اقرار قرض اس کی تمام جائیداد پر موثر ہو تا ہے اس طرح اقرار قرض بحالت علالت تمام جائیداد پر ہر طرح موثر ہے۔ ایک فعل انتقال جو انتقال کنندہ کی موت تک نافذ ہونے والا نہ ہو وہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے "میری موت کے بعد تم آزاد ہو" یا "میری موت کے بعد یہ زید پائے گا" یہ سب جائیداد کے ایک ثلث تک موثر ہے خواہ یہ انتقال بحالت صحت ہی کیا گیا ہو۔ آزاد کرنا مہابات۔ وقف ہبہ اور ضمانت جو کسی بیمار نے دی ہو یہ سب مثل ترکہ جائیدا کے ایک ثلث پر ہی نافذ ہوں گے۔ وہ امراض جن سے قدرتاً موت کا اندیشہ پیدا ہو اور جو اصطلاحاً مرض الموت کہلاتے ہیں ان کی پہلے تشریح کر دی گئی ہے۔ بعض مزید تشریحات کا بغرض افادہ اضافہ کیا جاتا ہے۔

مرض الموت

"کاہستانی کے مطابق مسلمہ اصول یہ ہے کہ مرض الموت ایک ایسی بیماری ہے

جس میں موت واقع ہو۔ خواہ مریض صاحب فراش نہ ہو ایک طویل بیماری کو اس طرح مرض الموت قرار نہیں دیا جاتا کہ اس کی تمام جائیداد کو منتقل کرنے کی اہلیت کو محدود کر دیا جائے۔ چونکہ علالت کا سلسلہ طویل عرصہ سے ہے اس بنا پر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے جیسے کہ نابینا اور لنگڑے اشخاص کی صورت میں جس سے کہ موت قریب میں ہی لاحق ہو اور مرض کی کیفیت بڑھتی رہی ہے تاکہ موت واقع ہو جائے مگر جب یہ کیفیت زیادہ عرصہ تک یکساں رہے یا مرض میں ایسے غیر محسوس طریقہ پر اضافہ ہو کہ مریض کو موت کا کوئی اندیشہ نہ ہو یا وہ مرض کا عادی ہو جائے تو یہ مرض الموت کی تعریف میں نہیں آتا۔"

"اگر ابتدائے مرض کے بارے ماہ بعد موت واقع ہو تو تمام جائیداد کا انتقال جائز ہے لیکن جب کہ کسی مرض میں اس مدت سے پہلے موت واقع ہو جاتی ہے جو کہ معمولاً ہلاکت کی صورت میں ہوتا ہے اور متوفی اتنا معذور ہو جائے کہ مکان سے باہر اپنے مشاغل کو معمولاً انجام نہ دے سکے یا عورت ہے تو اپنے مکان میں فرائض خانہ داری کی انجام دہی سے قاصر ہو تو ایسے مرض کو مرض الموت قرار دیا جائے گا اور اس حالت میں انتقال جائیداد محض ایک ثلث کے لیے ہی نافذ ہو گا۔"

ایک ایسی عورت جو تقریباً معذور ہو اس کا بلا بدل انتقال یک ثلث کے لیے جائز ہو گا۔ اسی طرح اگر انسانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے متصادم ہوں جس کا خاتمہ خونریزی اور بعض کی موت پر ہو تو مرض الموت کا اصول لاگو ہو گا یعنی انتقال نافذ ہو گا لیکن تصادم نہ ہونے کی صورت میں ایسا نہ ہو گا۔ پس اس طرح ایک ایسے شخص کا انتقال جائیداد جو سمندر میں طوفان سے گھر گیا ہو یا ایسا قیدی جسے سزائے موت دی گئی ہو اس کے انتقال پر بھی یہی اصول لاگو ہو گا۔"

شیعہ فقہ کے احکامات

شیعہ فقہ کے احکامات اس موضوع پر مماثل ہیں۔ تاہم بعض مختلف فرقے خاص توجہ کے مستحق ہیں "جواہر الکلام" کے مطابق کسی شخص کے بہ حالت مرض الموت انتقالات دو قسم کے ہیں۔

ایک۔ التواشدہ جو موصی کے انتقال تک موثر نہیں ہوتے اور ایک وہ جو فوراً

نافذ ہوتے ہیں۔

اول الذکر کو ہر حیثیت سے ہمارے فقہ کی متفقہ رائے کے مطابق ترکہ ہی سمجھنا چاہئے اور ایک تندرست آدمی کے افعال انتقال جائیداد جو وہ موت کے پیش نظر کرتا ہے تاکہ اس موت پر ہی نافذ ہوں۔

افعال کی دوسری صورت یہ ہے جو فوراً موثر ہونا چاہیں اور مثل مہابات یا چشم پوشی کے ہیں مبادلہ کے معاہدے ہبہ اور وقف اور خلاصی (غلاموں) میں آتے ہیں۔ ہمارے بعض فقہا کے نزدیک یہ افعال وقف کی تمام جائیداد پر حاوی ہیں مگر بعض کے نزدیک محض ایک ثلث پر حاوی ہیں ہر دو کے اصولوں کے مطابق اس پر اتفاق رائے ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری سے اچھا ہو جائے تو یہ افعال اس کے اپنے لئے اور ورثا کے لیے جائز ہیں۔اور اختلاف رائے محض اسی وقت ہے جب اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے۔

مرض الموت کے متعلق شیعہ اصول

یہاں ان امراض کا حوالہ دینا ضروری ہے جن کی بنا پر ایک شخص کو اسی ایک ثلث سے زیادہ جائیداد کے انتقال کے لیے منع کیا گیا ہے۔اس کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مرض جس میں عام طور پر موت کا اندیشہ ہو، خطرناک ہے جیسے کہ سرخ بخار، دق اور جریانِ خون وغیرہ۔

وہ امراض جن سے عام طور پر ایک شخص صحت یاب ہو جاتا ہے ان کا انتقال جائیداد پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ اسی طرح ہے جیسے کہ اس نے حالت صحت میں (انتقال جائیداد) کیا ہو۔ مثلاً معمولی بخار، درد، سر، خواہ، مرض میں اضافہ ہو یا نہ ہو جیسے آشوب چشم اور زبان پردانہ۔

مکرر یہ کہ وہ امراض جو ان دونوں ہی صورتوں میں شامل ہیں یعنی خطرناک امراض وہ شدید بخار ڈائریا، اور پھیپھڑوں کی سوجن میں یہ زیادہ بہتر ہو کہ ان تمام امراض کے اثرات پر غور کیا جائے جن کا انجام عموماً موت ہے۔ خواہ وہ رواجاً خطرناک ہوں یا نہیں مگر دوران جنگ اور تصادم کے مواقع یا کسی عورت کی بچے کی پیدائش یا سمندری طوفان سے ان امراض کو منسوب نہیں کیا جائے گا جو کہ انسان کے اختیار انتقال جائیداد کو

زائل کرے۔ دراصل اصطلاحِ مرض الموت ان پر مطلق لاگو نہیں ہوتی ایسے مرض کا انتقال وصیتی جس میں وہ انجام کار فوت ہو جائے شرائع نے اس طرح واضح کیا ہے۔

"(الف) جب کسی شخص نے بحالت مرض ہبہ کیا ہو اور مہابات کا معاملہ کیا ہو جائیداد کا ایک ثلث دونوں ہی اغراض کے لیے کافی ہو ایسی صورت میں ہر دو کا نفاذ ضروری نہیں ہے لیکن اگر کم رہ جائے تو متوفی کا پہلا فعل لایق ترجیح ہے اور اس کے دوسرے افعال کو یکے بعد دیگرے نافذ کیا جائے تاکہ تیسرا بھی ختم ہو جائے ایسی صورت میں محض آخری کا اثر مرتب ہو گا۔

(ب) جب کہ فوراً موثر ہونے والا ہبہ اور وہ ہبہ جس کا نفاذ ملتوی کر دیا گیا ہو یا معلق ہو اور دونوں ایک ہی وقت میں کئے جائیں تو ایسی صورت میں اول الذکر کو ترجیح دی جائے گی لیکن بعد والا بھی نافذ ہو گا بشرطیکہ سزا دونوں اغراض کے لیے کافی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو موخر الذکر جس حد تک کہ تیسرے میں گنجائش ہو جائز ہے۔ بقیہ کالعدم ہوں گے۔

(ج) ایسا مریض جس کے پاس ایلکرُ (پیمانہ) سے زیادہ کسی قسم کا غلہ چھ دینار سے زیادہ مالیت کا نہ ہو، اسے کم تر قسم کے غلے کے عوض میں جس کی مالیت دو دینار ہو فروخت کرتا ہے۔ اس طرح اس کی تمام حقیقت کو اس مہابات سے نصف کا نقصان ہوتا ہے۔ حالاں کہ جائز طور پر وہ ایک ثلث سے زیادہ کو منتقل نہیں کر سکتا اور خریدار کو اس کے ورثا کو دے دینا چاہئے مگر یہ سب سودی ہو گا پس اس کو ایک جائز سودے کے معاملہ کی شکل دینے کے لیے یہ ضروری ہے تاکہ وہ ورثا کو ان کے اچھے کر جس میں سے ایک ثلث دے پس ورثا کے پاس ایک طرح دو تہائی گرہ یا اس کی مالیت کے دو دینار دیں گے اور خریدار کے پاس دو تہائی گر رہے گا یا اس کی مالیت کے چار دینار رہیں گے جو دو دینار یا چھ کے ۱/۳ کل مالیت سے زائد ہوں گے پس یہی وہ رقم ہے جو کہ ہنچوال اپنی آخری بیماری میں جائز طور پر دے سکتا ہے۔

(د) اگر ایک مریض کوئی شئے مالیتی دو سو روپیہ فروخت کرے مگر بعد میں اچھا ہو جائے تب بھی معاہدہ اس کے لیے قابل پابندی ہے لیکن بصورت انتقال اس کے ورثا تصدیق بیع سے انکار کر دیں تو یہ اس شئے کے نصف تک جائز ہو گا نصف چھ کے تین حصے اور

مہابات دو تہائی یا چھ کا ۳/۱ تک کے لیے جائز ہے اور یہ سب مل کر تمام شئے کا ۶/۵ ہو جاتا ہے جہاں تک بیع جائز ہے اور بقیہ ۲/۱ کے لیے یہ باطل ہو گا جو ورثا کو واپس کر دینا چاہئے۔"

خریدار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بیع کو اس سودے کی جزواً ناجوازی کی وجہ سے منسوخ کر دے یا اس پر قائم رہے لیکن اگر وہ موخر الذکر صورت اختیار کرتا ہے اور اس شئے کا ۲/۱ بطور معاوضہ ورثا کو دیتا ہے تو ان کو بھی یہ اختیار ہے کہ وہ اسے منظور یا نا منظور کریں۔ان کا حق شئے کی اصل میں شامل ہے۔ان احکامات کا نتیجہ یہ ہے کہ مراض الموت میں مبتلا شخص کا انتصال وصیتی اس کے اثاثہ کے ایک ثلث تک جائز ہے بشرطیکہ بوقت انتقال موصی کے حواس بجا ہوں اس لئے یہ فعل اپنی خواہش اور اظہار منشا کے طور پر کیا تھا۔

بحالت مرض الموت اقرار بار

حالت مرض الموت یا اندیشے موت سے جو بھی بلا عارضہ یا بخوشی کوئی انتقال بار ادا اقرار بار (قرضہ ادائیگی) کرے اس میں بڑا فرق ہے

"ہدایہ کے مطابق اس پر عام قاعدے کی طرح عمل ہونا چاہئے۔جب کوئی شخص اپنی جائیداد کے بلا بدل خود ہی انتقال نفاذ کے لیے کوئی دستاویز تحریر کرتا ہے (جو اس کے وقوع موت پر منحصر نہیں ہے) اگر وہ اس وقت بحالت صحت ہے تو دستاویز اس کی تمام جائیداد کے لیے جائز ہو گی اگر وہ بیمار ہے تو جائیداد کے ایک ثلث پر نافذ ہو گی اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں جائیداد کے لیے دستاویز تحریر کرتا ہے تو یہ ایک ثلث تک نافذ ہو گی خواہ وہ اس وقت بیمار ہو یا تندرست۔اس کے برعکس اگر کوئی شخص اقرار قرضہ کرتا ہے تو یہ اقرار تمام جائیداد پر نافذ ہو گا دران حالیکہ یہ بحالت بیماری کیا گیا ہو۔ اس لئے کہ یہ بدل معاہدہ نہیں ہے تاہم اس قسم کا اقرار جو بحالت صحت کیا جائے اسی نوعیت کے اعلان کا پیش خیمہ ہے جو بحالت بیماری کیا گیا تھا۔ یہ بھی بتایا ہے کہ ایسا قرض جس سے کہ ایک شخص صحت یاب ہو جائے وہ قانوناً صحت کی تعریف میں آجاتا ہے۔اگر کوئی کسی غیر عورت کے قرضہ کا بہ ذمگی خود اقرار کرے یا اس کے حق میں ترکہ کرے یا حصہ،اس کے بعد اس سے شادی کرے اور انتقال کر جائے تو یہ اقرار جائز ہے لیکن یہ ترکہ یا ہبہ باطل ہے اس لئے کہ وارث کے حق میں اقرار قرضہ اس شخص پر منحصر ہے جو بوقت اقرار اس کا وارث

ہو لیکن ایک وارث کے حق میں ترکہ کا ممنوع ہونا موہوب الیہ وصیتی پر منحصر ہے جو کہ موصی کی موت پر کسی صورت میں ہو چونکہ وہ عورت بہ وقت اقرار وارث نہیں تھی بلکہ موصی کی موت کے وقت شادی کرنے سے وارث بن گئی تھی پس یہ اقرار جائز ہے۔ مگر ورثہ باطل ہے۔ اس طرح ہبہ بھی جو کہ اسی اصول کے تابع ہے جیسے کہ ورثہ اگر کوئی شخص ایسے قرضہ کا جو اس کے لڑکے کو ادا کرتا ہے اقرار کرے یا اس کے حق میں ترکہ کرے یا اس کے حق میں اس وقت ہبہ کرے جب کہ لڑکا عیسائی تھا اور لڑکا باپ کی موت سے قبل مسلمان ہو جائے تو یہ تمام افعال اقرار ترکہ اور ہبہ سب باطل ہوں گے۔"

ترکہ اور ہبہ

"چونکہ باپ کے انتقال پر لڑکا اس کا وارث تھا جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اور اقرار قرضہ چونکہ لڑکا اس رکاوٹ کی وجہ (یعنی اختلاف مذہب) سے بوقت اقرار وارث نہیں ہوتا تھا تاہم بجائے ورثہ (قربت) اس وقت نہیں تھی جس سے کہ باپ کی نسبت یہ اتہام منسوب کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ باپ نے اپنا اثاثہ لڑکے کے منتقل کرنے کے لیے غلط اقرار کیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ شادی کے معاملہ میں صورت حال مختلف ہے۔ اس لئے کہ ورثہ کا سبب (شادی) اقرار کے بعد ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اقرار کے وقت شادی ہو چکی تھی بیوی اس وقت عیسائی تھی اور شوہر کے انتقال کے قبل مسلمہ ہو گئی، ایسی صورت میں یہ اقرار جائز نہ ہوگا"۔

"اگر ایک شخص جس کے ذمہ اس کے لڑکے کا قرضہ واجب ہو اقرار کرے اور وہ مطلق غلام ہو یا مکاتب ہو یا ہبہ کرے یا اس کے حق میں ترکہ چھوڑے اور وہ لڑکا باپ کے انتقال کے قبل آزاد ہو جائے تو ان افعال میں سے کوئی بھی جائز نہ ہوگا۔ جس کی سابقہ مثال میں وضاحت کر دی گئی ہے۔"

قاضی خان میں بھی اسی طرح وضاحت ہے۔ "جب کہ ایک بیمار عورت کے قرضہ کا اقرار کرے یا اس کے حق میں بہ بالوصیت یا ہبہ کرے اور اس سے شادی کے بعد انتقال کر جائے تو ہمارے فقہا کے مطابق جائز ہے مگر یہ ترکہ اور ہبہ باطل ہے۔

جب کوئی شخص اپنے ملحد لڑکے یا غلام کے حق میں ترکہ کرے یا ہبہ کرے اس

کو قبضہ دے یا اس کے کسی قرضے کا اقرار کرے مابعد وہ لڑکا اسلام قبول کر کے آزاد ہو جائے تو اس کا سارا فعل باطل ہو گا۔"

جبکہ کسی مختص رقم یا مختص شئے کے لیے اقرار نہ ہو تو یہ اس کی جائیداد کے ۱/۳ پر لاگو ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص بستر مرگ پر ورثا سے کہے "میں زید کا مقروض ہوں اور وہ رقم جو وہ کہے تمہیں ادا کرنا چاہئے" اس صورت میں زید کا مطالبہ ۱/۳ سے زیادہ نہ ہو ادا کرنا چاہئے خواہ ورثا بھی اس کا مطالبہ کرتے ہوں اور یہ ایک پسندیدہ تعبیر کی بنیاد پر ہے۔

اسی طرح اگر موصی اپنے ورثا سے کہے "اگر زید میری طرف سے کسی شئے کا مطالبہ کرے تو خواہ وہ کتنی ہی رقم ہو اس کو ادا کرنا ہو گا۔" اس اعلان میں بھی ترکہ کے ۱/۳ کی مالیت تک تکمیل ہو گی اور یہ اقرار ترکہ کے مساوی ہو گا اور زید کو اقرار کنندہ کی جائیداد سے ایک ثلث کے برابر ادائیگی ہو گی مگر اس سے زیادہ نہیں۔ پس علاوہ افراد متذکرہ کے اگر موصی نے مختلف ترکے دوسروں کے حق میں چھوڑے ہوں تو ان کی جائیداد کا ۱/۳ موہوب لہٗ وصیتی کے لیے علیحدہ کر دیا جائے گا اور دو ثلث ورثا کے لیے ہو گا۔ موہوب لہٗ وصیتی کے ورثا سے یہ کہا جائے گا کہ وہ بتائیں کہ موصی نے آیا زید سے کچھ کہا تھا اگر وہ اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو وہ ذمہ داری اقرار کنندہ کے مال و اسباب سے ورثا کے علی الترتیب حصص کی مناسبت سے ادا کی جائے گی اور موہوب لہٗ وصیتی سے زید کے افراد کی تصدیق کے لیے اس حد تک کیا جائے گا کہ جتنا وہ مناسب سمجھیں۔

اگر دونوں فریق اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ زید کی رقم واجب ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے اس جائیداد پر قرضہ کا بار ہے۔ اس طرح ہر ایک کا حصہ علی الترتیب اثر انداز ہوتا ہے ایسی صورت میں یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر زید اس سے زائد طلب کرے جس کو اس کے ورثا موہوبہ یا وصیتی تسلیم کرتے ہیں (علاوہ غیر مختص شئے اقرار وصیتی کے کوئی اور ثبوت نہیں ہے) تو ورثا اور موہوبہ لہٗ اقرار حلفیہ یا بہ الفاظ دیگر کہ وہ زید کے مزید مطالبہ کے بارے میں نہیں جانتے یقین کر لیا جائے گا۔ اس لئے کہ بصورت اثبات حلفیہ بیان کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ان کا حلف ایک اقرار کنندہ اور طلب کرنے والے کے درمیان ہے۔ جس میں انہیں کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے ورثا اور ایک اجنبی کو کوئی شئے بطور میراث مشترکا دے تو

اس صورت میں وارث کے حق میں میراث تسلیم نہیں ہو گی اور میراث کا محض نصف اجنبی کو دیا جائے گا کیونکہ بحیثیت وارث وہ موہوب لہٗ وصیتی کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ اس طرح وہ ایک غیر شخص کے حق میں جو مکمل ورثہ ہو گا مانع ہو تا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ کوئی میراث مشترکاً ایسے دو شخصوں کو دی جائے جس میں ایک شخص زندہ ہو اور دوسرا مر گیا ہو۔اس لئے کہ یہ سب موہوب لہٗ وصیتی پائے گا اور دوسرا شخص مردہ نہیں پائے گا۔

ایک بچہ کی اہلیت فقہائے شیعہ اور شافعی اور مالکی کے اصول

کسی بچہ کے حق میں انتقال ہبہ بالوصیت کی اہلیت کے بارے میں مختلف مذاہب میں بہت اختلاف ہے۔شیعہ فقہ کے مطابق عقل سلیم اور حریت جواز میراث کے لیے ضروری ہیں۔اور ایک مجنون یا صابی (بچہ) کی وصیت جو دس سال سے کم ہو جائز نہیں ہے جب وہ اس عمر میں پہنچ جائے تو اس کا تمام ترکہ رشتہ داروں اور دوسروں کے لیے اغراض مناسب کے تحت جائز ہیں۔اور یہ مسلمہ اور مقبولہ ترین اصول کے مطابق ہے بشرطیکہ وہ صاحب فہم ہو۔

مالکی اصول

مالکی اور شافعی عام طور پر شیعوں سے متفق ہیں۔شافعی اصولوں کے مطابق ایک بچہ جائز وصیت کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے اپنے فعل کی اہمیت سمجھنے کا ادراک ہو۔بہ الفاظ دیگر تعین عمر کے لیے کوئی مقرر اصول نہیں ہے جبکہ وصیت کنندہ کو اہل قرار دیا جائے۔ مالکی بھی نابالغی کو فی نفسہٖ نقص نہیں بتاتے ہیں مگر مالکی فقہا ایک بچہ کی وصیت کی نوعیت سے متفق نہیں ہیں اس کے بعد بالغ کے وہ انتقالات جائز خیال کئے جاتے ہیں جو اغراض خیر کی خاطر کئے گئے ہوں۔مگر دوسروں کی رائے میں نابالغ کو وصیت کا حق ان اغراض تک ہی محدود ہونا چاہئے بلکہ کلّی انتقالات پر حاوی ہونا چاہئے جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ متضاد نہ ہوں اور نابالغ کو اپنے فعل کی نوعیت کا ادراک ہو۔

حنفی اصول:نابالغ کی بذریعہ وصیت انتقال کی نااہلیت

حنفی اس کے برعکس ایک ایسے نابالغ کو جس نے بلوغ حاصل نہ کیا ہو عقل

سلیم یا ادراک سے فاطر سمجھ کر اسے مجاز وصیت نہیں کرتے ہیں۔ملتقہ میں صریحاً یہ جواز وصیت کی شرطیں بتائی ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ موصی بالغ ہو۔اسی طرح فتاوائے عالمگیری میں بھی ہے کہ ایک نابالغ کا کیا ہوا ترکہ (خواہ مراحق نہ ہو تا ہو) ہمارے فقہ کے نزدیک ناجائز ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ نوجوان تجارت کرتا ہے یا اس کے لیے شرعاً کوئی امر ممنوع ہے۔اور خواہ حصول بلوغ سے قبل یا مابعد اس کا انتقال ہو جائے۔اور اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میری جائیداد کا ایک ثلث فلاں کو دے دیا جائے ایسی وصیت بوقت وصیت اس کی اہلیت ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

ردالمختار کے مطابق ایک نابالغ کی وصیت خواہ وہ ادراک کا حامل ہو، اسے اپنی تجہیز و تکفین کے خرچے کے لیے جائز نہیں ہے (یہ حضرت عمرؓ کی سند کی بنا پر جو بالغ کی وصیت کے معاملے میں ہے جائز ہے)۔

ہدایہ میں حنفی اور شیعہ مذاہب میں اختلاف آراقدرے تفصیل سے بتایا ہے۔ ایک بچہ کا ترکہ ناجائز ہے۔مگر شافعیوں کے مطابق اگر مناسب و موزوں غرض کے لیے کیا جائے تو جائز ہے۔اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صابی (جوان جو قریب البلوغ تھے) کی وصیت کی تصدیق فرمائی تھی۔نیز اس لئے کہ اس کا اجرا ایک بچہ کے مفاد میں ہے اور اسے وصیت نامہ سے فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے۔اس کے برعکس اس کی تنسیخ سے وہ تمام مفاد سے محروم ہو جاتا ہے۔ہمارے فقہا کی ان کی رائے کی تائید میں دلیل دو وجہ پر ہے۔

اولاً یہ کہ وصیت اختیاری فعل ہے اور ایک بچہ صحیح رائے قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

دوم یہ کہ اسب بارے میں بچہ کا اظہار خیال اسے پابند نہیں کرتا بلکہ ایسے لڑکوں کے جواز کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایسے ہی نتیجے بر آمد ہو۔

حضرت عمرؓ کے قول کا جہاں تک تعلق ہے۔اصطلاح صابی جو وہاں استعمال کی گئی ہے اس کا منشا ایسے شخص سے ہے جو ابھی حقیقی سن بلوغ کو پہنچا ہو یا صابی وصیت محض تجہیز و تکفین کی ادائیگی کے متعلق ہو جو ہمارے فقہا کی رائے میں جائز ہے۔مزید بران وصیت کی تنسیخ نابالغ کے لیے مفید ہے۔اس لئے کہ جائیداد کو ورثا میں منتقل ہونے سے قدرتی شفقت کے تادیر حقوق قائم رہتے ہیں جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔

حنفی اصول

شافعی اصول کے مطابق نفاذ وصیت میں نابالغ کو فائدہ پہنچتا ہے اس کے بارے مین جو جواب ہے کہ کسی امر کے فائدے یا نقصان کا خیال کسی بھی فعل یا کام کا فوری نتیجہ ہوتا ہے مگر بالا آخر کیا نتیجہ ہو یہ ذہن میں نہیں ہوتا۔ بالفاظ دیگر اگر فی نفسہٖ فعل سے فائدہ ہوتا ہے تو بچہ کے مفاد کے پیش نظر اس کا نفاذ لایق ترجیح ہے مگر یہاں غور شدہ معاملات میں ترکہ سے خود ہی نتیجہ جائیداد کے نقصان میں بر آمد ہوتا ہے اگرچہ نابالغ کو فائدہ پہنچتا ہے مگر چونکہ ترکہ بغرض خوشنودی خداوند تعالیٰ حاصل کیا گیا ہے اور چوں کہ بچہ کے کئے ہوئے ترکہ سے فوری نقصان مرتب ہوتا ہے یہ اسی طرح ناجائز ہے جس طرح کہ طلاق بالفاظ دیگر اگر کوئی نابالغ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اس کا ولی اس کی جانب سے ایسا کرے تو یہ قابل نفاذ نہیں ہے۔ حالاں کہ بہت سے موقعوں پر اس قسم کی طلاق سے فائدہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک نابالغ جو کہ غریب ہے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی بہن سے جو دولت مند اور خوبصورت ہے شادی کرے۔

نابالغ کا ترکہ جائز ہے

المختصر ایک نابالغ کا ترکہ ہمارے فقہا کے نزدیک اسی طرح ناجائز ہے جیسے کہ ایک نابالغ کی وصیت جس کا بعد بلوغ انتقال ہو جائے تو یہ وصیت جائز نہیں رہتی۔ اس لئے کہ یہ ایسے وقت (نابالغی) کی ہو گی کہ جب کہ وہ وصیت کا اہل نہ تھا۔ اسی طرح ایک نا بالغ یہ کہے کہ میری وصیت ہے کہ جب میں سن بلوغ کو پہنچ جاؤں تو میری ملکیت کا ایک ثلث فلاں شخص کے حق میں ورثہ سمجھا جائے گا۔ ایسی وصیت ناجائز ہے اس لئے کہ ایک نابالغ نہ اس کا اہل ہے اور نہ وصیت کرنے کا مجاز وہ ایسی وصیت کا مجاز نہیں ہے جس کو فوراً ہی جائز سمجھ لیا جائے یا اس کو جائز بنالیا جائے کہ وہ کسی مستقبل کے وقت تک معلق رہے۔ اسی طرح وہ طلاق دینے یا غلام کو آزاد کرانے کا اہل نہیں ہیں۔ مگر ایک غلام یا مُکاتب کے بارے میں صورت ہی دوسری ہے اس لئے کہ سوائے آقا کے حق کے وہ اس کے بالکل اہل نہیں ہیں۔ پس ان کے تمام افعال (مثلاً طلاق ترکہ وغیرہ) ہر طرح جائز ہیں۔ اگر وہ اس زمانہ میں انجام پائیں جب کہ ان پر یہ پابندی عائد نہ ہو مثلاً ایک غلام یہ

کہے "میں آزاد ہو جاؤں تو میری بیوی کو طلاق ہو گی۔"

توثیق بعد حصول بلوغ

حنفی قانون کے احکامات کے مطابق ایک نابالغ (سن بلوغ سے کم) بذریعہ وصیت انتقال کا اہل نہیں ہے۔انڈین مجورٹی ایکٹ نمبر ۹۔ ۱۸۷۵ء کے مطابق بلوغ کب ہو تا ہے اس پر اس نصف صدی کے ابتدائی حصہ میں تفصیل سے غور کیا گیا ہے۔ مگر ایک نابالغ اپنی وصیت کے بعد حصول بلوغ کی توثیق کر دے تو وہ ابتداء سے ہی موثر ہو جاتی ہے۔

ایسے شخص کی اہلیت (بابت وصیت) کے بارے میں جسے سزائے موت دی گئی اسے قانوناً حق وصیت سے محروم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک سپاہی جو کسی مہم میں مصروف ہو یا ایک شخص جو اپنی جائیداد سے بہت دور حالت سفر میں ہے غرضیکہ ہر عاقل و بالغ 'مرد ہو یا عورت' ترکہ جائز کر سکتے ہیں۔

اختلاف عقائد جواز وصیت کے اختیار میں مانع نہیں ہے۔ "ملتقی" میں صریحاً ہے کہ "موصی یا وصی کا اختلاف مذہب جواز کی تنسیخ کی کوئی وجہ نہیں ہے پس ایک غیر سلمان ایک غیر مسلم (تاوقتیکہ وہ غیرنہ ہو) کے حق میں اسی طرح وصیت کر سکتا ہے جیسے کہ غیر مسلم مسلمان کے حق میں وصیت کر سکتا ہے ایسے مسلمان کے وصیت کا جواز کے بارے میں جو بعد میں ملحد ہو جائے۔مذاہب میں کسی قدر اختلاف ہے۔ مالکیوں کے مطابق وصیت بوجہ الحاد منسوخ ہو جاتی ہے۔احناف کے مطابق اگر وصیت اس مذہب کے مطابق ہے جس پر کہ وہ ملحد ہوا ہے تو نافذ ہو گی۔

اسلام کے ملحد کی وصیت حنفی اصول

اگر کوئی مسلمان اسلام سے ملحد ہو کر عیسائی یہودی یا مجوسی مذہب قبول کرے کے بعد کچھ ترکہ کرے تو ان میں وہ ترکے جائز ہوں گے جو اس نے بحالت اسلام کئے اور وہ اس وقت تک معلق نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اصل مذہب کو قبول نہ کر لے یا وہ ہلاک ہو جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے یا کسی غیر ملک میں پناہ گیر ہو مگر ان میں وہ ترکے جائز نہیں ہیں جو کسی مسلمان کے لیے ہوں اور ابو حنیفہ کے نزدیک وہ باطل ہیں مگر صاحبین کے مطابق ایک ملحد کے افعال بصورت موجود قابل نفاذ ہیں۔ پس وہ فرقہ

جس میں وہ ملحد ہوا ہے اس کے مطابق وہی جائز ہے ۔اور اگر وہ ترکہ اس مذہب کے مطابق کرے امر خیر ہے۔ مگر ہمارے مطابق وہ گناہ ہے تو یہ جائز ہے۔

اگر چہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق جو کہ اس میں مقبولیت نہیں رکھتے۔ ایک ملحد خاتون کے تمام ترکے جائز ہیں جو اس عقیدہ کے مطابق ہوں جس میں کہ وہ ملحد ہوئی۔اس لئے کہ اپنے الحاد کی بنیاد پر وہ ہلاک نہیں کی جاسکتی۔

شرع کے مطابق خودکشی کرنے والے کی وصیت ناجائز ہے مگر بعض انتقالات وصیتی جن کے موصی نے انتقال سے کچھ پہلے اپنے خط میں حوالہ دے کر یہ درج کیا ہو کہ اس نے زہر کھالیا ہے تو پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے اس بیان کو تعبیر اس طرح کیا ہے کہ یہ حالات کا اظہار ہے جو خط وصول ہونے پر حاصل ہوئے۔پس یہ طے کیا گیا کہ تنسیخ وصیت کا بار اس فریق پر تھا جو تنسیخ کرانا چاہتا تھا۔ اور اس کو بھی یہ ثابت کرتا کہ یہ خط زہر کھانے کے بعد لکھا گیا تھا۔انتقال وصیتی کی جواز کی ایک ضروری شرط یہ ہے جو موصی کا مالک ہو اور بوقت وصیت اس کا حق ملکیت ہو۔

ایک مفلس موصی کا ترکہ

اگر شئے متروکہ ایسی موصی کی جائیداد ہے جس پر قرضہ کا بار اتنا شدید ہو کہ اس کی زمگی مطابات اس کے اثاثہ سے کہیں زیادہ ہوں تو یہ انتقال تاوقتیکہ قرض خواہاں اس اثاثے کو اپنے قرضے سے بری نہ کریں، نافذ ہوگا۔

شرائع میں اس مسئلہ پر شیعہ اصول اس طرح ہیں۔"اگر کوئی مقروض بذریعہ وصیت اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس کی قیمت و قرضے سے دوچندی ہو تو غلام آزاد ہوگا مگر اپنی قیمت کا ۶/۵ بذریعہ خدمت اسے ادا کرنا چاہئیے۔ لیکن اگر اس کی قیمت قرضے سے کم ہے تو ترکہ جائز ہے ۔وجہ یہ ہے کہ وہ قرضے جو ترکوں پر ترجیح ہیں پہلے ادا ہونا چاہئیں اور اثاثہ کا ۱/۳ جو بھی رہ جائے اس مخلصئ غلام ہو۔ لیکن ایسی صورت میں جب کوئی آقا بستر مرگ پر اپنے غلام کو آزاد کرے تو معاملہ برعکس ہوگا۔ جیسے کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ قانوناً یہ اس صریح فیصلے کے مطابق ہے جو کہ عبدالرحمٰن نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

ایک وصیت کسی مقصد کے لیے بھی جو قانوناً مناسب ہو جائز ہے اور موصی کے انتقال پر قابل نفاذ ہے۔ تاہم یہ اصول بعض پابندیوں کے تابع ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس سے قبل ہم اس شخص کے بارے میں غور کریں گے جس کے حق میں وصیت جائز طور پر کی گئی ہو۔

ایک ایسے شخص کے حق میں وصیت جو موصی کو ہلاک کر دیتا ہے

حنفی اصول

ایسے شخص کے حق میں جو ارادتاً موصی کو ہلاک کرے تمام مذاہب کے مطابق وصیت ناجائز ہے۔ احناف کے مطابق ایسے شخص کے حق میں ترکہ جو بلا ارادہ (کسی حادثے یا غلط طریقے سے) بھی موصی کی موت کا سبب بنے کسی حادثے یا غلط طریقے سے ترکہ وہ کوئی بچہ یا فاتر العقل نہیں ہو اور ترکہ ناجائز ہے۔ خواہ اس ضرر سے جس سے کہ موت واقع ہوئی ہے پہلے کیا گیا ہو یا بعد میں۔ کہیں اگر ورثا اس ترکے پر رضامند ہو جائیں تو امام ابو حنیفہ وامام محمد کے مطابق جائز لیکن ابو یوسف کے مطابق ناجائز ہے۔ اگر موت کسی نابالغ یا فاتر العقل موہوب لہٗ کی وجہ سے موت ہوئی ہو تو جواز ترکہ کے لیے ورثا کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

ردالمختار کے مطابق "آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قاتل کے لیے کوئی ترکہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس فعل میں عجلت کی جس کو خداوند تعالیٰ بہ دیر کرتا اور اس لئے قاتل کے حق میں ترکہ ناجائز ہے۔ خواہ یہ زخم مہلک پہلے کیا گیا ہو یا بعد میں اس لئے کہ یہ حدیث عام ہے اور یہی "ذیلیہ" کا نظریہ ہے۔ موقع کی جلدی سے منشا یہ ہے کہ فعل قاتل متوفی کی موت کا خود سبب بن گیا ہو۔ ورنہ اہل ایمان کے نزدیک واقعہ موت ایک ناگزیر امر تھا۔"

"اگر ایک شخص دوسرے کو محض زخم پہنچائے اور تیسرا شخص اس کو واقعی قتل کر دے تو زخم پہنچانے والے شخص کا ترکہ اس لئے ناجائز ہے کہ وہ اصل قاتل نہیں ہے اور یہی الی الوعلجی کا نظریہ ہے۔ ایسا شخص جو دوسرے کی موت کا سبب ہو اس کا ترکہ ساقط ہو جاتا ہے خواہ اس کا فعل دانستہ ہو یا حادثہ یا بدگمانی کی بنا پر۔ مثلاً ایک آدمی کنوا کھودتا ہے اور

وہ شخص جس نے موصی کے حق میں ترکہ کیا ہے کنویں میں گر جاتا ہے تو موصوب وصیتی اپنے ترکے سے محروم ہو گا۔ایک قاتل کے حق میں ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک ترکہ جائز ہے بشرطیکہ موصی کے ورثا اس پر رضامند ہوں مگر ابو یوسف اس مسئلہ پر اختلاف کرتے ہیں ان کی رائے میں اگر ورثا رضامند ہوں تب بھی یہ قطعاً باطل ہے شرح بلالیہ کے مطابق قتل سے پہلے کا ترکہ مذاہب کے مطابق خواہ ورثا اس پر رضامند ہوں باطل ہے۔''

مالکی اصول

مالکیوں کے مطابق موصی اس مجرم کو جو اس کی ذات سے متعلق ہو معاف کرنے کا مجاز ہے۔ اگر مہلک زخم کے بعد قاتل کے حق میں وصیت کرے تو یہی قیاس ہو گا کہ اس نے جرم کو معاف کر دیا اور ترکہ جائز تھا۔

شیعہ اصول

اہل تشیع کے مطابق قتل انسانی جس کی بنا پر قاتل کے حق میں ترکہ منسوخ کیا جا سکے ارادتاً ہوتا ہے۔احناف کے مطابق اگر قاتل موصی کا تنہا وارث ہے تو ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک ترکہ جائز ہو گا۔ مگر ابو یوسف کے مطابق ناجائز ہو گا۔

اگر کسی قاتل یا قتل انسانی کے مرتکب کے حق میں ترکہ جائز ہے تو اس کے مورثان اعلیٰ یا اولاد کے حق میں بھی ترکہ جائز ہو گا۔

وارث کے حق میں میراث حنفی اصول

تمام مذاہب کے مطابق ورثا میں سے کسی ایک کے حق میں بلا دوسروں کی اجازت میراث ناجائز ہے خواہ موصی الیہ وارث ہو یا نہیں وصیت کا وقف معین نہ کیا جائے گا مگر موصی کے انتقال پر معین ہونا چاہیے۔ وہ پوتا جس کا باپ موصی کے حین حیات انتقال کر جائے لڑکے کے لیے غیر وارث ہے اور اس کے حق میں میراث جو املاک کی ایک ثلث سے زائد نہ ہو جائز ہے۔

ورثا کی میراث پر رضامندی

ردالمختار کے مطابق ایک غیر (غیر وارث) کے حق میں میراث موصی کی

جائیداد کے ۳/۱ تک جائز ہے مگر اس سے زیادہ بھی جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ موصی کے انتقال کے بعد ورثا اس پر رضامند ہوں۔ موصی کے حین حیات رضا مندی ورثا کسی طرح موثر نہیں ہے۔ ان کی رضامندی موثر ہونے کے لیے نہ صرف موصی کا انتقال بلکہ فریقین کا بالغ اور اہل ہونا بھی ضروری ہے۔ ورثا کی رضامندی قبل انتقال موصی غیر موثر ہے وجہ یہ کہ ورثا میں وراثت موصی کی موت ہونے تک تفویض نہیں ہوتی۔ ہمارے فقہا کے مطابق رضامندی کے بعد ہی موہوبلہٗ وصیتی موت سے حق پا سکتا ہے مگر شافعیوں کے نزدیک وہ یہ ورثا سے حق رضامندی حاصل ہوتا ہے جب ورثا میں سے بعض رضامند ہوں اور دوسرے نہ ہوں تو ترکہ اور ورثہ رضامند ورثا کے حصص کے تناسب کے مطابق جائز ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ رضامند ورثا بالغ اور صاحب ادراک ہوں ورنہ نابالغ اور نااہل کی رضامندی جائز نہیں۔ایسے مریض کی رضامندی انہیں اصولوں کے تابع ہے جیساکہ میراث خواہ کوئی شخص وارث ہو یا نہ ہو اس کا جائزہ موصی کے انتقال پر حق میراث سے کیا جائے گا اگر کوئی شخص جو اپنے بھائی کے حق میں ورثہ چھوڑے جس کے بچے نہ ہوں اور بچے پیدا ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو بھائی کے حق میں میراث جائز ہے۔ اس لئے کہ بھائی کے سامنے اس کو حق وراثت حاصل نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑے اور بعدہٗ میں طلاق دے تو یہ میراث جائز ہوگی اس لئے کہ بوقت انتقال موصی وہ وارث نہیں ہے اور نہ ازدواجی تعلق زائل ہو گیا۔اسی طرح حق وراثت بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

وارث کی رضامندی کہاں تک جائز ہے

اگر وارث عاقل بالغ اور انتقال کا اہل ہے اور دوران علالت اس نے رضامندی دی ہے تو صحت یاب ہونے پر بھی اس کی رضامندی جائز ہے لیکن اگر دوران علالت اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی رضامندی کا وہی نتیجہ ہوگا جیساکہ بصورت میراث۔ اگر اصل موصیلہٗ رضامند وارث تھا تو وہ رضامندی اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس بیمار کے دوسرے ورثا اس پر متفق نہ ہوں لیکن اگر اصل رضامند موصی لہ اس وارث کا جس کا انتقال ہو چکا ہے وارث نہیں ہے تو یہ رضامندی سے میراث اصل موصی کے ورثہ

میں ۳/۱ کی حد تک جائز ہوگی۔

ایسی رضامندی بالوضاحت یا غیر مبہم طرز عمل سے ہو سکتی ہے اسی طرح جیسے کہ کسی وصیت نامہ پر بلا بیرونی دباؤ یا غیر واجب اثر موصی لہٗ، کا بلا عذر حصول قبضہ کی اجازت کے بعد اس کے مفہوم کو سمجھ کر دستخط کرنا۔

اقرار قرضہ

اگرچہ ایک وارث کے حق میں ترکہ ناجائز ہے مگر جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے قرضہ جائز ہے۔

اگر کوئی اپنے ورثا میں سے بعض کے حق میں میراث چھوڑے تو یہ آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث کے مطابق ناجائز ہے خداوند تعالیٰ نے ہر وارث کے لیے اس کا حصہ مقرر کیا ہے اور اس لئے بھی کہ ورثا میں سے بعض کے حق میں وصیت ضرر رساں ہے۔ اگر اس کو جائز قرار دیا جائے تو یہ اقربا کے تعلق میں ایک خلیج پیدا کر دے گی۔ مزید رساں حدیث میں ہے "ایک میراث مخصوص ورثا کے حق میں غیر منصفانہ ہے" بعد اس امر کے جائزہ کے کہ آیا موہوب لہٗ یا کوئی وارثوں میں سے ہے اور بوقت انتقال موصی قابل غور ہے نہ کہ بوقت وصیت اگر بعض ورثا رضامند بھی ہوں اور بعض اس سے علیحدگی اختیار کر لیں تو وہ میراث رضامند ورثا کے حصص کے تناسب کے اعتبار سے جائز ہوگی مگر دوسروں کے حصص تناسب کے مطابق ناجائز۔ المختصر وہ اشخاص جو انتقال وصی کی وجہ سے اور وہ اشخاص جو وارث سے محروم نہیں ہو سکتے وہی ہیں جو موصی کے انتقال پر ورثہ میں حقدار ہیں خواہ وراثت کسی کے بھی زمرہ میں ہو۔ اور یہ اصول کلام پاک کے باب چار سورہ کے بنا پر ہے۔

"ہر شخص کو ہم نے بوجہ رشتہ دار ہونے کے اس کے والدین اور رشتہ داران کا وارث بنایا ہے۔ اور ان کو بھی جن کے ہم سیدھے ہاتھ ملاتے ہیں پس ان کے حصے دے دو۔ تحقیق اللہ ان سب کا گواہ ہے۔"

فقہا کے مطابق اس طرح ورثا کے حقوق غیر مشتبہ طور پر کلام پاک سے مقرر ہو چکے ہیں اور وہ ہم آہنگی جو کلام پاک کے مطابق مال متوفی میں مستحقین اجر یہ میں معین ہے۔

کسی ایک وارث کوزیادہ حصہ دینے سے اسے منتشر نہ کرنا چاہئے۔ مصنف ملتقی نے نتیجۂ یہ قرار دیا ہے کہ انتقال وصیتی جس سے کہ موصی لہٗ وارث ہوتا ہے کا وقت شروع ہوتے ہی وہ باطل ہو جاتا ہے اور مالکی فقیہ خالد ابن سعد کے مطابق ورثہ کے حق میں تمام میراث کالعدم ہے۔

ان جملہ احکامات کا نتیجہ یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان شاذ ہی وارث کے حق میں ترکہ یا میراث کرتے ہیں اور جب بھی ان کا حصص ورثا کا تبدیلی کا ارادہ ہوتا ہے تو وارث کے حق میں یہ با اقرار قرضہ کرتے ہیں اور اسی کو وہ ترجیح دیتے ہیں۔ ایک غیر وارث کے حق میں اتفاق سے ہی برائے نام ترکہ ہوتا ہے بلکہ یہ اصلاً وارث کے حق میں ہی ہوتا ہے۔

ایک رشتہ دار جو وراثت موصی میں مستحق حصہ نہیں ہے بوقت ترکہ وارث ہونے پر بھی کسی وجہ سے حصہ سے محروم ہو گیا اس کے حق میں ترکہ قانوناً جائز ہے مثلاً کسی شخص کے دو لڑکے اور ایک پوتا ہو تو پہلے انتقال کرنے والے لڑکے کا جائیداد میں ۳/۱ حصہ ہوگا ایسا ورثہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے لڑکا اور لڑکے کا لڑکا اور لڑکی کی لڑکی ہوں تاہم لڑکی کے لڑکے کے حق میں (جو وارث نہیں تھا) ورثہ جائز ہے۔

کسی شخص کا صرف ایک بھائی ہو اگر کوئی بچہ نہ ہوں تو اس کے حق میں بشرطیکہ یہ ۳/۱ سے زائد نہ ہو ورثہ جائز ہوگا۔

اگر ایک شخص بیوی کے حق میں وصیت کرے تو یہ جائز ہے مگر موت سے قبل اس کو طلاق دے تو وارث جائز ہوگا۔

سوطیرہ میں دئے گئے ایک معاملہ سے ان اصولوں کی وضاحت ہوگی۔ ایک شخص موسومہ بومدینہ نے خود کو اپنی بیوی کا دوسو پچاس درہم کے مقروض ہونے کا اقرار کیا اور اسی قرضہ کی ادائیگی کے تابع جائیداد اور اثاثہ اپنی بیوی اور دو غیر اشخاص کو بقدر مساوی حصص میں دیدے حسب شرع طے کیا گیا کہ سب سے پہلے اثاثہ متوفی سے قرضہ ادا کیا جائے مابعد حسب ذیل طریقہ سے جائیداد کو موصی لہم اور ورثہ میں تقسیم کی جائے۔

بیوہ کو........ ۱۲/۳ جو کہ بیوہ کے حصہ کا ۴/۱ ہوتا ہے

ہر موہوب لہٗ وصیتی کو........ ۱۲/۴ جو کہ قابل انتقال جائیداکا ۳/۱ ہوتا ہے

ورثا کو..... ۵/۱۲

میزان..... ۱۲/۱۲

ایک وارث کے حق میں دوسرے ورثا کی رضامندی سے میراث جائز ہے

تمام سنی مذاہب اس پر متفق ہیں کہ وارث کے حق میں میراث ناجائز ہے۔ مگر ملتقی کے مطابق وارث کے حق میں میراث اگر دیگر ورثا متفق ہوں تو جائز ہے۔ شافعی فقیہ ابو خواجہ نے بھی یہی اصول وضع کیا ہے اور مالکی فقیہ خلیل ابن اسحٰق کا بھی یہی اصول ہے۔ اگر وارث کے حق میں انتقال میراث ہو اور دیگر ورثا اس کی توثیق کردیں تو ان کی جانب سے یہ میراث مثل ایک قیاسانہ فعل کی طرح نافذ ہوگی۔

شیعہ اصول وصی کی موت سے قبل بعد

رضامندی دی جاسکتی ہے

شیعہ فقہ کے مطابق (جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا)، ایک وصی اپنے وارث کے حق میں اگر جائیداد ۱/۳ سے زائد ہو تو بلا رضامندی دیگر ورثا جائز نہیں ہے۔

یہ رضامندی موصی کی انتقال سے قبل ہو سکتی ہے۔ سنی فقہ کے مطابق توثیق ہمیشہ بعد انتقال ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ ایسی رضامندی قبل موت بے معنی ہے۔

سنی فقہ کے مطابق ورثا کی رضامندی بہ رضا و رغبت ہونا چاہئے اور جب کہ موصی نے اپنی وصیت میں تہدید کی ہو اور جس کا نتیجہ ذہن پر نامناسب طریقہ سے خراب ہو تو یہ ترکہ نافذ نہ ہوگا۔ خلیل ابن اسحٰق کے مطابق ایک میراث بحق وارث اگر موصی حسب ذیل جملہ استعمال کرے تو منسوخ ہوگی۔

"اگر میرے ورثا میرے انتقالات کی توثیق نہ کریں تو میری جائیداد غربا کو ملے گی لیکن وہ میراث جن کا ان الفاظ میں اظہار ہو۔"

"میری فلاں میراث غربا کے لیے ہے تاوقتیکہ میرے ورثا یا میرے لڑکے کو دینے پر آمادہ نہ ہوں تو ترکہ کرتا ہوں یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ورثا رضامندی کے سلسلہ میں آزاد ہیں۔ خواہ رضامند ہوں یا نہ ہوں۔

مرض الموت میں ورثا کی رضامندی - شیعہ اصول

مرض الموت موصی میں ورثا کی بخوشی رضامندی اس لئے قابل تنسیخ ہے کہ جب قیاس اس وقت تک ورثا کو ان کا حق مل جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کے کوئی وارث نہ ہو تو وہ تمام جائیداد حسب مرضی جس کو چاہے دے سکتا ہے۔

مصنف شرائع کے مطابق اگر موصی اپنے بچوں میں سے ایک کو وراثت سے محروم کر کے تمام جائیداد اور دوسروں کو دے دے تو یہ فعل قطعاً ناجائز ہے اور وارثت اس کے ورثا میں حصص قانونی کے مطابق تفویض ہو گی۔

لیکن فرض کیجئے اگر باپ اپنے بچوں یا دوسرے ورثا میں غیر مساویانہ تقسیم کرے جو مابعد موت نفاذ ہو اگر ورثا اس تقسیم پر رضامند ہوں تو بلا شبہ جائز ہے۔ مگر رضامند نہ ہوں تو کیا نتیجہ ہو گا۔

جامع الفاظ میں بعینہ ایک مثال ہے حج پر جانے والے ایک شخص نے جائیداد حسب ذیل طریقے پر تقسیم کی۔

(الف) بعض کو ان کے حصص قانونی سے زیادہ حصہ دیا اس لئے کہ ان کی ماں کا دین مہر ان کے ذمہ ہو گا۔

(ب) بعض کو کچھ روپیہ ان کے حصص قانون سے زیادہ تاکہ وہ اپنی شادیوں کے اخراجات ادا کر سکیں۔

"ورثا جن کو حصص سے کم ملا تھا عذر آور ہوئے اس پر مجتہد کا فیصلہ اس طرح تھا۔ مہر ایک قرضہ ہے جبکہ ادائیگی میراث سے قبل بیباق ہونا ضروری ہے پس جائیدادیں جو مہر کے عوض دی گئیں وہ صحیح طور پر دی گئی ہیں۔ مگر زر نقد جو حصص قانونی سے زائد دیا گیا ہے اس کی تو حیثیت میراث کی ہے جو موصی کی جائیداد کے ۳/۱ تک ہونا چاہئے۔ بقیہ جائیداد ان کے حصص قانونی کے مطابق تقسیم کر دینا چاہئے۔"

حنفی فقہا کے مطابق اگر کوئی ورثا ہوں تو ۳/۱ سے زیادہ ترکہ ان کی رضامندی سے جائز ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک یا زیادہ اضافہ پر رضامند ہوں تو اضافہ ان کے حصے کی حد تک جائز ہے۔ دوسرے ورثا کی رضامندی اسی وقت موثر ہو گی اگر وہ موصی

کے انتقال کے بعد دی جائے۔ آیا یہ موت کے قبل اسی طرح جائز ہے؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں دو رائے ہیں اور ان میں سے زیادہ مستعمل اور مسلمہ وہ ہیں جو کہ وارث کے لیے قابل پابندی ہے۔ جب کہ موصی کے انتقال کے بعد رضامندی دی جائے تو یہ اس کے فعل کی توثیق ہے تو اس کے وارث کی طرح سے از سر نو نہیں ہے۔ پس تکمیل جواز کے لیے موصی لہٗ کے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک مسلمان کی غیر اجنبی کافر کے حق میں وصیت تمام مذاہب کے مطابق ناجائز ہے درج ذیل اغراض کے لیے قدیم حنفی اصول کے مطابق ترکہ پسندیدہ ہے۔

''اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے بعد انتقال اس کا جسم کسی خاص جگہ لے جا کر دفن کیا جائے اور وہاں ایک رباط قائم کی جائے تو ابوالقاسم کے مطابق رباط کے لیے ترکہ جائز ہو گا۔ جسم کو لے جانے کے لیے باطل ہے۔ اور اگر وصی بلا اجازت ورثا جسم کے لے جانے میں مصارف کرے تو رقم خرچ شدہ کو وہی مستوجب ہو گا۔ اگر ان کی اجازت سے ایسا ہے تو اس پر صرفہ کی ذمہ داری ہو گی۔ اسی طرح بروئے وصیت مقررہ موصی کی زیبائش بھی باطل ہے۔ فقیہ ابو جعفر کے نزدیک انتقال پر اس کے سوگواروں یا شرکاے تجہیز و تکفین کو کھانا کھلانے جائیداد کے ۱/۳ حد تک مصارف جائز ہیں وہ سب کھانے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جو دور سے آئے ہوں اور تجہیز و تکفین تک مقام کریں ان میں امیر اور غریب سب یکساں ہیں۔ اگر کھانوں وغیرہ پر خرچہ کثیر ہو تو زیادہ خرچہ کا موصی مستوجب ہو گا۔ شیخ امام ابو بکر ساکن بلخ کے انتقال موصی پر تین روز تک کھانا کھلانے کی وصیت ناجائز ہے۔''

واقعات ناطقی میں ہے کہ ''اگر کوئی شخص دس ہزار درہم یا دینار اس کی تجہیز و تکفین میں خرچ کرنے کی وصیت کرے تب بھی صرفہ دینا چاہئے اور محض وہ جو موصی بروز جمعہ مسجد میں جانے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور اگر کوئی عورت خود اپنے خاوند کو زر مہر سے مصارف کفن کی ادائیگی کی وصیت کرے خواہ وہ اس پر باطل ہو یا نہ ہو یکساں باطل ہے۔''

''اگر کوئی شخص اپنی عمارت میں دفن کئے جانے کی وصیت کرے تو باطل ہے تاوقتیکہ اس عمارت کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں منتقل نہ کیا جائے۔ یہ ہدایات کہ

موصی کی قبر پر پلاستر کیا جاوے اور اس پر محراب بنائی جائے تو یہ بھی ناجائز ہے سوائے ان مقامات کے جہاں درندگان صحرائی سے نقصان کی بنا پر ایسی ضرورت محسوس ہو۔ اسی طرح یہ ہدایت کہ کسی شخص کی جائیداد میں سے اس قدر موصی کی قبر پر قرآن خوانی کی اجرت لوگوں کو دی جائے یہ باطل ہے اگر اس غرض کے لیے خاص قرآن خوان بھی مقرر کئے جاویں۔ اس عبارت میں بہت سے ایسے اخراجات کے قواعد ہیں جو کہ آج کے زمانے میں کلیتاً متروک ہو چکے ہیں۔"

شیعہ اصول

شیعہ اصول کے مطابق تر کے حسب ذیل اغراض کے لیے جائز ہیں۔

(الف) موصی کے ایصال ثواب کے لیے عبادات خواہ وہ دائماً یا کچھ مدت کے لیے ہوں۔
(ب) متوفی کے جسم کو کربلا یا کسی دوسری مقدس جگہ لے جانے کے لیے۔
(ج) موصی کی جانب سے کسی کو ادائیگی حج کے لیے بھیجنے کو۔
(د) موصی کی قبر یا امامین کے قبروں پر روشنی یا پھول چڑھانے کے لیے۔
(ہ) کربلا یا در نجف کے قریب سادات کی امداد کے لیے۔
(و) خاص خاص مذہبی تہواروں پر غربا کو کھانا کھلانے کے لئے۔
(ز) امام باڑوں میں مرثیہ خوانی کے لیے۔
(ح) محرم شریف پر شربت یا پانی پلانے اور ایسے ہی دیگر مقاصد کے لیے۔

موصی کی جانب سے ایک شخص دوسرے کو رسومات کی انجام دہی کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ مثلاً

(الف) اپنی موت کے وقت ان نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں جو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا وصی کو وصیت کر سکتا ہے۔ وصی کا اس وصیت کو قبول کرنا جائز ہے اور وہ اس کی ادائیگی کا پابند ہو گا۔

باب ۲۱۔ قیام وصیت

فصل اول:۔ موصی لہٗ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کون ہو

شیعہ قانون، حنفی اصول

اصولاً ایک وصیت کسی بھی شخص کے حق میں جو بوقت انتقال حیات، ہو اصلاً یا تعبیراً جائز ہے۔ شرائع کے مطابق یہ ایک ناگزیز شرط ہے کہ موصی لہٗ بہ وقتِ وصیت زندہ ہو ورنہ میراث اس طرح ناجائز ہے جیسے کہ ایک متوفی کے حق میں یا ایسے شخص کے حق میں جو زندہ قیاس کیا گیا ہو مگر بوقت میراث اس کی فوتیدگی ثابت ہو۔ پس اسی طرح عالمگیری میں بھی ہے کہ غیر موجود یا مردہ شخص کے حق میں میراث ناجائز ہے۔

حربی کے حق میں میراث ناجائز ہے

اب ہم ان اغراض یا اشخاص کے بارے میں جن کے لیے وصیت جائز طور پر کی جا سکتی ہے غور کریں گے۔

(الف) علاوہ شافعیوں کے جو ایک مسلمان کی میراث غیر مسلم لڑکے کے حق میں غیر مشروط طور پر نا جائز سمجھتے ہیں دیگر تمام مذاہب غیرمسلم کے حق میں (جو کہ دارالحرب کے ہونے کی وجہ سے غیر نہ ہو) وصیت جائز سمجھتے ہیں۔ ردالمختار اور فتاوائے عالمگیری میں یہ اصول بہت وضاحت سے ہے۔ عالمگیری کے مطابق ایک مسلمان ذمی یا غیر ذمی کے حق میں میراث کر سکتا ہے۔ ایک غیر کے حق میں جو کہ مستعین نہیں ہے، میراث ناجائز ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسے شخص غیر کے حق میں جو دارالحرب یا دشمن ملک کا رہنے والا ہو میراث کرے تو وہ خواہ اس کے ورثا بھی اس پر رضامند ہوں، ناجائز ہے۔

اگر کوئی غیر شخص اسلامی حدود مملکت میں بہ غرض امان یا حفاظت آئے اس کی میراث حاصل کرنے کی بھی نیت ہو تو وہ بہ رضامندی ورثا بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ اس

صورت میں ہے جب ہر دو موصی کے اور غیر موصی لہٗ دارالسلام میں ہوں، اگر موصی دارالحرب میں ہو تو ہمارے فقہا میں ایسی وصیت کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جبکہ اجنبی ایک مستعمین ہو اور اسلامی حدود میں رہتا ہو تو ظاہر الروایت کے مطابق اس کے حق میں میراث جائیداد موصی کے بقدر ثلث بلا رضامندی ورثا اور اس سے بیشتر مالیت کی ان کی رضامندی سے جائز ہوگی۔

شیعہ اصول

اہل تشیع کا بھی اس بارے میں یہی اصول ہے۔ شرائع میں ہے کہ میراث ہا جو حربی، ملحد، یا دشمن کے حق میں ہو کچھ مشتبہ ہے۔ مگر مستند ترین احادیث کے رو سے وہ ممنوع اور باطل ہیں ردالمختار میں ایک حربی یا غیرمسلم دشمن کے حقوق شہریت فوت قرار دیے گئے ہیں۔

اگرچہ ایک غیر کے لیے ترکہ بالوصیت ایک ناجائز ہے مگر تحفے وانعامات دینا جائز ہے۔ سرخسی حنفی کی شرح الکبیر میں بحوالہ ردالمختار ہے کہ مسلمان کا کسی کافر کو تحفے یا انعامات دینا خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں، خواہ وہ غیر ذمی ہوں، قابل اعتراض نہیں ہے۔ یہ آنحضرت صلعم کی اس حدیث پر مبنی ہے کہ آپ مختلف تحائف ابوسفیان بن حرب اور ابوسفیان ابن امیہ کو مکہ کے غربا میں تقسیم کرنے کے لیے ارسال فرماتے تھے۔ کسی کا بھی اعزہ کو تحفے بھیجنا ہر مذہب کو پسندیدہ اور قابل قبول ہیں حتیٰ کی اجنبیوں کے لیے بھی ایک مہربانی اور سخاوت کا فعل ہے۔ پس غریبوں کو بھی ماسوائے ہتھیاروں اور زرہ بکتر کے قانوناً تحائف دیے جاسکتے ہیں مگر ملحد کے حق میں میراث کسی بھی مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے۔

ایک غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں میراث

تمام مذاہب کے مطابق ایک غیر پیدا شدہ بچے کے حق میں میراث جائز ہے لیکن فقہ حنفی کے مطابق تاریخ وصیت کے چھ ماہ میں بچہ پیدا ہونا چاہئے۔ اس صورت میں یہی قیاس ہوگا کہ بچہ بوقت میراث موجود تھا تاوقتیکہ وہ موصی کے لیے باعث ضرر نہ ہو، غیر پیدا شدہ بچہ کا حق میراث اس کی پیدائش پر قائم ہو جاتا ہے اور اس وقت تک کو

ئی شخص اس کی جانب سے یہ حق استعمال نہیں کر سکتا مثلاً میراث میں تبدیلی یا غیر پیدا شدہ موصی لہٗ کے حق میں کمی یا بیشی۔

غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں وہ میراث

ردالمختار سے واضح ہے کہ جو بچہ رحم مادر میں مقیم ہو اس کا کوئی ولی ہو گا اس لئے کہ لفظ ماں کے ساتھا ایک ولی لازم آتا ہے تاکہ اس کی زیادہ حفاظت ہو سکے اور رحم مادر میں بچہ کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ فرض ماں ہی انجام دے لیتی ہے اس لئے وہ ماں کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ باپ ماں کا ولی نہیں ہو سکتا اس لئے نہ باپ ولی ہو سکتا ہے نہ ماں رحم خود بچہ کی ولیہ ہو سکتی ہے اسلئے کہ ماں بچہ کے حق میں میراث کو خواہ بچہ اس کے جسم کا حصہ ہے استعمال نہیں کر سکتی رحم مادر میں اگر چہ بچہ کا وجود ایک روح وجان ہے جو اس کی نگرانی میں تفویض کی گئی اور چونکہ جان موجود ہے اس لئے اس کو ترکہ واجب ہے۔ وصیت ایک نقطہ نظر سے تملیک اور دوسرے سے حقوق موصی کے لیے کل جائیداد یا اس کے جز میں ایک جانشین کا تقرر ہے اس کو غیر پیدا شدہ بچہ کا کوئی ولی مقرر نہ کیا گیا لیکن تمام فقہا جیسے علامہ ابن شبلی حلوانی اور دوسرے مشائخ کے مطابق ایسے بچے کے وصی کا تقرر اسی طرح جائز ہے جیسا کہ ایک غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں وقف۔ یہ تقرر بچہ کی پیدائش پر جب کہ وہ میراث کا مستحق بنتا ہے، جائز ہوتا ہے۔

اگر بچہ کا باپ زندہ ہو تو حق میراث میں تبدیلی بچہ کی تاریخ میراث سے چھ ماہ میں پیدا ہونے سے ہو جاتی ہے۔ باپ کا انتقال ہو یا ماں کی طلاق کی صورت ہو تو تاریخ میراث سے چھ مہینے میں میراث ہونا چاہئے۔ اور حمل کے طویل ترین عرصہ میں حسب قانون باپ کے انتقال یا ماں کی طلاق کی تاریخ سے بس اس مدت کے بعد بچہ پیدا ہو تو یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ بچہ بوقت میراث حمل میں تھا۔

غیر شادی شدہ بچہ کے بارے میں وقف وصیتی

اگر چہ ایک بالراست وصیت بالفاظ دیگر وصیت یا ہبہ غیر پیدا شدہ بچہ کے حق میں اسی وقت جب وہ حمل میں ہو اور تاریخ میراث سے چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو جائز ہے مگر قانون وقف بالوصیت کے جواز کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ جیسے کہ ایک غیر پیدا شدہ بچے

کے حق میں وصیتی وقف جو کسی بھی وقت پیدا ہو اور اس کے رحم میں آنے پر وقف کی ابتدا ہو چکی ہو مثلاً ایک شخص اور اس کے غیر پیدا شدہ بچے اور ان کی اولاد کے حق میں وصیت تمام مذاہب میں جائز ہے۔ ایسا وقف وصیتوں کے تقرر سے جو کہ وقف کے امین ہوں گے نافذ گا۔

شیعہ قانون

مندرجہ ذیل کے حق میں وصیت جائز ہے:

(الف) غربائے عام یا ان کی کسی خاص جماعت کے لیے وصیت

(ب) خانۂ کعبہ یا کسی دوسری مسجد کے لیے

(ج) اللہ کے نام پر یا راہِ خدا میں (فی سبیل اللہ)

(د) امورِ خیر کے لیے (وجوہ الخیر یا وجوہ البر)

(ہ) جہاد برائے اشاعت اسلام کے لیے:

(و) کسی کے وارث کے بچوں اور پڑوسیوں کے لیے۔

(ز) غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔

(ح) کسی ذی ذمی قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔

(ط) مویشیوں کی غذا کے لیے بھی میراث جائز ہے

اشاعت دین کے لیے متوفیان کے مقبروں پر مذہبی رسم کی ادائیگی جیسے عرس، مراسم، محرم وغیرہ وغیرہ کے لیے۔

(ج) اپنے وارث کے بچوں، پڑوسیوں اور ملت کے لیے

(د) غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔

(ہ) کسی کی زمی قرضوں کی ادائیگی کے لیے۔

(و) مویشیوں کی غذا کے لیے بھی میراث جائز ہے۔

غریب عیسائیوں کے لیے وصیت - حنفی اصول

(الف) غربا کے لیے وصیت خواہ عام غربا کے لیے ہو یا ان کی کسی جماعت کے لیے جائز ہے۔ مذہب حنفیہ کے مطابق غریب عیسائیوں کے حق میں وصیت جائز ہے اور

یہ گناہ نہیں ہے۔ اس کے بر عکس تعمیر گرجا کے لیے وصیت گناہ ہے۔ اور گرجاؤں کی تعمیر میں مدد کرنے والا بھی گنہگار ہے۔ یہی اصول تمام مذاہب کے اصولوں پر لاگو ہوتا ہے اگر وصیت عام غربا کے لیے ہے تو یہ تمام مذاہب کے غربا کے لیے ہوگی۔

غربا کے لیے وقف۔شیعہ قانون

شیعہ قانون میں صورت حال مختلف ہے۔ اگر حسبِ شرائع "ایک مسلمان گداگروں کے لیے ترکہ چھوڑتا ہے اور اس کا منشا اس کے ہم مذہب ہوتے ہیں جس طرح ایک ملحد کی میراث محض اس کے ہم عقیدہ لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔"

ابو یوسف کے نظریات

ابو یوسف کے مطابق بحوالہ نوادر میراث عام مسلمانوں کے کفن مہیا کرنے یا ان کی قبریں کھدوانے والے یا چشمے بنوانے یا پانی کے حوض بنوانے کے لیے خراب ہے لیکن غریب افراد کی خاطر ان کاموں کے لیے جائز ہے مگر اس پہلو کو بخوبی نہیں سمجھا گیا کہ جب میراث اہل غرض مسلمانوں کے لیے کی جائے تو ان سے غربا ہی مراد ہوں گے۔

مسجد کے حق میں میراث

(ب) خانۂ کعبہ یا مسجد کے لیے وصیت کے بارے میں فتاوائے عالمگیری میں اس طرح آیا ہے:

"اگر کوئی جائیداد کا ۱/۳ حصہ خانۂ کعبہ کے لیے وصیت کرے تو جائز ہے اور وہ عمارت، روشنی وغیرہ پر صرف ہونا چاہئے۔ اسی طرح میراث کا ایک ثلث مسجد کے لیے جائز ہے جو مسجد کی عمارت روشنی پر خرچ ہونا چاہئے۔"

تمام فقہا کے نزدیک ایک شخص اپنی زمین تعمیر مسجد کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ اسی طرح ردالمختار میں ہے "اگر کوئی اپنے ورثہ کا ایک ثلث بیت المقدس کے لیے میراث کرتا ہے تو یہ جائز ہے جو اس کی عمارت روشی یا مماثل مقاصد پر صرف ہوگا اور یہی اصول مسجد کے لیے ترکہ پر منطبق ہوتا ہے جو اس کی حفاظت اور دیکھ بھال پر صرف ہوگا۔ بقول قاضی خان بماہ رمضان المبارک اس کی روشنی پر بھی خرچ ہوگا۔ مجتبیٰ

میں ہے "جب ترکہ کا ایک ثلث کعبہ کے لیے کیا جائے تو یہ کعبہ کے غربا (جن کو وہاں سے خیرات ملتی ہو) پر خرچ ہونا چاہیے۔ اور یہی صورت مسجد اور بیت المقدس کے لیے ہے۔"

اس کے بعد مزید لکھا ہے۔

"مسجد کے ترکہ کی بابت دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ نا جائز دوسرا یہ کہ جائز ہے۔ ایسی وصیت کے جواز کی جو فقہا تائید کرتے ہیں ان میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مسجد کی دیکھ بھال کے لیے کام میں آنا چاہیے یعنی عمارت کی تعمیر اور روشنی وغیرہ میں جب کہ دوسروں کی رائے میں وہ غربا جو مسجد سے وابستہ ہیں ان کی بسر اوقات میں صرف ہونا چاہیے ۔ابو محمد پہلی رائے کے ہم نوا ہیں جب کہ موخر الذکر کو مصنف مجتبیٰ نے اختیار کیا ہے ۔ناجوازی کی بابت محض دو فقہا کی رائے ہے ۔ لیکن اگر میراث مختص الفاظ میں کہ مسجد پر ہی صرف ہونا چاہیے تو یہ بالاتفاق رائے جائز ہے۔ یہ مناسب ہے کہ اس بارے میں فتویٰ دیا جائے کہ جب میراث مسجد کے لیے کی جائے تو مسجد کے کچھ فقرا کی فلاح پر بھی خرچ ہونا چاہیے۔ ان کی سیجانی نے تفصیل وضاحت کی ہے اور اس سلسلہ میں شرح وہبانیہ کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ (غربا) پر صرف کرنا مرجح ہے مگر ابو یوسف کے مطابق دوسرے غربا کو بھی دینا جائز ہے۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ ہیں اور ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے۔"

ایک شخص بذریعہ وصیت اپنی زمین مسجد کے لیے ترکے میں دے سکتا ہے مگر ابو حنیفہ کے مطابق وہ اسے غیروں کے لیے قبرستان یا مسافروں کے لیے سرائے کی تعمیر کے لیے نہیں دے سکتا ہے اس امتیاز کی وجہ سمجھنا مشکل ہے۔ صاحبین نے اپنے استاد سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے مگر مؤخر الذکر مقاصد کے لیے انہوں نے ترکہ کی تائید کی ہے۔

(ج) اگر کوئی شخص مندرجہ ذیل الفاظ میں وصیت کرتا ہے۔

"میں اپنی جائیداد کا ایک ثلث خوشنودی خداوندی کے لیے ترکہ کرتا ہوں" محمد کے مطابق ایسا ترکہ جائز ہے اور جن اغراض خیر پر استعمال یا خرچ یا ہوگا جیسے عام مستحسن یا اغراض فلاح پر۔ وصیت فی سبیل اللہ اشاعت دین متین کی مساعی پر صرف ہوگی اور اسی کام آئے گی ۔ ایک غریب حاجی کی استمداد پر بھی جس کے کہ ذرائع معدوم ہو چکے ہوں یہ

نوافل کے مطابق ہے ترکہ چراغاں پر اور مذہب کی عام ترقی پر صرف ہونا چاہیے۔"

شیعہ اصول

مذہب شیعہ کے مطابق "اگر موصی ترکے کو راہ خدا میں صرف کرنے کی ہدایت کرے تو اسی طرح صرف ہونا چاہیے جس کا عاقبت میں اجر ہو مگر بعض کے نزدیک یہ محض اشاعت دین پر صرف ہونا چاہیے پہلی رائے زیادہ بہتر ہے۔"

(د) جب کہ ترکہ اغراض خیر (خیر بوجوہ بر) کے لیے کیا جائے تو اس میں تمام پسندیدہ اغراض خیر شامل ہیں۔ مثلاً مساجد، کالج، شفاخانوں کی تعمیر یا طالب علموں یا غربا کی مدد بھی شامل ہے۔

اگر موصی بغرض جہاد ترکہ کرے تو غازی کے بسر اوقات یا مجاہد کے کسی مہم میں شریک ہونے اور جنگ آزمائی کے درمیان گزارہ پر صرف ہونا چاہیے مگر کوئی جزو اس کے خاندان پر صرف نہ ہونا چاہیے۔ فاضل رقم تو اس کے ورثا کے گزارے پر بھی صرف ہو سکتی ہے۔ مجاہد کے دولت مند ہونے کی صورت میں بھی اس پر رقم صرف کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وصی یا موصی کے لڑکے بھی ان کی جانب سے جہاد کر سکتے ہیں۔

ورثا میں سے کسی کا اپنے بچوں کے حق میں ترکہ۔

(ہ) کسی شخص کا اپنے بچوں کے حق میں ترکہ جائز ہے اس لئے کہ ان کی حیثیت غیروں کی طرح ہے۔ دراصل ایک میراث جائز طور پر کسی بھی رشتہ دار کو جو بذریعہ وراثت حصہ کا مستحق ہو ہو سکتی ہے۔

اقربا کے حق میں ترکہ شیعہ اصول

شرائع کے مطابق کسی کا اپنے اقربا کے حق میں خواہ وہ اس کے ورثا میں ہوں یا نہیں، ترکہ کرنا مناسب ہے۔ جب کوئی شخص اپنے اقربا یا قریب ترین رشتہ داروں کے حق میں بذریعہ وصیت ترکہ کرے تو اس پر اصول وراثت لاگو ہوں گے۔ اگر قریب تر عزیز موجود ہوں تو بعید ترکہ نہ پائیں گے۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے اقربا (ذو قرابت داروں) کے حق میں اس منشا سے ترکہ کرے کہ یہ جو اس کے مفاد میں یا یکجدی ہوں ترکہ کرے تو وہ ان سب کے لیے ہوگا۔ بعض مصنفین کے مطابق وہ سب اس میں شامل ہوں گے جو اس کے بعید عزیز جو بواسطہ ماں یا باپ مگر مسلمان ہوں شامل ہیں مگر اس رائے کی کسی اور سے تائید نہیں ہوتی مگر یہ کہ ترکہ اگر اس کی قوم یا نسل کے لیے ہے تو اس میں وہ سب شامل ہیں جو یکساں زبان بولتے ہیں اور اگر اس کی اہل بیت کے لیے ہے تو اس میں اس کے بچے باپ اور دادا شامل ہیں مزید یہ کہ اگر وہ اپنے کنبہ کے بارے میں کہے کہ اس کے احباب میں محض قریب ترین اس کے ترکے میں شامل سمجھے جائیں گے۔

اگر ایک شخص پڑوسیوں (جیران) کے لیے ترکہ کرتا ہے تو بعض فقہا کے نزدیک ان میں وہ تمام شامل ہیں جن کے مکانات اس کے مکان کے ہر طرف تیس ذرائع کے فاصلے پر ہوں لیکن اس سلسلے میں ایک اور بھی رائے ہے جو نا مناسب اور بعید از قیاس ہے اس کی رو سے مکان کے ہر طرف چالیس مکان کے مکیں شامل ہیں۔

(و) شرع اسلام اور مذاہب اسلام کے مطابق غلاموں کو آزاد کرانا بہت ہی امر مستحسن ہے اسی لئے تمام مذاہب کے فقہا کی غلاموں کو آزاد کرنے کے بارے میں وصیتی ہدایات ملتی ہیں۔ اس موضوع کی کوئی عملی اہمیت نہیں ہے اس لئے اس پر تفصیل سے بحث کرنا غیر ضروری ہے۔

(ز) ایک موصی بذریعہ وصیت وصی کو فروختگی جائیداد کی ہدایت کر سکتا ہے تاکہ اس کے ذمگی قرضوں کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم بطور وقف اغراض خیر یا ورثا میں تقسیم کی جائے۔

فصل دوم:۔ اصول توضیح

اصول کی توضیح (حنفی قانون)

حنفی فقہا نے مشتبہ اور مبہم وصیتوں اور ترکوں کی صحیح وضاحت کے لیے

مندرجہ ذیل اصول پیش کیے ہیں:

(۱) اگر موصی یہ الفاظ کہے کہ "اپنی بیوی کے رشتہ داروں کو بطور میراث دیتا ہوں یا بیوی کے دونوں باپ دادا کی طرف سے رشتہ داروں کے مفاد میں ہوگا۔"

(۲) اگر میراث اس کے قریب ترین رشتہ داروں کے حق میں ہو تو اس کی ماں کی طرف کے اعزہ کے لیے ہوگی اور باپ کی طرف کی عورتوں کے لیے نہ ہوگی۔

(۳) اگر کسی غیر کے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جائے تو اس کے تمام رشتہ داروں کے لیے (خواہ اس کے ہمدرد ہوں) کے مفاد میں ہوگی۔

(۴) جب وصی اپنا اسباب بطور میراث یا یتامی' نابینا یا فلاں طبقہ یا فلاں علاقے کے رہنے والوں کے لیے کرے تو یہ ترکہ ان سب میں جو اس معار پر پورے اترتے ہوں بلاامتیاز صنف یا معاشی حیثیت کے تقسیم ہوگا۔

(۵) جب کہ موصی اپنے وارث کے لیے وصیت کرے اور کئی ورثا چھوڑ کر انتقال کر جائے تو وہ میراث حسب حصص ورثا میں تقسیم ہوگی۔

(۶) کوئی میراث ان الفاظ میں ہو۔

''میں فلاں خاندان کے حق میں (نام کا حوالہ دیتے ہوئے) وصیت کرتا ہوں ابو حنیفہ کے مطابق یہ میراث کنبے کے سربراہ کے لیے ہوگی۔ ابو یوسف اور محمد کی رائے میں یہ میراث مثل سابق اہل خاندان میں تقسیم ہوگی۔

(۷) اگر میراث پڑوسیوں کے حق میں ہو تو قریب ترین یا وصی سے متصل سکونت رکھنے والوں کو ملے گی محمد کے مطابق اگر کئی اشخاص مکان میں رہتے ہوں تو میراث مساویانہ طریقہ پر ان تمام کو جن میں عورتیں بچے شامل ہیں ملے گی۔

(۸) اگر میراث سپاہیوں یا متاثرہ (Afflicated) مظلومین کے حق میں ہو تو یہ صرف وارث یا وصی یا قاضی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جو اس معیار پر اترتے ہوں تلاش کرے۔ ایسی صورت میں یہ منتظم یا وصی کی مرضی پر ہے کہ جو بھی آئیں ان پر تا وقتیکہ ان کا مختص حوالہ یا نشان دہی نہ کی گئی ہو ان میں تقسیم کر دے۔

پڑوسی کے حق میں ترکہ

اگر شخص درج ذیل الفاظ میں کوئی ترکہ کرے۔

"میں ایک ہزار درہم اپنے پڑوسی کو ترکہ کرتا ہوں تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ اس شخص کو ملیں جن کا مکان موصی کے مکان سے متصل ہو۔ ابو یوسف و محمد کے مطابق یہ پڑوس کے ان تمام لوگوں کو ملیں گے جو اس علاقہ کی مسجد سے متعلق ہوں مگر ابو حنیفہ کے مطابق فتویٰ اس صورت میں ہے کہ اگر ایک ہی پڑوسی مراد ہو لیکن اگر موصی کی مراد ایک سے زیادہ کی ہو تو یہ قاضی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اس موضوع پر فتاوائے عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

اگر کوئی شخص جائیداد کا ایک ثلث پڑوسیوں کو ترکہ کرے بعض کے نزدیک ایک ثلث ان تمام میں اگر وہ شمار ہو سکتے ہوں خواہ امیر ہو یا غریب تقسیم ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح ہونا چاہئے جب کہ وہ یہ کہے کہ اس کی مسجد کے لوگوں کے لیے۔ الفاظ "گنے نہیں جاسکتے" کی تعمیر یا ابو یوسف کے مطابق یہ ہیں کہ بلا تحریری حساب ان کا اندازہ نہیں ہو سکتا محمد کے مطابق ان سے مراد وہ ہیں جو سو سے متجاوز ہوں۔ دوسروں کے مطابق قاضی کی صوابدید پر یہ مسئلہ چھوڑ دینا چاہئے۔ اور فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے مگر محمد کا اصول آسان تر ہے۔ اگر پڑوسی شمار نہیں ہو سکتے تو میراث باطل ہے اور یہی صورت اس وقت ہے اگر میراث مسجد کے لوگوں کے لیے یا سجن (قید خانہ) کے لیے ہو اور وہ گنے نہ جا سکیں۔ محمد کے مطابق اگر میراث کسی خاص شخص کی نسل کے یتیموں کے لیے ہو اور گنے جاسکتے ہوں تو میراث سبھوں پر اس طرح کرنا چاہئے گویا کہ میراث اس کوچہ کے یتیموں یا عمارت کے لیے تھی اس میں اغنیا اور غربا یکساں حصہ دار ہوں گے۔ اگر یہ گنے نہیں جا سکتے تو محض غربا پر صرف ہو گی۔

یہ امر کہ ہمسایوں میں جو کہ حصہ کے ہیں کون ہیں مستحق ہیں۔ مشائخ کی رائے میں ہمسایہ میں ہر شخص شامل ہے خواہ وہ مالک مکان ہو یا نہیں۔ خواہ مرد یا عورت خواہ مسلمان ہو یا ذمی لفظ پڑوسی ان سب پر یکساں حاوی ہے۔ ابو حنیفہ کے مطابق ایک غلام مطلق بھی جس کا پڑوس میں مکان ہے اس وصیت سے فائدہ کا مستحق ہے۔

اصہار کے حق میں میراث

اگر کوئی اصہار کے حق میں ترکہ کرے تو اس کی بیوی کے تمام رشتہ دار مثلاً اس کے باپ بھائی وغیرہ اس ذیل میں آتے ہیں۔ ان میں اس کی سوتیلی ماں کے رشتہ دار اور اس کے لڑکے کی بیوی بھی شامل ہیں۔اس لئے کہ یہ سب موصی کے اصہار کے رشتہ میں شامل ہیں۔ یہ بھی بتانا ہے کہ بیوی کے ممنوعہ حدود میں تمام رشتہ دار بھی اس ترکہ میں شامل ہوں گے یا وجودیکہ بوقت انتقال موصی قابل تنسیخ طلاق کی عدت میں تھی۔ اور طلاق نا قابل تنسیخ ہونے کی صورت میں مطلقہ کے اعزہ ترکہ میں شامل ہوں گے۔ کیونکہ ان رشتہ داروں کا وجود اصہار کہلانے کا مستحق ہے۔ موصی کے انتقال کے وقت واقعی شادی ہونے پر منحصر ہے اور ایک نا قابل تنسیخ طلاق سے شادی کلیتاً منسوخ ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی اپنے اقربا کے حق میں وصیت کرے تو اس کا اطلاق حدود ممنوعہ میں قریب ترین رشتہ داروں پر بھی ہوتا ہے اگر وہ نہ ہوں تو جو ان کے بعد قریب ہوں۔ پس اس طرح یکے بعد دیگرے۔ابو حنیفہ کے مطابق اسی میراث موصی کی ممنوعہ حدود کے رشتہ داروں پر محدود ہوگی مگر صاحبین کے نزدیک بعید ترین اجداد کی آل پر بھی جو مذاہب اسلام کے پیروہیں موثر ہوگی مگر شافعیوں کے نزدیک موصی کے باپ اور اس کے اولاد تک ہی محدود ہوگی۔

رشتہ داروں کے حق میں میراث

اگر ایک شخص جس کے دو چچا اور دو ماموں ہوں اور وہ اپنے اقرار حق میں وصیت کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ وصیتٔ محض چچاؤں کے حق میں ہو گی۔ مگر صاحبین کے نزدیک اس میں چاروں شامل ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر موصی چچا اور ماموؤں کو چھوڑے تو نصف چچا کو اور دوسرا نصف دونوں ماموں کو ملے گا اور اگر میراث قریبی رشتہ دار کے حق میں ہے تمام میراث چچا کو ملے گی اور ماموں کچھ نہ پائیں گے۔اور اگر ایک ہی چچا ہے تو صرف وہی پائے گا اگر موصی کے پس ماندگان میں ایک چچا ایک چچی ایک ماموں ایک ممانی ہو تو یہ میراث مساویانہ حصص میں چچا اور ماموں پائیں گے۔ اس لئے کہ قربت کے اعتبار سے ہر دو مساوی ہیں اس لئے کہ ان میں اور موصی میں قربت

رشتہ اتنی ہی مضبوط ہے جو اس میں اور چچا چچی میں تھی۔ ایک چچی اگر چہ وراثت کی مستحق نہیں ہے تاہم بقول ردالمختار اسی طرح پا سکتی ہے جو مثل اپنے رشتہ دار کے ہو جیسے غلام یا ملحد۔ پس اگر ممنوعہ حدود میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میراث باطل ہے اس لئے کہ میراث کا نفاذ محض رشتہ داروں تک محدود رہتا ہے۔

یتامیٰ کے حق میں میراث

جب یتامیٰ کے لیے کوئی میراث کی جائے ان میں نابینا، لنگڑے یا کسی خاص طبقے کی بیوائیں جن کی تعداد معین نہ ہو تو میراث بلا امتیاز سب کے حق میں ہو گی خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ذکور ہوں یا اناث۔ میراث، کا نفاذ اس صورت میں اور اس لئے قابل عمل ہے کہ ورثا کی تعداد کا تعین نہیں ہو سکتا ابو یوسف کے مطابق یہ عبارت "اگر ان کا شمار ہو سکے" اس کا منشا یہ ہے کہ جتنے بھی بلا تحریری حساب کئے گنے جا سکیں مگر محمد کی رائے میں اس کا منشا و فتویٰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ تعداد و شمار سے متجاوز ہوتی ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک اس کے بر عکس اس مسئلہ کا تصفیہ کلیتاً قاضی کی صواب دید پر ہے اور اس کے مطابق فتوے صادر ہوئے ہیں۔

اگر نسل کے نامزد افراد کا شمار ممکن نہ ہو تو اس میں محض غربا شامل ہوں گے نہ کہ طبقۂ اغنیا اس لئے کہ ترکہ فلاحی نوعیت کا ہے اور اس مقصد (خوشنودی خداوندی) کا سب سے بہتر حصول غربا کی حاجتیں پوری کرنا ہے۔

مزید بر آں ترکہ کی تعریف سے موہوب لہٗ موصی کی پریشانی اور حاجتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ مناسب ہے کہ موصی کا یہی منشا سمجھا جائے اگر کوئی ترکہ کسی خاص نسل کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے جو لا تعداد ہوں کرے تو صورت حال اس کے بر عکس ہو گی اور اصطلاح "مستعملہ" سے اظہار حاجت نہیں ہوتا۔ تو موصی کے الفاظ کی تعبیر نہ غربا پر لاگو ہوتی ہے نہ اس طبقہ کے نامزد افراد کے حق میں ترکہ ممکن قرار پاتا ہے۔ اور چونکہ اس کا شمار نہیں ہو سکتا ان کی وضاحت بھی ناممکن ہے۔ پس نا معلوم موصیان لہم کے حق میں ترکہ اس لئے باطل ہے کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس سے موصی دوسروں میں جائیداد تفویض کرتا ہے اور غیر معلوم اشخاص میں یہ حق تفویض

کرنا ناممکن ہے۔

یہ قابل غور امر ہے کہ غربا یا پریشان حال کے لیے میراث بصورت ترکہ کم سے کم دو مفلسوں کے لیے ہونا چاہئے اور وصیت میں کم از کم جمع کا عدد ۲ ہے۔

کسی خاص شخص کی اولاد کے حق میں ترکہ

جب کسی خاص نسل کے خاص شخص کی اولاد کے لیے ترکہ کیا جائے تو اس میں ذکور اور اناث میں مساوی حق ہو گا۔اس لئے کہ لفظ اولاد کے مفہوم میں تمام اولاد شامل ہے کسی خاص فرد کے ورثا کے حق میں ترکہ شخص نامزد کے ورثا میں تقسیم ہو گا۔ وصیت جانشین کے قواعد کے مطابق مرد عورت سے دو چند حصہ پائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ موصی کا لفظ ورثا استعمال کرتے ہیں مقصد یہ تھا کہ تقسیم میراث میں بھی وہی امتیاز قائم رکھا جائے جو کہ وارث کی صورت میں تھا۔اگر ایک شخص کی جائیداد کا کوئی ایک حصہ کسی کو جو ایک ثلث سے زیادہ ہو اس کو ۳/۱ تک محدود کر دیا جائے۔

حنفی قانون

فتاوائے عالمگیری کے مطابق اگر کوئی جائیداد کا ایک ثلث کسی کو ترکہ کرے اور دیگر ثلث کسی دوسرے کو اور ہر دو ترکوں پر ورثا رضامند ہو جائیں تو موصی لہ کو ۳/۲ اور ورثا کو ۳/۱ ملے گا۔ اور دیگر ورثا اس پر رضامند نہ ہوں تو موصی لہ کو ۳/۱ ملے گا جو وہ آپس میں بقدر نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔اگر موصی جائیداد کا ۳/۱ کسی کو ترکہ کرتا ہے اور ۶/۱ کسی دوسرے شخص کو تو یہ کمی بقدر مناسب ہونا چاہئے۔ مثلاً اول الذکر موصی لہ پہلے ۳/۱ کا ۳/۲ پائے گا اور دوسرا موصی لہ ۵/۱ جس کا مجموعہ ۳/۱ ہو گا۔

اسی طرح درالمختار میں ہے کہ اگر کوئی شخص زید کو حقیت کا ۳/۱ ترکہ میں دے اور ۳/۱ کسی دوسرے کو اور ورثا اس ترکہ پر رضامند نہ ہوں تو ہر دو موصی لہم کو ۳/۱ مساویانہ تقسیم ہو گا اگر وہ ۳/۱ ایک کو دے اور ۶/۱ دوسرے کو تو ان دونوں میں ۳/۱ دو اور ایک کے تناسب سے تقسیم ہو گا۔ ایک شخص اپنی تمام جائیداد کو ۳/۱ دوسروں کو دے تو تمام میں ایک ثلث مساویانہ تقسیم ہو گا۔

تقسیم ترکہ کے بارے میں اگر ورثا رضامند ہوں نوعیت اختلاف اگر چہ نتیجہ

میں تمام اثاثہ اور اسباب چار سہام میں منقسم ہو گا۔ ان میں سے ایک مؤخر الذکر موطی لہٗ کو اور تین اول الذکر میں تقسیم ہو گا۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے مطابق دوسرے کو میراث ناجائز ہو گی اور اول الذکر موصی لہٗ تمام یک ثلث پائے گا۔ شرائع میں یہ اصول اس طرح ہے:

اگر ایک شخص حقیت کا ایک ثلث کسی ایک موصی لہٗ کو اور ۴/۱ دوسرے کو اور ۴/۱ بطور ترکہ کسی اور کو دے اور ورثا ان ترکوں پر رضامند نہ ہوں تو ۳/۱ پہلے موصی لہٗ کو دیا جائے گا باقی ترکے باطل ہوں گے اگر وہ ترکہ کا ۳/۱ ایک شخص اور اس کے بعد ایک ثلث کسی دوسرے کو دے تو یہ پہلے کے حق میں میراث تنسیخ ہو کر دوسرے کو ملے گی۔ اگر اول الذکر کے بارے میں کچھ شبہ ہو تو یہ قرعہ اندازی سے طے ہو گا۔ اگر کوئی شخص ایک شئے دو اشخاص کو ترکے میں دے اور اس شئے کی قیمت اس کی جائیداد کے ۳/۱ سے زیادہ ہو اور اس اضافہ پر ورثا رضامند نہ ہوں تو محض اسی قدر شئے جس کی قیمت جائیداد کے ایک ثلث تک ہو وہ موصی لہم کی مشترکہ جائیداد سمجھی جائے گی۔ اس کے برعکس کوئی شخص ان دو میں سے ایک کو کوئی شئے ترکے میں دے تو جس کے حق میں پہلی بار ترکہ ہوا اس سے ابتدا ہونا چاہیے۔ اور کمی دوسرے کے ترکے میں سے کی جائے۔

اس اصول کا نفاذ غیر معین مختص میراثوں پر مساویانہ ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو کوئی رقم یا وراثت میں سے حصہ دے اور دوسروں کو صرف اتنا ہی دے جو ایک مقررہ وقت تک اس کے گذارہ ہونے کے لیے کافی ہو تو آخر الذکر میراث کی مالیت کا تعین ہو گا اور اصول متذکرہ کے مطابق پر میراث کا تصفیہ ہو گا۔

حنفی قانون

اگر دو شخصوں میں کوئی ترکہ موصی کی جائیداد اور املاک کا نصف اور ۴/۱ کے حصص میں کیا جائے تو موصی لہم اس پر رضامند ہو تو اپنا اپنا حصہ پائیں گے بقیہ ورثا کو دیا جائے گا۔ اگر ورثا اس پر رضامند نہ ہوں تو ابو حنیفہ کے مطابق میراث ایک ثلث میں سے ہی جس کے سات حصے کئے جائیں گے، دی جائے گی۔ چار ان موصی لہم کو جن کو

آدھا دیا گیا ہے اور تین ۱/۴ پانے والے موصی لہم کو لیکن ابو یوسف اور محمد کے جن کے فتاوے مسلمہ ہیں ۳/۴ حصوں میں تقسیم ہو گی۔ اور نصف پر نصف پانے والے موصی لہم کو اور ایک ۱/۴ پانے والے موصی لہٗ کو۔ اگر ترکہ مختص زرہائے نقد کا ہو مثلاً ایک ہزار درہم ایک شخص کو اور دو ہزار درہم دوسرے شخص کو تو ۱/۳ ایک ہزار درہم ہی ہوتا ہے ابو حنیفہ کے مطابق موصی لہٗ بقدر اپنی میراث پوری رقم لے گا۔ اور اس طرح وہ ایک ہزار روپیہ ان میں تقسیم ہو جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں موصی لہٗ میراث کے بقدر پوری رقم پائے گا اس لئے کہ بادی النظر میں یہ جائز ہے کہ موصی نے اتنی رقم ضرور چھوڑی ہو گی کہ یہ رقم ترکہ کی ۱/۳ ہو سکے۔ تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ جب کئی میراثوں میں سے ہر ایک ثلث جائیداد سے متجاوز نہ ہو۔ مثلاً جب ایک ثلث کسی ایک کو اور ۱/۴ کسی دوسرے کو ترکہ میں دیا جائے اور ورثا رضامند نہ ہوں تو ہر موصی اپنی میراث کی پوری رقم کے بقدر حصہ پانے کا خواہ میراث کچھ بھی ہو مستحق ہے۔ اور ایک ثلث ان میں اسی کے مطابق تقسیم ہو گی۔

اگر ترکہ غیر معین صورت میں ہو مثلاً کوئی موصی لہٗ کہے کہ میں جائیداد کا حصہ فلاں فلاں کو دیتا ہوں وہ کسی وقت بھی زندگی میں اس ارادے کو ظاہر کر سکتا ہے اس کی موت کے بعد اس ہبہ بالوصیت کی توثیق ورثا پر محصر ہو گی۔

اگر ترکہ اصہام یا جز میں ہے تو بعض کے نزدیک ورثا حسب مرضی دے سکتے ہیں لیکن ''مسبوط'' میں ہے کہ سہام موصی لہٗ ورثا کے افعل افضل ترین حصے کے مساوی ہونا چاہئے بشرطیکہ یہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو اور یہی صاحبین کی رائے ہے اگر موصی لہٗ اپنی جائیداد کا سہام کسی کو جس کے کوئی وارث نہ ہوں ترکہ میں دے تو موصی لہٗ نصف پائے گا اور بقیہ نصف بیت المال یا خزانہ عامرہ میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ صورت اس طرح ہے گویا اس نے دو بیٹے چھوڑے ہیں اور ہر دو میں ان کی جائیداد میں مساویانہ تقسیم ہو۔

اصول تعبیر

ایک شخص اپنے لڑکے یا لڑکی کا حصہ ترکہ میں دے اور اس کے ایک ہی لڑکا یا ایک ہی لڑکی ہو تو یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اصلاً وہ ایسی چیز دے رہا ہے جو دوسروں کی

ہے لیکن اگر اس کے نہ لڑکا ہو نہ لڑکی تو ترکہ جائز ہے۔ ترکہ اس کے لڑکے یا لڑکی کی مساوی رقم موصی لہٗ کو دینی چاہئے۔ اگر اثاثہ سے ۳/۱ سے زیادہ ہو تو ترکہ کے لیے ورثا کی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن ایک ثلث سے برابر یا اس سے کم ہو تو بلا ان کی اجازت کے جائز ہے پس اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے حصہ کا ترکہ دوسرے کو دے اور اس کے محض ایک ہی لڑکا ہے تو موصی لہٗ بشرطیکہ ورثا رضامند ہوں جائیداد کا نصف ورثہ ایک ثلث ہی لے گا۔ اسی طرح اگر اس کے دو لڑکے ہوں تو "ذیلیہ" کے مطابق موصی لہٗ ایک ثلث لے گا۔ اگر موصی لہ کا لڑکا ایک لڑکی چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور میراث لڑکی کا ہی حصہ ہے تو موصی لہٗ کو بشرطیکہ لڑکی اس پر رضامند ہو نصف ملے گا۔ ورنہ وہ ایک ثلث پائے گی۔ لیکن اگر دو لڑکیاں ہوں تو "منہ" کے مطابق موصی لہ ۳/۱ پائے گا اور اگر اس کے تین لڑکیاں ہوں تو وہ ۴/۱ پائے گا۔ اس کی "مجتبیٰ" کے حوالے سے بھی تائید ہوتی ہے جو امام زاہدی کی تصنیف ہے اگر موصی لہٗ کے پس ماندگان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں اور ترکہ میں صرف لڑکی کا حصہ ہو تو موصی لہ ۴/۱ پائے گا۔ اور اگر کوئی موصیہ پسماندگان میں ایک خاند اور تین قسم کی بہنیں یعنی حقیقی بہن۔ اخیانی بہن۔ اور سوتیلی بہن ہے اور ترکہ حقیقی بہن کے حصہ کا ہے تو موصی لہٗ کو ۱۰/۱ ملے گا یہی اصول مجتبیٰ میں ہے اور ہندیہ (فتاوائے عالمگیری) میں یہ اصول اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اگر ایک شوہر اپنا مختص حصہ لیکر بقیہ حسب قانون موصی لہٗ اور بہنوں میں بقدر حصص تقسیم کرتا ہے اور اگر موصی لہٗ کا ایک ماں اور ایک بیٹا چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور ترکہ میں محض لڑکی کا حصہ ہو تو جائیداد سترہ حصوں میں تقسیم ہو گی ان میں سے ۵ موصی لہٗ کو ۱۰ لڑکے کو اور دو ماں کو ملیں گے۔

اس امر کی وضاحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ قیاس کیا جائے گویا کوئی میراث ہی نہ تھی اور اس کے بعد جائیداد کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ان میں سے ماں کو ایک حصہ اور اپنے بیٹے کو بقیہ ۵ حصص دیے جائیں۔ ایک لڑکی کے حصے کا ترکہ اگر وہ ایک ہی ہوتی تو اس میں ایک حصہ کے مزید اضافہ کی ضرورت تھی جو ایک لڑکے کے حصہ سے نصف ہے اضافہ ڈھائی حصوں کا ہونا چاہئے۔ جس سے وہ مجموعی طور پر ۸۔ ۲/۱ ہو یا دوگنے ہو جائیں اس طرح سترہ حصص کے جز سے بچا جاسکے۔ اور موصی لہٗ پہلے پانچ حصہ ملیں

گے اس لئے کہ میراث ایک ثلث سے کم ہے اور میراث ورثا اسے اولیت حاصل ہے۔ اور باقی ماندہ ۱۲ حصوں میں ۲/۱ یا دو حصے ماں کو دئے جائیں اور بقیہ دس بیٹوں کو۔

کسی شخص کے ایک لڑکی اور ایک بہن ہو اور میراث لڑکی کے حصہ کی ہے تو موصی لہ ۳/۱ خواہ لڑکی اور بہن رضامند ہوں یا نہ ہوں ملے گا فتاوائے نعمانیہ مولفہ سبحانی میں ایسا ہی آیا ہے اگر کوئی شخص ایک بیوی اور ایک لڑکا چھوڑے اور دوسرے لڑکے کے حصے کی میراث کرے بشرطیکہ کوئی لڑکا ہو تو جائیداد پر یہ قیاس کرنے پر کہ ورثا میراث پر رضامند ہیں جائیداد پندرہ حصوں میں تقسیم ہوگی اس کے بعد موصی لہ سات حصے بیوی ایک حصہ اور لڑکا ۷ حصہ لیں گے جیسا کہ آخری ایک چھوڑ کر پہلے یہ خیال کرنا چاہئے کہ کوئی میراث نہیں ہے اور اس قیاس کی بنا پر میراث ۸ حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے اسی طرح بیوی ایک اور لڑکا ۷ حصہ لیں گے لیکن میراث ایک ہی لڑکے کا حصہ خیال کی جائے گی اگر ایک ہی لڑکا ہو تب بھی حصص کی تعداد میں سات کا مزید اضافہ کرنا چاہئے تاکہ پندرہ ہو جائیں اس صورت میں اگر میراث جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ ہو تو رضامندی ورثا مشروط ہے اور ان کی بلا رضامندی میراث جائز نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص ایک لڑکی اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کر جائے اور دوسرے کو ایک لڑکے کا حصہ اس لئے ترکہ میں دے کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں ہے تو موصی لہ کو جائیداد کا ۳/۱ ملے گا اور ایک ثلث لڑکی اور بھائی میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔

بشرطیکہ ورثا اس میراث پر راضی ہوں۔ ورنہ تو موصی لہ محض ایک ثلث اور بقیہ کو ۳/۲ لڑکی اور بھائی میں مساویانہ تقسیم ہوگا۔ اگر میراث ایک لڑکے کے حصے کے برابر ہو اور ایک ہی لڑکا ہو اور دوسرے حالات یکساں ہوں تو موصی لہ کو اگر ورثا رضامند ہوں جائیداد کا ۵/۲ ملے گا اگر کوئی شخص ایک بھائی اور بہن چھوڑ کر انتقال کر جائے اور وہ دوسرے شخص کو ایک لڑکا (بشرطیکہ وہ ایک ہی ہو) ترک میں دے۔ ورثا کی اس پر رضامندی ہو تو موصی لہ تمام جائیداد لے گا اور بھائی یا بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر اس نے لڑکے کے حصے کی مثل بشرطیکہ وہ ایک ہوتا اور ورثا میراث پر رضامند ہوتے تو موصی لہ کو نصف حصہ ملتا اور بقیہ نصف بھائی یا بہن میں بقدر ۳/۱ یعنی دو حصے مرد کو اور ایک عورت کو ملتے دونوں ہی صورتوں میں اگر میراث پر ورثا تیار ہیں تو

موصی لہٗ کو ۳/۱ ملتا اور بقیہ ۳/۲ بھائی اور بہن میں اسی طرح تقسیم ہو جاتا۔

اس میں وہ تمام معاملات آجاتے ہیں جبکہ موصی لہٗ ورثا چھوڑے ورثا نہ ہونے کی صورت میں اگر موصی لہٗ ایسی میراث چھوڑے جو کہ خاص وارث کا حصہ ہے تو موصی لہٗ کو نصف ملے گا اور بقیہ بیت المال میں داخل ہوگا یہ "جوہرہ" کے مسلمہ اصول کے مطابق ہے ایک وارث صاحب الحق ہوتا ہے اور ورثہ میں قطعاً کسی حصے سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے مطابق اگر کل میراث کئی اشخاص یا کسی طبقے کے اشخاص کو دی جائے تو یہ سب میں مساویانہ قابل تقسیم ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنے بچوں کے لیے کوئی ترکہ چھوڑے ان میں سے بعض اناث اور بعض ذکور ہوں تو ان سب میں بلا امتیاز صنف میراث مساویانہ تقسیم ہوگی اسی طرح اگر میراث چچا اور چچی کے حق میں ہو خواہ وہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے یا دونوں کی جانب سے اگر موصی لہٗ واضح طور پر بٹوارہ سے دوسروں کے مقابلے میں باپ کو زیادہ دے تو اس بارے میں ہدایات دینا چاہیے۔

موصی لہٗ کا انتقال۔ حنفی اور شیعہ اصول

حنفی اصول کے مطابق موصی کی حین حیات موصی لہٗ کے انتقال سے وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ موصی لہٗ کے ورثا پر منتقل ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کے وارث ہوں ورنہ یہ موصی کے ورثا پر غور کرے گی۔

حنفی قانون

اگر موصی کی جائیداد کا ۳/۱ عمر و زید کو ترکہ میں دیا جائے مگر بوقت ترکہ عمر کا انتقال ہو جائے تو کل جائیداد ۳/۱ زید کو ملے گی۔ اور اصول یہ ہے کہ غیر حاضر یا متوفی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ابو یوسف کی رائے میں اگر موصی کو بوقت ترکہ عمر کے انتقال کا علم تھا تو زید کو نصف ہی دیا جائے گا "ذیلیہ" کے مطابق ہے۔ اس لئے عمر و زید کا ترکہ ہوا

اور عمر کا انتقال ہو چکا ہے وہ ترکہ زید کو ایک غیر ذی روح شئیکو ہو گا۔ اگر کوئی میراث عمر وزید کے حق میں کی جائے اور عمر کا انتقال ہو جائے تو باقی ماندہ نصف موسی لہٗ کو ملے گی۔ اس لئے کہ لفظ ''درمیان'' کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نصف نصف دی جائے۔

اگر کوئی شخص بہ عبارت ذیل ترکہ کرے

''میری جائیداد کا ایک ثلث میرا وصی A کو اور عبد اللہ کے لڑکے کو دے گا۔ اور اگر موخر الذکر میری موت کے وقت حاجت مند ہو اور موصی کے انتقال پر عبد اللہ مال دار ہو تو ایک ثلث کا نصف عبد اللہ کو دیا جائے گا۔''

اگر موصی لہم میں سے کوئی ایک موصی کے حق میں حین حیات کر جائے تو یہی نتیجہ ہو گا۔ اصول یہ ہے جب کہ میراث موجودہ مقاصد واشخاص کے لیے ہے اور ان میں بعد موجودہ مقاصد اور اشخاص کے لیے اور ان میں وصیت کوئی ایک معدوم ہو جائے تو دوسرے، موصی لہم اپنے اصلی حصص پائیں گے اور متوفی موصی لہٗ کا بقیہ حصہ حقیت میں شامل ہو جائے گا۔ اگر موصی لہم میں سے اس وقت کوئی موجود نہ ہو تو وہ اہلیت جو موصی ترکہ حاصل کرنے والے میں چاہتا تھا ایسی صورت میں ترکہ تمام موجودہ موصی لہم کو ملے گا۔ اور ''ذیلیہ'' کے مطابق ہے مثلاً اگر الف اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مخصوص گھر میں رہتے ہیں کوئی ترکہ کرے تو تمام ترکہ زید کو ملے گا اس لئے کہ اشخاص معدوم کے لیے کوئی ترکہ نہیں ہے۔ ایسا ہی اس وقت ہو گا اگر ایک شخص یہ کہے کہ یہ A ایک اور اس کے اعقاب کے لیے ہے اس لئے کہ اعقاب وہ ہوتے ہیں جو ایک شخص اپنے پیچھے چھوڑے اور جو بوقت ترکہ معین نہ کئے جا سکیں۔ ایسا ہی درر میں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص یہ کہے کہ میراث زید اور عبد اللہ کے لڑکے کے لیے ہے بشرطیکہ میرے مکان میں رہیں اگر عبد اللہ کا لڑکا اس مکان میں نہ رہے تو تمام میراث زید کو ملے گی۔ لیکن میراث اگر عمرو کا بعد وفات بیوی کے انتقال ہو جائے تو عمر کا حصہ اس کے ورثا کو ملے گا۔

قدیم اصول کے مطابق اگر ایک عورت خاوند کی زندگی میں انتقال کر جائے اور نصف جائیداد کسی غیر کو ترکہ کر دے دے تو شوہر کو ۱/۳ ملتا موصی لہٗ کو نصف ملے گا اور بقیہ نصف بیت المال میں داخل ہو گا متقدمین فقہا کی دلیل یہ ہے کہ غیر شخص کے حق میراث کو بقدر ثلث ورثا کے حقوق پر ترجیح ہے اور اس کے بعد جائیداد کا ۲/۳ حصہ

ورثے میں تقسیم کے لیے بچتا ہے۔اس میں سے نصف ۳/۱ شوہر کا ایک ثلث چھوڑ کر ہے جس کا کوئی مستحق وارث نہ ہو پس بقیہ میراث اس کے خلاف موثر ہو گی اور موصی لہم اپنے ترکہ میں سے نصف پائے گا۔ بقیہ ۲/۱ حصہ پانے کے لیے مستحق وارث نہیں ہے یہ بیت المال میں داخل ہو گا۔ جدید اصول کے مطابق ۲/۱ وارث کو عود کرتا ہے۔

اگر ایک شخص کا بیوی کو چھوڑ کر انتقال ہو جائے اور تمام جائیداد کسی غیر کو ترکہ کر دے مگر اس میراث پر رضامندی نہ ہو تو جائیداد پر ۶/۱ کی مستحق ہو گی۔اور موصی لہٗ بقیہ ۶/۵ پائے گا چونکہ بوجہ میراث وہ ۳/۱ کی مستحق ہے اور بقیہ ۳/۱ میں سے بیوہ لے گی جو تمام کا ۲/۱ ہے اور بقیہ موصی لہٗ لے گا۔ اگر کوئی شخص جائیداد کا ۳/۱ کسی خاص شخص کے لڑکے کے لیے ترکہ کرے اور اس شخص کے تاریخ ترکہ پر کوئی لڑکا نہ ہو مگر قبل انتقال موصی اس کے لڑکے پیدا ہوں تو لڑکے ۳/۱ کے مستحق ہوں گے اور اگر تاریخ ترکہ پر اس شخص کے لڑکے ہوں مگر احمد زید و بکر کے نام سے معروف نہ ہوں یا کسی اور طرح مختص نہ ہوں تو ترکہ ان سب لڑکوں کے لیے ہو گا جو بوقت انتقال موصی موجود تھے پس جو تاریخ ترکہ موجود ہوں اور ان کا انتقال ہو جائے اور دوسرے جو بعد میں پیدا ہوئے ہوں مگر بوقت انتقال موصی زندہ ہوں اور اگر موجود لڑکے کے نام سے معروف ہیں تو جائیداد کے ۳/۱ حصہ کے مستحق ہیں۔ صریحاً اگر کسی فیصلے کے وقت ہوں تو ترکہ انہیں کے حق میں طے ہو گا۔اور بصورت ان کی موت باطل ہو گا۔اسی طرح اگر موصی لہم نامزد کر دئے جائیں یا کسی اور طرح علم میں آئیں تو ان کے حق میں ترکہ خاص ہو گا۔ اور ان کے حق میں وقت ترکہ کا خاص معاملہ رکھا جائے گا۔

اگر کوئی جائیداد کا ۳/۱ ام الولد کے لیے ترکے میں جو تعداد میں تین ہیں دے اور فقرا اور مساکین کو بھی دے تو جائیداد ۵ حصوں میں تقسیم ہو گی ان میں سے ایک حصہ پر ام الولد کو دی جائے گی ایک فقیر کو بقیہ غربا اور مساکین کو۔ یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق ہے مگر محمد کے مطابق جائیداد سات (۷) حصوں میں تقسیم ہو گی تین حصے ام الولد اور دو فقیر و مساکین کو دئے جائیں گے اول الذکر رائے مسلمہ ہے اسی طرح اگر کوئی جائیداد کا ۳/۱ حصہ زید اور مساکین کو دے اور زید نصف حصہ لے تو بقیہ نصف مؤخر الذکر لیں گے یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق ہے۔اگر کوئی جائیداد کا نصف ترکہ فقرا اور

مساکین کو دے تو ابو حنیفہ کے مطابق جائیداد کے ۳ حصے کئے جائیں گے اور ابو یوسف کے مطابق نصف ہوں گے اور محمد کے مطابق پانچ حصہ ہوں گے یہی مسلمہ رائے ہے اگر غربا کو ترکہ دے تو بقول ابو حنیفہ اور ابو یوسف یہ ایک ہی غریب شخص کو ملے گا اور ابو یوسف کے مطابق غریب اشخاص کو ملنا چاہئے۔ اگر مساکین کی جماعت واضح ہو تو محض ایک ترکہ صرف نہیں ہو سکتا اور اسبارے میں عام اتفاق رائے ہے۔

اگر ایک شخص بلخ کے غربا کے لیے ترکہ کرے تو ابو یوسف کے مطابق بھی جائز طور پر صرف ہو سکتا ہے اور ترکہ اسی کے مطابق ہے

اگر ایک شخص جائیداد کے ایک ثلث کا ترکہ کسی شخص کو کرے اور دوسرے شخص کو کہے میں نے تمہیں حصہ دار بنایا اس کے ساتھ شریک کیا تو دونوں ۳/۱ میں ہی شامل ہوں گے اور اگر ایک شخص کے حق میں ترکہ کے بعد وہ یہ کہے "سو اس کو اور سو دوسرے کو" اور تیسرے سے یہ کہے "کہ میں نے تمہیں ان دونوں میں شریک کر لیا ہے مخاطب علیہ ہر سو میں ایک ثلث کا مستحق ہو گا جب کوئی شخص A کو اور A کے ولد کو ترکہ کرے اور A ترکہ کا نصف ہے تو بقیہ باطل ہے اسی طرح ترکہ اگر A کے حق میں اور موصی کے قاتل کے حق میں ہے

اگر کسی شخص کے پاس مختلف النوع تین کپڑے ہوں ایک اچھا اور ایک درمیانی اور تیسرا خراب تینوں موصی لہٗ کو ترکہ میں دے اور ان میں سے ایک گم یا ضائع ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سا تھا اور ورثا پر یہ جملہ یہ کہہ کر کہ "تمہارا کپڑا ضائع ہو گیا" انکار کر دیں چونکہ اس صورت میں نہ فریقین کا حق واضح ہے اور نہ اس واقعہ سے لاعلمی کی بنا پر اسبارے میں کوئی صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے نہ خواہشات موصی کو نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے تاوقتیکہ ورثا کو بقیہ کپڑے نہ دے جائیں ترکہ باطل ہو گا۔ بصورت رفع عذر سب سے اچھا کپڑا پانے والا موصی لہٗ ۳/۲ کا مستحق ہو گا اور اوسط پانے والے موصی لہٗ اچھے کپڑے میں ۳/۱ اور تیسرا سب سے خراب پانے والا موصی لہٗ ۳/۲ کا مستحق ہو گا۔

ترکوں میں اضافہ

اشیائے متروکہ' مویشی یا غلہ مثل پیداوار میں اضافہ اگر موصی کی موت سے

قبل ہو تو وہ موصی کی جائیداد اور انہیں شرائط کے تابع ہے جیسا کہ بقیہ جائیداد۔ وہ اضافہ جو موت کے یا تقاسمہ جائیداد کے بعد ہو موصی لہٗ کا ہوگا۔ اور وہ اضافہ ان واقعات کے درمیان یا موصی لہٗ کی موت پر مگر تقاسمہ سے قبل ہو وہ موصی لہٗ کی میراث قبول کرنے کے قبل یا بعد ہونا چاہیئے۔ اول الذکر صورت میں یہ وراثت ہے اس لئے کہ اصل شئے متروکہ میں اضافہ ہے جو اس جائیداد کا ۱/۳ ہونا چاہیئے اور اس حد تک یہ جائز ہے۔ مؤخرالذکر صورت میں بھی ایسا ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ تقاسمے سے قبل مگر منظور کرنے کے بعد۔ ہو محمد کا اسبارے میں کوئی واضح اصول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں بقول قدوری اضافہ میراث نہیں ہے بلکہ وہ تمام جائیداد میں ہی شامل ہے اسبارے میں عام رائے یہی ہے کہ یہ میراث ہے اور ۱/۳ میں سے ہونا چاہیئے اگر موصی لہٗ کی موت کے بعد شئے متروکہ میں مزید اضافہ ہو اور شئے متروکہ اور اضافہ مل کر ۱/۳ ہوں تو وہ ان پر موصی لہٗ کے اگر وہ ۱/۳ از یادہ ہیں تو اس میراث کو نافذ ہونا چاہیئے اولاً شئے متروکہ کے مقابلے میں اور اس نے بعد اضافہ کے مقابلے میں جیسے کہ ابو حنیفہ کی رائے ہے مگر صاحبین کے مطابق دونوں ہی مقابلے میں یکساں برابر ہونا چاہیئے۔ مثلاً اگر موصی لہٗ کا چھ سو درہم، ایک گھوڑی قیمتی تین سو درہم چھوڑ کر انتقال ہو جائے اس کے بعد انتقال مگر تقسیم اثاثہ سے قبل گھوڑی کا ایک بچہ ہو جس کی مالیت میں سو درہم ہو تو اس طرح اصل اور اضافی ترکہ کی مالیت چھ سو درہم ہو تو ابو حنیفہ کے مطابق موصی لہٗ گھوڑی اور بچھڑے کی قیمت کا ۱/۳ یا سب چار سو درہم یا سب کا ۱/۳ ہونا چاہیئے مگر صاحبین کے مطابق ہر ایک ۲/۳ کا مستحق ہوگا مگر یہ پیش قیاس پر مبنی ہے کہ گھوڑی کے موصی لہٗ کے اصل ترکہ قبول کرنے اگر بچھڑا موصی لہٗ کے ترکہ قبول کرنے سے اور تقسیم سے قبل ہوا اور تقسیم کرنے کے بعد ہو تو یہ اسی کا ہوگا۔ لیکن اگر قبول کرنے کے بعد تقاسمہ سے قبل ایسا ہو تو قدوری کی رائے میں وہ ترکہ نہیں ہے مگر ہمارے مشائخ نے اس کو ترکہ بتایا ہے اور اس کو ۱/۳ ہی خیال کیا ہے جیسا کہ قبول کرنے سے پہلے کہ گھوڑی نے بچھڑا دیا تھا تو بچھڑا ترکہ میں نہیں ہے اور وہ انہیں قواعد کے تابع ہوگی جیسا کہ بقیہ جائیداد متوفی۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون کے مطابق اگر ایک شخص اپنی نصف جائیداد ترکہ میں دے اور ورثا اولاً اس پر رضامند ہوں مگر بعد میں یہ رقم بہت معمولی خیال کریں اس صورت میں وہ رقم جس کی مالیت کے مطابق میراث کی ان کے خلاف ڈگری صادر ہو جانا چاہئے تھی مگر یہ موضوع مشتبہ ہے۔ اگر ترکہ میں کوئی ملازم یا عمارت ہو اور ورثا اس پر راضی ہوں اور یہ کہیں کہ ان کے خیال میں جائیداد متوفی کے ۱/۳ سے زیادہ نہ تھی اور اگر زیادہ تھی تو محض معمولی حد تک، تو یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی رضامندی شئ معروف کی مالیت کی بنا پر تھی اور وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ بوقت ترکہ ناواقف تھے۔

اگر ایک شخص جائیداد کا ایک ثلث بطور مشاع ترکہ میں دے تو موصی لہٗ پر اس شے میں ۱/۳ کا مستحق ہے جو موصی لہٗ کے قبضہ میں تھی لیکن اگر ایسی مختص شئے ترکے میں دے جو جائیداد کی مالیت کے بقدر ۱/۳ ہو تو بوجہ موت موصی لہٗ شئے متروکہ کا کلیتاً وارث ہو گا اور ورثا کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہ ہو گی۔ اگر متوفی نے حاضر اور غیر حاضر ورثا (٫٫ نقد اور قرضہ) چھوڑا ہو تو موصی لہٗ کو مختص جائیداد کا ۱/۳ اس وقت حاصل کرنے بقیہ کے لیے انتظار کرے تاوقتیکہ ورثا سے جائیداد نہ لی جائے انتظار کرنا چاہئے اس لئے کہ بصورت عدم وصول یہ جائیداد ضائع اور برباد ہو کر کبھی نہ مل سکے گی۔

ایسے دو ترکے جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں

''اگر کوئی ترکہ کرے اور اسکے بعد دوسرا ترکہ جو اس کے برعکس ہو تو موخر الذکر نافذ ہو گا اگر ایک شخص یہ کہے اس کے کوئی لڑکا ہو تو اس کو دو درہم اور لڑکی ہو تو ایک درہم ہے اور اس کے دو بچے ایک کا ایک لڑکی پیدا ہوں تو ان کو تین درہم ملیں گے۔ اگر ایسا ہو اور لڑکی ایسی ایسی ہو اور گھر اس عورت کے لڑکا اور لڑکی دونوں ہوں تو ان کو کچھ نہ ملے گا۔''

منافع والی جنس

''اگر کوئی شخص اپنے غلام کی خدمت، باغ کے پھل، مکان کی رہائش، اور ان کے ماسوا دیگر یا منافع والی اشیا ہمیشہ یا وقت مقررہ کے لیے ترکے میں دے تو ان سے جو

بھی آرام یا منافع ہو ان کا اندازہ کرنا چاہیے۔ جائیداد موصی کی ۱/۳ سے زیادہ نہ ہوں، ترکہ جائز ہے اگر ۱/۳ سے زیادہ ہے تو موصی لہٗ بقدر ۱/۳ اور اس سے زیادہ کی میراث باطل ہو گی۔ اگر جائیداد متروکہ میں مقررہ وقت کے لیے محض حق رہائش حاصل ہے۔ تو اس کی دیکھ بھال اور مناسب مرمت کی ذمہ داری موصی پر عائد ہوتی ہے۔ ترکہ موصی لہ پر اس لئے کہ ذمہ داری کا معیار مکان کی ملکیت پر مبنی ہے۔ اور موصی لہٗ محض حق رہائش کا مستحق ہے دیگر تمام حقوق ملکیت جیسے کہ بیع رہن اور اس کے مثل کا تعلق ورثا سے ہے اور ان سے موصی لہ' کے حقوق ناجائز قرار نہیں پاتے۔"

"ان تمام صورتوں میں اگر موصی ایسی اصطلاح استعمال کرے جو عام ہو یا وہ عام طور پر بہت سی چیزوں پر مستعمل نہ ہو ورثا ان اشیا کو اپنی مرضی کے مطابق مختص کرنے اور موصی لہ کو دینے کے مجاز ہیں اگر موصی یہ کہے کہ اس کو میری کمان میں دو اور اس کے قبضے میں ایک ہی ہو تو موصی لہٗ کو خواہ کسی قسم کی ہو دے دینا چاہیے۔"

اگر کوئی شخص وارث کے حصے کا ترکہ کسی غیر کو (اپنے لڑکے کے حصہ کی طرح جب کہ ایک ہی بچہ ہو) ترکے میں دے تو دراصل یہ دونوں میں جائیداد کا تقاسمہ ہے اور موصی لہٗ اس وقت تک نصف کا ہی مستحق ہو گا۔ جب تک کہ وراث پورے ترکے دینے کے لیے انکار نہ کرے اس صورت میں موصی لہ کا محض ۱/۳ حصہ رہے گا اگر موصی لہٗ کے دو لڑکے ہوں اور جائیداد میراث ۱/۳ ہے اگر وہ تین حصہ ہے تو یہ چوتھائی ہے۔ عام کلیہ یہ ہے کہ موصی لہ' کے دوسرے ورثا کے ساتھ شامل کر کے انہیں ایک ہی سمجھنا چاہیے اور جب وہ کسی ورثہ میں مساویانہ حصہ پانے کے مستحق ہیں اگر ان کے حصوں میں فرق ہو مثلاً بعض کے حصے زیادہ اور بعض کے کم ہوں تو وہ سب سے کمزور میں ہو گا یا وہ اس میں سے ہی جس کا حصہ سب سے کم ہے تاوقتیکہ موصی نے صریحاً یہ واضح نہ کر دیا ہو کہ اس کا حصہ سب سے زیادہ پانے والے کے برابر ہو گا۔ ایسی صورت میں ترکے کے شرائط کے مطابق نفاذ ہونا چاہیے مزید برآں اگر موصی یہ کہے "میری لڑکی کے حصے کے مطابق" جب لڑکی کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو نصف کا مستحق ہے۔ لیکن اس کا حصہ اگر وہ پوری میراث پر رضامندی سے انکار کر دے تو اس کا حصہ ایک ثلث رہ جائے گا وہ یہ کہ ہمارے اصول کے مطابق لڑکیاں تمام جائیداد کی وارث ہو

کر عرصہ تک محروم کر دیتی ہیں۔ اور موصی لہٗ اس طرح تیسری لڑکی کے مطابق حق دار بن جاتا ہے۔"

"اگر ایک شخص جس کے ماں کی طرف سے تین سوتیلی بہنیں اور باپ کی طرف سے ۳ سوتیلے بھائی ہوں اور وہ اپنے حصہ میں سے کسی کو مثل ایک کے حصہ کے ترکہ دے تو موصی لہٗ کو مثل ایک بہن کے برتنا چاہئے۔ اور وہ حصہ جن میں کہ جائیداد تقسیم ہوگی ان میں سے ایک حصہ اور سوتیلی بہنوں کو ۳ حصے اور سوتیلے بھائی کو بقیہ چھ حصے دینا جو کہ قواعد کے مطابق ہے۔ دینا چاہئے اگر موصی لہٗ کے ایک بیوی اور ایک لڑکی ہو اور وہ لڑکی کے حصے کے مثل ترکہ دے اور ورثا رضامند ہوں تو موصی لہٗ جائیداد میں سات حصوں کا مستحق ہوگا۔ لڑکی بھی اتنے ہی حصوں کی اور بیوی بھی دو حصوں کی مستحق ہوگی۔ جائیداد ۱۶ حصوں میں تقسیم ہوگی اگر ایک شخص کسی غیر کو اپنے بچہ کا حصہ ترکہ میں دے تو بعض کے نزدیک دوسرے کا ہونے کی وجہ سے یہ ترکہ باطل ہے۔ مگر اصولاً یہ زیادہ صحیح ہے کہ ترکہ جائز ہے اس کی تعبیر اس طرح ہونی چاہئے گویا کہ یہ اس کے حصے کے ہی مثل تھا اگر موصی کے ایک لڑکا ہو جو بعد میں اس کا قاتل بن جائے تو وہ اپنے حصے کے مثل ترکہ ہے ایسی صورت میں بعض کے نزدیک ترکہ جائز ہے تاہم قانون کے اصولوں کے یہ زیادہ قرین ہے کہ یہ ناجائز ہے۔"

"اگر کوئی شخص اپنے بچے کے حصہ سے دوگنا ترکہ میں دے تو اس حصے کے مساویانہ حصہ موصی لہٗ کے پاس ہوں گے اگر ضعفان یا اس کے دوگنے کئے تو موصی لہٗ کے پاس بقدر چار حصص مساوی ہوں گے مگر بعض کے نزدیک جن کی رائے یقینی ہونے کی بنیاد پر زیادہ قابل ترجیح ہے اور ایسے قانون میں جبکہ موصی لہ نے دونہ یا حصے کے دوگنے یا دوگنا استعمال کی ہو۔"

"اگر ایسا شخص جس کی جائیداد مختلف مقامات پر ہو جائیداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے تو یہ جائز ہے کہ جو کچھ بھی کسی شہر میں ملے وہ اس مقام کے غریبوں پر صرف کر دے بلکہ تمام موصی لہٗ کے وطن (شہر) غربا پر صرف ہو سکتی ہے اور ان میں سے بھی وہ جو اس جگہ بلا تلاش کئے ہوئے کہ غیر حاضر ہیں مل جائیں یہ اعلیٰ ترین اسناد کے مطابق ہے اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد تین یا تین سے زیادہ ہو سکتی ہے بشرطیکہ موصی لہٗ نے صیغہ جمع استعمال کیا ہو اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ "غلاموں کو آزاد کر ڈالو وصی

پر صیغہ جمع میں یہ لازم ہے کہ کم از کم تین کو تاوقتیکہ وصی کی جائیداد میں ایک ثلث پورا نہ ہو جائے آزاد کر دے۔

"اگر ایک شخص ایسی عمارت جو گر پڑی ہے ترکہ میں دے جو قبل انتقال موصی زمین سے ہموار ہو جائے، یہ میراث باطل ہے اس لئے لفظ "دار" (عمارت) اس پر منطبق نہیں ہوتا اور یہ مشتبہ ہے۔"

جب موصی یہ کہے کہ زید اور غربا کو ایک معینہ رقم دے دو تو بعض فقہا کے نزدیک ہر ایک نصف کا مستحق ہے مگر بعض کے نزدیک ۱/۲ کا لیکن پہلے اصول کی سب سے زیادہ تائید ہوتی ہے۔ وہ قانون جس کی بنا پر ۱/۳ سے زیادہ میراث ہے، کم کروائے جائیں عملاً گریز کے لیے عام طور پر اقرار قرضہ کی صورت نکالی جاتی ہے مگر جب کہ اقرار مرض الموت میں کیا جائے یا پہلے کے واقعہ کے بدل پر منحصر نہ ہو تو قانون میں ایسے اقرار محض ایک میراث تصور کئے جاتے ہیں جو تابع تخفیف ہیں اگر کوئی شخص بقول ہدایہ جس طرح مرض پر اپنے ورثا سے یہ کہتا ہے "کہ میں زید کا مقروض ہوں اور تم جو کچھ ہو وہ قرض میں ادا کر دینا۔" ایسی صورت میں زید کے مطالبے کی رقم اس کی جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ تسلیم نہیں کی جائے گی خواہ ورثا اس کی تردید کریں۔

باب ۲۲۔ قواعد برائے وصایاء غیر مسلمین

مسلمان فرماں رداؤں کی غیر مسلم رعایا کے اصول فتاوائے عالمگیری میں اس طرح ہیں۔ایک ذمی کی غیر مذہبی اغراض کے لیے وصیت تمام آرا کے مطابق جائز ہے۔ غیر مذہبی اغراض کے علاوہ وصایا چار مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔

اولاً۔اغراض جو قربتِ خداوندی کا ذریعہ ہوں ان کے لیے خواہ وہ مخصوص طبقات کے لیے ہوں ترکے جائز ہیں۔

دوم۔وہ اغراض جو ان کے اور ہمارے لئے گناہ ہیں مگر یہ ترکہ (بشرطیکہ افراد کی مختص جماعت ہو کے لیے جائز ہیں۔لیکن افراد کی تخصیص نہ ہونے کی صورت میں ترکے باطل ہیں۔

سوم۔وہ اغراض جو ہمارے نزدیک مقدس ہوں مگر ان کے نزدیک گناہ اور ان اغراض کے لیے (بشرطیکہ وہ مختص افراد کی جماعت کے لیے ہوں) ترکہ جائز ہے مگر ان اغراض کے لیے وہ ہدیہ ہیں اگر افراد مختص نہ ہوں تو ترکہ باطل ہے۔

چہارم ۔اغراض جو ابوحنیفہ کے مطابق ہمارے لئے گناہ ہوں مگر ان کے نزدیک مقدس بقول ابوحنیفہ خواہ اشخاص مختص ہوں یا نہ ہوں ترکہ جائز ہیں۔ لیکن صاحبین کے مطابق اگر اشخاص مختص نہ ہوں تو وہ باطل ہے۔"

"پس اگر ایک ذمی حسب وصیت یہ اقرار دے کہ اس کی رو سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے جائیں خواہ وہ افراد مختص ہوں یا نہیں یا جائیداد ایک ثلث فقرا اور ناداروں کو خیرات کی جائے یا مقامات مقدسہ کی روشنی پر صرف کیا جائے یا ترکوں (کفار تاتاریوں) سے جنگ پر صرف کیا جائے تو ترکہ جائز ہے اور اگر کوئی ذمی اپنی جائیداد کا ایک ثلث نوحہ گروں یا گویوں کے لیے ترکہ کرے بشرطیکہ وہ لوگ جن کو یہ ہبہ کیا جائے مختص کردی جائیں تو ترکہ جائز ہے اور اگر مختص نہ کئے تو باطل ہے اور اگر ایک ثلث مسلمانوں کے لیے تعمیر مسجد یا ان کی جماعت کو حج پر بھیجنے کے لیے (بشرطیکہ اشخاص مختص کر دیئے

جائیں) کیا جائے تو ترکہ یا ہبہ جائز ہے تاکہ وہ صحیح کر سکیں۔ اور خواہ اپنی مرضی کے مطابق عمارت تعمیر کریں یا نہ کریں اور اگر اشخاص مختص نہ کئے جائیں تو ترکہ باطل ہے۔ اگر ذمی جائیداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے تاکہ گرجا یا یہودیوں کا عبادت خانہ تعمیر کیا جاوے یا یہ منادی کرے کہ اس کا مکان گرجے یا یہودیوں کی عبادت گاہ میں شامل کر دیا جائے تو صاحبین کے نزدیک باطل ہے تاوقتیکہ یہ ایک مختص جماعت نہ ہو جن کے لیے ہبہ کیا گیا ہے۔ مگر ابو حنیفہ کے نزدیک تمام حالات میں جائز ہے ابو حنیفہ کی رائے قانونی درجہ ہے اگرچہ حنفی فقہا متاخرین نے اس کا نفاذ دیہات تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کی ہے۔

مستعمین کا ترکہ

"اگر ایک غیر جو مستعمین میں سے ہے اگر کسی مسلمان یا ذمی کے لیے ترکہ دے تو اس کی تمام جائیداد کے لیے جائز ہے تاوقتیکہ اس کے ورثا دارالسلام (مسلم حکومت) میں نہ آئے ہوں اور اس لئے ایک ثلث سے زیادہ ترکہ ورثا کی رضامندی پر منحصر ہے لیکن اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو تمام جائیداد کا ترکہ جائز ہے۔ اسی طرح جیسے کہ کسی مسلم یا ذمی کی وصیت مماثل معاملہ میں جائز ہے اور ایسی صورت میں کسی غیر ملک میں اس کا کوئی وارث ہو اگر اس نے اپنے جائیداد کا محض ایک حصہ ترکے میں دیا ہے تو بقیہ جائیداد غیر ملک میں مقیم وارث کو دینا چاہئے۔"

"اگر کوئی ذمی اپنی جائداد کا ایک ثلث ترکہ میں دے یا اپنے ورثا میں سے کسی کو ترکہ دے تو یہ اسی طرح ناجائز ہے جیسے کہ ترکہ۔ لیکن اگر کسی مختلف مذہب کے شخص کے لیے ترکہ دے تو جائز ہے۔ جیسے کہ بصورت وارث۔ اگر ترکہ کسی غیر کے لیے ہے جو مستعمین میں سے ہے تو یہ ناجائز ہے۔

ہدایہ میں اس طرح ہے "اگر کوئی یہودی یا عیسائی جو مرض الموت میں مبتلا نہ ہو۔ بعد تعمیر گرجا یا یہودی عبادت گاہ انتقال کر جائے تو یہ عمارت اس کے ورثا کو ملے گی۔ امام ابو حنیفہ کے مطابق اس قسم کی تعمیر وقف یا مقدس استعمال کے مساوی ہے۔ جو قطعاً متوفی کے احکام مذہبی کے کلیتاً مطابق نہیں ہے۔ مگر ابو یوسف اور محمد کی رائے میں ایسی تعمیرات اپنی نوعیت میں گناہ ہیں اور بطور وقف جائز نہیں ہیں اگر کوئی ذمی یہ کہے کہ اس

کامکان بعد موت گرجایا یہودی عبادت گاہ ہیں (جیسی بھی صورت ہو) مختص طبقہ اشخاص کے استعمال کے لیے تبدیل کردیا جائے تو تمام فقہا کے نزدیک جائز ہے اور جائیداد موصی کے بقدر ایک ثلث پر نافذ ہوگا وجہ یہ ہے کہ ترکہ کی دو مختلف نوعتیں ہیں۔ ایک جانشین کا تقرر اور دوسرے واقعی وقف اور موصی ان میں سے کوئی بھی کرنے کا مجاز ہے۔

اگر ایک یہودی یا عیسائی یہ وصیت کرے کہ اس کا مکان اشخاص کے ایک طبقے کے لیے ہے، گرجایا عبادت گاہ میں تبدیل کردیا جائے لیکن کوئی خاص طبقہ مختص نہ کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ ترکہ جائز ہے اسکے بر عکس ہر دو شاگردوں کے نزدیک نا جائز ہے اس لئے کہ اس قسم کی دستاویز حقیقتاً گناہ ہے خواہ اپنی موصی لہٗ کو مقدس معلوم ہو اور چونکہ نصیحت بالفظ گناہ کالعدم ہے، اس لئے اس کے نفاذ عمل سے گناہ کی تصدیق ہوتی ہے س کے بر عکس امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو گرجائیں اور مذہبی عبادت گاہوں کا قیام ایک امر خیر سمجھتے ہیں اور چونکہ ہمیں لازم ہے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اپنی عبادت کی آزادی دیں لہٰذا یہ ترکہ ان کے عقائد کے مطابق جائز ہے۔

اعتراض:- گرجایا یہودی عبادت گاہ کی تعمیر میں جو بحالت صحت تعمیر کی جائے کیا فرق ہے کہ امام ابو حنیفہ اول الذکر صورت میں اس لئے لایق ارث سمجھتے ہیں اور موخر الذکر صورت میں نہیں۔

جواب:- فرق یہ ہے کہ یہ محض گرجا وغیرہ کی تعمیر کا مسئلہ نہیں ہے جس سے تعمیر کنندہ کا جائیداد سے حق ساقط ہو جائے بلکہ راہ خدا میں اس عمارت کا کلیتاً وقف کرنا جس طرح کہ مسلمانوں کا تعمیر مساجد کرنے کے بعد وقف کرنا جس طرح ملحدوں کی مذہبی عبادت گاہ بلا شبہ خداوند تعالیٰ کے وقف میں ہونے پر بھی اس کے بنانے والے کی جائیداد رہتی ہے۔ پس وہ دیگر اسباب کے ساتھ لایق ارث ہوگی۔ اس کے بر عکس ترکہ حق جائیداد ضائع کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے ابو حنیفہ کی رائے بموجب قانون مسلمہ ہے۔

ہدایہ کے مطابق ذمیوں کے ترکے چار قسم کے ہیں۔

اول.. وہ جو ان کے عقیدہ کے مطابق مقدس اغراض کے لیے بنائے جائیں مگر مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق مقدس نہ ہوں جیسے کہ گرجایا یہودی عبادت گاہ کی تعمیر یا

خصی سوروں کا ذبح کرنا تا کہ ان کے مذہب کے غربا کو کھانا کھلایا جائے۔ ان صورتوں میں ابو حنیفہ کی رائے میں عقیدہ موصی کے مطابق یہ ترکہ جائز ہے مگر صاحبین بوجہ فعل گناہ اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو ان اغراض کو مقدس سمجھتے ہیں مگر ذمی نہیں مثلاً مسجد کی تعمیر حج مکہ مسجد میں روشنی۔ ان صورتوں میں تمام فقہا کے مطابق موصی کی عقیدت کی بنیاد پر ترکہ تاوقتیکہ بعض مختص اشخاص کے حق میں نہ کیا گیا ہو ناجائز ہے۔ ان حالات میں یہ ایک باضابطہ جائزہ دینا ہوگا۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر، یا ایسے دوسرے کے اغراض کا حوالہ اس مشورے کی روشنی میں غور کرنا ہوں گے بہ الفاظ دیگر گویا کہ موصی نے جائیداد اشخاص مختص کو اسی لئے ترکہ میں دی تھی کہ وہاں وہ تعمیر مسجد کریں۔

سوم۔ ان اغراض کے لیے دیئے جائیں جنھیں مسلمان اور ذمی مقدس سمجھتے ہیں مثلاً بیت المقدس میں روشنی کرنا یا کافر تاتاریوں کے خلاف جہاد کرنا جائز ہے خواہ وہ مختص اشخاص کے حق میں ہوں یا نہ ہوں۔

چہارم۔ جو ان اغراض کے لیے کئے جائیں جن کو ذمی اور مسلمان مقدس نہ سمجھیں مثلاً گویوں اور بدکار عورتوں کی مدد یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ان سے رغبت گناہ ہوتی ہے بشرطیکہ یہ مختص اشخاص کے حق میں نہ ہوں اور ایسی صورت میں یہ جائز ہوں گے۔ اگر کسی مستعمین میں سے کوئی تمام جائیداد کسی مسلمان یا ذمی کو ترکہ میں دے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ کسی جائیداد کا ترکہ اس وقت غیر قانونی سمجھا جاتا ہے جب ورثا موصی کے حق پر اثر انداز ہوں ان کی رضامندی کی صورت میں ترکہ جائز ہے۔ مستعمین کے ورثا جو غیر ملک میں رہتے ہیں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں ہے بلکہ وہ مثل مردہ ہیں۔ یہ مسلم حکومت کے تعلق تک ہے اس لئے کہ وہ ایک دشمن ملک میں رہتے ہیں مزید براں مستعمین کی جائیداد اس بنا پر کہ حکومت کی حفاظت کی ذمے داری ہے محفوظ ہے، حفاظت اس کو حق حفاظت اپنے ہی حق کی بنا پر ملا ہے نہ کہ ورثا کے حق کی بنا پر۔

اگر کوئی مستعمین اپنی جائیداد کا حصہ ترکہ میں دیتا ہے تو ترکے کا اسی وقت نفاذ ہو جاتا ہے اور بقیہ اس کے ورثا کو دے دیا جاتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ کسی دشمن ملک کے باشندے ہوں مستعمین کے متعلق ایسے ہی قانون ہیں۔

ہدایہ کے مطابق اگر مستعمین اپنے موت سے فوراً قبل کسی غلام کو آزاد کر دے یا اس کو مدبرؔ بنادے یعنی مشروط آزادی دے حدودِ اسلامی میں، یہ جائز ہے۔اور غلام کی آزادی کے باوجود اس کی قیمتؔ آقا کی جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے کہ جائیداد کے ۳/۱سے زیادہ کاترکہ محض اس لئے خلاف قانون ہے کہ یہ ورثا وصی کے حق پر اثر انداز ہوتا ہے مگر مستعمین کے ورثا کو جو دشمن ملک میں مقیم ہوں جیسا کہ پہلے بتایا گیا، کوئی امتیازی حق حاصل نہیں ہے۔

''اگر ایک مسلمان یاذمی مستعمین کے لیے وصیت کرے تو جائز ہے اس لئے کہ جب تک ایک مستعمین مسلم ملک میں مقیم ہے ذمی سمجھا جائے گا۔ان کے ساتھ چونکہ فیاضی اور بخشش برتاؤ ان کے حق میں مسلمانوں کو بھی ان کی زندگی میں دیا جاتا ہے تو ایسے افعال کی ان کو بھی اجازت ہے تاکہ ان کی موت کے بعد ہی حاصل ہو۔''

اوپر آیاہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف مستعمین کے حق میں وصیت اس لئے ناجائز سمجھتے تھے کہ ان کی اپنے ملک میں واپس ہونے کی نیت ہوتی تھی کہ مسلمان ان کو نہ صرف رہنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ اپنے حددو ملک میں ان کو ایک سال سے زیادہ قیام کی اجازت نہ تھی۔تاوقتیکہ وہ فی کس محصول ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔اول الذکر انسب رائے ہے۔

اگر موصی ذمی کسی غیرمسلم اور مختلف العقیدہ شخص کے لیے کوئی وصیت کرے تو وہ جائز ہوگی اس لئے کہ میراث ہاکی جانشینی بذریعہ وراثت کے اصول کے مطابق ہیں۔اشخاص جو مختلف العقیدہ ہوں اور اسلام پر عقیدہ نہ رکھنے والے ہوں وہ ایک ہی جماعت (گروہ)کے خیال کئے جاتے ہیں۔

''اگر ایک ذمی جو کسی مسلم ملک میں رہتا ہو کسی ایسے غیرمسلم کے لیے ترکہ جو مسلم ملک سے برسرپیکار ملک میں رہتا ہو جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب وراثت تک مختلف اختلافات کی وجہ سے جائز نہیں ہے تو ترکہ بھی لازماً ایک سے دوسرے کو بے نتیجہ ہے۔اس لئے کہ ترکہ بھی وراثت کے مثل ہے۔

باب ۲۳۔ موضوع وصیت

شئے وصیت

کوئی بھی شئے خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ جس پر حق جائیداد نافذ ہو یا جس کا بدل ہو سکے یا باہمی اشیا کا تبادلہ ہو سکے یا اس کا ایک جزوی حصہ یا اس کا پیدا شدہ منافعِ جائز بطور وصیت منتقل ہو سکے' وہ وصیت میں دی جا سکتی ہے۔

شرائع کے مطابق اصل شئے یا اس کا منافع کا ترکہ ہو سکتا ہے مگر ہر دو کے لیے یہ ناگزیز ہے کہ ان پر جائز قبضہ ہو اور استعمال میں لیا جائے۔ کسی بھی شئے کا ترکہ جائز نہیں جو مسلمان کو قبضہ میں رکھنا یا اس سے منافع حاصل کرنا ناجائز ہے۔ الا تربیت یافتہ کتوں خواہ شکار میں استعمال ہوں یا خانگی ضرورت میں جیسے مکانات کی حفاظت یا غلے اور کھیتوں کی حفاظت' کا ترکہ جائز ہے۔

ایک ترکہ شئے متروکہ بدل جانے یا تشکیل وصیت کے بعد جائز اور موثر ہو جائے گا خواہ اس میں اضافہ ہو جائے تاوقتیکہ تبدیلی یا ترقی اتنی اہم نہ ہو جس سے کہ موصی کے منشا سے اس کے تنسیخ کا قیاس نہ کیا جا سکے۔

اسی طرح موصی لہٗ کو اس عرصہ میں اگر جائیداد میں کوئی ضرر یا نقصان پہنچے یا جائیداد کو گران بار کر دے تو موصی لہٗ اسی بار کے تابع جائیداد موصی کو دے گا۔ اگر کوئی قطعہ آراضی کسی شخص کو بذریعہ وصیت دیا جائے اور مابعد موصی اس پر تعمیر کرے تو اصولاً انتقال موصی پر زمین موصی لہٗ اور مکان ورثا موصی لہٗ پائیں گے اور ہر دو بالترتیب شریک مالکان ہوں گے۔

اگر موصی آرضی متروکہ میں عبادت بنانے کے بجائے سابقہ تعمیر شدہ مکانات کے چھجے' وغیرہ علیحدہ کر دے تو موصی لہٗ کو وہ زمین بلا تعمیر ہی ملے گی۔ اگر عمارت ترکہ میں ہو جس کو بعد میں موصی منہدم کر دے تو میراث غلط ہو گی اور وصیت فی نفسہ منسوخ ہو گی۔

ایک جائز شے کی میراث بھی منسوخ ہو سکتی ہے اگر موصی یہ کہے کہ اس پر نا جائز فعل کی شرط ہو مثلاً عمارت میں آگ لگانا یا کسی شخص کو قتل کرنا یا کسی کو حج پر جانے سے روکنا ایک موہو بہ جائیداد ہبہ کے موثر ہونے کے بعد ترکہ میں نہیں دی جا سکتی۔

اختیار انتقال کی حد

ایک موصی (جیسا کہ بتایا جا چکا ہے) اس کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی موت کے وقت جائیداد مملوکہ کے ایک ثلث سے زیادہ منتقل کرے۔ یہ قانون کا نا قابل تردید اصول ہے اور اس پر تمام مذاہب کے فقہا کا عام اتفاق رائے ہے اور اس اصول کی ملتقی' ہدایہ منہاج الطالبین کے مصنفین نے کافی وضاحت کی ہے۔ مصنف شرائع نے اس اصول کی اس طرح توضیح کی ہے مزید میراث ہا خواہ وہ اصل ہوں یا ان کی پیداوار جائیداد موصی کی ایک ثلث تک محدود ہیں۔

اور اگر اس کے تمام ترکے ایک ثلث سے زیادہ ہوں تو بقدر اضافہ تاوقتیکہ ورثا اس کا اذن باطل میں موصی کے جائیداد کے ایک ثلث اور جس حد تک کہ وہ قانو نادے' جائز موقع پر بھی کیا جا سکتا ہے نہ کہ بوقت وصیت۔ پس اگر بوقت وصیت ایک شخص اچھے حالات میں تھا اور بر وقت انتقال نادار ہو گیا تو واجب ترکہ طے کرنے کے لیے اس کے سابقہ دولت کا جائزہ نہ لیا جا سکے گا۔ اسی طرح اگر بوقت وصیت وہ غریب تھا۔ مگر بوقت انتقال دولت مند ہو گیا تو قانوناً ترکہ اس کی موجودہ مالیت سے طے کیا جا سکے گا۔

اسی اصول کو ہندوستان کی عدالت ہائے انصاف نے متواتر اختیار کیا ہے۔
مختلف مذاہب کے اصولوں میں ایک فرق قابل غور ہے۔ حنفی قانون کے مطابق اگر کوئی لاوارث تمام جائیداد ترکہ میں دے تو جائز ہے۔ اور بیت المال (جو انجام کار وارث ہے) کے اذن کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ترکہ مختص زر نقد کا ہو اور موصی واقعی کچھ جائیداد یا اور یا فتنی قرضے چھوڑ جائے جو کل اثاثہ کے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہوں تو فوراً میراث دینا چاہئے اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو ایک ثلث اسی وقت ادا کیا جائے اور چونکہ وصول شدہ قرضوں کی

رقم میں سے اس وقت تک وہ ثلث ایک ثلث ہے تاکہ میراث پوری ادا ہو جائے ابویوسف کے مطابق درہم اور دینار یعنی عام زر نقد شئے عین ہیں۔

اگر موصی ایک ہزار درہم کی مختص میراث چھوڑے اور جائیداد ماسوائے قرضوں کے زر نقد اور دیگر اسباب پر مشتمل ہو تو موصی لہٗ اس اسباب میں سے ایک ثلث ایک ہزار درہم پائے گا۔ لیکن اگر ایک ہزار درہم سے بھی میراث کا ایک ثلث پورا نہ ہو تو قرضوں کا ایک ثلث جیسے ان کی وصول یابی ہوتی رہے پاتا رہے گا۔ ابویوسف کے مطابق جن کی رائے مسلمہ ہے اثاثہ سے مراد وہ زر نقد ہے جو متوفی نے چھوڑا نہ کہ اسباب خانہ داری، پوشاکیں یا زیورات۔ پس یہ ایک ہزار درہم اس زر نقد کے ایک ثلث میں سے ادا ہوں گے جو موصی نے چھوڑا ہو اور اگر کافی نہ ہو تو ان قرضوں کے ایک ثلث میں سے جو اس نے چھوڑے وصول ہو گا۔

جب ایک شخص کو دو میراثیں دی جائیں

فرض کیجئے اگر ایک ہی شخص کو دو میراثیں دی جائے تو کیا یہ دونوں ہی نافذ ہونگی؟ خلیل ابن اسحٰق (مالکی فقیہ) کے مطابق ہر دو میراثیں اگر مختلف اشیا پر مشتمل ہیں اور عموماً مالیت میں اس کی جائیداد سے زیادہ نہ ہو تو نافذ ہوں گی۔ اگر وہ مقدار یا تعداد میں مختلف نہ ہوں تو آخر الذکر میراث نافذ ہو گی فتاوائے عالمگیری میں بھی یہی ہے۔

اگر ایک شخص یہ کہے کہ میری جائیداد کا ۶/۱ حصہ فلاں شخص کو اور اس کے بعد کہے کہ میری جائیداد ایک ثلث بھی اسی کو اور ورثا اس پر رضامند بھی ہوں اس لئے کہ ۶/۱ بھی ایک ثلث میں خواہ اس کا حوالہ پہلے ہو یا بعد میں شامل ہے۔ اور اگر ایک شخص یہ کہے کہ میری جائیداد کا ۶/۱ فلاں شخص کو اور اسی وقت یہ کہے کہ میری جائیداد ۶/۱ فلاں شخص کو تو اس کا منشا تاوقتیکہ اس امر کی شہادت نہ ہو تو شخص ۶/۱ کا ہو گا دوسرے ۷/۱ کا بھی یہی منشا تھا۔

اگر ایک شخص اپنی جائیداد اور اسباب کا خاص یا معین حصہ ترکہ میں دے تو میراث صرف اس حصہ پر عائد ہو گی جو اس نے بوقت انتقال چھوڑا نہ کہ اس پر جو بوقت ترکہ اس کے قبضے میں تھا لیکن اس معینہ حصے کو ترکہ میں دیا جائے۔ مثلاً موصی کے گلہ

مویشیان کا ایک ثلث اگر وہ گلہ اس کی موت سے قبل ہی ضائع ہو جائے تو میراث ساقط ہو گی۔ اس لئے کہ ایک مختص حصے کی بابت تھی اور گلے کے معدوم ہونے سے وہ میراث زائل ہو گئی اگر چہ موصی بعد میں دوسرے گلہ لے سکتا تھا۔ اگر بوقت ترکہ گلہ اسکے قبضے میں نہ تھا۔ اور بعد میں اس نے حاصل کیا تو اصول مسلمہ کے مطابق میراث نافذ ہو گی۔ اس لئے کہ میراث ظاہر ہے مگر نفاذ اس وقت ہو نا چاہئے جب کہ اشیا جن سے میراث ادا ہو سکے بعد ترکہ وجود میں آئیں۔ اگر موصی یہ کہے کہ میرے وصی جائیداد میں سے ایک بھیڑ فلاں فلاں کو دیں گے۔ بوقت انتقال موصی کی کوئی بھیڑ نہ ہو تو موصی لہٗ کو بھیڑ کی قیمت دی جائے گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرے وصیان میرے گلے میں سے زاہد کو ایک بھیڑ دیں گے۔ اور بلا بھیڑ دئے موصی کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہو گی یہی اصول تمام اقسام کی جائیداد پر حاوی ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ موصی اپنے پوتے کے لیے کوئی میراث چھوڑنے کے بجائے وصیت میں یہ شرط رکھے کہ وہ وراثت میں سے ایک بیٹے کا حصہ پائے گا۔ فرض کرو کہ موصی کا ایک ہی لڑکا اس کا وارث ہے اور وہ لڑکا اس پر رضامند ہو جائے کہ میراث اس میں اور پوتے میں مساویانہ تقسیم کر دی جائے تو میراث اس میں اور بیٹے میں برابر برابر تقسیم کی جائے گی ورنہ موصی لہٗ کو ایک ثلث ملے گا اور بیٹے کو ۳/۲ اگر دو بیٹے ہوں تو لڑکے کی رضامندی ضروری ہے۔ تو جائیداد بیٹے اور پوتوں میں مساویانہ طور پر تقسیم ہو گی۔ اسی طرح اگر چار لڑکے اور ایک پوتا ہو اور موصی لڑکے کا حق پوتے کو دے تو ۵/۱ پوتے کو ملے گا۔ اگر موصی اپنے پس ماندگان میں سے ایک بیوہ دو لڑکے ایک لڑکی اور پہلے انتقال شدہ لڑکے سے ایک پوتا چھوڑے اور یہ وصیت کرے کہ اس کے ورثہ میں پوتہ ایک لڑکے کا حصہ پائے گا تو تقسیم درج ذیل طریقے پر ہو گی۔

بیوہ ۸/۱، لڑکی ۸/۱، لڑکا ۴/۱، پوتہ ۴/۱، اور اگر ایک لڑکا ہو تو اس طرح تقسیم ہو گی۔

بیوہ ۸/۱، لڑکا ۴۰/۲۱، لڑکی ۴۰/۷، پوتہ ۴۰/۲۱، مجموعہ ۱۲۰/۱۲۰

سنی قانون

ہم نے پہلے ہی مطالعہ کیا ہے کہ جب کوئی میراث با بوجہ اہمیت ایک ہی معیار

کی ہو اور مجموعی طور پر سوا سے زیادہ مالیت کی ہو تو سنی قانون کے مطابق حسب تناسب مالیت میں آ جائے گی۔ایک عام شرط کے تابع ہے کہ جب میراث ہا مذہبی فرائض یا امور ہا خیر کی تکمیل کے لیے ہوں تو یہ اصول اغراض ذیل پر بالترتیب نافذ ہونا چاہئے۔

(۱)بغرض تزکیہ (۲)نماز (۳)خیرات (۴)روزے (۵)حج۔

عام طور پر مذہبی فرائض اور امور خیر کا اصول یہی ہے گو اس کی اس درجہ اہمیت ہے کہ مذہبی فرائض کی ادائیگی سے لاگو ہوتا ہے اور یہ فرائض قبل میراث نافذ ہو نا چاہئے جن کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۱) قیدیوں کے تاوان کی ادائیگی۔

(۲) غلاموں کو آزاد کرنا جن کے لیے موصی نے وعدہ کیا تھا۔

(۳) بیوی کو دین مہر کی ادائیگی جس سے موصی نے آخری بیماری میں شادی کی ہے۔

(۴) ادائیگی زکوۃ۔

(۵) فطرۂ عیدین کی ادائیگی۔

(۶) ظہار کا کفارہ۔

(۷) قسم کا کفارہ۔

(۸) فرض روزں کی ادائیگی کا کفارہ۔

(۹) غلاموں کی خلاصی۔

(۱۰) غیر لازم حج کی ادائیگی۔

درالمختار میں اس موضوع پر یہ لکھا ہے:" یہ یادرکھنا چاہئے کہ ترکے لازماً دواغراض کے لیے ہوتے ہیں۔ یا تو حقوق اللہ یا حقوق العباد۔ دہر دو کے لئے یہ طے شدہ امر ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی دیگر تمام حقوق پر مقدم ہے اگر موصی لہٗ ایک ہی ہو تو ترجیح ہے اس لئے کہ موصی لہٗ واحد اور ایک ہے اگر موصی لہم کئی ہوں تو ایک دوسرے کو ترجیح نہ ہو گی۔ پس اگر ترکہ عام انسانوں کے لیے ہے توکسی موصی لہٗ کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی کو ایک ثلث ترکے میں دے اور ایک کے بعد دوسرے کو دے ہر دو ترکے نافذ ہوں گے تاوقتیکہ مختص طور پر درج نہ ہو کہ ان میں سے ایک پر دوسرے کو ترجیح ہے یا یہ مہابات یا خلاصی ہے ترکہ نافذ ہوں گے۔ اگر

کوئی کہ باری تعالیٰ کے لیے ہے اور ہدایہ کے مطابق نمبر(۱) فرائض کی ادائیگی جو قطعاً لازمی ہے جیسے زکوٰۃاور حج (۲)فرائض کی ادائیگی جو محض لازمی ہے مثلاً ادائیگی کفارہ قسموں کا پورا کرنا فطرہ دینا(۳)نوافل کی ادائیگی جیسے غیر لازمی حج اور غربا کو خیرات اور ان حالات میں دین داران سے ادائیگی کی ابتدا کرنی چاہیۓ جن کی ادائیگی کی موصی لۂ نے پہلے ہدایت کی ہو لیکن۔ اگر سب ہی شامل ہوں تو ان سے ابتدا کرنا چاہیۓ جو قطعاً لازمی ہیں خواہ موصی لۂ نے ان کو اولاً بتایا ہو یا نہ بتایا ہو۔اس کے بعد محض واجبات کا نمبر آتا ہے اور تیسرا نمبر موصی لۂ کی آخری خواہش کی تکمیل کا ہے۔ جن پر بقدر حصہ رسد ہی خرچ کرنا چاہیۓ پس اگر وہ یہ کہے کہ اس کی جائیداد کا ایک حصہ (ثلث) مصارف حج ،زکوٰۃ، کفاروں اور زید پر خرچ ہونا چاہیۓ تو تیسرا حصہ چار مدات پر خرچ ہو کر زید کو ایک حصہ اور بقیہ ۳ حصے علی الترتیب تین مدات پر صرف ہوں گے۔ اگر موصی لہٗ مثل غربا مختص نہیں ہے تو پھر یہ چار حصوں میں تقسیم نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ سب ہی خدا کے ہیں اور ان میں لازم ترین فرائض پہلے انجام پائیں گے۔

شیعہ قانون کے مطابق اگر موصی بعض فرئض کی انجام دہی کے لیے ترکہ چھوڑتا ہے ان میں بعض اس پر قرض ہوں بعض محض واجب تو یہ سب ادا ہونا چاہئیں۔ بشر طیکہ جائیداد کا ایک ثلث ان کی ادائیگی کے لیے کافی ہو اور اگر ایک ثلث کافی نہیں ہے اور ورثا رضامند نہ ہوں تو اولاً موصی کے ذمّی فرائض ادا کیۓ جائیں گے اور واجبات، بقدر ایک ثلث سے جو ان کی ابتدا موصی کی مقررہ ترتیب سے ہو گی۔ اگر محض واجبات میں تو وہ جائیدداد کے بقدر ایک ثلث سے نافذ ہوں گے اور ادائیگی کی ابتدا موصی کے مقررہ ترتیب سے ہو گی تاوقتیکہ ایک ثلث صرف ہو جائے۔

باب ۲۴۔ وصیت کے عمومی قواعد

فصل اوّل: وصیت کے قانونی اثرات

وصیت کی یہ تعریف ہے کہ کسی مختص شئے منافع یا فائدے میں ایسے حق تملیک کا تفویض کرنا جو موصی کی موت پر نافذ ہو، یہ اس شخص کے لیے جس کے ذمّگی فرائض (حقوق اللہ) نہ ہوں مناسب ہے۔ لیکن اگر اس کی ذمّگی فرائض مثلاً اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو، روزے نہ رکھے ہوں یا حج نہ کیا ہو یا فرض نمازیں ادا نہ کی ہوں۔

حنفی اصول

کوئی بھی اسلوب عبارت جس سے موصی کا منشا میراث کا ہو کافی ہے فتاوائے عالمگیری میں اس کی مثالیں تفصیل سے ملتی ہیں۔

اگر ایک شخص کہے "یہ میرا غلام فلاں کے لیے اور میری عمارت فلاں کے لیے ہے" مگر نہ لفظ ترکہ کا حوالہ دے نہ الفاظ "میری موت کے بعد" کا ذکر کرے تو اس کا منشا قیاس اور بہتر کی بنیاد پر سمجھا جائے گا اور واہب کی عین حیات ہی قبضے ہونے پر یہ جائز ہو گا۔ اگر اس کی موت تک قبضہ نہ ہو تو یہ باطل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میری وصیت کے مطابق عمارت کا ایک ثلث میری موت کے بعد فلاں شخص کو دیا جائے تو موصی کی عین حیات قبضہ غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص خواہ بحالت علالت یا بحالت صحت یہ کہے "کہ فلاں شخص کو ایک ہزار درہم میرے ایک ثلث ہوتے ہیں دیئے جائیں" تو یہ بھی ترکہ ہو گا۔ حالانکہ اس میں موت کا کوئی حوالہ نہیں ہے لیکن اگر الفاظ یوں ہوں "فلاں شخص کو میری جائیداد میں سے یا نصف میں سے یا میری جائیداد کا ہزار دیا جائے تو یہ تاوقتیکہ میراث کے سلسلے میں نہ کئے جائیں، موثر نہ ہوں گے اور یہ میراث ہوں گے۔ اگر ایک شخص کہے کہ سفر میں میرا انتقال ہو جائے تو فلاں شخص کو اس لئے کہ اس کا میرے ذمے ایک ہزار روپیہ کا قرض ہے تو اس کا ایک ثلث ترکہ ہو گا۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون کے مطابق مبہم میراث ہا کے متعلق بعض اصول مبہم قابل غور ہیں۔ اگر چہ ان میں بصورت اطلاق کچھ ترمیم کی ضرورت ہو گی جو سماج کے مختلف حالات کے پیش نظر ضروری ہیں۔

اگر ایک شخص جائیداد کا ایک جز ترکہ میں دے تو الفاظ کی مناسب توضیح کے لیے اور احادیث میں ان میں سب سے مستند کی بنا پر جائیداد موصی میں سے ایک عشر موصی لہٗ کو تفویض ہوتا ہے لیکن دوسرے کے مطابق تیسرے کا محض ۷را ملنا چاہئے اگر وہ ایک سہام یا حصہ ترکہ میں دے تو مناسب توضیح ۸را یا اگر کوئی شئے ہے تو توضیح ۶را کی ہو گی۔

اگر ایک شخص کئی اغراض کے لیے ترکہ کرے اور وصی ان میں ایک یا زیادہ بھول جائے تو یہ کسی بہتر یا مناسب کام پر صرف ہونا چاہئے۔ اگر چہ بعض فقہا کی رائے میں یہ اولاد کی وراثت میں ہی ہونا چاہئے۔

اگر ایک شخص میان میں خاص تلوار ترکہ میں دے تو میان اور اس کے جڑے ہوئے جواہرات بھی ترکے میں شامل ہیں اسی طرح اگر ایک شخص صندوق جس میں کپڑے ہوں ترکے میں دے یا ایسی کشتی یا چھوٹا جہاز جس میں اسباب تجارت ہو یا ایسا تھیلا جس میں ریشمی کپڑے ہوں ترکہ میں دے۔ ان تمام صورتوں میں وہ اشیا اور دوسری اشیا جو اس میں ہوں شامل ہوں گی۔ بعض فقہا کا نظریہ یہ دوسرا ہے گو وہ زیادہ لائق توجہ نہیں ہے۔ اگر ایک شخص وصیت کرے اور اس کی جانشینی میں اپنے بچوں کے حصہ کو الگ کر دے تو یہ ناجائز ہے مگر اس کے الفاظ کلیتاً غیر موثر سمجھے جائیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ بدل میں سے ایک کے مطابق یہ قطعی بے معنیٰ اور بے اثر ہیں لیکن دوسرے کے مطابق ان پر بھی اسی طرح توجہ دینا چاہئے جیسے کہ ایک شخص کی تمام جائیداد کا بحق غیر ترکہ میں دے کر ورثا کو محروم کر دیا جائے۔ حالانکہ ترکہ جائیداد بقدر ایک ثلث جائز ہے۔ اور ورثا کا حصہ قانون بقدر ۳ر۲ ہوتا ہے اول الذکر رائے بہتر طور پر مبنی ہے۔ حالانکہ دوسری رائے کی بھی بر بنائے ایک حدیث تعبیر کی

جاتی ہے مگر وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے مبہم الفاظ میں کہ قانون ان کی توضیح نہ کر سکے ترکہ کرے ان کی توضیح وارث بیوی کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہئے۔

مبہم میراث ہا کی صورت میں (پہلے کی طرح)اگر موصی لہ کوئی خاص شئے موصی کی منشا کے مطابق اس کو منتقل ہونا چاہئے تھی طلب کرے تو وارث کے فعل کو ترجیح ہو گی۔ اگر موصی لہاس پر بھی اصرار کرے تو وارث سے کہا جائے گا کہ اپنے قول کی حلفیہ تصدیق کرے ورنہ اگر جائیداد کی واضح الفاظ میں وصیت ہو تو موصی لہ کی جانب سے اختیار انتقالات پر ممنوع شرائط غیر موثر ہوں گی۔

فصل دوم :۔ تنسیخ وصایا

تنسیخ وصایا

ایک وصیت اپنی نوعیت میں لایق تنسیخ بھی ہوتی ہے اور تنسیخ کسی وقت بھی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ موصی کے مرض الموت میں بھی منسوخ ہو سکتی ہے۔ تنسیخ صریحاً یا مفہوماً بلا واسطہ یا بالواسطہ ہو سکتی ہے۔ یہ صریحاً ہوتی ہے۔ اگر موصی وصیت کو صریح الفاظ میں منسوخ کردے یہ مفہوماً بلا واسطہ ہوتی ہے۔اگر موصی اپنے طریقہ یا اپنے الفاظ ما بعد سے یہ ظاہر کرے کہ اس میراث کو وہ دائم رکھنا نہیں چاہتا اور وہ فعل جس سے جائیداد میں حق ملکیت ساقط ہو اور جو موصی اس شئے وصیتی کے متعلق ظاہر کرے' منسوخ ہو جاتی ہے اور اسی طرح موصی کا ہر فعل شئے متروکہ میں اضافہ کرے اور جو بلا اضافہ کے نہیں دی جا سکتی ہو اس کا منشا تنسیخ سے ہو۔اسی طرح ہر وہ انتقال جو ما بعد کیا جاوے اور جو موثر ہو اس کا بھی وہی نتیجہ ہو تا ہے۔

مختلف طریقے جن سے تنسیخ نافذ ہو سکتی ہے

ترکہ اہلیت اور اسی سلسلہ میں طریقہ کار چار زمروں میں منقسم ہے۔

پہلی قسم۔واضح الفاظ سے یا تعبیراً (یعنی طرز عمل سے) تنسیخ ہو سکتی ہے۔

دوسری قسم۔ محض صریح الفاظ سے تنسیخ ہو سکتی ہے۔

تیسری قسم۔ محض اپنے طریقہ کار سے تنسیخ ہو سکتی ہے۔

چوتھی قسم۔ وہ ہے کہ تنسیخ قطعاً نہیں ہوتی۔

ترکوں کی پہلی قسم مخفی میراث ہا کی ہے۔ چونکہ موصی کے صریح اعلان سے تنسیخ ہو جاتی ہے یا اگر وہ شے وصیتی کو فروخت یا اس طرح منتقل کر دے کہ پھر اس کو منسوخ یا واپس یا منتقل کرنا اس کے اختیار سے باہر ہو۔

دوسری قسم کا ترکہ وہ ہے جو موصی اپنی جائیداد کا ۳/۱، ۳/۱حصہ دوسرے شخص کو ترکہ میں دے۔ ایسی صورت میں موصی لہٗ کسی بھی جائیداد میں مختص حصہ پانے کا مستحق ہے جو موصی بوقت موت چھوڑ جائے۔ اور جب تک واضح الفاظ میں تنسیخ نہ ہو تو میراث نافذ رہے گی۔

تیسری قسم کے ترکہ میں وہ مشروط مخلصی ہے جو محض صریح طرز عمل سے واپس لی جا سکتی ہے۔

چوتھی قسم وہ وصیت ہے جو صریحاً یا تعبیراً منسوخ نہیں ہو سکتی اور وہ قطعی وصیت ہے۔

ابو حنیفہ کی رائے

ابو حنیفہ کے مطابق جن کی اس معاملہ میں رائے کو فتویٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ کسی شئے کی ہیت میں تبدیلی جو موصی کی تحریک سے کی جائے وہ بمنزلہ تنسیخ نہیں ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی دوسرے کو چاندی کا ٹکڑا دے اور بعد میں وہ اس کی انگوٹھی بنا لے تو ابو حنیفہ کے مطابق اس تبدیلی سے ترکہ منسوخ نہ ہو گا۔ اگرچہ ابو یوسف اور بظاہر محمد کی رائے کے مطابق ایسا ہو گا۔

اگر ایک شخص وہ شئے مختص جو اس نے ترکہ میں دی تھی، واپس خریدے یا اس کو تحفہ دے یا اس کے بعد ہبہ کو منسوخ کر دے تب بھی ترکہ جائز رہے گا ایک متروکہ بھیڑ کا ذبیحہ تنسیخ ترکہ ہے لیکن متروکہ کپڑے کو دھونا تنسیخ نہیں ہے۔ ابو یوسف کے مطابق ترکے کے محض انکار سے تنسیخ نہیں ہوتی۔ لیکن محمد کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اگر موصی یہ کہے کہ جو میراث اس نے A اور B کو ترکہ کی ہے وہ باطل تھی تو اس سے وصیت

منسوخ ہو گی۔ اگر محض وہ یہ کہے کہ یہ حرام یا سودی تھی تو وصیت منسوخ نہ ہو گی۔
اگر کوئی موصی شئے مختص A کو ترکہ میں دے اور اس کے بعد B کو دے تو وصیت مابعد سے پہلی وصیت لازماً منسوخ نہیں ہوتی۔ اگر مشمولہ عبارت یا کسی اور طرح سے ظاہر ہو کہ موصی کی نیت ہر دو موصی لہم کو شئے متروکہ مشترکاً دینے کی تھی تو اس کی منشا نافذ ہے اگر یہ ظاہر ہو کہ اس کا منشا پہلے ترکہ کو منسوخ کر کے دوسرے موصی لہٗ کو کی تھی تو یہ بمنزلہ منسوخی ہو گا۔ عام اصول یہ ہے کہ آخری میراث نافذ ہوتی ہے۔
اگر دوسرے موصی لہٗ کا ترکہ مابعد نافذ ہونے والا ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو پہلا ترکہ دوسرے ترکہ سے منسوخ ہونے سے جائز رہے گا اور اگر بوقت ترکہ دوسرا شخص زندہ ہو مگر موصی سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو ہر دو میراث باباطل ہوں گی اور شئے متروکہ ورثا موصی پر عود کرے گی۔
حنفی لا کے مطابق جائیداد مکفولہ کرنے سے ترکہ منسوخ نہیں ہوتا وہ یہ کہ اس سے شئے مکفولہ میں حق ملکیت ساقط نہیں ہوتا بلکہ موصی کی موت پر حق انفکاک موصی لہٗ پر منتقل ہو گا۔ بہ الفاظ دیگر موصی لہٗ جائیداد وصیتی کو مع بار کفالت حاصل کرتا ہے اور تاوقتیکہ موصی نے بوقت رہن صریحاً ایسے الفاظ استعمال نہ کئے ہوں جن سے سابقہ وصیتی نے واضح تنسخ کی ہو گی۔ اگر ایک شخص ترکہ میں عمارت کو دے کر واپس لے تو یہ بمنزلہ تنسیخ نہ ہو گا لیکن اگر وہ مٹی کا پلاسٹر بڑے پیمانہ پر کرائے تو تنسیخ ہو گی۔ اگر آراضی کو ترکہ میں دے کر ترکاری کاشت کرائے تو یہ تنسیخ ہو گی۔ اگر وہ انگور کی بیل یا درخت لگائے تو بقول قاضی خان یہ میراث منسوخ ہو گی

شافعی اصول

اسی طرح شافعی اور مالکی قانون کے مطاق مختلف افعال جن سے کہ ایک وصیت بالواسطہ منسوخ ہوتی ہے وہ شئے متروکہ کا بیع اور ہبہ ہیں۔
شرائع میں شیعہ اصول بہ عبارت ذیل ہیں۔

شیعہ اصول

ایک وصیت موصی کا ایک عقد جائز ہے خواہ یہ ترکہ جائیداد ہو یا نامزدگی ولی۔

.ور یہ اس کے حین حیات بذریعہ الفاظ یا فعل جن سے وصیت نظر انداز کی ہو یا اس کی تردید ہو تو منسوخ ہو جاتی ہے۔ پس اگر کوئی شئے یا کسی دوسری اہمیت کے ذریعہ اس کو بیچ کرے یا یہ کہ موہوب لہٗ اس پر قبضہ پائے یا مکفول کرے تو ہر ایسا فعل بمنزلہ تنسیخ ہو گا۔ اسی طرح اگر وہ ایسے کام میں لے کہ جسے نام سے نہ پکارا جا سکے مثلاً اگر وہ غلہ ترکہ میں دے اس کا آٹا پسوائے یا آٹے کو ترکہ میں دے اس کی روٹیاں پکوائے تو یہ تنسیخ ترکہ ہو گی۔ مزید یہ کہ کوئی شخص تیل کی ایک مقدار ترکے میں دے اور بعد ازاں دوسری قسم کی ملاوٹ کر دے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانا نہ جا سکے تو بعینہ یہ بھی تنسیخ ترکہ ہو گی۔ اگر وہ روٹی ترکہ میں دے بعد میں اس کے ٹکڑے کرے تو اس سے تنسیخ نہ ہو گی۔

یہ قابل غور ہے کہ قانون شیعہ و سنی میں ان کی کتب ہائے فقہ میں اس بارے میں مختلف مثالیں ہیں۔ کون سچ ہے یا نہیں عام اصول یہ ہے کہ تنسیخ کا مدار نیت پر ہے جو مختلف افعال اور حالات سے ثابت ہے۔

موصی لہٗ کا قبول کرنا

جواز وصیت کے لیے اور مزید ایک شرط موصی لہٗ کا وصیت کو صریحاً یا تعبیراً قبول کرنا ہے۔ فقہ مالکی کے مطابق قبول ترکہ لازمی شرط ہے۔ اور حسب حنفی فقہا عدم قبول سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شیعہ قانون کے مطابق موصی لہٗ کے قبول کرنے سے ہی میراث اس میں تفویض ہوتی ہے مگر میراث کتنی مدت میں قبول کر لی جائے اس سلسلہ میں مذہب شیعہ اور دوسری فقہ حنفی میں اختلاف ہے۔

شیعہ اصول: موصی کے انتقال سے قبل قبول کرنا جائز ہے

شیعہ اصول کے مطابق قبل انتقال موصی وصیت کرنا جائز ہے مگر یہ موصی لہٗ کی صواب دید پر ہے۔ موصی لہٗ کے انتقال کے بعد مگر واقعہ موت کے بعد قدرے تاخیر ہو جائے تب بھی وصیت قبول کرنے پر قطعی ہو جاتا ہے۔ قبول کرنے سے پہلے منسوخ نہ کرے۔ اگر موصی کے حین حیات اس طرح کرتا ہو تو اس کی موت کے بعد بھی میراث قبول ہو سکتی ہے وجہ یہ کہ ایسی تنسیخ کا قانوناً کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بلا منظور کئے بعد موت تنسیخ کی ہے تو میراث منسوخ ہو جائے گی۔ بشرطیکہ موصی لہٗ قبول نہ کرتے ہوئے

اس پر قبضہ حاصل کرے۔اگر قبضہ نہ ہو اور میراث موصی کی موت پر موصی لہٗ کی پہلی اجازت پر منسوخ کردی گئی ہے تو بعض فقہا کے نزدیک منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک نہیں اور یہی رائے زیادہ مسلمہ ہے۔اگر منظوری اور قبضہ کے بعد میں اور مابعد میراث منسوخ کردی گئی ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منسوخی غیر موثر ہے۔اور میراث منسوخ نہیں ہوگی۔اس لئے کہ حق جائیداد موصی لہٗ میں پہلے سے ہی قائم ہو جاتا ہے۔

اگر موصی لہٗ کسی ترکے کا جز منسوخ اور بقیہ کو منظور کرے تو جزواً منظوری جائز ہوگی اور اسی حد تک اس کا حق رہے گا۔اگر موصی لہٗ منظور کرنے سے قبل انتقال کر جائے تو اس کے ورثا اس کی جگہ ترکہ کو قبول کریں گے۔

حنفی اصول

حنفی قانون کے مطابق انتقال موصی کے قبل منظوری بے اثر ہوتی ہے۔ترکہ صریحاً یا تعبیراً منظور کیا جا سکتا ہے اگر موصی لہٗ ترکے کو نا منظور کرنے سے قبل انتقال کر جائے تو اس کی موت سے بمنزلہ منظوری قیاس ہوگا۔اور اس کے ورثا بطور ورثا میراث پائیں گے۔دستاویزی وصیت اور بلا دستاویزی وصیت جانشین میں یہ فرق ہے کہ ایک وارث جائیداد موصی لہٗ بلا منظور کئے قبضہ حاصل کر لیتا ہے مگر ایک موصی لہٗ بلا منظور کئے قبضہ حاصل نہیں کر سکتا۔ترکہ کی منظوری موصی کے انتقال کے بعد ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر اس کی جنس منظور یا منسوخ کردی جائے تو یہ فعل باطل اور منسوخ کرنے والے کو موصی کے انتقال کے بعد ہی منسوخ کرنے کی آزادی ہے

ترکہ کا قانونی نتیجہ

ترکہ کا قانونی اثر یہ ہے کہ موصی لہٗ پر حق جائیداد اس طرح منتقل ہوگا جیسے کہ بصورت ہبہ۔اور ترکہ بطور منظوری اس میں تفویض ہوتا ہے تاکہ اگر وہ موصی کے انتقال کے بعد اسے منظور کر لے تو شئے متروکہ میں اس کی ملکیت قائم ہو جائے خواہ وہ اس پر قبضہ لے یا نہ لے اور اگر وہ ترکہ نا منظور کردے تو ترکہ منسوخ ہوگا۔اگر لوگوں کی جماعت کے لیے ترکہ مثلاً غربا یا عام مذہبی مستحق کے لیے ترکہ کیا جائے تو موصی لہٗ کی منظوری قیاس کی جائے گی۔

فصل سوم:۔ آراضیات، باغات، مکانات، تمسکات وغیرہ کی آمدنی کی بابت وصیت

جیسا کہ بتایا گیا واضحاً شرع میں بقائے دوام کی وصیت اہمیت یا تملیک ابتدا سے اخیر زندگی تک موثر رہتی ہے اور یہ ضروری اور لازمی نہیں ہے کہ یابندہ اشخاص موجود ہوں۔

پس کوئی بھی شخص جائز طور پر دوسرے کے لیے محدود مدت یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترکہ کر سکتا ہے اس میں آراضیات، باغات کا منافع یا کسی مکان میں حق سکونت یا اس کا کرایہ مویشی یا درختوں کا استعمال، تمسکات، حصص اور تجارتی کمپنیوں میں حصص کی آمدنی وغیرہ شامل ہیں اگر مدت ترکہ غیر معین ہے تو یہ دائماً نہیں سمجھی جائے گی ایسے ترکہ سے شئے متروکہ ورثا موصی میں حبس ہو جاتی ہے اور موصی لہٗ محض اس کے منافع پاتا ہے اس طرح جیسے کسی کے لیے وقف ہو۔

ترکہ خاص سال کے لیے ہو سکتا ہے۔ مثلاً سال ہجری ۱۲۶۰ اگر موصی کے بوقت انتقال سال پورا ہو گیا تو ترکہ باطل ہو گا۔ اگر سال کا محض حصہ ہی گزرا ہے تو غیر منقضی مدت کے لیے ترکہ نافذ رہے گا۔

اگر شئے متروکہ جائیداد موصی کا ⅓ہے، اس کی آمدنی موصی لہٗ کو حسب وصیت بغرضِ استعمال دی جائے گی۔ مثلاً اگر برائے ترکہ اس مکان میں حق رہائش حاصل ہو اور وہ ⅓میں آجائے تو موصی لہٗ کو یہ مکان بغرض سکونت دیا جائے گا۔

اگر موصی لہٗ کو ترکہ میں محض منافع اور کرایہ ہی دیا گیا ہے تو موصی لہٗ وہی پائے گا اور اسے حق سکونت حاصل نہ ہو گا اگر شئے متروکہ ایک ثلث سے زیادہ ہو جائے تو موصی لہٗ اس حصے کا منافع جو ایک ثلث میں شامل ہے پائے گا۔ اگر ترکہ ایسی جائیداد کے استعمال کے لیے ہے جو بلحاظ نوعیت ناقابل تقسیم ہے تو موصی لہٗ اس کا استعمال اور استفادہ ایک مدت کے لیے اور ورثا اس سے دو چند مدت کے لیے کر سکیں گے۔ فتاوائے عالمگیری میں غلام کی مثال سے اس اصول کی مکمل طور پر وضاحت ہوتی ہے اور اگر جائیداد کے ایک ثلث میں غلام نہیں آتا تو وہ باری باری موصی لہٗ کی خدمت ایک ہی اور ورثا کی دو دو بار کرے گا تاکہ ایک سال پورا ہو جائے۔ ایک سال پورا ہو جانے پر غلام

ورثا کو دیدینا چاہیے۔اگر ایک سال مختص ہو اور غلام جائیداد کے ایک ثلث میں ہو اور ورثا میراث پر رضامند ہوں تو اسے (غلام) ایک سال کے لیے موصی لہٗ کی خدمت کے لیے دیا جائے گا۔ بعد ازاں ورثا کو واپس کر دیا جائے گا اور اگر وہ جائیداد کے ایک ثلث میں نہیں آتا اور ورثا میراث پر آمادہ نہ ہوں تو غلام موصی لہٗ کی ایک رز اور ورثا کی دو روز حسب باری ۳ سال تک خدمت کرے گا۔ ۳ سال گزرنے پر ترکہ خدمت پورا ہو جائے گا۔اگر اس مدت میں موصی لہٗ کا انتقال ہو جائے تو غلام ورثا موصی پر عود کرے گا۔اور اگر موصی لہٗ کی حین حیات اس کا انتقال ہو جائے تو ترکہ باطل ہو گا۔

موصی لہٗ کا انتقال

اگر موصی لہٗ حسب ترکہ قبل انقضائے وقت معینہ انتقال ہو جائے تو شئے متروکہ ورثا موصی لہٗ میں عود کرے گا۔اور اگر موصی لہٗ کے حین حیات انتقال کر جائے تو ترکہ فوراً ساقط ہو گا۔ موصی کسی شئے کی آمدنی کسی بھی شخص کو اور اس کے عین کسی دوسرے کو ترکہ میں دے سکتا ہے اگر شئے متروکہ ایک ثلث سے کم ہو تو ہر موصی لہ مخصوص ترکہ کا مستحق ہو گا اور اگر ترکہ کی آمدنی معین ہے تو موصی لہ شئے متروکہ پر اپنی ذات تک قبضہ پانے کا مستحق ہے بعد ازاں وہ موصی لہ کے بشرط زیست منتقل ہو گا۔ورنہ موصی کے ورثا کو منتقل ہو گا۔

آمدنی کے ترکہ کی صورت میں طریقہ استفادہ

اگر ترکہ مکان کے کرایوں اور منافعوں کا ہو اور موصی لہٗ خود اس میں سکونت کا خوہشمند ہو تو وہ قانوناً ایسا نہیں کر سکتا۔اگر ترکہ کسی عمارت میں بغرض سکونت ہو اور اس کے علاوہ کوئی دیگر جائیداد نہ ہو تو موصی لہ عمارت کا ایک ثلث لے سکتا ہے ۲/۳ عمارت جو ورثا کے قبضہ میں ہے اسے فروخت کا حق نہ ہو گا اور نہ کسی مکان کی حق سکونت کا۔ موصی لہٗ اس کو کرایہ دینے کا مستحق ہے اور نہ موصی لہٗ اس غلام کو علاحدہ کر سکتا ہے جس کی خدمات موصی کے مقام سکونت سے دوسرے مقام پر ترکہ کی گئی ہو۔ بشرطیکہ موصی لہٗ اور اس کے اہل موخر الذکر جگہ نہ رہتے ہوں جہاں غلام ان کی خدمات کی غرض سے لے جایا جائے۔اس فیصلے کی دلیل یہ ہے کہ ترکہ حسب منشا موصی نافذ ہو گا

بشر طیکہ موصی لہٗ کے اہل موصی کے ساتھ ہی رہتے ہوں منشا یہ ہے کہ موصی لہٗ اس کی خدمات سے استفادہ کریں اگر موصی لہ کسی دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہو اس سے یہی قیاس ہوگا کہ موصی لہٗ کو غلام کی خدمات حاصل ہو سکیں۔

•اگر مکان کا حق سکونت کسی شخص کو بلا تعین مدت کیا جائے تو وہ لوگ جو حین حیات استفادہ کا مستحق ہے اور جب کہ اس کی آمدنی ترکہ میں دی گئی ہو اور وہ مکان ایک ثلث میں ہی آجاتا ہو۔اگر چہ اس سے آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہو تب بھی یہ جائز ہوگا۔اسی طرح کسی جائیداد کی آمدنی یا کسی کاروبار کی آمدنی باغ کی آمدنی کی یہی صورت ہے۔ جب کسی غلام کو موصی لہٗ کی خدمت کے لیے ترکہ میں دیا جائے تو تا وقتیکہ اس کی خدمت کی ضرورت نہ ہو، اگر موصی لہٗ بچہ ہے تو یہ خدمت جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے ہوتی رہے گی۔اور اگر وہ بالغ اور غریب ہے تو یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ اپنے خدمت کے لیے غلام نہ خرید سکے لیکن اگر وہ بالغ اور دولت مند ہے تو یہ میراث باطل ہے۔

اگر ایک شخص کاروبار کی یا مکان کی ایک سال کی آمدنی کسی دوسرے کو ایک سال کے لیے دے اور اس کے پاس سوائے اس کاروبار یا مکان کے اور کوئی جائیداد یا مکان نہ ہو تو موصی لہٗ کو ایک سال کی آمدنی کا ۱/۳ پائے گا۔وجہ یہ کہ آمدنی بھی مثل جائیداد کے قابل تقسیم ہے مگر موصی لہٗ ورثا سے مکان کی تقسیم کے لیے اس طرح نہیں کہہ سکتا کہ وہ خود اپنے حصہ کے کرایہ کی رقم ۱/۳ وصول کرے۔

اگر ترکہ موصی لہٗ کے باپ کی پیدا شدہ آمدنی کا ہے تو موصی لہٗ حال اور مستقبل کی آمدنی کا مستحق ہے۔اگر ترکہ دائمی باغ کے پھلوں کا ہے تو موصی لہٗ موت تک مستحق ہے اگر لفظ ''ابدا'' استعمال نہیں ہوا ہے اور موصی کے موت کے دن باغ میں پھل ہیں تو موصی لہٗ مالیت کے ایک ثلث کا مستحق ہے۔مگر مستقبل کے پھلوں کا مستحق نہیں ہے۔قیاس یہی ہے کہ موصی لہٗ کا ایک ہی سال کی فصل کے ترکہ کا تھا لیکن اگر بروز انتقال موصی کے باغ میں پھل نہ ہوں تو ترکہ محض ان پھلوں کی فصل پر نافذ ہوگا جو موصی کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے اور موصی لہٗ کے انتقال سے پہلے پیدا ہوئے اگر کسی ایسی شئے کا ترکہ ہے جو کسی شئے پر اضافہ مزید ہے تو مختص اضافہ موصی کی موت پر موصی لہٗ کو دیا جائے گا خواہ الفاظ کا منشا ہمیشہ کے لیے ہو یہ کرائے یا منافع کے معیار سے مختلف ہے۔

اگر میراث کسی مکان کی آمدنی کا ۳/۱ ہے تو ابو یوسف کے مطابق ورثا مکان کا تقاسمہ کر کے موصی لہٗ کو ایک ثلث دے سکتے ہیں اگر ۳/۱ سے کچھ زیادہ آمدنی ہو تو وہ موصی لہٗ پائے گا۔ اگر آمدنی نہ ہو تو اسے کچھ بھی نہ دے گا ورثا بھی اسے اپنا ۳/۲ حصہ فروخت کر سکتے ہیں خواہ یہ تقاسمہ سے قبل ہو یا بعد۔

اگر ترکہ کسی قطعہ آراضی کی آمدنی کا ہو جس پر نہ کوئی درخت ہو نہ اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد ہو تو، زمین کرایہ پر دے کر اور موصی لہٗ کرایہ کا ایک ثلث پائے گا اگر زمین اگر زمین پر کھجور یا اور کوئی درخت ہوں تو آمدنی کا ۳/۱ دیا جائے گا اور زمین مضاربت پر نہ دی جائے گی۔

جب کہ ترکہ کسی باغ کی آمدنی کا ہو تو موصی لہٗ ورثا موصی سے باغ خرید سکتا ہے مگر اس صورت میں میراث منسوخ ہو گی۔ اسی طرح اگر ورثا کسی اور طرح سے مطمئن کر دیں تو وہ آمدنی کا ایک ثلث دے کر زمین بے باق کر سکتا ہے۔ اسی طرح سکونت مکان یا خدمات غلام کے بارے میں جائز طور پر ترمیم ہو سکتی ہے اگرچہ ان حقوق کی بیع ناجائز ہے۔

ایک مکان کی آمدنی یا تمسکات یا حصص کی آمدنی یا کاروبار کی آمدنی کا ترکہ عام طور پر غربا کے جائز ہے لیکن غربا کو مکان میں حق سکونت کا ترکہ ناجائز ہے۔ تاوقتیکہ ان کے حق میں مختص نہ کر دیا جائے۔

جب کسی اصل شئے اور اس کی ملحقہ شئے علی الترتیب دو شخصوں کو ایک ہی وصیت میں دی جائیں تو موصی لہٗ مختص میراث پائے گا۔ مثلاً اگر موصی یہ کہے کہ "میں ایک انگوٹھی فلاں فلاں کو اور نگینہ فلاں فلاں کو دیتا ہوں۔" لیکن جب یہ اعلانات دوسروں سے الگ ہوں مگر نتیجہ ایک ہی ہو تو ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اصل شئے کا موصی لہٗ مختص طور پر اس کا مستحق ہے اور دیگر ہر دو موصی لہٗ ملحقات میں حصہ دار ہیں۔

درج ذیل اس لئے اہم ہے کہ ایک ہی شئے کی ہر دو میراث ہا جو ایک دوسرے سے پیدا ہوں انہیں کس طرح نافذ کیا جائے۔

اگر ایک شخص ترکہ دے کر کہے کہ یہ غلام فلاں کو اور اس کی خدمات دوسرے کو یہ عمارت فلاں کو، اور حق رہائش دوسرے کو یا یہ بھیڑ فلاں کو اور اون دوسرے کو تو ہر

دو اشخاص مختلف ہیں اور ہر موصی لہٗ جو کچھ اسے ترکہ میں دیا گیا ہے وہ پائے گا۔

ذیلی ترکے

اس بارے میں خواہ ترکہ منفرداً جائیں یا مشترکاً کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔
اگر ان صورتوں میں ابتداءً ذیلی ترکوں سے ہو اور اصلی ترکہ بعد میں ہو مثلاً اگر غلام کی خدمات پہلے کسی شخص کو ترکہ میں دی جائیں اور بعد میں غلام دوسرے کو دیا جائے یا کسی مکان کا حق رہائش ایک شخص کو دیا جائے اور مکان کسی دوسرے کو یا پھل ایک کو اور درخت دوسرے کو۔ یہ اسی وقت ہو گا جب ترکہ ایک دوسرے کے تعلق سے دیئے جائیں یعنی ہر موصی لہٗ اسی ترکہ کا مستحق ہو گا جو خاص طور پر جو اس سے منسوب کیا جائے اس لئے کہ اگر ان کو علیحدہ علیحدہ ظاہر کیا جائے تو اصل شئے کا موصی لہٗ تنہا اس شئے کا مستحق ہو گا۔ اور اس کی متعلقہ ذیلی سے دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ اور اگر عمارت ایک شخص کو ترکہ میں دی گئی ہے اور اس کا مخصوص حصہ دوسرے کو تو وہ حصہ بقدر نصف نصف دونوں کو ملے گا۔ اس طرح اگر ایک ہزار درہم ایک شخص کو ترکہ میں دے گئے ہوں اور سو دوسرے کو تو ایک ہزار پانے والا موصی لہٗ تو سو کا مستحق ہو گا اور سو انمیں مساویانہ تقسیم ہوں گے۔ اسبارے میں اختلاف رائے ہے۔
اگر کسی مویشی کے بچہ کے استعمال کا ترکہ ہو مگر وہ نا قابل استعمال ہو تو وہ شخص جس کو اصل شئے تفویض کی جائے پرورش کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اگر کسی شئے کو کھجور کے درختوں کی آمدنی ہمیشہ کے لیے ترکہ میں دی جائی اور اس وقت تک وہ درخت جو تیار نہ ہو وہ دوسروں کو دے جائیں تو مؤخر الذکر ان درختوں کی پرورش اور ان میں پانی کے صرفہ کا اس وقت تک ذمے دار ہو گا جب تک وہ تیار نہ ہوں اور ان میں پھل نہ آجائیں بعد ازاں اول الذکر کی ذمہ داری ہو گی اگر عام طور پر ان میں پھل آنے لگیں خواہ وہ بعد میں جھڑ جائیں اور ان سے کوئی پیداوار نہ ہو تو پائندۂ آمدنی اس طرح صرفہ کا ذمہ دار ہو گا جس طرح کہ موصی لہٗ ان کی پرورش کا ذمے دار ہے۔ یہ رات دن خدمت کرے گا خواہ غلام رات کو سوئے اور رات میں کوئی کام نہ کرے۔ اگر کسی شخص کو دو سو درہم باغ کی آمدنی سے ترکہ دے جائیں اور باغ میں کچھ زیادہ پیداوار ہو کبھی کم تو موصی لہٗ آمدنی کا

ایک ثلث تصرف میں لا سکتا ہے یا ہر سال علیحدہ رکھ کر اس میں سے بیس درہم حین حیات گذارہ کے لیے کام میں لے گا۔اسی طرح ایک شخص یہ اعلان کرے کہ موصی لہٗ کی جائیداد سے معینہ رقم گزارہ کے لیے پارہا ہے تو وہ رقم خواہ کتنی ہی کم ہو تو تب بھی اس جائیداد کی آمدنی سے رقم اسے ملے گی یا علیحدہ کی جائے گی تاکہ حسب ہدایت موصی لہ اپنی بسر اوقات کے لیے ہر ماہ وظیفہ لے لیا کرے۔

سالانہ رقم کے قواعد

اگر کوئی موصی جائیداد کا ایک ثلث کسی شخص کو ترکہ کرے اور پانچ درہم ماہانہ دوسرے کو حین حیات گذارہ کے لیے اور پانچ درہم ماہانہ تیسرے کے لیے حین حیات اس کے گذارہ کے لیے ترکہ کرے اور ان تمام میراث ہا پر ورثا رضامند ہو جائیں تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ جائیداد دو حصوں میں تقسیم ہو گی۔ان میں سے ایک ایک ثلث والے موصی لہٗ کو اور بقیہ دوسرے موصی لہم کو ہر ایک کو چار حصے مگر صاحبین کے نزدیک جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہو گی۔ان میں سے ایک تو ایک ثلث پانے والے موصی لہٗ کو اور بقیہ چھ دوسرے موصی لہم ہر ایک کو ۳ کے حساب سے مگر یہ اصول اس صورت میں نافذ ہو گا جہاں ورثا میراث ہا پر رضامند ہو جائیں فرض کرو اگر رضامند نہ ہوں تو ایسی صورت میں تقاسمہ ابو یوسف اور محمد کے مطابق پہلے کی طرح سات حصوں میں ہو گا لیکن ابو حنیفہ کے مطابق اس کو اس طرح سے طے کیا جائے گا گویا تمام موصی لہٗ تیسرے حصے کے مساویانہ مستحق تھے۔ چونکہ بعد میں تین حصوں میں تقسیم ہونے والا تھا اس صورت میں کہ دونوں سالانہ وظیفہ خواروں کا رقم کے ختم ہونے سے پہلے انتقال ہو جائے تو فاضل رقم پہلے موصی لہ پر غور کرے گی۔اگر ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو فاضل رقم تقسیم کر دی جائے گی اور ایک حصہ تیسرے موصی لہٗ کو اور بقیہ پس ماندہ ابو حنیفہ کے مطابق محفوظ کر دی جائے گی مگر صاحبین کے مطابق ایک ثلث کے موصی لہٗ کو ۱/۴ حصہ دیا جائے گا اور ۳/۴ پس ماندہ کے لیے محفوظ ہو گا۔صاحبین کی رائے بطور فتویٰ تسلیم کی گئی ہے۔

اگر موصی لہٗ A کو حین حیات گذارہ کے لیے پانچ درہم ماہانہ ترکہ میں دے تو

دس درہم ماہانہ B اور C کے حین حیات ان کے گذارہ کے لیے تو خواہ وہ مشترکہ ہوں یا علیحدہ۔ اگر ورثا اس پر آمادہ ہو جائیں تو جائیداد مساویانہ حصوں میں تقسیم ہو گی۔ نصف A کے لیے مخصوص ہو گی اور دوسری نصف B اور C کے لیے وجہ یہ کہ A تمام کا موصی لہٗ سمجھا گیا ہے اور B C مجموعاً تمام کے ایک ہی موصی لہٗ سمجھے گئے ہیں پس کل جائیداد تمام آرا کے مطابق حسب جملہ اسناد نصف نصف تقسیم ہو گی۔ اگر A کا انتقال ہو جائے تو ترکہ B اور C کے لیے مختص ہو گا اور ماہانہ جو ان کی بسر اوقات پر صرف ہو گا اور ان میں سے کسی کا A کے قبل انتقال ہو جائے تو جو حصہ ان کے لیے مجموعی طور پر علاحدہ رکھا گیا ہے تو ان کے پس ماندہ شریک موصی لہٗ پر صرف ہو گا اور ۵ درہم مؤخر الذکر کے گذارہ کے لیے دئے جائیں گے۔

اگر ان میراث ہاپر ورثار ضامند نہ ہوں تو جائیداد کا ایک ثلث بہ اتفاق رائے نصف نصف میں تقسیم ہو گا اور ایک ثلث A کو ملے اور دوسرا ثلث B اور C کو ملے گا۔ اگر ایک شخص ایک ثلث جائیداد سے چار درہم ماہانہ A کو حین حیات گذارہ کے لیے ترکہ میں دے اور دس درہم ماہانہ B اور C کو ان کے حین حیات دے اور ورثا پر دو ہی میراث ہاپر رضامند ہو جائیں تو جائیداد کا ایک ثلث A کو ملے گا اور دوسرا ثلث مشترکاً B اور C کو ملے گا۔ اور A کے انتقال پر تیسرا حصہ اس کے لیے علیحدہ کر دیا جائے گا یا غیر صرف شدہ موصی لہٗ کے ورثا پر عود کرے گا۔ B اور C میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو جو کچھ بچے وہ شریک موصی لہٗ کے لیے مختص ہو گا۔ اور دوسرے کے انتقال پر اور اس میں جو بھی بچے وہ ورثا پر عود کرے گا۔ اگر ورثا میراث ہاپر رضامند نہ ہوں تو ایک ثلث نصف نصف تقسیم ہو گا اور نصف کے لیے A اور دوسرا نصف B اور C کے لیے مختص ہو گا۔

محمد کے مطابق جب کوئی ترکہ بہ عبارت ذیل ہو۔

"میں اپنی جائیداد کا ایک ثلث بطور ترکہ زید کے لیے محفوظ کرتا ہوں تاکہ وہ ہر ماہ چار درہم تاحین حیات اپنے گذارے کے لیے رکھے اور ۳/۲ زید، بکر، عمر کو ترکے میں دیتا ہوں تاکہ وہ ہر ماہ دس درہم سے تازندگی گزر اوقات کرتے رہیں۔ اور اگر ورثا رضامند ہوں تو جائیداد کا ایک ثلث بطور اس کے حق کامل کے دیا جائے گا۔ اور ۳/۲ ہر دو پر موصی لہٗ کو اسی طرح دیا جائے گا جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا

حصہ ورثا کو ملے گا۔ لیکن اگر ورثا میراث ہاپر رضامند نہ ہوں تو جائیداد پہلے موصی لۂ کو تیسرے کا نصف اور دوسرے موصی لۂ کو دوسرا نصف ملے گا۔ اسی طرح اگر یہ عبارت ذیل ترکہ دیا جائے۔ ”میں ترکہ خود سے ایک ثلث زید کو بطور گزارہ ترکہ میں دیتا ہوں اور بکر عمر کو بھی ترکہ دیتاہوں تاکہ ان درہم ماہانہ سے وہ اپنا گزراہ کریں ۔اگر ورثا ان میراث ہاپر رضامند ہوں تو اول الذکر موصی لۂ تمام جائیداد کا نصف اور دوسرے موصی لہم تیسرے حصہ مساویانہ بطور حق قطعی کے لیں گے۔اگر ورثا میراث ہاپر رضامند نہ ہوں تو زید کو تیسرے حصے میں سے نصف اور بکر عمران میں سے نصف نصف پائیں گے۔اور ان میں سے جس کا انتقال بھی ہو جائے اس کا حصہ اس کے ورثا پائیں گے۔

شیعہ اصول

شیعہ قانون کے مطابق اگر ایک شخص باغ کے پھل سکونتی مکان آمدنی کاروبار۔ منافع پذیر شئے ہمیشہ یا وقت مقررہ کے لیے ترکہ کرے تو اس کے پیدا ہونے والے فائدہ کی قیمت کا تخمینہ کرانا چاہیے ۔اور اگر جائیداد موصی لۂ سے ۱/۳ سے زیادہ ہے تو موصی ایک ثلث کے تخمینہ کے مطابق پائے گا اور اس سے زائد کی میراث باطل ہوگی۔

اگر ایک شخص مدت معینہ کے لیے حق رہائش ایک شخص کو کسی ترکہ میں دے تو اس کے قیام ونگہ داشت کا ترکہ ورثا پر ہوگا کہ یہ ایک لازمی قرض ہے یا ملکیت مکان پر منحصر ہے۔ اور موصی لۂ کو علاوہ سکونت اور کوئی حق نہیں ہے۔ دیگر حقوق ملکیت مثل بیع ورہن ورثا متوفی سے متعلق ہیں لیکن موصی کے حقوق میں سے کوئی حق جائز قرار نہ ہوگا۔

زبانی وصیت وصایا جائز ہیں

تمام مذاہب کے مطابق زبانی وصیت جائز ہے اگر وصایا یا ترکے جو ہونا چاہئیں اگر دو متدین مسلمان دستیاب نہ ہوں تو ذمی اور غیر مسلموں کی شہادت کافی ہے۔اگر محض جائیداد کا مسئلہ ہو تو ایک گواہ کی حلفیہ شہادت یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ واحد عورت کی بھی شہادت لی جاسکتی ہے ۔اور اس شہادت سے موصی لۂ کا چوتھائی حصہ جس کی تصدیق کی ہے، ثابت سمجھا جائے گا ۔دو عورتوں کی شہادت سے نصف، تین عورتوں کی شہادت سے ۳/۴ اور چار کی شہادت سے پورا ترکہ ثابت سمجھا جائے گا۔ لیکن

وصیان یا ولیوں کا تقرر بذریعہ وصیت محض دو مرد گواہان سے ثابت سمجھا جائے گا۔ اور اس صورت میں عورت کی شہادت نہ ہو گی۔ اور اسی قیاس پر ایک مرد کی حلفیہ شہادت بھی قبول نہ ہو گی اور یہ اصول متعلق ضابطہ کار ہیں اور انہیں اصل قانون سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک وصی کی شہادت اس کے نہ اس کے فرائض کے بارے میں اس شے کے متعلق جس سے وہ اپنے لئے یا اپنے منصف کے لیے کوئی منافع حاصل کرے قائم ہو گی۔ اور اگر موصی کی جائیداد کا حصہ مختص کے خرچ کے لیے اسے وصی مقرر کیا جائے اس کی شہادت متوفی کے اس امر کی بابت کہ اس کی جائیداد اس کی تمام جائیداد ۱/۳ سے زیادہ نہیں ہے قبول نہ ہو گی۔ اسلامی ممالک میں اگر وصیت گواہان کے سامنے کی جائے تو عام قاعدہ کے مطابق گواہان وصیت نامہ پر تصدیق جہری کرتے ہیں۔ ذیل میں ایک وصیت کی تصدیق جہری کی نقل ہے جو الجریا میں کی گئی تھی۔

"ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ اقرار کرتے ہیں کہ جب صالح ابن رفع نے یہ کہا کہ ہم موجود تھے۔ آپ کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں نے زید کو اپنے مملوکہ ترکہ کا ایک ثلث ترکہ میں دیا۔ بقیہ میرے وارثان کا ہو گا"۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک ترکہ کسی بھی عبارت یا علامت میں جس سے میت موصی کی نشاندہی ہو سکے جائز ہے۔ ہندوستان میں وصایا بالعموم تحریری ہوتی ہیں جن پر گواہان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کو وصیت نامے کہتے ہیں۔

باب ۲۵۔ وصی

فصل اول:۔ وصی کس کو مقرر کیا جاسکتا ہے؟

موصی کو اختیار ہے کہ اپنی آخری خواہشات کی تکمیل جس کو چاہے سپرد کرے لیکن وہ بعض شرائط کے تابع ہونا چاہئے جن پر ابھی توجہ دلاؤں گا۔ اور قرض وصی خواہ مرد ہو یا عورت خواہ غیر رشتہ دار کسی کو بھی تفویض ہو سکتا ہے۔ خواہ ایک انتقال وصیتی ناجائز ہو وصی کا تقرر جہاں تک نابالغ بچوں اور ان کی تعلیم کا تعلق ہے۔ جائز ہوگا۔ ایک وصی کی تمام خواہشات موصی پر جو قانوناً جائز ہیں نہایت وفاداری سے عمل پیرا ہوگا جو قانوناً اس کے تمام بچوں کے مفاد کی نگرانی اور انتظام جائیداد واثاثہ کا بھی منتظم ہوگا۔

یہ تقرر کسی عام طور پر یا کسی مقصد کے تحت ہو سکتا ہے اگر ایک شخص کسی صابی نابالغ یا غلام کو دوسرے کسی غیرمسلم یا فاسق کا وصی مقرر کرے تو قاضی اس کی تکمیل کے لیے دوسرے کے تقرر کا مجاز ہے۔ لفظ بدل کا منشا جواز وصیت ہے۔ اور کوئی بھی فعل ہو انہوں نے قبل علاحدگی کیا ہو جائز ہے۔ اور یہی سراجیہ میں ہے۔ اور اگر بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا غیر مسلم اسلام قبول کرلے یا فاسق تائب ہو جائے تو قاضی کو اسے علاحدہ نہیں کرنا چاہئے جیسے کہ کسی نابالغ کو متولی وقف مقرر کرنے کی صورت میں ہے جو بطور استحسان جائز ہے۔ اسی لئے کہ اس کی وجہ علیحدگی سوائے اس صورت میں جب کہ وصی خیانت کا مرتکب ہو ختم ہو چکی۔

ایک نابالغ وصی

فتاوائے عالمگیری میں یہ اصول اس طرح ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نابالغ یا فاترالعقل کو خواہ دائمًا یا دوران وقفہ ہائے صحت وصی مقرر کرے تو یہ جائز ہے۔ اگر کسی عورت یا شخص نابینا کو یہ فرض تفویض کرے۔ یا اسی طرح جس پر بہتان کے لیے حد لگائی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔ جب کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا جائے تو قاضی کو اسے علیحدہ کر کے دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے خساف کی یہی رائے ہے۔

اگر نابالغ وصی مقرر کیاجائے تو قاضی کو اسے علیحدہ کر کے دوسرے کو مقرر کرنا چاہیئے۔ فقہا کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نابالغ کا کوئی فعل اسے قاضی سے علیحدہ کرتے ہیں بطور ذمی یا غلام نافذ ہو گا۔ بعض کی رائے میں یہ نافذ ہونا چاہیئے مگر بعض کی رائے میں یہ نہ ہونا چاہیئے۔

پس ظاہر ہے کہ وصی نابالغ کے سن بلوغ سے قبل کے افعال کے جواز کے بارے میں درالمختار اور فتاوائے عالمگیری میں نمایاں اختلاف رائے ہے۔ موخر الذکر نے شرح وہبانیہکے نظریہ کو اختیار کیا ہے۔اس کے مطابق اگر کوئی شخص کسی نابالغ یا غلام کو وصی مقرر کرے تو قاضی کو اسے علاحدہ کر دینا چاہیئے ۔اس لئے کہ ایک نابالغ قانونی معاہدہ کا اہل نہیں ہوتا اس بارے میں تمام فقہا میں اختلاف ہے کہ نابالغ کا فعل موثر ہو گایا نہیں بعض کے نزدیک موثر ہے بعض کے نزیک نہیں اور یہی صحیح ہے مصنف درالمختار کی رائے اور مؤخر الذکر کے مطابق ہے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ آیا ایسا شخص جو اپنی حیثیت ذمی (ذمی یا غلام) یانابالغ ہونے کی وجہ سے معذور ہو، وصی کا فرض انجام دے سکے گا اور اگر علاحدگی سے قبل کی معذوری ختم ہو جائے تو وہ جائز طور پر اس منصب پر رہے گایا نہیں۔ فتاوائے عالمگیری کاجواب اثبات میں ہے۔ بالالفاظ دیگر ایک ذمی ایک مسلمان ہونے پر یا غلام آزاد ہونے پر اس منصب پر رہ سکتا ہے۔ نابالغ کی صورت میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے۔ اولذکر کے قول کے مطابق ایک نابالغ وصی نہیں ہو سکتا ہے مگر ابو یوسف کی رائے میں وہ وصی نہیں ہوتا اور ابو محمد ان سے متفق الرائے ہیں اور فقیہ ابو القاسم کی بھی یہی رائے ہے۔

ایک نابالغ گو وہ جائز طور پر وصی مقرر نہیں ہو سکتا مگر اس منصب کی ادائیگی کے لیے کسی بالغ کے ساتھ شریک کار پا سکتا ہے لیکن تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو انتظام جائیداد میں مخل نہیں ہو سکتا۔

مشترک وصیان جن میں سے ایک نابالغ ہے

اگر دو اشخاص وصی مقرر ہوں ان میں ایک نابالغ ہو اور دوسرا بالغ۔ بالغ وصی تاوقتیکہ نابالغ وصی بالغ نہ ہو تو تنہا کام کر سکتا ہے۔ لیکن بالغ ہونے پر بالغ وصی تنہا کام نہ

کرے گا۔ اگر بالغ کا انتقال ہو جائے یا بالغ ہونے پر وہ فاتر العقل ثابت ہو تو دوسرا تنہا کام کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں قاضی اس کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی مقرر نہیں کر سکتا بصورت یہ کہ متوفی کا مقرر کیا ہوا وصی پہلے سے ہی موجود ہے۔ مزید یہ کہ بالغ وصی نے جو بھی کاروائی دوسرے موصی کے زمانہ نابالغی میں کیا ہو وہ اسے مؤخر الذکر بالغ ہونے پر تاوقتیکہ وہ وصیت اور ترکہ کی نوعیت مقصد کے خلاف نہ ہو منسوخ نہیں کر سکتا۔

ایک غیر مسلم وصی مقرر نہیں ہو سکتا

ایک وہ وصی جس کا تقرر موصی کی بچوں کی تعلیم و مفاد کی حفاظت اور موصی کی آخری خواہشات کی تکمیل کے لیے کیا جائے۔ وہ شرعاً ایسا وصی غیر ملحد ہو گا۔ تمام مذاہب کے مطابق ایک حربی غیر مسلم جو دشمن ملک کا رہنے والا ہو خواہ وہ غیر مسلم مستعین ہو یا نہیں وصی مقرر نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا تقرر ہو بھی تو اس کو قاضی لازماً منسوخ کر دے گا۔ ایک ذمی غیر مسلم رعایا سے تقرر وصی اس سے مختلف سطح پر ہے۔ اور قاضی تقرر منسوخ کر سکتا ہے۔ پس ایک غیر مسلم کا ابتدا سے ہی تقرر باطل اور ذمی کا تقرر جائز ہے۔ بشرطیکہ قاضی اسے منسوخ نہ کر دے افسران قانون کا یہی نظریہ تھا۔ جس کی بنا پر صدر کورٹ نے ۱۸۲۰ء میں دو مقدمات میں فیصلہ صادر کیا۔

محمد امین الدین وغیرہ بنام محمد کبیر الدین

بمقدمہ امین الدین وغیرہ بنام کبیر الدین (پہلا مقدمہ) ایک مسلمان عورت نے اپنی تمام جائیداد ایک غیر کو ترکہ میں دے کر اپنی وصیت کا ایک ہندو کو وصی مقرر کیا۔ صدر کورٹ کے ججوں نے قاضی القضاۃ سے استصواب پر یہ طے کیا (A) اگر موصیہ کے کوئی ورثا نہ تھے تو وہ اپنی تمام جائیداد کو ترکہ کے لیے آزاد تھی۔ (B) اگر اس کے ورثا تھے تو ایک ثلث سے زیادہ کا ترکہ اس کے ورثا کی رضامندی پر منحصر تھا۔ (c) اگرچہ کسی مسلمان کی وصیت کا وصی علاوہ مسلمان کسی اور کو مقرر کرنا جائز ہے تاہم قاضی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو وصی سے علاحدہ کر دے۔ وجہ یہ کہ اگرچہ ایسا تقرر مکمل طور پر صحیح نہیں ہے تاہم قانوناً جائز ہو سکتا ہے اس لئے اس کے سرکاری افعال تاوقتیکہ قاضی اس کو بے دخل نہ کر دے جائز نہیں۔ یہ تقرر اگرچہ جواز وصیت پر موثر نہیں ہوتا اس

مدات تک موصی لہٗ کے حق سے تعلق ہے۔

ہنری جرلاک وغیرہ بنام مسماۃ ظہور النسا خانم

دوسرا مقدمہ ہنری جرلاک وغیرہ بنام مسماۃ ظہور النسا خانم میں اسی حکم کی توثیق کی گئی ہے۔ قاضی کو اس اندیشہ کی بنیاد پر اختیار تفویض کیا گیا ہے کہ ایک غیرمسلم وصی بچوں کے مذہب میں خلل انداز نہ ہو مگر سماج کے حالات موجودہ کی بنیاد پر یہ دلیل قوی نہیں ہے اور اسی لئے اگر کوئی موصی کسی غیرمسلم کو صریحاً اپنا وصی مقرر کرے تو قاضی کا اسے علیحدہ کر کے اس کے بجائے مسلمان کو مقرر کرنا جائز ہے۔ تاوقتیکہ وصی اپنے وارث کے مذہب میں تحریف کرے یا ان کو نامناسب تعلیم دے یا موصی کے ہدایت کے خلاف کام کرے۔ ایسی صورت میں جج اسے علاحدہ کرنے کے لیے مجبور ہو جائے گا۔ یا اس وصیت نامہ مصدقہ کو منسوخ کر دے گا تاوقتیکہ وہ اس طرح علاحدہ نہ کیا جائے خواہ اس طرز عمل یا کسی مصلحت کی بنا پر اس کا تقرر جائز ہے اور اس کا انتظام قابل نفاذ ہے۔ ایک مسلمان شوہر جس کی شادی کسی کتابیہ عورت سے ہوئی ہو اسے جائز طور پر موصیہ اور بچوں کی ولیہ مقرر کر سکتا ہے۔

ایک غیرمسلم وصی کا تقرر جب تک قاضی منسوخ نہ کر دے جائز ہے اور اس وقت تک وہ موصی کے بچوں کا جائز ولی رہے گا۔ لیکن موصی یا قاضی کسی غیرمسلم کو ایک مسلمان کے بچوں کا ولی مقرر نہ کرے گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک وصی اختلاف مذہب یا نابالغی یا معذوری کی بنا پر جب تک وہ مسلمان آزاد یا بالغ نہ ہو یا دو کاموں میں ضروری قابلیت حاصل نہ کرے وہ بطور وصی تاوقتیکہ اسے علیحدہ نہ کیا جائے، کام کرے گا۔ لیکن اگر نابالغ وصی اور ایک غیرمسلم اور غلام وصی کے افعال میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مؤخر الذکر کے افعال جائز ہیں اور اول الذکر کے قطعاً ناجائز۔

کسی غیرمسلم کے حسب وصیت مسلمان وصی کا مقرر ہونے سے وصیت ناجائز نہیں ہوتی۔ ایسے وصی کے تمام افعال جائیداد کے متعلق اس کے تابع وصیت تمام معاملات تاوقتیکہ وہ علاحدہ نہ کیا جاوے اور عدالت ہادیوانی سے علاحدہ نہ ہو صحیح اور جائز ہیں۔

جب قاضی کو معلوم ہو کہ موصی کا تقرر کردہ وصی کمزور اور نااہل ہے تو اسے دوسرا منتظم وصی کے ساتھ یا اس کی مدد کے لیے مقرر کرنا چاہیے۔ یا اگر نااہلیت مستقل ہو تو اس کے بجائے وہ کسی دوسرے شخص کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اور یہ علاحدگی منصب کے لیے مساوی ہوگا۔ اگر وہ ذمہ داری جو موصی پر عائد کی گئی ہے اس کی ادائیگی کے نااہل ہے تو جج کو چاہیے کہ اس کی عرضداشت بلا تحقیق واقعہ منظور نہ کرے۔ اگر واقعی نااہل معلوم ہو تو اس کے بجائے جج دوسرے کو مقرر کر دینا چاہیے۔ بعض فقہا کی رائے میں اگر قاضی مقرر کردہ وصی کو جو انجام دہی فرائض میں اہل ہے علاحدہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا مجاز ہے خواہ یہ قاضی نے ناجائز طور پر کیا ہو اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔

اشباہ میں ہے کہ اس مسئلہ پر مقننین میں اختلاف رائے ہے۔ ان میں سے بہت سے شرحِ وہبانیہ کے مطابق قاضی کے حکم کو موثر سمجھتے ہیں مگر فصولین کے مطابق ایسی علاحدگی ناجائز نہ سمجھنا چاہیے اگرچہ جج کے لیے لازم ہے کہ وہ ناقابل اعتماد اور بے کار رد کو علاحدہ کردے مصنف مزید رقمطراز ہے جامع الفصولین کی ستائیسوں دفعہ کے مطابق جب متوفی کا مقرر کردہ وصی دیانت دار ہو تو قاضی کا اسے علاحدہ کرنا مناسب ہے۔ اور بہت سے حنفیان کی رائے ہے کہ وہ علاحدہ نہیں کر سکتا میری رائے میں یہ صحیح ہے اس لئے کہ موصی اپنے معاملے میں جج سے زیادہ خاص ہے۔ اور اس کی رائے کے مطابق فتویٰ ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ آج کل کے قاضی بنائے تنازعات ہیں یہ سب موصی کے مقرر کردہ ہو وصی سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ قاضی اپنے مقرر کردہ نظم کو کسی بھی وقت جب مناسب سمجھے علیحدہ کر سکتا ہے۔ اگر وصی ایک شخص امین (قابل اعتماد ہے) اور جائیداد کے معاملہ میں اہل ہے تو قاضی کو اسے منصب سے اس لئے علاحدہ نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر ورثا قاضی سے وصی کی شکایت کریں تب بھی اس کو علیحدہ نہ کرنا چاہیے شکایت ثابت ہونے پر علاحدہ کر دینا چاہیے۔

شیعہ قانون کے اصول

ایک وصی کی اہلیت ضروری کے بارے میں اصول مماثل ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ وصی صاحب ادراک اور مسلمان ہو۔ بعض فقہا کے نزدیک وہ عادل بھی ہونا

چاہئے اس لئے کہ فاسق نا قابل اعتماد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بعض فقہا اس شرط کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک تمام مسلمان قابل اعتماد ہیں۔ اور نیز اس لئے کہ وصی کا تقرر موصی نے کیا ہے۔ قاضی ایسے وصی علیحدہ کرنے کا پابند ہے جو اگرچہ بر وقت تقرر قابل اعتماد تھا مگر بعد انتقال اس کے برعکس ثابت ہوا اور ایسی صورت میں اس کا تقرر منسوخ کر دینا چاہئے اس لئے کہ موصی نے اس کی دیانت داری پر اعتماد کیا اگر وہ بھی حیات ہوتا تو خود ہی اعتماد کی غلطی محسوس کر کے اسے واپس لے لیتا۔

کسی دوسرے غلام کو بلا اس کے آقا کی اجازت کے وصی مقرر کرنا جائز نہیں ہے البتہ ایک شخص خواہ اپنے غلام کو نابالغ بچوں کا وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر وہ بالغ ہوں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وصی دائماً فاتر العقل ہو تو اس کے بجائے قاضی دوسرے شخص کو مقرر کر دے۔ اگر ایسا تقرر کر دیا جائے اور وصی کے حواس صحیح ہو جائیں تو وہ اپنی جگہ قائم رہے گا۔

فصل دوم:۔ وصیوں کا تقرر کس طرح کیا جائے

اصطلاح میں Executor کو وصی کہتے ہیں اور اس کی تعریف لفظ امین سے کی گئی ہے جسے موصی نے اپنے بعد انتقال اپنی جائیداد اور بچوں کی حفاظت کے لیے مقرر کیا ہو وہ اس کے قائم مقام یا ذاتی نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

وصی کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی صورت میں وہ امین آتا ہے جو موصی کے مقرر فرائض کی انجام دہی کا اہل ہو۔ یہ مقرر موصی کہلائے گا۔ جسے قاضی بلا ثبوت خیانت مجرمانہ علاحدہ نہیں کر سکتا۔

دوسرا وصی وہ قابل اعتماد شخص ہے جو فرائض مقررہ انجام نہیں دے سکتا ویسے بھی کمزور و نااہل ہو۔ اس لئے اسے کسی اہل شخص کو بطور امداد اپنے ساتھ لگانا چاہئے۔

تیسرے وہ وصی جو فاسق اور غیر مسلم ہو دوسرے شخص کا غلام ہو بہتر یہی ہے کہ قاضی اسے علاحدہ کر کے دوسرے شخص کو اس کے بجائے مقرر کر دے۔ ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے۔ لفظ قائم مقام سے مفہوم اولاً تقرر جائز تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو علیحدگی کی ضرورت نہ تھی۔

جیسا پہلے بتایا گیا ہے موصی کسی بھی شخص کو مستثنیات متذکرہ کے تابع وصی مقرر کر سکتا ہے اور اس کے منظور کرنے پر تقرر نافذ ہو گا۔ یہ منظوری فعل سے خواہ بالصریح ہو یا تعبیراً خواہ موصی کی حین حیات میں ہو خواہ بعد انتقال ہو سکتی ہے۔ بعد انتقال موصی اس کی جائیداد کا کوئی معاملہ بمنزلہ منظوری ہے۔

شخص مقررہ مجاز ہے کہ وہ منصب وصی کو ترک کرے یا قبول کرنے سے نکار کردے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ تقرر نافذ نہ ہوگا۔ ایک تقرر اور اس سے انکار بمواجہ فریقین ہو تو اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر اس کا تقرر اس کی عدم موجودگی میں ہوا اور بعد انتقال موصی تقرر کی اطلاع پر وہ اولاً یہ کہیکہ میں اسے قبول نہیں کرتا۔ اور بعد میں یہ کہے کہ قبول کرتا ہوں۔ تاوقتیکہ قاضی نے اس کو قبول کرنے سے قبل ہی علیحدہ نہ کردیا ہو اس کا قبول کرنا جائز ہو گا لیکن اگر موصی کے حین حیات وہ انکار کردے اور اس کی موت کے بعد اس منصب کو قبول کرنا چاہے تو ایسا قبول کرنا جائز ہے۔ اگر بمواجہ موصی وہ خاموش رہے اور کہے کہ میں قبول نہیں کرتا۔ بعد ازاں موصی کے حین حیات اپنی منظوری کا اظہار کرے تو یہ ناجائز ہے خواہ یہ قاضی کے سامنے ہو یا نہیں بشرطیکہ قاضی نے اس کی منظوری سے قبل منصب سے علاحدہ نہ کیا ہو تو منظوری ما بعد جائز نہ ہوگی۔

ایک بار تقرر منظور ہونے یا جائیداد کا معاملہ طے ہونے پر بلا علم قاضی منصب ترک نہیں کیا جاسکتا۔ بہ الفاظ دیگر وصی کو اپنی سبکدوشی کی منظوی محض قاضی سے حاصل کرنا چاہئے۔ امام محمد نے جامع الصغیر میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص وصی مقرر ہو اور موصی کی حین حیات اس منصب کو منظور کرے تو وصی اس کا پابند ہے اور اگر موصی بعد انتقال سبکدوشی حاصل کرے تو وہ آزاد نہیں ہوتا۔

اگر وہ موصی کی حین حیات اس کے مواجہہ میں ترک منصب کا کہہ دے تو ترک جائز ہے اگر مواجہ میں نہیں کہتا تو ناجائز ہے۔ الفاظ کا منشا اس کے علم میں لانے سے ہے نہ کہ اس کی عدم موجودگی میں اس تقرر سے انکار کردے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ الفاظ باطل ہوگا۔

وصی اگر موصی کے سامنے کہے کہ میں منظور نہیں کرتا اور نا منظوری کی

بذریعہ خط یا قاصد اطلاع دے بعد ازاں کہے کہ میں منظور کرتا ہوں تو یہ منظوری جائز نہ ہو گی۔

شیعہ قانون

شیعہ قانون کے احکام ایک سے ہی ہیں۔ یہ ان کے مطابق کہ ایک وصی اپنے منصب سے قانوناً موصی کی زندگی میں انکار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نامنظوری کی مناسب طریقہ سے اطلاع دی جائے لیکن موصی کا اگر نامنظوری سے پہلے انتقال ہو جائے یا اس کے بعد اس تک بلا اطلاع پہنچے ہوئے اس نامنظوری کو نافذ نہیں کیا جائے گا اور موصی پر یہ لازم ہے کہ منصب کی ذمہ داریاں سنبھالے۔

اگر وصی منصب کے ذمے داری کے ناقابل ہے تو قاضی اس کا کوئی نائب مقرر کر سکتا ہے اگر فریب کار ہو تو اسے الگ کر کے دوسرے کو مقرر کرنا چاہیے۔

عام اصول

ایک وصی کا تقرر کئی طرح بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اس سے اس کا منشا اپنی بعد موت قائم مقام بنانے کا ظاہر ہو۔ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میری موت کے بعد تو میرا وصی ہو گا تو یہ تقرر بمنزلہ وصی ہو گا۔

موصی کا تقرر

فتاوائے قاضی خان خلاصہ اور دیگر تصانیف میں ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اپنے بچے تمہارے سپرد کرتا ہوں یا میری موت کے بعد میرے بچوں کا خیال رکھنا یا اسی طرح کوئی عبارت جس کی رو سے موصی کی جانب سے بعض افعال کا اختیار ہو اس سے وصی بن جاتا ہے۔

اولوالوعلجی میں ہے اگر ایک شخص یہ کہے کہ میری موت کے بعد میرے لئے یہ کرنا تو اس سے سب وصی ہو جائیں گے اور اگر موصی کے انتقال تک سب ہی خاموش رہیں اور محض چند قبول کر لیں تو وہی موصی ہوں گے۔ اگر صرف ایک قبول کرے تو وہ بطور وصی کام کرنے کا مستحق نہ ہو گا تاوقتیکہ قاضی دوسرے شخص کو موصی کی جائیداد

کے انتظام کے لیے اس کے ساتھ مقرر نہ کرے۔وجہ یہ کہ واضح طور پر موصی کا یہ منشا تھا کہ موصی کے فرائض تفویض ایک سے زیادہ اشخاص کو کئے جائیں ایک وصی بلا اس کی منظوری یا علم علاحدہ کیا جا سکتا ہے یہ ایجنٹ کی علاحدگی سے جسے کہ اصل مالک کو علاحدگی کی اطلاع دینی ہوتی ہے مختلف ہے۔

برٹش انڈیا میں عام طور پر وصیان کے فرائض اور ذمے داریاں مطابق انجام پاتی ہیں مگر ایک مسلمان وصی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ وصیت نامہ کی مصدقہ نقل مطابق حاصل کرے اسے حسب وصیت عمل کے لیے بروئے مسلم قانون وصیت زبانی پر کاروائی کرنا جائز ہے اس لئے اس موضوع کے اصول سے واقفیت ضروری ہے۔

کئی وصیان کے اختیارات

اگر دو وصیان ہوں تو ان میں سے کوئی ایک حسب فقہ حنفی انتقال جائیداد کے سلسلہ میں کوئی کاروائی نہیں کر سکتا لیکن حسب دفعہ اگر کئی وصیان منتظم ہوں تو اگر کوئی رہنما ہدایت نہ ہو تو ان میں سے وہ شخص جس نے وصیت کو ثابت کیا ہو۔(دستاویز اہتمام ترکہ)حاصل کیا ہو کاروائی کر سکتا ہے۔لیکن جیسا کہ ظاہر ہے یہ ضابطہ مندرجہ ایکٹ کے تحت ایک تحریری وصیت پر لاگو ہوتا ہے تو حنفی اصول ان حالات میں پختہ قائم رہتا ہے۔جہاں سے Probate یعنی مصدقہ وصیت نامہ لیا گیا ہو یا ایکٹ کے دفعات کے تحت وصیت ثابت نہ کی جا سکتی ہو۔

جب کسی شخص نے وصیان مقرر کئے ہوں تو بقول ردالمختار ایک کا فعل مشترک متولیان میں سے ایک کے تنہا کام کرنے کی طرح باطل ہے اس لئے کہ ہر دو متولی قانونی حیثیت سے مثل دو وصیان کے ہیں جیسا کہ اشباہ اور کنایہ میں آیا ہے۔

دو وصیان میں سے ایک وصی کے اختیارات جو تنہا کام کرے دو وصیان میں سے ایک کے افعال جو تنہا کام کرتا ہے باطل ہیں۔

اگر چہ دونوں کو موصی نے علیحدہ علیحدہ مقرر کیا ہو۔ بعض فقہا کے نزدیک ہر ایک علیحدہ کام کر سکتا ہے اور ابو للیث نے اس کو صحیح بتایا ہے۔اور ہم نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔

درالمختار میں مزید آیا ہے کہ مبسوط کے مطابق صحیح اصول یہی ہے اور درالاحکام مین بھی اس پر انحصار کیا گیا ہے اور کاہستانی کی تفسیر میں اس کو سب سے زیادہ قابل قبول سمجھا گیا ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ کسی وصی یا متولی کا تنہا عمل کا اصول ناجائز ہونے کے لیے ان معاملات میں منطبق ہوتا ہے جہاں کہ موصیان متولیان ایک ہی وقف کے تحت ہوں یا ایک ہی قاضی نے مقرر کیا ہو لیکن جب کہ دو موصیان اور دو متولیان کو دو مختلف شہروں کے دو قاضیان نے مقرر کیا ہو تو ان سے ہر ایک جائیداد کے بارے میں جو اس کو مقرر کرنے والے قاضی کی حدود ساعت میں واقع ہو معاملہ کرنے کا اہل ہوگا۔

پس وصی کا مردے کی تجہیز و تکفین کے لیے کفن خریدنے کی صورت میں تنہا کام کرنا جائز ہے۔ اسی طرح نابالغ بچوں کی ضروریات کی خرید کے حقوق، مقدمہ بازی یا چھوٹے بچوں کے لیے رقومات چندہ کا قبول کرنا یا مختص نامزد غلاموں کو آزاد کرنا یا متوفی کے پاس رکھی ہوئی امانتوں کی واپسی یا موصی لہم کو مختص میراث یا سپرد کرنے میں ایک تنہا ہی شخص کا بطور وصی ہونا جائز ہے۔ اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ مزید ان معاملات میں واپسی اشیا جن کو متوفی نے غصب کیا ہو یا ناجائز بیعات کی تنسیخ اور موصی کی ذگی قرضوں کا طلب کرنا بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ضائع ہونے والی اشیا کی فروختگی یا ان اشیا کو جو ضائع ہو رہی ہیں جمع کرنا بقول ابو یوسف ایک وصی تنہا انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ موصی نے دو کے مل کر کام کرنے کا طے نہ کیا ہو۔

یہ شرح وہبانیہ کے مطابق ہے۔ اگر ایک وصی اپنے بجائے کسی شخص کو یا کسی دوسرے شخص کو مقرر کر کے انتقال کر جائے تو ایسے مقررہ شخص کا انتظام کرنا جائز ہوگا اور قاضی کو دوسرے کو مقرر کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ اگر متوفی وصی کے ساتھ کسی دوسرے کو مقرر کئے بغیر انتقال کر جائے تو قاضی کو لازم ہے کہ وصی کے ساتھ کسی دوسرے کو کام کرنے کے لئے مقرر کر دے اور یہ دررالاحکام کے مطابق ہے۔

فصل سوم:۔ وصی کے اختیارات اور فرائض

اسی طرح فتاوائے عالمگیری میں ہے کہ اگر ایک شخص منصب وصی دو اشخاص کو تفویض کرے تو ابو یوسف اور محمد کے مطابق ان میں سے کبھی کوئی منشا فرض وصی انجام نہیں دے سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کے افعال بلا دوسرے کی منظوری موثر نہ ہوں گے۔ مگر درج ذیل معاملات میں جیسے متوفی کو نہلانا، کفنانا، اور قبر تک پہنچانا اور اسی طرح قرضوں کے اثاثے سے ادائیگی جیسے مختص ترکوں کو دینا یا امانت ہا کی واپسی یا متوفی کی رسید کردہ اشیا یا ناجائز بیع سے حاصل کردہ یا مختص غلام کو آزاد کرنا۔ لیکن وہ تنہا مملوکہ امانت با موصی پر قبضہ نہیں کر سکتا دوسروں کے ذمّی قرضے والے موصی حاصل کر سکتا ہے خواہ حقوق موصی دوسروں کے خلاف دعوی دائر کر سکے۔ ایک نابالغ کے حق میں وہ یہ قبول کر سکتا ہے اور اس کے افعال کو منظور کر سکتا ہے اور وہ اشیا جو لائق وزن و پیائش ہوں ان کا تقاسمہ کر سکتا ہے اور ضائع ہونے والی کو فروخت کر سکتا ہے۔ متوفی نے یہ ہدایت کی ہو کہ اس کی جائیداد کے بعض حصص نادار اشخاص کو بلا ان کو مخصوص کئے ہوئے دئے جائیں تو ایک وصی دوسرے وصی سے علیحدہ رہ کر یہ کاروائی نہیں کر سکتا اگر اغراض خیر مختص کر دئے جائیں تو تمام کے مطابق وہ ایسا کر سکتا ہے۔

دو وصیان جو مشترکاً مقرر کئے گئے ہوں کن صورتوں میں تنہا کام کر سکتے ہیں

مندرجہ بالا سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ ہر دو وصیان ایک ہی وقت میں بلکہ لفظاً ایک ہی کلمے سے مقرر کئے گئے ہیں لیکن جب ایک ایک وقت میں اور دوسرا دوسرے وقت میں مقرر ہو تو بقول شمس العلما حلوانی فقہا میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کے نزدیک وصیان میں سے ہر ایک تنہا کام کر سکتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک حسب ابو حنیفہ اور محمد جائیداد کے معاملہ میں کسی صورت میں وہ تنہا کام نہیں کر سکتے اور فتاوائے قاضی خان کے مطابق شمس العلما اور سید فتح نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دو وصیان اسی صریح شرط کے ساتھ مقرر ہوں کہ کوئی تنہا کام نہ کرے گا مگر موصی نے اس بارے میں مجاز کیا ہو تو ان میں سے خزانۃ المفتین کے مطابق ہر ایک تنہا کام کر سکتا ہے۔ پس جب دو

وصیان ہوں تو ان میں سے ایک ہر ایک کے افعال تاوقتیکہ دوسرا اس کی توثیق نہ کرے باطل ہوں گے۔ پس اگر کوئی آراضیات وقف کرائے پر دے تو بلا دوسرے کی اجازت جب تک اس کے لیے علاحدہ وصیان مقرر نہ کر دئے جائیں ناجائز ہے۔ یہی صورت اس وقت ہے کہ جب ایک ہی قاضی نے وصیان یا منتظمان کو مقرر نہ کیا ہو مگر درالمختار کے مصنف کے مطابق اگر دو جداگانہ قاضیوں نے انہیں مقرر کیا ہو تو وہ علاحدہ کام کر سکتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنے علاحدہ علاحدہ حدود اختیار میں جائز طور پر کارروائی کر سکتے ہیں ۔اور اسی طرح منتظمان یا ان کے نائبان یا نمائندگان جائز طور پر کاروائی کر سکتے ہیں۔

شریک وصی کی توثیق سے کسی معاہدے کی تجدید نہیں ہوتی۔ لیکن محض اس اصل کمی کو پورا کرنے کی ہے جس کو ضروری جواز کی ضرورت ہے۔ اگر ایک وصی بلا دوسرے کے علم و اجازت کام کرے اور جائیداد ضائع ہوا میں یا وصی ذمہ دار ہوگا ایک وصی شریک وصی یا اپنا نمائندگان مقرر کر سکتا ہے ایسی صورت میں شریک کے افعال فی نفسہ جائز ہوں گے۔

ابو یوسف کی رائے

جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ جب کئی متولی ہوں ابو یوسف کے مطابق ہر ایک تنہا کام کر سکتا ہے کئی متولیان میں کوئی ایک جائز طور پر تمام معاملات انجام دے سکتا ہے مگر ہر دو ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق ان میں سے کوئی بھی بطور خود انجام نہیں دے سکتا خواہ وہ مشترکا یا علاحدہ علاحدہ مقرر کئے گئے ہوں۔ مؤخر الذکر کا ایک اصول مسلمہ ہے۔ اگر ایک موصی بذریعہ وصیت یہ قرار دے کہ اس کے وصیان مشترکاً یا علاحدہ علاحدہ فرائض انجام دیں تو تمام فقہا کے نزدیک ہر ایک تنہا بھی انجام دے سکتا ہے۔

مصنف ردالمختار نے جس کا پہلے حوالہ آچکا ہے درالمختار کی شرح کی ہے لیکن متوفی کے بارے میں وصی کے درج ذیل افعال باطل ہوں گے۔ موصی کے لیے خرید کفن اور اس کی تجہیز و تکفین ۔اس کے حقوق کے لیے مقدمہ بازی اس کے بچوں کے ضروریات کے لیے خرید موصی کے حق میں کئے گئے ہبات کی منظوری مختص غلاموں کو آزاد کرنا امانتوں کی واپسی اور مختص میراث ہا کی ادائیگی۔ شرح وہبانیہ میں درج ذیل

معاملات جب کہ وصی تنہا کاروائی کر سکتا ہے شامل ہیں، وہ ان اشیا کو جو متوفی نے بذریعہ عین ناجائز بیع کے ذریعہ لی تھیں واپس کر سکتا ہے یا ان اشیا کا جو لائق پیائش یا وزن ہوں۔ ضائع ہونے والی اشیا کو تقاسمہ کر سکتا ہے اور متولی کے قرضوں سے واپسی قرضہ وصی کے ذمہ واجب ہیں اور اسی طرح ادائیگی بھی کر سکتا ہے۔"

تنہا وصی کے افعال

جب دو وصیان ایک غیر حاضر ہو تو دوسرا وصی بطور خود کاروائی کر سکتا ہے بشرطیکہ غیر حاضر وصی اس قدر فاصلے پر ہو کہ وہاں کوئی قافلہ یا کارواں نہ پہنچ سکے اور واپسی غیر حاضر کو اصطلاحاً غیب منقطع کہیں گے۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ دو وصیان کے بالمشورہ عمل کی ضرورت ہے۔ اگر ایک بہت فاصلے پر ہو یا ایسی جگہ رہائش رکھتا ہو کہ اس کو کوئی خط یا اطلاع نہ مل سکے تو وہ قانوناً عارضی طور پر غیر موجود ہے اور دو وصیان کے مشترکا کام کی ضرورت کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ایک تنہا وصی کوئی بھی شے جائز جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جائز طور پر فروخت کر سکتا ہے۔

شیعہ قانون مشترک وصیان

شیعہ قانون اس بارے میں مختلف ہے اس کے مطابق جب دو اشخاص عام طور پر مقرر ہوں اور صریح شرط مشترکا کام کرنے کی ہو تو ان میں سے کوئی تنہا کام نہیں کر سکتا اگر پھر بھی کرے تو اس کے افعال ناجائز ہوں گے سوائے ان افعال کے جو قطعاً لازمی اور ضروری ہوں مثلاً موصی کے کم سن بچوں کے لیے خوراک فراہم کرنا۔ قاضی کے لیے لازمی ہے کہ دونوں کو مشترکا کام کرنے کے لیے مجبور کرے اگر ناقابل عمل ہو تو دونوں کے لیے مقرر کرے جب دو وصیان ہوں تو وہ بغرض انتظام جائیداد کا بٹوارہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان میں سے کوئی بیماری کی وجہ سے اپنے منصب کی انجام دہی کے ناقابل ہو تو قاضی کو دوسرا مددگار جو اس کا اہل ہو مقرر کرے گا۔ لیکن یہ اختیار استعمال نہیں کر سکتا اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو دیگر وصی کام کرنے کا مجاز ہے اگر متوفی کا وصی کام کا اہل ہو تو قاضی مجاز تقرر نہیں ہے اگر موصی کی یہ شرط ہو کہ وصیان مشترکا یا علاحدہ کام کریں تو ہر ایک کی منشا افعال جائز ہیں اور جائز طور پر وہ جائیداد کا باہمی تقاسمہ

کر سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اسی طرح حصہ کا انتظام کر سکتا ہے جیسا کہ تقسیم سے قبل کیا گیا تھا۔

حنفی قانون وصیان کے خاص مقصد کے لیے

حنفی قانون کے مطابق اگر دو وصیان دو مختلف اغراض کے لیے مقرر ہوں۔ایک موصی کے قرضے کی ادائیگی کے لیے اور دوسرا اس جائیداد کے انتظام کے لیے تو ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہر دو وصیان عام میں تمام کام کرنے کے اہل ہیں مگر محمد کو اس سے اختلاف ہے اوران کی رائے میں سے ہر ایک کا اختیار محض اس مقصد جس کے لیے تقرری ہے محدود ہے۔اگر یہ صریح شرط ہو کہ ایک وصی اس معاملے میں جس کے لئے دوسرا مقرر ہو کوئی کام نہیں کرے گا تو محمد ابن فضل کے مطابق تمام فقہا کی رائے میں ہر وصی کے اختیارات ان حدود تک جو موصی نے مقرر کئے ہیں رہیں گے۔ اور یہ محض اس صورت میں ہے جب ایسی شرط نہ ہوں ان میں اختلاف رائے ہو۔ ابو یوسف وابو حنیفہ کا اس کے مطابق فتویٰ ہے۔

اگر ایک شخص دوسرے کو وصی مقرر کرکے یہ ثابت کرے کہ وہ تیسرے شخص کی ہدایت کے مطابق کام کرے۔یعنی فلاں فلاں کو علم میں لائے تو وصی بلا تیسرے شخص کے علم میں لائے کام کر سکتا ہے لیکن اگر یہ کہے کہ اس کے بلا علم کام نہ کرے تو وصی کا بلا اس کے علم کے کام کرنا جائز ہو گا۔اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے اور اگر کہے فلاں فلاں کے مطابق کام کردیا سوائے فلاں فلاں کی رائے کوئی کام نہ کرو۔اول الذکر صورت میں سب سے مخاطب وصی ہو گا اور دوسری صورت میں مسلمہ اصول کے مطابق دونوں ہی وصی ہوں گے۔ بحوالہ خزانۃ المفتین ابو نصر کے مطابق اگر موصی دوسرے سے کہے کہ فلاں فلاں کے احکام کے مطابق کام کرو تو وہ خاص موصی ہو گا۔ اگر وہ یہ کہے کہ بلا اس احکام کے کام نہ کرو تو دونوں ہی موصی ہوئے اور بقول ہمارے فقہا محیط کے اصول کے مطابق ہے۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے کو وصی مقرر کرے اور دوسرے کو اس پر نگراں تو اول الذکر جائیداد طے کرنے کے لیے وصی ہے نہ کہ مشرف جس کے تقرر کا نتیجہ یہ

ہے کہ حسب خزانۃ المفتین وصی بلا اس کے علم میں لائے کام نہیں کر سکتا۔

وصیان بالا ستقرار

اگر دو وصیان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور متوفی شریک وصی کو اپنا وصی مقرر کرے ایسی صورت میں وہ نیا وصی متوفی کا کام کر سکتا ہے۔ اگر متوفی وصی دوسرے کو اپنا وصی مقرر کرے تو یہ اصل موصی کے مقرر دوسرے وصی سے مل کر کام کرے گا اور علاحدہ کام کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ جب کہ متوفی وصی نے اپنا وصی مقرر نہ کیا ہو تو قاضی کو پس ماندہ وصی کے ساتھ دوسرے کو شریک کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ موصی کا یہی منشا تھا کہ اس کی وصیت کے مطابق کام دو شخصوں کو تفویض ہو۔ اور یہی درر الاحکام میں ہے۔

اگر دو وصیوں میں سے ایک فاتر العقل یا کسی اور طرح نا اہل ہو جائے تو قاضی اس کے بجائے کسی قائم مقام کا تقرر کرے گا۔ اس لئے کہ موصی کا بھی یہی منشا تھا کہ وصیت کی تعمیل دو شخصوں کو تفویض ہو یہی درر الاحکام میں ہے۔

اگر دو وصیوں میں سے ایک فاتر العقل یا کسی اور طرح نا اہل ہو تو اس کے بجائے قاضی کسی قائم مقام کا تقرر کرے گا۔ مگر شریک وصی کو پورے فرائض وصی تفویض نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک کے بد نیت ہونے پر قاضی کسی دوسرے کو شامل کرے گا یا اسے تنہا کام کا مجاز کرے گا۔

ایک وصی کا وصی گو کتنا ہی مجبور ہو گا مگر پہلے موصی کی وصی کے طور پر کام کر سکتا ہے لیکن امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے۔

ردّالمختار نے اختیار وصیان کے سلسلہ میں چار جہت سے اصول وضع کئے ہیں۔ (A) وصی مقرر ہونے کی صورت میں اگر وہ اصل موصی کی جائیداد کے متعلق اپنے اختیارات غیر معین چھوڑ دے۔ یعنی وہ صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں فلاں کو وصی مقرر کرتا ہوں۔ (B) اپنے اختیارات کی وضاحت کرے کہ میری جائیداد کا فلاں فلاں کو وصی مقرر کرتا ہوں (C) یا صریحاً اس کا اعلان کرے کہ میں فلاں فلاں کو اپنا وصی اپنی جاگیر کا وصی مقرر کرتا ہوں (D) یا وہ کہے کہ دونوں ہی جاگیروں کا وصی مقرر کرتا ہوں۔

اگر اختیارات غیر واضح ہوں تو اس کا دونوں ہی جاگیروں کا وصی ہوتا تو متوفی

وصی کا فقہا کی اکثریت کے مطابق اصل موصی کا وصی ہو گا۔اور اس مسئلہ پر بھی شافعی اور ظفر میں اختلاف ہے۔

اگر محض یہ کہا جائے کہ وہ متوفی وصی کی جائیداد کا وصی ہے ابو حنیفہ کی رائے میں مسلمہ ترین رائے ہے کہ وہ دونوں ہی جاگیروں کا وصی ہو گا۔اور مستند ترین حوالوں کے مطابق اس کے اختیارات موصی کی جاگیر تک محدود ہوں گے۔ اور یہی مسلمہ قانون ہے اگر متوفی وصی کہے کہ میں اس شخص کو اصل موصی کا وصی بتاتا تھا تو ایسا ہی ہو گا اور یہ تمام فقہا کے مطابق ہے جبکہ تاتار خانیہ۔اور شرح طحطاوی اور دوسری تصانیف کے مطابق ہے۔

کس حد تک ہر دو وصیان جن کا مشترکہ تقرر ہو علاحدہ کام کر سکتے ہیں

فتاوائے عالمگیری میں متذکرہ اصول اسی طرح ہیں اگر کوئی شخص دو وصی مقرر کرے اور ان میں سے ایک مر جائے تو وصی پس ماندہ ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق جائیداد منتقل نہیں کر سکتا۔ قاضی کے سامنے اس مسئلہ کو رکھ سکتا ہے اور اگر وہ مناسب سمجھے تو اس کو واحد وصی مقرر کر کے اختیارات منتقل کر سکتا ہے اور متوفی بجائے اس کے دوسرا شریک مقرر کر سکتا ہے۔ ابو یوسف کے مطابق باقی ماندہ تنہا کام کر سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ دوسرے کی زندگی میں کام کرے۔اور یہ تین اصولوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی دو وصیان مقرر کرے اور ان میں سے موصی کے انتقال کے بعد ایک کو منظور کرے اور دوسرے کو نا منظور اور موصی تنہا بطور خود کام کے نا اہل ہے۔ تو وہ ابو حنیفہ اور محمد کی رائے کے مطابق نا اہل ہے اور ابو یوسف کی رائے کے مطابق اہل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر دو وصیان میں سے ایک فاسق ہے تو قاضی دوسرے کو تنہا کام کرنے کا مجاز کر سکتا ہے یا بجائے فاسق کے اس کے ساتھ دوسرا آدمی لگا سکتا ہے۔ایسی صورت میں متدین شخص ابو حنیفہ اور محمد کے مطابق دوسرے کے بغیر کام نہیں کر سکتا لیکن ابو یوسفکے مطابق کر سکے گا۔

ایک شخص اگر دو وصی مقرر کرے اور ان میں سے ایک شریک وصی کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو یہ جائز ہے۔ شریک وصی متوفی کی جائیداد کا معاملہ

کر سکتا ہے۔ جس طرح اس نے اپنی حین حیات شریک وصی کی اجازت سے کی ہو گی۔ اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی کر سکتا ہے لیکن جائیداد کا معاملہ کرنے کی قانونی جواز کی رائے ہے لیکن اول الذکر صحیح ہے۔

شیعہ اصول

شیعہ اصول کے مطابق موصی کی جائیداد کے انتظام کے لیے جب تک وصی کو اختیار نہ ہو وہ نہیں کر سکتا۔ جب کہ اگر موصی کی جانب سے وصی کو یہ اختیار ہو کہ اپنی موت کے وقت ترکہ میں دے دے تو وہ اتفاق رائے سے بالا جماع قانوناً کر سکتا ہے۔ اگر موصی نے کوئی صریح ہدایت نہ چھوڑی ہو تو موصی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جائیداد کا انتظام دوسرے شخص کے سپرد کردے۔ وصیت نامہ میں موصی کے انتقال پر جائیداد کی نگرانی کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہونے پر نگرانی قاضی پر منتقل ہوتی ہے اسی طرح کسی کا بلا تقرر وصی انتقال ہو جائے تو ذمہ داری جائیداد کی نگرانی قاضی پر ہو گی۔ قاضی کی عدم موجودگی کی صورت میں کچھ تو کوئی بھی ایماندار آدمی (قابل اعتماد شخص) جائیداد کی نگرانی کرے گا اگر چہ اس بارے میں کچھ اشتباہ اور اختلاف رائے ہے۔

حنفی اصول

اگر موصی کا مقررہ وصی ہو تو قاضی تاوقتیکہ وصی غیر حاضر کوئی نگراں مقرر نہ کرے گا اور ایسی غیر حاضری غیبت المقاطع کے مماثل ہے۔ اور یہ مفتی ابو سعود کی شرح میں آیا ہے۔

جائیداد کے خلاف مطالبات

اگر کوئی جائیداد متوفی کے خلاف دعویٰ دائر کرے تو قاضی کسی شخص کو بھی بطور نمائندہ مدعا علیہ مقرر کرے گا اور اگر موصی حاضر ہو کر اقرار قرضہ کرے تو قاضی اپنی صواب دید پر دوسرے شخص کو موصی کی نمائندگی کے لیے مقرر کرے گا تاکہ مدعی اس کے خلاف دعویٰ دائر کر سکے وجہ یہ کہ اقرار وصی کے خلاف ناجائز ہے اور مدعی جائیداد متوفی کے خلاف محض وصی موصی کی رضامندی سے ڈگری حاصل نہیں کر سکتا۔

مگر اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ اقرار وصی جائیداد کے خلاف مطالبہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اور وہ جب تک کوئی قابل اطمینان ثبوت مطالبہ کے جواز اور صحت کے بارے میں فراہم نہ کرے خود کوئی ادائیگی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی نابالغ بچے کی جائیداد کا انتظام اس کے باپ کے ذمہ ہو جس کو وہ ضائع کر رہا ہو تو قاضی اس سے جائیداد لے کر ایک نگراں کے سپرد کرے گا کہ وہ اس کا انتظام کرے۔

فصل چہارم:۔ وصیان کے اختیارات اور فرائض

مسلم لا میں موصی کے اختیارات انگلش قانون کے مطابق اختیارات سے مماثل ہیں۔ لیکن کچھ اختلافی امور بھی ہیں جن پر بغور توجہ کی ضرورت ہے۔

مالک وصی کب فروخت کرسکتا ہے

اگر ورثا موصی نابالغ ہوں تو وصیان کے اختیار ات بعض شرائط کے ساتھ معلق ہیں بصورت ضرورت جائیداد کو فروخت کرنے کے بعد اس کی آمدنی قرضہ موصی کی ادائیگی یا اس کے بچوں کی پرورش کے مصارف پورے کرنے کے بعد دوسری مفید تر جائیداد کی خرید پر صرف کر سکتا ہے لیکن یہ بیع کافی بدل کے ساتھ ہو تجارت پیشہ اشخاص کے نزدیک جو مناسب ہو کرنا چاہئے۔ ایک وصی خود اپنے یا اپنے رشتہ دار کو جس کی شہادت شرعاً ناقابل ادخال ہے فروخت نہیں کر سکتا تمام جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں حصص نابالغ کی صورت میں وہ متوفی یا موصی لہٗ شریک حصہ داروں کے ساتھ تقاسمہٗ جائیداد میں شریک ہو سکتا ہے اگر غبن یسیر کا اندیشہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کھلم کھلا حقیقتِ یسیر کا غبن ہوا ہو تو تقاسمہ غیر موثر ہوگا۔

درالمختار میں وصی کے اختیارات پر بحث کے دوران ہے کہ وصی کا جائیداد غیر منقولہ کے علاوہ کسی معقول وارث کو دوسرے کو فروخت کرنا جائز ہے تاکہ موصی کے قرضے ادا ہو سکیں جن کے غیر منقولہ جائیداد کا بیع بشرطیکہ اس کے ضائع ہونے کا فوری اندیشہ ہو جائز ہے اور ایسا ہی عظمی زادہ نے خانیہ فتاوائے قاضی خان کے حوالہ سے بتایا ہے۔

پس ذیلیہ اور کاہستانی کے مطابق صحیح تر اصول یہ ہے کہ جائیداد غیر منقولہ اس

لئے ناجائز ہے کہ اس کا ضائع ہونا قریباً ناممکن ہے یعنی بہت شاذ ہے مگر طحطاوی نے درالمختار پر اپنی شرح میں بتایا ہے کہ اگر متوفی پر بہت گراں قرضہ ہو تو جائیداد غیر منقولہ کی بیع بھی جائز ہے۔ درالمختار میں مزید ہے کہ جب موصی کے ورثا نابالغ ہوں تو جائیداد غیر منقولہ اپنے علاوہ دوسرے شخص کو دگنی قیمت پر اغراض فعل کے لیے فروخت کرنا جائز ہے۔ بچوں کی گذر بسر یا متوفی کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے یا مختص میراث ہاکی ادائیگی کے لیے جو کسی اور طرح ادا ہو سکتی ہوں اس کے قائم رکھنے کے طریقہ سے آمدنی زیادہ نہ ہو یا اس کے ضائع اور برباد ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی بہت ہی غاصب (متغلب) کے ہاتھ میں ہو۔ یہ اشباہ اور درر کے عبارت کا خلاصہ ہے۔ درالمختار کے مصنف کے مطابق ان حالات میں وصی کو بیع کا اختیار ہو ماں یا بھائی کے مقررہ وصی کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ ایسے وصی کو جائیداد غیر منقولہ کا معاملہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اور وہ نابالغ کے لیے سوائے خوراک اور کپڑوں کے جو ضروریات زندگی میں ہیں، کوئی شئے نہیں خرید سکتا۔ ابن کمال کے مطابق باپ کو ان صورتوں میں نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد فروخت کرنے کا اختیار ہے، اگر لوگوں میں اس کے اچھے چال چلن کی شہرت ہو یا اس کے خلاف کوئی نہ ہو۔

وصیان کے مقرر کردہ وصی کے اختیارات

مندرجہ بالا قول سے ظاہر ہے کہ ایسے وصی یا ولی جن کو ماں یا دوسرے رشتہ دار مثل بھائی یا چچا نے مقرر کیا ہو ان کے اختیارات بہت محدود ہیں اور ان کو وارڈ کی جائیداد غیرمنقولہ کا معاملہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ نہ ایسی جائیداد کا، جو نابالغ کو کسی شخص سے علاوہ اپنی ماں کے ورثے میں ملا ہو معاملہ کرنے کا اختیار ہے۔ اگر وہ ماں کا وصی ہے تو جائیداد منقولہ جو اسے ماں سے ورثے میں ملی ہے یا اس کے نام تقاسمے میں آئی ہو بشرطیکہ نہ اس کا باپ ہو اور نہ اس کا مقرر کردہ وصی زندہ ہو تو معاملہ کر سکتا ہے۔ یہی اصول فتاوائے عالمگیری میں وضع کیا گیا ہے اور فتاوائے قاضی خان کی سند کا حوالہ ہے۔

یہ بتانے کے بعد کہ باپ کے مقرر کردہ وصی کی حیثیت مثل باپ کے ہوتی ہے اور جد کا مقرر کیا ہوا وصی باپ کے وصی کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ یہ مزید بتاتا ہے کہ ماں یا بھائی کا مقررہ وصی اس زمرہ میں نہیں آتا اور اگر ماں کا نابالغ بچے چھوڑ کر انتقال ہو

جائے یا اگر کوئی بھائی نابالغ بھائی یا بہنیں چھوڑ کر انتقال کر جائے تو یہ اس کے یا اس کے وصی کے لیے جائز ہے کہ علاوہ جائیداد غیر منقولہ کے تمام جائیداد فروخت کر دے اگر "عقار" فروخت کرنے کا بھی اختیار ہے تو وصی اپنے بچوں کے لیے خوراک و دیگر ضروریات زندگی خرید سکتا ہے۔

ایک ولی کب تقاسمہ کرتا ہے

اگر تمام ورثا نابالغ ہوں تو موصی لہ کے حصے کا وصی کا تقاسمہ اور ورثا کے حصص روکے رکھنا جائز اور موثر ہے اور کسی سے ان کے حصہ کا جز اگر وصی کے پاس ضائع ہو جائے تو نابالغان اس کو موصی لہٗ یا وصی سے پورا کرا سکنے کے مجاز نہیں ہیں۔ بشرطیکہ یہ نقصان ان کی دانستہ غفلت یا لاپرواہی سے نہ ہوا ہو۔ اگر بعض ورثا بالغ مگر غیر حاضر ہوں تو وصی سوائے جائیداد غیر منقولہ کے موصی لہٗ سے ہر معاملہ میں جائز طور پر تقاسمہ کر سکتا ہے۔ اور نابالغان کے حصے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اگر تمام ورثا بالغ ہوں اور ان میں کچھ موجود ہوں تو ان کا کیا ہوا تقاسمہ ان جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کے متعلق ان ورثا کے خلاف باطل ہے۔ اوراگر ورثا اہل ہوں تو موصی کا کیا ہوا تقاسمہ جائیداد غیر منقولہ کی حد تک غیر موثر ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ورثا اہل ہوں تو وصی کا تقاسمہ جائیداد غیر منقولہ کی حد تک موثر ہے بہ الفاظ دیگر اگر ورثا بالغ ہوں اور موجود نہ ہوں تو جائیداد کا تقاسمہ جو موصی نے موصی لہٗ سے کیا ہے جائز ہے۔

مختص ترکے

اگر موصی نے بحق افراد مختص ترکے کیئے ہوں تو جائیداد موصی کا تقاسمہ موصی لہٗ کی غیر حاضری میں موثر نہ ہوگا۔ اور اگر موصی لہٗ کو دیئے گئے حصص ضائع ہو جائیں تو جائیداد میں ورثا کو دیئے گئے حصص میں بقدر ایک ثلث وہ اپنے حصہ کے مطابق مستحق ہوں گے۔ اگر تقاسمہ قاضی کے بعد موصی لہٗ کو معینہ حصہ اس اس کی نگرانی میں ہو تو تقاسمہ جائز ہے۔ اگر موصی لہ کا حصہ قاضی یا اس کے مقررہ نگراں کے قبضہ میں ضائع ہو جائے تو موصی لہٗ کو ورثا کے خلاف نہ کوئی حق دادرسی ہوگا نہ قاضی ذمے دار ہو گا۔ یہ اصول محض ان اشیا پر منطبق ہے جن کو وزن کی صورت میں ناپا جا سکتا ہے اور واقعی

تقاسمہ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اشیا جو ایسی نہ ہوں ان کا تقاسمہ فصلاً بمنزلہ تبادلہ باہمی ہوگا مثلاً بیع اور نتیجتاً ناجائز ہوگا اس لئے کہ شخص دیگر کی جائیداد کا فروخت کرنا جائز ہے۔ اگر قاضی کسی کو تمام اشیا کا وصی مقرر کردے اور اس کی جانب سے وہ تقاسمہ کرے تو وہ اشیا خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ یہ تقاسمہ جائز ہوگا۔ اگر تقاسمہ کسی خاص غرض جیسے یتیم کی پرورش یا جائیداد کی حفاظت کے لیے ہو تو یہ تقاسمہ ناجائز ہے۔

وصی کا کیا ہو تقاسمہ

اگر کوئی وصی ان ورثا کے درمیان جو نابالغ ہوں تقاسمہ کرتا ہے تو وہ ناجائز ہے۔ اگر سب بالغ ہوں اور ان میں سے کچھ غیر حاضر ہوں اور جن میں تقاسمہ ہوتا ہے اور وہ ان کے حصص دوسروں سے علیحدہ ہوں تو یہ تقاسمہ مطابق مطاع جائز ہے مگر یہ جائیداد غیر منقولہ کے مثل نہ ہوگا۔ اگر دونوں کے نابالغ اور بالغ ورثا ہوں اور بالغان غیر حاضر ہوں تو تقاسمہ ناجائز ہے۔ اگر بالغان حاضر ہوں تو ان کا حصہ انہیں دیا جائے اور نابالغان کے حصص بالغ ورثا سے علیحدہ کرنے چاہیں اور نابالغان میں بلا انفرادی تقسیم ان کو جمع کیا جائے۔ تو تقاسمہ جائز ہے۔ اگر ہر نابالغ اور بالغ کا حصہ باقی سے علیحدہ کر دیا جائے تو تمام تقاسمہ ناجائز ہے۔ لیکن اگر بالغان کا حصہ ان کو ہی دے دیا جائے اور نابالغان کا حصہ قبضہ میں رکھ کر ان کو بالغ ہونے پر تقسیم کر دیا جائے تو نابالغان اور بالغان کے درمیان تقاسمہ جائز ہے۔ اگر بروئے وصیت موصی نے وصی کو خرید جائیداد کا اور اس کی آمدنی دوسری قسم میں لگانے کا مجاز کیا ہو تو وصی ایسا کر سکتا ہے۔

وصی کے کئے ہوئے قرضے

اگر وصی نابالغ کی جانب سے بلا ضرورت قرض لے تو نابالغ کے خلاف یہ موثر نہ ہوگا۔ اور اگر اس سے یتیم کو کوئی نقصان پہنچا ہے تو وصی اس کا ذمہ دار ہوگا۔

بیع میں وصی کا اختیار

اگر باپ کا مقررہ وصی جائیداد سے کچھ فروخت کرے تو اس کے جواز دو طرح ہیں۔ پہلا یہ کہ جب متوفی نہ قرضے چھوڑے نہ میراث ہا۔ دوسرے یہ کہ جب میراث

ہااور قرضہ چھوڑ کر اس کا انتقال ہو جائے۔ اول الذکر کے متعلق کتاب مختصر القدوری میں ہے کہ جب تمام ورثا نابالغ ہوں اور اگر متاع میں فرنیچر اور جائیداد منقولہ بھی ہے ان میں سے وہ کوئی بھی شے فروخت کر سکتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ ہر شئے کی بیع اس کی حفاظت اور قیمت کی حفاظت پر منحصر ہے۔ یہی حال عقار کی بیع کا ہے۔ شمس العلما حلوانی کے مطابق کہ متن کتاب و متقدین کی رائے ہے اور یہی قاضی خان کی رائے ہے۔ اور قاضی خان کے مطابق کسی نابالغ کے عقار کا بیع محض اسی وقت جب کہ متوفی نے قرضے چھوڑے ہوئے ادا نہ ہو سکیں جائز ہے بلا عقار کو فروخت کئے ہوئے یا جب نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت ہو یا خریدار اس کی دوگنی قیمت دے کر بھی اسے حاصل کرنے کا آرزو مند ہو اور کافی کا یہی فتویٰ ہے۔ اگر کوئی مختص میراث ہو جو بلا قیمت عقار نافذ نہیں ہو سکتی اور اس کا بیع یتیم کے لیے فائدہ رساں ہوں۔ یا اس کا خرچ ادا کرتا ہو یا اس کی نگہداشت داشت آمدنی سے صدقہ ہو یا دوکان یا مکان اس کی یا بالغ کو محض ادا کرنے کی ضرورت ہوں اور علاوہ عقار اس کی دیگر جائیداد غیر منقولہ ہو تو اسے قیمت جائیداد اس کی ادائیگی میں صرف کرنا چاہئے۔ وصی کو جائز نہیں ہے کہ اس کے مزید تخفیف قیمت کے ساتھ جیسا کہ ان صورتوں میں عام رواج ہو فروخت کرے۔ اور اسی طرح وصی نابالغ کے لیے کوئی شے جو اصل مالیت سے زیادہ ہو جائز طور پر نہیں خرید سکتا۔

جدید اصول مروجہ

ردالمختار میں یہ اصول بالوضاحت ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ورثا کے نزدیک وصی اپنی صواب دید کے مطابق جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔ مگر متاخرین فقہا نے اس جائیداد غیر منقولہ کی فروخت پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ شرائط فتاویٰ قاضی خان میں مختص طور پر ہیں اور زیدی کے مطابق صدرالشہید نے بھی جدید نظریہ کے مطابق فتویٰ دیا ہے وہ اس طرح ہے۔

الف۔ اگر موصی کا قرضہ چھوڑ کر انتقال ہوا ہے تو ان کی ادائیگی کے لیے جائیداد کا ایک حصہ فروخت کرنا ضروری ہے۔ یعنی اگر غیر منقولہ جائیداد کو بلا فروخت کئے قرضے ادا نہیں ہو سکتے ہوں تو مناسب قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔

ب۔ اگر موصی نے ادائیگی میراث کی بصورت زر نقد ہدایت کی ہو اور کوئی زر نقد نہ ہو جس سے میراث ہاادا کی جا سکیں تو وصی جائیداد ہا غیر منقولہ کا ایک حصہ جو ان میراث ہا کے ادائیگی کے لیے کافی ہو فروخت کر سکتا ہے۔

ج۔ اگر اس امر کا واقعی اندیشہ ہو کہ جائیداد مثل مکان خستہ و برباد ہو جائے گی۔

د۔ اگر جائیداد غاصب کے قبضہ میں ہو اور اس کے حاصل ہونے کا کوئی امکان نہ ہو۔

ہ۔ اگر حفاظت جائیداد کے اخراجات آمدنی سے زیادہ ہوں۔

و۔ اگر محصولات حکومت کی ادائیگی ضروری ہو مگر ادائیگی کے لیے روپیہ نہ ہو۔

ز۔ اگر جائیداد کی مجوزہ قیمت اس کی اصل مالیت سے دگنی یعنی بہت زیادہ ہو۔

ایک وصی کسی بھی شخص کو (علاوہ خود) نابالغ زیر ولایت کی منقولہ جائیداد فروخت کر سکتا ہے۔ یا اس کے لیے (ایسے اشخاص سے) خرید سکتا ہے مگر اس قسم کے معاملات پر یہ بدل عام طور پر رائج ہونا چاہئے اگر بیع یا خرید کا ناکافی بدل ہے تو یہ ناجائز ہے۔ اور قابل تنسیخ ہے جس کا وصی ذمے دار ہو گا۔ قاضی کا مقررہ منتظم یا وصی نابالغ وارث کسی شئے کو خود نہ خرید سکتا ہے نہ اپنی مملوکہ کوئی شے اس کو فروخت کر سکتا ہے لیکن وہ وصی جسے نابالغان کے دادا نے مقرر کیا ہو اگر ایسا کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق بشرطیکہ نابالغ کے سراسر مفاد میں ہو جائز ہے صاحبین ایسے معاہدے کو ناجائز قرار دیتے ہیں انہیں رائے کے مطابق ڈگریاں عائد ہوتی ہیں۔

فتاوائے عالمگیری کے مطابق جب یتیم خود یتیم کی جائیداد خریدے یا اپنی یتیم کو فروخت کرے تو ابو حنیفہ کے مطابق یہ بیع جائز ہے اور ابویوسف کے مطابق بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ سراسر یتیم کے مفاد میں ہو۔ ورنہ ناجائز ہے مگر محمد اور ابویوسف کی اس بارے میں قابل اعتماد اطلاع کے مطابق ایسا بیع ہر حالت میں ناجائز ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک باپ نابالغ بچے کی بیع کی جائیداد فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کا اہل اور قابل اعتماد ہو اور بیع صریحاً مفاد نابالغ میں ہو۔ اگر باپ ناقابل اعتماد ہے تو نابالغ سن بلوغ کو پہنچ کر اس کو منسوخ کر سکتا ہے بشرطیکہ جائیداد اصل قیمت سے دگنی قیمت کی ہو اور اسی اصول کے مطابق فتویٰ ہے اور حماوی نے اشباہ پر اپنی شرح میں لکھا ہے کہ باپ کو وصی سے زیادہ اختیارات نہیں ہیں اور اس کے اختیارات بھی انہیں شرائط کے تابع ہیں

اور اسی نظریہ کے مطابق فتویٰ ہے۔ یہ سب جائیداد غیر منقولہ کے بیع سے متعلق ہیں۔ نابالغ کی جائیداد منقولہ باپ جو واقعی سرپرست ہو جائیداد مروجہ قیمت پر فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ اس کے مفاد میں ہوں حتیٰ کہ قدرے کم قیمت پر بھی ہو لیکن یہ قدرے کمی کسی صورت میں بھی زیادہ نہ ہونا چاہئے ورنہ یہ بیع ناجائز ہوگی۔

وصی کے اختیارات

فتاوائے عالمگیری کے مطابق وصی جائیداد نابالغ مضاربت میں دے سکتا ہے اور حسب حیثیت دوسرے کے ساتھ شرکت بھی کر سکتا ہے۔ وصی لمبی مدت کے لیے جائداد طویلہ پر دے سکتا ہے۔ اپنی جائیداد کے ایک جزا اپنے متوفی کے قرضوں کی ادائیگی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اسے یہ اختیار نہیں ہے کہ یتیم کی جائیداد کسی دوسرے کو قرض دیدے اور اس بارے میں اجماع ہے یہی محیط کا قول ہے اور ایسا کرنے پر وہ خود ذمہ دار ہو گا حتیٰ کہ قاضی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے۔ فقہا میں باپ کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ مروجہ اصول کی بنا پر باپ بحیثیت وصی ہے نہ کہ بحیثیت قاضی۔ اگر وصی باپ جائیداد قرضہ ذاتی میں مکفول کرے تو متذکرہ تمثیل کی بنیاد پر ناجائز مگر بربنائے استحان جائز ہے۔ مگر یتیم کی جائیداد سے اپنے قرضے ادا کرنا ناجائز ہے اگر باپ بھی یہ کرے تو ناجائز ہے۔ اور اگر وصی جائیداد یتیم سے قرضہ خود کے مبادلے میں قرض خواہ کو فروخت کرے تو ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز ہے۔ مگر اس کی قیمت قرضے کے مد میں قابل مجرا ہو گی لیکن محیط کے مطابق وہ نابالغ کے سامنے جواب دہ ہو گا۔

ابو یوسف کے اصول

ایک نابالغ کی جائیداد کی کفایت کے سلسلہ میں باپ یا وصی کے اختیارات کے متعلق ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے یہ مناسب ہے کہ فتاوائے عالمگیری کی اس عبارت کا ترجمہ یہاں دیا جائے جس کی سند پر یہ عبارت منحصر ہے اور جس سے ظاہر ہو گا کہ قانون نافذ الوقت ابو یوسف کی رائے کے مطابق ہے جنہوں نے ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے۔

”وصی مجاز ہے کہ یتیم کی جائیدا کو ادھار دینے کا مجاز نہیں ہے ورنہ وہ جواب دہ ہو گا۔ لیکن قاضی اس کا مجاز ہے فقہا میں باپ کے اختیار کے بارے میں اختلاف ہے صحیح

اصول یہ ہے کہ باپ مثل وصی ہے نہ کہ مثل قاضی اگر وصی خود نابالغ کی جائیداد کو قرض لے تو یہ ناجائز ہے بلکہ اس پر باردین ہوگا۔ محمد کے حوالہ سے ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک وارث کی نا بالغ جائیداد پر قرض لینے کا مجاز ہے مگر محمد کے مطابق اگر واپس ادائیگی کے قابل ہے تو اس کا فعل قابل الزام نہیں ہے۔ اگر وصی یا باپ اپنے قرض کے عوض بالغ کی جائیداد مکفول کریں تو ناجائز ہے مگر بطور استحسان جائز ہے۔ ابو یوسف کے اصول قیاس کی بنا پر یہ ناجائز بتاتے ہیں۔ اگر کوئی وصی قرضہ نابالغ کی جائیداد سے قرضہ خود ادا کرے تو ناجائز ہے۔ اور اگر باپ ایسا کرے تو جائز ہے کیونکہ وصی کو نا بالغ کی جائیداد قیمت مروجہ خریدنے کا منصب نہیں ہے مگر باپ خرید سکتا ہے۔ کفالت ادائگی قرضہ کے مثل ہے تو ایک باپ نابالغ کی جائیداد سے ادا کر سکتا ہے مگر وصی ایسا نہیں کر سکتا یہی صورت رہن کی ہے۔ جامع الصغیر میں ہے کہ اگر باپ نابالغ بچے کی جائیداد اپنے ذاتی قرضہ کے عوض رہن کرے اور مرہونہ جائیداد کی قیمت اصل قرض سے زیادہ ہو اس طرح مرتہن کے ہاتھوں باپ جائیداد ضائع کرتا ہے تو وہ اس زر قرضے کا جو اس نے ادا کیا ہو ذمے دار ہوگا نہ کہ شے کی قیمت کا لیکن شمس الائمہ سرخسی کے مطابق باپ اور وصی جائیداد مرہونہ کی قیمت کے لیے مساویانہ ذمے دار ہوں گے۔ ابو یوسف کے مطابق نہ باپ نہ وصی اپنے قرضے ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ اپنے ذاتی قرضے کے ادائیگی کے لیے جائیداد نابالغ کو رہن نہیں کر سکتے۔ بشر ابن ولید کے مطابق ماں بچے کی جائیداد کو رہن نہیں کر سکتی۔

ابو یوسف کا اصول مسلمہ ہے

عام طور پر یہ مسلمہ ہے کہ باپ یا وصی جائیداد رہن کر سکتے ہیں مگر حسب قیاس ایسا نہیں کر سکتے جائیداد مرہونہ کے ضائع یا کھو جانے کی صورت میں ہر دو ذمے دار ہیں۔

اگر وصی متوفی کے ذاتی قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کرے اور اس میں سب ہی جائیداد شامل نہیں ہے تو حسب امام ابو حنیفہ ایسی بیع جائز ہے مگر صاحبین کے مطابق ناجائز ہے۔ اور اگر ورثہ میں قرضہ نہیں ہیں اور ورثا نابالغ ہوں تو قاضی تمام جائیداد فروخت کر سکتا ہے مگر مذہب حنیفہ کے مطابق یہ بیع ناقص ہو گی ابو حنیفہ نے

متوفی کے وصی اور باپ کے اختیارات میں امتیاز کیا ہے۔ وصی مجاز ہے کہ وہ متوفی کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے شے موروثہ فروخت کر کے میراث ہا کو نافذ کرے مگر متوفی کا باپ (یعنی نا بالغان کا دادا) ورثہ کو اپنے لڑکے کے لیے فروخت کر سکتا ہے مگر وہ ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے جو اس کے لڑکے کے نابالغان کے ذمے واجب ہیں جائیداد کو فروخت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

شمس الائمہ الحلوانی خصاف کا وضع کردہ اصول اپناتے ہیں لیکن محمد نے دادا کو باپ کی جگہ رکھا۔ کتاب مختصر القدوری میں آیا ہے کہ جب کوئی ایک باپ وصی چھوڑ کر انتقال کر جائے تو وصی کو باپ پر ترجیح ہے اگر وصی نہ ہو تو باپ کو (متوفی کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے) ترجیح دی جائے گی۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ حتی کے دادا کے مقرر کئے ہوئے وصی اور اس کے بعد قاضی کے مقرر کردہ وصی کا نمبر آتا ہے شمس الائمہ الحلوانی نے بتایا ہے کہ خصاف کے موضوعہ اصول کے مطابق یہی فتویٰ ہے۔

اگر ایک نابالغ کا باپ جس کو ورثے میں جائیداد ملی ہو فضول خرچ اور اس کو برباد کرنے والا ہو اور اس پر اس کو ممنوع کیا جاسکتا ہو وہ بچے کی جائیداد کی نگرانی کا مستحق نہیں۔

قاضی کا مقرر کردہ منتظم

شمس الائمہ الحلوانی نے ابو یوسف کی تصنیف آداب القاضی کی شرح میں بتایا ہے کہ جب قاضی کسی یتیم کا وصی مقرر کرتا ہے تو یہ وصی مثل باپ کے مقرر کردہ وصی کے ہوگا بشرطیکہ قاضی نے اس کو تمام معاملات میں ہی عام طور پر نگراں مقرر کیا ہو لیکن اگر اسے کسی خاص معاملے میں مقرر کیا ہے تو وہ محض اس معاملہ میں وصی ہوگا۔ مگر یہ باپ کے مقرر کردہ وصی کی صورت میں نہیں ہے جب کہ متوفی کا مقرر کردہ وصی ایک موزوں اور اہل شخص ہو تو قاضی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کو علاحدہ کردے۔ اگر وہ موزوں نہیں ہے تو اس کو علاحدہ کر کے دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے لیکن اگر وہ اہل اور مناسب ہے مگر پوری طرح اہل نہیں ہے تو قاضی اس کو علاحدہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کے ساتھ ایک اہل منتظم کو مامور کر سکتا ہے۔ اگر قاضی ایسے شخص کو

علاحدہ کرے جو کہ موزوں اور اہل ہے تو وہ اس کو علاحدہ کرنے کے مثل ہے۔ اور ایسا ہی شیخ الاسلام خواہر زادہ کے نام سے موسوم کیا ہے لیکن بہت سے فقہا کے مطابق قاضی کا کسی موضوع اور اہل وصی کو علاحدہ کرنے کا حکم بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اسے یہ اختیار متوفی سے ملا ہے۔ اور قاضی کے مقرر کردہ وصی سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔

وصی بلا اجازت قاضی رہن نہیں کرسکتا

قدوری میں ہے کہ قاضی کو موصی کے مقرر کردہ وصی کو علاحدہ کرنے یا اس کے ساتھ کسی اور کو شامل کرنے کا اختیار نہیں ہے تاوقتیکہ اس نے خیانت مجرمانہ نہ کی ہو یا فاسق کے طور پر معروف نہ ہوا۔ ایسی صورت میں قاضی اس کو علاحدہ کرنے کے بعد اس کے بجائے دوسرے کو مقرر کر سکتا ہے یا اگر وہ ایماندار ہو اور نااہل ہے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو مامور کر سکتا ہے ایسا ہی اصل اور اس کی شرح مصنفہ طحطاوی میں آیا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا قاضی کسی موذوں یا اہل وصی کو علاحدہ کر سکتا ہے۔ اور اس کا یہ حکم نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ شیخ امام ابو بکر محمد ابن فضل کے مطابق جب کہ وصی موصی کی ہدایت کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کو علیحدہ کردیا جائے۔ وصی ان تمام افعال کا مجاز ہے جس سے کہ یتیم کو فائدہ پہنچے یہی صورت باپ کے ساتھ معاملہ میں ہے۔

وصی کے اختیارات

وصی اپنے حساب میں بچہ کے مال سے تجارت نہیں کر سکتا۔ لیکن درد کے مطابق یتیم کی خاطر وہ ایسا کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ مؤخر الذکر کے مفاد میں ہو۔ اگر وصی اپنے نابالغ وارث کے مال کو تجارت کے کاروبار میں لگائے تو اس کا منافع بعض فقہا کے نزدیک صدقات اور خیرات میں دینا چاہئے۔ اور اصل رقم نابالغ کے حساب میں جمع ہونا چاہئے۔ ابو یوسف کے مطابق ایسے حاصل شدہ منافع نابالغ کے حق میں ہونا چاہئیں۔ اور قاضی خان نے اسی نظریہ کے مطابق فتویٰ صادر کیا ہے۔ قاضی وصی کو نابالغ کے مال سے تجارت کرنے یا دوسروں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کا مجاز کر سکتا ہے۔

وصی بلا اجازت قاضی رہن نہیں کرسکتا

ایک وصی اگر نا بالغ کے مفاد میں ہو اور اس کی ضرورت ہو تو نا بالغ کی جائیداد کرایہ پر دے سکتا ہے لیکن بلا اجازت قاضی رہن نہیں کر سکتا۔ اسے اسباب کو مَلفول و بیع کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ موصی کے نابالغ بچے کے لیے یہ ضروری ہو۔ اگر وصی سامان قرضے پر صرف کرتا ہے تو مدت قرضہ وجہ عرصہ کے مطابق ہونا چاہئے اگر یہ بچے کے مفاد میں نہیں ہے یا جس مدت کے لیے قرضہ دیا گیا ہے وہ بہت طویل ہو یا اہل کے مطابق مروجہ نہ ہو تو وہ سدا جائز نہ ہو گا۔

جب کہ دو علاحدہ وصیوں کے ولایت میں دو بچے ہوں تو ایک ولی کو ایک بچے کا اسباب دوسرے ولی کو فروخت کرنا بقول قاضی خان جائز ہے۔اور فتاوائے عالمگیری میں بھی اسی کو تسلیم کیا ہے۔ اس اصول کی صحت کے بارے میں ردالمختار میں اعتراض کیا گیا ہے۔ جب کہ ایسے بیع کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ بقول مصنف وصی کا کیا ہوا معاملہ اس کے اپنے لئے نہیں ہے۔ اور ایک بچے کی جانب سے کسی خاص جائیداد کا بیع کرنا مفید ہو سکتا ہے یا کہ اس کا خریدنا۔

وصی اگر جائیداد کی قیمت جو کہ وصی نے نابالغ کی طرف سے بیچی خریدی ہو ناکافی ہے تو وصی اس کے لیے ذمہ دار ہے اور وصی کو اس کی تجہیز و تکفین میں زیادہ خرچ نہ کرنا چاہئے۔

جب کوئی بچہ سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اور وصی جس کی جائیداد اس کے سپرد کردے اور وہ ضائع ہو جائے تو اس کا ذمہ دار ہے۔

رشد کا منشا اپنی جائیداد کی مناسب خبر گیری کرنا ہے ابو حنیفہ کی رائے میں ایک جائیداد ایک وارث کو نہیں سپرد کرنی چاہیے جب تک کہ وہ پچیس سال کا نہ ہو گیا ہو۔ لیکن صاحبین کی رائے میں اس کے لیے خیال کیا جائے گا۔ جب کہ بچہ بالغ ہو گیا ہو لیکن اس قیاس کی اس بنا پر تردید ہو سکتی ہے کہ وہ مناسب فہم نہیں رکھتا یا جائیداد کی مناسب دیکھ بھال کا نااہل ہے۔

جب کہ موصی اپنی جائیداد کا ایک ثلث اپنے وصیان کی مشترکہ صواب دید پر

چھوڑتا ہے۔ ان میں سے ایک صواب دید (طرح) کے اظہار سے قبل انتقال کر جائے تو وہ ایک ثلث ورثا کو عود کرے گا جو کہ اہل ہوں اور موقع پر موجود ہوں تو وصی ان کے حصہ کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ غیر حاضر ہوں تو وہ اثاث البیت متعلقہ جائیداد کو فرخت کر سکتا ہے۔ لیکن غیر منقولہ جائیداد کو کرایہ پر دے سکتا ہے۔ پابندی کی وجہ اس اصول پر مبنی ہے کہ وصی کو کسی غیر حاضر شخص کی جائیداد کی حفاظت کا اختیار ہے اور چونکہ وہ منقولہ اشیا جو کہ ضائع ہونے والی ہوں ان کا فرخت کرنا ضروری ہے۔ تو وصی ایسا کر سکتا ہے اور شخص کی جانب سے ان اشیا کی قیمت وصول کر سکتا ہے مگر عقار یا جائیداد غیر منقولہ خود محفوظ ہوتی ہے سوائے اس صورت میں کہ وہ خود شکستہ ہو جائے اور وصی اس کے علاحدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے ایسی صورت میں وہ بھی فروخت ہو سکتی ہے۔

جب تمام ورثا بالغ ہوں اور ان میں سے ایک غیر حاضر ہو تو وصی عام اتفاق رائے سے مجاز ہے کہ غیر حاضر کے تمام حصص جو کہ جائیداد منقولہ (عقار) میں نہ ہوں، فروخت کر سکتا ہے۔ اور غیر حاضر وارث کی آمدنی محفوظ کر سکتا ہے۔ ابو حنیفہ کے مطابق وصی ان تمام کے حصص جو حاضر ہوں فروخت کر سکتا ہے مگر صاحبین کے مطابق اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور یہی رائے مسلمہ ہے۔

یہ تمام مثالیں اس صورت میں ہیں جب کہ موصی نے قرضے نہ چھوڑے ہوں۔ لیکن اگر کوئی قرضے چھوڑے ہوں اور ان میں جائیداد چھوڑی ہو تو وصی اس کو فروخت کر سکتا ہے۔ ان قرضوں میں تمام جائیدادیں شامل نہ ہو۔ تو وہ ان میں سے انہیں فروخت کر سکتا ہے جو ان قرضوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوں۔ جب کہ وصی نے جائیداد منقولہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کی ہو اور جب کہ اس غرض کے لیے اس کے پاس دیگر ہوں تو یہ فروخت جائز ہے۔ اسی طرح تمام میراث ہا کی صورت میں وصی اپنی جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے جو ادائیگی قرضہ ہا کے لیے ضروری ہے (بعد ادائیگی جو تمام سے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) اگر کوئی شخص کئی ورثا چھوڑ کر انتقال کر جائے ان میں سے ایک بالغ ہے اور بعینہٖ نا بالغ اور اس جائیداد پر قرضوں یا میراث کا بار نہیں ہے اور اثاث البیت پر مشتمل ہے تو وصی نا بالغ کا حصہ فروخت کر سکتا ہے اور اس آمدنی کو زیادہ فائدہ رساں جائیداد خریدنے میں کام میں لا سکتا ہے۔ وصی اس روپیہ

سے جو بچے کا مملوکہ ہے اور اس کے قبضہ میں ہو قرض نہیں دے سکتا۔

وصی جائیداد سے اپنا مقررہ الاؤنس لے سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں مگر اس کا باپ بحالت ضرورت اپنے نابالغ بچوں کی جائیداد سے بقدر ضرورت صرف کر سکتا ہے۔اس پر وصی کا اطلاق نہیں ہو گا لیکن تاوقتیکہ موصی کوئی معاوضہ یا رقم مقرر نہ کرے تو وصی اس جائیداد سے اپنے لئے کچھ نہیں لے سکتا مگر قاضی مجاز ہے کہ وہ نگراں یا وصی کے لیے جس کو وہ مقرر کرے الاؤنس مقرر کر سکتا ہے۔ فتاوائے قاضی خان میں آیا ہے کہ جب وصی کے لیے کوئی الاؤنس مقرر کیا جائے تو وہ ایک محدود اور مناسب رقم بقدر ضرورت مقرر کر سکتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو وہ اس بچے کے کام کو ادھر ادھر جانے کے لیے صرف کر سکتا ہے۔ اگر چہ کئی فقہا کی رائے میں جائز نہ ہو گا مسلمہ اصول یہ ہے کہ جب موصی کوئی الاؤنس مقرر نہ کرے اور وصی کوئی معاوضہ طلب کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو مقرر کرنا چاہئے احناف کے مطابق والہ وصی موصی کے نابالغ بچوں کی نگرانی کے لیے ان کے دادا کے مقابلے میں زیادہ لایق ترجیح ہے۔

وصی جائیداد موصی کے خلاف کوئی بھی اقرار قرضہ نہیں کر سکتا۔(اور جس کے حق میں اقرار کیا جائے)جب تک کہ بذریعہ شہادت وہ اپنا مطالبہ ثابت نہ کرے وصی قبول نہیں کر سکتا ہے کہ وصی کی وراثت میں کسی اور کا بھی حصہ ہے تاوقتیکہ وہ خود وارث نہ ہو اور ایسی صورت میں یہ اقرار خود اسکے حصے کے خلاف موثر ہو گا۔

جب کوئی شخص بلا وصیت کے اور بلا وصی مقرر کے انتقال کر جائے اور قاضی کا اس میں کوئی حوالہ نہ ہو تو اہل محلے میں سے کوئی ایک حسب ضرورت قانونا جائیداد کا انتظام کر سکتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

باپ کا وصی

نابالغ بچوں کی ولایت کا حق ترجیحاً باپ کو پہنچتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں وصی کو اور جب باپ بلا کسی وصی مقرر کیئے انتقال کر جائے تو ولادت دادا سے منتقل ہو گی۔اور اس کی عدم موجودگی میں موصی کو اور وصی کے وصی کو۔ لیکن اگر ان میں کوئی نہ ہو تو ولایت قاضی کی یا اس کے مقرر کردہ شخص کی ہو گی۔

فتاوائے عالمگیری میں مندرجہ بالا اصول بعبارت ذیل ہے:

باپ کا وصی باپ کی جگہ ہوتا ہے اسی طرح دادا کا وصی باپ کی طرح ہوتا ہے اور دادا کے وصی کا وصی دادا کے وصی کی جگہ ہوتا ہے اور قاضی کا وصی قاضی کے وصی کی جگہ ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا تقرر عام ہو۔

اگر باپ کا وصی مقرر کرنے کے بعد انتقال کر جائے اور پس ماندگان میں سے کچھ بچے چھوڑ کر جائے۔ اس میں کچھ بالغ ہوں اور کچھ نابالغ اور موصی کے موت پر کچھ بچے چھوڑ کر انتقال کر جائیں تو باپ کا وصی ان کے بچوں کا وصی بھی ہو گا۔ اور ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی حفاظت کرے گا یا پہلے سے مقررہ پابندیوں کے مطابق فروخت کرے گا۔

وصیان کا مقرر کردہ موصی اور ان کے اختیارات

لیکن ماں بھائی یا چچا یا ان میں سے کسی بھی رشتہ دار کے مقررہ موصی کو یہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے کہ نابالغ کی جائیدد ا غیر منقولہ کو فروخت کر سکیں۔ وہ صرف اس بچہ اور جائیداد کی نگرانی کے مجاز ہیں۔ وہ نہ اس کے لیے تجارت کر سکتے ہیں، بلکہ وہ محض بچے کے ضرورت کی اشیا خرید سکتے ہیں۔ مثلاً غذا، لباس اور وہ محض وہ شئے فروخت کر سکتے ہیں جو بچہ نے موصی سے (جس نے وصی مقرر کیا ہے) ورثہ میں پائی ہوں اس لئے کہ اس کی قیمت کی حفاظت اصل اشیا کی حفاظت سے آسان ہے۔

فتاوائے عالمگیری میں ماں کے مقرر کردہ وصی کے اختیارات اس طرح ہیں

ماں کے مقرر کردہ وصی کو نابالغ کے لیے خواہ کچھ بھی ہو اپنے باپ کی غیر منقولہ اور منقولہ جائیداد سے پایا ہو۔ اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ خواہ جائیداد پر قرضہ کا بار ہو یا نہ ہو، لیکن نابالغ نے جو کچھ اپنی ماں سے ورثہ میں پایا ہے اور وہ قرضوں اور میراث کے بارے میں بری ہو تو وصی جائیداد منقولہ کو فروخت کر سکتا ہے لیکن غیر منقولہ کو نہیں لیکن اگر قرضے کا اتنا بار نہ ہو کہ سب جائیداد ہی شامل ہو جائے تو وہ صرف اتنا ہی جائیداد فروخت کرے گا جو کہ ادائیگی قرضوں کے لیے ضروری ہے فاضل جائیداد کو فروخت کرنے کے لیے ہمارے فقہا ہمارے (مشائخ) میں اختلاف ہے۔

اگر تمام ورثا بالغ ہوں اور موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے بری ہو تو ماں کا مقرر، وصی اس کی جائیداد کے کسی حصے کو بھی فروخت نہیں کر سکتا۔ اور اگر جائیداد زیر بار قرضہ ہو تو ماں کے وصی کے اختیار کے بارے میں جواب یہ ہے کہ وہ باپ کے وصی کے اختیار کے مثل وصی ہے۔ اور دونوں ہی معاملات میں رائے میں اختلاف ہے۔

اگر دونوں کے بالغ اور نابالغ ورثا ہوں اور بالغ غیر حاضر ہوں اور جائیداد بار قرضے سے بری ہو تو ماں کا وصی جائیداد کے منقولہ حصے کو فروخت کر سکتا ہے۔ جائیداد غیر منقولہ "عقار" کو فروخت نہیں کر سکتا اس لئے اس میں بالغان اور نا بالغان کے حصص ایک ہی ہیں۔ اگر بالغان موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے بری ہو تو وصی نابالغ کی منقولہ جائیداد کے حصہ کو فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ بالغان کا حصہ بھی فروخت کر سکتا ہے اس بارے میں رائے میں اختلاف ہے تاہم "عقار" کو فروخت نہیں کر سکتا۔

ماں کے وصی کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے وہی بھائی اور چچا کے وصی پر صادق آتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ وصی کے اختیار کا اندازہ موصی کے اختیار کے معیار سے ہوتا ہے۔

المختصر ایک ماں کے مقرر کردہ وصی کو کسی جائیداد میں جو اس کے بچوں کو ان کے باپ یا رشتے داروں سے خواہ مقروض ہوں یا نہیں ورثے میں ملی ہو کسی جائیداد میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے نہ وہ غیر منقولہ جائیداد کے کسی حصہ کو جو اسے ورثہ میں ملی ہو فروخت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ زیر بار قرضہ نہ ہو یا اس سے میراث ہا کی ادائیگی کرنا نہ ہو۔ اگر جائیداد زیر بار قرضہ یا میراث ہا ہو تو وہ جائیداد کا کوئی سا حصہ منقولہ یا غیر منقولہ جو ادائیگی قرضے کے لیے کافی ہو فروخت کر سکتا ہے۔ اگر تمام ورثا جو بالغ ہوں اور موجود ہوں اور جائیداد قرضے سے پاک ہو وہ اس کا کوئی حصہ فروخت نہیں کر سکتا لیکن اگر جائیداد پر قرضے کا بار ہو تو اس کے اختیارات بھی انہیں قواعد کے تابع ہیں جو کہ باپ کے مقرر کردہ وصی پر لاگو ہوتے ہیں۔ اگر بعض ورثا بالغ ہوں اور بعض نابالغ اور بالغ غیر حاضر ہوں اور جائیداد قرضے سے پاک ہو تو وہ منقولہ کو فروخت کر سکتا ہے خواہ اس میں نا بالغ کا حصہ ہو یا نا بالغ کا لیکن نابالغان یا بالغان کسی کے بھی "عقار" (غیر منقولہ جائیداد کے حصے) کو فروخت نہیں کر سکتا اگر جائیداد زیر بار قرضہ ہو تو اس کے اختیارات باپ کے وصی کے اختیارات کے مثل ہیں۔ اگر بالغ موجود ہوں اور جائیداد بار قرضے

سے پاک ہو تو وصی "عقار" (جائیداد غیر منقولہ میں) نابالغ کے حصے کو فروخت کر سکتا ہے لیکن کیا وہ بالغوں کا حصہ بھی فروخت کر سکتا ہے اس بارے میں اختلاف ہے مگر جائیداد منقولہ کو قطعاً فروخت نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک ماں کا وصی اس کے نابالغ بچوں کے لیے کوئی شے نہیں خرید سکتا سوائے خوراک اور کپڑوں کے جو ان کی بقا کے لیے ضروری ہیں۔ جو کچھ ماں کے وصی اختیارات کے لیے کیا گیا ہے وہ بھائی اور چچا کے وصی پر صادق آتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ وصی کے اختیار کا معیار موصی کے اختیار پر مبنی ہے۔

وصی اپنے لین دین کا ثبوت رکھنے کا پابند ہے

وصی کو اختیار ہے کہ جو کچھ اس کے پاس سے بچوں پر صرف ہوا ہو وہ وصول کرے مگر اس کا حساب (ثبوت) رکھنا چاہئے۔ فتاویٰ قاضی خان میں اس بارے میں عبارت ہے کہ وہ اپنی رقم اس رقم کو جو خاص اس نے اپنے پاس سے صرف کی ہے واپس لے۔ خواہ اس بارے میں اس کے پاس گواہان ہوں۔ اس سلسلے میں مسلمہ اصول جیسا بیان کیا گیا ہے یہ ہے اگرچہ اصول ماں اور باپ پر منطبق نہیں ہوتا۔ جب ان میں سے کوئی ولی ہوں تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ ان کو حساب رکھنا چاہئے۔

وصی مجاز ہے کہ جو اس کے پاس سے جائیداد پر خرچ ہوا ہو وہ وصول کرے اور ان اخراجات میں موصی یا وصی یا اس کے ورثا کے تجہیز و تکفین یا موصی کے قرضوں کی ادائیگی بھی شامل ہے۔

اگر کوئی وصی متوفی کے جائیداد کے بارے کے متعلق مطالبات بلا کسی ثبوت ادا کرے تو وہ ایسی ادائیگی رقم جو اس نے موصی کے اثاثے کی نگرانی میں کی ہو مجرا نہیں ہوگی۔ اگر ایسی ادائیگی پر متوفی کے ورثا یا قرض خواہان کو اعتراض ہو مگر ادائیگی کافی ثبوت کے ساتھ کی گئی ہو تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ جبکہ دو مُتدیّن اشخاص قرضے کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہوں تو تصدیق کریں خواہ یہ تصدیق قاضی کے سامنے نہ ہو اگر ورثا اس قرضے سے انکار کریں تو اس مسئلہ پر ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ قرضہ ادا کر سکتا ہے بعض کے نزدیک نہیں ادا کر سکتا۔

موصی اگر کوئی وصی کسی قرض خواہ کی بلا اجازت قاضی ادائیگی کرے تو وہ

دوسرے قرض خواہوں کے لیے بھی ذمے دار ہے لیکن اگر اس نے قاضی کے حکم سے ادائیگی کی ہے تو وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر قاضی کی ڈگری کی وجہ سے متوفی کی جائیداد سے ادائیگی قرضہ لازمی ہو اور وصی اس نے اس بارے میں اطمینان کر لیا ہو اگر اس سلسلہ میں دوسرا شخص جائیداد کے بارے میں دعویٰ دائر کرے اور ادائیگی اگر قاضی کے حکم سے ہوئی ہے تو وصی کی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر اس نے قاضی کو ڈھنگ سے ادائیگی کی ہو مگر قرض خواہ اول کے خلاف قرض خواہ دوم بقدر حصہ رقم قرضہ جو اسے ملی ہو رقم قرضہ کے تناسب سے دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے پاس ضائع ہو چکی ہے تو وہ اسی تناسب سے دوسرے کے سامنے بھی جواب دہ ہے لیکن وصی اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہے لیکن اگر اس کے برعکس وصی نے بلا اجازت ادائیگی کی ہے تو دوسرا قرض خواہ وصی یا پہلے قرض خواہ سے جو کچھ کہ مؤخر الذکر کو ملا ہے بقدر تناسب وصولی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

جب کسی وصی نے تمام جائیداد موصی کے بچوں پر صرف کر دی ہو اور باقی کچھ نہ رہا ہو اور اس کے بعد جائیداد کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہو جو جج کے سامنے ثابت ہو کر ڈگری صادر ہو گئی ہو تو کیا قرض خواہ وصی کو ذمہ دار قرار دے سکتا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک یہ خرچہ اگر قاضی کے حکم سے ہوا تو وصی ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اگر بلا حکم قاضی ہوا تو وہ ذمہ دار ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر متوفی کی جائیداد عدالت کے حکم سے موصی کے بچوں کی پرورش یا تعلیم و ترقی میں صرف ہوئی تو وصی متوفی کے قرض خواہان کی ادائیگی سے بری الذمہ ہے مگر یہ بظاہر اس کے برعکس ہو گا اگر وصی تمام جائیداد انہیں اغراض پر بلا منظوری صرف کرے۔

شیعہ قانون وصی کی ذمہ داری

شیعہ قانون کے مطابق ایک وصی متوفی کی جائیداد کے نقصان پر بربادی کا ذمہ دار نہیں ہے جب تک یہ اسے اپنے منصب کے اصولوں کی شرائط کے خلاف ورزی نہ کی ہو۔ یا اس کی ذاتی غفلت کی بنا پر نہ ہو اگر وہ متوفی کا قرض خواہ ہے تو بلا اجازت قاضی بشرطیکہ قرضہ کا ثبوت ہو جائیداد سے اپنا روپیہ جائز طور پر وصول کر سکتا ہے۔ مگر بعض فقہا کے نزدیک تمام حالات میں بلا اجازت قاضی وصولی قرضہ کر سکتا ہے "شرائع" کے مطابق

وصی اپنے لئے متوفی کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں خرید سکتا ہے مگر مصنف شرائع کے مطابق جائز طور پر خرید سکتا ہے تاہم سرایر کا اصول اس بارے میں مسلمہ قانون ہے اہل تشیع کا احناف سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی شخص دیگر کا بطور وصی قرضہ جائز نہیں ہے جب کہ متوفی کا باپ زندہ ہو۔ اس لئے کہ نا بالغ بچوں پر حق تولیت باپ کے مقررہ وصی کے مقابلہ میں دادا کو پہنچتا ہے۔ ابن حنید کے مطابق باپ کا نامزد کردہ اس کی جائیداد پر بقدر ثلث اور حقیت پر تمام حقوق و مطالبات کی ادائیگی کے لیے جائز ہے۔

وصی کی اہلیت حنفی قانون

احناف کہ مطابق وصی کی اہلیت موصی کے موت کے وقت سے متعلق ہے مثلاً اگر کسی نابالغ کو وصی مقرر کیا گیا ہو اور اگر وہ موصی کی موت سے قبل سن بلوغ کو پہنچ جائے تو یہ تقرر موثر ہے۔ بعض شیعہ فقہا خاص طور پر جنید کی بھی یہی رائے ہے۔ شرائع کے مطابق عام اصول یہ ہے کہ وصی کی صلاحیتوں میں اس کے وقت تقرر کا حوالہ بھی شامل ہے پس کسی نا بالغ یا غلام یا کوئی ایسا شخص جو بصورت دیگر نا اہل ہو کا تقرر اصلاًناجائز ہے۔ خواہ موصی کی موت سے قبل ہی عدم اہلیت ختم ہو چکی ہو۔ موصی ہر شخص کے لیے وصی یا ولی مقرر کر سکتا ہے جس پر کہ وہ حسب شرع والدین کے اختیار استعمال کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک بچے آل میں کتنا ہی اسفل ہو بشرطیکہ وہ بچہ بہت ہی کم سن یا نابالغ ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنے بالغ بچوں کا کسی کو وصی مقرر کرے تو قانوناً اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور اگر تقرر جائیداد کی نگرانی کے لیے بھی جو کہ موصی نے فریقین کے لیے چھوڑی ہو تو وصی کو جائیداد کے ایک ثلث تک کے بھی معاملہ کرنے اختیار نہیں ہے۔ خواہ وہ قانوناً اس میں سے اتنا حصہ علاحدہ کر سکتا ہے جو موصی کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے کافی ہو۔

محدود وصی حنفی قانون

اگر کوئی شخص کسی خاص غرض یعنی قرضوں کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کرتا ہے اور دوسرے کو جائیداد کے عام انتظام کے لیے مقرر کرتا ہے یا وہ عبارت ذیل استعمال کرتا ہے "میں نے فلاں فلاں کو اپنے قرضے کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کیا ہے نہ کہ کسی اور غرض کے لیے اور میں نے فلاں فلاں کو پوری جائیداد کے لیے وصی

مقرر کیا ہے" تو دونوں تمام معاملات کے لیے یہ دونوں تمام معالات میں امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق وصی ہیں گویا اس نے دونوں کو تمام معاملات کے لیے مقرر کیا۔ مگر محمد کے مطابق ہر اس خاص مقصد کے لیے جن کے لیے مقرر کیا گیا ہے پابند ہو گا۔ اور جب کہ یہ صریح شرط کی گئی ہو کہ جب ایک معاملہ میں وصی نہ ہو گا۔ جب کہ دوسرا مقرر کر دیا گیا ہو تو محمد ابن فضل کے مطابق ان کے اختیارات موصی کے ہدایات کے مطابق محدود ہوں گے متذکرہ بالا کے مطابق اختلاف رائے ہے مگر ابو یوسف کے وضع کردہ اصول کے مطابق قانون نافذ ہے۔

وصیان استخراجی

احناف اور اہل تشیع میں وصی کی منتقلی کے بارے میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، کافی اختلاف ہے حنفی قانون احکامات بعض اعتبار سے انگلش قانون کے مماثل ہیں۔ مثلاً انگلش قانون کے مطابق وصی منصب وصی کو تفویض نہیں کر سکتا تاہم متوفی کی وصیت کے مطابق جو منصب اس کو تفویض کیا گیا ہے وہ وصی کے حین حیات قائم رہے گا اور اگر A کا محض ایک ہی وصی ہو تو وصی کا وصی تمام اغراض اور مقاصد کے لیے پہلے موصی کا وصی و نمائندہ ہو گا۔ اسی طرح حنفی قانون کے مطابق ایک وصی بوقت مرگ تمام امور کے لیے اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے خواہ صریحاً موصی نے یہ اختیار اس کو تفویض نہ کیا ہو۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وصی کا وصی مقرر کرنے سے ہی ہر دو جائیداد ہا کے لیے انتظام کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اور اگر A اپنا وصی B کو اور C اپنا وصی A کو مقرر کرتا ہے تو A اور C کے فرائض وصی B کو تفویض ہو جاتے ہیں۔

شیعہ اصول

اہل تشیع کے عام مسلمہ اصول کے مطابق ایک وصی اپنے منصب پر بھی اس صورت میں تقرر یا جانشین محض مقرر کرتا ہے جب کہ موصی نے دوسرے کو اپنی موت کے وقت انتظام جائیداد تفویض نہ کیا ہو۔ اگر کسی شخص کا بلا تقرر وصی انتقال ہو جائے یا جب کسی ایسے وصی کا انتقال ہو جس کو جانشین مقرر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا تو اصل موسی کی جائیداد کی نگرانی قاضی پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر موقع پر کوئی قاضی موجود نہ ہو

تو کوئی بھی پاکباز مسلم جس پر اعتماد کیا جاسکے جائیداد کا انتظام و نگرانی سنبھال سکتا ہے لیکن اس مسئلہ پر میں بقول مصنف ''شرائع'' کچھ شبہ واختلاف رائے کی گنجائش ہے۔

حنفی قانون

ایک شخص نابالغ بچے چھوڑ کا انتقال کر جاتا ہے اور وہ بالغ ہو کر وصی سے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور وہ یہ کہتاہے کہ ان کے باپ کے چھوڑے ہوئے ایک ہزار درہم کا ورثہ ان پر خرچ کر دیا گیا وصی کے لڑکوں میں سے ایک اس کی تصدیق کرتا ہے مگر دوسرا انکار کرتا ہے تو ظفر کے مطابق مؤخر الذکر ۲۵۰ درہم اول الذکر سے پانے کا مستحق ہو گا نہ کہ وصی سے یہی ابو حنیفہ کی رائے ہے اور ابن مالک نے ابویوسف کی رائے سے اتفاق کیا ہے محیط سرخسی میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک باپ اور نابالغ بچے چھوڑ کر بلا وصی مقرر کئے ہوئے انتقال کر جائے تو باپ بحیثیت نگراں صورت میں وراثت جس طرح بھی ضروری ہو جائیداد کا انتظام کر سکتا ہے اوراگر متوفی نے دین کثیر چھوڑا ہے تو باپ یعنی نا بالغان کے دادا کو ر قرضوں کی ادائیگی کے لیے فروخت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے فہیم ونابالغ لڑکے کو خرید و فرخت کا مجاز کرتا ہے اور وہ معاہدہ کر کے مقروض ہو جائے بعد میں باپ کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو باپ کو لڑکوں کی جائیداد سے ادائیگی کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

ایک مقروض شخص کچھ ترکے کرتا ہے اور ان تمام قرضوں کی ادائیگی ایک ثلث سے ہو جاتی ہے اور ایک مکان چھوڑ کر ان کا انتقال ہو جاتا ہے تو وصی اس کے قرضے نہ میراث بلا مکان کو فرخت کئے ادا کر سکتاہے۔ مگر ورثا فروخت مکان پر راضی نہ ہوں اور اس لئے ادائیگی قرضوں کے لیے کل مکان یا مکان کے زیادہ حصہ کی ضرورت نہ ہو تو ایسی صورت میں وصی کو مکان فروخت کرنے کا اختیار ہے اسے مکان فروخت کر دینا چاہئے اگر اسے یہ معلوم ہے کہ اگر وہ اسے فروخت نہ کرے گا تو قرضے طویل عرصہ تک بلا ادائیگی رہیں گے۔

قرض خواہاں کے حقوق

جب کسی ایک متوفی کی جائیداد قرضوں کے زیر بار ہو مگر قرضے بہت زیادہ نہیں ہیں بالفاظ دیگر اثاثے سے زیادہ نہیں ہیں اور جائیداد ورثا میں تقسیم ہے اور بعد ازاں جائیداد کا قرض خواہ آتا ہے تو وہ اپنے قرضہ کے مطالبہ کو مختلف ورثا سے بقدر تناسب قرضہ وصول کرنے کا مستحق ہو گا۔ وہ قاضی کے روبرو سب کے خلاف مطالبہ کرنے سے ہی وصول کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے صرف ایک کے خلاف دعویٰ کرے تو اس سے اپنا قرضہ اس حد تک پا سکتا ہے جتنا کہ اس کو ملا ہو خواہ وہ کچھ بھی ہو۔

باب ۲۶۔ وصیّت کے قواعد متفرق

مسلم قانون کے تحت ایسے بہت سے فیصلے ہیں جن میں کہ ایک مسلمان متوفی کی جائیداد کے خلاف قرض خواہان نے حقوق طے کئے ہیں۔ مثال کے طور پر میں چند کے حوالے دیتا ہوں۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ مسلم لا کے مطابق ایک متوفی مقروض کے وارث کے خلاف ڈگری۔ دوسرے ورثا پر قابل پابندی نہیں ہے۔

یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ مسلم قانون کے مطابق ایک بلا وصیتی جائیداد کلیتاً اس کی آل پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ تمام قرضے بھی جو متوفی کے ذمہ یا دوسروں کے اس کے ذمہ واجب ہوں شامل ہیں۔ پس ایک بلا وصیتی مسلمان کے قرض خواہ کو جائیداد کے خلاف اپنے مطالبے کا مناسب طریقے سے دعویٰ یا ترتیب دینا ضروری ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا مناسب طریقے سے بھی جب ہی مرتب ہوتا ہے۔

اگر تمام اشخاص جو اس جائیداد کے حصے پر قابض ہوں اور جس کے مطالبہ صول کرتا ہو مقدمے میں فریقین بنادئے جائیں۔

ایک مسلمان وارث کا اپنے متوفی وارث (جو مقروض مرا ہو) کی جائیداد میں حق مطالبہ محض نمائندگی کے طور پر ہے اور سوائے نمائندے کی حیثیت کے جائیداد میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک متوفی مسلمان کا قرض خواہ ایسے شخص کے خلاف جس نے جائیداد کو واقعی خریدار کو قیمتاً فروخت کیا ہو اور قانونی وراثت بذریعہ بیع قطعی یا رہن منتقل ہو چکی ہو۔ تو دعویٰ دائر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر دوران دائری دعویٰ انتقال جائیداد ہوا ہے جس میں کہ قرض خواہ جائیداد کے اثاثوں سے ادائیگی قرضے کی ڈگری مل گئی ہے جو کہ وارث قانون کے قبضے میں ہیں تو منتقل الیہ کو نوٹس سمجھا جائے گا۔ اور وہ اصول مقدمہ زیر تجویز سے متاثر ہوگا۔ متوفی مسلمان کے قرضے جائیداد پر کوئی بار نہیں ہیں چونکہ قرض خواہ کو تمام

دیگر اشخاص پر جو اس کی موت کے بعد خریدے اس کی جائیداد بذریعہ رہن حاصل کرے سب پر ترجیح ہے۔

عدالت العالیہ کلکتہ نے بھی طے کیا ہے کہ کسی متوفی مسلمان کو قرض خواہ اس کے وارث جائیداد (قانونی) کے خلاف ڈگری حاصل کر لیتا ہے تو یہ نالش انتظام ترکہ ہو گی۔

اور متوفی کے ورثا جن کو فریق نہیں بنایا گیا ہے بوجہ عدم بددیانتی سوائے موصی کے ان قرضوں کے جو ادا کر دیئے گئے ہیں اور کسی شے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ ایک غیر وصیتی مسلمان کی موت پر جائیداد کی ملکیت فوراً اس کے ورثا پر منتقل ہوتی ہے اور ایسا انتقال اس کے قرضوں کی ادائیگی تک ملتوی یا مشروط نہیں ہوتا۔ اس کے قرضوں کے متعلق ایک ڈگری جو کہ متنازعہ یا غیر متنازعہ مقدمے میں صادر ہوئی ہو وہ متوفی مسلمان کے محض ان ورثا کے خلاف صادر ہوئی ہے۔ جو کہ اپنی جائیداد کے کل یا جز پر قابض ہوں وہ ان دوسرے ورثا کو جو بوجہ غیر حاضر یا دوسرے سبب سے قابض نہ ہوں پابند نہیں کرتی اس ڈگری کے اجرا میں خریدار نیلام کو ان ورثا کے کہ جو حقوق اور مفاد ڈگری میں فریق نہیں تھے منتقل کر دیں۔

مسلم قانون کی بنا پر ہر ایسا ہبہ جو اندیشہ موت کی بنا پر کیا گیا ہو نہ کہ بطور ہبہ بطور میراث موثر ہے عام طور پر موصی کو وہ جائیداد منتقل کرتا ہے جو کہ متوفی کی جائیداد سے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو بقیہ ۲/۳ ورثا پاتے ہیں ورثا کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت میں تمام جائیداد شامل ہو جاتی ہیں۔

یہ طے کیا گیا ہے کہ موصی کی وصیت پر اس کے انتقال سے قبل ورثا رضامند ہوں تو یہ رضامندی قطعی نہیں ہے۔ ناجائز ہے۔ ایسی رضامندی موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے۔ اور انہیں لوگوں پر اس کا اطلاق ہونا چاہئے جو حنفی قانون کے تابع ہوں۔

ایک مسلمان موصی جس کا ۱۸۶۰ میں انتقال ہوا۔ اس نے بذریعہ وصیت جائیداد خود چار مساوی حصوں میں اپنے دوسرے اور تیسرے لڑکوں کو دی۔ جائیداد V اور E اپنے بڑے لڑکے کے لڑکے کو (اگر کوئی ہو) اور موصی کے بھائی A کو اور اپنے بڑے لڑکے کو M کو محروم الارث کر دیا۔ اور یہ طے کیا گیا کہ جائیداد کو تقسیم نہ کیا جائے تاوقتیکہ E اور V بیس سال کے نہ ہو جاویں۔ اور M جائز لڑکے کے لیے یہ طے

کیا کہ اس حصہ کا حصہ بطور امانت ہے۔ تاوقتیکہ لڑکا بیس سال کا نہ ہو جائے۔ موصی کے انتقال کے بعد M کے کوئی لڑکا زندہ نہ تھا اور اس کی موت کے کچھ عرصہ بعد ہی M کے کوئی لڑکا ہوا جو محض چندماہ زندہ رہا اور موصی کا بھائی A وصیت کا وصی مقرر کیا گیا ۱۸۷۸ میں E اور V نے وصی A اور اس کے لڑکے S پر حساب فہمی اور تقاسمہ جائیداد کا دعویٰ کیا اور بذریعہ اقبال ڈگری جو ۱۸۸۱ میں صادر ہوئی جائیداد کا ۲/۵ کا V اور E کو دیا گیا۔ اور بقیہ ۳/۲ A اور S کو دیا گیا۔

جائیداد کے مطابق ڈگری تقاسمہ ہو گیا اور فریقین نے حسب ڈگری قبضہ حاصل کر لیا۔ فروری ۱۸۸۴ میں M کے پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا اور مئی ۱۸۸۴ میں نابالغ نے اپنے باپ کی قدرتی ولایت میں اس جائیداد کے خلاف جو C اور V نے بذریعہ اقبال ڈگری حاصل کی تھی جائیداد پر استحقاق کا دعویٰ جب کہ وہ بیس سال کا ہو گیا دائر کیا یہ فیصلہ صادر ہوا کہ مدعی اس لئے حصہ نہیں پا سکتا کہ وہ موصی کے انتقال کے وقت موجود نہ تھا۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ یہاں کا مندرجہ اصول بہت ہی وسیع صورت میں لاگو کیا گیا ہے۔ اس لئے مسلم لا کے تحت اگر وصیت اول اس شخص کے حق میں جو موجود ہے اور اس شخص کے حق میں جو موجود نہیں ہے، جائز ہے۔

ایک مسلمان موصی نے بذریعہ وصیت یہ طے کیا کہ اس کے غیر منقولہ جائیداد ورثا میں نہ منتقل کی جائے نہ تقسیم کی جائے اور نہ اس کے وصی آمدنی کو ان مدات پر حسب فہرست منسلکہ وصیت نامہ بعض اشخاص پر جو کہ دو حصوں میں تقسیم ہیں یعنی وہ جنہوں نے ورثہ پایا اور وہ جنہوں نے ورثہ نہ پایا صرف کی جائے۔ یہ طے کیا گیا کہ موصی کا منشا جائیداد کی تقسیم نہ کرنے اور اپنے ورثا قانونی کو منتقل نہ کر کے محض وظیفہ یابندگان کی صورت میں جو اس سے وظیفہ پاتے رہیں منتقل کرنا تھا۔ وصی نے اس جائیداد کو بطور امانت رکھا تاکہ اس کا منافع مابعد حصص کی صورت میں ورثا کو ملتا رہے۔ اور اس کے نمائندگان اس کے خلاف قبضہ مخالفانہ کی بنا پر جواب دہی نہ کر سکیں تاکہ ان کے مطالبات پر تمادی عارض نہ ہو جائے۔

باب ۲۷۔ شافعی اصول وصایا

فصل اول:۔ عام احکام

انتقال بذریعہ وصیت

وصیت کا اختیار ہر شخص میں بلا امتیاز صنف تفویض کیا گیا ہے۔ وہ جو کہ اہل ہو جس میں فہم ہو، آزاد ہو اور شافعی اصول کے مطابق سفاہت کے بنا پر معذور نہ ہو۔

یہ اختیار کسی غیر کو جو بحالت مدہوشی ہو یا نابالغ ہو، نہیں دیا گیا ہے۔ اگرچہ بقول ایک فقیہ یہ معذوری ایسے نابالغ کے لیے نہ ہونا چاہئے جو سن بلوغ کو پہنچ جائے بعض فقہا کے نزدیک ایک غلام کی وصیت تاوقتیکہ وصیت کے بعد وہ آزاد نہ ہو اور بلا وصیت منسوخ کئے اس کا انتقال نہ ہو جائے ناجائز ہے۔

عوام کے حق میں انتقال وصیتی کا بھی مقصد برابر ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ایک وصیت عیسائی گرجا یا یہودی عبادت گاہ کے لیے نہیں ہو سکتی۔ پس ایک میراث ایسے بچے کے حق میں جو رحم مادر میں ہو صرف دو شرطوں پر نافذ ہو سکتی ہے وہ یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہو اور یہ کہ انتقال جائیداد سے قبل استقرار حمل ہو گیا ہو۔ یعنی تاریخ وصیت سے قبل چھ ماہ گذر چکے ہوں۔ اگر چھ ماہ گذرنے کے بعد پیدائش ہو تو یہ خیال کیا جائے گا کہ بچے کا انتقال وصیتی سے قبل حمل نہیں رہا۔ کم از کم والدین نے ایک اگر دوسرے سے مجامعت نہیں بند کی تھی۔ اس کے برعکس صورت میں استقرار حمل زیادہ سے زیادہ چار سال کی مدت کے لیے قابل تسلیم ہے۔

ایک غلام کے حق میں وصیت اس کے مال پر ہی عود کرتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ موصی کی موت سے قبل آزاد نہ کر دیا گیا۔ ہو مابعد آزادی اگر غلام نے وصیت قبول کری ہو تو نتیجہ اس امر پر ہے کہ آیا موصی کے انتقال کے قبل میراث حاصل کر لی گئی تھی یا نہیں۔ مویشیوں کے حق میں انتقال وصیتی قطعاً باطل ہیں خواہ موصی کا منشا مویشی کو تصرف

میں لانے کا صریح ہو یا اس بارے میں کوئی حوالہ نہ دیا گیا ہو لیکن اگر یہ اعلان کیا گیا ہو کہ مویشی کو ضروری خوراک کی کمی نہ رہے گی تو روایاتی اصول کی بنا پر یہ جائز ہو گا۔

زمیوں کے حق میں وصایا

ایک مسجد کے حق میں میراث جائز ہے بلکہ مسجد کے حق میں ایک وصیت بھی ہے خواہ اس میں مزید اضافہ نہ ہوا ہو جائز ہے۔ تاہم اس معاملے میں یہ انتقال محض اس کے قائم رہنے کے لیے ہی نہ ہو۔ عمارت کی استوارگی کے لیے بھی ہو۔ ایک غیر مسلم کے حق میں وصیت کی خواہ کسی مسلمان فرماں روا کی رعایا ہو یا نہیں ایک ملحد کے حق میں اور خود کے قاتل کے حق میں بھی ہو سکتی ہے۔ ایک وارث کے حق میں میراث مشترکہ ورثا کی متفقہ رضامندی سے جس کا جانشینی کے بعد اعلان کیا گیا ہو ہو سکتی ہے۔ وہ ایک رضامندی جائز ہے۔ اگر شریک ورثا جانشینی کو ترک بھی کر دیں تب بھی جائز ہے اور جو موصی کے موت سے قبل نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے کہ یہ رضامندی اس صورت میں بھی ضروری ہے جب کہ مشترکہ ورثا جانشینی کو ترک کر دیں اور جو موصی کے انتقال سے قبل نہیں دی جا سکتی اس لئے کہ یہ انتقال مشترکہ ورثا کی وجہ سے بوقت موت ناجائز ہوتا ہے جس کا پہلے اعلان نہیں ہو سکتا۔ ایسا انتقال وصیتی جس کا منشا ہر وارث کو اس کا جائز ورثہ ملنے کا ہو وہ کالعدم اور باطل ہے۔ لیکن اس بارے میں کہ کسی ایک وارث کی بذریعہ دستاویز کوئی خاص شئے جس کی مالیت قانونی کی مقررہ حد ہو، دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بشرطیکہ شریک ورثا رضامندی دیدیں۔

ایک شخص درج ذیل اشیا جائز طور ورثے میں دے سکتا ہے۔

(۱) ان اشیا کی پیداوار جو دوران مدت ضائع نہ ہوں۔

(۲) درختوں کے آئندہ پھل یا جانوروں کے ہونے والے بچے وغیرہ۔

(۳) دو اشیا میں سے ایک جو کہ موصی لہٗ کی پسند پر منحصر ہو۔

(۴) ایک نامناسب شے بشرطیکہ اس کا استعمال شرعاً ممنوع نہ ہو۔ مثلاً ایک تربیت یافتہ کتا۔ انگور کا رس جس کا منشا شراب بنانا نہ ہو۔

ایسی میراث جس کے الفاظ جیسے میرے کتوں میں سے ایک کی تکمیل وارث کو

کرنا چاہیے متوفی کا مملوکہ کتا دیدے۔ اور یہ میراث کالعدم اور باطل ہوگی۔

اگر موصی کے پاس کوئی کتا ہی نہ ہو ایسا شخص جس کی جائیداد میں بہت سے کتے ہوں اور بذریعہ وصیت تمام یا کچھ کتوں کو دے سکتا ہے۔ خواہ ورثے میں کتے ہی زیادہ مالیت کے ہوں۔

اگر کسی شخص کے قبضہ میں دو ڈھول ہوں اور اس میں سے ایک تفریح کی غرض سے اگر موسیقی کے طور پر ہو اور دوسرا ایک اچھے جائز استعمال کے لیے ہو۔ مثلاً ایک طبلِ جنگ یا ایسا نقارہ جس کو زائرین استعمال کریں تو نقارہ کا ترکہ جس کے بارے میں مزید تفصیلات نہ دی گئی ہوں تو اس سے موخر الذکر مراد ہوگا۔ مزید بر آں ایک نقارہ کی مختص میراث تفریح کی غرض سے کالعدم و باطل ہے۔ تا وقتیکہ یہ ایک ہی وقت میں اغراض جنگ اور زیارتوں کے لیے استعمال نہ کئے جائیں۔

فصل دوم:۔ تیسرے کے بارے میں قواعد

انتقال وصیتی موصی کے جائیداد کے ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو یا وہ جو کہ نصف کے خلاف ہو نہ ہونا چائیں۔ اور وہ وارث یا ورثہ کی طلب پر معینہ حصص کے مطابق کم کر دیے جائیں گے۔ جب کے اس کے برعکس وارث انتقال کو پسند کرے یہ خواہ کتنی ہی مالیت کا ہو نافذ ہو جائے گا۔ مگر ایک فقیہ کے مطابق وارث کی طرف سے یہ ایک خالص عطیہ خیال کیا جائے گا۔

تخفیف کا تعین متوفی کے انتقال کے روز یا بقول دیگر فقہا وصیت کے روز تمام جائیداد کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور وہ انتقالات جن کو کہ نافذ کرنا ہیں وہ ایک ثلث کی حد تک نافذ کئے جائیں گے، مندرجہ بالا قرار دئے گئے ہیں۔

(۱) بلا موصی کے انتقال پر بلا بدل آزاد کر دینا۔

(۲) وہ برضا و رغبت انتقالات مثل وقف اور ھبات جو مرض الموت میں کیے جائیں۔

(۳) جائز قرضوں کی ادائیگی۔

اگر ان کی مالیت ایک ثلث سے زیادہ ہو تو ان کی تخفیف کے لیے درج ذیل قواعد پر عمل کرنا چاہیے۔

(۱) جب کہ انتقال دستاویزی میں محض غلاموں کو آزاد کرنے کی ہدایت ہو تو بذریعہ قرعہ اندازی یہ طے کرنا چاہئے کہ کسی کو تخفیف کی صورت میں آزادی سے محروم کیا جائے۔

(۲) جب کہ انتقالات دستاویزی مختلف عطیات پر مشتمل ہوں تو وہ تمام بقدر تناسب قابل تخفیف ہیں۔

(۳) جب کہ انتقالات غلاموں کی آزادی اور دوسرے عطیات پر مشتمل ہوں اور جو حصص کے دستیاب ہوں ان کو اول میراث کے دو حصوں میں بقدر تناسب تقسیم کر دینا چاہئے۔ اور اس کے بعد وہی متذکرہ اصول جو نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں بتایا گیا ہے، نافذ ہونا چاہئے۔

مرض الموت

ایک شخص جو ایسے مرض الموت میں مبتلا ہو جس سے کہ موت کا اندیشہ ہو وہ اپنے موجودہ اثاثے میں ۳/۱ سے زیادہ جائز طور پر منتقل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ تمام امید کے خلاف تندرست ہو جائے تو اس کے انتقالات کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کوئی شخص معمولی مرض میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی کو خطرہ نہ ہو تو وہ کسی بلا عذر کے جائیداد منتقل کر سکتا ہے۔ اگر وہ دوران علالت غیر متوقع طور پر انتقال کر جائے تو اس کے انتقالات پوری طور پر نافذ ہوں گے۔ لیکن اگر اس کی موت جس مرض میں کہ وہ مبتلا تھا قدرتی طور پر واقع ہو خواہ وہ مرض خطرناک نہ ہو۔ ان حالات میں خود مرض کا منسلک ہونا ثابت ہے۔ مرض کی غیر یقینی نوعیت کی صورت میں دو طبیبوں کو جو غیر جانب دار اور آزاد ہوں دکھانا چاہئے۔ قانوناً درج ذیل اغراض کو خطرناک شمار کیا گیا ہے۔ درد شکم، بلورسی، ناک سے مسلسل خون کا اخراج شدید اسہال، سرخ بخار، فالج کی ابتدا استفراغ جب کہ غذا معدہ میں جانے کے بعد تبدیل نہو یا عام استفراغ جس کے ساتھ تکلیف ہو۔ خون کا اخراج مسلسل یا بانومقہ بخار لیکن تپ لرزہ نہ ہو۔ درج ذیل حالات میں ہمارے اصول کے مطابق امراض مہلک شمار کئے گئے ہیں ملحدوں کے ہاتھوں اسیر جنگ ہو جانا جو کوئی رعایت نہیں کرتے، مفتوح فوج میں شامل ہونا جس پر فاتح نے حملہ کیا ہو۔ انتقاماً سزائے موت یا سنگساری کی سزا یا ایسے جہاز میں سفر جو کہ طوفان یا سخت ناہموار

سمندر میں پھنس گیا ہو۔ ایک عورت جو کہ قید کے بعد سخت دردزہ میں مبتلا ہو اور جب تک جنین علاحدہ نہ ہو جائے۔

انتقالات وصی کی ترتیب اس طرح ہے۔ "میں اس کو فلاں یا فلاں جز دیتا ہوں یا فلاں کو یہ چیز دیتا ہوں۔" "میری موت کے بعد فلاں کو یہ دے دینا"۔ یہ اس شخص کی میری موت کے بعد ملکیت ہو گی یہ اس کی ہے یہ میراث نہیں ہے بلکہ یہ اقرار کا اعلان ہے۔ اس کے برعکس کوئی یہ کہے کہ "اس کی ہے جو کہ جانشین ہو" جائز انتقال وصیتی ہے۔ انتقال وصیتی دوسرے طریقے سے بھی ہوتے ہیں۔ گو وہ اتنے واضح نہ ہوں مگر ان سے آخری خواہش ظاہر ہوتی ہے مثلاً جواب دعویٰ جس میں کہ گواہان کو جو وصیت کی گئی ہو شامل ہو۔

ایک جماعت کے حق میں میراث

ایک جماعت کے اشخاص کے حق میں میراث مثلاً غربا نے صریحاً قبول کرنے کی ضرورت نہیں لیکن موصی کی موت سے یہ ناقابل تنسیخ ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس دونوں صورتوں میں میراث نہیں ہے لیکن موصی کے موت سے یہ قابل تنسیخ ہو جاتی ہے۔

ایک دو مخلص اشخاص کے حق میں میراث ان کو حسب ضابطہ قبول کرنا ضروری ہے یہ منظوری میراث کے تنسیخ کے مثل موصی کے حین حیات میں نہیں ہو سکتی اور یہ بھی مروجہ نہیں ہے کہ موصی لہٗ اپنی خواہش یا موصی کے انتقال پر فوراً ہی اظہار کر دے ایک میراث موصی لہٗ کے موت سے قبل باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ میراث قبول کرنے سے قبل موصی کے بعد انتقال کر جائے۔ میراث قبول کرنے کا حق اس کے ورثا پر منتقل ہوتا ہے۔ یہ سوال کہ جائیداد موہوبہ کب ہوتی ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک موصی کے موت کے بعد ہی موصی لہٗ اس پر قبضہ کا مستحق ہوتا ہے بشرطیکہ وہ میراث کو قبول کرے بعض کے نزدیک محض اس کو قبول کرنے پر ہی مالک ہو جاتا ہے مگر بعض کے نزدیک قبول کرنے سے پہلے میراث معلق رہتی ہے لیکن موصی لہٗ اس کے بعد سے ہی اس پر قابض ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اسے قبول کر لے ورنہ یہ قیاس کیا جائے گا کہ ورثا نے اس پر قبضہ ترک نہیں کیا۔

میراث کے موضوع پر متوفی اور اس کے قبول کرنے کے درمیان جو ہم نے

تین اصول وضع کئے ہیں وہ پھل یاایک ترکہ میں دئے ہوئے غلام کی آمدنی سے یا دوسرے مصارف میں۔ مثلاً ایک غلام کی مدد یا روزہ رکھنے کے لیے اس کو روپیہ دینے پر منطبق ہوتے ہیں مصنفین جن کے مطابق میراث موصی لہٗ کے قبول یامنظور کرنے تک معلق رہتی ہے اس کو غلام کے عارضی گذارہ یا متروکہ جانور کے بسر اوقات کے لیے انتظام کرنا چاہیئے۔

فصل سوم:۔ موصی لہم

اگر کوئی شخص ترکہ میں یہ کہے کہ "میرے گلے میں سے ایک بھیڑ لو"۔ یہ انتقال باطل ہوگا جبکہ موصی کے پاس کوئی جگہ نہ ہو۔اور اگر اسے یہ کہے کہ "ایک بھیڑ میرے ترکہ میں سے" اور موصی کے پاس بھیڑ نہ ہو تو ایک بھیڑ خرید کر موصی لہٗ کو دے دی جائے۔

میراث کی تشکیل

ایسے بچے کے حق میں میراث جس کی نوعیت Enceinte کی ہے دو بچوں میں اس کے توام بچے پیدا ہوں یا جو دو بچوں میں متصل ہو، دو توام بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس کے برعکس وصی یہ کہے کہ "اگر لڑکا پیدا ہو" "یا" لڑکی ہو"۔ توام کی پیدائش پر اگر ایک لڑکا ہو یا لڑکی ہو، میراث پانے کا مستحق ہے بشرطیکہ موصی نے یہ کہا ہو کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہو۔ حاصل کلام ایک میراث الفاظ بھی جائز ہوگی۔اس صورت میں کہ عورت کے دو توام بچے پیدا ہوں اور وارث ان حالات میں شے متروکہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی ایک بچے کو دے سکتا ہے۔

لڑکے کے پڑوسیوں کے حق میں میراث مکان کے چاروں حدود میں چالیس مکانوں تک شامل ہوتی ہے۔اور عالموں کے حق میں میراث ان تمام پر لاگو ہوتی ہے جو فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنی کلام پاک اور احادیث اور فقہ کا مطالعہ لیکن محض قرآن خوانوں تعلیم یافتوں، خواب کی تعبیر بتانے والوں اور طبیبوں تک ہوتی ہے۔ زیادہ تر فقہا کے نزدیک زیادہ صحیح طور پر علما پر حاوی ہوتی ہے۔ یہ قدیم اصول موجودہ حالات میں کافی ترمیم ہو گیا ہے۔

غربا کے حق میں میراث

غربا کے حق میں میراث کا منشا غربا نادار اور اس کے برعکس لوگ شامل ہیں دونوں ہی صورتوں میں میراث کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے ہر طبقہ کے لیے ایک بشرطیکہ ہر طبقہ میں تین اشخاص ہوں۔ موصی متذکر' زمرہ کے ایک شخص کو دوسرے مستحق لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ترکہ دے سکتا ہے۔ لیکن ہمارے اصولوں کے مطابق ایک میراث ایسے شخص کو اور غریب کو ایک سے زیادہ علاحدہ حصہ پانے پر موسوم شخص کو دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ وہ ہبہ حصہ کتنا ہی قلیل ہو مگر جب تک کہ اس کی کوئی مالیت ہے اس کا کوئی تعین ہو۔ متذکرہ صحیح شخص کو خارج نہ کرنا چاہئے۔

ایک شخص نہ صرف مخصوص زمرہ کے لوگوں کو ہی بلا افراد کے اظہار تعداد جن پر کہ وہ مشتمل ہے مثلاً مددگار حضرت علیؓ کی آل بلکہ ایک مقررہ تعداد کو بھی مثلاً ایک زمرہ کے تین اشخاص اور ایک شخص کے رشتہ داروں کو ترکہ دے سکتا ہے۔

مؤخر الذکر میراث کے مطابق یہ بتاتا ہے کہ اس میں تمام رشتے دار حتیٰ کہ بعید ترین بھی شامل ہیں۔ ان رشتہ داروں کے جو کہ بالراست خواہ یہ اسلاف ہوں یا اعقاب شامل ہیں۔ تاہم مالکی کی طرف کے رشتہ داروں کو انتقالات وصیتی میں جب تک رشتہ داروں کے حق میں مختص ترکہ نہ کیا ہو اہل عرب اس میں شامل نہیں کرتے۔ موصی نے جس کے حق میں وصیت کی ہو اس کے رشتہ داروں کو جاننے کے لیے اس کے قریب ترین اسلاف میں سے تلاش کرنا چاہئے۔ اور اس شخص کی اولاد جو اس طبقہ میں ہیں وہی ہوں گے جو موصی کے خیال میں بھی ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر موصی نے یہ عبارت استعمال کی ہو "قریب ترین رشتے دار" تو یہ امتیاز بالراست نسل پر لاگو ہوتا ہے۔ منشا یہ ہے کہ بیٹے کو باپ پر اور بھائی کو دادا پر فوقیت ملتی ہے۔ ان مستثنیات کے علاوہ قانون ان حالات میں بھی صفت میں کسی کو بھی کوئی ترجیح نہیں دیتا: باپ، ماں، بہن، بھائی میراث میں مساوی طور پر شریک ہیں۔ بلکہ لڑکی کے لڑکے کو بھی یک جد سلسلہ مذکور میں پوتے پر ترجیح ہے۔

کیا شئے ترکہ میں دی جاسکتی ہے

ایک شخص کی اپنے اقربا کے حق میں میراث میں اس کے جائز ورثا شامل نہیں

ہیں ایک شخص مکان کی آمدنی اور دکان کا کرایہ ترکے میں دے سکتا ہے ایک شے کے فروخت اور اس کے بعد ثلث آمدنی مدت مقررہ تک دینے کا وہی نتیجہ ہے جیسا کہ کسی شے کے فروخت سے۔ جس کی دائمی آمدنی بقدر سہ/ مدت معینہ تک ترکہ میں دی جائے اس کے مثل دیگر شے فروخت کے ہیں۔ مگر دائمی آمدنی بنابر موصی کی مرضی کے فروخت نہیں کی جاسکتی ایک شخص اپنے وارث کو جائز طور پر ہدایت کر سکتا ہے اور وہ ادائیگی حج کرے جو کہ خود اس کا ارادہ تھا۔ ایسی صورت میں وارث کو مکہ معظّمہ تک سفر کا ایک مقام سے جو شرعاً مقرر ہے صرفہ ادا کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ متوفی نے خاص مقام شہر جہاں سے وہ شروع ہو مقرر نہ کیا ہو۔ فریضہ حج جو کہ متوفی نہ کر سکا ہو یہ قرض متوفی کے جائیداد پر ایک بار ہے۔ خواہ موصی نے وارث پر یہ صرفہ برداشت کرنے کی ذمہ داری رکھی ہو۔ یا ایک ثلث مال سے ادائیگی کی جائے۔ اس کی آخری خواہش کی تکمیل ضروری ہے۔ اگر متوفی نے اس مسئلہ پر کوئی رائے ظاہر نہ کی ہو تو وہ وارث پر یہ ذمہ داری لازم ہے۔ لازمی حج سے غفلت لا پرواہی کی تکمیل تمام جائیداد پر ہے اگرچہ بعض کے نزدیک ایک ثلث سے ہی ادا ہونا چاہیئے مگر ہر صورت میں یہ ذمہ داری اس مقام سفر سے شروع ہوتی ہے جو شرعاً مقرر کیا ہے۔ کوئی شخص جو خاندان کا فرد نہ ہو بلا اس کے صریح ہدایت کے فریضہ حج ادا کر سکتا ہے۔

وارثان کو متوفی کے مقررہ کفاروں کی مالی ذمے داریوں کی ادائیگی کو پورا کرنا چاہے جو کہ وہ بربنائے غفلت نہ انجام دے سکا ہو۔ دوسرے کفاروں کی ادائیگی وارث اپنے پسند کے مطابق کپڑوں اور غذا کی صورت میں کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک غلام کو بھی آزاد کر سکتا ہے کفاروں کی مثال کچھ بھی نوعیت ہو وارث ہر حالت میں اپنے ضرف سے پورا کرے گا۔ اگر وارث کافی نہ ہو مساویانہ طریقہ پر متوفی کا ہی فعل سمجھا جائے گا۔ خواہ فرد خاندان کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے بھی کفارہ انجام دیا ہے اگرچہ تعلیم۔ غذا اور کپڑوں کے لیے وہی شرائط ہیں۔ مگر غلام کو کفارہ دے کر آزاد کرانے کی یہ صورت نہیں ہے۔ متوفی کی روح کو ایصال ثواب صدقے اور دعاؤں سے حاصل ہوتا ہے جو اس کی جانب سے کی جائیں خواہ یہ اس کے ورثا کریں یا دوسرے اشخاص۔

تنسیخ

ایک انتقال وصیتی کلیتاً یا جزواً لائق تنسیخ ہے۔ یہ منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) زبانی مثلاً ان الفاظ کے اعلان سے "میں اس وصیت کو منسوخ کرتا ہوں" "میں اس کو منسوخ کرتا ہوں"۔ "میں اس کی تنسیخ کرتا ہوں"۔ یا ترک کرتا ہوں" اور" وہ شئے جو میں نے صدقہ کی ہے میرے وارث کو ملے گی۔"

(۲) متروک شے کو بذریعہ بیع منتقل کرنے سے یا غلام کو آزاد کرنے سے یا شادی یا ہبہ سے مکفول کرنے سے موخر الذکر دونوں صورتوں میں یا موہوب الیہم کو قبضہ قرض خواہ کو قرضہ نہ ملنے سے۔

(۳) وہ بار جو کہ موخر الذکر وصیت ہے کسی وارث پر رکھا گیا ہو تا کہ متروکہ شے جس طرح چاہیں ۲ کے حوالے سے منتقل کرے۔

(۴) شے مشترکہ کے فروخت کا حکم دیگر خواہ ناکامی کی صورت میں ہو۔ یا دوسری اشیا کو شے متروکہ کے ساتھ ملانے سے اگر مخصوص گیہوں ترکے میں دیا گیا ہے یا دوسرے گیہوں سے ملایا گیا ہے۔ تو یہی امر دوسرے امر کے لیے کافی ہے۔ خواہ گیہوں اس میں شامل کیا گیا ہو۔ خواہ مساوی یا کم قسم کا ہو اس کو پہلے سے ملانے سے ترکہ منسوخ نہیں ہوتا مگر دیگر صورتوں میں بھی ترکہ تنسیخ ہوتا ہے۔

ترکہ درج ذیل صورتوں میں منسوخ ہو جاتا ہے۔

متروکہ گیہوں کے پسوانے سے یا کسی کے کھیت میں بونے سے متروکہ آٹے کی روٹی پکوانے سے یا متروکہ روئی کے دھنوانے سے یا متروکہ دوامور والوں کو ترکہ دینے سے یا متروکہ ٹکڑے کی قمیص بنوانے سے یا متروکہ زمین میں درخت لگوانے سے۔

وصی

آنحضرت صلعم نے تکمیل وصایا کے لیے وصیتی وصی کے تقرر کا طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ وصی کے قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری لیں اور اس کی آخری وصایا کی

تکمیل کریں۔اس کے بچوں کی نگرانی کریں۔

ایک مسلمان، صاحب فہم آزاد اور بے لوث اس ذمے داری کا اہل ہونا چاہئے ایک غیر مسلم جو ایک مسلمان فرماں روا کی رعایا ہو اس کو بھی اس کا ہم مذہب وصی مقرر کر سکتا ہے نابینا ہونا نااہلیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ایک ماں اپنے بچوں کی ولیہ مقرر ہو سکتی ہے

قانون کا یہ منشا نہیں ہے کہ وصی محض ذکور سے ہو بلکہ نابالغ بچے کی ماں دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اہل سمجھی گئی ہے۔

ایک وصی بوجہ بداطوارگی علاحدہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہی اصول قاضی پر بھی منطبق ہوتا ہے مگر فرماں روا پر نہیں ہوتا۔

استخراجی منصب وصی

وصی کے تقرر کرنے کا حق اور قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری اور موصی کی آخری خواہشوں کی تکمیل اس دور کے تمام مسلمانوں پر ہے جو کہ فہم رکھتے ہوں اور آزاد ہوں لیکن وصی پر چھوٹے بچوں کی ولایت کی ذمہ داری تفویض کرنا محض اس شخص کی ذمہ داری ہے جو کہ ان کا جائز ولی ہے۔

ایک وصی اپنے موت پر کسی شخص کو اس کی جگہ مقرر نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ یہ اختیار اس کو اولاد موصی نے نہ دیا ہو ایک کے بعد دو وصیتوں کی نامزدگی کوئی مانع نہیں ہے وہ ان الفاظ میں ہو سکتی ہے کہ میں میراث وصیتی اس وقت تک کے لیے مقرر کرتا ہوں جب تک میرا لڑکا بالغ نہ ہو جائے یا جب تک زید نے نہ نکالے یا اس کے بعد میرا لڑکا یا زید اس وصیت کی تکمیل کرے گا۔ اس کے برعکس ایک وصیتی وصی کو بچوں کا ولی اس کے دادا یا قدرتی ولی کی موجودگی میں (اگر وہ اہل ہوں) مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

وصی کو یہ اختیار دیا جانا ممنوع ہے۔اس کے لڑکے کی شادی کا معاہدہ اس کے نابالغی میں یا متوفی کی لڑکی کی نمائندگی اس قسم کے معاہدہ میں کرے۔ وہ الفاظ جن سے وصی مقرر کیا جاتا ہے درج ذیل ہیں۔

"میں تمہیں وصی مقرر کرتا ہوں"۔ میرے معاملات تمہیں تفویض کرتا

ہوں لیکن کوئی معلق شرط اس کے منافع میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے مزید وہ ذمہ داری جو وصی پر رکھی جا رہی ہے واضح کر دینا چاہئے۔ اگر ان الفاظ میں نہیں کیا گیا کہ میں اپنا وصی مقرر کرتا ہوں تو یہ باطل ہے۔

ایک وصی کی نامزدگی پر ذمہ داری کی قبول کرنے سے قبل بے معنی ہے۔ اور یہ قبولیت موصی کی حین حیات میں ہونا چاہئے۔

اگر موصی نے دو وصیان مقرر کئے ہوں اور ان میں سے کوئی دوسرے کی مدد بغیر کام تاوقتیکہ ان کو باضابطہ اختیار نہ دیا گیا ہو کام نہیں کر سکتا۔ موصی کسی وقت بھی نامزدگی منسوخ کر سکتا ہے اور وصی اگر مناسب سمجھے تو قبول کرنے کے بعد ایک بھی ترک کر سکتا ہے۔

ایک بچے کے بلوغ حاصل کرنے پر ایک وصی جس پر اس کی ولایت کی ذمے داری ہے تو اسے دوران تولیت کا حساب دینا چاہئے۔ اور اختلاف کی صورت میں قانون اگر نابالغ کے گذارہ کا سوال ہے تو وصی کے موافق قیاس کرتا ہے۔ اس کے برعکس قانون موخر الذکر کے موافق میں قیاس کرتا ہے اگر نزاع کسی بھی رقم کے معاملے میں ہو جس کا حساب وصی رکھتا تھا اس کے بالغ اپنے زیر ولایت کو بالغ ہونے کے بعد دے دیا۔

باب ۲۸۔ قانون شفعہ

فصل اوّل: عام باتیں

لفظ شفعہ کے معنی

حق شفعہ سے منشا ایسا حق ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو فروخت ہونے والی جائیداد کے مساوی طے شدہ مساوی قیمت دے کر وہ جائیداد خریدے۔

شرعاً اس کا منشا اصول مصلحت وخواہش کی بنا پر ہے کہ شریک حصص ولدان اور پڑوسیوں میں اجنبی اور غیر شخص کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ جن سے ان کو دقت اور پریشانی ہو۔

سنی، حنفی قانون شفعہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ ہی رائج ہوا۔ بعض مقامات پر یہ عام مقامی قوانین کا ناگزیز جزو بن چکا ہے۔ مثلاً بہار اور پنجاب کے کچھ حصوں اور ریاستہا متحدہ (یوپی) میں ہندو اور مسلمان دونوں حق شفع سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور یہ حق اتنا مستحکم ہے کہ مواضعات کے انتظامی کاغذات الموسوم واجب العرض میں قریب قریب ہمیشہ کم وبیش تفصیل سے درج ہوتا ہے۔ دوسرے صوبوں میں یہ حق رواج پر مبنی ہے عام طور پر زیرین بنگال میں یہ حق مسلمانوں تک محدود ہے لیکن بعض مقامات پر ہندو اور عیسائی بھی حق شفع استعمال کرتے ہیں۔

حنفی قانون

یہ حق جائیداد غیر منقولہ پر خواہ مشترکہ ہو یا علاحدہ خواہ قابل تقسیم ہو یا نہیں لاگو ہوتا ہے۔ اور اس وقت موثر ہوتا ہے جب کہ جائیداد جس پر کہ حق عائد ہوتا ہے بر بنائے بدل منتقل کی جائے۔

ایک شخص جو حق شفعہ کا مستحق ہو ضروری ہے کہ وہ جائیداد کہ جس پر وہ حق شفع طلب کرتا ہے اس کی ملکیت ہونا چاہئے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اصلاً وہ اس

کے قبضے میں ہو۔ پس کرایہ دار ہو یا مرتہن یا بینامی دار کسی بھی مسلمہ قانونی وجہ کی بنا پر حق شفع طلب کرنے کے مستحق نہیں ہیں۔

ایک ہندو بیوہ جو کہ محض گزارہ کے لیے حقیت حین حیاتی کی مالک ہے۔اگر زمین پر قابض نہ ہو تب بھی پوری حقیت پر حاوی ہے اور اسے بر بنائے قبضہ حق شفع حاصل ہے کہ بیچ والی معاہدہ مکرر خرید کا حق نہیں بلکہ ہے یہ حق قائم مقامی جن کی روسے شفیع کہ تمام قانون ملحقات (حقوق) خریدار کے مانند بوجہ بیع حقوق مالکانہ حاصل کرتا ہے پس یہ حق (شفع) اس جائیداد پر حاصل نہیں ہوتا۔

جائیداد جس کی نسبت یہ حق قابل نفاذ ہوتا ہے

بر بنائے ورثہ ہو یا ہبہ بلا بدل ہو، بطور ترکہ منتقل ہو تو یہ حق جائیداد کی بابت ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کو کفالت پر دیے جانے کے لیے بطور ان خدمت کے لیے نہیں ہے جو کہ کی گئی یا کی جانے والی ہو۔اور نہ معاوضہ نہ مہر کے عوض ہوتا ہے بالفاظ دیگر جب کہ عورت اپنے خاوند کو معاوضہ کے بدل کے طور پر جائیداد منتقل کرے یا خاوند شادی کے بدل کے طور پر جائیداد کو دے تو اس پر کوئی حق شفع عائد نہیں ہوتا۔اسی طرح جب کوئی شخص بیوی سے بلا مہر طے کیئے شادی کرنے کے بعد جائیداد بطور مہر منتقل کرے تو کوئی حق شفع عائد نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر جائیداد یں مہر کی بیباقی میں منتقل کی جائے تب بھی کوئی حق شفع واجب نہیں ہوتا۔

اگر کوئی مکان کسی تیسرے شخص کو اس غرض سے فروخت کیا جائے کہ اس کی قیمت سے بیوی کا حق دین ادا ہو سکے تو حق شفع واجب ہوتا ہے۔

ان قواعد کی وجہ سے خود ظاہر ہے کہ جو جائیداد بیوی شوہر کو منتقل کرتی ہے یا اس کے برعکس (شوہر بیوی کو منتقل کرتا ہے)ایسی صورت میں کوئی غیر مشترک حصہ داران یا پڑوسیوں میں داخل نہیں ہوتا۔

نہ دائمی اجاروں خواہ کرایہ کتنا ہی قلیل ہو حق لاگو ہوتا ہے اور نہ ان صورتوں میں جب کہ حسب شرع فی الاصل واقعی بیع نہ ہو۔

واقعات جن سے کہ حق شفع پیدا ہوتا ہے

حق شفع اس جائیداد کی بابت نافذ ہوتا ہے جو دوسرے کو بر بنائے معاہدہ منتقل کیجائے۔ مثلاً کوئی مدعا علیہ کسی مقدمے میں جائیداد سپرد کرنے کا معاہدہ کرے یا مدعی کے انکار کے بعد اسے مکان سپرد کرے یا اس کے دعویٰ سے انکار کے بعد مکرر اقرار کرے۔ ان تمام حالات میں حق شفع واجب ہوگا۔ یہ ایسی کل جائیداد پر بھی نافذ ہوتا ہے جو ہبہ بالشرائط العوض منتقل کی جائے۔ اس لئے کہ جب منتقل الیہ کوئی بدل ادا کرتا ہے تو اصلاً یہ ہبہ بالشرائط عوض بیع ہے۔ لیکن جب تک عوض منتقل نہیں ہوتا حق شفع حاصل نہیں ہوتا۔

حق شفع کب پیدا ہوتا ہے

حق شفع محض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ جائیداد کو بیچ وال سے بیع کرنے کا معاہدہ مکمل ہو جائے۔ پس جب کوئی جائیداد بالشرط بیع اختیار کی جائے تب بھی حق شفع پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ بیچ وال کے حق جائیداد کے سکوت پر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور حق شفع جیسا کہ بتایا گیا بیچ وال (بائع) حق جائیداد کے سکوت پر منحصر ہے۔ نہ حق شفع اس انتقال جائیداد پر لاگو ہوتا ہے جو ناجائز بیع کی بنا پر ہو اس لئے کہ منتقل کنندہ کو ایسے انتظام کی صورت میں بجنسہ تمام حقوق تاوقتیکہ وہ خریدار کو جائیداد پر قبضہ دے حاصل رہتے ہیں وہ خود ملحقہ جائیداد پر حق شفع استعمال کر سکتا ہے

پس حق شفع اس جائیداد پر جو بوجہ نیلام (خواہ نیلام کے قبل یا بعد) خریدار نے قبضہ حاصل کر لیا ہو عائد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قبل از قبضہ مکان بیچوال کا ہوتا ہے۔ اور اس پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ بعد قبضہ بھی سودا منسوخ ہونے کا امکان رہتا ہے۔ اس لئے کہ بصورت ناجوازی منسوخی بیع کی قانون اجازت دیتا ہے۔

لیکن بچوال کا جائیداد منتقلہ میں جو ناجائز بیع کی بنا پر فرخت کی گئی ہو، حق ساقط ہو جائے تو وہ حق خرید کرنے والے میں تفویض ہو جاتا ہے اور وہ حق شفع کے استعمال کا مستحق ہوتا ہے۔

حق شفع اس وقت حاصل ہوتا ہے جب منتقل کنندہ کا حق ملکیت اور مفاد مستقلاً منتقل ہو گیا ہو۔ ترکہ جب محض بیع اور انتقال کا معاہدہ ہو یا جبکہ انتقال محض فرضی ہو یا جیسا

کہ ہتایا گیا بیع نا جائز ہو، یہ سوال کہ آیا یہ سودا بمنزلہ مکمل انتقال کے ہے۔مسلم قانون نہ کہ قانون انتقال جائیداد کی بنا پر طے پائے گا۔ پس اصول بالا سے یہ منتج ہوتا ہے کہ جائیداد جو دائماً اجارے پر دی جائے یا رہن بالشرط بیع کی جائے تاوقتیکہ حق انفکاک رہن سے ساقط نہ ہو اس پر کوئی حق شفع پیدا نہیں ہوتا۔

حق شفع کا حق کب پیدا ہوتا ہے

جب کوئی شریک جائیداد کسی جائیداد میں اپنا حصہ رہن کرتا ہے تو دوسرے حصے داران میں سے کسی کو بھی تاوقتیکہ حق انفکاک ساقط ہو جائے حق شفع حاصل نہیں ہوتا اور جب منتقلی کنندہ اپنی جائیداد کا قبضہ دیگر بدل بھی ادا کر دیتا ہے۔خواہ بیع نامہ تحریر نہ ہو مگر حق شفع کے سلسلہ میں مسلم قانون لاگو ہوگا۔

ترک حق شفاع

بوقت بیع اگر ترک حق شفع پر رضامند ہو جائے تو یہ حق ترک ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر وہ خود خریدے یا خریدنے والے سے جائیداد کو اپنے طور پر لینے کو تیار ہو جائے تو حق شفع یہ بمنزلہ ترک حق دفاع ہے۔ بالفاظ دیگر مدعی حق شفع کا دعوی صریحاً یا کنایتاً ترک یا چھوڑ سکتا ہے اور ایک بار ترک پر اس کا اعادہ نہیں کیا جاسکتا۔ بیع کا علم ہونے کے باوجود اس پر رضامندی بمنزلہ ترک حق شفع ہے۔ پس جبکہ مدعی نے دعوی حق شفع بہ ظاہر کیا کہ رقم مندرجہ بیع نامہ واقعی رقم بیع سے کم تھی اور اس کی اطلاع باوجود بیع نامہ کے سودے کی وقضیت کے بیچوال کو دیدی گئی ہو۔اور اس کو یہ بتایا کہ حق شفع کے باوجود رقم مندرجہ بیعنامہ اس نے لینے سے انکار کر دیا اس لئے کہ جو بیچوال اور خریدار میں طے ہوئی تھی یہ صحیح نہ تھا۔ پس یہ طے کیا گیا اس نے اپنا حق ترک کر دیا تھا اس لئے کہ مدعی کا فرض تھا کہ بجائے خاموش رہنے کے بیچوال کو مناسب وقت میں قیمت بیع پر خریدنے کے ارادہ کی اطلاع دینا تھی مگر ایسا نہ کرنے سے نتیجہ یہی ہے کہ بیچوال نے تکمیل بیع میں خریدار کی تائید کی اور اسے سودے پر رضامندی کیا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ بیچوال سے جائیداد کی قیمت بیع ادا کرنے کا اقرار محض مقدمہ بازی سے بچنے کے لیے ہے۔ یہ رضامندی و ترک کے تعریف میں نہیں آتا اسی طرح اگر

کوئی شفیع بھی خریدار کے ساتھ معاہدہ کر کے جائیداد زیر شفع سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو اسے کبھی نہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے بیع پر رضامند ہو کر حق شفع ترک کردیا تھا۔ اگر ایک بار تکمیل معاہدہ کی بنا پر حق تفویض کردیا جائے تو بیچوال اور خریدار میں تنسیخ معاہدہ یا معاہدہ میں کسی نقص کے معلوم ہونے پر حق تنسیخ کے استعمال سے شفیع کا یہ حق زائل نہ ہوگا وہ خریدار کی معینہ قیمت ادا کر کے جائیداد حاصل کرے۔

وجہ یہ کہ شفیع خریدار نہ بیچوال کے معاہدہ تنسیخ میں شریک تھا اور نہ وہ خریدار کے معاہدہ تنسیخ سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ خریدار کا جب حق شفع ایک بار قائم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اور نہ دوسروں کے افعال سے ضائع ہوتا ہے۔

کسی مستحق حق شفعہ فریق کو بوقت بیع اس کے حق (شفیعہ) سے مانع قرار دینے کے لیے اس کے کسی غیر سے خریدنے کے لیے مستند معاہدہ اور مقررہ قیمت بتانا چاہئے۔ حق شفع کا عام قانون لازمی بیعات پر جو اجرائے ڈگری سے متعلق ہوں لاگو نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ پرائیویٹ معاہدوں کی تکمیل کے لیے عدالت دیوانی کے احکام کے مطابق بیع کرتا ہے تو وہ اشخاص جن کو حقوق شفعہ حاصل ہوتے ہیں وہ محروم نہیں ہوتے۔

فصل دوم:۔ اشخاص متعلق حق شفع

اس ملک میں سنی حنفی قانون متعلقہ حق شفع حدود ارضی پر یا رواج کی بنا پر نافذ ہے۔ حنفی قانون کے مطابق تین قسم کے اشخاص حق شفع مطالبہ کے یکے بعد دیگرے مستحق ہیں نہ کہ ایک ساتھ ۔ یہ حق مساوی طور پر ایک سے زیادہ اشخاص طلب کر سکتے ہیں وہ حق اس طرح ہے۔

(۱) شریک حصہ داران جائیداد جو شفیع شریک کہلاتے ہیں یعنی شفیع بربنائے حق مشترکہ وراثت۔

(۲) حقوق اور ملحقات میں حصے دار الموسوم شفیع خلیط یعنی ایک جائیداد فروخت شدہ میں بربنائے حق آسائش شریک۔

ایک شفیع جو جائیداد مبیعہ کا حق آسائش کی بنا پر مستحق ہو بالفاظ دیگر وہ اشخاص جس میں جائیداد زیر بیع پر حق آسائش حاصل ہو، عربی فقہا کی زبان میں ''ملحقہ میں حصہ

دار" اس کے بعد حق شفع میں حصص کے مستحق ہوتے ہیں۔

(۳) وہ شخص جس کی جائیداد مبیعہ جائیداد سے متصل ہو وہ اصطلاحاً شفیع جار کہلاتا ہے یعنی شفع بر بنائے ہمسائیگی۔

شفیع شریک کا شفیع خلیط کے مقابلے میں زیادہ قوی حق ہوتا ہے اس لئے مؤخر الذکر (شفیع خلیط) کا شفیع جار کے مقابلہ میں ترجیحی حق ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایسا شخص جس کا جائیداد میں واقعی حق ہو اس کا اس شخص کے مقابلے میں حق قوی ہوتا ہے جس کا جائیداد پر محض حق آسائش ہو۔ اسی طرح ایسا شخص جس کو حق ہمسائیگی یا قربت حاصل ہو وہ جائیداد مبیعہ کا حق آسائش رکھنے والے کے مقابلہ میں کمتر حق رکھتا ہے۔

شفیع خلیط

بمقدمہ مغریب اللہ خان بنام کبللعل میتر۔

عدالت العالیہ کلکتے نے لفظ شریک کی اس طرح وضاحت کی ہے۔ "اصطلاح شریک" محض ان معاملات تک ہی محدود نہیں ہے جن میں کہ شرکا کو مشترکاً جائیداد ہا کا استعمال کرتے ہیں۔ شرعاً جو ایک ہی عمارت کے دوسرے مکانات پر بھی قابض ہوں اس شخص کے حصے دار خیال کئے جائیں گے۔ جس کے مکان کے بیع کی بنا پر حق شفع پیدا ہوا۔

ایک شریک حصہ دار کو بڑی حقیتوں میں حق شفع حاصل ہوتا ہے مگر ایک پڑوسی کا حق شفع کہیں زیادہ محدود ہوتا ہے۔

بمقدمہ چاند خان بنام نعمت خان ایک قطعہ آراضی کے مالک نے جس کی زمین میں ہو کر حق آبپاشی اس کے مالک زمین کو حاصل ہوتا تھا۔ اس کا اصولاً صحیح طور پر محض ایک پڑوسی کے مقابلے میں خریدنے کا حق دیا گیا۔ بالفاظ دیگر مالک حقیتِ غالب ملکیت تابع پر حقِ شفع کا مستحق ہے۔ ایسا ہی اس کے برعکس اس شخص پر اس کو ترجیح ہو گی جو بربنائے ہم سائیگی مطالبہ کرتا ہے۔

بمقدمہ رام چندر داس بنام جگل داس عدالت العالیہ بمبئی نے یہ طے کیا کہ حق پشتہ ملحقات جائیداد میں شامل نہیں ہے۔ یہ محض پڑوسی کا لازمہ ہے۔ پس جب A کا مکان متنازعہ مکان سے جانب مشرق ملا ہوا ہے۔ اور B کا مکان متنازعہ مکان سے جانب جنوب ملا

ہوا ہے جو محض ایک دیوار سے علیحدہ ہے تو B کا مکان متنازعہ مکان کے تابع حق آسائش (پشتہ) تھا۔ A کا مکان متنازعہ مکان کی چھت سے بارش کا پانی گرنے سے اس کے نفاذ کے حق آسائش کے تابع تھا۔ اس نے A بحیثیتِ مالک ملکیت تابع مکانات متنازعہ کے ملحقات میں شریک تھا۔ اس لئے مکانات متنازعہ کی خرید کا B کے مقابلے میں جو محض ایک پڑوسی تھا A کو حق ترجیح حاصل تھا۔

ایک جائیداد میں کسی حصہ کا مشترک مالک کو جس طرح کسی خاص کمرے میں یا پانی کے حوض یا کسی کھیت میں پانی کے بند کا حصے دار کے حق کو زیادہ ترجیح ہے۔ اس شخص کے مقابلے میں جس کی جائیداد کمرے یا بند یا تالاب کے قریب ہو زیادہ حق ترجیح حاصل ہوتا ہے اس شخص سے افضل ہوتا ہے جو کہ تمام جائیداد کا محض پڑوسی ہے ایسی کوئی عمارت ایک خانگی گلی میں واقعہ ہو اور جس میں بہت سے مکانات ہوں اور ان مکانات میں سے ایک مکان کے دو شخص مالک ہوں۔ ان میں سے ایک اپنا کسی دیگر بیرونی شخص کو فرخت کردے تو حق شفع اولاً اس کے مکان کے بیچوال شریک حصے دار کو پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد عمارت کے دوسرے حصے داران کو اور اس کے بعد ان لوگوں کو جو گلی میں رہتے ہوں۔ اس ذیل میں سب برابر ہیں اگر سب اپنا حق ترک کردیں تو پھر بلا حق یا قریبی پڑوسیوں کو جن سے عمارت کی پشت پر رہنے والے مراد ہیں۔ اور جن کے مکان کا دروازہ دوسری گلی میں کھلتا ہے۔

حق شفع ہم سائیگی کی بنا پر

ایک مکان جو گلی میں واقع ہے جس کے دو مالک ہوں اور اس کا کوئی راستہ عام ہو۔ اگر ان حصہ داروں میں سے ایک کسی بیرونی شخص کو فروخت کرے تو حق شفع اولاً مکان کے حصے دار کو پہنچے گا۔ اس کے بعد دیوار کے حصہ دار کو اور بابعد مساویانہ طور پر گلی میں رہنے والوں کو اس کے بعد اس شخص کو پہنچے گا جس کا مکان زیر فروخت مکان کی پشت پر ہے ایسا شخص جس کے مکان کا راستہ فروختی جائیداد پر ہو کر گزرتا ہے اس کا حق اس شخص کے مقابلے میں جس کو پانی کا حق نفاذ حاصل ہے ترجیح ہے۔

پس ایک قطعہ آراضی ایسے شخص کو جسے راستہ پر حق ہے فروخت کر دیا

جائے۔ اور دوسرا قطعہ آراضی ایک ایسے شخص کو جسے اپنے مکان کے پانی کے اخراج کا اس پر حق حاصل ہے تو اول الذکر کا حق زیادہ قوی ہے۔ پڑوسیوں کے درمیان جائیداد متنازعہ سے قریب قابل ترجیح ہے۔ مثلاً ایک شخص جو کہ قریب تر رہتا ہے اس کو دور والے پر ترجیح ہو گی۔ اگر کوئی مکان اندھی گلی میں جو ایک کنارے پر بند ہے۔ واقع ہے اور دوسری اندھی گلی سے ہو کر (جو کہ کچھ بڑی ہے) اس کا راستہ ہو اور وہ بکنے والا ہو تو محض چھوٹی گلی کے رہنے والے اس پر حق شفع کے مستحق ہیں لیکن اگر بکنے والا مکان بڑی گلی میں واقع ہے تو دونوں اس کے مستحق ہیں ہدایہ میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے۔

ایک چھوٹی گلی میں حق آمد و رفت میں صرف اس کے رہنے والے شریک ہیں مگر بڑی گلی میں دونوں گلیوں میں رہنے والوں کا حق مساویانہ ہے اور پس ہر دو گلیوں کے ساکنان بربنائے حق شفع مکان کے مستحق ہیں۔

ایک شفع کا حق ترک کر دینا

اگر کوئی شخص جس کو ترجیحاً حق حاصل ہے اپنا حق ترک کر دے تو بالترتیب دوسرا شخص حق کا مستحق ہو گا۔ مثلاً شفیع شریک اپنا حق شفع ترک کر دے تو یہ قابض حقیت غالب پر منتقل ہو گا۔ اور اگر وہ بھی اپنا حق ترک کر دے تو یہ حق پڑوسی پر منتقل ہو گا شفیع جار ایسا شخص جس کا مکان فروخت ہونے والے مکان کی پشت پر ہے تو اس کو دوسرے پڑوسیوں کے مقابلے میں حق ترجیحی حاصل ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کا مکان بیچے جانے والے مکان کے سکونتی حصوں سے قریب ہے لیکن اگر فروخت ہونے والا مکان کافی بڑا ہے اور اس میں کئی رہائشی حصے ہوں تو اس شخص کو حق شفع حاصل ہو گا جو اس مکان کے ملحق حصے میں بلا لحاظ اس امر کے وہ کس حصہ میں سکونت رکھتا ہے رہتا ہو۔ اسی طرح یہ اصول اس وقت لاگو ہو گا جب مکان کے حدود کا کچھ حصہ فروخت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر مکان بڑا ہو اور اس کے رہائشی حصے فروخت کر دیئے جائیں تو مکان کی قربت پر اصرار بے جا ہو گا۔

پڑوسیوں کا حق شفع

جب دو شخصوں کی ملکیت کا مکان بجائے شاہراہ کسی گلی میں واقع ہو اور ان میں

سے ایک اپنا حصہ فروخت کرے تو اولاً حق شفع مکان کے دوسرے حصہ دار کا ہوگا۔ اگر وہ اپنا حق ترک کر دے تو گلی کے رہنے والوں کو حق مساویانہ بلا اس امتیاز کے کوئی پڑوسی ہے پڑوس میں رہتا ہے اور کون دور حاصل ہوگا۔ اس کے لیے کہ راستہ میں وہ سب خلیط ہیں۔ اگر وہ تمام ہی اپنا حق ترک کردیں تو یہ حق بلا حق ملحق پڑوسی کو پہنچے گا۔ اگر اس گلی میں ہو کر کوئی اور گلی جاتی ہو اور اس گلی سے کوئی اخراج کا راستہ نہ ہو اور اس میں کوئی مکان فروخت کیا جائے تو حق شفع اندرونی گلی کے ساکنان کا ہوگا۔ اس کے لیے وہ بہ نسبت دوسری گلی میں رہنے والوں کے خاص طور پر ملے جلے ہیں۔ لیکن اگر بیرونی گلی کا مکان فروخت کیا جائے تو حق شفع اندرونی اور بیرونی دونوں گلیوں کے ساکنان کو حاصل ہوگا اس لئے کہ ہر دو کا حق رہائش یکساں ہے۔

اگر گلی میں ہو کر کوئی راستہ جاتا ہے اور اس کے اندر کوئی عمارت فروخت ہوتی ہے تو سوائے پڑوسیوں کے اور کسی کو حق شفع حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح راستہ عام کو جو کسی کی ذاتی جائیداد نہ ہو اور دو عمارتوں کے درمیان ہو جو راستے میں ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوں اور ان میں سے ایک فروخت کر دی جائے تو سوائے قریب تر پڑوسی کے اور کسی کو حق شفع نہ ملے گا۔

اگر سڑک جائیداد والی ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ راستہ عام نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی خاص گلی میں رہتے ہوں اور کسی بھی وقت اسے بند کرنے کا اختیار نہ ہو بالفاظ دیگر راستہ نہ ہو وہ اشخاص جو ایک جانب رہتے ہوں ان کو دوسری طرف کے حصے جائیداد پر حق شفع نہ ہوگا۔

عدالت العالیہ الہ آباد نے اس اصول کے مطابق فیصلہ صادر کیا ہے کہ دو اشخاص شفیع خلیط یا جن کو بربنائے استعمال مشترکہ حق شفع حاصل ہو۔ مثلاً ایک سڑک کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ ایسی سڑک ذاتی سڑک ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک راستہ عام۔ وہ اشخاص جو کہ راستہ عام میں حق دار ہونے کی بنا پر شفیع خلیط ہیں اور مساویانہ حقوق شفع یوں سب کو حاصل ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ان میں سے ایک متصل پڑوسی ہو۔ ایسے اشخاص جو بربنائے حق شفع کسی جائیداد کے حق دار ہوں مگر ان میں بعض غیر حاضر ہوں تو قاضی محض حاضرین کا جائیداد میں حق تسلیم کرے گا۔ غیر حاضر اشخاص اگر بعد

میں آئیں اور اپنے حق کا ادعا کریں تو وہ بھی اپنے تناسب کے حصص کے مطابق مستحق ہوں گے۔ ایسے مقدمات میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ بھی فروخت کر دی جائے۔

حق شفع زراعتی حقیتوں پر بھی حاوی ہے

یہ بھی طے شدہ ہے کہ حق شفع زراعتی حقیتوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اور محض شہری قطعات آراضیات پر ہی لاگو نہیں ہوتا۔ اگرچہ ہندوستان کی عدالتوں نے پڑوس کی بنا پر قطعات آراضی اور مکانات پر محدود کر دیا ہے مگر یہ حق اصلاً مشترکہ وراثت پر مبنی ہے اور دیہات یا بڑی حقیتوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

بمقدمہ محمد محسن بنام علی عدالت العالیہ کلکتہ نے واضح طور پر یہ طے کر دیا ہے کہ حسب شرع کوئی پڑوسی حقیتوں میں حق شفع حاصل نہیں کر سکتا مگر ایک شریک حصے دار بلا شبہ یہ حق حاصل کر سکتا ہے اور پڑوسی کے حق شفع مکانات جائیداد اور چھوٹے قطعات آراضی تک حاصل ہوتا ہے۔

عدالت العالیہ کلکتہ نے یہ طے کیا کہ اگر ایک مسلمان کسی جائیداد کا مشترکہ مالک ہو اور کسی ہندو کو اپنا حصہ فروخت کرے تو اس کے شریک حصے داران کو اس پر حق شفع حاصل نہ ہو گا۔ اس فیصلے کی دلیل دور از کار اور کسی حد تک مبہم ہے۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے بمقدمہ برج لعل بنام ابوالحسن خان اس سے اختلاف کیا ہے۔ مقدمہ مذکور میں یہ طے کیا گیا کہ اس صورت میں جب شفیع اور بیچوال پردو مسلمان خریدار غیر مسلم ہوں تو حسب احکام دفعہ ۲۴ ایکٹ ۶ ۱۸۷۱ بنگال عدالت ہا دیوانی ایکٹ مسلم قانون لاگو ہو گا۔

فاضل ججان نے مزید لکھا ہے اور بہت صحیح اگرچہ عدالت ہا مطالبات فی شفع حسب شرع نافذ کرنے کی پابند نہیں ہیں یا ہم بر بنائے معدلت گستری قانون ایسے معاملات تصفیہ نزاعات مابین مسلمین کے لیے نافذ کیا گیا ہے اور یہ قرین عدل نہیں ہے کہ غیر مسلم جو مسلمان کی جائیداد ہا سے متعلق شرائط اور ذمہ داریوں سے واقف ہوں ان کو محض اس لئے کہ وہ مسلم قانون کے تابع ہیں ان شرطوں اور ذمہ داریوں کی بنا پر گریز ترکہ کی اجازت دی جائے۔

ایک شفیع جو کہ صرف ایک حصہ کا ہی مستحق ہے وہ تمام جائیداد کے لیے پابند نہیں ہے۔

ایک شفیع جو دوسرے اشخاص کے حق شفع میں مساویانہ استحقاق کا دعویدار ہے وہ ایسی جائیداد میں محض اپنے حصہ کے ہی حق شفع کا مستحق ہے نہ کہ تمام حصوں کا۔ نہ وہ تمام جائیداد بیعہ پر دائری دعوی کا پابند ہے۔ بلکہ محض اس حصہ کے لیے دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ جس کا وہ تنہا مستحق ہے۔

جب کوئی شفیع اپنے حق شفع کا اس تمام جائیدا پر (جو فروخت کردی گئی ہو) قبضہ کا دعویٰ نہ کرکے اور محض اس حصہ کا دعویٰ دائر کر کے جو مسلم لا کے تحت فروخت کی جائے وہ جائیداد کے دوسرے حصے میں شرعاً اپنے افعال اور ترک افعال کی بنا پر پانے کا مستحق نہ ہو تو یہ طے کیا گیا کہ وہ کسی حصہ جائیداد پر جو بیعنامہ میں شامل ہو حق شفعہ کا مستحق نہیں ہے۔

فصل سوم:۔ شرائط جن پر حق شفع منحصر ہے

کسی شخص کو حق شفع کے مطالبہ کے لیے بطور شرط ما قبل دوامور کی تکمیل ضروری ہے ایسا شخص جو بر بنائے حق شفع جائیداد فروخت شدہ کے متعلق دائری دعویٰ کا مستحق ہے تو بیع کی اطلاع وصول ہوتے ہی اسے فوراً صریح الفاظ میں جائیداد پر مطالبے کر دینا چاہئے اور یہ مطالبہ ایک واضح طلب کی صورت میں ہو اس کے لیے کسی صریح اسلوب کی ضرورت نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اپنا حق ادعایا طلب غیرمبہم زبان میں کی جائے، اس کو طلب مواثبت یا فوری طلب کہتے ہیں۔

طلب کرنے میں شفع کی جانب سے قطعاً دیر یا تاخیر نہ ہونا چاہئے بلکہ اطلاع ملتے ہی فوراً طلب کر دینا چاہئے۔ یہ فیصل شدہ ہے کہ بیع کی اطلاع موصول ہونے کے بعد تاخیر طلب حق شفع کو منسوخ کر دیتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ طلب گواہان کے مواجہ میں کی جائے اوپر بتایا گیا ہے کہ جب مطالبہ صاف اور واضح طور پر کیا جائے اس کے لیے خاص اسلوب کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اہم ہے کہ کن الفاظ میں مطالبہ

کیا جائے جب کہ الفاظ سے مطالبہ کا منشا ظاہر ہو یہ کافی ہے۔ ہدایہ کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے شفع کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ یا میں شفع کا مطالبہ کرتا ہوں یہ مناسب طریقہ ہے اس لئے کہ یہاں منشا مطالبہ اہم ہے نہ کہ طریقہ اظہار یا اسلوب۔

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے طلب کی ہے یا یہ کہ عمارت میں بربنائے شفعہ لیتا ہوں یعنی شفعہ طلب کرتا ہوں یہ جائز ہے لیکن اگر وہ خریدار سے یہ کہے کہ میں تمہارا شفیع ہوں تو یہ باطل ہوگا۔ اسکی وجہ ظاہر ہے محض اظہار واقعہ سے حصول حق شفع کی خواہش ظاہر نہیں ہوتی۔

چونکہ بہ موقع طلب گواہان کا موجود ہونا لازمی ہے اس لئے کہ ادائیگی کی شہادت ضابطہ اصلا شہادت شفع پر مبنی ہے مگر حالت تکمیل بیع کے اور یہی ہونا چاہئے لیکن اگر طلب بیچ وال اور خریدار کی گفت وشنید کے درمیان کی جائے تو کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ شفیع کی ان حالات میں کم سے کم ممکن تاخیر میں گواہان کے روبرو اپنی طلب کرنی چاہیئے۔ وہ یا تو جائیداد متنازعہ پر یا بیچ وال کی یا خریدار کی موجودگی میں بمواجہ گواہان ہوں تاکہ وہ شہادت دے سکیں۔ اس طریقہ کار کو (رسم) طلب استشہاد سے گواہان کی طلبی بھی کہتے ہیں۔

چونکہ حق شفع پر نہایت سختی سے عمل ہونا چاہئے پس طلب ہا میں لوازمات قانون میں کمی کی وجہ سے دعویٰ ناجائز ہو جاتا ہے۔

طلب تکمیل کے ضابطہ کی اس لئے اہمیت ہے تاکہ اس امر کی شہادت کہ شفیع نے اپنے حق کا ادعا کیا تھا مہیا ہو جائے۔ اور طلب اول کے بقدر ضروری تاخیر کی تکمیل ہونی چاہئے۔ طلب دوم میں غیر ضروری تاخیر مطالبہ ہی فوت ہو جاتا ہے۔ طلب میں وقت اور تاخیر کا مسئلہ امر واقعہ ہے اور مقدمہ خاص کے حالات پر منحصر ہے۔

دوسری طلب کی تکمیل کے لیے جو مشتری (خریدار) کے سامنے ہو دعویٰ کنندہ کو اپنے استحقاق کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جائیداد متدعویہ پر قابض ہو طلب اشتہار کے طریقہ کی ادائیگی کے لیے شفیع کو چاہئے کہ فروخت کنندہ (بائع) کے پاس اپنے گواہان لے جائے۔ بشرطیکہ فروخت ہونے والی جائیداد بھی اس کے قبضہ میں ہو یا خریدار کے پاس جائیداد متنازعہ کے لیے جائے۔ وہاں گواہان کی موجودگی میں اسے یہ

کہنا چاہیۓ فلاں شخص نے فلاں جائیداد (تفصیل جائیداد) ضروری ہے وہ بھی شفیع ہوں اور بطور شفیع میں نے مطالبہ کیا ہے۔ اور اب مکرر مطالبہ کرتا ہوں آپ لوگ گواہ رہیں۔

ہندوستان کی عدالتوں کے مطابق شفیع کو طلب کے موقع پر واضح طور پر بتادینا چاہیۓ کہ اس نے پہلے ہی طلب مواثبت کر لی ہے۔ یہ بھی متصلہ امر ہے کہ جب بعض اشخاص کسی غیر تقسیم شدہ وضع کے حصہ پر حق شفع طلب کریں۔ اور یہ ثابت کردیں کہ انہوں نے حق شفع کے ارادہ کا فوراً ادعا گواہان کے سامنے اس زمینداری کی حدود میں جس کا حصہ فروخت ہوا کر دیا ہے۔ اس امر کی تائید میں کسی ثبوت نہ ہونے پر کہ طلب فی الاصل کی گئی تھی۔ تو یہ طلب شفع شرع محمدی کے مطابق اس جائیداد کے لیے کافی شفیع تھی۔

طلب استشہاد

طلب ضابطہ کی تکمیل فروخت کنندہ فی نفسہٖ یا بذریعہ نمائندہ انجام دے سکتا ہے۔ یہ فیصل شدہ ہے کہ طلب استشہاد کی فی نفسہٖ تکمیل طلب کنندہ کی اہلیت ادائیگی طلب پر منحصر ہے جو ذریعہ خط یا پیغام رساں یا نمائندہ کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ فاصلے پر ہو اور ذاتی طور پر نہ آسکے۔ بہرحال ضابطہ کی تکمیل حسب قانون ثابت ہونی چاہیۓ۔ لیکن ہندوستان میں فیصلوں کا رجحان اس اصول کے بارے میں یکساں نہیں ہے۔

شفیع کو وہ قیمت جو اسے خریدار نے دی ہے۔ اس کی ادائیگی کا اعلان کرنا چاہیۓ۔ اگر وہ متذکرہ قیمت کو اپنی قیمت نہیں سمجھتا تو جو بھی رقم دی گئی ہو اس کی ادائیگی پر اظہار رضامندی کرنا چاہیۓ۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طلب پر ہی قیمت ادا کرے۔

وہ مقامات جہاں شفع مبنی بر رواج ہے وہاں بھی عام طور پر شرع کے مطابق ہی عمل ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ رواجاً ادائیگی دونوں طرح ہونے کا رواج نہیں ہے تو حق شفع طلب کرنے والے فریق کو حسب شرع تکمیل کرنا ضروری ہے۔

جب دونوں میں سے کسی بھی طلب کا رواج نہ ہو تو ایک مسلمان شفیع بھی ان تمام ضابطوں کی تکمیل کا پابند نہیں ہے۔

بعض وقت یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ طلب "ہدایہ" کے مطابق ہونا

چاہئے۔ مگر یہ قانون کا صحیح منشا نہیں ہے۔ طلب قانون کے مطابق ہونا چاہئے نہ کہ اس سے زیادہ۔ طلب استشہاد کو طلب مواثبت کے شامل کر دینا چاہئے یعنی بوقت طلب موثبت ہو۔ اگر شفیع کو بیچوال یا خریدار کی موجودگی میں یا موقع پر فوراً طلب کی تصدیق کے موقع پر تھا تو یہ ہر دو طلب کے لیے کافی ہے اور دوسری کے لیے ضرورت نہ ہوگی۔

اگر جائیداد اس قیمت پر جس کی ادائیگی کافی بعد ہوگی فروخت کی گئی ہو۔ تو شفیع اس وقت تک ادائیگی قیمت کے لیے انتظار کر کے جائیداد دے سکتا ہے۔ یا اسی وقت ادائیگی کر کے اور جائیداد کو فوراً حاصل کر سکتا ہے۔ مگر تاوقتیکہ بیچوال نے خریدار کو ادائیگی قیمت کے لیے مہلت نہ دی ہو تو شفیع کسی مہلت کا مستحق نہیں ہے۔"

شفیع حق شفع کی بنا پر جائیداد میں ان تمام اضافوں کی قیمت کی ادائیگی کا پابند ہے جو خریدار نے کئے ہوں بشرطیکہ وہ علاحدہ نہ کئے جا سکیں اسی طرح خریدار کی جائیداد میں کچھ نقص واقع ہو تو شفیع قیمت میں کمی کا مستحق ہے۔ اگر خریدار کی وجہ سے یہ نقص واقع نہ ہو تو خریدار پوری قیمت ادا کرے گا۔

اگر کوئی مکان، مال، اسباب کے بدل میں فروخت کیا جائے تو شفیع اسباب کی مالیت پر مکان لینے کا مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اسباب ان اشیا میں سے ہیں جو کہ موسوم بالذات قائم ہیں۔ یا ایسی چیزیں ہیں جن کا تخمینہ یا معاوضہ روپیہ کے مساوی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص گیہوں یا چاندی یا دوسری شے (جس کا تخمینہ ہو سکتا ہے) کے عوض اپنا مکان فروخت کرے تو شفیع اسی شے کے مساوی مالیت کے بجائے مکان لے سکتا ہے اس لئے کہ یہ بذات خود بدل کی تعریف میں آتی ہیں یعنی وہ اشیا جو اس قسم کی مساوی مقدار کے مطابق لائق معاوضہ ہوں۔

اگر کوئی جائیداد تبدیل ہو کر خریدار کے قبضہ میں ہو تو شفیع وہ قیمت جو خریدار نے دی ہو وہ ادا کر کے جائیداد حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر جائیداد اس وقت تک بیچوال کے ہی قبضہ میں ہو تو صورت اس کے برعکس ہوگی ایسی صورت میں شفیع کو بدل ادا کرنا چاہئے۔

بیچ وال کی قیمت میں کمی

ایک بیچ وال کو خریدار کے حق میں قیمت کم کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن

اگر بیچ وال کے شفع کے ختم ہونے پر پوری قیمت خریدار کو ادا کرے تو شفیع اس تخفیف قیمت سے فائدہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ قیمت میں کمی اصل سودائے بیع سے متعلق ہے اسی لئے شفیع اس منافع کا مستحق ہے۔ مگر مکمل تخفیف ہووے لہذا یہ غیر متعلق ہے۔ بلکہ اس کی وجہ مابعد کی نوعیت ہے۔

اگر تکمیل معاہدہ کے بعد خریدار بیچ وال کے حق میں اضافہ قیمت جائیداد پر آمادہ ہو جائے تو اس اضافے سے شفع پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس کا مطالبہ ابتدائی (اصل) معاہدہ پر مبنی ہے۔

اسی طرح اگر کسی قیمت پر کوئی جائیداد فروخت کی جائے بعد ازاں وہی خریدار از روئے معاہدہ ثانی قیمت میں اضافہ کر دے۔ اس اضافہ سے شفیع پر خلاف اثر مرتب نہ ہو گا اور وہ پہلی طے شدہ قیمت پر ہی حق شفع کا مستحق ہے۔

مدت میعاد

شرعاً اس بارے میں کسی مدت کی تعین نہیں ہے کہ ایک شفیع اپنے مطالبہ کے سلسلہ میں کتنی مدت میں عدالت میں طلب خصومت یا طلب تملیک کا دعویٰ دائر کرے۔ قانون میعاد ایکٹ ۱۸۷۷ء شڈول ۲ آرٹیکل ۱۰ کے مطابق عدالت میں حق شفعہ کے لیے دائری دعوی کی میعاد ایک سال ہے۔ اگر اس مدت میں دعویٰ دائر نہ کیا جائے تو یہ نا قابل پیش رفت ہو گا۔

فصل چہارم:۔ عدالت میں کارروائی

ایسی صورت میں جب کے حق شفع کا دعویٰ رواج یا خاص معاہدے کی بنا پر ہو تو ہندوستان کی (انگریزی) عدالت ہا کا یہ طے کردہ اصول ہے کہ فروخت کنندہ اور شفیع دونوں ہی مسلم لا کے اختیار سماعت کے تحت عدالت العالیہ کلکتے نے ایک مزید شرط اور عائد کی ہے کہ خریدار مسلمان ہو نا چاہیئے اس طرح تمام اصول ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس عدالت العالیہ الہ آباد نے یہ طے کیا ہے کہ جو بالکل صحیح ہے کہ حق

شفع کے مطالبہ کے لیے خریدار کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عدالت مذکورہ کی رائے میں یہ قرین قیاس نہ ہوگا کہ ایسے غیر مسلموں کو جن کا جائیداد کے سلسلہ میں مسلمانوں سے معاملہ ہو۔ان کو محض اسی بنا پر کہ وہ مسلم قانون کے تابع نہ ہوں۔ان کی جائیداد کے متعلق شرائط اور موارثات سے گریز کی اجازت دیدی جائے۔ایک ہی زمرہ کے بہت سے مستحق شفیع اشخاص بلا لحاظ حدود حصص و حقوق یکساں مستحق ہیں۔یعنی .A.B.C اگر کسی جائیداد میں شریک حصہ دار ہیں۔A کا حصہ ۳/۱ اور B کا نصف اور C کا ۱/۶ ہے اور A اپنے حصہ B کو فروخت کرتا ہے تو B اور C مساویانہ حصہ کے مستحق ہوں گے۔

عدالت العالیہ کلکتہ کے اجلاس کامل نے طے کیا کہ جب کوئی شریک حصہ خود دوسرے شریک حصے دار کو منتقل کرتا ہے تو کسی بھی شریک حصہ دار کو حق شفع حاصل نہیں ہوتا۔اور سب کے حقوق مساویانہ ہونے کی وجہ سے حق شفع طلب نہیں کیا جا سکتا۔

عدالت العالیہ الہ آباد کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔اور اس کے فیصلہ کے مطابق جب دو سے زیادہ شریک حصہ داران ہوں اور اگر ان میں سے ایک حصہ دار خود فروخت کرتا ہے تو بعینہٖ شریک حصے داران فرخت شدہ حصے کو خریدار شریک حصہ دار کے ساتھ پانے کے مستحق ہوں گے۔

مثلاً اگر .A.B.C.D چار شریک حصہ دار ہیں اور A حصہ خود B اور C کو فرخت کرتا ہے تو D بھی اپنا حصہ علی الترتیب ایک ثلث حصہ پانے کا مستحق ہوگا بلاشبہ یہ نظریہ مسلم فقہا کے وضع کردہ اصولوں سے مطابق ہے۔

یہ اصول اس بنا پر قائم ہے کہ نہ صرف کسی غیر کے مقابلہ میں تمام شفیعان کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔بلکہ تاہم بھی ان کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔اس لئے یہ نامناسب ہوگا کہ ایک حصہ دار کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔کوئی بھی شفیع اپنے مختص حصے کے بارے میں شفع کا مطالبہ کر سکتا ہے۔مگر ہر دو عدالت ہا اس پر متفق ہیں کہ جب ایک شریک حصہ دار اپنے ساتھ کسی غیر کو خرید حصہ میں شامل کرے تو دوسرا شریک حصہ دار بھی تمام فروخت شدہ جائیداد پر حق شفعہ کا مستحق ہے۔مگر جہاں تک شریک حصے دار خریدار کا تعلق ہے اس کے لیے بیع پر اعتراض کرنا ضروری نہیں ہے۔

قطعہ آراضی کا مالک اس کو زمین پر ایستادہ مکان کے حق شفع کا مستحق نہیں ہے۔ جبکہ زمین میں حق مکان کے حق میں بالکل علاحدہ اور واضح ہے۔اور یہ مکان کسی دوسرے شخص کا ہے جس میں کوئی عذر شریک نہیں ہے۔

کوئی شفیع پابند نہیں ہے کہ وہ دوران کاروائی مقدمہ مکان کی قیمت جمع یا پیش کرے تاہم یہ ضروری ہے کہ ڈگری اس کے حق میں ہو جانے پر خریدار کو قیمت ادا کرے یا عدالت میں جمع کرائے۔ شفیع کو حاصل شدہ حق ادائیگی قیمت میں تاخیر سے زائل نہیں ہوتا۔

ہندوستان کی عدالت ہا کا معمول ہے وہ ادائیگی قیمت کے لیے تعین وقت کرتی ہیں بصورت دیگر حق ساقط ہو جاتا ہے۔ڈگری بحق شفیع صادر ہونے پر بھی خریدار جائیداد بقبضہ خود رکھ سکتا ہے تاوقتیکہ اس کو قیمت ادا نہ کیا جائے۔

اس ڈگری کا نتیجہ جس کے ذریعہ اس کا حق قرار دیا گیا ہو

جب کسی خاص جائیداد میں دو یا زیادہ اشخاص حق شفع کے مستحق ہوں تو ان میں سے ہر ایک کل جائیداد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اگر ڈگری دو کے حق میں صادر ہونے پر اور ان میں ایک اپنا حق ترک کردے یا بلا ڈگری بھی ہر دو شفیعان میں سے ایک جائیداد پر حصول قبضہ کے بعد اپنا حصہ ترک کردے تو دوسرا شفیع ترک شدہ حصہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ باالفاظ دیگر اگر خریدار کا حق شفیع کو قبضہ دہانی سے ہو یا جج کی ڈگری صادر ہونے سے متاثر ہو گیا ہو تو شفیعان میں سے ہر ایک تمام جائیداد پر حق شفع کا مستحق ہے اور ایک کے ترک فعل سے دوسرے کو تمام حق تفویض ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا کے مطابق حق شفع موثر ہونے پر ہر ایک کا مفاد جداگانہ ہوتا ہے۔ شریک شفیعین کو کوئی حصہ دئے بغیر اس کو خریدار کے حق میں ترک کر سکتا ہے۔جب ایک شخص کے حق میں جو دوسری یا تیسری پشت میں حق شفعہ کی ڈگری صادر ہونے پر مستحق ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص برتر مطالبے کی بنا پر اپنے حق کا ادعا کرے تو موخر الذکر اول الذکر کی تنسیخ کی بنا پر ڈگری کا مستحق ہوگا۔

اختیار معائنہ

شفیع کو جج کی ڈگری کے بعد بھی معائنہ کا اختیار ہے۔ہدایہ کے مطابق اگر قاضی

جائیداد متنازعہ کے معاینہ سے پہلے ہی ڈگری صادر کر دے تب بھی شفیع کو معائنہ کا اختیار ہے۔اگر اس میں کوئی نقص معلوم ہو تو اس نقص کی بنا پر وہ اس کو منسوخ کر سکتا ہے باوجودیکہ خریدار کو سودے میں ہی اس نقص کا اندیشہ تھا۔ باالفاظ دیگر بیچ وال کو اس نقص کی ذمہ واری سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے تھا۔انتقال جائیداد حق شفع کی بنا پر مثل انتقال جائیداد منع ہے۔ پس شفیع کے مندرجہ بالا حالات میں امتیاز حق تنسیخ اس طرح حاصل ہے جیسے کی اجنبی یا غیر کو۔ شفیع کا یہ اختیار خریدار کے جائیداد کے معائنہ یا بیچ وال کو مستثنیٰ کر دینے سے زائل نہیں ہوتا اس لئے کہ شفیع نے خریدار کو مامور نہیں کیا تھا۔ پس اس کا فعل شفیع کے حق پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ شفیع کا جواز اعتراض اس پر منحصر ہے کہ وہ کہاں تک واقعی ہے یا دوسرے فریقین کو محض پریشان کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔

خریدار کے کئے ہوئے اضافے

اگر خریدار نے جائیداد میں کچھ اضافے کئے ہیں تو شفیع کو ان کی قیمت دی جائے یا اس کو علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر شفیع نے زمین میں فصل بوئی ہے تو شفیع کو اس کے تیار ہونے تک انتظار کرنا چاہئے۔ بعد ازاں زمین کی پوری قیمت دے کر اس پر قبضہ حاصل کرنا چاہئے۔

انحطاط

اگر خریدار نے عمارت تعمیر کی ہے یا زمین میں پودے درخت اگائے۔اور ڈگری محض زمین کی صادر ہوئی ہے تو شفیع کو یہ اختیار ہے کہ دونوں کی قیمت ادا کر کے عمارت اور درخت ہا پر قبضہ حاصل کرنے یا خریدار کو درخت ہا علاحدہ کرنے کے لیے مجبور کر دے۔
اگر جائیداد متنازعہ خریدار کے قبضہ میں ہو انحطاط پزیر ہے تو مدعی اس کی قیمت میں مناسب تخفیف کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ یہ انحطاط خریدار کی وجہ سے ہوا ہو۔ بصورت دیگر شفیع کو پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے کہ وہ مطالبہ ترک کر دے۔

اگر خریدار دیدہ ودانستہ عمارت ہا یا تعمیرات کو ضائع کر دے تو شفیع حق خود ترک کر سکتا ہے۔ اصل قیمت کے تناسب کے مطابق رقبہ آراضی حاصل کر سکتا ہے مگر اس کے ملبہ کا وہ مستحق نہیں ہے اس لئے کہ وہ علیحدہ جائیداد ہے۔اس کے لیے حق شفع

محض اس زمین اور اشیا پر محدود ہے۔ جو بطور ملحقات اسی سے متصل ہیں۔

جب کہ مکان کا کوئی حصہ یا باغ کسی حادثے یا قدرتی اسباب سے ضائع ہو جائیں تو شفیع کو اختیار ہے کہ اس کو ترک کر دے یا پوری قیمت دے کر خریدے مگر زمین کے سلسلہ میں معاملہ برعکس ہے اور اگر اس کا حصہ رہ جائے تو شفیع بقیہ حصے کو اس کی مناسب قیمت دے کر خرید سکتا ہے۔ اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ایک دکان یا باغ زمین کے ملحقات میں سے ہیں جب کہ زمین شے اصل ہے۔ اور حق شفع اسی سے متعلق ہے۔

اگر کوئی خریدار بعد خرید عمارتوں کو منہدم کردے تو عمارتوں کی مالیت کے مطابق قیمتوں کو جیسے کہ استادہ حالت میں نہ ہوں تقسیم کر دینا چاہئے تو شفیع ہی لے گا۔ اگر عمارتیں جل کر یا سیلاب میں بہہ کر خریدار کے قبضے میں کچھ بھی نہ رہی ہوں تو شفیع کو یہ جگہ مناسب قیمت پر خرید لینا چاہئے بالفاظ دیگر خریدار کو اس نقصان کا انگلش قانون کے مطابق کوئی معاوضہ نہ پائے گا اس لئے کہ یہ مشیت ایزدی سے ہوا ہے۔

خریدار جائیداد سے شفیع کو تحریک پر درمیانی معاملات پر لایق تنسیخ ہے کہ مثلاً اگر خریدار شے متنازعہ فروخت کردے تو جہاں تک شفع کا تعلق ہے اس کے بعد قبضہ جائیداد یا اضافہ جائیداد پر تعمیر و درختوں وغیرہ کے لگانے سے کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو خریدار یا بیچ وال کے علاوہ زمین کسی اور شخص کی تھی شفیع اصلی مالک جائیداد سے واپسی قیمت کا مستحق ہے۔ کہ جائیداد اور آراضی متنازعہ پر علیحدہ کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہے۔ لیکن وہ کسی بھی فریق سے اضافوں کی قیمت نہیں پا سکتا۔

ترک حق

حق شفع صریحاً یا تعمیراً ترک ہو سکتا ہے۔ اور شفیع اپنا حق شفع بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ ترک کر سکتا ہے۔ تعمیراً ترک ان نتائج پر منحصر ہے جو اس کے طریقہ سے استنباط کئے جائیں۔ اگر وہ بلا سبب واقعی بیع کا علم ہونے پر طلب کی تکمیل ترک کر دیتا ہے تو یہ نتیجتاً ترک حق ہے۔ اور اس سے قانون حق منسوخ ہو جاتا ہے۔ بیع پر رضامندی خواہ اصل خریدار سے بیع شدہ جائیداد کے خریدار سے مکرر خریدنے کی صورت میں ہو یا اس کو دینے یا پٹہ پر لینے کا اقرار قانوناً بمنزلہ ترک ہے جب کہ وہ بیع کے علم کے باوجود کئے جائیں مگر ان

سب افعال سے ترک اس وقت ہوتا ہے جب بیع علم بیع کے یا دور کے لیے کیا تھا۔
حنفی قانون کے مطابق حق شفع حق ذاتی ۔ہے جو شفیع کے ورثا کو نہیں پہنچتا۔ اگر وہ خود اس کے مستحق ہوں تو وہ مختلف بنا پر اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

حنفی قانون

پس قانون کے موثر ہونے کی صورت میں حق شفع باطل ہو جاتا ہے۔ اگر شفع کے ضروی طلب ہا کے بعد مگر جائیداد متازعہ پر قبضہ کرنے یا عدالت سے ڈگری حاصل کرنے سے قبل خریدار کا انتقال ہو جائے تو موت سے یہ حق باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ شفیع اپنے حق کا ادعا کر کے اس کے ورثہ سے حق جائیداد حاصل کر سکتا ہے۔

شیعہ اور شافعی اصول

شافعی اور شیعوں کے مطابق حق شفع لایق ارث حق ہے۔ جو شفیع کے ورثا پر منتقل ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایک ہی سودے میں کسی شخص سے ایک گلی میں کئی مکان خریدے اور اس میں کوئی راستہ عام نہ ہو اور شفیع ان مکانات میں سے ایک مکان خرید نا چاہتا ہے۔ اور اس کا حق شفع بوجہ حق آسائش راہ میں شرکت کی بنا پر ہے تو وہ خرید شدہ جائیداد میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ اس لئے کہ یہ سودا بلا ضرورت تقسیم ہوگا۔ اگر حق پڑوسی کی بنا پر ہے اور وہ اسی مکان کا جس کو لینا چاہتا ہے اس کا پڑوسی ہے تو وہ محض ایک مکان جائز طور پر لے سکتا ہے۔

ہدایہ کے مطابق اگر خرید شدہ عمارت میں کئی حصے ہوں جداگانہ اور علاحدہ ہوں اور ان میں سے دو مکان ایک ہی سودے پر خریدے جائیں تو شفیع ان میں سے ایک کو بغیر دوسرے کے نہیں لے سکتا بشرطیکہ وہ دونوں کا ساتھ ساتھ شفیع ہے۔ اسے یا تو دونوں کو چھوڑنا ہوگا خواہ وہ مکان ایک دوسرے کے قریب ہوں یا علاحدہ اور خواہ وہ ایک یا مختلف شہروں میں واقع ہوں۔

اس اصول کے مطابق یہ طے کیا گیا جب بیع نامہ میں دو جائیدادوں کا حوالہ ہو تو ان میں سے ایک کے لیے ہی مدعی کو حق شفع حاصل ہو تو وہ صرف ایک ہی کے لیے

دعویٰ کا مستحق ہے۔

مزید براں اس کا حق اس مخصوص سودے کے تحت متعلق تمام جائیداد پر ہو تو وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اس جائیداد کا ایک حصہ لے اور دوسرے کو منسوخ کر دے۔ اس کو پورے سودے کی پابندی کرنا چاہئے یا تو کل لینا چاہئے یا ترک کر دینا چاہئے خواہ یہ خریداری ایک شخص نے دوسرے شخص سے دو یا دو سے زیادہ اشخاص سے کی ہو اگر یہ جائیداد کئی شخصوں نے مختص حصوں میں کئی شخصوں سے خریدی ہو تو شفیع تمام جائیدادیاان میں سے ایک کا حصہ لے سکتا ہے اگر شخص مستحق حقِ شفعہ قبل صدور ڈگری اصل جائیداد سے حق شفعہ کو ترک کر دے تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر شفیع کو مختلف حقوق شفع حاصل ہوں تو ان میں سے ایک کا سکوت دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اگر حصہ دار اور پڑوسی دونوں ہی حقیت سے ہو اور وہ اپنا وہ حصہ فروخت کرتا ہو جس پر کہ اس کا حق اول الذکر حقیت سے قائم ہے۔ تب بھی وہ اپنے حق کا ادعا اپنے پڑوسی کی بنا پر کر سکتا ہے

غلط اطلاع کی بنا پر حق سوخت ہو جاتا ہے

غلط اطلاع کی بنا پر حق شفع سوخت ہو جاتا ہے۔ اگر رقم یا قسم قیمت یا خریدار یا فروخت شدہ جائیداد کی بابت پر غلط اطلاع ہو اور اس بنا پر حق زائل ہو جائے تو شفیع اس کی صحت کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر قیمت ایک ہزار درہم کی اطلاع ملنے پر اس نے اپنا حق ترک کر دیا ہو۔ حالانکہ اصلاً قیمت کم تھی۔ ایسی صورت میں سچ کا علم ہونے پر وہ اپنے حق کا ادعا کر سکتا ہے۔

ترک حق

A کے حق میں ترک حق دوسرے کے حق میں موثر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر شفیع A کو خریدار جانتے ہوئے اپنا حق ترک کر دے۔ مگر بعد میں معلوم ہو کہ اصل خریدار P ہے تو وہ اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر شفیع سودے میں بطور ایجنٹ بیچ وال کوئی کاروائی کرے تو اسے حق شفع حاصل نہیں ہوتا لیکن اگر خریدار کی حیثیت سے کارروائی کرے تو معاملہ برعکس ہے۔

اگر کوئی نابالغ حق شفع کا مستحق ہو تو اس کا ولی بشرطیکہ وہ مجاز ہو تو اس کا حق طلب کر سکتا ہے۔

اگر ایک شفیع اپنے حق کی بنا پر دعویٰ دائر کرے اور بعد میں معلوم ہو کہ اس جائیداد بناحق حق کو قبل دائری دعویٰ دوسرے کو منتقل کر دیا تھا۔ تو اس کا دعویٰ خارج ہو جائے گا دعویٰ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حق بوقت ڈگری برقرار ہو اور حق اسی وقت زائل ہو گا جب کہ انتقال آراضی کلیتاً ہو نہ کہ جزواً۔

پس ایک شفیع اپنے حق شفع کو قبل از ڈگری منتقل نہیں کر سکتا خواہ بعد حدود ڈگری جائیداد متنازعہ دوسرے کو منتقل کر دے۔

وہ حق شفع جو شمالی مغربی صوبوں میں ریکارڈ بندوبست یا واجب الفرائض کی بنا پر ہو وہ تمام اعتبار سے مسلم قانون حق شفع کے مماثل نہیں ہے۔ عدالت العالیہ الہ آباد نے طے کیا ہے کہ جب کسی موضع کے کئی شریک حصہ دار ہوں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ یا اپنے حصہ کا جز ایک ہی بنیاد کے تحت کسی خریدار کو فروخت کرے اگر وہ جو ایک غیر کو منتقل ہونے والا مفاد اس حصہ سے جو ایک شریک حصہ دار کو کیا گیا ہے علاحدہ ہو سکتا ہے تو باقی ماندہ شریک حصہ دار غیر کے مفاد کے دعویٰ کا مستحق ہو گا ورنہ وہ ہر دو خریداران کے خلاف کامیاب ہوں گے۔

چونکہ حق شفع قانون انتقال جائیداد ۴۔ ۱۸۸۳ کے تحت حق انفکاک زمین کی بنا پر پیدا ہوتا ہے اس لئے حق شفع اجرائے ڈگری حسب دفعہ ۸۶ کے رہن کی ادائیگی کا پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس تاریخ سے جب کہ مرتہن ایکٹ مذکور کی دفعہ ۸۳ کے تحت حکم قطعی حاصل کرتا ہے۔

حق شفع سے بچنے کے لیے قانوناً بہت سی صورتیں ہیں۔ اگر ایک شخص اپنے تمام مکان کو سوائے ایک گھر کی چوڑائی کے جو کہ شفیع کے مکان کے ساتھ ساتھ ہو فروخت کرے تو حق شفع کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اب وہ پڑوسی نہیں رہا۔ اسی طرح بیچ وال اپنے مکان کا درمیانی حصہ بطور ہبہ خریدار کو دے کر اس پر اس کو قابض کرا سکتا ہے۔

باب ۲۹۔ شیعہ قانون شفعہ

اہل تشیع اور احناف میں اس بارے میں کہ حق شفع کا کون مطالبہ کر سکتا ہے، بہت اختلاف ہے۔ شیعہ قانون کے مطابق جائیداد میں شریک حصے دار یعنی محض شفیع اور شریک حق شفعہ کے مستحق ہیں۔ مگر چونکہ سنی حنفی قانون شیعہ اس ملک میں خواہ وہ فرضی حدود یا رواج کے بنا پر نافذ ہو۔ اس لئے ایک حنفی حق آسائش یا پڑوسی کی بنا پر اگر بیچوال شیعہ ہو تو حق شفع کا مستحق ہوگا یہی اصول اس وقت منطبق ہوتا ہے جب کہ بیچوال سنی ہو۔ تاہم عدالت عالیہ الہ آباد نے یہ طے کیا ہے کہ جب بیچ وال اور خرید دونوں سنی ہوں تو ایسا شفیع جو شیعہ ہو محض پڑوسی ہونے کے بنا پر شفعہ کا مستحق نہیں ہے۔

اگرچہ شیعہ قانون کے مطابق جائیداد فروخت شدہ کا حصہ دار ہی حق شفعہ کی بنا پر جائیداد کا مطالبہ کر سکتا ہے مگر اسے حق شفع حاصل نہیں ہوتا اگر بہت سے حصہ داروں میں سے ایک اپنا حصہ فروخت کرے تو بعض قانون داں کی رائے کے مطابق کہ دو سے زیادہ حصے داراں اور ایک ان میں سے اپنا حصہ بیچتا ہے تو دوسرے حصہ داروں میں بھی حق شفع پیدا ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ حق شفع کا مطالبہ کرنے والا (شفیع) اصل جائیداد میں حصے دار ہو۔ جب تک اصل جائیداد میں اس کا مقام ہے ایک اجنبی کے داخل ہونے سے یا مداخلت یا زائل ہونے کا امکان ہے تو قانون ان کا حق تسلیم کرے گا۔ مثلاً اگر دو شخصوں کے دو علاحدہ مکانات ہوں۔ لیکن راستہ یا سڑک یا پانی کا راستہ مشترکہ قبضے کی بنا پر ایک ہی ہے تو ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے مکان پر حق شفع ہوگا۔

ایک شخص جس کا دوسرے کی جائیداد حق آسائش ہے یا محض ایک پڑوسی سے تیسرے شخص کے مقابلے میں جائیداد متنازعہ پر کوئی حق آسائش حاصل نہیں ہے یا اگر حق آسائش ہے یا قانون کے موثر ہونے کی وجہ سے اس میں تکفیل ہو گیا ہے تو خریدار

اس میں مداخلت نہیں کرے گا۔اور حقیت عالیہ کے مالک کو کوئی مشکل پیدا نہیں ہو گی۔اسی طرح پڑوسی کے حق میں کوئی مشکل مسئلہ پیدا نہیں ہو تا۔

حق کون استعمال کرسکتا ہے

جب حق شفع کا مستحق کم عمری یافاتر العقل ہونے کی بنا پر اس کا اہل نہ ہو تو اس کی جانب سے ولی کو حق استعمال کرنا چاہئے۔بشر طیکہ شخص زیر ولایت کے مفاد میں ہو۔ولی کے عدم مطلب شخص مستحق کے حق کو ضائع نہیں کرتی اور ولی کے ترک حق کی صورت میں تو نابالغ بلوغ حاصل ہونے پر اور فاتر العقل صحت عقل طلب کا ادعا کر سکتا ہے۔

ایک شخص جو بوقت بیع غیرا حاضر تھا۔خواہ کتنے ہی عرصہ تک غیر حاضر رہا ہو۔ اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔بشر طیکہ وہ اپنی بوجہ عدم حاضری کی خود یا بذریعہ ایجنٹ مطالبہ کرنے سے معذور رہا ہو۔

ایک شخص بوجہ بیماری یا بحالت مقیدی مطالبہ نہ کرنے پر غیر حاضر کی سطح پر ہی سمجھا جائے گا شیعہ قانون کے مطابق حق شفع تکمیل معاہدہ کے بعد (نہ کہ تکمیل انتقال کے بعد)فوراًنافذ ہو جاتا ہے۔

حنفی قانون کے مطابق ایک شفیع کو یا تو کل جائیداد لینایاترک کردینا چاہئے۔اس لئے کہ اپنے مفاد میں وہ معاہدے کے ٹکڑے نہیں کر سکتا۔اس کو بر بنائے معاہدہ قیمت حاصل کرلینا چاہئے۔ خواہ حصے کی اصل مالیت کم ہو یا زیادہ ہو مگر دوسرے ملحقہ مصارف کا وہ ذمہ دار نہ ہو گا۔

اگر خریدار تکمیل معاہدہ اظہارمدت کے انقضاء کے بعد قیمت میں کچھ اضافہ کرتا ہے تو یہ اضافہ قیمت میں بڑھوتری نہیں ہے۔اور شفیع اس کا دین داری نہ ہو گا۔

اگر اختیار کی مدت میں اضافہ کیا گیا ہے توبقول شیخ یہ اصل قیمت کا جزو ہے اور یہ اسی سطح پر ہے جیسی کہ معاہدے میں شرط طے پائی تھی۔ مگر مصنف شرائع کے مطابق اس رائے میں کچھ مشکلات ہیں اس لئے کہ پہلے جیساکہ انتقال کے بارے میں پہلے کہا جاچکا ہے یہ تکمیل معاہدے کے برعکس ہے۔

اس طرح اگر بیچوال قیمت میں کمی کرتا ہے تو یہ کمی معاہدے سے غیر متعلق ہے اور خریدار کسی طرح اس وقت تک اپنا حصہ ترک کرنے سے پابند نہیں ہے جب تک اسے معاہدہ کے مطابق طے شدہ پوری قیمت نہ مل جائے۔

اگر ایک شخص کوئی جائیداد جواہرات یا اسی قسم کی اشیا کے بدل میں خریدتا ہے تو شفیع جائیداد کو اسی قیمت پر جو معاہدہ میں طے پائے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کو اس سے مناسب طریقے پر وقفیت ہونی چاہیئے۔

مطالبے میں ناگزیر تاخیر حق کو زائل نہیں کرتی

شفیع کو جوں ہی معاہدہ کی اطلاع ملے اپنا مطالبہ پیش کر دینا چاہیئے۔

ایسی ناگزیر تاخیر جو غیر حاضری یا عدالت یا اسیری کی بنا پر ہو حتی کہ وہ اپنا مطالبہ ایجنٹ کے ذریعہ سے بھی پیش نہ کرے تب بھی اس کا حق زائل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر تاخیر زر قیمت یا قسم قیمت کے متعلق غلط اطلاع کی بنا پر ہو تو حق باطل نہیں ہوتا۔

مناسب مستعدی ضروری ہے

ایسے شخص کو اپنا مطالبہ پیش کرنے کے لیے مناسب مستعدی سے کام کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر اس غرض سے وہ سفر کر رہا ہو تو ضروری نہیں ہے سفر میں اس سے زیادہ جلدی کرے جس طرح کہ وہ سفر کا عادی ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ کسی مذہبی فرض کی ادائیگی میں خواہ وہ اختیاری ہو یا لازمی تو یہ ضروی نہیں ہے کہ اسے ترک کردے مگر اس کی تکمیل تک جائز طور پر ٹھہر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر نماز کا وقت قریب ہے تو وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ وہ بعد وضو اطمینان اور سکون سے نماز ادا نہ کرے۔

ایک شخص بیع کی اطلاع ملنے پر جو حالتِ سفر میں ہو۔ یا ذریعہ تقرری ایجنٹ اگر بوجہ عدم توجہی یا عدالت گواہان کو طلب کرائے تو سیع نیت کی تصدیق نہ کرا سکے اسکا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اپنے حق کا بہ نفسہ یا بذریعہ تقرر ایجنٹ مطالبہ کر سکتا ہے مگر اس میں کوتاہی برتنے سے اس کا حق زائل ہو جاتا ہے اگر بیچ وال اور خریدار دونوں ہی معاہدے کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو شفیع کا حق زائل نہ ہوگا۔ اور وہ باوجود اس تنسیخ کے اسے جائیداد منتقل کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

رضامندی

حنفی قانون کے مطابق بیع پر رضامندی خواہ صریحاً ہو تعبیراً حق کو زائل کردے گی خریدار کی جانب سے کوئی معاملہ شفیع کے حق پر اثر انداز نہ ہوگا اور اگر وہ جائیداد متنازعہ کسی غیر شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس کو لینے کا مستحق ہے۔

شفیع کا حق خریدار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور وہ جائیداد اس سے لیتا ہے نہ کہ بیچ وال سے لیکن اگر جائیداد موخر الذکر کے قبضے میں ہو تو وہ اس سے لے سکتا ہے۔ اگر چہ یہ بیچ وال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اگر شئے مبیعہ خریدار کے کسی فعل یا عمل سے ضائع یا اس میں نقص ہو جائے لیکن یہ شفیع کی طلب سے قبل ہو ایسی صورت میں یہ شفیع کی صواب دید پر ہے۔ کہ یا تو جائیداد مذکورہ کو پوری قیمت پر خریدے یا بالکل ترک کردے۔ اگر وہ خریدتا ہے تو وہ تمام ملبہ اور ناکارہ اجزا کا بھی مستحق ہوگا خواہ موقعہ پر ہو یا نیا لیا گیا ہو۔ اگر اس کے بعد جائیداد کو نقصان پہنچا ہو یا اس میں انحطاط آگیا ہو اور ایسا خریدا کے فعل سے طلب شفیع کے بعد ہو تو خریدار اس کا ذمہ دار ہوگا۔

خریدار کی تعمیرات اگر خریدار نے قبل طلب زمین پر درخت لگائے ہوں یا عمارت تعمیر کی ہو تو وہ اپنی صواب دید پر اس امر کا مستحق ہے بلند زمین کو ہموار کیئے ہوئے درخت لے جائے یا عمارت بنائے۔ یہ شفیع کی صواب دید پر ہے کہ اسے پوری قیمت پر خریدے یا باقی اپنے حق کو کلیتاً ترک کردے۔

مگر یہ کہ اگر خریدار درخت یا عمارت بنانے سے انکار کردے تو شفیع کے لیے تین راستے ہیں یعنی وہ خود ان کو ہٹادے اور خریدار کو جو نقصان پہنچا ہو اس کا معاوضہ ادا کرے یا وہ کل پر قبضہ کرے اور علاوہ درختوں اور عمارتوں کی اضافی قیمت کے ان کی مالیت بھی حسب فرضی خریدار ادا کرے جو کہ اس کی جائیداد میں ہیں یا اپنا حق کلیتاً ترک کردے۔

جائیداد میں اضافہ

اگر جائیداد مطلوبہ میں اس طرح اضافہ ہو کہ وہ جائیداد کا بھی حصہ معلوم ہو تو وہ

اضافہ شدہ حصہ شفیع کی ملکیت ہو گا۔ لیکن اگر وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو سکتا ہے تو وہ خریدار کا ہو گا۔

اگر کوئی شخص دو مکانوں میں اپنا حصہ فروخت کرتا ہے اور شفیع دونوں میں ہی حصہ دار ہو تو وہ دونوں کا ہی جائز طور پر لے سکتا ہے یا ترک کر سکتا ہے۔ یا ایک کو لے کر دوسرے کے لیے اپنا مطالبہ ترک کر سکتا ہے۔ لیکن ایک جائیداد کی صورت میں وہ اس کے حصہ پر اپنا حق ترک نہیں کر سکتا۔

اگر بیع بصورت مبادلہ ہو اور اس کی قیمت ایک مختص شے کے صورت میں ہو۔ لیکن بعد میں وہ جائیداد و خریدار کے علاوہ کسی اور کی ثابت ہو تو بیع باطل ہو گا تو حق شفع نہیں رہتا۔ لیکن اگر اس کی قیمت کسی ایک شے میں ہو جس کا مثل گیہوں اناج یا غلہ وزن یا ناپ سے تخمینہ ہو سکے تو حق شفع شئے متذکرہ دوسرے شخص کی جائیداد معلوم ہو۔ اسی طرح بدل سکہ یا زر نقد میں ہو جو خریدار کے علاوہ کسی دوسرے کا معلوم ہو۔ تو حق شفع جو ایک بار قائم ہو جائے وہ زائل نہ ہو گا

اگر شے مبینہ میں کوئی نقص معلوم ہو اور خریداری نقص کی بنا پر کوئی معاوضہ لے تو شفیع اس قیمت میں کسی کا مستحق ہے۔ لیکن اگر خریدار نقص کا معاوضہ لئے بغیر جائیداد اپنے پاس رکھے تو شفیع کو اسے پوری قیمت پر لینا چاہئے۔ یا مطالبہ ترک کر دینا چاہئے۔ اگر شفیع علم ہونے پر وہ خرید زمین کا اپنا حق ترک کردے اور اس کے بعد معلوم ہو کہ دوسروں کے لیے خریدار تھا ان تمام صورتوں میں حق زائل ہو جاتا ہے۔

حق شفع لائق ارث ہے

اہل تشع شافعیوں سے اس بارے میں متفق ہیں کہ حق شفع بطور ورثہ شفیع کے ورثا پر منتقل ہوتا ہے پس اگر وہ شفیع ایک بیوہ اور ایک بچہ کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو اس کا ۵/ا حصہ بیوہ کو اور باقی بچے کو ملے گا اور اگر ورثا میں سے ایک اپنے حصہ ترک کردے تو یہ ساقط نہ ہو گا بلکہ دوسرے وارث کو سب ملے گا۔

حق شفع جائیداد غیر منقولہ سے متعلق ہے

حق شفع جائیداد غیر منقولہ سے متعلق ہوتا ہے اور درختوں اور عمارتوں پر حق

شفع اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ جس زمین پر کھڑے ہوں اس کے ملحقات کے طور پر ان کو فروخت کیا جائے۔

حق شفع چھوٹے چشموں، سڑک اور عمارتوں وغیرہ میں بھی متعلق ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے تقاسمے سے ایسا نقصان اور ضرور واقع نہ ہو جس سے کہ وہ جائیداد بیکار ہو جائے۔

شیعوں کے مطابق اگر بعد میں تقسیم جائیداد بیکار ہو جائے تو وہ نقصان دہ ہے اس لئے وہ شخص جس کو ضرر (نقصان) پہنچنے والا ہو اسے تقاسمے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ کہ اگر حمام یا سڑک یا چھوٹا چشمہ اس نوعیت کے ہوں کہ ان کی افادیت تقسیم سے کم نہ ہو تو شریک مالک کو ان کے تقاسمے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ اپنا حصہ فروخت کرے تو حق شفع حصے دار کے حق میں ہوگا۔

اگر ایک شخص قطعہ آراضی جس کا وہ تنہا مالک ہو فروخت کرے۔ ساتھ ہی دوسری مشترکہ حقیقت میں ایک سودے کے ذریعہ اپنا حصہ فرخت کرے تو حق شفع تمام حصے پر قیمت کے تناسب سے لاگو ہوگا۔

جب حق شفع قائم ہو جائے

حق شفع کے نفاذ کے لیے یہ ناگریز ہے کہ جائیداد کا حصہ بذریعہ بیع متصل ہوا ہو لیکن اگر وہ حصہ بصورت مہر، صدقہ، ہبہ یا مطالبے کی تصفیہ کے لیے دیا جائے تو اس پر حق شفع عائد نہیں ہوتا۔

اگر کوئی عمارت جزواً وقف ہو اور جزواً آزاد اور آزاد حصہ فروخت کیا جائے تو مستفیدین وقف کو کوئی حق شفع نہیں ملتا تاہم مصنف جوہرہ کے مطابق حق شفع ہو سکتا ہے۔

اگر شفیع جائیداد پر قبضہ حاصل کرے اور قبل از بیع اسے جائیداد میں نقص کا علم تھا یا دونوں (یعنی وہ اور خریدار) اس نقص سے ناواقف تھے۔ ان میں سے ایک کو اختیار حاصل نہیں ہے لیکن اگر دونوں ہی اس نقص سے واقف تھے اور اگر شفیع اس جائیداد کو واپس کر دینا چاہے تو مؤخر الذکر کو اختیار ہے کہ یا تو بیع کو کلیتاً نامنظور کردے یا بنچوال سے

نقص کا معاوضہ طلب کرے۔

اگر شفع جائیداد اپنے پاس رکھنا چاہے تو اس صورت میں خریدار کو بیع کی منسوخی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیع اس کے ہاتھ سے حصہ نکل چکا ہے۔

اسی طرح اگر شفع نقص سے واقف تھا مگر خریدار ناواقف تھا۔ اور اگر بعد میں خریدار اس نقص سے واقف ہو گیا تھا اور شفیع نہیں تھا تو موخر الذکر سے منسوخ کرنے کا مجاز ہے۔ حق شفع کئی صورتوں میں زائل ہو جاتا ہے مگر طبقہ حنفی میں قابل تسلیم نہیں ہے ان میں سے دو درج ذیل ہیں۔

(۱) جائیداد اصل قیمت سے زیادہ پر فرخت کی جائے اور اس کے بعد کوئی شے معمولی مالیت کی اس کی مبادلہ میں لی جائے۔ اس طرح کہ شفیع اگر اس سے استفادہ کرنا چاہئے تو پوری قیمت ادا کرنے پر مجبور ہو گا۔

(۲) اسی طرح اگر جائیداد زیادہ قیمت پر فروخت کی جائے اگر بیچوال اس کا ایک جزو حاصل کر کے باقی چھوڑ دے ایسی صورت میں شفیع مجبور ہو گا کہ یا تو وہ کثیر نقصان برداشت کرے یا اپنے حق کو ترک کر دے۔

باب ۳۰۔ قانون تحویل

فصل اوّل: تحویل

اقسام تحویل

حسب شرع تحویل ایسا معاہدہ ہے جس کی رو سے کوئی شے ایک شخص دوسرے کو ایک معینہ یا غیر معینہ مدت کے لیے یا مخلصی غرض کے لیے بلا کسی بدل سپرد کرتا ہے۔ اگر بدل طے پایا ہے تو یہ مقررہ اوقات میں یا کار برآری پر شئے محولہ تحویل کنندہ کو واپس کرنے پر ادا ہوگا۔ یہ ادائیگی پیشگی بھی ہوسکتی ہے۔ شرع میں کوئی خاص لفظ اصطلاح اور مفہوم کی ادائیگی کے لیے نہیں ہے۔ مگر جن مقاصد کے تحت تحویل کی گئی ہے ان کے مطابق اسے (تحویل) کو متعدد عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے جو اس طرح ہیں:

(۱) عاریت یا قرضہ قابل واپسی

(۲) اجارہ یا کرایہ جس میں تمام قسم کی حوالگیاں شامل ہیں۔

(۳) ودیعت

(۴) رہن وغیرہ

میں اس باب میں مختص حوالگی کے موضوع پر مختصر اً بتادوں گا۔ موضوع عاریت پر محض قدرے لکھوں گا تاکہ شرع اور انگلش قانون کی مماثلت کی نشاندہی کر سکوں۔

فصل دوم:۔ اجارہ

مختص تحویل

اگر کسی شخص کو مکان یا زمین کرایہ پر دی جائے تو وہ مقررہ کرایہ کی (خواہ وہ اس میں نہ رہے اور نہ اس کا استعمال کرے) ادائیگی کا پابند ہے اس لئے کہ جس طرح اس کا

منافع (کرایہ) دینا ناممکن ہے اسطرح شئے محولہ پر قبضہ دہانی جس سے کہ فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ اس کے عوض ہے۔اس لئے کہ شے محولہ پہ قبضہ دہانی سے ہی اس کے مفاد کے استعمال کی اہمیت شامل ہے۔

اگر نہ کوئی کرایہ طے ہو اور نہ تحویل بلابدل ہو تو کرایہ دار مروجہ کرایہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اگر شئے محولہ (کرایہ) پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد کرایہ دار کسی تیسرے شخص کو فعل ناجائز سے قبضہ حاصل نہ کر سکے تو کرایہ دار ادائیگی کرایہ کا ذمہ دار نہیں ہے۔اگر اس کے برعکس اگر معاہدہ میں ایسی شرط نہیں ہے تو کرایہ بوقت قیوماً طلب کیا جاسکتا ہے۔ایک جانور کا کرایہ پر سفر میں منزل بہ منزل طلب کیا جاسکتا ہے۔اگر ایک کاریگر جس کے ذمے کوئی کام سپرد کیا جائے تو وہ معاوضہ کا پابند نہیں ہے جب کوئی شئے کسی دوسرے شخص کو تحویل میں کسی مختص غرض سے مقررہ بدل کے عوض دی جائے تو حامل تحویل کا شے محولہ پر اس رقم کا بار ہے جو کہ تحویل کنندہ کو دی گئی ہے مثلاً ایک تنور جو روٹی پکانے کے لیے دیا جائے وہ اس وقت تک روکا جاسکتا ہے جب تک کہ اس کا کرایہ نہ دیا جائے اسی طرح ایک درزی کو کپڑوں کی اجرت نہ دی جائے تو وہ روک سکتا ہے۔

تحویل دار دوران تحویل کسی حادثے کا ذمہ دار نہیں ہے لیکن اگر عام اور ایسی نوعیت کا ہے کہ اگر کوئی نمایاں اثر اس شئے پر نظر نہیں آتا تو یہ نہیں روکی جاسکتی۔

اگر تحویل خاص صورت میں ہے تو حامل تحویل کسی دوسرے کو یہ شئے تفویض نہیں کر سکتا مثلاً اگر کوئی ایک کتاب نقل کرنے کی غرض سے دی گئی ہے تو اس غرض سے یہ دوسرے کو نہیں دی جاسکتی۔

اگر کوئی معاہدہ پر غیر مشروط یا قطعی نہ ہو تو حامل تحویل ہے کہ شئے محولہ کسی شخص کو استعمال میں دینے کے لیے آزاد ہے۔

ایک جانور بار برداری یا سواری کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے۔پس اگر سواری کی غرض بتادی گئی تو کرایہ دار آزاد ہے کسی شخص کو بھی سواری کے لیے دے۔اسی طرح اگر کوئی شخص بلاپابندی پہننے کے لیے لباس کرایہ پر دیتا ہے تو وہ آزاد ہے خود پہنے یا دیگر شخص کو پہننے کے لیے دے۔

مختص حوائج

لیکن ایک مختص معاہدہ کی صورت میں شے محولہ کے استعمال میں معمولی تبدیلی سے بجائے شے محولہ کا حامل ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ شے محولہ کی نوعیت نقصان پذیر نہ ہو۔ آراضی اور ہر دوسری شے جو مختلف دخل کار مثلاً خیمے وغیرہ جو مختلف طریقوں سے کسی شخص کے حوالہ تک محدود نہیں ہیں۔ کرایہ دار آزاد ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی کو بغرض رہائش رکھے۔ اس لئے کہ اس پر خالص پابندی محض اس کے استعمال کی ہے تاکہ دوسرے اثر کے وہ مانع رہے۔

جب کہ شئے محولہ کے استعمال کو نوعیت حسب معاہدہ طے ہو چکی ہے تو حامل اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر ایک شخص کوئی جانور بار برداری کی غرض سے کرایہ پر لیتا ہے اور کرایہ دینے والا اشیا بار برداری کی نوعیت اور وزن مختص کردے۔ مثلاً پانچ بوریاں گیہوں۔ اس صورت میں کرایہ دار مجاز ہے کہ جانور پر مساوی وزن کی کوئی شے جو گیہوں کے مقابلے میں بصورت بار برداری یادہ تکلیف دہ اور پریشان کن نہ ہو جیسے کھمک وغیرہ جو یا اس لئے کہ اس نوعیت کی تمام اشیا اس اجارہ میں شامل ہیں جو اجارے پر دی گئی ہیں کرایہ دار اس امر کے لیے مجاز نہیں ہے کہ جانور پر کوئی گیہوں سے زیادہ نقصان دہ کسی شئے سے جانور کی بار برداری کرے۔ ایسا تحویل کنندہ اور حامل تحویل گیہوں سے زیادہ نقصان دہ کسی شئے سے جانور کی بار برداری کرے۔ ایسا تحویل کنندہ اور حامل تحویل کے معاہدہ کے خلاف ہو گا۔

کوئی بھی شخص جس نے کہ کوئی جانور مقرر مقدار کی روئی لے جانے کے لیے کرایہ پر لیا ہو۔ اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ جانور پر اس وزن کے برابرہ لوہا لاددے اس کا غالب امکان ہے کہ یہ لوہے کا بار روئی کے مقابلے میں جانور پر زیادہ مضرت رساں ثابت ہو گا۔

جب کوئی حامل تحویل ایسی کوئی شے جو مختص نہ کی گئی ہو استعمال کرے تو بصورت حادثہ اس پر ایک مناسب ذمہ داری عائد ہوتی ہے مثلاً ایک موڑ اپنے ساتھ ایک اور کو مزید سوار کر لائے تو اس پر اس کی نصب قیمت کی ذمہ داری عائد ہے۔ اگر کرایہ شدہ جانور غلط استعمال سے ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت کا ذمہ دار ہے اگر کوئی جانور مختص مدت کے لیے کرایہ دیا جائے تو اس سے زیادہ مدت کے لیے کرایہ پر رکھنے کے لیے کرایہ دار پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ایک زین بدلنے کے بجائے دوسری زین بدلنے سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بشرطیکہ وزن میں فرق نہ ہو۔اور ذمہ داری زائد وزن کے مطابق عائد ہوتی ہے۔

لیکن اگر نوعیت زین مختلف ہے تو پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ایک شخص جس کو بار برداری کے لیے مقرر کیا جائے اگر وہ مقررہ راستہ سے کسی دیگر راستے ہو کر جائے تو اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

زمین جو کاشت کے لیے کرایہ پر دی جائے

اگر کاشت کے لیے زمین کرایہ پر لی جائے تو اس کے متعلق کوئی دیگر نقصان دہ طریقہ کے استعمال سے اسی کے مطابق ذمے داری عائد ہوتی ہے۔

ایک درزی حکم سے تجاوز کرنے پر ذمے دار ہے۔

معاہدہ تحویل کے خلاف ایک ناجائز شرط معاہدہ کو کلیتاً منسوخ کر دیتی ہے۔

مختص تحویل

ایک شئے مختص جائز طور پر تحویل میں دی جا سکتی ہے۔یعنی ایک شخص اپنے مکان کا جزو یا حصہ کرایہ پر دے سکتا ہے۔

کسی غیر معین معاہدہ کے تحت کسی شئے واجبی کے استعمال سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

حاملان تحویل دو درجوں میں تقسیم ہوتے ہیں

(۱) عام اور خاص۔

ایک عام حامل اور تحویل وہ ہے جس کو کوئی شے بطریق معمول دوران کام حوالہ کی جائے اور خاص حامل تحویل وہ ہے جس کو کہ کوئی شے اس کی طلب پر تفویض نہ کی جائے بلکہ خاص معاہدہ کی بنا پر تفویض کی جائے۔

کوئی شئے جو حامل تحویل کے سپرد کی جاتی ہے وہ اس کے ہاتھوں میں ودیعت ہوتی ہے اور اگر اپنی شے دوران قبضہ ضائع ہو تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہے تاوقتیکہ وہ شے ناقابل مدافعت اور ناقابل مزاحمت حادثے سے ضائع نہ ہو مثلاً آگ جو اس کے گھر کو جلا دے یا لیٹرے جو مغلوب نہ ہوں اور اس شے کو زبردستی لے جائیں۔اگر وہ شے کسی ایسی وجہ سے ضائع ہو جائے جس سے کہ بچا جا سکتا ہو جیسے غصب یا چوری تو یہ بمنزلہ غفلت

ہو گا اور حامل تحویل اس کا ذمہ دار ہو گا۔ جیسے کہ امین جو کہ اس کی تحویل میں رکھی ہوئی چیزوں کو کرایہ دے یا سرجن یا سالوتری جو مروجہ طریقے پر کام انجام دے رہا ہو کسی حادثے کی بنا پر ذمے دار نہیں ہے۔

ایک ایسے حامل تحویل پر جو بلا معاوضہ شے محولات حسب معمول احتیاط و نگرانی سے رکھتا ہو کوئی ذمے داری نہیں ہے۔

فصل سوم:۔ عاریت یا اودھار

اصطلاح قانون میں بقول فتاوائے عالمگیری ''عاریت'' کا منشا یہ ہے کسی شخص کو بلا بدل آمدنی جائیداد کا مالک بنا دیا جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر نوازی اور ہمارے فقہا کا اجتماع ہے۔ اور بقول سراج الوہاج درست ہے اس میں فرض یہ ہے کہ تحویل کنندہ کی رضامندی ضروری ہے حامل تحویل کی ذمہ داری ضروری نہیں۔ یہ ہمارے تینوں فقہا ابو محمد، ابو یوسف، امام حنیفہ کے مطابق ہے۔ تحویل کنندہ رضامندی اس صورت میں دے سکتا ہے میں نے تمہیں بطور عاریت دی'' ہے یا'' میں نے یہ کپڑا یا مکان تمہیں دیا ہے'' یا'' یہ غلام میں نے تمہاری خدمت کے لیے دیا ہے'' یا یہ جانور بار برداری کے لیے دیا ہے'' یہ زمین تمہارے بسر اوقات کے لیے دی ہے مگر اس سے منشا ہبہ نہیں ہے۔ یہ سب عاریت ہی کی تعریف میں شامل ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ مکان تمہاری رہائش (سکنہ) کے لیے ہے یا تمہاری عمر بھر کی سکونت (عمربستہ) کے لیے ہے۔ ایسا ہی بدایہ میں آیا ہے۔

فی الاصل عاریت کسی دوسرے شخص کو کسی شے کا ایک مدت کے لیے منافع دینا ہے اور وہ شے استعمال سے ضائع ہونے والی نہ ہو۔ خواہ وہ مدت معینہ کے لیے ہو یا غیر مدت معینہ کے لیے ہے۔

فراست شرط ہے مگر بلوغت شرط نہیں ہے۔ پس ایک لڑکا جس کو قاضی نے تجارت کے لیے اجازت دی ہو کوئی بھی شئے بطور عاریت دے سکتا ہے۔

یہ بھی ایک ضروری شرط ہے کہ ضائع نہ ہونے والی قابل استعمال شئے بطور عاریت دی جائے لیکن اگر صرف ہونے والی ہو تو اس پر عاریت جائز نہیں ہے ایسا ہی

ہدایہ میں ہے۔

حکیم شاہد نے کتاب الکفیل میں لکھا ہے کہ درہم اور دینار کی عاریت ایک قرضہ ہے یہی حالت ان اشیا کی ہے جس کو ناپا یا تولا جا سکتا ہے۔ اگر درہم اور دینار بطور زیورات یا وزن کام میں لئے جائیں تو وہ عاریت ہوں گے پس جو شے عاریت ہو اسے معاہدہ مقررہ سے زیادہ کام میں لینا جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی غایت البیان میں ہے۔

عاریت کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) فائدہ اٹھانے کی مدت اور طریقہ غیر معین رکھا جائے۔ ایسی صورت میں حامل تحویل جس طرح اور جب چاہے استعمال کر سکتا ہے۔

(۲) جب کہ مدت اور طریقہ استعمال صریحاً مقرر کر دئے جائیں تو حامل تحویل اس کی تاوقتیکہ اس کی ضرورت نہ ہو خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔

(۳) اس کے استعمال کی مدت مقرر ہو مگر طریقہ استعمال مقرر نہ ہو۔

(۴) طریقہ استعمال مقرر ہو مگر مدت استعمال مقرر نہ ہو اس کا نتیجہ قانونی یہ ہے کہ حامل تحویل بلا ادائیگی معاوضہ اس شے کے استعمال کا مستحق ہے۔

شئے عاریت ایک امانت ہے اگر یہ حامل تحویل کی غفلت یا لاپرواہی سے ضائع ہو جاتی ہے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ہمارے فقہا میں اس شرط کے جواز میں اگر حامل تحویل کی غفلت یا لاپرواہی سے نقصان ہو تو اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے ایسی شرط کو جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز بتایا ہے۔

اگر اس کی وجہ سے نقصان واقع ہو تو وہ بالاجماع نقصان کا ذمہ دار ہے اگر اس نے دیدہ ودانستہ ایک باربرداری کے جانور سے شب و روز کام لیا جس کے وہ قابل نہیں ہے۔ تو وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

ایسے شخص کی ذمہ داری کے قواعد اس شئے کی بابت پر جو بطور عاریت لی ہو اور دوسرے معاملات جو اس کے ذمہ ہوں فتاویٰ عالمگیری میں تفصیل سے دئے گئے ہیں لیکن اس کی تفصیل غیر ضروری ہے اس لئے کہ قانون معاہدہ (ہندوستان) ایسے تمام مسائل پر لاگو ہے۔

ضمیمہ

(۱) شیعہ قانون وقف

غنایہ

کسی وقف کے جواز کے لیے کئی شرطیں ضروری ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) واقف کا مالک جائیداد ہونا۔

(۲) اس کی انتقال جائیداد کی اہلیت ہونا۔ اگر واقف دیوالیہ ہونے کی وجہ سے انتقال کے لیے ممنوع ہے تو وقف ناجائز ہے۔

"یہ بھی ضروری ہے کہ وقف صریح الفاظ میں اور اس کا منشا حصول قربت خداوندی ہو تشکیل وقف کے لیے یہ جملے صحیح ہیں "وَقَفْتُ" میں نے وقف کیا "حَبَّسْتُ" میں نچوالے کیا، میں نے باندھ دیا، "سبلت" میں نے راہ خدا میں دیا اگر وہ "صدقت" کہے تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حرمتُ، عیدتُ کے ہیں۔"

"یہ لازمی ہے کہ شئے موقوفہ معلوم ہو تا کہ جو شئے دی جائے اس کے عین کو قائم رکھتے ہوئے ہمیشہ اس سے منافع ہو سکے۔ بالا جتماع جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ و جائیداد شفع پر (علاحدہ شدہ) سب بہ لحاظ وقف مساوی ہیں۔ اس لئے کہ ان سب کا وقف یکساں طور پر جائز ہے۔"

جواز وقف میں شرع کے بارے میں ثبوت ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی آراضیات واقع خیبر کے سلسلہ میں اس طرح فرمایا عمرؓ سے اصل کو محفوظ کر کے ان کا منافع راہ خدا میں دو۔" حالانکہ آراضیات خیبر مشاعتھیں اور انحضرت صلعم نے اس کا تقاسمہ نہیں فرمایا تھا۔"

فقہا کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ درہم و دینار کا وقف جو اپنی اصل حالت

میں ہیں جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ بجنسہ بحالت عین رہتے ہیں اور ان سے کوئی منافع نہیں ہوتا۔ لیکن فقہا متاخرین کی رائے کے مطابق روپیہ کو کاروبار وتجارت میں لگانے سے منافع ہو سکتا ہے تو جائز ہے۔اس بارے میں اہل تشیع اور احناف جب کے عام مسلمان کے لیے وقف کیا جائے اور واقف اس کیمنافعوں میں شریک ہو تو اختلاف رائے ہے۔"

مقصد وقف معلوم ہونا چاہئے

"دوسری شرط موقوفہ کا ظاہر اور لائق نشاندہی ہونا ہے۔ تاکہ اس وقت سے اجر عاقبت حاصل ہو اور کوئی وقف بلارائے ایسے بچہ کے حق میں جو رحم مادر میں ہو یا غلام ہو نہیں کیا جا سکتا مگر جو بچے موجود ہیں ان کے اور ان کی آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کے لیے بالاجماع جائز ہے۔"

"مساجد اور پلوں کے لیے وقف جائز ہے۔وجہ یہ ہے کہ ان مقاصد سے مسلمانوں کو آرام ملتا ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ دائمی ہونا چاہئے اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ایک سال کے لیے وقف کیا ہے تو بھی جائز ہے۔"

یہ بھی ضروری ہے کہ جائیداد مستحقین کو یا ان کی جانب سے کسی کو منتقل ہونا چاہئے جب کسی وقف میں تمام شرائط مل جائیں تو وقف کا حق دائماً ساقط ہو جاتا ہے۔ نہ منسوخ کر سکتا ہے اور نہ وہ اغراض جن کے لیے اس نے وقف کیا تھا تبدیل کر سکتا ہے۔

"ہمارے مطابق مستفیدین محض اس وقت شے موقوفہ فروخت کر سکتے ہیں جب کہ اس میں مفاد ہو بعد اس کے برباد وضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔"

"جو ہدایات آمدنی وقف کے استعمال کے لیے ہے واقف کا ان پر عمل ہونا چاہئے جب اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کیا جائے اس پر لڑکیوں کے بچے بھی شامل ہوں گے۔ اس لئے کہ استحقاق یا قانونی طور پر لفظ ولد لڑکی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی نسل یا اعقاب یا ذریات کے لیے وقف کرتا ہے تو نسب ماں کی طرف سے ہی سمجھا جائے گا اور اسی طرح سے وہ تمام اشخاص جو اپنی ماں کی جانب سے ہیں وہ وقف کے فوائد میں شامل کئے جائیں گے اس لئے کہ وقف "عزت" کے لیے ہے تو یہ اس کے مساوی ہے گویا وہ اس کی اولاد ہونے کے مساوی ہے۔اگر ہمسایوں کے لیے ہے اور اس کو نامزد

نہیں کیا گیا تو تمام اشخاص جو واقف کے پڑوس میں چالیس (۴۰) گز کی حدود میں رہتے ہیں اس وقف سے استفادہ میں شامل ہوں گے یہی بالا اتفاق رائے ہے اور صحیح ہے۔''

''اگر وقف کسی مفید مقصد کے لیے ہے مگر لفظ ''مفید'' اس کے بارے میں باطل ہے (یعنی اگر مقصد مفید نہیں ہے) یا مستفیدین وقف معدوم ہوگئے ہیں تو وقف اغراض وجوہ الغیر کے لیے ہو گا۔ بعض کے نزدیک یہ وقف ورثا پر عود کریگا مگر اول الذکر رائے مسلمہ ترین ہے۔''

کتاب الانتصار سے اقتباس

''یہ محض امامیوں کی رائے ہے کہ اگر شئے موقوفہ ضائع ہو جائے اور اس کے فائدے حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں مستفیدین وقف کو فروخت کر کے اس سے منافع حاصل کر سکتے ہیں۔

نہایہ سے اقتباس

''ایک شخص کے پاس جو بھی جائیداد ہو اس کا وقف جائز ہے خواہ اس پر علاحدہ قبضہ ہو یا مشترکہ یہ وقف دائمی ہے کسی معینہ مدت کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر یہ مقررہ مدت کے لیے ہو گا تو عمریا جس کے لیے نافذ ہو گا حنفی مذہب کے مطابق حقیقیوں کا وقف مسلمہ ہے۔''

''ایک وقف مقررہ مدت کے لیے دائمی وقف کی طرح نافذ ہوتا ہے۔''

''ایک غیر موجودہ شئے کا وقف جائز نہیں۔ اس میں بھی حنفی مذہب سے اختلاف ہے لیکن اگر وقف کی ابتدا ہو موجودہ شے سے ہو تو غیر موجودہ اشیا کے لیے بھی وقف ہو سکتا ہے جب کوئی شخص اپنے صغیر بچوں کے لیے وقف کرے اور ان کی نسل کے لیے بھی وقف کرے تو یہ وقف جائز ہوگا۔ بلکہ جائز طور سے آنے والے بچوں (نسلوں) کو بھی وقف میں شامل کر سکتا ہے۔''

''اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے جس میں ذکور اور اناث دونوں شامل ہوں وقف کرے اور ایک پر دوسرے کو ترجیح دے تو اس کی عائد کردہ شرائط کا لحاظ رکھنا چاہیے لیکن اگر کوئی شخص شرط عائد نہ کرے تو اس کے ذکور واناث بچے اور بچوں کے بچے

مساویانہ مستفید ہوں گے اس لئے کہ لفظ "ولد" میں سب شامل ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ وہ کلام پاک کے مطابق حصہ لیں گے تو مرد عورت کے مقابلے میں دو چند حصہ لے گا۔ کعبہ اور مساجد اور مسجد (اماموں کے مقبروں) کے لیے وقف یا کسی خاص آبادی کے رہنے والوں کی عام فلاح کے لیے وقف قرضہ خداوندی کا سبب ہے اور جائز ہے۔

"شئے موقوفہ نہ ہبہ کی جاسکتی ہے نہ بیع نہ صدقہ میں دی جاسکتی ہے لیکن اگر شے موقوفہ کے فوراً ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا مستحقین ایسی شدید ضرورت میں ہوں کہ وقف کا بیع ان کے مفاد میں قطعاً ضروری ہو یا مستفیدین کے درمیان ایسے شدید نزاعات ہوں تو جائیداد فروخت کی جاسکتی ہے اور اس کی آمدنی واقف کی ہدایت کے مطابق کام میں لی جاسکتی ہے ایسا قیاساً قاضی کے ہدایت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور صورت میں بیع وقف جائز نہیں ہے۔"

ضمیمہ (جاری)

(۲) حنفی قانون

کنایۃ المنیہ

"اگر بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے وقف کیا جائے تو اس میں ذکور اور اناث مساویانہ طور پر مستحق ہیں۔"

"ہلال کے مطابق اوقاف تین اقسام کے ہوتے ہیں ایک قسم ان اوقاف کی ہے جو کہ محض غربا کے لیے ہوں دوسرے قسم کے اوقاف اول اغنیا کے لیے بعد میں غربا کے لیے ہوں اور تیسرے قسم کے اوقاف اغنیا اور غربا کے مساویانہ ہوں جیسے رباط، سرائے، مساجد، پل ہا وغیرہ اس لئے کہ امرا غربا کی ضرورتیں ان عمارتوں سے لاحق ہیں اگر واقف متولی نامزد کرے تو موخر الذکر یہ اپنے کو خود بخود سبکدوش نہیں کر سکتا بلکہ سبکدوشی کے لیے واقف اور قاضی کی اجازت لینا ضروری ہے

آنحضرت صلعم کا کیا ہوا وقف

"درالمختار میں علامہ طحطاوی کی شرح اس طرح ہے۔امام شافعی کے بقول آنحضرت صلعم نے اپنے کئی مکانات مدینہ میں وقف کئے تھے جو اب تک قائم ہیں (خلفائے راشدین) آپ کے ہر چہار خلیفہ ودیگر صحابی نے بھی وقف کئے تھے جیسا کہ اصعاف صفحہ ۲ جلد ۱۳ میں درج ہیں۔"

"بحر الرائق میں جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوگا آیا ہے حنفی فقہا کی اکثریت بالاتفاق حنفی قانون کے مطابق فتاوی صادر کرتی ہیں ان میں سے بعض امام محمد کی پیروی کرتے

"امام یوسف کی رائے میں وقف کے لیے محض وقف یا موقوفہ کالفظ استعمال کرنا ہی کافی ہے۔اور شہید (صدرالشہید) کی رائے میں ہم عام طریقے کے مطابق (محالات وقف) طے کرتے ہیں۔"

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بلخ کے فقہا امام ابو یوسف کی پیروی کرتے ہیں اور ایسے وقف کو بھی جائز بتاتے ہیں۔جبکہ "لفظ" وقف" استعمال کیا گیا ہو اور نہ یہ بتایا ہو کہ وقف دائماً کیا گیا اغنیا کے وقف میں خوشنودی خداوندی مقصود ہوتی ہے۔

امتناع اور سفاہت

"وقف کے شرائط میں جیسا کہ خصاف اور کمال نے لکھا ہے کہ واقف پر بوجہ سفاہت یا دیوالیہ پن اس پر قاضی کی جانب سے کوئی امتناع عائد نہ ہو۔کمال نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سفیہ ایسا وقف کرتا ہے جو معدوم ہونے کے لائق نہیں ہے ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔اور موخرین فقہا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔اگر ایسی صورت میں قاضی نے کوئی حکم صادر کیا ہو تو یہ جائز ہوگا۔"

"بحر الرالق میں اس نظریہ سے اتفاق کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ فعل "شرع" ہے اور ایک سفیہ کسی انتقال کا اہل نہیں ہے۔اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے ایک سفیہ دوسرے کے حق میں فعل خیر نہیں کر سکتا لیکن اپنے حق میں فعل تبرع ہے وہ ممنوع نہیں ہے۔اگر کوئی وقف وہ اپنے لئے کرتا ہے تو یہ اس کا اپنے لئے فعل خیر ہے لیکن اگر اس کی موت کے بعد اس وقف سے دوسرے فائدہ اٹھانے والے ہوں تو قاضی کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔"

ایک دیوالیہ یا متفرق قرض یا مرض الموت میں وقف اور بحالت صحت وقف باطل یا لائق پابندی ہے

"فقہا کی رائے میں اگر کوئی شخص اس حد تک قرضہ میں مبتلا ہو کہ اس کی جائیداد قرضوں ہیں گھری ہو اور اگر بحالت مرض وقف کرے تو یہ وقف منسوخ کر دینا چاہئے اور جائیداد ادائیگی قرضوں کے لیے فروخت کرنا چاہئے۔لیکن اگر وقف بحالت صحت کیا جائے تو خواہ اس کے سرمایہ سے بھی زیادہ قرضہ ہو تو قابل پابندی ہوگا بشرطیکہ

قرضہ حکم امتناعی کے بعد نہ لیا گیا ہو۔ایسا وقف اگر اتفاق رائے سے کیا گیا ہے تو اس کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ فتح القدیر میں یہی کہا گیا ہے"

ابو یوسف کے مطابق دوامیت کا حوالہ ضروری نہیں ہے

"امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق شرائط وقف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انجام کار وقف ایسے مقصد کے لیے ہونا چاہیئے جو دائمی ہو اور اگر واقف مقصد ظاہر نہیں کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے مطابق یہ جائز ہے۔امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگرچہ مقصد وقف کا حوالہ ضروری نہیں ہے لیکن اگر اس نے ایسے مقصد کا حوالہ دیا جو معدوم ہونے والا ہے تو اس کو معدوم ہونے پر وقف غربا کے لیے ہوگا خواہ غربا کا حوالہ نہ ہو اس لئے کہ واقف کے استعمال سے واقف کی نیت غربا کے لیے وقف کی ہے خواہ ان کا ذکر نہ ہو پس یہ شرط قانون کے ضروری قیاس سے ہی اخذ کی جائے گی اور ایسا ہی ہندیہ (فتاوائے عالمگیری) میں ہے۔

منقولہ کا وقف

"دوسری شرط وقف کے لیے یہ ہے کہ شے موقوفہ موزوں ہو۔اصول صحیح کے مطابق جائیداد منقولہ وغیر منقولہ دونوں کا ہی وقف ہو سکتا ہے موخر الذکر کے بارے میں چونکہ رسم وطریقہ کے مطابق وقف مثل کلام پاک وغیرہ رائج ہے۔اس لئے جائز طور پر وقف ہو سکتا ہے۔ پس مصر کے پڑوسی ملکوں میں مروجہ سکوں کے وقف کا رواج نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے مگر ممالک روم (سلطنت ترکی) میں درہم دینار کے وقف کا رواج ہے اس لئے یہ جائز ہے۔ اگر درہم دینار وقف کئے جائیں تو یہ مضاربت (کاروباری تجارت) میں صرف ہوں گے اور ان سے حاصل شدہ آمدنی اغراض وقف پر صرف ہوگی۔"

مکان کا وقف بلا زمین جائز ہے

"اس اصول کے مطابق یہ فتوئی ہے کہ مقامات و درخت ہا بلا زمین جائز طور پر وقف ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے کہ ان کا وقف معلق نہیں رہتا بلکہ فوراً نافذ ہو جا"

ہے (یعنی اس کا نفاذ کسی ایسے امر کے وقوع پر منحصر نہیں ہوتا ہے جو واقع ہو یا نہ ہو۔

اسلام سے مرتد کے حق میں وقف

مرتد اسلام کے لیے خواہ قانوناً اسے انتہائی سزا ملی ہو یا نہیں وقف ناجائز ہے مگر اس کے اسلام واپس قبول کرنے پر یہ نافذ ہو گا۔ ایسی ہی خصاف نے اپنی کتاب میں وضاحت کی ہے۔ ابو یوسف ،امام ابو حنیفہ کی اس رائے سے متفق ہیں کہ کوئی وقف بلا حکم قاضی یا انتقال وصیتی قابل پابندی نہیں ہے لیکن جب وہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حج کے موقع پر مدینہ منورہ شریف پہنچے وہاں انہوں نے پڑوس میں ان بے شمار اوقاف کو دیکھا جو آنخضرت صلعم کے اصحاب نے کئے تھے تو انہوں نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترک کر دیا اور جواز وقف کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اصلاً تمام فقہا نے صاحبین کے اصول کی پیروی کی ہے اور انہی کے مطابق انہوں نے فتاویٰ صادر کئے ہیں۔ یہی بحر الرائق میں ہے۔"

انجام کا مقصد معدوم ہونے والا نہ ہو

"وقف کا مقصد انجام کار وہ غرض یا امر خیر ہے جو معدوم نہ ہو یعنی دائمی ہو بعض کے نزدیک شرط دوام بالاجماع ہے مگر ابو یوسف کے نزدیک دائم یا غیر معدوم مقصد کا حوالہ ضروری نہیں اس لئے کہ صدقہ وقف کا صریحاً یہی منشا ہے۔"

دائمی کا حوالہ ضروری نہیں ہے جبکہ منشا صریحاً اور تعبیر اظاہر ہو

"میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وقف جائیداد کو مثل آزاد کرنے یا جائیداد میں بلا کسی شخص دیگر کو متصل کئے ہوئے حق ملکیت ساقط ہوتا ہے۔ پس مختصر القدوری میں ہے کہ مقاصد محولہ معدوم ہونے کے بعد غربا ہی مستحق وقف ہوتے ہیں اور یہی صحیح ہے"

شرح ملتقیٰ میں ہے کہ جب مسجد کا وقف ہو (اگر وقف نامہ پر مہر اور تصدیق قاضی کی اور اگرچہ شہادت کم ہو جائے اور اولاد واقف اسے منسوخ کرانا چاہتی ہو تو مفتی ابو سعید نے اپنی معروضات میں لکھا ہے کہ قاضی ایسے عزرات کی سماعت کے لیے ممنوع ہے پس یہی ذہین نشین رہنا چاہئے۔

ایک مسجد کا وقف

"ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شخص مسجد میں تعمیر کرے تو اس جائیداد سے اس وقت تک اس کا حق سوخت نہیں ہوتا جب تک اسے دوسری جائیداد سے علیحدہ نہ کر دے اور لوگوں کو نماز کی اجازت نہ دی جائے اگر کسی شخص کو موذن مقرر کر کے خود ہی اذان و تکبیر کہہ کر نماز پڑھاتا ہے تب بھی وہ بالا جماع مسجد ہو گی۔ اگر وہ متولی کو عمارت مقصد محض کے لیے تفویض کرتا ہے تب بھی خواہ اس میں نماز نہ ہوئی ہو یہ لازماً مسجد ہو گی۔ یہی صورت اس وقت ہے کہ وہ اس کو قاضی یا اس کے نائب کو تفویض کرے۔ یہ طریقہ باضابطہ اعلان نہ ہونے کی صورت میں ہے۔

اعلان کافی ہے

"ملتقی اور اس کی شرح میں ہے کہ ابو یوسف کے مطابق واقف کے محض اس اعلان سے کہ اس نے جائیداد کو وقف کیا، اس کا حق قطعاً سوخت ہو جاتا ہے۔"

تنویر الابصار، درر الاحکام، اور وقایہ وغیرہ میں بھی ابو یوسف کا قول راجح ہے اور یہی عدالت کے ضابطہ کے مطابق ہے۔

"ابو یوسف کے مطابق واقف کا انتظام آمدنی وقف اپنے ہاتھ میں رکھنا جائز ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔ تبدیلی یا مبادلہ یا اس کی شرائط (روپیہ لگانے میں تبدیلی) بالاجماع جائز ہے۔ اگرچہ بعض نے اسے ابو یوسف سے منسوب کیا ہے بحر الرائق میں ہے کہ یہ اصول مسلمہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ جب واقف نے آمدنی میں تبدیلی کی شرط بالفاظ دیگر (تبدیلی روپیہ) کی شرط رکھی ہو تو وقف اور شرط دونوں ہی جائز ہوں گے اور واقف اس کا مجاز ہو گا۔"

"بحر الرائق میں ہے کہ واقف نے یہ شرط رکھی ہو کہ اس کی زمین میں تبدیلی کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو مکان میں تبدیل کر دے اس لئے کہ یہ شرط میں تبدیلی کا اسے اختیار نہیں ہے۔"

شرح ملتقی میں اشباہ والنظائر اور دیگر مستند کتابوں کے حوالے سے ہے کہ تشکیل وقف کے بارے میں ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے خواہ وہ متولی کو تفویض نہ کیا گیا ہو۔

جائیداد موقوفہ میں اضافہ

''اس فتویٰ میں محمد کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ قبر پر قرآن خوانی ناپسندیدہ نہیں ہے وہ درخت جو مسجد میں لگائے جائیں وہ مسجد کی جائیداد ہیں اس لئے کہ وہ بھی انہیں حدود میں ہیں جس میں کہ مسجد کی عمارت ہے لیکن وہ درخت جو شاہراہ عام یا نہر یا تالاب یا گاؤں کے کنارے لگائے جائیں وہ مالک کی جائیداد ہیں اور وہ اپنی مرضی پر جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔''

جائیداد مرہونہ کا وقف

''جب جائیداد موقوفہ کسی دوسرے شخص کو رہن کی جائے مگر اس کا اس سے قبل ہی انتقال ہو جائے اور اپنے ذمہ اس قرضہ کے علاوہ جائیدادیں چھوڑے تو وہ قرضہ جائیداد سے بیباق پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی جائیداد نہیں چھوڑتا تو معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوگا۔ اور جائیداد بیباقی قرضہ کے لیے فروخت کی جائے گی۔ اور جب تک کہ واقف کے اقربا میں سے منصب تولیت کے لیے کوئی موجود ہے تو غیر شخص کا تقرر نہ ہو گا۔ اور غیر شخص کے تقرر کے بعد اگر اقربا میں سے قابل شخص منصب تولیت کے لیے ہو تو تولیت اس کے سپرد کر دی جائے گی۔''

جائیداد موقوفہ پر قرضے کا بار نہیں ہو سکتا

جائیداد موقوفہ پر قرضہ کا بار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وقف پر بار قرضہ جائز نہیں ہے اولو الوعلجی کے مطابق اگر متولی وقف سے مال گذاری یا مطالبہ سرکاری متولی سے طلب ہونے پر اور متولی کے پاس جائیداد وقف میں کوئی رقم نہ ہو اور واقف نے متولی کو قرضہ لے کر ادائیگی مال گذاری کا مجاز کیا ہو تو یہ جائز ہوگا۔ ایسی صورت میں ابواللیث کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔

''اگر بلا قرض لئے کوئی اور صورت نہیں ہے تو معاملے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ متولی کو وصول قرضہ کی اجازت دے سکے اور بعد میں آمدنی وقف سے ادا کیا جائے اس لئے کہ قاضی مجاز ہے اگر قاضی فاصلہ بعید پر ہے اور اس تک پہنچنا ناممکن

ہے تو متولی محض اس صورت میں کہ اس سال کوئی آمدنی نہ ہوئی ہو قرض لے سکتا ہے لیکن بصورت آمدنی اگر اس نے مستفیدین (خرچ کے لیے محفوظ کئے بغیر) کرے گا تو ادائیگی خرچ کا ذمہ دار وہ ہو گا۔ یہی حمادی کا قول ہے اور یہی نفاع الوسائل میں ہے۔"

واقف کی آل کے حق میں وقف

"اگر کوئی شخص اپنی آراضی کا وقف اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے لیے اس وقت تک وقف کرتا ہے تو اس کی آمدنی مساویانہ تقسیم ہو گی اور اناث کو ذکور پر ترجیح نہ ہو گی۔ اس لئے کہ واقف نے سب کے مساویانہ حقوق رکھے ہیں۔"

"ظاہر الروایات (مجموعۃ احادیث) میں آیا ہے کہ اولاد میں جو اناث سے ہو وہ شامل نہیں ہے اور اس کے مطابق فتویٰ ہے۔"

آمدنی کے استعمال کا طریقہ

نفع الوسائل میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف کی آمدنی کے بارے میں (جبکہ وقف پر قرضہ ہو) قرضہ اور مستفید پر خرچہ کے لیے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پچھلے دور میں کیا رواج رہا ہے اور پہلے کے متولیوں کا کیا طریقہ کار رہا ہے اس کا لحاظ کر کے عمل کرنا چاہئے۔"

"بحر الرائق میں متولی کے الاؤنس کے بارے میں ہے کہ جب واقف نے اسے متولی مقرر کیا ہے تو جو کچھ بھی وقف سے طے کر دیا گیا ہے وہ پائے گا۔ خواہ یہ مروجہ تنخواہ یا اس سے زیادہ ہو لیکن اگر قاضی نے مقرر کیا ہے تو حسب معمول پائے گا۔"

"فتویٰ اس کے جواب میں یہی ہے کہ مقررہ جگہ پر قرآن خوانی کی اجرت دی جائے گی اور محمد کا قول ہے کہ کسی قبر کے پاس قرآن خوانی غیر پسندیدہ نہیں ہے ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔"

اہلیت تقرر کا نگران کا معیار

اگر واقف نے اہل ترین شخص کے لیے شرط تولیت رکھی ہے تو اس صورت میں اس کے بچوں میں جو اہل ترین شخص ہو گا اور اگر اہل ترین شخص فاسق ہے تو اس کے

بعد جو بھی اہل ترین ہوگا متولی مقرر ہوگا۔

"اس کے بعد اگر اول الذکر فسق ترکہ کر دے اور اپنی حالت کی اصلاح کرے اور اہلیت میں بعد والے شخص سے افضل ہے تو اس کو واپس متولی کر دیا جائے گا اور اگر اہل ترین شخص متولی ہونا نامنظور کرے تب وہ شخص متولی ہوگا جو قابلیت میں اس سے قریب تر ہو اور اگر اہلیت میں سب مساوی ہیں تو عمر میں جو زیادہ ہو اسے مقرر کرنا چاہئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اگر ان میں سے کوئی بھی اس کا اہل نہ ہو تو قاضی غیر شخص کو بھی متولی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر بعد میں ان میں سے اہل تر شخص ہے تو اس کو ولی مقرر کر دینا چاہئے۔ محض قاضی القضاۃ کو تقرر متولیان کا اختیار ہے لفظ قاضی سے ہر قاضی مراد نہیں ہے۔ اور ایسا ہی جامع الفصولین کی فصل ۲۷ میں درج ہے ہندیہ میں ہے کہ جب کوئی وقف کسی کی نسل یا ذریات پر کیا جائے تو اس میں اس کی آل خواہ مذکر ہو یا اناث قریب ہو یا بعید شامل ہیں۔"

"اگر کوئی کہے کہ میری زمین میرے ولد (صیغہ واحد) پر وقف ہے۔ ایسی صورت میں اس کی آمدنی اس کے صلب کے بچوں اور بچوں کے بچوں پر خواہ مذکر ہوں یا اناث صرف ہوگی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میرے ولد ذکور پر وقف ہے تو آمدنی اس کے صلب کے ذکور بچے یا بچوں کے بچوں پر صرف ہوگی۔ اگر اس کے صلب سے بچے معدوم ہوں تو وہ آمدنی غربا پر نہ کہ اور ولد الولد پر تقسیم ہوگی اس لئے کہ اس نے صیغہ واحد میں ولد استعمال کیا ہے قیاس یہ ہے کہ وقف سے اس کا اپنے بچوں تک محدود رکھنا تھا۔ کیونکہ لفظ ولد کی بنا پر ہوا اور اس کے صلب سے کوئی نہ تھا بلکہ اس کے لڑکے کا بچہ یا بچے تھے خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث آمدنی انہیں پر صرف ہوگی نہ کہ بعد والی نسل پر اور ظہیر الروایت میں ہے کہ اس میں بیٹی کا بچہ شامل نہ ہوگا۔ یہی درست اور ظہیر الروایتکے مطابق ہے۔"

"اگر واقف نے یہ کہا کہ یہ میرے ولد اور ولد کے ولد کے لیے وقف ہے اور اس کو ذکور تک محدود نہ کیا اس صورت میں اس کے صلب کے بچے اور اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے اور سب آمدنی سے مساویانہ حصہ پائیں گے۔ واقف کے بچوں کو نہ اس کے لڑکوں کے بچوں کو اس کی لڑکیوں کے بچوں پر ترجیح دی جائے گی۔ تاوقتیکہ واقف نے اسے ذکور تک محدود نہ رکھا ہو تب اس میں

اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے بچے شامل ہوں گے اور یہی صحیح ہے۔"

"اگر وہ اس میں تیسری نسل کا بھی اضافہ کرے اور اس طرح کہے میرے بچے اور میرے بچے کا بچہ تو اس وقف پر اس کی نسل بھی شامل کر دی جائے گی اور جب تک اس کی نسل باقی رہے گی، آمدنی اس کی "آل" پر صرف ہو گی۔ اور جب تک اس کی اولاد میں سے کوئی ایک بھی خواہ قریب ہو یا بعید باقی رہے تو آمدنی غربا کو نہ دی جائے گی۔ اگر واقف نے تشکیل وقف میں ایسی عبارت استعمال کی ہو جس سے کہ اس کی آل کا یکے بعد دیگرے بالترتیب لینا ظاہر ہو یعنی اگر اس نے یہ کہا ہو کہ "قریب ترین قریب ترین رہے گا" یا اس طرح کہ میرے بچے کو اور بچے کے بچے کو یا بطنا بعد بطنٍ ان سب صورتوں میں تقسیم آمدنی کی ابتدا اس طرح ہو کہ جیسی کہ واقف نے مقرر کی ہو اور یہی درر الاحکام میں بھی ہے۔"

"اگر واقف نے ابتدا میں صیغہ جمع "میری اولاد اور میرے بچوں" استعمال کیا ہے تو ایسی صورت میں یہ وقف تمام اولاد کے لیے ہو گا جب تک وہ قائم ہے۔ قریب اور بعید سب مساوی ہوں گے تاوقتیکہ واقف بالترتیب نشاندہی نہ کرے۔"

خزانة المُفتِیّنْ

باب وقف سے اقتباسات

"اشتقاقی طور پر وقف کے معنی "روک دینے" کے ہیں۔ اور ابو حنیفہ کے مطابق قانوناً کسی شئے کے عین کو اس کے مالک کی ملکیت میں روک دینا اور اس کی آمدنی کو منجملہ امور ہا خیر کسی وقف خیر میں صرف کرنا ہے۔ پس یہ اس طرح ہے ہو گا جیسے کہ عاریت۔ اس لئے یہ قابل پابندی ہو گا۔ واقف کو اس کی تنسیخ یا فروخت جائیداد ناجائز ہے۔"

"صاحبین کے مطابق وقف جائیداد کو ملکیت خداوندی میں روک کر واقف کا حق ملکیت ساقط کرنا ہے۔ اور ملکیت خداوندی میں انتقال کی غرض یہ ہے کہ اس سے مخلوقِ خدا کو منافع پہنچے پس اگر کوئی شے اس طرح وقف ہے تو یہ نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ کسی کو دی جا سکتی ہے۔ مسجد کی سطح پر بھی یہی صورت ہے۔"

"امام محمد کے مطابق جواز وقف کے لیے چار ضروری شرطیں ہیں۔ متولی کے سپرد کرنا۔ جائیداد وقف سے اسے علیحدہ کرنا۔ اور آمدنی وقف کو اپنے لئے مختص نہ کرنا اور اس طرح دائمی قرار دینا کہ بالاخر اس کا استعمال غربا کے لیے ہو۔"

"ابو یوسف کے مطابق ایسی کوئی شرط لازمی نہیں ہے۔ خراسان کے مشائخ نے ابو یوسف کی رائے کو اختیار کیا ہے اور فقہاے بخاری نے محمد کی رائے کو اختیار کیا ہے اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو ایسے لوگوں کی مختص جماعت کے لیے وقف کیا ہے جو مسجد سے وابستہ ہوں اور خواہ انجام کار وہ وقف غربا کے لیے ہو تو بالا جماع فقہا وقف جائز ہو گا ۔اور اسی کو مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر اس نے اپنے مکان کو مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے اور بطور موذن کسی کو مقرر کر کے امامت اور نماز ہوتی ہے تو یہ بمنزلہ تفویض ہو گا اور یہی مسلمہ ہے۔ جب کوئی مسجد ضائع ہو جائے اور مسجد نہ رہے تو فقہا کی رائے میں یہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے اور یہی صحیح ترین رائے ہے۔"

"قبرستان میں صرف ایک نفس کا دفن ہونا سرائے میں صرف ایک شخص کا قیام سڑک پر کسی ایک شخص کا گذر، کنویں پر صرف ایک شخص کا پانی پینا یہ سب بمنزلہ تفویض ہیں اور مستند اقوال کے مطابق بلارسمی اظہار وقف کے یہ تصدیق کافی ہے۔"

مشاع

"مشاع دراصل مکمل قبضے کے مانع ہیں۔ لیکن وقف کو تفویض کی شرط خیال میں کہ مشاع کے جواز کی تسلیم کرتے ہیں مشاع جائز ہے مگر محمد کے مطابق ناجائز ہے۔ بخارا کے فقہا نے اس کو تسلیم کیا ہے مگر متاخرین کا فتویٰ ہے کہ وقف مشاع جائز ہے اور یہی مستند ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ غیر منقسم مشترکہ جائیداد قابل تقسیم نہیں ہے مگر بلااختلاف رائے یہ جائز طور پر وقف ہو سکتی ہے۔

زر نقد اور جائیداد منقولہ کا وقف عام

اگر کوئی شخص درہم یا ہر اس شے کا جو وزن یا پیائش کئے جانے کے قابل ہوں وقف کرے تو امام ظفر کے نزدیک جائز ہے۔ جب ان سے دریافت کیا کہ ایسی اشیا کس

طرح وقف ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ روپیہ مضاربت میں اور جو بھی منافع حاصل ہو وہ اغراض موقوف کے لیے صرف کیا جائے اور جو تولنے یا ناپنے کے قابل ہو وہ فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت تجارت میں لگادی جائے۔ فقہا نے اس سے اتفاق کیا ہے اور اسی سے مطابقت ہے کہ اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ غربا کو گیہوں اغراض کاشت کے لیے قرض دیا جائے اور درودگی فصل کے بعد اسی ناپ کے مطابق واپس لے لیا جائے تاکہ اسی طرح دوسرے غربا کو دیا جاسکے تو یہ جائز ہے اسی کے مطابق دماوند اور طبرستان کی کوہستانی پٹیوں میں بے شمار اوقاف ہیں۔"

"اگر کوئی شخص وقف کرنے کے بعد خود کو یا کسی دوسرے کو متولی مقرر کرے ایسی صورت میں وہ یا یہ دوسرا شخص متولی ہوگا اور واقف دوسرے شخص سے افضل ہو گا۔ اسی طرح جو شخص مسجد کی تعمیر کرے اس کا موذن اور مسجد کی جانمازیں بچھانے میں ترمیم حق ہے (یعنی مسجد کے انتظامی معاملات میں اگر واقف قابلاعتبار نہیں ہے تو حقوق مستفیدین کے پیش نظر قاضی اس سے وقف واپس لے گااور اس کے بجائے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرے گا خواہ ان کے لیے واقف نے تولیت مخصوص کی ہو یا نہیں اور خود اپنے لئے تولیت اس شرط کے ساتھ اس نے مختص کی ہو کہ قاضی علاحدہ نہ کر سکے گا۔ چونکہ یہ شرط خلاف شرع ہے اس لئے باطل ہے اور قاضی کو اسے علاحدہ کرنے کا اختیار اس وقت ہو گا جب کہ وہ نا قابل اعتبار ثابت ہو جائے یہ اختیار قاضی کے اس اختیار کے مثل ہے جس کی رو سے وہ خود متولی کے اپنے بچے نابالغ بچے کے مقرر کردہ وصی کو اگر وہ نا قابل اعتماد ثابت ہو تو علاحدہ کر سکتا ہے۔"

"جو کچھ انتظام وقف کے سلسلہ میں ہے وہ ابو یوسف کے اصولوں پر مبنی ہے اس کے مطابق ہی فتاوی صادر ہوتے ہیں۔ کسی وقف کے تقرر ولی کے سلسلہ میں حق واقف کی رائے افضل ہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثا اور اقربا کی رائے بشرطیکہ وہ فاسق نہ ہوں ورنہ وہ علاحدہ کر دئے جائیں گے۔

"اور اگر واقف کسی غیر کو متولی مقرر کرے اور اس کے بعد وہ خود متولی ہونا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ متولی اپنے بعد کسی شخص دیگر بذریعہ وصیت کو متولی مقرر کر سکتا ہے۔"

"اگر واقف کسی دوسرے سے یہ کہے میرے بعد اس وقف کے تم وصی ہو تو یہ توکل ہے اور جب تک واقف زندہ ہے تو اس کا مقرر کیا ہوا اولی رہے گا اور واقف کے انتقال پر ولایت ختم ہو جائے گی بشرطیکہ واقف نے اپنی موت کے بعد اسی شخص کو ولی مقرر نہ کیا ہو اور واقف اپنی موت کے قریب تک کوئی متولی مقرر نہ کیا ہو اگر اس وقت وہ وصیت کرے کہ فلاں شخص واقف کے تمام امور میں وصی اور اس کے وقف کا متولی ہو گا۔ تو یہ جائز ہے اگر کسی کے بعد واقفکسی دوسرے کو وصی مقرر کرتا ہے تو موخر الذکر متولی نہ ہو گا۔"

"اگر قاضی کے متولی مقرر کرنے تک کوئی متولی مقرر نہ ہو تو واقف اس کے علیحدہ کرنے کے لیے مجاز نہیں ہے تاکہ خود تولیت سنبھالے۔"

"اگر واقف دو شخصوں کو متولی مقرر کرے اور ان میں سے ایک دوسرے کو اپنا وصی مقرر کر کے انتقال کر جائے تو باقی ماندہ متولی کو وقف کرنے کے تمام معاملات پر اختیار حاصل ہو گا۔

"مستفیدین کو اپنے درمیان نہ جائیداد موقوفہ کو تقسیم کرنے کا حق ہے اور نہ متولی اس کو قرضے کے عوض جو اغراض وقف کے لیے اس نے لیا ہو، رہن کر سکتا ہے۔ اس کے رہن رکھنے اور مرتہن کے قبضے کی صورت میں وہ اجر المثل (مروجہ کرایہ) کا ذمہ دار ہو گا۔"

متولی کے اختیارات

"اگر واقف نے اس شرط کے ساتھ بذریعہ وصیت وقف تفویض کیا ہو کہ وصی کسی دوسرے کو وقف تفویض کرنے کا مجاز نہ ہو گا تو شرط جائز ہے۔ اور اگر یہ شرط ہو کہ فلاں فلاں ولی ہو گا اور اس کے بعد یہ شرط بھی جائز ہے کیونکہ یہ مثل وصیت ہے۔"

"اگر اس نے تولیت وقف کے لیے دو شخصوں کے حق میں دصیت کی ہو اور ان میں سے ایک منظور کرتا ہے اور دوسرا انکار ایسی صورت میں قاضی کو موخر الذکر کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنا چاہئے تاکہ معاملات وقف میں منشا واقف کے مطابق دو شخصوں کی مشترکہ رائے پر عمل کیا جاسکے۔ اور قاضی مجاز ہے کہ جس شخص نے ولی ہو

نامنظور کیا ہو اسے تمام کا جائز طور پر ولی مقرر کر سکتا ہے۔"

"اگر واقف یہ طے کرے کہ اس کے بچوں میں قابل ترین متولی ہوگا۔ایسی صورت میں ان میں جو لائق ترین ہو گا متولی ہو گا اگر وہ بداطوار ثابت ہو تو اس کے بعد والا مقرر ہو گا۔اور اگر اول الذکر بے راہ روی ترک کر کے زہد اور نیکی کی زندگی اختیار کرے اور دوسرں کی بہ نسبت افضل ہو تو اس کو متولی مقرر کیا جائے گا۔"

اور جب دونوں ہی دیانت دار حق پسند قوت فیصلہ اور صلاحیت میں یکساں ہوں تو جو بھی معاملہ وقف میں سب سے زیادہ وقف ہو اس کا حق مرجع ہو گا اور اگر ان میں سے ایک زہد اور نیکی میں افضل ہو اور دوسرا معاملات وقف میں، مگر خائن نہ ہو تو موخر الذکر کو ترجیح ہو گی اور اگر اس نے زید کی آمد تک عبداللہ کو واقف تفویض کر دیا ہو تو اس کے کہنے کے مطابق ہی عمل ہو گا اور اگر وقف نے کسی دوسرے کو وقف تفویض کیا ہو اور دوسرا شخص حیات میں واقف انتقال کر جائے تو واقف دوسرے شخص کو (خواہ قاضی نے آخر الذکر کو ہی نامزد کیا ہو) متولی نامزد کرنے کا مجاز ہے۔

"جب کہ اولا دواقف اور اس کے کنبے کے افراد موجود ہوں تو غیروں میں سے کسی ولی کا تقرر نہ کرنا چاہئے لیکن جب ان میں سے ایک بھی اہل نہ ہو تو ایک غیر شخص کا تقرر ہو سکتا ہے جب غیر مقرر ہو اور بعد میں واقف کے افراد خاندان سے کوئی اہل مل جائے تو اس کو متولی بنانا چاہئے"۔

"ایک متولی بذریعہ وصیت دوسرے شخص کو تفویض وقف کر سکتا ہے جو اس کی موت پر نافذ ہو اگر وہ بحالت صحت حین حیات خود دوسروں کو مقرر کرنا نہ چاہے تو تاوقتیکہ وقف عام نوعیت (علی سبیل تعمیم) کا نہ ہو تو یہ ناجائز ہو گا۔"

ابو یوسف کے .نزدیک تفویض جواز وقف کے لیے ضروری ہے اور اس لئے سرائے، قبرستان ،پانی کے بند وغیرہ پر، نہ قبضہ دہانی، نہ کسی مسافر کو بیچنا، نہ کسی نعش کا دفن، نہ کسی کا پانی پینا (بقول محمد) بمنزلہ قبضہ دہانی ہے ضروری ہے۔ محض اس امر کی تصدیق کہ یہ وقف کیا گیا تھا کافی ہے۔"

"اگر کوئی شخص کہے کہ 'یہ زمین میرے حق میں موقوفہ یا صدقہ موقوفہ ہے' تو اتنی ہی جائز ہے جیسے کہ وہ شخص یہ کہے کہ 'حین حیات خود وہ بھی اس میں سے

کھائے گا اور دوسروں کو بھی اس میں کھلائے گا' پس یہ مسلمہ سند ہے کہ وقف جائز ہے۔"

"ایک شخص غربا کے لیے وقف کرتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ اس میں سے کھائے گا تو کھانا جائز ہے۔ اگر وہ کہے کہ میری زمین صدقہ موقوفہ یا راہِ خدا میں وقف ہے اور جب تک میں حیات ہوں اس کی آمدنی سے مستفید ہوں گا اور مزید کچھ نہ کہے تو جائز ہے اس کے انتقال پر یہ وقف غربا کے لیے ہوگا۔"

"اگر وہ یہ کہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کی آمدنی مجھے ملے گی۔ میرے بعد میرے بچوں اور بچوں کے بچوں اور میری نسل کو جب تک قائم رہیں انہیں ملے گی اور ان کے معدوم ہونے پر غربا کو ملے گی تو یہ جائز ہے۔"

"اگر واقف نے علاوہ گذر اوقات خود کے یہ شرط بھی رکھی ہو کہ قرضے اس آمدنی سے ادا ہوں گے تو یہ شرط بھی جائز ہے۔"

اشباہ والنظائر معہ شرح حماوی

"واقف کی شرائط کے خلاف عمل کرنا آنحضرت صلعم کے احکام کی خلاف ورزی کے مماثل ہے اس لئے کہ کسی ایسے فیصلے کو نافذ نہ کرنا چاہئے فقہا اس پر متفق الرائے ہیں کہ واقف کی مقررہ شرائط آنحضرت صلعم کی عائد کردہ شرائط کے مثل ہیں۔"

" اور یہ اصول ہندوستان کی عدالت ہا قانون کے لائق غور ہے جو اپنے تصورات قانون اور معدلت کی بنا پر ان احکام سے گریز کرتی ہیں۔"

"ذخیرہ اور اولی الوعلجی میں ہے کہ جب تک واقف نے مسجد کے لیے فراش کی تقرری کی شرط نہ رکھی ہو قاضی جائز طور پر تقرر نہیں کر سکتا اس سے واضح ہے کہ وقف میں نئے مشاہروں کا اضافہ جو واقف نے نہ رکھے ہوں ناجائز ہے اور اگر واقف نے متولی کو نگران مسجد مقرر کرنے کے لیے مجاز کیا ہے تو وہ نہ ملازم کا تقرر کر سکتا ہے اور نہ ہی قاضی اس سلسلہ میں اسے مجاز کر سکتا ہے۔"

"اگر کوئی شخص اپنی ذریات (نسل) کے لیے بلا ترتیب جانشین وقف کرے تو اعلیٰ واسفل تمام مساویانہ حصہ پائیں گے۔"

لیکن اگر اس نے نسل کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کیا ہو کہ اول الذکر کو

پہلے اور اس کے بعد بالترتیب یکے بعد دیگرے بعد والوں کو اور کسی کا ذکر نہ ہو تو جب تک پہلی نسل میں کوئی بھی ہو تو دوسری نسل میں کسی کو نہ ملے گا۔ کوئی اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے حق میں وقف کرے تو ایسی صورت میں وہ بچہ جس کا اپنے باپ سے قبل انتقال ہو گیا ہو تو اس میں وہ شامل نہ ہو گا اس لئے کہ واقف نے مستفیدین کے بچوں تک وقف محدود رکھا ہے وہ بچہ جس کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے وقف کے تحت نہیں آتا ہے اور یہ وقف نامہ کی تعبیر کی صورت ہے۔ اور منشا واقف عبارت وقف نامہ پر منحصر ہے۔

"اگر واقف یہ کہے کہ میرے بچے، بچوں کے بچے اور بچوں کے بچے تو پہلے فوت شدہ بچے اور ان کے بچوں کو شامل کرنے کا کوئی ایسا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

"اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور ذریات کے حق میں اس شرط کے ساتھ وقف کرے تو اس کی ابتدا پہلے بچوں سے اور اس کے بعد دوسرے بچوں سے ہو گی ایسی صورت میں دوسروں کو نہ ملے گا۔ جب تک کہ کوئی دوسری نسل موجود ہے کچھ نہ ملے گا اگر دوسری نسل والا مر جائے اور پہلی نسل میں ایک بھی بچہ ہے تو وہ بچہ اگر تیسری نسل میں سے ہے تو دوسری نسل سے کچھ نہ پائے گا مگر تیسری نسل کے منافع حاصل کرنے کے بعد اسے اپنے حصہ ملے گا۔"

"جب کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ذریات کے لیے وقف کرے اور کسی حکم کے بجائے (جس ترتیب سے وہ لیں) یہ شرط عائد کرے کہ جب بھی ان میں سے کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو متولی کا حصہ اس بچہ کو ملے گا۔ ایسی صورت میں بچہ اور بچے کے بچوں میں تقاسمہ مساوی ہو گا۔ اس طرح متوفی جو پاتا وہ بچہ پائے گا۔ اور بچہ کو دو حصے ملیں گے۔ ایک وقف میں شرکت کی بنا پر دوسرا والدین کا حصہ جو اس پر منتقل ہو اگر کوئی شخص اپنے صلب کے ذکور اور اناث بچوں اور اپنے بچوں کے ذکور بچوں اور ان کی اولاد کی اولاد اور نسل کے لیے وقف کرے تو ایسی صورت میں اس کے ذکور اور اناث بچے اور اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے واناث بچے مساویانہ حصہ پائیں گے اور اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کے بچے بھی شامل ہوں گے اور اگر یہ کہے کہ پہلی نسل اور اس کے بعد بالترتیب بعد والی نسل اس صورت میں اس صلب کے ذکور اور اناث بچے شامل ہوں گے۔ اور اس کے بعد لڑکوں کو حصہ ملے گا۔ نہ کہ لڑکیوں کو اور اس کے بعد لڑکوں

کے بچوں کے بچوں کو دائماً حصہ ملے گا۔"

"اگر کوئی اپنی لڑکیوں کا حق لے اور اس کے بعد ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کرے تو ایسی صورت میں اصول یہ ہے کہ آمدنی لڑکیوں کو ملے گی نہ کہ ان کی نسل کو۔"

"یہ مناسب نہیں ہے کہ مفاد وقف میں وقف پر قرضے کا دباؤ ڈالا جائے اور اگر وقف کے مفاد میں قرضہ لینے کی ضرورت ہی پیش آجائے۔ مثلاً مرمت یا خریداری اس صورت میں قرضہ دو شرطوں سے لینا ضروری ہے۔"

"اولاً یہ کہ قاضی کی اجازت ہو۔ ثانیاً یہ کہ ضرورت مدت معینہ کے کرائے سے پوری ہونی ممکن نہ ہو ابن وہبان کی یہی رائے ہے۔ مستفیدین پر خرچ کرنا ایسا ضرورت نہیں ہے جس کے لیے قرضہ لیا جائے اور یہی کنایہ میں ہے۔"

"جواز وقف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس غرض کے لیے وقف قائم کیا گیا ہو وہ اس وقت موجود ہو پس اگر زید کے بچوں کے لیے وقف کیا جائے خواہ زید کے بچے نہ ہوں تاہم وقف جائز ہو گا۔ اور جب زید کے بچے نہ ہوں تو یہ وقف غربا پر صرف ہو گا۔"

"وقف کے عائد کردہ شرائط کی تکمیل لازمی ہے اس لئے بقول فقہا آنحضرت صلعم کے احکامات (مثل حق) میں لیکن درج ذیل صورتوں میں ان سے گریز کیا جاسکتا ہے۔"

"(۱) اگر واقف نے یہ شرط کی ہو کہ متولی کبھی علاحدہ نہ ہو گا۔ تب بھی قاضی متولی کی علاحدگی کا مجاز ہے۔"

"(۲) اگر واقف کی شرط یہ ہو کہ جائیداد وقف ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دی جائے مگر کوئی شخص ایک سال کے لیے اجارہ پر لینے کو تیار نہ ہو یا زیادہ مدت پر اجارہ سے مستفیدین کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہو تو واقف کی مقررہ شرط کے خلاف ورزی کے لیے قاضی مجاز ہے مگر ناظر مجاز نہیں ہے۔"

"(۳) اگر واقف کی شرط ہو کہ اس کی قبر پر قرآن خوانی کی جائے تو یہ شرط خارج کر دینا چاہئے حماوی کے مطابق شرط ۳ بہت سے علما امام ابو حنیفہ کی رائے کے

مطابق قبر کے نزدیک قرآن خوانی ناپسندیدہ ہے۔ پس شرط واقف کی نا جائز ہے۔ اس مسئلہ (قبر پر قرآن خوانی) کے بارے میں امام محمد کی رائے کے مطابق فتویٰ ہے کہ قبر پر یا قبر کے برابر قرآن خوانی نا جائز نہیں ہے۔ اور ایسا ہی خلاصہ میں ہے پس واقف کی یہ شرط قابل پابندی ہے اور مصنف کا یہ قول کہ باطل ہے بہت کمزور ہے۔"

"(۴) واقف کی یہ شرط کہ آمدنی وقف میں سے جو پس انداز ہو وہ مسجد کے دروازہ پر جو بھی آجاوے اسے دی جائے۔ مگر بعد میں بتایا کہ نظر انداز کر دیا جائے۔ اس لئے کہ بقول حماوی یا کنایہ کے مطابق ہے۔ آخر میں بتایا کہ اس شخص پر توجہ دینا قابل ترجیح ہے۔"

"(۵) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ روزانہ مستفیدین کو روٹی گوشت کی مقررہ مقدار دی جائے تو متولی زر نقد دے سکتا ہے ایک دوسری جگہ یہ ہے کہ مستفیدین بصورت نقد طلب کر سکتے ہیں اور وہ ان کو دیدی جائے۔"

"(۶) اگر امام مسجد کا مقررہ وظیفہ نا کافی ہے اور وہ عالم و متشرع ہے۔ قاضی کا اس صورت میں اضافہ الاونس کرنا جائز ہے مگر بقول حماوی قاضی اس کی بابت مجاز نہیں ہے تاوقتیکہ امام متشرع و عالم نہ ہو۔ اور واقف کی تنخواہ نا کافی ہو۔"

"(۷) اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ سرایہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے لیکن اگر کسی اور جگہ سرمایہ لگانا وقف کے لیے مفید ہے تو قاضی اس تبدیلی کی اجازت دے سکتا ہے اگر واقف نے متولی مقرر کیا ہے اور تاوقتیکہ وہ بد نیت ثابت نہ ہو قاضی اسے علاحدہ نہیں کر سکتا اور یہی وصی کی صورت میں ہے۔"

"اگر واقف متولی کی تقرری و علیحدگی کا خود مجاز ہے اور متولی کو وہ علاحدہ کر دے تو یہ علاحدگی بالاجماع جائز ہو گی اگر ایسا اختیار نہیں ہے تو ابو یوسف کے مطابق یہ جائز نہ ہو گی اور بلخ کے فقہا نے ابو یوسف کے قول کو اختیار کیا ہے۔"

"حماوی کے مطابق ابو یوسف کا اصول لوگوں کی ایک کثیر جماعت نے تسلیم کیا ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ فقہاء کے نزدیک یہی سب سے زیادہ مسلمہ ہے بانی مسجد اصلاً امام و مؤذن کے تقرر کا مجاز ہے۔ اس کے بچے اور اس کے لوگ (عشیرات طبقہ اور جماعت والے) غیروں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہیں۔"

"اگر واقف نے ایک ہی کام کے لیے دو شخصوں کا تقرر کیا ہے تو وہ تنہا (علاحدہ علاحدہ) نہیں کر سکتے لیکن اگر واقف کی یہ شرط ہو کہ اسے اور دوسروں کو تبدیلی سرمایہ کا اختیار ہوگا اسے خود بھی ایسا کرنے کا اختیار ہے فتاوائے قاضی خان میں ایسا ہی ہے۔"

"حسامی نے اپنی کتاب واقعات میں لکھا ہے کہ اگر اس بارے میں وقف نامہ میں کوئی شرط نہ ہو تب بھی قاضی تقرر کا مجاز ہے مگر بلا ایسی شرط کے مسجد میں نئے ملازمین کا تقرر نہیں کیا جا سکتا۔ وقف کے کسی فقیر کو دو سو درہم دینا مناسب ہے لیکن واقف کے نادار اقربا کے لیے وقف ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ اور اختیار میں ایسا ہی ہے۔"

"اگر ایک شخص اپنے دو لڑکوں اور ان کے بچوں کے لیے جب تک ان کی نسل قائم رہے مکان وقف کرے اور وہ اس میں رہائش کا ارادہ کریں ان میں سے کسی کو حق رہائش حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ واقف نے جب لفظ "وقف مکان" کے لیے استعمال کیا تو اس کا منشا مستفیدین پر کرایہ مکان صرف کرنا تھا۔ اس لئے کہ مکان سے بعد رہائش وہ منشا پورا نہ ہوگا"۔

شرح الوقایہ

متنِ وقایہ

"امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف کا منشا کسی جائیداد کو مثل عاریت واقف کے ملک میں حبس کر دینا۔ اور اس کی آمدنی نوع انسانی پر صرف کرنا ہے۔ صاحبین کے مطابق وقف کا منشا "عین جائیداد" کو ملکیت خداوندی میں دینا ہے اور بقول صاحبین جب ایک بار وقف ہو جائے تو وہ ہمیشہ قابل پابندی ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔"

"کسی مکان کو مسجد میں تبدیل کرنے کی شرط کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابو یوسف کے مطابق واقف کا محض یہ اعلان کہ میں اس کی مسجد بناتا ہوں کافی ہے۔ ان کے مطابق جواز وقف کے لیے تفویض ضروری نہیں ہے۔ مگر محمد کے مطابق یہ ضروری ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے۔ ابو یوسف کے مطابق ایک ہی آدمی کا نماز پڑھنا کافی ہوگا۔"

''ابو یوسف کے مطابق اس جملہ سے ''میں نے یہ وقف کر دیا ہے'' حق ملکیت جائیداد ساقط ہو جائے گا۔''

''بالفاظ دیگر واقف کے محض اعلان سے جائیداد میں حق ساقط ہو کر یہ ملکیت خداوندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پس متولی کو تفویض کرنا ضروری نہیں ہے۔''

''عین وقف کی آمدنی کو اس شرط کے ساتھ اپنے لئے مختص کرنا کہ واقف زمین کو دوسری زمین سے مبادلہ کر سکے گا۔ ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ وقف ہونے پر یہ غربا کے ہی کام آئے گا۔''

طحطاوی جلد ۲

باب متعلق معاملات وقف جو بچوں کے لیے کئے جائیں

''کتب بادرر اور مواہب سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی اپنے اور اپنے بچوں اور آل کے لیے وقف کرے مگر حین حیات خود آمدنی اپنے لئے اور بعد خود آنے والی نسلوں کے لیے مختص کرے تو بقول امام ابو یوسف وقف جائز ہو گا۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔''

شرح

''لفظ ولد میں اناث بھی شامل ہیں اس لئے کہ یہ لفظ ولادت سے متعلق ہے۔ اور درر میں حلبی نے لکھا ہے کہ عبارت ''اگر اس صلب سے کوئی بچہ پیدا نہ ہو'' کا منشا یہ ہے کہ اس کے صلب سے پیدا شدہ بچہ جس کے حق میں وقف کیا گیا ہو اگر کوئی بچہ چھوڑ کر انتقال کر جائے تو موخر الذکر جائیداد موقوفہ میں کسی چیز کا مستحق نہ ہو گا۔ اس طرح بوقت وقف اگر اس کے صلب سے پیدا شد بچہ کا انتقال ہو جائے تو یہ وقف غربا کو ملے گا نہ کہ بچے کو ''غربا'' کو اس لئے کہ جس شخص کے حق میں وقف کیا گیا تھا اب باقی نہ رہا۔ یہ اس کے بچے تک مختص رہے گا اس لئے کہ اس کے لڑکے کا بچہ اس کے صلب سے نہ ہونے پر بھی بچہ اس کے صلب سے پیدا ہونا قیاس کیا جائے گا۔ اور یہ صحیح ہے۔ اور یہ ظہیر الروایت میں ہے اور ہلال نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لڑکیوں کے بچے اس لئے کہ ایک لڑکے کے بچہ کا مسئلہ مختلف ہے۔''

"علاوہ اس نے درد میں لکھا ہے کہ اگر الفاظ "میرے بچہ کا بچہ اضافہ" کر دیا جائے" تو علامہ نوح کے مطابق اس کا منشا یہ ہے کہ اگر لفظ ولد اور اس کے بعد لفظ 'ی' (میرا) آجائے تو متکلم کی ضمیر ذکور سے نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ منشا محض اس کے صلب سے پیدا ہونے والے مساویانہ ذکور اور اناث بچوں سے ہے۔اور اگر اس میں اس طرح ترمیم کی جائے تو اس کا منشا محض ذکور بچوں سے ہوگا جو اس کے صلب سے پیدا ہوں۔"

"اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ زمین اپنے بچوں کے لیے وقف کی تو اس کی آمدنی بچوں پر خواہ ذکور ہوں یا اناث (جو اس کے صلب سے پیدا ہوں) صرف ہو گی۔اور اگر وہ کہے کہ میں نے ذکور بچوں کے لیے وقف کیا ہے تو اس کے صلب سے پیدا ہونے والے محض ذکور بچوں کو ملے گی اور اگر اس کے صلب سے کوئی بچہ نہ ہو تو آمدنی غربا کو ملے گی نہ کہ بچے کے بچہ کو۔ یہ اس وقت ہے کہ اگر وقت وقف اس کے صلب سے کوئی بچہ پیدا نہ ہو مگر اس کے لڑکے سے کوئی ذکور یا اناث بچہ ہو تو آمدنی کلیتاً ذکور یا اناث جب بھی ہو پائے گا مگر نسل میں سے کسی کو بھی نہیں ملے گی اور اس کی نسل میں سے سوائے اس شخص کے کوئی حصہ نہیں پائے گا سوائے اس آمدنی کے میں وہ شخص حصہ لے گا لیکن اس سے لڑکی کا بچہ مراد نہ ہو گا ایسا ظہیر الروایت میں ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔"

"اگر وہ کہے کہ میرے بچے اور بچے کے بچے کے حق میں اور لفظ ذکور استعمال نہ کرے تو اس میں اس کی نسل سے پیدا ہونے والے بچے اور اس کے لڑکے اور لڑکیوں سے پیدا ہونے والے بچے شامل ہوں گے۔اور یہی صحیح روایت ہے کہ وہ آمدنی میں شامل ہوں گے نہ اس کے صلب سے پیدا ہونے والے بچوں کے لڑکے کے بچوں پر کوئی ترجیح ہو گی اور نہ لڑکے کے بچوں کو لڑکی کے بچوں پر۔ اگر وہ اس میں ترمیم کر دے تو صحیح روایات کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں کے ذکور بچے شامل ہوں گے جو آمدنی میں حصہ پائیں گے نہ اس کے صلب سے پیدا شدہ بچوں کو لڑکے کے بچوں پر نہ لڑکی سے پیدا شدہ بچوں کو ترجیح ہو گی۔اگر ایسی شرط ہے تو اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے ذکور بچے شامل ہوں گے بقول صحیح روایت یہ دو تک ہی ہیں یعنی بچے اور بچوں کے بچے یعنی اگر اس میں تیسری نسل کا اضافہ کیا جائے بعد میں یہ کہا جائے کہ میرے بچے اور میرے بچے اور میرے بچوں کے بچے تو اس میں اس کی آل شامل ہو گی۔ایسی صورت میں جب تک نسل

قائم ہے آمدنی اس کی آل کو ملے گی نہ کہ غریبوں کو خواہ اس کے بچوں میں کوئی بھی حیات ہو اور خواہ کتنے ہی کمتر درجہ پر ہو اس لئے کہ اس میں وہ جن نسلوں کا حوالہ ہے اس سے فاصلہ مقصود ہے یعنی کئی درجے۔ پس یہ پابندی الگ ہونا چاہئے اور جو چیز قابل غور ہے وہ نسل ہے جو لفظ کے صحیح مفہوم کے مطابق ہے جس میں سب ہی شامل ہیں اس لئے کہ یہ اس میں بھی جو بعد میں آتا ہے اور جو آل میں سب سے بعد میں بھی شامل ہے۔"

"دوسری نسل اس سے مختلف ہے اس لئے کہ وہ ایک درجہ ہی بعید ہے لیکن اگر واپسی اصطلاحات استعمال کرے جس کا منشا ترتیب کا ہو مثلاً کہے "قریب ترین اور اس کے بعد قریب ترین" یا یہ کہے کہ "میرے بچے اور اس کے بچے کے بچے" یا یہ کہے کہ "نسلاً بعد نسلٍ" یا یہ کہے کہ 'اس سے ابتدا ہو گی جو وقف کرے۔' مثلاً اگر وہ یہ کہے کہ میرے بچوں کے حق میں اور صیغہ جمع استعمال کرے تو اس سے مراد آل میں بعد میں آنے والے بھی شامل ہوں گے وہ جو بہت بعد میں ہوں مساوی ہیں اگرچہ اس صورت میں نہیں کہ جب ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے ترتیب ظاہر ہو اور جو کچھ اب بیان کیا جائے گا وہ بیان آئندہ منطبق ہو گا۔"

ذیلیہ

تخریج الہدایہ - کتاب وقف

"امام ذیلی نے اپنی تصنیف تخریج الہدایہ میں آنحضرت صلعم کے ہدایات واحکامات جو وقف کے متعلق بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں تفصیل سے دئے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے، فرمایا آنحضر تصلعم نے حضرت عمر سے جب کہ وہ اپنی آراضی الموسوم سماغ خیرات میں دینا چاہتے تھے۔ ارشاد فرمایا اس کو اسی حالت میں وقف کر دو نہ یہ فروخت ہو سکے نہ بصورت ہبہ منتقل ہو سکے نہ ورثے میں دی جا سکے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس حدیث کا چھ امامین نے حوالہ دیا ہے"۔

"بخاری نے باب الشہادت کے آخر میں حوالہ دیا ہے مسلم اور ابو داؤد نے اپنی کتاب وصایا میں، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتاب احکام میں اور نسائی نے اپنی کتاب

وقف میں اور ان سب نے نافع سے لیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر کے صاحبزادے سے اس طرح روایت کی ہے کہ "حضرت عمر کو خیبر میں ایک قطعہ آراضی ملا تھا اس پر وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے کہ اس سے بہتر مجھے کبھی نہیں ملی۔ حضور کا اس بارے میں کیا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم پسند کرو جیسی بھی وہ ہے اسے وقف کر دو اور امورِ خیر میں دے دو۔ حضرت عمر نے تب اسے اپنے اعزہ غربا و غلاموں پر نیز راہ خدا میں اور مسافروں پر اس طرح وقف کر دیا کہ وہ نہ فروخت کی جائے نہ ہبہ نہ منتقل کی جائے نہ ورثہ میں دی جائے۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ متولی زمین کی آمدنی مستحقین کی ضرورتوں پر صرف کرے اور اس میں سے اپنے نادار دوستوں کو کھانا کھلائے۔ بخاری میں آپ (آنحضرت صلعم) کے ارشاد کا حوالہ اس طرح ہے۔ "میں اس کو وقف کر دوں کہ یہ فروخت نہ ہو سکے نہ ہبہ میں منتقل ہو سکے بلکہ غربا اس سے اپنی شکم پری کر سکیں۔ پس حضرت عمر بن خطابؓ نے حسب ارشاد وقف کر دیا۔"

"بخاری نے یہ بھی بتایا کہ یہ ایک کھجور کا باغ تھا۔ ابوداؤد نے بتایا کہ یحیٰ بن سعید نے کہا کہ عبدالحمید ابن عبداللہ بن عمر بن خطاب نے اس وقف نامہ کی جو حضرت عمر نے تحریر کیا تھا انہیں نقل بھیجی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ کے نام سے جو سب سے زیادہ رحمٰن اور رحیم ہے یہ اللہ کا غلام عمر سماغ کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس کا حوالہ دیا ہے اور وہ اس طرح ہے جیسا نافع نے لکھا اور ارشاد فرمایا ہے:

اس کے بعد جو آپ سے آنحضرت صلعم نے ارشاد گرامی فرمایا ہے:

" اگر متولی چاہے تو کسی آمدنی کی قیمت سے غلام خرید کرے یا کہ اس کی دیکھ بھال کر سکے۔"

یہ حقب کا تحریر کردہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن ارقم کی شہادت ہے "اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم کے حکم کے مطابق اس کے غلام عمر نے یہ تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی چیز مجھ پر واقع ہو تو سماغ اور اس کے اطراف یعنی ٹیلے اور اس میں غلام اور خیبر میں یک صد (۱۰۰) حصے اور اس میں غلام اور وادی میں سو حصے وہ آنحضرت صلعم وقف کرتے ہیں جو

حضرت حفصہؓ کی حین حیات ان کے رہیں گے۔اور ان کے بعد خاندان کے افراد کے پاس جو اس کے اہل ہوں رہیں گے اور نہ فروخت ہوں گے اور نہ خریدے جائیں گے اور اس کے بعد متولی ان سے اپنے اقربا فقرا کی شکم پری کرے گا۔اور ان کو بھی جن کو ورثہ نہ ملا ہو اور جس کو وہ پسند کرے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ متولی اس آمدنی میں سے خود بھی گذارہ کرے یا دوسروں کو کھلائے یا غلاموں کو آزاد کرائے۔"

لفظ (اکل) میں صرف الف کے زیادہ کھینچنے سے اس کا منشا کھلانے کا ہوتا ہے۔

حاکم اپنی کتاب مستدرک باب فضائل ازواقدی میں اس طرح لکھتا ہے:" یہ حدیث حضرت عمرؓ کے پسر نے عبداللہ بن عثمان کے حوالے سے اور انہوں نے حضرت ارقم مخذومی کے حوالے سے بیان کی کہ ان کے والد نے یحیٰ ابن عثمان اور انہوں نے ارقم کے حوالے سے بتائی اور ان سے عثمان ابن ارقم نے بیان کی میں سیدالاسلام کا لڑکا ہوں (یعنی کہ آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کے ساتویں سال جو اسلام لائے ان کا مکان کوہ صفا سے قریب تھا مکان اور اس میں آنحضرت صلعم اعلان نبوت کے زمانے میں رونق افروز تھے یہ وہ مکان ہے جس میں آپ نے لوگوں سے اسلام قبول کرنے کے لیے فرمایا کثیر تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ان میں عمر ابن خطاب بھی تھے اس لئے یہ بیت الا سلام کہلایا۔ارقم نے اس مکان کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کر دیا اور وہ وقف نامہ اس طرح تھا:

"اللہ کے نام سے جو سب سے زیادہ مہربان ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارقم نے اپنی جائیداد متصل ہذا کی آمدنی کو موخیر میں منتقل کر دیا یعنی اپنے بچوں کے لیے اسکو مع اس کی متصل جائیداد کے وقف کر دیا تاکہ یہ نہ بیع ہو سکے نہ یہ ورثہ میں دی جاسکے۔"

"اس کی گواہی ہشام بن عاص نے اور ہشام بن عاص کے غلام نے دی اور یہ مکان اس کی اولاد پر وقف کیا جو کہ اس میں رہتی تھی اور کرایہ پر دیتی تھی۔اور محض وہی اس کی آمدنی تصرف میں لاتی تھی اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔"

"ابراہیم ہادی نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابوبکر بن شیبہ سے اور انہوں نے حافص ابن غیاث سے اور انہوں نے ہشام ابن عروہ سے

اور انہوں نے اپنے والد سے یہ روایت سنی ہے کہ زبیر ابن عوام نے اپنے مکان کا ایک وقف اپنی لڑکیوں میں سے ایک کے نام جو مر مطلقہ ہوگئی تھی کیا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ مطلقہ سے مراد وہ عورت جسے اس کے خاوند نے طلاق دیدی ہو اور بیوہ سے وہ عورت مراد ہے جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو۔''

''بیہقی نے اپنی کتاب خلافیات میں لکھا ہے کہ ابو بکر عبداللہ ابن زبیر حمیدی نے کہا ہے۔''حضرت ابو بکر نے اپنے مکان واقع مکہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا تھا جو اب تک قائم ہے اور حضرت عمر نے اپنی جائیداد واقع متصل مروہ اور صنعا کی آمدنی اپنے بچوں کے حق میں وقف کی تھی جو اب تک قائم ہے اور حضرت علی نے اپنی آراضی واقع مصر اور اپنی جائیداد واقع مدینہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا جو آج تک قائم ہے اور حضرت سعد بن وقاص نے اپنے مکانات واقع مدینہ، مکانات واقع مصر اپنے بچوں کے حق میں وقف کئے تھے جو آج تک قائم ہیں۔اور حضرت عثمان نے رومہ کو وقف کیا وہ بھی آج تک قائم ہے اور عمرو ابن عاص نے طائف میں واقع اور اپنے مکانات واقع مکہ کو اپنے بچوں کے حق میں وقف کیا تھا وہ آج تک قائم ہیں۔''

''چوتھی حدیث اس بارے میں ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی موقوفہ اشیا کی آمدنی سے تصرف میں لاتے تھے۔مضیف کا قول ہے کہ خیر سے مراد مقصد وقف ہے ابن علی شیبہ اپنی کتاب مصنف کے ایک باب میں جس میں انہوں نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن کی بنا پر انہوں نے امام ابو حنیفہ کی رائے کی مخالفت کی ہے کہ ابن عتیبہ (عتبہ) نے انہیں ایک حدیث روایت کی جو انہیں ابن طاؤس سے اور انہیں اپنی اولاد سے پہنچی تھی۔

''مجھے حضرت حجر مری سے جو آنحضرت صلعم کے صحابی ہیں، معلوم ہوا کہ جائیداد جو آنحضرت صلعم نے وقف کی تھی اس کی آمدنی آنحضرت کے اہل بیت اپنے تصرف میں لاتے تھے۔''پانچویں حدیث یہ ہے:''وہ شئے جس سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدمی اپنی بسر اوقات کرتا ہے وہ وقف ہے۔''

مصنف مقدام ابن معدی قرب خذری اور جابر اور ابی امامہ نے بھی اس حدیث کی تکرار اکی ہے۔مقدام کی بیان کردہ حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی کتاب باب وقف میں اسمٰعیل ابن عیاشی سے اور انہوں نے بحیر ابن سعد سے اور انہوں نے خالد ابن

مقدام سے اور انہوں نے مقدام بمعدی قرب سے اور انہوں نے آنحضرت صلعم سے روایت کی ہے "جو چیزیں کہ انسان پیدا کرتا ہے ان میں سے کوئی بھی اس سے بہتر نہیں ہے جو وہ اپنے قوت یا زور سے پیدا کرے۔ جو کچھ ایک شخص اپنے یا کنبے پر اور اپنے بچوں اور ملازمین پر صرف کرتا ہے سب اس کی جانب سے امر خیر ہے۔"

نسائی نے اس کا حوالہ اپنی کتاب عشرت النساء میں بقیہکے حوالے سے اور انہوں نے بجیر کے حوالے سے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ جس سے تم اپنی پرورش کرتے ہو وہ تمہاری جانب سے امر خیر ہے اور جس سے تم اپنی بیوی کی پرورش کرتے ہو وہ امر خیر ہے اور جس سے تم ملازمین کی پرورش کرتے ہو وہ تمہاری جانب سے امر خیر ہے۔"

حدیث جو خذری ابن حبان سے اپنی کتاب صحیح کے پہلے باب میں دراج ابی سمح کے حوالے سے جو کہ ابوالہیثم نے ان سے بیان کی اور انہوں نے ابی سعید خذری کے حوالے سے اور انہوں نے آنحضرت کے حوالے سے بیان کی۔ "اگر کوئی شخص جائز طور پر کما کر اس سے اپنے اور دوسروں کی پرورش کرتا ہے اور دوسری خلق خدا کو کھلاتا ہے تو یہ زکوٰۃ ہے۔ حاکم نے بھی اس حوالہ سے اپنی کتاب مستدرک باب عتونہ میں دیا ہے۔"

مسلم نے اپنی صحیح میں باب ذکور میں ابی زبیر سے اور انہوں نے جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ پہلے اپنے سے ابتدا کرو۔ سب سے پہلے اپنے اوپر خرچ کرو اس سے بچ رہے تو بیوی اور اپنے رشتہ داروں پر وغیرہ وغیرہ"۔ اصحاب سنن (آنحضرت صلعم کے احکام کی تجوید کرنے والے مصنفین) نے معاویہ سے اور انہوں نے ابوہریرہ سے اور انہوں نے آنحضرت صلعم سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "صدقہ دو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اوپر صرف کر لو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہے تو آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی کو دو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے بچوں کو دو انہوں نے کہا کہ ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے ملازموں کو دو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو جہاں چاہو وہاں صرف کر دو۔"

ابن ماجہ نے اس حدیث کا صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حوالہ دیا ہے اور ان اسناد کا بھی حوالہ دیا ہے جن کی بنا پر اس کو قوی سمجھا ہے۔

ذخیرۃ الفتاویٰ

ناطقی کی کتاب اجناس میں ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کرے اور اپنے بارے میں یہ طے کرے کہ تاحین حیات اپنی پرورش کرے گا۔ اور ان کی بھی پرورش کرے گا جو وہ پسند کرے اور ان کے بعد اس کے بچوں کو اور بچوں کے معدوم ہونے کی صورت میں غربا کو دے گا۔ ابو یوسف کے مطابق یہ جائز ہے۔ اور اپنے بچوں کے حق میں وصیت نہیں ہے بلکہ بچے اس جائیداد سے استفادہ کرتے ہیں جو ملکیت خداوندی ہو چکی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص اپنے بچوں کے حق میں اور بچوں کے بچوں کے لیے اور اس کے بعد غربا کے لیے وقف کرتا ہے یہ جائز ہے اور یہ معاملہ بھی اس کے مثل ہے۔

خزینۃ المُفتِیّن

"اگر کوئی کہے "میں اپنی زمین کا وقف اپنے بچہ کے لیے اور اس کے بعد غربا کے لیے کرتا ہوں تو اس کی آمدنی اس کے بچوں اور اس کے بچوں کے بچوں کو ملے گی جب کہ سب معدوم ہو جائیں اور ان میں کوئی نہ رہے اور اگر تیسری نسل بھی ہو تو آمدنی غربا کو ملے گی نہ کہ تیسرے نسل کو اگر وہ یہ کہے کہ میرے بچے میرے بچوں کے بچے اور میرے بچوں کے بچوں کے لیے وقف کرتا ہوں اور تین نسلوں کا حوالہ دے تو وہ آمدنی اس کی آل پر جب تک کہ نسل قائم ہے صرف ہو گی اور اس کی آل میں اگر کوئی بھی زندہ ہو خواہ کتنے ہی درجہ اسفل ہو۔ غربا کو نہیں ملے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر واقف تین نسلوں کا حوالہ دے تو وقف ان کے اور ان سے بعید ترین کے حق میں ہو جو سب مساوی ہیں سوائے اس کے جب کہ وہ بوقت وقف کہے کہ بعد والا بعد والا رہے گا اور یہ کہے کہ میرے بچے کے حق میں اور اس کے بعد میرے بچے کے بچے کے حق میں اور یہ کہے نسلاً بعد نسلٍ ایسی صورت میں اس سے شروع ہو گا جس سے وقف نے شروع کیا ہے۔"

صدقہ یا وقف

مشکوٰۃ المصابیح کے اقتباسات

"آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ ہر فعل خیر صدقہ ہے اور اصلاً یہ بھی افعال خیر میں سے ہے کہ تم اپنی بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملو اور اپنی مشک سے اس کے برتن میں پانی ڈالو۔

بحوالہ ابو ہریرہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارا اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرانا یہ بھی صدقہ ہے لوگوں کو نیک کاموں کا مشورہ، برے کاموں سے روکنا یہ بھی صدقہ ہے اور گم کردہ راہ کو راستہ بتانا یہ بھی صدقہ ہے اور نابینا کو راہ بتانا یہ بھی صدقہ ہے اور تمہارا راستہ سے کانٹے ہٹانا ہڈیاں دور کرنا یہ بھی صدقہ ہے۔"

بحوالہ حضرت ابو ہریرہ ہاشم ابن حذام آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "سب سے اچھا صدقہ وہ ہے جو انسان اور کنبے کی (بسر اوقات) کے لیے کافی ہو۔ اور اس کی ابتدا ان سے ہو جن کے لیے تمہارے دل میں محبت ہے۔"

بحوالہ بن مسعود آنحضرت صلعم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کنبے یا اقربا کو بطور انعام کوئی چیز دیتا ہے تو یہ صدقہ ہو جاتی ہے حالاں کہ اس نے غربا کو نہیں دیا بلکہ اپنے کنبہ اور بچہ کو دیا ہے۔"

بحوالہ حضرت ابوہریرہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایک دینار راہ خدا میں صرف کیا اور دوسرا غلام کو آزاد کرانے کے لیے اور تیسرا دینار غربا کے لیے اور چوتھا دینار اپنے کنبے کے لیے تو اجر آخرت کے لحاظ سے وہ بڑا ہے جو تم نے اپنے کنبے پر صرف کیا ہے۔"

بحوالہ ثوبان آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دو دینار بہترین ہیں وہ جو ایک شخص اپنے کنبے اور اہل خاندان پر خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ دینار ہے جو ان چوپایوں پر صرف کیا جائے جو دین حقیقت خاطر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور چوتھا دینار وہ ہے جو راہ خدا میں اپنے دوست پر صرف کرے۔

"حضرت ام سلمہ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ "حضور جو کچھ میں نے

ابو سلمہ کے لڑکوں پر صرف کیا ہے کیا اس کے بارے میں کوئی ہے ان کے لڑکے میرے لڑکوں کے مقابلہ میں (غیر) نہیں ہیں میرے ہی لڑکے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا پس ان کو اور جو کچھ بھی دو گی اس کا اجر ملے گا۔"

حضرت زینب زوجہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا اے جماعت خواتین صدقہ دو۔ خواہ یہ تمہارے زیورات ہی ہوں یہسن کر میں ہی آپ کی خدمت سے اٹھ کر اپنے شوہر عبداللہ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ غریب ہیں اور آنحضرت صلعم نے مجھے صدقہ دینے کا فرمایا ہے آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان سے اجازت لیجئے کہ کیا یہ کافی ہوگا میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو صدقہ دوں اگر ایسا ہے میں آپ کو صدقہ دونگی۔ ورنہ میں کسی اور کو صدقہ دوں گی۔ عبد اللہ نے کہا تم خود ہی جاؤ اور اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہو اس پر میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہاں میں نے ضرورت مندوں سے کسی ایک کی عورت کو آستانہ نبوت کے دروازہ پر دیکھا اس کی بھی ضرورت میری طرح تھی مگر رعب نبوت اتنا زیادہ تھا کہ بلااذن حاضری کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس وقت حضرت بلال آنحضرت صلعم کے پاس سے باہر آئے اور ان سے میں نے عرض کیا کہ آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ عرض کریں کہ کیا یہ جائز ہوگا کہ ہم اپنے خاوندوں اور بچوں پر جو ہماری حفاظت میں ہیں مال صرف کریں مگر ہمارے نام نہ بتائیں کہ ہم کون ہیں۔"

"حضرت بلال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ کے بارے میں عرض کیا آپ نے فرمایا کہ وہ کون ہیں؟ حضرت بلال نے عرض کیا ایک تو خدام میں سے ایک کی زوجہ ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کونسی زینب؟ حضرت بلال نے عرض کیا زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ جائز ہے کہ اپنے خاوند کو دیں اور ان کے بچوں کو دیں اس طرح دو اجر ہیں ایک آپسی عزیزوں کو دینے کا دوسرا صدقے گا۔

بحوالہ سلیمان بن عامر پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ " غربا کو صدقہ دینے میں محض ایک صدقے کا اجر ہے مگر اقربا کو صدقہ دینے میں دو کا اجر ہے ایک صدقہ کا اجر دوسرا رشتہ دار کو دینے کا اجر۔"

''حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے اوپر صرف کرو اس نے کہا میرے پاس ایک دوسرا دینار ہے آپ نے فرمایا کہ بچوں پر صرف کرو اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے رشتہ داروں پر اپنی بیوی ووالدین پر صرف کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے ملازموں پر صرف کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا کہ تم جو اس کے اہل ترین ہوں اور ان کی حالت بہتر جانتے ہو ان پر صرف کرو۔''

حنفی لا متعلق وقف

بحر الرائق

امام ابو حنیفہ کے مطابق قانون میں وقف کے معنی کسی شے کو واقف کی ملکیت میں حبس کرنے اور اس کی آمدنی کا ذخیر میں صرف کرنے کے ہیں۔

صاحبین کے مطابق جائیداد کو راہ خدا میں حبس کرنے اور اس کی آمدنی مخلوق کے مفاد میں وقف کرنا ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ واقف آمدنی کو جسے چاہے دے۔

ذخیرہ میں ہے کہ اغنیا کو اپنے وقف میں شامل کرنا قربت خدابندی کا سبب ہے۔ وقف کی غرض دنیا میں زندہ لوگوں کی محبت حاصل کرنا ہے تاکہ قربت خداوندی ہو جائے اس کی شرائط بھی وہی ہیں جو کہ اغراض کی ہوتی ہیں کہ واقف صحیح العقل ہو بالغ ہو اور وقف فوراً نافذ ہونے والا ہو نہ کہ معلق رہنے والا ہو۔

وقف کے لیے ایسے ۲۶ صریح الفاظ ہیں جن سے وقف ہوتا ہے۔

(۱) آراضی غربا یا کسی شخص پر دائما صدقہ موقوف ہو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے

(۲) یہ صدقہ موقوفہ ہے اس بارے میں دوسرے امام ابو یوسف ہلال اور دیگر

تمام فقہا متفق ہیں۔

(۳) حبس ایک صدقہ ہے۔

(۴) یہ صدقہ محرمہ ہے اور یہ دونوں ہی دوسرے کے مثل ہیں۔

(۵) یہ موقوفہ ہے ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مطابق یہ لفظ خود وقف کا اظہار کرتا ہے اور بالآخر اس کا منشا غربا کے لیے وقف ہے صدر الشہید نے لکھا ہے کہ اس کی تائید میں فتویٰ ہے اور فقہا بلخ نے ابو یوسف کے مطابق فتوے صادر کئے ہیں اور ہم سب ابو یوسف کے فتاویٰ کے پابند ہیں۔

(۶) یہ ایک فقیر کے لیے موقوفہ ہے۔

(۷) یہ محبوسہ ہے

(۸) یہ حبس ہے اگر مقامی زبان کے مفہوم کے اعتبار سے "دائما" "وقف" مراد ہوں یہ قابل پابندی ہے جس طرح کہ موقوف یا وقف کیا ہو۔

(۹) اگر وہ یہ کہے کہ یہ سبیل (راستہ) کے لیے ہے اور اس لفظ کے مروجہ معنی (مستقبل) دائمی وقف کے ہیں تو یہ ایسے ہی سمجھا جائے گا ورنہ اس کے معنی معلوم کئے جائیں گے اگر اس سے مراد وقف ہے اور یہ کہے کہ اس سے وقف مراد ہے تو یہ وقف سمجھا جائے گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا صدقہ تھا تو یہ محض نذر یا منت سمجھا جائے گا۔

(۱۰) "یہ میں نے ناداروں کے لیے کیا ہے" اگر ان الفاظ کا مروجہ مفہوم وقف ہے تو یہ وقف سمجھا جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے معنی دریافت کئے جائیں گے اگر وہ یہ کہے اس کا منشا وقف تھا تو ایسی صورت میں وقف ہو گا اگر وہ یہ کہے کہ اس کا منشا صدقہ تھا تو اس کا منشا منت یا نذر سمجھا جائے گا۔

(۱۱) محرمہ

(۱۲) اس کا محض وقف کہنا صحیح ہے اور اہل حجاز میں عام ہے اور یہ حبساً موقوف کے مساوی ہیں۔

(۱۳) اور یہ مختصراً موقوفہ کہنے کے مثل ہے۔

(۱۴) اس کا یہ کہنا کہ میں نے انگور کے درختوں کے پھلوں کو فروخت کیا ہے تو یہ درختوں کا وقف ہو گا خواہ ان میں پھل ہوں یا نہ ہوں۔

(۱۵)اس کا یہ کہنا کہ میں نے اس جائیداد کی آمدنی کو اس طرح وقف کر دیا ہے۔

(۱۶)اس کا یہ کہنا کہ یہ راہِ خدامیں موقوفہ ہے یہ صدقہ موقوفہ کہنے کے مساوی ہے اور یہ پوری طرح فتح القدیر میں درج ہے بزارایہ میں ہے کہ ایک وقف جو محض لفظ موقوفہ سے کیا گیا ہو جائز ہے۔

(۱۷)اگر وہ یہ کہے کہ یہ وجہ الخیر (اچھے مقصد)یا وجہ الاحسن (مستحسن مقصد) کے لیے موقوفہ ہے تو یہ غرباکے لیے وقف ہے۔

(۱۸)اگروہ یہ کہے کہ میرے حج یا میرے عمرہ کے لیے صدقہ موقوفہ ہے تو یہ وقف جائز ہوگا

(۱۹)اگر یہ کہے کہ یہ صدقہ ہے اور بیع نہیں کیا جائے گا تو یہ نذر ومنت ہے لیکن مزید وہ یہ بھی کہے یہ بطور ہبہ نہیں لیاجائے گااور وراثت اس پر لاگو نہیں ہوگی تو یہ غرباکے لیے وقف ہوگا۔

(۲۰)اگر وہ یہ کہے کہ تم اس مکان کی آمدنی سے ہر ماہ دس درہم قیمت کی روٹیاں خریدو اور حاجت مندوں کودو تو یہ مکان وقف ہوگا (بقیہ غیر ضروری ہیں)

"جواز وقف کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے محض اختلاف اس لئے ہے کہ کب لازم اور قابل پابندی ہوتا ہے بقول ابو حنیفہ جج کی ڈگری سے جب تک یہ منسوخ نہ ہو قائم رہتا ہے۔"

صاحبین کے نزدیک یہ فوراً ہی قابل پابندی ہوتا ہے اور نہ یہ بیع ہو سکتا ہے اور نہ ورثہ میں دیا جا سکتا ہے۔ تمام فقہا نے صاحبین کے اصول کو اختیار کیا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔

" فتح القدیر کے مطابق یہ صحیح ہے اور اسی پر بالاتفاق صحابہ کا اجماع ہے اور ابویوسف کے مطابق ایک وقف غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے اور محض وقف کے اعلان سے ہی موثر اور قابل پابندی ہوتا ہے مگر بقول محمد متولی کو وقف پر قبضہ دہانی اس کو علاحدہ کرنے اور دائماًکا حوالہ دینے کے بعد قابل پابندی ہوتا ہے۔"

"اگر واقف وقف کی آمدنی اپنے لئے مختص کرے یا خود کو ہی متولی مقرر کرے تو یہ جائز ہوگا یعنی اگر بوقت وقف کوئی شرط مقرر کرے تو یہ شرط بھی جائز ہے۔اور ابو

یوسف کے مطابق اول الذکر جائز ہے۔اور محمد کے مطابق متولی کو قبضہ دہانی مشروط رکھنے سے یہ ناجائز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قبضہ دہانی کے متعلق ان میں اختلاف ہے اور اختلاف وقف کی لازمی شرائط سے ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے اختلاف بالکل نیا مسئلہ ہے اختلاف اس صورت میں ہوتا ہے جب واقف کی یہ شرط ہو کہ شے موقوفہ حین حیات خود اس کے تصرف میں اور اس کے بعد غربا کے کام آئے گی۔اور اس صورت میں اگر یہ شرط ہو کہ اپنی حین حیات اس کے تصرف میں اس کے بعد غربا کے تصرف میں رہے گی۔"

"محمد کے مطابق ایک وقف اسی وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی شخص مندرجہ بالا طرز سے کسی کو جائیداد کا مالک قرار دے۔پس واقف جس شرط کے تابع تصرف میں لائے اس سے وقف ناجائز ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایک شخص خود کو کس طرح مالک بتائے یہ تو ایک مشروط خیرات ہوگی۔اور عمارت مسجد کا ایک حصہ اپنے استعمال میں مختص کرنے کے مساوی ہوگا۔"

"ابو یوسف کلیتًا آنحضرت صلعم کے عمل پر انحصار کرتے ہیں کہ آپ صدقہ میں سے جو صدقہ موقوفہ سمجھا گیا ہے خود تناول فرماتے تھے مگر تاوقتیکہ ایسی شرط نہ ہو اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے۔ پس مندرجہ بالا مثال سے شرط جائز ہے۔مزید براں وقف کا منشا خود کو ملکیت جائیداد سے محروم کرنا اور اس کو خدائے برتر واعلیٰ کے حق میں متذکرہ بالا مقصد یعنی قربت خداوندی کے لیے وقف کر دینا ہے۔پس اگر کوئی شخص کل یا جزو اپنے لئے مختص کر کے جو کہ ملکیت خداوندی (وقف) سے لیتا ہے اور ملکیت ذاتی میں سے نہیں لینا یہ جائز ہے۔ یہ بعینہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اجنبیوں کے لیے مکان وقف کرے یا مسافروں کے لیے باقی کا حوض تعمیر کرے یا قطعہ آراضی کو قبرستان میں تبدیل کرے۔اور بایں شرط کہ وہ بھی اس میں قیام کرے گا پانی پئے گا اور دفن ہوگا۔ مزید برآں واقف کا مقصد امر خیر ہونا چاہئے جس سے وہ بھی استفادہ کرے۔آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اپنی بسر معاش کا انتظام کرنا بھی امر خیر ہے۔فتح القدیر کے مطابق بقول صدرالشہید ابو یوسف کے قول کو ترجیح ہے۔اور بقول ابو یوسف کے مطابق دئے جاتے ہیں ہم بھی ابو یوسف کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو وقف کرنے کے لیے ہمت افزائی ہو۔

مشائخ (فقہا) بلخ نے اپنی رائے کو اختیار کیا ہے اور ہدایہ سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اس کی تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں۔ وقف کے بحق خود مختص کرنے کی صورت میں اگر کوئی کہے کہ اس کے ذمگی قرضے آمدنی وقف سے ادا کئے جائیں اور اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ یہ بھی اور اس کی حالت قرضے میں انتقال کی صورت میں اس کے جائیداد سے ادا کئے جائیں اور بقیہ رقم راہ خدامیں وقف کی جائے۔ اس میں ہر صورت میں وقف جائز ہوگا۔

''خصاف نے کتاب ''وقف'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ شرط کرے کہ وہ مذکورہ آمدنی وقف کو اپنے بچوں۔ کنبے اور ملازمان کی بسر معاش میں صرف کرے گا اور آمدنی وصول ہونے پر اپنے قبضے میں رکھے گا لیکن خرچ کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ آمدنی کس کو ملے گی آیا اس کے ورثا کو یا جس کے حق میں وقف کیا۔''

''یہ بتایا گیا ہے کہ آمدنی اس کے ورثا کو ملے گی اس لئے کہ حسب شرط آمدنی اس کی تھی جو اس نے حاصل کی۔ مگر ہر ایک کا حصہ جو اسے پانا تھا اس میں مختص نہ تھا۔ خواہ وہ نصف یا چوتھائی تمام آمدنی جو اسے ملی ہے وہ ان کے لیے مشترکہ ہوگی اور یہی صورت اس وقت ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں فلاں منشا واقف کا انتقال ہو جائے تو دس حصوں میں سے ہر سال ایک حصہ جائیداد وقف کی آمدنی سے لیکر اس کے ایصال ثواب کے غرض سے ادائیگی حج پر صرف کیا جائے تاکہ قسمیں توڑنے کا کفارہ ہو سکے۔ اور فلاں فلاں نامزد مدات پر صرف کیا جائے اگر وہ یہ کہے کہ اتنے درہم ہر سال اس جائیداد سے صدقہ کئے جائیں گے۔ اور فلاں فلاں اغراض پر صدقہ ہوگا اور بعینہ فلاں فلاں حالت پر صرف ہوگا جن کو متولی درست خیال کرے۔''

''حماوی میں ہے کہ ابو یوسف کا یہ اصول لوگوں کے وقف کے لیے ہمت افزائی اور اضافہ اوقاف کے لیے فتویٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس اختلاف رائے سے یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ذکور اور اناث غلاموں کے لیے وقف کرے تو محمد کے نزدیک جائز اور ابو یوسف کے نزدیک ناجائز ہے جس طرح مفاد خود کے لیے شرائط بعض نے مندرجہ بالا اصول سے ہی اخذ کیا ہے۔ یہ دلیل کمزور صحیح مدبران اور ام الولد کا آمدنی کے تصرف کے لیے یہ ہے کہ مدبرین وغیرہ کی آمدنی کا استعمال جائز ہے اور ہر دو فقہا اس

پر متفق ہیں۔ محمد کی دلیل ہے کہ مالک کے انتقال پر دونوں (مدبران اور ام الولد) آزاد ہوں گے اور ان کے لیے مثل غیروں کے وقف ہو گا۔ اگر مالک کی حین حیات میں وہ آزاد ہو جائیں اگر ان کی حین حیات پیشگی آزاد ہو جائیں تو موت کے بعد کیا صورت ہو گی۔ ہدایہ اور مجتبیٰ میں اس مسئلہ پر جو دلائل میں اختلاف ہے۔ وہ کمزور ہیں۔ ہمارے تمام مشائخ نے ابو یوسف کے اصول کو اختیار کیا ہے پس کنایہ اور فتاوائے قاضی خان میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے اور فلاں فلاں کے لیے وقف کرے تو اس کا نصف جائز ہو گا یعنی دوسرے کا حصہ اور خود کا حصہ باطل ہو گا اور اگر وہ کہے کہ اس کے لئے وقف ہے اور اس کے بعد وہ کہے کہ وہ فلاں فلاں کے لیے وقف ہے اور اس کے بعد خود کے لیے تو مصنف جائز اور بقیہ نصف نا جائز ہو گا مگر یہ ایک عجیب بات ہو گی مصنف نے یہ رائے کیسے قائم کی یہ اطلاقی عبارت ہو گی۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ واقف نے خواہ کوئی بھی شرط رکھی ہو ان پر عمل کرنا چاہیے۔"

"آل کے حق میں وقف بلا اختلاف جائز ہے۔ جواز وقف کے بارے میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر وقف کی شرط ہو کہ آمدنی اس کے بچوں کے لیے ہو گی پس اگر وہ ذکور تک محدود کرتا ہے تو اس میں اناث شامل نہ ہوں گے اگر تیسری نسل کا بھی حوالہ دے تو غربا پر آمدنی صرف ہو گی تاوقتیکہ اس کی آل خواہ کتنی بھی بعید ہو موجود ہو۔"

تاتار خانیہ میں ہے کہ جب کوئی مختص افراد کے معروف طبقہ کے لیے جن کی تعداد کا تعین ہو وقف کیا جائے اور وہ بلا مشورہ قاضی متولی مقرر کریں اگر وہ اہل الرائے ہیں تو جائز ہے متقدمین کی رائے میں یہ سلسلہ قاضی کے سامنے پیش کرنا لائق ترجیح ہے مگر متقدمین فقہا کی رائے میں ایسا نہ کرنا اس کے لیے راجح ہے کہ ہمارے فقہا اور متاخرین مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ یہ لوگ اپنا متولی مقرر کریں۔"

"طحطاوی"

"متن درالمختار محمد اور ابو یوسف ہر دو کے مطابق وقف سے مراد کسی شے کا ملکیت خداوندی میں روک کر آمدنی حسب منشا واقف چاہیے خواہ وہ دولت مند ہو خرچ کرنا چاہیے پس وقف قابل پابندی ہو گا۔ اور واقف اس کو نہ منسوخ کر سکتا ہے اور نہ ورثہ

میں دے سکتا ہے ابن کمال اور ابن شحنہ کا فتویٰ بھی یہی ہے منشا یہ ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوش نصیب رہے اور آخرت میں بھی اجر حاصل کرے یعنی اگر ایسا شخص جو اس بارے میں اہل ہو وقف کرے اس لئے کہ کسی ملحد کا بھی مباح وقف کرنا جائز ہے اور بعض وقف اس قسم کی بنا پر لازم ہو جاتا ہے مصنف نے الفاظ تُوفِي الجُملَتی اضافہ کیا ہے فتح القدیر کی عبارت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن کمال نے بھی اسی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ فتح القدیر کے مطابق آمدنی جس پر چاہے صرف کرے اگر وقف امیر کے حق میں کیا جائے خواہ وہ قربت خداوندی کے لیے ہو مگر ایسا وقف جس کا مقصد انجام کار دائماً قرب خداندی ہو وقف ہو گا۔ خواہ دولت مند اس سے علیحدہ کر دئے جائیں اور غربا کا حوالہ نہ ہو یعنی جیسے کہ غربا کے لیے وقف ہو اور اس اضافہ سے وقف کی تعریف جامع ہو جاتی ہے اس مسجد کے مصارف کے اضافے سے یہ وقف جائز ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان کا یہ نتیجہ ہے کہ وقف کا مقصد کسی بھی معنی میں اور کسی بھی وقت امر خیر کی انجام دہی ہے اور محیط کے مطابق بھی یہ جائز ہے اور اسی کے مطابق اگر وقف محض امراتک محدود ہو تو جائز ہو گا۔ اس لئے کہ اس میں قربت نہیں ہوتی اور معاملہ جب کہ انجام کار مقصد غربا کے لیے ہو یہ مختلف ہوتا ہے اس لئے کہ مجموعی طور پر معاملہ کی قربت کا ہے۔

متن :-ابو یوسف محض لفظ "موقوفہ" کافی سمجھتے ہیں۔ شہید بھی یہی کہتے ہیں کہ مروجہ طریقہ کا لحاظ کرتے ہوئے میں بھی اسی کے مطابق فتویٰ صادر کرتا ہوں۔

شرح:- مصنف کی رائے میں لفظ موقوفہ وغیرہ، حسب ابو یوسف جب وقف محض ایک لفظ سے وقف کیا جائے اس سے مراد غربا ہیں جب منشا مختص طریقہ کے استعمال کا ہو تو غربا کے لیے وقف دائمی ہوتا ہے اس لئے کہ غربا کبھی معدوم نہیں ہوتے۔ بحر الرائق میں بحوالہ صدر الشہید ہے کہ وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور مشائخ بلخ نے بھی اسی کے مطابق فتوی صادر کئے ہیں۔ ابو یوسف کے مطابق ایک لفظ کے استعمال سے وقف جائز ہو گا خواہ اس میں لفظ دوام یا جس کے لیے وقف کیا جائے، اس کا حوالہ نہ ہو۔"

"فقہا متقدمین متوفی پر قرآن خوانی خوانی تواہم عام طور پر سمجھتے ہیں مگراب یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے اور فقہا متاخرین نے اس کی اجازت دی ہے" اور اسی اجازت کی وجہ

سے امام محمد کے کلیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔"

"کسی مسلم سلطنت کی غیرمسلم رعایا کو ذمی یا اہل ذمہ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر کسی فرماں روانے کسی ملک کے ساتھ اپنی وفاداری کا حلف لے لیا ہے اور اس میں ملت اسلامیہ کے خاص سربراہ کی حیثیت سے اس کی حفاظت جان ومال ونگرانی وشہری حقوق کے استعمال کرنے کی آزادی کی ضمانت دے دی ہے۔

"ایک غیرمسلم حکومت کی غیرمسلم رعایا کو کسی مسلم حکومت میں داخل ہونے پر اگر اس کو حفاظت کی ذمے داری دی جائے تو مستعمین کہلاتا ہے۔"

یہ ضمانت خاص ہو سکتی ہے جو اس کی ذات تک محدود ہو یا عام ہو سکتی ہے اس کو فرمانروا کی صلح کی بنا پر جس کی رو سے خاص طور پر حکومت کی تمام رعایا شامل ہو کوئی بھی مسلمان خواہ غیر مسلم کے مقابلے میں اس کی کوئی بھی حیثیت ہو مسلم سلطنت کی حدود میں داخل ہونے پر اسے خاص امان دے سکتا ہے جو ایک مختص مدت کے لیے ہو گی مگر خاص امان جو حکومت منظور کرے اور اس ملک میں تمام مدت قیام جاری رہے گی۔"

وقف نامہ بمقدمہ دو جان بی بی ــــ بنام عبداللہ باربر

سب حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو فضل وکرم فرماتا ہے اور تمام درود وسلام آنحضرت صلعم سردار انبیا پر اور رحمت اور برکت ہو آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر جو کہ منزہ ومصفیٰ ہیں اما بعد غفرہ مسماۃ گوونڈ بی بی زوجہ شیخ کلو خانساماں ساکن موضع کولنگا واقع دیہو برجی جو کہ کلکتے کے محلوں میں سے ایک ہے، بصحت جسم وحواس جو اہل جملہ قانونی کاروائی ہے، برضاورغبت خود بلا کسی جبرواکراہ بہ پابندی قانون درج ذیل اعلان کرتی ہے۔

"جو کہ مختلف آراضی رعیت وزمین میری خرید کردہ بلاشرکت غیرے میرے قبضے میں ہیں جس کے ثبوت میں فروخت کنندگان کے اسما ہیں نیز جائیدادہا جو سابق میں میرے خاوند کی مملوکہ تھیں جو مجھے شادی میں ملیں نیز تمام جائیدادہا استمرار جن کا ثبوت اور پروانہ ہا نیلام میں سے واضح حدود اربعہ اندراج ہے، اور جو حقوق مالکانہ کی بنا پر تنہا میرے قبضے میں ہیں اور کسی دوسرے کا اس میں نہ کوئی حصہ نہ حق اور دوسرے کے قبضہ سے بری اور آزاد ہے بذریعہ تحریر بربنائے خوشنودی خداوند تعالیٰ شرائط مندرجہ کے

اور پروانہ ہانیلام میں سے واضح حدود اربعہ اندراج ہے، اور جو حقوق مالکانہ کی بنا پر تنہا میرے قبضے میں ہیں اور کسی دوسرے کا اس میں نہ کوئی حصہ نہ حق اور دوسرے کے قبضہ سے بری اور آزاد ہے بذریعہ تحریر بربنائے خوشنودی خداوند تعالیٰ شرائط مندرجہ کے مطابق وقف کرتی ہوں۔

(۱) جو کہ متذکرہ بالا آراضیات کا زیر کرایہ کلکتہ میں واقع ہیں ان کی آمدنی حسب ضروریات خود اپنے تصرف میں لاؤں۔ اور بعد ادائے مال گزاری حاصل سرکاری مقررہ کے کئی اعزہ (پوتہ، پوتی، بہو، نواسہ، نواسی) جو ہمراہ رہائش وبسر اوقات میں شامل ہیں بدستور استفادہ کرتے رہیں گے۔ اور تعداد مستحقین میں کمی یا بیشی یا حسب کمی وبیشی آمدنی کا مجھ کو اختیار ہو گا نیز مسجد کی تنخواہ موذن وخطیب کے دیگر مصارف ماہ رمضان وعیدین اسی آمدنی سے اداہو ں گے اور میرے بعد جو بھی ہو وہ مثل میرے تمام اختیارات کام میں لائے گا۔

(۲) اپنی حین حیات میں متولی رہوں گی اور میرے بعد میری لڑکی کا لڑکا عبداللہ ولد شیخ جمن ساکن کلکتہ متولی ہو گا اور عبداللہ کے بعد اور میرے اعزہ میں سے جو بھی ہو متدین اور اہل ترین متولی ہو گا۔

(۳) میرے انتقال پر نہ متولی اور نہ میرے ورثا کو کسی بھی صورت میں جائیداد متذکرہ کو بیع یا منتقل کرنے کا حق نہ ہو گا آمدنی جائیداد امور الخیر ومستحسن اغراض پر میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق صرف ہوتی رہے گی۔

پس یہ چند الفاظ بطور سند اس مقدس وقف کی غرض سے تحریر کئے ہیں اور جو قابل پابندی دستاویز قطعی کی صورت میں رہیں اور وقت ضرورت کام آئیں۔

(اس کے بعد ان آراضیات کی تفصیل ہے جن کا کہ وقف کیا گیا ہے درج ہے)

محررہ یوم پنجشنبہ آخر ماہ مارچ ۱۹۳۲ء مطابق ماہ پھاگن ۱۳۸۳ بنگلہ۔ مطابق ۷ ۲؍ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ۔